

مقالہ پی ایچ ڈی

تفاسیر

سورۂ یوسف

لغاری
مولانا عبداللہ
رحمۃ اللہ علیہ

⇐ از ⇒

سندھی
مولانا عبید اللہ
رحمۃ اللہ علیہ



کا

تقابلی جائزہ

تحریر و اشراف ⇐
الحاج ڈاکٹر عبدالواحد جے ہالے پوٹا - چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
ڈاکٹر احمد اقبال - پروفیسر شعبہ تقابلِ ادیان و ثقافت اسلامیہ جامعہ سندھ

تنقیح توضیح تشریح و تحقیق

حافظ احمد خان اعوان
صدر شعبہ علوم اسلامیہ فیڈرل گورنمنٹ کالج
اسلام آباد

6-4-90
Islamabad.

شعبۂ تقابلِ ادیان و ثقافتِ اسلامیہ
جامعہ سندھ جام شورو

۱۴۱۰ھ
۱۹۸۹ء



بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد - تمام تعریفیں زیبا ہیں رب کائنات کو جو رب العالمین ہے اور مالک یوم الدین اور درود و سلام ہوں رحمت کائنات پر جو رحمۃ للعالمین ہیں اور خاتم النبیین اور شافع یوم الدین ہیں -

سب سے پہلے میں خدائے بزرگ و برتر کا شکر گزار ہوں کہ اُس نے اپنے خاص فضل و عنایت سے اپنے آخری نبی پر نازل کردہ آخری آسمانی کتاب "قرآن مجید" کے مطالعہ اور اس کی تفسیر پر کام کرنے کی توفیق بخشی -

زیر نظر تفسیر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ سلف صالحین سے وابستہ رہتے ہوئے عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے - دور جدید کے مسائل و معاملات کو زیر بحث لاکر وقت کی اشد ضرورت کو پورا کرنے کی اہم کوشش کی گئی ہے - یہ بھی اُسی رب ہی کی خاص عنایت ہے کہ مجھے ایسے شفیق اساتذہ اور ہمدرد معاونین عطا فرمائے جن کی محبت و شفقت اور تعاون سے میں اس عظیم کام کو سرانجام دینے کے اہل ہو سکا -

جناب استاد گرامی مرتبت الحاج پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ھالیپوتہ صاحب پروفیسر سپیشل میرٹ گریڈ (نیشنل پروفیسر) سندھ یونیورسٹی حال چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان - جنہوں نے مجھے حضرت مولانا عبداللہ لغاری رح کی جمع کردہ تفسیر پر کام کرنے کا شوق دلایا - اور محترم پروفیسر ڈاکٹر احمد اقبال صاحب جیسے مشفق استاد جو کہ استاد محترم کے فاضل شاگرد ہیں - میرے لئے گائیڈ پروفیسر کا انتخاب فرمایا - جو میرے لئے باعث فخر ہے -

1963ء کی بات ہے جب احقر نے گوٹھ حاجی احمد خان لوھیو نوشہرو فیروز سندھ
سے اپنے حقیقی چچا اور استاد محترم جناب حافظ شبیر محمد صاحب سے حفظ قرآن مکمل
کر لیا تو درس نظامی میں داخلہ کا مرحلہ آیا۔ ابھی تک عربی مدارس میں داخلہ ہونے
میں دیر تھی کہ جناب حاجی عبدالرحیم لوھیو صاحب کی وساطت سے محترم و شفیق
استاد حضرت مولانا عبدالقادر لغاری رح کی خدمت میں سانگھڑ پہنچا اور فارسی
کی ابتدائی کتب اُن کی خدمت میں رہ کر پڑھنا شروع کیں۔ آپ کی مربیانہ شفقت
سے مزید شوق بڑھا اور یہ شوق مدرسہ عربیہ مخزن العلوم خان پور لے آیا۔ خان پور
میں دو سالہ قیام کے دوران اکثر و بیشتر دین پور شریف جاتا اور بزرگوں کی زیارت کا شرف
حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح کے مزار مبارک پر حاضری دیتا
اور فاتحہ خوانی کرتا۔ وہیں سے میرے دل میں ایک کشش اور چاہت پیدا ہوئی
کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے فلسفہ کے اس عظیم شارح امام انقلاب رح کی
خدمات کا بغور مطالعہ کیا جائے اور ممکن ہو تو اُسے کتابی شکل میں جمع کیا جائے
قضا و قدر کے فیصلے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ دو سال تک خان پور میں تعلیم
حاصل کرنے کے بعد واپس سندھ پہنچا اور نوشہرو فیروز ہائی سکول سے میٹرک کا
امتحان پاس کر کے محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہو گیا۔ یوں یہ دلی خواہش دل ہی
دل میں رہ گئی۔ مروجہ تعلیم جاری رکھی اور سندھ یونیورسٹی سے اسلامک کلچر
میں ایم۔ اے کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا اور اگلے ہی سال
1977ء میں ایم۔ ایڈ کا امتحان بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا۔
تلاش معاش کے سلسلہ میں اسلام آباد پہنچا اور فیڈرل گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 اسلام آباد

میں تعنیات ہوا۔ یہیں متبحر عالم دین اور اردو و فارسی کے قادر الکلام شاعر جناب حافظ محمد ظہور الحق ظہور صاحب کی رفاقت و شفقت نصیب ہوئی اور یہیں استاد محترم جناب ڈاکٹر عبدالواحد ھالیپوتہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اسوقت آپ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر تھے۔ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اور اسی مرد درویش علم کے بحر ذخار نمونۂ سلف کی رفاقت سے دلی شوق ایک دفعہ پھر ظاہر ہوا۔ اور استاد محترم کی رغبت شفقت و عنایت سے عظیم کام کا بوجھ اسی نحیف کے کندھوں پر آیا۔

جناب ڈاکٹر صاحب ہی کی شفقت و عنایت اور محبت کے طفیل جناب پروفیسر ڈاکٹر احمد اقبال صاحب جناب مولانا علامہ غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب۔ جناب ڈاکٹر منیر احمد مغل صاحب جناب برادرم ڈاکٹر کلیم اللہ ساریو صاحب جیسے شفیق معاون میسّر آئے۔ جن کے خصوصی تعاون اور جناب استاد محترم کی رہنمائی سے اس عظیم کام کو پورا کرنے کا شرف نصیب ہوا۔

میری خوش قسمتی ہے کہ جس تفسیر کو مدوّن کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں یہ مولانا عبداللہ لغاری رح کی تصنیف ہے اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح کے درس پر مبنی ہے جو کہ آپ مکہ مکرمہ مسجد حرام میں بیٹھ کر دیا کرتے تھے۔ یوں میری عرصۂ دراز سے خوابیدہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔ سکینت و طمانیت کے جذبات ضبط تحریر میں لانے سے قاصر ہوں۔

برصغیر کے علماء میں امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح کا نام نامی بہت سی خصوصیات اور اعلیٰ صفات کا حامل ہے۔ علماء کے تمام مکاتب فکر میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح کا علمی تبحر اور فکری انقلاب جو اسلامی حکومت کے لیئے ایک عالمی سطح کی تحریک کا حامل تھا اور یہی فکر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

کی طرز فکر کی عکاسی کرتی ہے۔ کہ اسلام۔ قرآن۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ جہت تعلیم قدرتی اسباب و اسرار سے مزین ہے۔

اسلام کی مجموعی تعلیم اپنے افراد کے لئے کسی بھی حکمت و تدبر سے خالی نہیں شاہ ولی اللہ رح کے نقطۂ نظر سے قرآن ایک عالمی تدبیر کا حامل صحیفہ ہے اور یہ عالمی تدبیر انسانی اجتماعیت اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کو ہمیشہ اُجاگر رکھتی ہے۔

حدیث کی رُو سے "فکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق"

قرآن مخلوق میں فکر کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور اسی فکری ترغیب کے ذریعے انسان حق کو تلاش کرتا ہے اور یہی تلاش حق اُس کے لئے اطمینانِ قلب و سکون کا باعث بنتی ہے اور اسی عبادت و ریاضت میں وہ اپنے رب کے حضور مطلوبہ معیار حاصل کر لیتا ہے جس کی بنا پر طالب و مطلوب کے درمیان ایک اعلیٰ رضا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

یعنی رضی اللہ عنھم ورضوعنہ —— راضیۃ مرضیہ —

فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی —— کا اعلیٰ مقصد بھی انسان اپنی فکری صلاحیتوں کی روشنی میں حاصل کر لیتا ہے اور اسی فکری تحریک کا محرک قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کو سمجھنے اور اسی کی فکری راہوں کو تلاش کرنے کے لئے ایک اعلیٰ سے اعلیٰ صاحب ذوق اور سلیم الطبع انسان کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اُن کے بتائے ہوئے فکری اصولوں پر عمل کرنے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رض کے درمیان جو فکری وحدت تھی اُس کے دو محرک تھے ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ امانت و صداقت اور دوسرا کلام الٰہی

کا فکری اثر۔

ان دونوں باتوں نے صحابہ کرام رض کے درمیان ایک مضبوط فکری تحریک و اجتماعیت کا عنصر پیدا کیا۔ جس کے تحت وہ ملکر ایک اعلیٰ مقصد کو حاصل کر سکے اور اس فکری تحریک کے نتیجے میں انہوں نے ایک اعلیٰ اخلاقی اور مہذب معاشرے کی تشکیل دی اور اس پر عمل پیرا ہوتے رہے۔

مسلمانانِ عالم جب تک اس فکری وحدت اور تحریک پر عمل کرتے رہے تو وہ انفرادی و اجتماعی طور پر مقبولیت کے ساتھ ساتھ اپنے اعلیٰ مقاصد (یعنی دنیوی و اخروی کامیابی) حاصل کرتے رہے۔ آج بھی ہمیں قرآنی فکر کی روشنی میں سلف کی طرح اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے تحریک کی ضرورت ہے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح کے شاگرد حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کا خلاصہ صرف تین عہد ہیں۔ اگر کوئی شخص ان باتوں کو اپنا عقیدہ و ایمان بنالے تو وہ مسلمان ہے۔

۱۔ اللہ کو اس کی عبادت کر کے راضی کرنا
2۔ مقصودِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اطاعت کر کے راضی کرنا۔
3۔ مخلوقِ خدا کو اس کی خدمت کر کے راضی کرنا۔[1]

اعلیٰ مقاصد کے حصول (دنیوی و اخروی کامیابی) کے لئے ہمیں ہمہ وقت انفرادی و اجتماعی طور پر کوشاں رہنا چاہیے۔ جس کی مثال اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسوۂ صحابہ رض۔ علمائے امت۔ حکماء اور اولیاء کرام کی زندگیوں سے (انسانی فکری وحدت کی مثالیں) ملتی ہیں۔

[1] مقالات سیرت۔ مولانا عبدالقادر آزاد۔ ص 36۔ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب صوبائی سیرت کانفرنس 1981ء

قرآن نے تین اہم مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے تاریخ عالم سے بہت سی مثالوں اور مسئلوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۱۔ عقیدۂ توحید ۲۔ رسالت ۳۔ عقیدۂ آخرت

قرآن کے یہ تینوں مرکزی موضوع ہیں اور ان تینوں مرکزی موضوعات کا حصول ہی اعلیٰ مقاصد کے لئے بندہ حاصل کرتا رہتا ہے۔ جس سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں جہاں بھی انبیاء کا ذکر ہے وہاں اجمالاً و تفصیلاً دو باتوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔

۱۔ نبی کی نبوت کا اثبات

۲۔ اسکی تعلیم و تحریک کے اثرات و باقیات۔

اسی ضمن میں سورۂ یوسف بھی ایک کامل نبی حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں بتاتی ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ مقصد کے لئے ابتداء سے آخر تک کوشاں رہے جو کہ صفات نبوت میں سے ایک اعلیٰ صفت بھی ہے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام شروع ہی سے فکری تحریک کے داعی اور محرک رہے اور ان کی زندگی کے جتنے بھی موڑ تھے۔ وہ ان کی عملی تربیت تھے۔ بالآخر وہ اپنی تمام زندگی کے مراحل سے گزرتے ہوئے اپنے اعلیٰ مقصد تک پہنچ گئے اسی کامیابی پر وہ اترائے نہیں بلکہ یوں شکر ادا کرنے لگے:۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِىْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۱؎

۱؎

اور یہ دُعا بھی کی کہ اُخروی مقصد کے لئے بھی مجھے دنیاوی نعمتوں کی طرح نوازا جائے یعنی۔ الحقنی بالصالحین ۔ صالحین کے ساتھ میرا حشر ہو۔ یہی تعلیم و تربیت اسلامی محرکین کے لئے آج بھی ایک قیمتی درس ہے۔
قرآن پاک میں جس دُعا کو سراہا گیا ہے وہ یہ ہے:۔
رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ ۔
سورۂ یوسف کی فکری تحریک کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان صرف دنیوی مشکلات کے حل کے لئے آہ و التجاء سے کام نہ لے بلکہ تدبّر و حکمت اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے ۔ اور آج کی تکالیف سے کل کی نجات کا سامان ڈھونڈھے ۔ دنیا بندے کے لئے آج ہے اور کل کے لئے آج ہی کمانا ہے ۔ کل کا مقصد یہ ہے کہ ۔ الحقنی بالصّالحین۔ کا درجہ نصیب ہو جائے ۔
انسان اپنی زندگی میں اسباب و زر کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور اُن لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں فخر محسوس کرتا ہے جو مال و زر کے مالک ہیں اور اسی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے کہ دنیا میں صاحب مال و زر ہو جاؤں اور غریب طبقہ سے نکل کر امیر طبقہ میں شامل ہو جاؤں ۔
اسی طرح انسان چاہتا ہے کہ آخرت میں خدا کے مخلصین اور انعام یافتہ مخلوق کے ساتھ شامل ہو جاؤں نہ کہ مغضوب علیہ قوم کے ساتھ ۔
قرآن مجید ان دونوں باتوں کا داعی ہے یعنی دنیوی و اُخروی زندگی کی کامیابی ۔

جب ہم انسانی معاشرے کا مطالعہ کرتے ہیں تو انسانی اصلاح کے لئے بہت سی
تحریکوں اور تحرکین کو دیکھتے ہیں۔
بعض تحرکین اور تحریکیں صرف اسباب زر کے حصول کے لئے ترغیب
دیتے رہتے ہیں اور اسی کے لئے مخالفانہ۔ مخاصمانہ اور محرکانہ انداز میں
مصروف رہتے ہیں۔ اور بعض محرک اور تحریکیں صرف رہبانیت کی
طرف لے جاتی ہیں اور دنیا سے لاتعلق سکھاتی ہیں۔ یہ دونوں اعلیٰ مقاصد
میں کامیابی کا سبب بننے کی بجائے رکاوٹ بنتی ہیں۔
پہلے گروہ میں اخروی مقصد ہے ہی نہیں جبکہ دوسرا گروہ مبادیات سے
بالکل دور نظر آتا ہے۔
اسلام کا بنیادی مقصد ہے۔ تقویٰ شعاری (کمال محتاط ہونا) شکر گزاری (کمال
قدردان ہونا) ہدایت یافتہ ہونا۔ عقل مند ہونا۔ کامیاب و کامران ہونا۔
رحم یافتہ ہونا۔ خدا کو یاد رکھنے والا ہونا۔ اپنے رب سے ملاقات پر
کامل یقین رکھنے والا ہونا۔ خدا کے حضور مکمل فرمانبردار ہونا۔
انسانی ترقی کے مختلف مدارج ہیں۔
قرآن پاک کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جوں جوں انسان صحیح علم اور عمل کی
طرف ترقی کرتا ہے تو مندرجہ بالا مدارج طے کرنا شروع کر دیتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی زندگی و تحریک کا جو معیار و اصول تھا اُس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے
وہ دونوں مقاصد (دُنیوی و اُخروی) میں کامیاب ہوئے۔ یعنی ایک طرف وہ

مسائل و مشکلات سے گزرتے ہوئے مدبرانہ صلاحیتوں کے مالک ہوئے اور اعلیٰ صلاحیتوں کے ذریعہ بادشاہِ زمانہ بنے اور دوسری طرف سلیم طبع اور اطاعت خداوندی کی روشنی میں نبوت کے اصولوں کے پیشِ نظر خدا کے حضور الحقنی بالصالحین کے لئے پر اُمید رہے۔

قرآنی تفاسیر و تراجم میں اکثر تفسیریں سابقہ روایات۔ مثالوں اور گرامر کے اصولوں کے تحت سورہ یوسف کا ترجمہ و تفسیر پیش کرتے ہیں اور بعض تفاسیر میں حضرت یوسفؑ کو مجبور محض اور بے یار و مددگار ثابت کیا گیا ہے۔ دوسری طرف اصل واقعہ کو افسانوی رنگ میں ڈھالا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فکری و تدبیری صلاحیتوں کا انتر قاری سے چھین لیا گیا۔

قرآن کی ہر مثال اور ہر بات اپنی آفاقیت کی بنا پر اعلیٰ تقصد کی حامل ہوتی ہے اور سورہ یوسف سے یہی ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے دونوں مقاصد میں کامیاب رہے برِصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ پہلے شخص تھے جنہوں نے حکمت و تدبیر اور اسرار علوم الدین کے علم کی بنیاد رکھی۔ عقائد۔ عبادات۔ معاملات اور دیگر اسلامی رسومات کو اسطرح ثابت کیا کہ ان سب پر عمل پیرا ہونے سے انسان اپنے اعلیٰ مقاصد (دینی و اخروی کامیابی) کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس بات کو رد کر دیا کہ اسلامی تعلیمات دیگر مذاہب کی طرح افسانے اور جبر محض نہیں ہیں کہ بلا اسرار و رموز و مطلب و مقصد عمل کیا جائے بلکہ انہوں نے دین کی فکر۔ ذہنی اور عملی باتوں کو اعلیٰ حکیمانہ انداز میں پیش کیا ہے جس سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام کا عقیدہ۔ عبادات۔ حدود حلت و حرمت سب کے سب اعلیٰ مقاصد کے حصول میں کامیابی اور ثابت قدمی کے لئے بہت ضروری ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح نے اسرار علوم الدین کی تحریک کو زندگی کے ہر شعبہ میں داخل کیا اہل ذوق و عبادات کے لئے عبادات کے اسرار لکھے اور فکر و فلسفہ کے داعیوں کے لئے اعتقادات کے رموز لکھے اور اسطرح معاشرتی۔ اقتصادی اور سیاسی نظام کے لوگوں کے لئے اسلامی اجتماعیت کی تعلیم دیتے رہے۔ سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ فرمایا اور قرآنی علوم پر الفوز الکبیر تصنیف فرماکر قرآن اور حکمت الہیہ کو سمجھنے کے لئے خاص و عام کے لئے نمایاں دینی خدمت سرانجام دی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح کے بعد بھی ان کی تعلیم و تحریک یعنی اسرار علوم الدین کا فلسفہ ان کے طلبہ و اولاد نے جاری رکھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رح۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رح۔ شاہ عبدالغنی رح۔ شاہ رفیع الدین رح شیخ محمد عاشق رح۔ حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی رح۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رح بھی ہمیشہ حضرت شاہ ولی اللہ رح کی طرزِ فکر کو اپناتے ہوئے دوسروں تک پہنچانے میں کامیاب کوشاں رہے۔

سلف کے اس ورثے اور فلسفے کے محرک امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی علوم اسرار الدین کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ان کی کتب اور فکر کے مطالعہ سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ عقیدہ توحید اور انسانیت کی عالمی اجتماعیت کے داعی و محرک تھے۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح کا طرز فکر تحریر و تبلیغ اسرار علوم الدین کیلئے تھا اور وہ ہمہ وقت قرآن کی تحریک و رموزات کو آسانی سے آسان تر بنانے کے لئے کوشاں تھے وہ اپنے قیام و سفر میں ہمیشہ درس قرآن کے ساتھ ساتھ شاہ ولی اللہ رح کے فلسفے

کو بھی زیر تدریس رکھتے تھے اور اپنی ہر تقریر و تحریر میں شاہ صاحبؒ کے ترجمان و شارع نظر آتے ہیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ قرآن کی تفسیر کے لئے اپنے اردگرد اعلیٰ و ذھین تر شاگردوں کا کے مجمع کے خواہاں رہتے تھے۔ ہندوستانی مجالس ہوں یا درس گاہیں یا بیرون ملک سفر یا حرمین شریفین میں قیام ہو مولانا کی خدمت میں ہمیشہ ذھین لوگوں کا جمع رہتا تھا اور یہی مجمع مولانا کے ارشادات و درس و تدریس لکھتا اور جمع کرتا رہتا تھا۔ ان میں سرفہرست مولانا محمد موسیٰ جاراللہؒ مولانا عبداللہ لغاریؒ۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ھالیپوتہ صاحب علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب۔ پروفیسر محمد سرور و دیگر اہل علم کے نام خصوصیت کے حامل ہیں

حضرت مولانا سندھیؒ کے فکر اور تحریکوں کا بہت سا مجموعہ دو افراد کے پاس جمع رہا۔ حضرت مولانا موسیٰ جاراللہ ــــ اور دوسرے حضرت مولانا عبداللہ لغاریؒ۔

یہ دونوں قابل قدر شخصیتیں مولانا سندھیؒ کی خدمت میں زندگی کا بیشتر حصہ صرف کر چکی تھیں اور زندگی کے آخری لمحات تک تقریر و تحریر میں اپنے مربی استاد کے فلسفے کو پڑھاتے و سمجھاتے رہے۔

ہمارے ملک میں مولانا عبداللہ لغاریؒ اپنی علمی خدمات اور مولانا سندھیؒ کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے علماء کے حلقے میں نہایت مقبول شخصیت رہے ہیں اور یہ مقبول شخصیت اپنے آخری ایام میں ہمارے محترم استاد ڈاکٹر عبدالواحد ھالیپوتہ صاحب (جو کہ موجودہ زمانے کے نہایت بلند مرتبہ عالم ہیں) کے پاس رہے اور ان کا علمی و تحریری سرمایہ استاد محترم کے شرف نصیب میں رہا۔

استاد محترم منکسر مزاجی۔ اعلیٰ سخاوت۔ حلم و تدبر میں کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں
طالب و شاگرد کے لئے مرغوب شخصیت ہیں کہ طالب علم کے لئے ان سے دور رہنا
گوارا نہیں ہوتا۔ اور یہی کیفیت استاد محترم کی ہے کہ سائل و طالب اس وقت تک
نہ جائے جب تک اپنے نیک مقصد میں کامیاب نہ ہو جائے۔ میں اپنے دوستوں
میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ پاکستانی علماء کی مدبر و مقبول ترین شخصیت کی خدمت میں
مختصر وقت رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ میری نحیف مزاجی تو اپنی جگہ لیکن استاد کی شفقت
و رغبت مجھے اس طرف لے آئی کہ ان کی خدمت میں رہ کر سلف کے فکر و فلسفہ سے کچھ حاصل
کیا جائے۔

اسلام آباد میں ملازمت کی وجہ سے میرے لئے ان کی خدمت میں رہنا آسان رہا اور
اسی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس اعلیٰ و نیک کام کے تدوین کی توفیق و سعادت بخشی
اپنے شفیق اساتذہ جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ھالیپوتہ صاحب و پروفیسر ڈاکٹر احمد اقبال صاحب کی
ہدایات کی روشنی میں۔ میں نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح کی تفسیر سورہ یوسف
اور حضرت مولانا عبداللہ لغاری رح کی تفسیر "روضۃ الالف فی تفسیر سورہ یوسف" کی تدوین
و تقابلی مطالعہ کا جائزہ پیش کرنے کے لئے جامعہ سندھ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری
حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

اس تفسیر کی تدوین و تحقیق دراصل اپنے مشفق اساتذہ کی راہنمائی سے ہی ممکن
ہوئی نیز مزید راہنمائی و شفقت میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوتی رہیگی۔ میں نے اس
تفسیر کی نفس تحریر اور اصل عبارت کو قائم رکھتے ہوئے تفسیر کے نفس عبارت سے
عنوانات کا انتخاب کیا ہے تاکہ تفسیر کے مباحث عنوانات و مسائل کا باسانی پتہ چل سکے کہ

مفسر تفسیر کرتے وقت کن باتوں کو لائے ہیں اور کیسی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔
میں نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ اس تفسیر کے مصادر و مراجع کیا کیا ہیں اور یہ
تفسیر کن وجوہ کی بنا پر دیگر تفاسیر سے ممتاز و مشترک ہے۔ لیکن سب سے زیادہ
تکلیف مجھے یہ پیش آئی کہ حضرت مولانا سندھی رح کی نظر تاریخ کے باریک باریک نقطوں
پر تھی یا اعلیٰ تر مطالعہ کا سبب۔ جس کی وجہ سے ان کے احوالات و مقامات کا تقابلی
جائزہ پیش کرنا میرے جیسے نحیف آدمی کیلئے بہت مشکل تھا۔ حتی المقدور مصادر
و مراجع کو ضمیمے کی شکل میں رکھا گیا ہے۔ جہاں اتفاق و اختلاف دونوں کی گنجائش ہے
اگر کسی صاحب علم کو ان احوالات و مقامات سے اتفاق ہو تو میرے لئے باعث مسرت و سکون ہوگا۔ اگر
اتفاق نہ ہو تو ان کی رہنمائی میرے لئے باعث بصیرت ہوگی۔ مجھے اس سلسلہ میں مزید اہل علم کی
شفقت و رہنمائی کی ضرورت ہے۔ طوالت کے ڈر سے بچتے ہوئے اس تفسیر کو چار ابواب پر تقسیم کیا ہے
باب اول حضرت مولانا لغاری رح کے مقدمہ پر مشتمل ہے باب دوئم رکوع ۱ تا ۴ کے ترجمہ و تشریح پر مشتمل ہے
باب سوئم رکوع نمبر ۵ تا ۸ (آیت 36 تا ۶۸) اور باب چہارم رکوع ۹ تا ۱۲ (آیت نمبر ۶۹ تا ۱۱۱) کے ترجمہ اور
تفسیر پر مشتمل ہے۔ آخر میں فہرست آیات۔ شخصیات و مقامات اور کتابیات شامل ہیں۔
نیز حضرت مولانا عبداللہ لغاری رح کا ایک بسیط مقدمہ جو تاریخی احوال کا مجموعہ ہے وہ بھی شامل ہے
آخر میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح کی اصل تفسیر اپنی اصلی صورت میں دی گئی ہے تاکہ قاری
الجھن کا شکار نہ ہو اور دونوں تفسیروں کا مطالعہ کرکے مزید بصیرت و فکر حاصل کر سکے اور اپنے
اتفاق و اختلاف کی رائے کو صحیح انداز میں پیش کر سکے۔
میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حضور ہمیشہ شاکر رہوں گا کہ مجھے اس اعلیٰ
کام کو پورا کرنے کی سعادت بخشی اور اپنے محسن و مشفق اساتذہ
جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ھالیپوتہ صاحب و پروفیسر ڈاکٹر احمد اقبال صاحب

کیلئے دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دُنیوی واخروی نعمتوں سے نوازے۔
اپنے والدین۔ اساتذہ اور دوستوں کے لئے بھی دُعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت انہیں دنیاوی واخروی کامیابیوں وکامرانیوں سے نوازے اور مزید نیکی کی توفیق بخشے۔
نیز جامعہ سندھ کے جملہ اراکین کے لئے بھی دعا گو ہوں۔
آخر میں ہر صاحب علم قاری سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر کہیں کسی حوالہ کے بارے میں اختلاف پایا جائے تو اس کی اطلاع احقر کو دی جائے تاکہ اس اعلیٰ تفسیر کی خصوصیات میں مزید خوبصورتی اور نکھار پیدا ہو جائے۔

خادم العلم والعلماء
حافظ احمد خان اعوان

مولانا عبداللہ لغاریؒ کے حالات

عبداللہ بن نہال خان بن محمد خان بن رستم خان بن فتح محمد خان لغاری ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء میں بمقام "دادلغاری" تحصیل میرپور ماتھیلو (سندھ) پیدا ہوئے۔ اپنے پھوپھی زاد بھائی مولوی محمد یعقوب سے صرف کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ صرف کی بقیہ کتابیں اور نحو کی کچھ کتابیں گوٹھ پنکھواری میں مولوی عبدالقادر سے پڑھیں۔ اس کے بعد نوشہرو فیروز میں قاضی محمد عالم قاضی عبدالرؤف۔ قاضی عبدالحفیظ اور مولوی فیض الکریم کے یہاں تعلیم حاصل کی پھر سندھ کے مشہور حکیم شمس الدین احمد صاحب کے چچا مولوی عبدالکریم بن مولوی محمد عثمان سے (جو حافظ حدیث تھے اور علامہ شوکانیؒ کے شاگرد تھے) تعلیم پائی۔ پھر موقع ملا تو مقام ڈھیرہ گاؤں کے قریب مخدوم غلام محمد بن مخدوم حبیب اللہ سے مستفیض ہوئے۔ اسی مقام کے قریب ایک گاؤں "تگون" ہے۔ وہاں ایک صوفی اور مشہور خطاط مولوی عبدالقدوس تھے اُن سے بھی فیض حاصل کیا۔ پھر کراچی میں مولانا محمد صادق کے والد مولانا عبداللہ سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ٹھٹھہ کے مشہور عالم مولانا محمد علی مرحوم کے بعض شاگردوں سے بھی استفادہ کیا اور گھر واپس آئے تو مولوی محمد امین ناراض ہوئے کہ تم نے سیر و سیاحت میں اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ اب ملتان جاؤ۔ چنانچہ ملتان کے مشہور محدث مولانا سلطان محمود کے پاس ایک سال تک علم حدیث حاصل کرتے رہے۔ پھر بہادل پور میں "صاحب السیر" کی خانقاہ میں مولوی عبدالرشید سے تعلیم حاصل کی اور کچھ دن مولوی محمد عاقل سے بھی مستفید ہوئے۔ پھر مولوی الہٰی بخش لاڑکانہ منطقی عمر لوری سے حدیث فقہ اور منطق کی آخری کتابیں پڑھیں اور سلسلۂ تعلیم ختم ہوا۔ وطن واپس آئے تو ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں شادی ہوئی۔ اس کے بعد امروٹ میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ

سے ملاقات ہوئی اور ان کی انقلابی سیاست میں رفیق کار بن گئے - پھر مولانا ؒ کے
نظریات کی نشر واشاعت کے لئے امروٹ میں ایک مدرسہ اور ایک پریس بھی قائم کیا
اور ایک رسالہ "ہدایت الاخوان" جاری کیا - لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی گوٹھ پیر جھنڈا میں
وہاں کے پیر صاحب کی حمایت سے ایک مدرسہ "دارالرشاد" قائم کیا - مولانا عبداللہ اس کے
مہتمم مقرر ہوئے - اس طرح وہاں ان دونوں بزرگوں کو ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء سات سال تک
طلبہ میں ذہنی بیداری پیدا کرنے کا موقع ملا - اسی زمانہ میں حضرت شیخ الہند مولانا
محمود الحسن ؒ نے مولانا عبیداللہ اور مولانا محمد صادق کو طلب کیا اور سیاسی زندگی میں حصہ
لینے کی دعوت دی - مولانا عبداللہ بھی ساتھ گئے تھے وہ بھی متاثر ہو کر واپس آئے اور
حضرت شیخ الہند ؒ کے مشورے کے مطابق ۱۹۱۴ء تک اس مدرسے کا انتظام سنبھالتے رہے
لیکن اسی سال مولانا عبیداللہ ؒ وہاں تشریف لائے اور کابل چلنے کے لئے فرمایا - چنانچہ
۱۹۱۵ء میں ان کے ساتھ کابل گئے اور مولانا عبیداللہ کے رفیق کار اور معتمد خاص بن کر رہے

تقریباً دو سال بعد مولانا عبیداللہ نے ان کے ہاتھ اپنے اور راجہ مہندر پرتاپ کے چند
خصوصی خطوط بھیجے کہ وہ ہندوستان میں مولانا محمد علی - ڈاکٹر انصاری - حکیم محمد اجمل خان وغیرہ کو
پہنچا دیں - اور دین پور - امروٹ اور پیر جھنڈا والے بزرگوں سے ایک عبارت پر (جو
ان کو قلمبند کرا دی گئی تھی) دستخط لیکر انگریزوں کے خلاف جہاد کی اجازت لیں - مولانا
عبداللہ نے یہ دونوں کام کئے اور اجازتیں لیکر سردار عبدالرزاق (میزان العلماء) کو کابل
روانہ کر دیں -

"ریشمی خطوط" والے واقعہ کے سلسلہ میں مولانا عبداللہ صاحب اور چند رفقاء گرفتار ہوئے لیکن
مولانا کے بیان سے وہ رہا کر دیئے گئے اور خود مولانا دو سال تک لاہور - پٹھان کوٹ - دین پور اور
کراچی کی جیلوں میں نظر بند رہے - اور پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر رہا کئے گئے -

پھر جب امیر امان اللہ خان والی کابل انگریزوں کے خلاف برسرپیکار ہوئے تو مولانا عبداللہ کو ان کے گھر پر نظربند کردیا گیا کیونکہ اس جنگ کے محرک مولانا عبیداللہ سندھیؒ ہی تھے۔ جن کے یہ رفیق تھے

۱۹۲۶ء میں مولانا سندھیؒ مکہ معظمہ پہنچے بعد میں مولانا عبداللہ لغاری بھی یہاں ان کی خدمت میں پہنچے۔ مولانا سندھیؒ نے تفسیر قرآن۔ علوم اسلامیہ اور فلسفہ حضرت شاہ ولی اللہ پر جو تقاریر کیں وہ سب مولانا عبداللہؒ نے قلمبند کیں بلکہ جتنی کتابیں مولانا سندھیؒ کے افکار اور شاہ ولی اللہؒ کے فلسفے کے متعلق شائع ہوئی ہیں ان سب کا مواد درحقیقت مولانا سندھیؒ کے اس ہمسفر ساتھی مولانا عبداللہؒ ہی کا جمع کردہ تھا۔

۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی واپس تشریف لا رہے تھے تو بعض انتظامات کی خاطر مولانا عبداللہ ان کے آنے سے پہلے سندھ پہنچ گئے اور ان کے آخری دم تک ساتھ رہے۔ مولانا سندھیؒ کی وفات کے بعد قریباً چھ سال سندھ یونیورسٹی کے بعض اساتذہ اور شاگردوں کو قرآن پاک کی تفسیر وحکمت سمجھانے کے لئے یونیورسٹی میں وہ ڈاکٹر بلوچ اور ڈاکٹر ھالے پوتہ صاحبان کے یہاں مقیم رہے۔ بلکہ آخری تین سال ڈاکٹر ہالیپوتہ صاحب کے مکان پر ہی مقیم رہے اور وہاں سے قرآن شریف اور حکمت ولی اللہی کی تعلیم جاری رکھی آخر میں سندھ یونیورسٹی میں ایم اے کے طلبہ کو تفسیر پڑھانے کے لئے معلم مقرر ہوئے لیکن جلد ہی اچانک ۱۳ ستمبر ۱۹۵۸ء کو پیشاب بند ہوا تو ۱۵ ستمبر کو سول ہسپتال حیدرآباد میں داخل ہوئے۔ ۱۷ ستمبر بروز چہارشنبہ ان کا آپریشن ہوا۔

حافظ محمد صاحب سے فرمایا کہ ؎ دم چند خوردیم و گفتیم و بس

مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۸ء مطابق ۴ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ رات گیارہ بجے انتقال فرمایا اور اسی روز شام کو سانگھڑ میں دفن ہوئے اس وقت ڈاکٹر موصوف جاپان تشریف لے گئے تھے۔ ان کی بیگم صاحبہ (آپا امینہ صاحبہ) نے اپنے مکان ہی پر غسل دلوایا اور انہوں نے اور محترمہ خیرالنساء عباسی صاحبہ نے تجہیز وتکفین کا بندوبست کیا۔ انا للہ وانا الیہ

اصل مسودہ۔

حضرت مولانا عبداللہ لغاری مرحوم۔

یہ مسودہ استاد الاساتذہ محترم و مکرم جناب ڈاکٹر عبدالواحد جے ھالیپوتہ صاحب کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح کی تصنیف ہے جسے حضرت مولانا عبداللہ لغاری مرحوم نے بڑی عالمانہ محنت و مشقت سے قلمبند کیا ہے۔ ساتھ ساتھ اپنے علمی و تحقیقی و تاریخی حوالہ جات کو بڑے عالمانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ جس سے اس کی ضخامت میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے اور صاحبانِ علم اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے قابل قدر علمی خزانہ جمع فرمایا ہے۔

مسودہ اول۔ یہ رجسٹر سائز کے کاغذ پر تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

جلد اول آیت نمبر ۱ تا ۲۲ - جس کے شروع میں ۴۹ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔ جلد اول مع مقدمہ ۱۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

جلد ثانی۔ آیت نمبر ۲۲ تا ۵۴ یہ جلد ۱۲۴ صفحات پر مشتمل ہے

جلد ثالث۔ آیت نمبر ۵۵ تا ۱۱۱۔ جلد ثالث ۱۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

مسودے کی کل ضخامت ۳۹۱ صفحات بنتی ہے۔

یہ مسودہ حضرت مولانا عبداللہ لغاری مرحوم کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔

مسودہ ثانی۔

یہ مسودہ بھی رجسٹر سائز کے کاغذ پر تحریر کیا گیا ہے اور تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ البتہ باریک تحریر کی وجہ سے ضخامت میں قدرے کمی واقع ہوئی ہے مگر اصل مسودہ بعینہٖ مسودہ اول کی نقل ہے۔

یہ املا حضرت مولانا عبداللہ لغاری مرحوم کے مسودہ سے ہے اور لکھنے والے محمد منظور صاحب اور محمد منیر صاحب ہیں جن کا تعلق محکمہ پولیس سے تھا۔ مولانا مرحوم کی صحبت کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام پر مامور فرمایا اور محنت شاقہ سے اس عظیم علمی ذخیرے کو محفوظ کردیا۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو اجر عظیم سے نوازے آمین۔

اس مسودے میں ۳۳ صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے باقی جلد اول ۷۴ صفحات پر مشتمل ہے گویا جلد اول بمع مقدمہ ۱۰۶ صفحات پر محیط ہے۔

جلد دوم آیت نمبر ۲۲ تا ۴۲ - ۸۸ صفحات اور آیت نمبر ۴۳ تا ۵۴ ۱۸ صفحات۔ یعنی کل ۱۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

جلد ثالث۔ آیت نمبر ۵۵ تا آیت نمبر ۱۱۱ تک ۱۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور کل مسودہ ۳۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ میں حضرت مولانا عبداللہ لغاری مرحوم نے ۱۔ تاریخ مصر۔ مصر کی مذہبی وسماجی بسیاسی ومعاشی حالت پر روشنی ڈالی ہے ۲۔ سرزمین سندھ و ہند اور افغانستان کے سماجی ومعاشرتی اور جغرافیائی تقابل کے موضوع پر تاریخی پس منظر میں بحث کی ہے ۳۔ نیز فرعون مصر اور اُمرائے مصر کے نظریاتی وسماجی مسائل اور حضرت یوسف ؑ کی سیاسی بصیرت پر روشنی ڈالی ہے۔

۴۔ بعض مقامات پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی خصوصیات کا تاریخ سے تقابل کیا گیا ہے۔

۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے فلسفہ کی چند خصوصیات کا نمایاں طور پر ذکر ہے۔

۶۔ سیاسی۔ مذہبی حیثیت وحقیقت اور تعلقات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔



- مذہبی سوسائٹی کے اثرات اور ان کے بانی وقائدین کے بارے بحث شامل ہے
- یہود و نصاریٰ کی مذہبی۔ سماجی و معاشرتی حالت پر بھی اشارات دیئے گئے ہیں۔
- حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح کے بارے میں بھی چند خصوصی واقعات کا ذکر ہے۔
- آپ کی علمی شخصیت۔ روحانی مراتب اور سیاسی بصیرت کا ذکر ملتا ہے۔
- حضرت مولانا سندھی رح کا مختصر سا سوانحی خاکہ بھی مقدمہ میں موجود ہے۔
- حضرت ابراہیم ع کے دور میں مصر کے مذہبی وسماجی حالات بیان کئے گئے ہیں۔
- حضرت یوسف ع کے آباؤاجداد یعنی سلسلۂ نبوت کا حضرت ابراہیم ع تک ذکر ملتا ہے
- بعض مقامات پر فلسفہ وتصوف کے موضوعات بھی زیر بحث لائے گئے ہیں
- سوسائٹی کی اعلیٰ قدروں کا بیان ہے اور معاشرے کو بہتر بنانے کے لیئے اعلیٰ تدابیر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔
- سوسائٹی کے عروج و زوال کے اسباب کی طرف اشارہ موجود ہے۔
- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے فلسفہ مبادیات یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ۔ ابداع۔ خلق۔ تدبیر۔ تدلی۔ شخص اکبر کے موضوعات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں دیگر اعلیٰ سیاسی و مذہبی موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔
ان تمام خصوصیات کے علاوہ تفسیر ھذا کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں۔

— یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کا ہر حصہ ہر زمانے کے مسائل کے حل کے لئے اساسی اور بنیادی اصول فراہم کرتا ہے۔

- یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ کوئی آیت غیر مفید نہیں ۔
- ہر آیت اپنے اندر ایک تحدّی اور چیلنج رکھتی ہے کہ جو اصول اس میں انسانیت کی اصلاح کا دیا گیا ہے ۔ اس سے بہتر اصول ساری دنیا مل کر پیش نہیں کر سکتی اور تا قیامت پیش نہیں کر سکتی ۔
- حُسن بھی ہو اور حکومت بھی تو اکثر غرور و تکبر جبر و تشدد رونما ہوتے ہیں سیرت یوسفی نے ان دونوں کو پایا اور عدل و احسان والا معاشرہ قائم کر دکھایا
- معاشرہ افراد کی تنظیم کا دوسرا نام ہے ۔ افراد میں مرد و زن ۔ بچے بوڑھے حاکم و محکوم سبھی شامل ہوتے ہیں ۔ معاشرے میں اچھائیوں کا پرچار کیا جائے تو جن کی چودھراہٹ یا مادر پدر آزادی پر چوٹ پڑتی ہے وہ مزاحمت کرتے ہیں اس مزاحمت کی مزاحمت سے ایمان میں نکھار پیدا ہوتا ہے ۔ ایمان غالب اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے
- یہ تفسیر یہ بتاتی ہے کہ اس صفحۂ ہستی پر ہر پیغمبر نے اسلام ہی کا نفاذ کیا ۔ ابدی سچائیوں پر ایمان و عمل کا نام اسلام ہے ۔ تمام جگہ سچائی ایک ہی ہے جو توحید خداوندی کی دلیل ہے ۔ تمام سچائیاں پیغمبران ہی نے بتائیں اور ان کا انسانیت پر بڑا احسان ہے ۔ قول و فعل میں سچائی بر قیام آخرت میں جوابدھی کے تصور ہی سے ہو سکتا ہے ۔ اس لیئے توحید و رسالت کے ساتھ یوم آخرت پر ایمان لازمی شرط ہے ۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے حالات زندگی

پیدائش - ۱۲ محرم ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء موضع چیانوالی سابقہ ضلع سیالکوٹ و موجودہ ضلع گوجرانوالہ میں سکھ گھرانے میں جنم لیا - آپ نے اسلام کی دائمی اور انقلابی روشنی کو قبول کیا اور پھر اسی انقلابی مذہب کو عملی طور پر نافذ کرنے کیلئے کوشاں رہے - اسلام دشمن طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر ان کے دجل وفریب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا مقصدِ حیات ٹھہرائے افغانستان کی آزادی کا مژدہ جانفزا اپنی زندگی میں سُنا اور دیکھا اور عالم برزخ میں جانے کے بعد وطن عزیز کو انگریز کی ناپاک اور ظالمانہ حکومت سے آزادی نصیب ہوئی اور پھر پاکستان کے نقوش ٹھیک انہیں سطور پر اُبھرے ہیں جو اسی مرد درویش نے اپنی حیاۃ مادیہ میں متعین کردی تھیں .
باپ کا نام رام سنگھ ولد جسپت رائے ولد گلاب رائے ہے - آپکے دادا سکھ حکومت میں اپنے گاؤں کے کاردار تھے - آپکے خاندان کا اصلی پیشہ زرگری تھا لیکن عرصہ سے ایک حصہ سرکاری ملازمت میں شامل ہوگیا اور بعض افراد ساہوکارہ بھی کرتے رہے -

ابتدائی تعلیم -

یہ دُرِ یتیم جسکا والد پیدائش سے چار ماہ قبل ہی فوت ہوچکا تھا اور دو سال بعد دادا بھی اس دارِ فانی سے کُوچ کرگئے اپنے ننھیال میں پرورش پاتا ہے اور جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان کے مڈل سکول میں ابتدائی تعلیم ممتاز حیثیت سے حاصل کی - اسی دوران مطالعۂ اسلام کی دلی خواہش اور لگن کی تکمیل کے اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اور ایک آریہ سماج لڑکے کے ہاتھ سے تحفۃ الہند نامی کتاب ملی جس کے مطالعہ نے جاہلیت کے سمندر میں طوفان برپا کرکے اسلام کی صداقت کا یقین دلایا اور قسمت بدل دی زمانہ طالبعلمی ہی میں مولانا اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" ہاتھ آئی اور پھر مولانا محمد صاحب لکھوی کی کتاب "احوال الآخرۃ" ملی جن کے مطالعہ سے حق وصداقت کے متلاشی نوجوان کا سینہ نورِ اسلام سے منور ہوا -

عبیداللہ نام رکھنے کی وجہ - خدائے رحیم جب کسی بندے کو نوازنے پر آتا ہے تو اسکی بے حد وحساب نوازشیں مایوسیوں، محرومیوں اور اندھیروں کو کاٹتی ہوئی اس تیزی سے آتی ہیں کہ عقولِ انسانی حیران رہ جاتی ہیں - نوجوان مسلم اپنا نام تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر عبیداللہ رکھتا ہے اور بعد میں واقعۃً خالص عبیداللہ ثابت ہوتا ہے -[1]

سید العارفین حافظ محمد صدیق رح بھرچونڈی شریف) کے دست حق پرست پر بیعت

اللہ کی جس خاص رحمت سے ابتدائی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہوگئی اسی طرح کی خاص رحمت سے حضرت سید العارفین کی خدمت میں پہنچے جہاں آپ کے دست حق پرست پر ۱۳۰۵ھ[2] میں بیعت ہوئے اور سُنار گھرانے کا یہ لعل عارف کی نظر سے پارس بن گیا - دماغ تو پہلے ہی رسا اور نابغہ روزگار تھا - اب دل و نگاہ کی صحیح تربیت اور توجہ نے اس نوجوان کو باعمل مجاہد - سرفروش مسلمان - صوفی منش درویش - مفکر حکیم اور شارح حکمت ولی اللہ) مفکر قرآن مجید (بین الاقوامی اور عالمگیر انقلاب کے تصور کا قرآن وسنت کی روشنی میں تعارف کنندہ بنادیا -

خود حضرت کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات سے حضرتؒ کی دور بینی اور اسی نوجوان مسلم کی زندگی کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے - آپؒ نے فرمایا -

"عبیداللہ نے اللہ کے لئے ہمیں اپنا ماں باپ بنایا ہے"

مولانا سندھی رح فرماتے ہیں کہ "اسی کلمہ مبارک کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے - میں انہی اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور محض اسلئے سندھ کو مستقل وطن بنایا"[3]

اولیاء اللہ کی بات یونہی نہیں جاتی - کیونکہ انہوں نے اسقدر تزکیۂ نفس کیا ہوتا ہے کہ وہی بات زبان پر لاتے ہیں جسکی قبولیت ومنظوری پہلے بارگاہِ حق میں ہوگئی ہوتی ہے - چنانچہ یہ للہیت - یہ خلوص - یہ بیعت - یہ خدا کے قانون کی بالادستی کا اعتراف زندگی کے آخری دم تک ہمارے اس نو مسلم جوان سال عبیداللہ کے اندر بدرجۂ اتم اور ظاہری آنکھوں سے ہر ہمنشین نے پایا ہے اور ایک زمانہ اسی حقیقت کا زبان حال و قال سے معترف آج بھی موجود ہے[4]

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے فیضیابی =

سید العارفین کا یہ روحانی بیٹا اور مرید چار ماہ رہنے کے بعد جب رخصت ہوتا ہے تو حضرتؒ کی زبان مبارک سے یہ دعا نکلتی ہے کہ۔

"خدا کرے کہ عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے" [1]

یہ دعا بھی قبول ہوتی ہے اور عبید اللہ کو شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی برگزیدہ ہستیوں یگانہ عصر اساتذہ اور شیوخ کاملین کی بارگاہ میں پہنچا دیتی ہے۔ جنکا رسوخ فی العلم اپنوں پرایوں میں مسلّم ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اپنے استاد محترم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"آپ سے شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب "حجۃ الاسلام" پڑھی۔ کتاب پڑھتے پڑھتے کبھی کبھی یوں محسوس کرتا جیسے علم اور ایمان میرے اوپر دل میں اوپر سے نازل ہو رہا ہے۔ حضرت شیخ الہند کی ذات اور ان کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ فطرۃً بڑے ذکی اور ذہین تھے۔ موصوف کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جنہیں امام ولی اللہ کی اصطلاح میں مفہمین کہا جاتا ہے۔"

آپ اپنے استاد سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور ان کی متابعت میں ہر دم کوشاں رہتے۔ آپ کو شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے تواضع اور انکساری کی نسبت تھی۔ اس نسبت کو امام ولی اللہؒ نے اپنی کتابوں میں نسبت اہل بیت کا نام دیا ہے۔ [2]

مولانا سندھیؒ زندگی کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی پچیس سالہ جلا وطنی میں ایک دنیا کی خاک چھان ڈالی مگر مجھے میرے مرشد (سید العارفین) سا کوئی مرشد اور اپنے استاد (شیخ الہند) سا کوئی استاد نہیں ملا [3]

بقول مولانا سید سلیمان ندوی رح حضرت شیخ الہند رح اسوۂ محمدی پر فائز ہوئے ۱؎

ریاست بہاول پور کی دیہاتی مساجد۔ دین پور کے مولانا عبدالقادر کوٹلہ رحم شاہ کے مولانا خدا بخش دارالعلوم دیوبند کے مولانا حکیم محمد حسن اور حافظ محمد احمد اور دیگر اساتذہ۔ کانپور کے مولانا احمد حسن رام پور کے مولانا ناظر الدین سے عربی کتب۔ ہدایۃ النحو۔ کافیہ۔ قطبی۔ شرح جامی اور دیگر علوم پر کتب کا درس حاصل کیا۔ جس نے اس قابل بنادیا کہ اب یہ جوہر آبدار مزید آبیاری کے لئے شیخ الہند مولانا محمود حسن سے فقہ۔ حدیث تفسیر اور اصول میں مکمل دسترس حاصل کر سکے۔ چنانچہ ہدایہ۔ توضیح۔ تلویح۔ مطول تفسیر بیضاوی جامع ترمذی تحقیق کے ساتھ پڑھیں اور رجب ۱۳۰۸ھ میں عام اجازت حاصل کی۔

علم کی جو چاشنی اس طالب علم کو حضرت شیخ الہند کے اسباق میں محسوس ہوئی وہ اور کہیں نہ تھی اس کا منبع تلاش کیا تو مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کا نام نامی سامنے آیا۔ ان کا رسالہ قبلہ نما پڑھا تو یوں محسوس ہونے لگا کہ جس علم کا بیج اس طالب علم کی فطرت میں موجود ہے اس کی آبیاری اسی دریائے قاسمی سے ہوگی۔ چنانچہ اب عبید اللہ کے مرشد طریقت سید العارفین حضرت مولانا حافظ محمد صدیق۔ استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن اور امام مولانا محمد قاسم نانوتوی رح تھے۔ حلقہ دیوبند میں مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا محمد اسمٰعیل شہید رح کے شبیہ مانے جاتے تھے۔ عبید اللہ ان کے واسطے سے امام عبد العزیز دہلوی اور امام الائمہ ولی اللہ دہلوی رح تک پہنچتے ہیں ۲؎

جمعیۃ الانصار کا قیام - حضرت شیخ الہند رح کے حکم سے مولانا عبید اللہ سندھی رح نے جمعیۃ الانصار قائم کی اور اس کے ناظم مقرر ہوئے۔ اس کے دو بڑے اجلاس ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو مراد آباد اور میرٹھ میں ہوئے۔ میرٹھ کے اجلاس میں خطبۂ صدارت صاحب بیان القرآن حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح نے پڑھا اور مسلسل تین گھنٹے

۱؎ مضمون "نظر بندان اسلام" سید سلیمان ندوی معارف اعظم گڑھ مارچ ۱۹۱۹ء ص ۱۵۷

رطب اللسان رہے۔

مولانا سندھی رح کے علم وتدبر تقویٰ اور حکمت وسیاست پر دارالعلوم دیوبند کے مدرس مولانا سید احمد دہلوی نے آپ کے امتحان کے جوابات پر فرمایا "اگر اس کو کتابیں ملیں تو شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا" یہ تبصرہ مولانا کی ذہانت علمی پر بہت بڑی سند ہے۔

سید العارفین حافظ محمد صدیق رح کی وفات اور مولانا سندھی رح کی سید العارفین کے خلیفہ ابوالحسن سید تاج محمود رح کے پاس حاضری۔

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء کی شب کو مولانا سندھی رح کے مرشد کامل معرفت وطریقت کے آفتاب سید العارفین واصل بحق ہوئے۔

۲۰ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء کو مولانا سندھی بھرچونڈی پہنچے۔ ۱۳۰۸ھ شوال کے مہینہ میں مولانا سید تاج محمود امروٹی رح کے پاس امروٹ ضلع سکھر حاضر ہوئے وہیں مولانا سندھی رح کا نکاح ماسٹر مولوی محمد عظیم خان یوسف زئی کی صاحبزادی سے ہوا۔ جن کے بطن سے حسین نامی بچہ ہوا۔ جو بچپن میں فوت ہوگیا۔ اسی بچے کی وجہ سے آپ نے اپنی کنیت ابوالحسین اختیار کی اس بچے کے بعد آپ کے ہاں دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے ایک کا نکاح حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح سے ہوا وہ جلد فوت ہوگئیں۔ دوسری صاحبزادی کا نکاح بعد میں حضرت دین پوری رح کے ساتھ کیا گیا۔[1]

صاحبزادی صاحبہ کا نام حوا تھا اور وہ ۳۰ جون ۱۹۷۹ء کو خان پور میں فوت ہوئیں اور دین پور شریف میں مولانا سندھی رح کی قبر کے ساتھ دفن ہوئیں۔

امروٹ شریف میں ایک مطبع محمود المطابع کے نام سے شروع کیا۔ اور سندھی زبان میں ایک اصلاحی رسالہ "ہدایۃ الاخوان" شروع کیا۔ اسی عرصہ میں دین پور شریف میں آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہا اور حضرت دین پوری رح سے سلسلہ تصوف کے اسباق پڑھتے رہے جیسا کہ لکھتے ہیں: "اس عرصہ میں سلسلہ قادریہ اور نقشبندی مجددیہ کے اشتغال وافکار بھی حسب استطاعت حضرت سید العارفین رح کے خلیفہ مولانا ابوالسراج دین پوری سے سیکھتا رہا۔ اگر کوئی میری دنیاوی ضرورت امروٹ میں پوری نہ ہوتی تو دین پور سے حاصل کر لیتا اسطرح مجھے اپنے مرشد کی جماعت سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوئی"[2]

[1] ید بیضا۔ حامی عبیدی۔ لاہور ۱۹۷۹ء ص ۸۲۔
[2] ذاتی ڈائری مولانا سندھی رح ص ۱۸

مولانا سندھیؒ ۱۸۸۸ء میں مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے
آپ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے خصوصی اہتمام فرمایا۔ اور یہ نوجوان نومسلم عبیداللہ
آسمان علم و حکمت اور انقلاب و سیاست کا مہروماہ بن کر درخشان ہوا اور امام انقلاب
مولانا عبیداللہ سندھی کے نام سے مشہور ہوا۔

بزرگانِ دین سے خلعتیں :-

۱۔ مولانا ابوالسراج دین پوری نے کئی بار اپنی خلعت مبارکہ عطا فرمائی مولانا سندھیؒ
حضرت دین پوریؒ کو سیاست و طریقت میں ایک مستقل امام مانتے ہیں [1]

۲۔ پیر رشید الدین (گوٹھ پیر جھنڈا) نے اپنا جائے نماز عطا کیا۔

۳۔ شیخ الہندؒ نے اپنی پوشاک مبارک مولانا سندھیؒ کو پہنائی [2]

سیاسی مسلک میں مولانا سندھیؒ نے حضرت شیخ الہند کا اتباع کیا۔ حضرت شیخ الہند نے ۱۳۱۵ھ
مولانا سندھیؒ کو امروٹ شریف سے دیوبند طلب فرمایا اور علمی کام کے ساتھ سیاسی کام
کرنے کی ہدایت فرمائی مولانا سندھیؒ سیاسی پروگرام لیکر دیوبند سے گوٹھ پیر جھنڈا شریف
لے گئے اور مدرسہ "دارالارشاد" کے سات سال تک سربراہ و نگران کے طور پر کام کرتے رہے
اسی مدرسے میں مولانا سندھیؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی
نیز حضرت امام ابوحنیفہ کو بھی خواب میں دیکھا۔

۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے دیوبند طلب فرمایا اور وہاں کام کرنے کا حکم دیا۔ مولانا
سندھیؒ نے چار سال تک جمعیتہ الانصار میں کام کیا

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں مولانا سندھیؒ نے حضرت شیخ الہند کے ارشاد پر کابل جانے
کی تیاری کی۔

۴ شوال ۱۳۳۳ھ/ ۱۵ اگست ۱۹۱۵ء کو مولانا سندھیؒ افغانستان کی سرحد میں

[1] [2] المقام المحمود از ڈاکٹر منیر احمد منل ص ۹۴ مکتبہ رشیدیہ لاہور۔

براستہ بلوچستان داخل ہوئے اور ۱۵ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے - ۲۲ر اگست ۱۹۲۲ء
تک وہاں رہے اور آزادئ وطن اور آزادی افغانستان کے لئے سر توڑ کوشش کی -
بالآخر حکومت برطانیہ افغانستان کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گئی چنانچہ آزادی کے صلح نامے
پر دیگر شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی حکومت برطانیہ کی طرف سے پیش کی گئی تھی کہ
عبید اللہ کو افغانستان سے نکال دیا جائے - اس موقع پر ایک انگریز سیاستدان
نے کہا تھا کہ " یہ فتح افغانستان کی نہیں - یہ عبید اللہ کی فتح ہے [1]

ماسکو میں آمد : ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۲ء کو مولانا سندھی رح نے افغانستان کی سرحد پار کی اور
بخارا و تاشقند سے ہوتے ہوئے ۱۵ر نومبر ۱۹۲۲ء کو ماسکو پہنچے -

ترکی میں آمد - جولائی ۱۹۲۳ء میں مولانا ترکی روانہ ہو گئے اور انقرہ پہنچے وہاں تحریک اتحاد اسلام
کا مطالعہ کیا - ۱۵ ستمبر ۱۹۲۴ء کو مولانا نے استنبول سے ہندوستانی ملکوں کی جمہوری جماعتوں کی
مجلس مہابھارت سرور اجیہ پارٹی کا نظامِ عمل شروع کیا - دوسرے تعلیمی نظام کا خاکہ اور تیسرے
سندھ ساگر، جمنا نربدا پارٹی کا منشور دیا گیا - برصغیر ہندوستان میں مسلم اکثریت کے
حکومت کے خاکہ کو دراصل پاکستانی تصور کا پہلا بنیادی خاکہ کہا جا سکتا ہے -

مولانا سندھی رح کی مکہ میں آمد :

۵ر جون ۱۹۲۶ء کو مولانا سندھی رح عزیز احمد کو ساتھ لیکر بذریعہ ریل استنبول سے اٹلی روانہ
ہو گئے - اٹلی میں انہوں نے جواہر لعل نہرو سے ملاقات کی اور اس کو ہندوستان کی آزادی اور
آزاد ہندوستانی حکومت کے بارے اپنے خیالات بتائے - اٹلی سے ایک اطالوی جہاز کے ذریعہ
جدہ پہنچے اور صفر ۱۳۴۵ھ کو جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچے - مکہ میں اہل علم حضرات سے
استفادہ حاصل کیا - وہاں لوگوں کو درس بھی دیتے رہے -

[1] ید بیضا حامی عبیدی ص ۸۵، ۸۶

ہندوستان واپسی ۔

۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو طویل جلا وطنی کے بعد مولانا سندھیؒ واپس آئے اور اپنے ساتھ مشاہدات و تجربات کے ساتھ ساتھ عملی پروگرام بھی لائے ۔ مولانا قرآن کو حقیقت مانتے تھے جدید تعلیم معاشرت ۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی باتیں کرتے تھے مذہب کے ساتھ ساتھ معاشی واقتصاد کو اولیت دیتے ۔ صنعت وحرفت اور زراعت میں مشینری کی اہمیت پر زور دیتے تھے ۔ بالآخر ملک وملت کی یہ عظیم شخصیت بطل حُرّیت امام انقلاب ۲۲ راگست ۱۹۴۴ء بمقام دین پور بحالت صوم اپنے خالق حقیقی سے جاملا راِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون ہ آپ کا مزار حضرت دین پوریؒ کے مرقد مبارک کے قریب ہے ۔[1]

[1] المقام المحمود از ڈاکٹر منیر احمد مغل ص ۵۴-۵۵ ۔ مکتبہ رشیدیہ لاہور ۔ 1983ء

فہرست مضامین

-: باب اوّل :-

12. حضرت یوسفؑ کے زمانے کا فرعون سامی نسل سے تھا۔ یہ مصر کا آخری فرعون تھا۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ کی خود مختار حکومت قائم ہوئی اور پھر بنی اسرائیل حکومت کرنے لگے۔ 5

13. سامی نسل بادشاہوں نے بیٹیوں کو ذبح کرنے کی رسم ختم کر دی تھی۔ مگر زمینداری نظام کو ختم نہیں کیا۔ 5

14. سامی نسل بادشاہوں کے دور میں عورت اپنی اصلی حالت کو چھوڑ چکی تھی۔ جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے پاک صاف معاشرے میں تبدیل کیا۔ 5

15. سامی بادشاہوں کے دور میں سرکاری دفتروں پر قبطیوں کا قبضہ تھا۔ جس طرح انگریزوں کے دور میں ہمارے ہاں سرکاری دفتروں میں ہندوؤں کا قبضہ رہا۔ 5

16. سامیوں کی طرح بنی اسرائیل بھی اتنے پڑھے لکھے نہ تھے۔ اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام کے دور حکومت میں بھی دفتری کاروبار قبطیوں کے ہاتھ میں رہا۔ 6

17. حضرت یوسف علیہ السلام نے خوشحالی کے دور میں غُربا کو کھیتی کے کام پر لگا دیا۔ اور خوراک کیلئے راشن مقرر کیا۔ 6

18. قحط سالی میں غرباء کو راشن مفت اور اُمراء کو قیمتاً ملتا تھا۔ قحط سالی کے دوران اُمراء کی فروخت کردہ زمینیں اور املاک ضرورتمندوں میں تقسیم کر دیں۔ 6

19. قارون کا سلسلۂ نسب تیسری پُشت میں حضرت یعقوبؑ سے ملتا تھا۔ 6

20. حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد قبطیوں نے ارباب اِقتدار کو عیش و عشرت کا دلدادہ اور سرمایہ پرست بنا دیا۔ 7

21. حضرت یوسفؑ کے بعد قبطیوں کی جاگیرداریوں اور زمینداریوں کا بحال ہونا اور اربابِ اختیار کا لہو و لعب میں مشغول ہونا۔ 7

22. علمائے بنی اسرائیل نے حکومت سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ 7

23 ۔ بنی اسرائیل کی ہوسِ اقتدار اور تفرقہ بازی سے حکومت اُن کے ہاتھ سے رُخصت ہو گئی ۔ 7

24 علماء و زہاد کی سلطنت سے کنارہ کشی اور اصلاح سے اجتناب کیوجہ سے حکومت ہاتھ سے چلی گئی اور بنی اسرائیل غلامی کی زندگی بسر کرنے لگے ۔ 8

25 ۔ حضرت یوسف علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری بادشاہ تھے ۔ آپؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل حکومت / سلطنت نہ سنبھال سکے ۔ 8

26 ۔ قبطی بادشاہوں نے اپنے سابقہ قوانین کو جاری رکھا ۔ عوام سے زمینیں اور جائیدادیں چھین کر اُمراء پر تقسیم کر دیں اور انہیں غلامی کا درجہ دیکر فقط راشن کے بدلے مزدوری کرانے لگے

27 ۔ قبطی بنی اسرائیل کے لڑکوں کو مارتے اور لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے ۔ 9

28 ۔ ضبطِ تولید کا قانون صرف بنی اسرائیل کیلئے تھا ۔ باقی لوگ اس سے مستثنیٰ تھے ۔ 9

29 ۔ بنی اسرائیل کی عورتیں مذہب کی پابند تھیں اور غلامی کی حالت میں اپنی عصمت و عفت کی سختی سے حفاظت کرتی رہیں ۔ 10

30 ۔ بنی اسرائیل کے مطابق یہ تشدد اُن پر چار سو سال جاری رہا ۔ جبکہ مسلمان مورخین کے مطابق ڈھائی سو سال تک رہا ۔ 10

31 ۔ پیش لفظ 10

32 ۔ "اُولی الالباب" کی تشریح ۔ 11

33 ۔ قرآن حکیم کے تاریخی قصوں میں عقلمند انقلابیوں کیلئے نصیحت کی باتیں ہیں ۔ 11

34 ۔ حضرت یوسفؑ کے قصے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح لادینی حکومت کو دینی حکومت میں تبدیل کر دیا جس میں عدالت اور مساوات کا دور دورہ تھا ۔ 12

35 ۔ جب حضرت یوسفؑ کی پالیسی چھوڑ دی اور بنی اسرائیل نے تدبیر اور عقلمندی سے کام نہ لیا تو ذلت اور نکبت کی زندگی میں جا گرے ۔ 12

36- سامی نسل بادشاہ (فرعون) کی موت کے بعد حضرت یوسف ؑ جانشین مقرر ہوئے۔ فرعونیوں کی حکومت کے دوبارہ قیام پر بنی اسرائیل کی ایک جماعت اپنے دینی نظریات کو چھوڑ کر فرعونیوں سے مل گئی۔ ان کی امداد کرنے لگی اور جماعت بنی اسرائیل کو تباہ کرنے پر تل گئی۔ 13

37- قارون کے ہاتھ میں تمام سلطنت کی تجارت اور سودی کاروبار تھا۔ اندرونی و بیرونی تجارت اور بڑے ٹھیکے اسی کے ہاتھ میں تھے۔ 14

38- بنی اسرائیل کے علماء وزراء حکام سے ناراض ہو کر الگ ہونے کی بجائے اصلاح کی کوشش کرتے تو حکومت بنی اسرائیل کے ہاتھ سے نہ جاتی۔ باہمی رنجش۔ تفرقہ بازی اور انتشار نے فرعونیوں کو دوبارہ مصر کا حکمران بنادیا۔ 14

39- بنی اسرائیل نے اسی خام خیالی میں کہ ہم بھی حضرت یوسف ؑ کی طرح موجودہ فرعون کے تحت کاروبار مملکت میں شریک رہکر رعایا کی خوشحالی اور بہتری کر سکیں گے۔ اپنی سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے بلکہ اُن میں سے قارون خود بنی اسرائیل کو تباہ کرنے لگا۔ 15

40- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے قارون کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملتا تھا۔ 15

41- بنی اسرائیل کی کثیر جماعت سیاست سے کنارہ کش ہو کر صرف مذہبی رسوم کی پابند رہی اور طویل عرصہ تک ظلم و تشدد کا شکار رہی۔ 15

42- انبیاء علیہم السلام کی تربیت یافتہ جماعت ہمیشہ بڑی عقلمند ہوتی ہے۔ جوان قصص سے عبرت اور نصیحت حاصل کر سکتی ہے۔ 16

43- سیاست مذہب کا جزو اعظم ہے۔ اس کے بغیر مذہب ایک طرح کا فسوں اور فسانہ رہ جاتا ہے 16

44- حصولِ کامیابی اور ظلم و تشدد سے نجات کیلئے تدابیر اختیار کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا مسلمہ (متفقہ) اصول رہا ہے۔ 16

فہرست مضامین

-: باب دوئم :-

185- قرآن حکیم کے پروگرام کے تحت اجتماع اقوام کے تین درجے- پہلا اجتماع بلا تفوق عرب وعجم- رنگ ونسل- یہ دور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت پر ختم ہوا- 83

186 اجتماع اقوام کا دوسرا درجہ قدرے ترجیح — یہ دور حضرت عمرؓ کی شہادت سے شروع ہو کر حضرت امام حسنؓ کی خلافت پہ ختم ہوا- 83

187- تیسرا دور — تمام عہدوں پر عربوں کی تقرری اور عجمیوں کو نظر انداز کر دیا گیا- یہیں سے افتراق عرب وعجم شروع ہوتا ہے یہ دور حضرت امام معاویہؓ کی خلافت سے شروع ہو کر ۲۵۸ھ (یعقوب بن لیث صفار) - ایرانی حکومت کے قیام پہ ختم ہوا اور عربوں کی خلافت کا زوال شروع ہوا- 83

188- ایرانی حکومت — عجمی اور ترکی حکومتوں کا قرآن حکیم کے پروگرام پر اجتماع ہونے کے ساتھ ساتھ قومی تفوق موجود رہا- 84

189- قرآن حکیم کی حکمت اور فلسفہ پر مدار کے ساتھ ساتھ عصبیت عجمی اجتماع کا خاصا-

190- حضرت یونسؑ- حضرت ہودؑ- حضرت یوسفؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اجتماع صالح پیدا کیا مگر وہ نیشنل (قومی) درجہ کا تھا- اگرچہ اصل تعلیم وتہذیب انٹرنیشنل تھی- 84

191- قرآن حکیم نے گزشتہ انبیاء کے اجتماعات کو درجۂ تکمیل تک پہنچا کر انٹرنیشنل اجتماع صالح پیدا کیا- 85

192- قرآنی پروگرام کا حکیمانہ اجتماع رفتہ رفتہ عالمگیر ہو جائیگا- عربوں کے بعد عجمی اقوام اسلام کی نگہبانی کرتی رہینگی

193- عجمی اقوام قرآنی فلسفہ وحکمت کی بنیاد پر سلطنت قائم کر کے اسلامی تبلیغ کرتی رہیں گی- 85

194- علم حدیث- فقہ وتصوف- لغت عرب وبلاغت اور تفسیر میں عجمی لوگوں کی مہارت 85

195- اسلامی سیاست اور حکمت قرآنی پر عجمیوں کی دسترس- 85

196- جس قوم کے ہاتھ میں قرآنی پروگرام ہوگا وہ تمام دنیا پر چھا جائیگی- 86

۲۱۳ - نظامِ کائنات کی حکمتوں سے بے بہرہ لوگ ترقی نہیں کر سکتے بلکہ ہمیشہ غلامی اور حیوانیت کی سی زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنی تباہی پر زمانے سے شاکی رہتے ہیں ۔ 93

۲۱۴ - جوہرِ قابل ہمیشہ دنیا میں کمیاب رہا ہے ۔ اس کی ناقدری سے نعمتِ خداوندی چھن جاتی ہے 93

۲۱۵ - کائنات کا ہر ذرہ اپنی فطرت پر قائم ہے جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے ۔ یہی قانونِ فطرت ہے جس کی طرف یہ کتاب توجہ دلاتی ہے ۔ 93

۲۱۵ - قصۂ یوسفؑ میں عقلمند انقلابیوں کیلئے درسِ عبرت ہے ۔ اور یہ شمع راہ ہے ۔ اسمیں تکمیل انسانیت کی حکمتیں اور احکام ہیں ۔ 94

۲۱۶ - حق و باطل میں امتیاز کی استعداد ۔ ظلم و زیادتی اور بداخلاقی سے اجتناب اور عدالت کو راہِ عمل بنانے والی قومیں یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہیں ۔ 94

۲۱۷ - باطل کی ملمع سازی ابتداً بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہے ۔ اسکی پہچان کیلئے چشمِ بصیرت چاہیے 94

۲۱۸ - نور و ظلمت علم و جہالت گناہ و ثواب ایسی بنیادی حقیقتیں ہیں جنہیں کم فہم انسان بھی باآسانی سمجھ سکتا ہے اور فرق محسوس کر سکتا ہے ۔ 94

۲۱۹ - دعوتِ ابراھیمیؑ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ علم ۔ عبادت اور عدالت سے ہدایت نصیب ہوتی ہے 95

۲۲۰ - علم وہ نور ہے جس سے نظامِ کائنات کی حکمتوں کو سمجھکر انسانی ارتقائی منازل طے کر کے لقاءاللہ سے محظوظ ہو سکتا ہے ۔ 95

۲۲۱ - علم ہی وہ شمع ہے جسکی روشنی نفس اور شیطان کے جال سے بچاتی ہے ۔ 95

۲۲۲ - کتابِ حکیم کی غرض و غایت ـــــ آپؐ کی رہنمائی و تابعداری میں ایسی جماعت کا وجود جو ہمیشہ ظلمتوں سے نور اور علم کی طرف بلاتی رہے ۔ 95

۲۲۳ - کتابِ حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تشریح اور طریقِ عمل دونوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ قدوس کے ذمہ ہے ۔ جب تک نسلِ انسانی قائم ہے اور اس زمین پر انسان کا جانشین ہوگا تبتک کتابِ حکیم اور آپؐ کی تشریح اور عملی پروگرام کی حفاظت اللہ تعالیٰ قدوس کرتا رہیگا ۔ 95

300 - اولیاء اللہ جب عالم مثال یا عالم ارواح کے دائرہ کی سیر میں ہوتے ہیں۔ انکو بہت سے آئندہ واقعات نظر آجاتے ہیں جو انکی جماعت اور سلسلہ سے متعلق ہوں۔ 117

301 - انکشاف راز عالم مثال کی ایک اور مثال۔ 117

302 - جب بزرگوں کو اپنے سلسلہ کے دوام و استمرار کا خیال رہتا ہے۔ انہیں بطور تسلی عالم مثال میں مطلوب واقعہ دکھا دیا جاتا ہے۔ جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام کو دکھایا گیا۔ 118

303 رویاء حضرت یوسفؑ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ برادران یوسفؑ جو کہ صحبت پدری سے فیضیاب ہونے کے بجائے نسبی تفاخر کو کافی سمجھتے ہیں اور سرداری کے متمنی ہیں۔ یہی بھائی حضرت یوسفؑ کی صحبت۔ تربیت اور اطاعت سے روشن ستارے بن جائیں گے۔ 118

304 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رویاء جو ۶ھ میں طواف کعبہ کی صورت میں دکھایا وہ ۸ھ میں فتح مکہ پر منتج ہوا۔ گویا اس رویاء میں مکہ پر قبضہ کرنے کا حکم تھا اور راہ عمل اختیار کرنے کیلئے تدابیر اختیار کرنے کا اشارہ تھا۔ 119

305 ۔ اولاد کی ترقی والدین کی خوشی کا باعث ہوتی ہے مگر بھائیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے 120

306 - بطور مکاشفہ عالم مثال کے تختہ پر دکھائے جانے والے واقعات سے عالم اسباب کی انجام دہی کیلئے انبیاءؑ کو تیار کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ اسباب وعلل ڈھونڈیں۔ تدابیر اختیار کر کے کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ 120

307 ۔ اسباب عالم کو کام میں لانے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اس لئے انبیاء اسباب و تدابیر کو کام میں لاتے رہتے ہیں۔ 120

308 - حضرت یوسفؑ کو رویاء دکھا کر مائل بہ عمل کیا گیا کہ اپنے بھائیوں کو مہذب بنا کر روشن ستارے بنائیں کہ اس کے بعد اس مشن کو چلاتے رہیں اور لوگوں کے رہبر بنیں۔ 120

323۔ منفرات سے بچنے سے انسانی طبع خود بخود اپنی صحت و تندرستی کی طرف عود کر آتی ہے۔ اسلئے اخلاقی حکیم و اہل اللہ بُرے اخلاق و عادات سے منع کرتے ہیں۔ 124

324۔ انسانی فطرت اچھے اخلاق قبول کرنے کی خواہش رکھتی ہے بشرطیکہ بیرونی صدمات و حوادث سے محفوظ رہے۔ 124

325۔ انسانی جسم با روح پر منفرات کا حملہ ہو جائے تو فطرۃً طبع مدافعت پر متوجہ ہو جاتی ہے اور نشوونما و ارتقاء کا عمل رُک جاتا ہے۔ 125

326۔ حضرت یوسفؑ کا اپنے والد سے ذکر رؤیاء و مکاشفہ اسی خیال اور نقطہ نظر سے تھا کہ اس تمام سے اعلیٰ و ارفع درجہ کی طرف رہنمائی حاصل کر سکوں۔ 125

327۔ حضرت یوسفؑ جان گئے تھے کہ اس روحانی درجہ اور میری صحبت سے میرے بھائی فیضیاب ہو کر ارضی ستارے بن جائینگے۔ باقی لوگ بھی اس چشمۂ فیض سے فیضیاب ہو کر مقتداء خلق بن جائیں گے مگر چونکہ اس میں دنیاوی اغراض ہیں اسلئے اسکے حصول میں لڑائی جھگڑے بھی مول لینے پڑیں گے۔ 125

328۔ یہ دستورِ زمانہ رہا ہے کہ جب کسی عظیم شخصیت نے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دینا چاہا تو کم استعداد کے حامل ناسمجھ لوگوں نے ہمیشہ اُسکی مخالفت کی اور اُسے ناکام بنانے کیلئے عملی اقدام کئے۔ اسلئے حضرت یوسفؑ کو اپنے والد نے تاکیداً منع فرمایا کہ اپنے بھائیوں سے بھول کر بھی مت بیان کرنا کیونکہ وہ حسد اور بغض کیوجہ سے تمہاری مخالفت کریں گے اور تمہیں ناکام بنانے کی کوشش کریں گے۔ 126

329۔ بغض و عداوت کا مرض انسان سے غور و فکر کی عادت چھین لیتا ہے۔ اور یہی ابوجہل اور دیگر سردارانِ قریش میں تھا۔ مگر ٹھنڈے دل سے سوچنے کی عادت انہیں نہ تھی۔ ورنہ وہ بھی اقوامِ عالم کی سرداری چاہتے تھے۔ اور یہ مقصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ممکن تھا 126

330 ۔ حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ پیغمبر کو پیغمبر کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ نہ کہ داعیٔ بیت اللہ کی حیثیت سے ۔ 126

331 ۔ قریش کے سردار حنفاء تھے اور دین حنیف کا قبلہ بیت اللہ تھا ۔ آنحضرت صلعم اور آنکی جماعت کا قبلہ بیت المقدس تھا اس لئے اُن کو شک گزرتا تھا کہ یہ پیغمبر یہودیت کے داعی ہیں ۔ مگر اصل رسالت ہے ۔۔۔ اور قبلہ دوسرے نمبر پر آتا ہے یعنی پہلے رسول اور بعد میں قبلہ آتا ہے ۔ 126

332 ۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی چاہتے تھے کہ اُن کے آباو اجداد کا دین عالمگیر ہو مگر انمیں استعداد نہ تھی اور انمیں حکمت عملی کا فقدان تھا ۔ 127

333 ۔ محدود پروگرام کو صحیح فکر کے ساتھ منظم و مربوط کرکے اور وسعت دیکر وسیع تر مقاصد کا حصول ۔۔۔۔۔۔ "حکمت عملی" کہلاتا ہے 127

334 شاگرد و مرید اگر استاد و مرشد کے فیض سے استفادہ حاصل نہ کرے تو کامل ترین استاد بھی اسی کیلئے کارگر ثابت نہیں ہو سکتا ۔ 127

335 ۔ دستور فطرت ہے ۔۔۔ جو کوشش کرتا ہے اُسے منزل مل ہی جاتی ہے ۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ و مرشد سے فیض حاصل کر لیا اور اپنے نسلی تفاخر برقرار رکھنے میں لگے رہے اور فیض سے محروم رہے ۔ 127

336 ۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے رویاء کا تذکرہ بھائیوں یا خاندان کے کسی فرد سے نہیں کیا کیونکہ صاحب استعداد مرید اپنے مربی ولی اللہ کے حکم کی تعمیل فرائض سلوک سے سمجھتا ہے اور مرشد کے علاوہ کسی اور کے آگے مراتب و مکاشفے کے اظہار سے واردات ملکوتی کم ہونے شروع ہو جاتے ہیں ۔ 128

337 ۔ سرکاری رازوں کی حفاظت وزراء کیلئے واجب ہوتی ہے ۔ 128

352 - گھریلو زندگی میں صفائی۔ یگانگت۔ کفایت شعاری اور اولاد کی تربیت وتعلیم تدبیر منزل کہلاتی ہے۔ 131

353 - اجتماعی معاشیات کا عادلانہ نظام عادلانہ اجتماع ہے اور ایسے نظام کو رائج کرنے والی حکومت عادلانہ حکومت ہے۔ 132

354 اجتماعی معاشیات سے اجتماعی اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ 132

355 فرد کے فضائل واخلاق جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں 132

356 - عام متصوفین کا فلسفہ اخلاق — اقتصادی ضروریات — اور حیوانی زندگی 132

357 - جب انسانوں کو سلطنت کے ٹیکسوں اور استحصال بالجبر سے اقتصادی تنگی پر مجبور کردیا جائے تو انسانیت کے اخلاق برباد ہوجاتے ہیں۔ 133

358 - فرعون اور قیصر و کسریٰ کی حکومتیں استحصالی اقتصادی نظام (غیرعادلانہ) کا نتیجہ تھیں 133

359 - رجعت پسند افراد اور جماعتیں انسانوں کو حیوان بنانے میں کوشاں رہتے ہیں اور یہ کام شیطان کا ہے جو کہ انسان کو انسانیت سے گرا کر حیوان بنانا چاہتا ہے۔ 133

360 - اخلاقی حکیموں کی اصطلاح میں "شیطان" کے معنی 133

361 - عالم شہادت میں آنے سے پہلے واقعات کا وجود عالم مثال میں پیدا ہوتا ہے جو غیرمادی ہوتا ہے

362 - "انسان کبیر" کے خدام کو ملاء اعلیٰ کہا جاتا ہے 134

363 - "انسان کبیر" پر پڑنے والی تجلی الٰہی سے انسانیت فیض یاب ہوکر راہ راست پر چل رہی ہے اور فطرت انسانی بگڑنے سے محفوظ ہے۔ 134

364 - فطرت انسانی سے انحراف کرنیوالی جماعت یا سوسائٹی کا انجام بربادی ہوتا ہے 134

365۔ انسان کبیرؔ کے طبعی اقتضاء میں سے ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ اخلاق حسنہ کو پسند اور اخلاق بد سے اجتناب چاہتا ہے ۔ یہی وجہ ہے نوع انسانی تعلق باللہ والطاعت کو اپنے لئے فخر سمجھتی ہے اور برے اخلاق کو سوسائٹی میں آنے سے روکتی ہے 135

366۔ انسان کے نوعی تقاضوں (ملکیت وحیوانیت) کو اعتدال پر رکھنا انسانی فطرت ہے ۔ 135

367۔ انسانی فطرت اقترابات وارتفاقات کو حد اعتدال پر رکھنے کا نام ہے ۔ 136

368۔ انسانیت کے خصائل واقتضاء 136

369۔ حیوانیت کے اقتضاء اور حیوانوں کے خصائل 136

370۔ تکمیل انسانیت کیلئے ملکیت اور حیوانیت میں توازن اور اعتدال ضروری ہے ۔ 136

371۔ حضرت شاہ ولی اللہ رح کے نزدیک ہر حیوان کی تقدیر وہ ہے جو اس کو صورت نوعیہ دیکر الہام کیا گیا ہے کہ اپنی تندرستی کیلئے یہ اشیاء کھائے اور ان اشیاء سے پرہیز کرے 137

372۔ انسان کو صورت نوعیہ دیکر الہام ڈال دیا گیا ہے کہ وہ حیوانیت پر ملکیت اور عقل کو غالب رکھے اور عقل سے سوچ کر اقترابات وارتفاقات حاصل کر کے سوسائٹی میں اشرف ہو کر رہے ۔

373۔ شاہ صاحب رح کے نزدیک "فلسفۂ تقدیر" کا ایک مطلب یہ ہے کہ رضائے الٰہی اور معاشرے کی فلاح کیلئے کام کرتا رہے ۔ 138

374۔ خلاف تقدیر کام کرنے والا مستوجب سزا ہوتا ہے ۔ 138

375۔ اسماء کا مفہوم ہے ذات کے اندر موجود کمالات ۔ صفت ان کمالات کے پرتو اور شعاع کو کہتے ہیں ۔ 139

376۔ اسماء الٰہی بھی ذات الٰہی کی طرح سراسر رحمت وبرکت ہیں ۔ دنیا وما فیہا اسم الٰہی رحمٰن کے پرتو اور نور کی مرہون منت ہے ۔ 139

404 - معاشرے سے فسق و فجور کو ختم کرنے کیلئے انبیاءؑ، اولیاء کرام اور واعظین کو بھیجا جاتا ہے تاکہ شیطانوں سے جہاد کرکے شر کو کم کریں ۔ 160

405 - شیطانی قوت کا وجود بھی حکمت ربّی ہے ۔ 160

406 - انسانی سوسائٹی میں شر کے وجود سے سوسائٹی کا نظام قائم ہے اور اس سے بچنے کی خاطر مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں ۔ ضابطے اور محکمے وجود میں آتے ہیں ۔ 161

407 - شیطانی قوت کے وجود سے ملکوتی قوت کی پہچان ہوتی ہے ۔ بدی نہ ہو تو نیکی کی پہچان ممکن نہ رہے ۔ 162

408 انبیاء علیہم السلام اپنی جماعت کو نقصان سے بچنے کی تدابیر بتاتے اور ترقی کی راہیں دکھاتے ہیں 163

409 - حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے فلسفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نزول ایک ہی شکل میں ہوتا ہے پھر اپنے موطن کی لیاقت و قابلیت کے مطابق شکل اختیار کرتی ہے ۔ 164

410 - حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں جانے والے کے قلب و دماغ میں اس موطن کے خلاف کوئی چیز نہیں تو وہاں جاکر آرام و خوشی محسوس کریگا 164

411 - حکمران قوم حکمرانی کی لذت سے آشنا ہوتی ہے ۔ اسلئے حکمرانوں کے گھروں میں پلنے والے بچے نچلے درجہ کی زندگی پر قانع نہیں ہو سکتے ۔ 165

412 . حضرت یعقوب علیہ السلام پہلی منزل پر نقصان سے بچنے کی تدبیر بتاتے ہیں کہ اپنے رویاء بھائیوں سے بیان مت کریں ورنہ تمہیں ناکام کرنے کیلئے خفیہ تدابیر کریں گے ۔ 165

413 - حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسری منزل پر انتہائی ترقی کیطرف متوجہ ہونا ۔ 165

429 - علمی ومادی ترقی دیکھکر ممالک کی آپسمیں لڑائیاں شروع ہوجاتی ہیں - ارکانِ حکومت کو ان کے اثرات کا جائزہ لینا چاہیے 175

430 - دوسرے نظاموں پر سبقت حاصل کرکے ایک بہتر نظام پیش کریں تاکہ دوسرے ملکوں اور نظاموں کے لوگ بھی اسے قبول کرکے اس نظام کے ماتحت رہنا پسند کریں - 175

431 - لڑائی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور رعیت قحط سالی اور بے انتظامی کا شکار ہوجاتی ہے

432 - عوام وارکان دولت میں یکجہتی - فوج میں جذبہ اور خزانے میں پیسہ - ملکی استحکام اور سلامتی کیلئے ضروری ہیں - 176

433 - عقلمند حکمران دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر عوام کی خوشحالی اور ترقی کا سامان کرتے رہتے ہیں - 176

434 - سورہ الروم کا نزول اسلامی جماعت کے اس نظریہ کی تصدیق وحمایت ہے 176

435 - قیصروکسرٰی پر غالب آنے کی بشارت سورہ الروم میں دی گئی - 177

436 - سرزمین مقدس فلسطین اور بیت المقدس کی فتح کی پیشگوئی اور وعدہ وترغیب سورہ الانبیاء میں دی گئی تھی جو کہ حضرت عمرؓ کے ہاتھوں ۱۵ھ پورا ہوا - 177

437 - جذبہ اور عزم وہمت سے قلیل جماعت ہمیشہ کثیر جماعت پر سبقت حاصل کرلیتی ہے - مسلمانوں نے دینی پروگرام کو غالب کرنے کیلئے جدوجہد کی اور قیصروکسرٰی پر غلبہ حاصل کرلیا 178

438 - جنگوں میں مغلوب فریق ہمیشہ غالب فریق سے انتقام لیتا ہے مگر فتح کے بعد انتظامی صلاحیت وقوت کے مفقود ہوجانے کے سبب سلطنت کو قبضہ میں رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور یوں سلطنت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے - 178

438 - دشمن آپسمیں لڑکر قوت ختم کردیں تو ان کو مغلوب کرنا آسان ہوتا ہے جسطرح قیصروکسرٰی کی طاقت کمزور ہوئی تو مسلمان ان پر غالب آگئے - 179

439 - شاہ صاحب کے فلسفہ کے مطابق ظاہر حیات سے مراد درجۂ خلق ہے اور آخرت تدبیر کا درجہ ہے 179

440 - تدبیر میں کوشش سے کامیابی کا حصول ممکن ہوتا ہے ۔ 179

441 - وعدہ خداوندی حضرت عمرؓ کے دور میں پورا ہوا اور مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ پر غلبہ حاصل کر لیا ۔ 180

442 - سورۂ روم میں غلبہ حاصل کرنے کی عملی تدبیر سوچنے کیطرف اشارہ ہے ۔

443 - حکمران اگر دیگر ممالک کی علمی و فنی اور اقتصادی ترقی سے غافل رہیں تو دیگر اقوام ترقی حاصل کر کے ان پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں ۔ 180

444 - حکمرانوں کو چاہیے کہ علمی و فنون ترقی کیلئے اپنے قابل لوگوں کی تربیت کا انتظام کریں تاکہ ترقی یافتہ ممالک ٹیکنالوجی منتقل ہو اور ملک ترقی کرے ۔ 180

445 - مسلمانوں کی غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی یافتہ اقوام (یورپین) نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا اور سات سو سالہ منظم حکومت تباہ ہو گئی ۔ 180

446 - حظیرۃ القدس اور اس کے رہنے والے ـــــ امام ولی اللہؒ کے نزدیک ۔ 181

447 - مادی کائنات پر حظیرۃ القدس کے اثرات ۔ 181

448 - انقلابات کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسانیت ترقی کرتی جاتی ہے اور وہ انسانیت کیلئے رحمت و برکت ہوتے ہیں ۔ 181

449 - حظیرۃ القدس سے تعلق والی جماعت ان انقلابات کو نقشہ دیکھکر اپنی قوم کو آگاہ کرتی رہتی ہے

450 - حظیرۃ القدس والی جماعت کے پیغام پر لبیک کہنے والے صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جن کا تعلق حظیرۃ القدس سے ہوتا ہے ۔ 182.

451 - "مجتہد" کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی قوم و سلطنت کیلئے نئی معاشرت اور قانون بنائے جن میں قانون کی اصل روح باقی رہے اور شکل معاشرت زمانہ کے حسب حال ہو ۔ 182

467 - هند میں اسلامی سلطنت کے ارکان جبتک خدا رسیدہ بزرگوں کی نصائح پر عمل کرتے رہے تو حکومت مضبوط رہی ۔ 187

468 - حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت امام ربانیؒ کے حکم پر چلنے والے بادشاہوں کی سلطنت انقلاب سے محفوظ رہی ۔ جب ایسے بزرگوں کا دامن ہاتھ سے چھوڑا اور سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑے ۔ 187

469 - اکبر جیسا بادشاہ بھی جسکو اکثر بے دین کہا جاتا ہے ۔ اس حقیقت کا معترف تھا اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کو بخارا سے دہلی بلایا اور ان کا حکم مانتا رہا ۔ 187

470 - کسی قوم اور خطے میں اولیاء اللہ کا موجود ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نعمت عظیمہ ہے ۔ مگر اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے ۔ 188

471 - آجکل حوادث و انقلابات اور قوموں کے عروج و زوال کا کام سائنس دانوں کے سپرد ہے

472 - سائنسدان اعداد و شمار سے اکثر درست نتائج نکالتے رہتے ہیں مگر چونکہ ان کا تعلق حظیرۃ القدس سے نہیں ہوتا ۔ اس لئے ان کے نتائج کمزور ہوتے ہیں ۔ 188

473 - حوادث و انقلاب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور انجام کار بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے ۔ مگر وہ اپنے مخلص بندوں کو بعض غیب یعنی مستقبل کی خبریں اپنی رحمت اور فضل سے دے دیتا ہے ۔ 188

474 - جو قوم فکرِ فردا سے غافل رہتی ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتی ۔ تقویٰ ۔ عدالت و احسان جیسی عادات پیدا کر کے فکر فردا کا سبق قرآن سے ملتا ہے ۔ 188

475 اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے والی جماعت کو علم نظری اور حکمت عملی سے سرفراز کر دیا جاتا ہے 189

476 - اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنیکے دو طریقے ! تعلق باسماء اللہ و صفاتہ ۲ تعلق باخلاق اللہ و سماتہٖ و صفاتہ ۔ 190

45

- حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ایک صدی قبل بابل کے بادشاہوں نے مصر پر قبضہ کر کے موروثی حکومت قائم کر لی تھی 304
- حضرت یوسفؑ کے دور کے فرعون کا نام ریّان بن ولید تھا۔ 304
- تورات میں عزیز مصر کا نام فوطیفار تھا جو کہ نیک دل تھا۔ بادشاہ اور وزیر دونوں پر حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم کا اثر تھا۔
- تورات میں عزیز مصر کا نام فوطیفار مذکور ہے۔ مگر اس کی ملکہ کا نام نہ تورات میں ہے اور نہ قرآن میں۔ 305
- زلیخا یا راعیل کا نام چھٹی صدی ہجری کے ناول نویسوں کی اختراع ہے جس کی کوئی سند نہیں۔ 305
- حضرت یوسفؑ کی شادی بادشاہ مصر کے مرشد "فوطی فرعؑ" کی بیٹی آسناتھ سے ہوئی جس سے آپ کے دو بیٹے افرائیم اور منسّی ہوئے۔ 305
- عزیز مصر کی ملکہ سے یوسفؑ کا نکاح بھی ناول نویسوں کا ایک کذب اور بہتان ہے۔ 305
- حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے یوسفؑ کی اصلاحات ترک کر کے عیش پسندی شروع کر دی اور اقتدار سے محروم ہو کر غلام بنا دیئے گئے۔ 306
- بنی اسرائیل کے عوام۔ احبار اور رھبان کی جہانبانی اور سنتِ یوسفی سے کنارہ کشی نے انہیں ذلت و پستی کے گہرے گھڈ میں پہنچا دیا۔ 306
- قبطیوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے مصر پر حملہ کر کے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا اور ان پر سابقہ مظالم جاری کر دیئے۔
- "تدبیر" تقدیر سے پھوٹ کر نکلتی ہے۔ اس کو اختیار کرنا کامیابی اور ترک کر دینا تباہی کا باعث بنتا ہے۔ 306
- قرآن حکیم میں تاریخی قصّے بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب سے عبرت حاصل کی جائے 307
- قوموں کی تباہی میں "شرک" قدر مشترک رہی ہے شرک عقل کو اندھا کر کے تدبیر الٰہی سے غافل کر دیتا ہے۔ 307
- قوموں کی تباہی میں شرک کے علاوہ۔ اقتدار پرستی۔ سرمایہ پرستی نسب پرستی کے زعم میں جزاء و سزا سے انکار اور ظلم و ستم شامل ہیں جن کی وجہ سے عقل مسخ ہو جاتی ہے اور فطرتِ انسانی تباہ ہو جاتی ہے۔ اسلئے فطرتِ انسانی کو تباہی سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ ایسی سرمائی کو تباہ کر دیتا ہے۔ 307
- قوم نوحؑ میں غربا پر علم و ہنر کے دروازے بند تھے اور غرباء۔ کاشتکار و مزدور غلام سمجھے جاتے تھے۔ 308

- قوم عاد کی یہ عادت تھی کہ لوٹ مار کے مال سے بڑی بڑی عمارتیں اور محلات بناتے تھے اور پہاڑوں پر اپنی یادگاریں تعمیر کرتے تھے۔ 308
- قوم ثمود کے لوگوں کا پیشہ لوٹ مار اور غارتگری تھا اور وہ بھی غرباء پر ظلم کرتے تھے۔ غریبوں کو کھیتوں میں مال چرانے کی ممانعت تھی۔ 308
- حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں بت پرستی عروج پر تھی اور تمام امور بشمول امور مملکت میں مجاوروں کا دخل تھا 308
- مجاوروں کے عجیب و غریب ہتھکنڈے۔ 309
- عوام کی غلط روش میں حکام کا حصہ مقرر ہو جائے تو غلط کاری ترقی کر جاتی ہے۔ 309
- قوم لوطؑ کا غلط طرز عمل۔ 309
- حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں مصر میں آزادیٔ نسواں حد سے زیادہ تھی۔ پولیس کے اختیارات اتنے زیادہ تھے کہ وہ کسی بھی باعزت آدمی کو پکڑ کر جیل بھیج دیتی اور سیفٹی ایکٹ کے مشابہ قانون موجود تھے۔ 310
- مصر کے اُمراء کی طرز بود و باش اور آزادیٔ نسواں۔ 310
- مصر میں جیلوں کی حالت 311
- قرآن مجید کے تاریخی بیان فطرت کے آئینہ دار ہیں۔ ان میں جھوٹ فریب نہیں۔ 311
- سن بلوغ میں اختلاف کی وجہ ممالک کی آب و ہوا کا اختلاف ہے۔ 311
- "حکماً و علماً" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کو حکمت اور فراست کے ساتھ حکومت عطا ہوئی 312
- قومی اور بین للاقوامی نبوتیں۔ 312
- حکومت اور بادشاہی کی دو اقسام ۱۔ عالمانہ عادلانہ حکومت ۲۔ جاہلانہ ظالمانہ حکومت 312
- صالح جماعت کے ہاتھ اللہ تعالیٰ اپنی حکومت دیتا ہے کہ وہ انسانیت کیلئے نمونہ ہو اور انسانی سوسائٹی اس پر چلکر کامیاب ہے 313
- حکمت کی دو اقسام - ۱۔ حکمت عملی ۲۔ حکمت نظری۔ 313
- "احسان" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی تمام حرکات و سکنات اور ارادات میں روح کے مرکزی نقطہ کا دھیان تجلی اعظم پر مرتکز رکھے جو کہ خطیرۃ القدس میں ہے۔ 313

313

- صدیقین اور ابرار کا ایک مفہوم -

314

- عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو اپنے تمام ذاتی امور اور امور مملکت میں مشیر خاص بنا لیا -

- حضرت یوسفؑ کی برکت اور حسن تدبیر کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا نزول شروع ہو گیا

314

اور نمایاں ترقی ہوئی -

- حضرت یوسفؑ نے اپنی فراست و اہلیت سے امور سلطنت کو اس خوبی سے سرانجام دیا کہ عوام و خواص

315

اور بادشاہ کی نظر میں مقبول ہو گئے -

- حضرت یوسفؑ نے حسن تدبیر سے تمام خرابیوں - رشوت اور ظلم کو ختم کر کے عمدہ انتظام حکومت چلایا 315

316

- نااہل لوگوں کے سپرد حکومت کر دی جائے تو تباہ ہو جاتی ہے -

316

- تجربہ کار اور اہل لوگ حکمران بن جائیں تو مستحکم حکومت قائم رہتی ہے -

- حضرت یوسفؑ کی مصر میں اصلاحات

318

- قانون کی پابندی کے لئے خدا خوفی اور حب الوطنی لازمی ہیں -

- مذہب کے پابند اساتذہ کی تعلیم سے طلبہ کے دلوں میں خوف خدا اور ایثار و قربانی کے جذبہ سے سرشار

318

ارکان دولت کے عمل سے قوم میں جذبۂ حب الوطنی پیدا ہوتا ہے -

- عقلمند لوگ قانون بناتے ہیں مگر اس پر عمل درآمد کرانے والے عمال کی غلط کاریوں کی وجہ سے

319

اس کی روح ختم ہو جاتی ہے اور فائدے کی بجائے نقصان کا باعث ہوتا ہے -

319

- مُتعلمین و مصلحین کے دو طریقے ۱ مصلحین قانون - ۲ - انقلابی

320

- مصلحین کے خلاف رجعت پسندوں کا رویہ -

- غلے کے عوض مصریوں نے تمام مال اور زمینیں بیچ دیں پھر حضرت یوسفؑ نے کھیتی باڑی کیلئے کاشتکاروں کو دیں -

323

- خوشحالی کے وقت اناج کو ذخیرہ کر دیا تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے -

- فطرت سلیمہ موجود ہو تو تھوڑی سی کوشش سے جماعت تیار ہو جاتی ہے جو کہ اصلاحی پروگرام نافذ کرے 324

324

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے فضائل -

- محدثینؒ نے روایت کی سند و تعدیل کے سلسلہ میں "علم جرح و تعدیل" کے نام سے ایسا تحقیقی کارنامہ سرانجام دیا کہ ہم آج بھی صحیح۔ ضعیف اور موضوع حدیث کو پہچان سکتے ہیں 340

- ملکہ عزیز مصر دراصل لونڈی تھی۔ 342

- حضرت یوسفؑ کو اپنی حیثیت اور ذمہ داریوں کا احساس ہو چکا تھا۔ اسلئے انہوں نے اصلاح مصر کا کام شروع کر دیا۔ 342

- دفاعیت بالغہ نشہ شراب سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ اس سے ایک طبقہ عیش و عشرت کا شکار ہو جاتا ہے۔ 342

- عورت کی شرعی حیثیت۔ 343

- شہادت کا مفہوم۔ دین و وطن کے لئے جان دے دینا 344

- عورتوں کا مکر حضرت یوسفؑ کو اقتدار سے الگ کرنے کی سازش تھی۔ 345

- ولایت صغریٰ سے مراد سلطان الاذکار کا کھل جانا ہے۔ 349

- حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک چور کو قطب وقت بنا دینے والا عمل 350

- قدرشناسی کا اندازدوسرے کا شکرادا کرنا ہوتا ہے۔ بندوں کی شکر گزاری خدا کی شکر گزاری کا راستہ ہموار کرتی ہے اور بندوں کی ناشکری خدا کی ناشکری کا مرتکب کرا دیتی ہے۔ 351

- عمل سے عاری انسان کے پند و نصائح اثر سے خالی رہتے ہیں۔ صاحب کردار لوگوں کی باتوں میں اثر ہوتا ہے اور وہی کامیاب رہتے ہیں۔ 353

- فاحشات و منکرات کبھی چھپ نہیں سکتے۔ زنا بڑا قبیح فعل اور گناہ کبیرہ ہے 353

یہ معاشرہ کو بگاڑ دیتا ہے اور انسانیت پر ظلم عظیم ہے۔ 353

- بیگم عزیز مصر کا اس خفیہ تدبیر کیلئے ایسے وقت کا انتخاب کہ جب عزیز مصر محل میں موجود ہو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے تقدس کو پامال کرنے کی بیگمات مصر کی سازش کو پورا کر رہی تھی۔

353

- مدت تک بیگم عزیز کے گھر رہتے ہوئے اس خواہش کا اس سے پہلے اظہار نہ کرنا دوسری دلیل ہے کہ یہ سازش صرف حضرت یوسفؑ کے تقدس کو مجروح کر کے بدنام کرنے اور سلطنت سے نکالنے کے لئے تھی۔ 355

- دل میں قبولیت کا مادہ نہ ہو تو موثر ترین وعظ بھی موثر ثابت نہیں ہو سکتا۔ 355

- لفظ ھَمَّتْ کی لغوی اور ادبی تحقیق۔ 355

- غم کا اثر ہمت پر 358

- ھَمَّ بِھَا کا ایک مفہوم باہمت رہنا۔ 358

- خیر و شر کا باہمی ردّ عمل۔ 358

- جنگ میں اسلحہ اور جائے پناہ مقدمہ بازی میں سچی دستاویز اور گواہی غم وہم سے بچانے میں مفید ثابت ہوتے ہیں۔

- برہان یا حجت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ ایسی دلیل یا دستاویز جس سے مخالف پر غلبہ حاصل ہو اور بالکل روشن ہو۔ ادنیٰ فہم والا انسان بھی قبول کرنے میں تردد نہ کرے اور تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔ 358

- بُرْھَانَ رَبِّہٖ کی تفسیر کے بارے میں عام مفسرین کی مختلف آرا ہیں۔ 359

- انبیاء علیہم السلام کے کارنامے "فطرت سلیمہ" کو بیدار کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ 359

- برہان ربہٖ کا ایک مفہوم ہے عزیز مصر کے احسان کا نقشہ۔ 360

- قرآن حکیم کے بارے میں ایک یورپین مورخ کے ریمارکس۔ 361

- "اخلاق" کا مادہ انسانی فطرت سلیمہ میں موجود ہوتا ہے۔ اسے ترقی دینے کیلئے کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔

- اخلاق کی حفاظت کا عمدہ طریقہ خدا کی پناہ میں آجانا ہے۔ 362

- بداخلاقی ظلم ہے۔ جب تک انسان میں انسانیت باقی رہتی ہے وہ ظلم کو اچھا نہیں سمجھتا۔ 362

- فطرت انسانی میں "ظلم سے نفرت" امانتاً موجود ہوتی ہے۔ اسلئے انسانی دماغ بدخلقی کو محسوس کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اخلاق حمیدہ پیدا کرنے کا یہی بہترین اصول ہے۔ 362

- انسان کو بات سمجھائے بغیر اس پر عمل کرانے کی کوشش کرنا درحقیقت اس پر بوجھ ڈالنا ہے۔ بات کی حکمت سمجھ میں آجائے تو خود بخود طبیعت عمل پہ مائل ہو جاتی ہے۔ 363

- تدبیرِ الٰہی سے حضرت یوسفؑ کی امانت و دیانت شہرۂ آفاق ہوگئی اور بیگم عزیز مصر کا اور منشاء خاک میں مل گیا

- عربوں کے مخالفانہ پروپیگنڈے سے کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت میں اضافہ ہوا اور سلیم الفطرت لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ 380

- داعی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ سمجھدار طبقہ میں اجتماع پیدا کرے۔ معاشی معاشرتی اور اخلاقی معاملات کی اصلاح کے لئے اپنی لوگوں کی کمیٹی بنائے اور اپنا درجہ مساوی رکھے تاکہ معاشرہ ترقی کرتا رہے۔ 381

- داعی کے فرائض۔ قرآن کریم کی سورۃ حم فصلت میں بیان ہوئے ہیں۔ 381

- صحیح اخلاق اور فطرت سلیمہ کے مطابق کئے جانے والا پروپیگنڈہ سیاست اسلامی کے لئے لازمی امر ہے 381

- رابطوا کا ایک مفہوم ۔ حزبِ اختلاف کی اہمیت۔ 381

- سید پیر رشید الدین پیر جھنڈا کا طریقہ اصلاح و تربیت فطری اور قابل مثال تھا 382

- حضرت مولانا سندھیؒ نے روسی لیڈروں سے ملاقات کے وقت ان کی جماعت کی تعریف کی۔ 382

- تعلیم کے تین مدارج ۔ ۱ علم کتاب (پڑھنا پڑھانا) ۲ حکمت ۳۔ تزکیۂ نفس۔ 383

- مُزمل کا ایک مفہوم۔ 385

- عقدۂ لسان کا ایک مفہوم

- قریش نے عربوں کو متحد رکھنے کا طریقہ یہ سوچا کہ بیت اللہ میں ہر قبیلے کا بُت نصب کر دیا اور موسم حج میں اپنے بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کے پاس مہذب پروگرام نہ تھا۔ 389

- قریش کے پاس عرب کو متحد رکھنے کی استعداد تھی۔ وہ اس کے لئے جد و جہد بھی کر رہے تھے مگر ان کے پاس صحیح پروگرام نہ تھا۔ 390

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علمی و عملی صحیح اصول اور قانون فطرت پر مبنی پروگرام تھا۔ اسلئے قریش کا عقلمند طبقہ آپؐ کے ساتھ شامل ہوگیا۔ 390

- صلح حدیبیہ میں قریش نے عرب کی سیادت و تجارت آپؐ کے سپرد کر دی۔ 390

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی حیات مبارکہ میں تبوک پر لشکر کشی کرنا۔ اپنی جماعت کے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔ 391

- قانون بناتے وقت سوسائٹی کے تمام حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے ۔ 421

- اسلامی معاشرتی قانون کے خلاف وضع کئے گئے قوانین ریاکاری پر مبنی ہیں ۔ 421

- شغاف کا ایک مفہوم 424

- شعاف کا ایک مفہوم 424

- ملاءاعلیٰ کی جماعت انسانیت کی نگہبان ہے اور انسانیت کی تہذیبی وتمدنی ترقی کیلئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاگو رہتی ہے ۔ 425

- انسانیت سے کٹ کر حیوانیت کیطرف جھک جانے والی سوسائٹی کی تباہی کیلئے بھی ملاءاعلیٰ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور عذاب الہٰی انہیں نیست ونابود کر دیتا ہے ۔ 425

- جس سوسائٹی میں اعلیٰ استعداد کے لوگ موجود ہوں اور انسانیت کی تکمیل کی خواہش رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کے اسباب پیدا کر دیتا ہے ۔ پھر انبیاء علیہم السلام یا ان کے وارثین بھیج دیتا ہے

- نعمت خداوندی کی قدر نہ کی جائے تو وہ چھین کر مستحق لوگوں تک پہنچائی جاتی ہے ۔ 426

- نااہل لوگ جب نعمتوں کو سنبھال نہیں سکتے تو یہ امانت خداوندی اہل لوگوں کو منتقل ہو جاتی ہے 426

- صاحب نسبت ولی کامل کی اولاد نااہل ہو تو یہ نسبت جماعت کے کسی دوسرے فرد میں منتقل ہو جاتی ہے 426

- انبیاء علیہم السلام ۔ اولیاء کرام اور علماء کا مقصد زندگی لوگوں کی تعلیم ۔ تزکیۂ نفس ۔ اخلاق حسنہ اور تعلق باللہ ہوتا ہے ۔ 431

- مصلحین اپنے پروگرام کی ترویج واشاعت کیلئے مخالفین اور غیر مہذب لوگوں کے پاس جاکر تبلیغ کرتے ہیں ۔ 431

- انبیاء علیہم السلام قرب وعزت میں فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں ۔ 434

- زرپرست طبقہ ہمیشہ اصلاحی تحریکوں کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ رہا ہے اور عوام کو خفیہ طور پر ابھارتا اور جوش دلاتا ہے اور خود تماشا دیکھتا ہے ۔ 439

- نوجوان طبقہ میں جوش ہوتا ہے اور ادنیٰ طبقہ میں عقل و ہوش ہوتا ہے۔ اسلئے وہ انقلابی تحریکوں میں شامل ہو جاتے ہیں ۔ 439

- بیت اللہ اور مسجد نبوی کے مکینوں کا نان نفقہ ہم پر واجب ہے کیونکہ انہوں نے ہماری مساجد کو آباد کر رکھا ہے ۔ 440

- بیگم عزیز نے محفل کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ مبادا کہ حضرت یوسفؑ کا اصلاحی پروگرام ان عورتوں کو متاثر نہ کردے ۔ 4429

- سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ نیکی کرنیوالوں کے مقبول عمل کو دوام بخشا جاتا ہے اور آنے والی نسلوں کیلئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے ۔ 443

- نیک بخت کی صحبت سے نیکی اور غلط کاروں کی صحبت سے گناہ اور غلط کاری کا سبق حاصل ہوتا ہے اور بدنامی حاصل ہوتی ہے ۔ 443

- سوسائٹی کو تین درجوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ غرباء مزدور ۲۔ متوسط طبقہ ۳۔ امراء۔ جاگیردار تاجر و افسران بالا 444

- نکاح کیلئے دو امور کا ہونا ضروری ہے ۱۔ مرد و عورت کا آپسمیں محبت و اتحاد۔ ایکدوسرے کیلئے جذبہ رحمت و شفقت 444

- مذہبی تعلیم پر عمل کرنے سے ازدواجی زندگی کامیاب اور خوشگوار رہتی ہے اور بے التفاتی پیدا نہیں ہوتی 445

- سوسائٹی کی بربادی کا ایک سبب نکاح کے اداروں کی نگہبانی نہ کرنا ۔ 445

- احکام الٰہی سے بغاوت و سرکشی انسانی سوسائٹی کے لئے عذاب ہے جس سے سوسائٹی غیر فطری طریقوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی موت مر جاتی ہے ۔ 445

- آزادی نسواں کے علمبرداروں کو یورپ و دیگر آزادی پسند ممالک سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے

- عرب بت پرستی کے باوجود اپنے آپ کو دین حنیف کا پیشرو سمجھتے تھے ۔ 446

- حضرت یوسف علیہ السلام کو مبعوث کرنے اور مصر میں لانے کی علت و غایت یہ تھی کہ ظلم و ستم اور بد عنوانی کا خاتمہ کریں ۔ 446

- نعمتِ خداوندی کی ناقدری سے نعمت چھن جاتی ہے اور انسان کو ہمیشہ کیلئے ناکامی و خُسران کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ 448

- یوسف وزلیخا ناول ایک فرضی قصہ ہے۔ اسمیں ذرہ بھر حقیقت نہیں ہے 448

- نماز کے بغیر اصلاح اخلاق ممکن نہیں اور مالیات (نظام زکواۃ) کے بغیر حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ یعنی اخلاقیات و مالیات قیام حکومت کے دو اہم ستون ہیں۔ 451

- فساد کی اصل وجہ معلوم کر کے اس کی بیخ کنی کرنا ضروری ہے۔ فتنہ کو صرف فرو کرنے سے مکمل امن و امان نہیں ہو سکتا۔ 452

- بیرونی طاقتیں اور حکومتیں ریاست کے اندر اپنے ایجنٹ بھیج کر پروپیگنڈہ کے ذریعہ رائے عامہ میں انتشار پیدا کر کے مطلوبہ نتائج حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا حربہ ہے جو جنگ سے زیادہ خطرناک ہے۔ 452

- اطاعت رسول مسلمانوں کی دینی و دنیاوی ضروریات و حاجات کی کفیل رہیگی اور اس سے انحراف تباہی و بربادی ہوگی۔ 453

- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت۔ 453

- قانون کے استعمال میں کوتاہی اور استثناء سے لاقانونیت کا دروازہ کھل جاتا ہے 454

- اجتماعی اخلاق کی بنیاد مساوی تقسیم دولت اور معاشی مساوات پر ہے۔ 454

- انقلابی جماعت کے ہاں ارتداد اور ارتجاع کفر سے بدتر ہیں۔ 455

- مخالفین کے علاقہ میں اور خطرے کے وقت احتیاط لازم ہے۔ بغیر تحقیق کے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ 458

- اہل اللہ کی مجالس میں بیٹھنے کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اپنے دل سے تمام وسوسے اور پراگندہ خیالات کو نکال کر کامل توجہ اور حضور قلب سے بیٹھے تاکہ انوار کی بارش سے مستفید ہو سکے۔ 459

- متوسط طبقہ میں جو راز آجائے وہ شہرت حاصل کرلیتا ہے 478
اسطرح اگر اعلیٰ اخلاق اور مذہب کے پیرو کار اس طبقہ کے لوگ
ہوں تو وہ مذہب و اخلاق عالمگیر ہوجاتا ہے۔ 478

- مذہبی رسوم کی پابندی سے سوسائٹی میں یک جہتی پیدا ہوتی ہے
اور انہیں ترک کرنے سے لادینیّت اور انتشار۔ مذہب
وملت کو برباد کردیتا ہے۔ 478

- حکام کا با اخلاق و امین ہونا رعایا کے لئے رحمت ہوتا ہے
اور حکومت کے لئے باعثِ استقلال ہوتا ہے۔ 478

- نظریہ سلطنت اور نظریہ خلافت 479

- "آیت" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ ایسے احکام و اصول
جن کے فوائد اور مصلحت و حکمت واضح طور پر بیان
کیے گئے ہوں۔ فطرت انسانی کے مطابق ہوں۔ جسے
فطرتِ انسانی کرنے پر مجبور ہو اور ترک کرنے سے
متذبذب ہو 481

فہرست مضامین

باب سوئم

- توحید اور ایمان بالآخرت ہر مذہب کے بنیادی عقیدوں میں شامل رہے ہیں مگران پر ایسے حجابات ڈال دئیے گئے کہ مخصوص لوگوں کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ 490
- آخرت پر ایمان نہ لانے کے نتائج ـــ ۱۔ شرک۔ 490
- مصر پر حضرت ابراہیمؑ اوران کی اولاد کے اثرات اور اس کی طبعی وجغرافیائی وجوہات ـ 491
- حضرت یوسفؑ کے تعارف کرانے کی حکمت یہ تھی کہ یہ صاحب بادشاہ تک یہ بات پہنچائیں جوکہ ان کے بزرگوں کا عقیدت مند تھا۔ 492
- دنیاوی امور میں جس شخص کے پاس کسی کام کی تدبیر ہوتی ہے اُسی سے درخواست کی جاتی ہے ـ 493
چونکہ دینی ودنیاوی تمام امور کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے اسلئے عبادت بھی اُسی کی ہی کی جائیگی ۔
- شرک کا ایک مفہوم۔ 494
- شرک کے مہلک اثرات سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں انبیاء بھیجے ۔ 494
- تمام مذاہب کے انبیاء اور عقلمند فلاسفر زمین وآسمان ومافیھا کا خالق ومالک صرف ایک اللہ کو مانتے ہیں جس کے ہاتھ میں تمام تدبیریں ہیں ۔ 494
- غلط کار بادشاہوں اور مذہبی اقتدار کے لوگوں نے انبیاء کی تعلیمات کو بگاڑ دیا ـ 494
- شرک کے مہلکات ۔
- دنیامیں کوئی ایسی قوم نہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کی قائل نہ ہو اور زمین وآسمان کا مالک وخالق صرف اللہ کو نہ سمجھتی ہو ۔ 494
- کمیونسٹ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں دخیل نہیں ـ ہم اپنے کام خود کرتے ہیں مگر وہ بادشاہ کو خدا سمجھتے ہیں اور شرک میں مُبتلا ہیں ۔ 495
- "توحید الٰہی" انسانی سوسائٹی پر اللہ کا فضل ہے مگر غلط کار لوگ اس کی بے قدری کرکے خود کو تباہی سے ہمکنار کرتے ہیں ۔ 495

- قدیم دور کے لوگ بادشاہ وزیر۔ آقا اور امیروں کو رب کہتے تھے اور شرک میں مبتلا تھے جس طرح سندھی زبان میں لفظ سائین کا معنی "رب" ہے جو سنسکرت کا لفظ ہے۔ 495

- حکمت و دلیل کے ساتھ تبلیغ کی جائے تو اس کا اثر ہوتا ہے۔ 496

- دعویٰ بغیر دلیل کے اور دلیل بغیر سند و روایت و درایت کے قابل قبول نہیں ہوتی۔ 497

- حضرت یوسفؑ کے خاندانی عظمت بیان کرنیکی حکمت یہ تھی کہ عام طبقے کے لوگ بڑے لوگوں اور بادشاہوں کی باتوں کو غور سے سنتے ہیں۔ درمیانہ طبقہ کے آدمی کی بات نہ توجہ سے سنتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ 497

- حکمت و نرمی سے سمجھائی ہوئی بات کا اثر دیرپا ہوتا ہے یہ تبلیغ کا بہت اچھا طریقہ ہے 498

- عام طبقے کے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ بات کو پھیلاتے یعنی اُس کا چرچا کرتے ہیں۔ 498

- غیر اللہ کی عبادت کا فلسفہ کیسے پیدا ہوا۔

- انبیاء علیہم السلام اپنی بات منوانے کیلئے جبر و اکراہ سے کام نہیں لیتے بلکہ حکمت۔ علم۔ تدبر اور لطف سے بات سمجھاتے ہیں۔ 499

- انتظامِ حکومت چلانے اور قانون کی بالادستی قائم رکھنے کے لئے مجرموں اور قانون شکن لوگوں سے سختی کا برتاؤ کرنا ضروری ہے۔ 499

- حکیم لوگ فلسفیانہ دماغ رکھنے والے لوگوں کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور عام طبقہ کے لوگوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ 499

- نبی کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی کے ہر طبقہ اور ہر قسم کی ذھنیت کے لوگوں کو اپنی بات سمجھاتے ہیں۔ لوگوں کے ذھنی معیار کے مطابق اپنا نظریہ اور پروگرام پیش کرنا انبیاء کی سنت ہے اور یہی طریقہ "تعلیم و تربیت" کا بہترین اصول ہے۔ 499

- بین الاقوامی نبوت کا اصول یہ ہے کہ مذہب اور پروگرام ایسا ہو کہ دنیا بھر کی قومیں باوجود اختلاف ذھنیت۔ معاشرت۔ زبان۔ اس کو قبول کرلیں۔ 500

- مابلی قوموں کی ذہنیت کی بنیاد حکمت و فلسفہ پر ہے - اور سامی قوموں کی ذہنیت یہ ہے کہ وہ کسی بڑے آدمی کی بات مانتی ہیں حکمت اور فلسفہ کی طرف اُن کی توجہ کم ہوتی ہے - 500

- حضرت نوح علیہ السلام بین الاقوامی نبی تھے - آپ کی نبوت کے دو اصول تھے 1 توحید 2 ایمان بالآخرت 501

- حضرت مظہر جان جاناں "کرشن" کے نبی ہونے کے قائل تھے - 502

- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بین الاقوامی ہے - 502

- تبلیغ اسلام اور علماء کا رویّہ - 502

- وعظ و نصیحت اور مناظرہ کے لئے مخالف جماعت کے اعتقادات و نظریات کا جاننا ضروری ہے 503

- کسی قوم کا اصل طریقہ جانچنے کیلئے ان کے سمجھدار لوگوں سے اعتقادات سُن کر اُن کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے

- بت پرستی کو رواج دینے میں مذہبی جماعتوں اور بادشاہوں کا بڑا ہاتھ ہے - 504

- عیار لوگوں کی مکاری میں پیروں اور مجاوروں کا تعاون اور اس کی وجہ - 505

- ملکی ذرائع معاش پر ایک خاص طبقے کا قبضہ ظلم کے مترادف ہے 505

- تمام انبیاء دنیا سے شرک مٹانے کے لیے تشریف لائے - 506

- انسانی فطرت ہے کہ وہ جزو سے کل اور واقعہ سے قاعدہ کلیہ بنالیتا ہے - 507

- اہل اللہ نہایت عقلمندی سے اپنے پروگرام کی اشاعت کرتے ہیں - ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر سمجھدار لوگ ان کے معتقد اور مرید بن جاتے ہیں - اس سے یہ اصول وضع ہوتا ہے کہ دین عقل اور اخلاق سے پھیلا ہے - 507

- مصلح لیڈر کے ختم ہو جانے (وفات پاجانے) کے بعد جماعت کمزور ہو جاتی ہے 508

- قیدیوں کے خواب کی تعبیر - 508

- حضرت یوسف علیہ السلام کو قیدیوں کے مقدمہ کے بارے الہامی طور پر اطلاع دی گئی تھی - 509

- مصر پر قحط سالی حضرت یوسفؑ کے پروگرام نہ ماننے اور انہیں قید میں ڈالنے کی سزا کے طور پر آئی تھی۔
جس سے نجات کی تدبیر خود انہوں نے (حضرت یوسفؑ) نے بتائی۔ 518

- انبیاء کے پروگرام سے روگردانی کرنے سے قحط سالی جیسے عذاب نازل ہوتے ہیں اور لوگوں کی
معیشت تنگ ہو جاتی ہے۔ 518

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سال شعب ابی طالب میں قید کرنے اور پروگرام نہ ماننے کی سزا
کے طور پر عرب پر تین سال قحط سالی کے آئے۔ آپؐ ہی کی دعا سے قریش اور اہل عرب کو قحط سالی
سے نجات حاصل ہوئی۔ 518

- اہل مصر پر حضرت یوسفؑ کا احسان تھا کہ انہوں نے قحط سالی سے بچنے کے لئے تدبیر نکالی اور لوگوں
کو اس کے اثرات سے بچا لیا۔ 519

- اہل مدینہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان ہے کہ آپؐ نے مدینہ منورہ کو اپنا شہر بنایا۔
روئے زمین کے خزانے (علمی و دنیاوی) اور نیک لوگ وہاں جمع ہوئے۔ وہ لوگ گندے عقائد و رسوم سے
بچ گئے۔ اقوام عالم کی سرداری و فضیلت ملی اور ان کے کارنامے تاریخ میں ہمیشہ جلی حروف سے لکھے جائیں گے 519

- فرعون کا درباریوں سے اپنا خواب بیان کر کے تعبیر معلوم کرنا 520

- درباریوں کا تعبیر بتلانے سے معذرت کرنا اور اسے صرف خیالی خواب بتلانا۔ 520

- قیدی کا تعبیر بتانے کیلئے جیل جانے کا دربار سے اجازت نامہ حاصل کرنا 521

- "صدیق" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اس کی زبان پہ جھوٹ کبھی نہ آیا ہو۔ اس سے خلاف فطرت کام صادر نہ
ہوا ہو اور نہ ہی اسکے قلب پر برے خیالات کا قبضہ ہو۔ بلکہ اس کا دل اور روح منور ہو۔ غیب
کی خبریں دینے والا۔ فطرت پہ چلنے والا ہو اور اس میں استعداد نبوت ہو۔ 522

- انبیاء کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ مخلوق خدا کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ ان کی کسی
سے دشمنی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایذا دینے والے دشمنوں کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔ 523

- قیدی کا خواب کی تعبیر کے لئے حضرت یوسفؑ کے پاس جیل میں پہنچکر تعبیر معلوم کرنا - 523
- قحط و آفات کی صورت میں جب تک پوری قوم سیسہ پلائی دیوار ثابت نہ ہوں - ان مشکلات پر قابو پانا ناممکن نہیں ہوتا - 524
- بہتر منصوبہ بندی ملک و قوم کی خوشحالی کی ضامن ہوتی ہے - 524
- یمن سے برآمد ہونے والی قبر اور اس کی لاش سے ملنے والی تختی - 525
- حکام بالا کو چاہیے کہ "مخصوص" لوگوں سے ہٹ کر کبھی کبھی دوسرے لوگوں سے بھی مشورہ کر لیا کریں 527 کیونکہ اکثر درباری خوشامدی "سب اچھا ہے" کی پالیسی پر چلتے ہوئے بادشاہ اور حکام کو اصل حقائق تک پہنچنے نہیں دیتے اور حالات بگڑ جاتے ہیں اور سیاسی ابتری اور بدنظمی پیدا ہو جاتی ہے - 527
- مشروط معافی سیاسی کریئر کو تباہ کر دیتی ہے -
- "غلط کار" حکام کا یہ رویہ ہوتا ہے کہ وہ سیاسی لوگوں کو اخلاقی جرم میں ملوث کر کے جیل بھیجتے ہیں تاکہ عوام شورش نہ کریں - 527
- بادشاہ کا خواتین کو دربار میں بلا کر مقدمے کی از سر نو تفتیش کرنا تاکہ اصل حقائق سامنے آجائیں 528
- حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی عظمت - 528
- انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ وہ زندگی کا ایک لمحہ ضائع کئے بغیر تبلیغ دین اور اشاعت پروگرام میں مصروف رہتے ہیں - 529

-

- حضرت یوسفؑ کی برأت اور بیگم عزیز مصر کا اعتراف جرم ۔ 536

- وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار 537

- بادشاہ مصر کا یوسفؑ کے حالات جاننا اور ان کو جیل سے نکالکر کاروبار مملکت میں مشیر بنانا ۔ 537

- ذمہ داری مطابق اہلیت لینی اور دینی چاہیے مستقبل کے لئے حال میں منصوبہ بندی کرنی چاہیے 539
طلب ورسد کے معاشی اصول سامنے رکھنے چاہیں اور کفایت شعاری کو اپنانا چاہیے ۔

- نالائق اور ناتجربہ کار لوگوں کو ہٹانا قومی ذمہ داری ہے ۔ 541

- مصر کا مختار کل بننا اور شادی — تورات کی روشنی میں 541

- عزیز مصر کی بیگم کا نام زلیخا غلط معلوم ہے ۔ اسکی تصدیق نہ تورات سے نہ قرآن حکیم سے ہوتی ہے ۔
یہ ناول نویسوں کا خیال ہے ۔ 542

- جوہر قابل کو مخالفت ودشمنی سے ختم نہیں کیا جاسکتا ۔ وقت آنے پر وہ اپنا لوہا منوا لیتا ہے اور مخالفین
ناکام ونامراد رہتے ہیں ۔ 543

- قوم کی فلاح کیلئے حضرت یوسفؑ کی صلاحیتوں سے استفادہ حاصل کرنے کی تدبیر ۔ 543

- سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جاتی بلکہ جہد مسلسل کے بعد اُسے بام عروج
پہ پہنچایا جاتا ہے ۔ 544

- بادشاہ مصر نے حضرت یوسفؑ کی صلاحیتوں کے اعتراف کے طور پر انہیں مصر کا مختار کل بنا دیا ۔

- حضرت یوسف علیہ السلام کی زرعی اصلاحات اور طریق کار ۔ 544

- صاحب استعداد کو اللہ تعالیٰ اس کی لیاقت کے مطابق زمین پر اقتدار عطا فرماتا ہے 544

- بین الاقوامی حالات وواقعات سے علیحدگی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے ۔ 545

- قوموں کی زبان ومعاشرت جدا سہی مگر ایک نظام کے تحت زندگی بسر کی جاسکتی ہے جو کہ بین الاقوامی ہونا چاہیے ۔ 545

- مالیات اور تجارت پر حکومت کی نگرانی نہ ہو تو تاجر اشیاء کو دوسرے ممالک بھیج کر قلت پیدا کر دیتے ہیں اور عوام کو دقت پیش آتی ہے۔ 546
- برآمدات پر مناسب پابندی بھی ملکی معیشت کو روبہ تنزل ہونے سے بچاتی ہے۔ 546
- سابی نبوتوں کی تاریخ محفوظ ہے۔ انسانی سوسائٹی کی فلاح کیلئے اختیار کردہ تدابیر آج تک محفوظ ہیں 547
- انبیاء انسانی سوسائٹی کو درپیش مسائل حل کر کے اپنے پیچھے ایک عمدہ پروگرام چھوڑ جاتے ہیں۔ 547
- صابی نبوتوں کی تاریخ محفوظ نہ رہی۔ 547
- حنفی سلسلہ کی تاریخ بھی محفوظ ہے۔ بنی اسرائیل نے اُسے تورات میں محفوظ رکھا۔ 547
- صابی قوموں کے دو نامور بزرگ۔ ۱۔ کرشن ۲۔ بدھ 548
- حضرت موسیٰؑ نے حضرت یوسفؑ کی اصلاحات کو زندہ کیا اسلئے عقل مندان کو مجدد کہتے ہیں۔ 548
- حضرت موسیٰؑ و یوسفؑ کا ایک ہی نصب العین تھا کہ انسانی سوسائٹی کو مفسدوں کے شر سے پاک کر کے اقوام عالم کی اصلاح کی جائے۔ 548
- مصر میں طبقاتی تقسیم کے اثرات۔ امیر امیر تر۔ غریب غریب تر 549
- امیر و غریب دونوں سودی لعنت میں گرفتار تھے۔ 549
- قارون کے ذاتی خصائل۔ 549
- یہودیت سرمایہ پرست۔ اسلام سرمایہ شکن۔ 550
- مصر میں آزادئی نسواں کے برے اثرات 550
- یورپ پر دولت کی فراوانی کے اثرات 551
- تقلید یورپ تباہی کا راستہ ہے جو ملک بھی بدرسمیں اختیار کرلیگا۔ تباہ ہو جائیگا۔ 551
- مصر میں پیروں اور مقدس لوگوں کی حالت 551
- اپنے مشن کی کامیابی کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدوجہد۔ 551

- حضرت یوسفؑ کے برسراقتدار آنے سے ان کی جماعت بھی برسراقتدار آگئی اور اصلاحات کے کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ 552

- انبیاء و اولیاء کبھی اکیلے نہیں ہوتے ہمیشہ مخلص لوگوں کی جماعت ان کے ساتھ ہوتی ہے 552

- جماعت کی اہمیت۔ 552

- انبیاء و اولیاء اور مصلحین کا مشن ہمیشہ جاری و ساری رہتا ہے۔ کیونکہ ان کے متبعین کی جماعت موجود رہتی ہے۔ 553

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ہی اپنے جانثاروں کی جماعت پیدا کر لی تھی۔ 553

- حضرت یوسفؑ نے بیماروں۔ معذوروں اور بوڑھوں کے علاوہ سب کو کام پر لگا دیا 553

- حضرت یوسفؑ کی جماعت نے اصلاحات کے نفاذ میں ان کی معاونت کی۔ 553

- حضرت یوسفؑ کی پالیسی پر اُمراء کی نکتہ چینی۔ 554

- قحط و آفات کی صورت میں رعایا کی کفالت کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ 555

- مصر میں قحط سالی کے اثرات۔ 555

- حضرت یوسفؑ اپنے کام میں اسقدر منہمک ہو گئے کہ اپنے والد اور بھائیوں کو اطلاع تک نہ بھیجی 556

- حضرت یوسفؑ نے اُمراء و غرباء میں مساوات قائم کر دی تھی۔ زمینیں اور مکانات تقسیم کرا دئیے تھے 556 زمینیں کاشتکاروں میں حسب ضرورت تقسیم کرا دیں۔

- ملکی امن و سلامتی کیلئے ضروری ہے کہ ملک میں داخل ہونے والے ہر شخص (غیر ملکی) کا باقاعدہ اندراج اور نگرانی ہو۔ 556

- ملزم سے کسی مروت کا سلوک انصاف کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اسلئے حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کے ساتھ کوئی مروت کی بات نہ کی کیونکہ ان پر جاسوسی کی تہمت لگ چکی تھی۔ 557

- نیکوکاروں اور انسانی سوسائٹی کے خدمتگاروں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ سرداری کی صورت میں اجر سے نوازتا ہے یہ دنیاوی انعام ہے۔ 557

- انعامات اُخروی کی لذت وسرور اور دیدار الٰہی ایک اعلیٰ نعمت ہے - یہ اُن لوگوں کو ملتی ہے جو تسلسلِ حیات کو مانتے ہیں - 558

- فطرت انسانی کی تکمیل کے لئے چار خصائل بہت ضروری ہیں تمام انبیاء اور خود قرآن مجید نے بھی ان خصائل پر بہت زور دیا ہے - طہارت ۲- انابت ۳- سماحت وسخاوت ۴- عدالت 559

- اخلاق فاضلہ جن کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے - عدالت ومساوات -۲ احسان- سوسائٹی کے ضرورتمندوں کی امداد 561

- اخلاق رذیلہ جن سے منع کیا گیا ہے -۱ بے حیائی کے کاموں سے اجتناب ۲- "منکر" انسانی سوسائٹی کے ناپسندیدہ امور سے بچنا - ۳- بغاوت - 561

- بغاوت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی کے حق اور مال پر زبردستی قبضہ کرے اور صاحب عزت کو بے عزت کرے - 562

- اچھے اخلاق پر چلنے والا اور برے اخلاق سے اجتناب کرنے والا متقی کہلاتا ہے - 562

- مومن کا نصب العین آخرت ہونا چاہیے تاکہ رضامندیٔ الٰہی حاصل کرکے ملاء اعلیٰ کی جماعت میں شامل ہو جائے

- علیین اس جگہ کا نام ہے جہاں حظیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ کا سایہ پڑتا ہے یہ بہشت کا اعلیٰ درجہ ہے 562

- اسلامی رسوم جسم ہیں اور ان کے اندر تعلق باللہ خوف خدا یا محبت الٰہی ان کی روح ہیں - 562

- روح اور جسم دونوں ملکر کارآمد ہو سکتے ہیں - 563

- حضرت یوسفؑ کا بھائیوں کو پہچان لینا - 563

- کنعان کا قافلہ یوسفؑ کے بھائیوں کی سرکردگی میں مصر پہنچا - 563

- حکومت مصر کو آل اسحاق ویعقوب علیہم السلام کی طرف سے خدشہ - 564

- قحط سالی کی وجہ سے مصر نے دفاعی اخراجات میں کمی کر دی تھی اور حفظ ماتقدم کیلئے پولیس رکھ لی تھی - 564

- قافلۂ کنعان کے بارے خفیہ پولیس کی رپورٹ - 564

- حضرت یوسفؑ کے بھائی اسلئے پہچان نہ سکے کہ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ وہ زندہ ہیں اور حکومت کر رہے ہیں 564

- حضرت یعقوبؑ نے بیٹے کے غم کو دل میں رکھا اور بیٹوں اور خاندان میں ذکر نہ کرتے تھے۔ اسلئے بھی پہچاننے میں دقت ہوئی کہ وہ یہ قصہ بھول چکے تھے۔ 565
- حضرت یوسفؑ کا بھائیوں کو دربار میں بلانا۔ 565
- مسلمان علماء آثار قدیمہ کو یمن سے ملنے والا انوکھا "کتبہ"۔ 565
- حضرت یوسفؑ کا بھائیوں کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرانا۔ 566
- بھائیوں کو دربار میں بُلاکر تفتیش کرنا تاکہ ان سے جاسوسی کی تہمت رفع ہو جائے 566
- بھائیوں کا بوڑھے باپ اور دوسرے بھائی کا حوالہ دینا۔ 566
- حضرت یوسفؑ نے دوسرے بھائی کو لانے کا مطالبہ کیا تاکہ زیادہ راشن دیا جائے۔ 567
- حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ بھائی کو نہ لانے کی صورت میں دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔ 567
- تقدیر الٰہی میں یہ طے شدہ امر تھا کہ یوسفؑ کا خاندان مصر میں آکر آباد ہوگا۔ اسلئے یہی خواہش یوسف علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوئی۔ 567
- انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ تجارتی معاملات میں برابری کا سلوک کیا جائے۔ اپنے اور غیر کی تمیز نہ ہو 568
- اگر کوئی حکومت مساوات کے اصول کو ترک کرکے اپنے لوگوں کو نوازنا شروع کردے گی تو انصاف اور بین الاقوامی قانون پر اسکا بہت برا اثر پڑیگا اور ملک کی معاشی حالت بگڑ جائیگی۔ 568
- غیر ملکیوں کی نقل و حرکت کی تفتیش کرنا حکومت کی اہم ذمہ داری ہے ورنہ ملک میں جاسوسی اور تخریب کاری کے ذریعہ دشمن انتشار پیدا کرکے ملکوں کو تباہ کردیتے ہیں۔ 568
- قانون کی پابندی سب پر لازم ہے۔ کسی سے رعایت جائز نہیں۔ اپنوں سے احسان کرنا جائز ہے۔ 569
- حضرت یوسفؑ نے ان کے حالات سے ان کی مفلسی کا اندازہ کرلیا تھا اور چاہتے تھے کہ دوبارہ واپس آئیں اس لئے ان سے احسان کیا۔ 569

- حضرت یوسفؑ کے احسان کرنے کی دو اہم وجوہ - ۱۔ دوبارہ مصر آنے پر آمادگی 569

۲- بنیامین کو مصر بلوا کر دلی راز بتانا اور اپنے والد کو مصر آنے پر راضی کرنا ۔ 569

- حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے وطن سے شدید محبت تھی اور اپنی وطن چھوڑنے پر آمادہ کرنا آسان نہ تھا

- صالح اسلاف - صالح ماضی سے وابستگی سنت انبیاء ہے ۔ 570

- بھائیوں کو واپسی پر آمادہ کرنے کی ترکیب - احسان کا رویہ ۔ 570

- مصر سے واپسی پر برادران یوسف کا باپ سے مصر کے حالات و واقعات کا تذکرہ کرنا ۔ 571

- اوج کمال پر پہنچکر صاحب ظرف اپنی حقیقت وحیثیت سے آشنا رہتا ہے جبکہ کم ظرف اپنی حقیقت بھول جاتا ہے ۔ 571

- توریت کے قصے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک ہزار سال بعد لکھے گئے ہیں ۔ 572

- توریت میں قصہ برادران یوسفؑ لکھنے والوں کی غلط فہمی ۔ 572

- قرآن مجید تورات کی غلطیوں کی تردید کرکے اصل حقائق بیان کرتا ہے ۔ 572

- جس سے وعدہ خلافی ثابت ہو جائے اُسی کے کسی دوسرے دعوے کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے ۔ 573

- حضرت یعقوبؑ کی صحت پر فراقِ یوسفؑ کا اثر ۔ 573

- بحران کی صورت میں قوم اپنے امیر کیطرف رجوع کرتی ہے ۔ 573

- ملک وملت کی خاطر مال جان اور اولاد کی قربانی پیش کرنا عظیم انسانوں کا شیوہ ہے ۔ 573

- مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا یعنی دھوکے باز کا دوبارہ اعتبار نہ کریں ۔ 574

- برادران یوسفؑ کو سرمایہ واپس ملنے پر خوشی ہوئی گویا تدبیر یوسفؑ نے کام کیا اور وہ واپس جانے پر رضامند ہوگئے

- احسان سے دشمنوں کے دل بھی جیتے جا سکتے ہیں اسلئے اسلام نے احسان کا حکم دیا ہے ۔ 575

- حضرت یعقوبؑ نے عہد واثق کے بعد بنیامین کو اللہ کی نگہبانی میں دیتے ہوئے ساتھ جانے کی اجازت دیدی۔ 576

- اسلام رہبانیت سے منع کرتا ہے ۔ اسلئے انبیاءؑ ہمیشہ اقترابات اور ارتفاقات میں توازن برقرار رکھتے ہیں۔ 576۔

576
۔ سورہ جمعہ میں فرض نماز کے بعد تلاش معاش کی طرف فوراً متوجہ ہونے کا حکم ہے ۔

۔ حضرت یعقوبؑ کو بھی معاشیات کی فکر تھی کیونکہ معاش سے تنگ آ کر انسان فرائض عبادت بھی
بجا طور پر ادا نہیں کر سکتا ۔ 576

۔ صاحب ایمان کے لئے زبانی عہد کافی ہے ۔ تحریر کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے ۔ 576

۔ امکانی حد تک معاملات کو عقل و تدبیر سے طے کرنے کے بعد نتائج کو اللہ کے سپرد کرنا چاہیے ۔ 577

۔ تمام انبیاء کا یہ عقیدہ و عمل ہے ۔ اللہ کے سوا کوئی وکیل اور کارساز نہیں ۔ اگر دنیا میں کوئی تکلیف یا
نقصان پہنچتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ نفع ملتا ہے ۔ 577

۔ حضرت یعقوبؑ کی بیٹوں کو مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت سے یہ اصول نکلتا ہے کہ
تقدیر الٰہی غالب رہتی ہے تاہم جو عقل و فہم و بصیرت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اسکو استعمال میں لاتے ہوئے حصول مقصد
اور مشن کی کامیابی کیلئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں ۔ 578

۔ حصول مقصد کیلئے ماضی کی ناکامیوں سے سبق حاصل کر کے مستقبل کی تدبیر کرنی چاہیے ۔ 579

۔ اپنے تحفظ اور کامیابی کیلئے ضعیف سے ضعیف تدبیر بھی عمل میں لانا ضروری ہے ۔ 579

۔ ماتحت حکام بالا کی نظر میں مقام حاصل کرنے کیلئے رپورٹیں بھیجتے رہتے ہیں مگر حکام بالا کو رحمدلی
اور شرافت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ماتحتوں کی رپورٹوں کا تحقیقی جائزہ لینا چاہیے ۔ 580

۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے امکانی حد تک تدابیر اختیار کرنا چاہیے ۔ کامیابی کا
بہترین راستہ یہی ہے ۔ 580

۔ انسان کو اکثر اپنی بداحتیاطی اور بے تدبیری کیوجہ سے تکالیف پیش آتی ہیں ۔ 580

۔ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ امکانی تدابیر اختیار کی جائیں اور نتائج کو اللہ کے بھروسے پہ چھوڑا جائے 580

۔ انبیاء علیہم السلام کی سنت اور طریقہ یہ ہے کہ مقدور بھر کوشش جاری رکھو اور ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے نہ بیٹھو
پھر نتائج کو اللہ پر چھوڑ دو ۔ 581

- ایک دروازے سے داخل ہونے سے منع کرنے کی ایک حکمت یہ تھی کہ حکومتِ وقت ان کی تعداد دیکھ کر ان کو اپنا سیاسی حریف تصور نہ کرنے لگے۔ 581

- ماتحت افسروں کی کارگزاری کی نگرانی نہ کی جائے تو ان کی غلط پالیسیاں حکومت کیلئے بدنامی اور تباہی کا سبب بنتی ہیں۔ 581

- بنو امیہ کے دور میں ماتحت افسران نے اہل بیت کو تکلیفیں دیکر صوبیاء، محدثین اور فقہاء، وعوام کو حکومت سے متنفر کردیا اور مورخین نے یہ تکلیفیں بادشاہوں کی طرف منسوب کر دیں 582

- برادرانِ یوسفؑ کا باپ کی نصیحت پر عمل پیرا ہونا۔ 582

- خیانت و بداخلاقی سے پاک صاحب کردار لوگوں کا مستقبل تابناک ہوتا ہے اور ان کا پروگرام کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ 582

- انبیاء علیہم السلام کا پروگرام انقلابی ہوتا ہے جسے چلانے کیلئے طاقت اور سلطنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

- عزم وہمت کی راہ میں ضعف اور بڑھاپے کی دیوار حائل نہیں ہوسکتی۔ 583

- عقل مند انقلابی حالات سے اپنی کامیابی کے آثار دیکھ لیتے ہیں۔ 583

- خدشات اور خطرات سے دامن بچا کر چلنا عقل مندی کی بات ہے۔ 583

- کم علم وفہم لوگ اہل علم کی باتوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ وہ خلق کے درجہ کو تو جانتے ہیں مگر تدبیر کی حکمت سے غافل ہوتے ہیں۔ 584

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رویاء کے ذریعہ عمرہ کرتے دکھایا گیا تو آپؐ صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرے کیلئے روانہ ہوگئے۔ 584

- مقام حدیبیہ پر قیام اور صلح حدیبیہ۔ 584

- صلح حدیبیہ کے نتائج قریش نے سارے عرب پر حضور صلعم کی سیادت تسلیم کرلی - ۲ فتح مکہ 584

انبیاءؑ کو سینا الہی میں دکھائے گئے رویاء مقررہ مدت میں پورے ہوتے ہیں۔ 585

۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے جو تدابیر کو اختیار کرتے ہوئے کامیابی میں کوشاں رہتے ہیں ۔ 585

۔ انسانوں میں سب سے زیادہ متوکل انبیاء ہوتے ہیں اور وہ سلسلۂ علت و معلول کو پوری طرح کام میں لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے ۔ 585

۔ جنگِ بدر میں تمام احتیاطی تدابیر پر عمل کیا گیا تو آسمانی نصرت حاصل ہوئی جبکہ جنگ اُحد میں جماعت کے چند اصحاب کے عمل نہ کرنے کیوجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ 586

۔ سلسلۂ کائنات کی تمام نعمتوں سے کماحقہٗ فائدہ حاصل نہ کرنے والی جماعت صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے ۔

۔ اجتماعی فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام احتیاطی تدابیر سے کام لینا چاہیے ۔ 586

۔ بنیامین کو غمزدہ دیکھکر حضرت یوسفؑ نے اپنا تعارف خود ہی کرا دیا ۔ 587

۔ بنیامین کے غمگین ہونے کی وجوہات ۔ 587

۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی بھائی کو تسلی ۔ 587

۔ بھائیوں کا دربار یوسف میں تحائف لیکر داخل ہونا ۔ 587 [illegible]

[illegible] یعقوب [illegible] حاصل [illegible] ۔

[illegible] ہوتا ہے ۔

۔ [illegible] یوسف [illegible] نہ کیا گیا ۔

[illegible] یوسف [illegible] میں [illegible]

۔ [illegible] کا انتظام سنبھالنے کیلئے [illegible] برادران یوسف میں [illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

۔ تورات کے مطابق پیالہ [illegible] خود حضرت یوسفؑ [illegible]

[illegible] ۔

فہرست مضامین

باب چہارم

- حضرت یوسفؑ نے نوکروں کو حکم نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے خود تلاشی کرتے ہوئے قافلہ والوں کی تلاشی لی تھی۔ 596
- برادرانِ یوسف کی چوری سے لاعلمی۔ 597
- جنگ اور بحران کی حالت میں ملک کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ 597
- مخالفین کیلئے جنگ کی فضا سازگار نہ ہو تو بغاوت کرا دیتے ہیں اور ملک کو سیاسی و معاشی طور پر تباہ کرا دیتے ہیں۔ 597
- جاسوسوں کا کام صرف خبر رسانی ہی نہیں ہوتا بلکہ موقع کی مناسبت سے افراتفری اور گڑبڑ بھی پھیلا دیتے ہیں۔ 597
- ایک عقلمند انقلابی منظم سلطنت میں انقلاب لا سکتا ہے تو حضرت یعقوبؑ کے بیٹے بھی بڑے انقلابی ہونگے۔
- برادرانِ یوسف نے ان الزامات کی صفائی پیش کی۔ 598
- انسان پر جب مصیبت آتی ہے تو طرح طرح کے خیالات اُس کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں 599
- سلسلۂ ابراھیمیؑ میں چور کی دو سزائیں ہیں - ۱ چور کو غلام بنانا ۲- چور کا ہاتھ کاٹنا - 601
- چوری کی ان سزاؤں کی حکمتیں اور مصالح۔ 601
- قانون بناتے وقت رائے عامہ کا خیال رکھا جائے اور اُسے بلا استثناء جاری کیا جائے اُسے تبدیل کرنا دراصل اس کی روح کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ 602
- قرآن مجید کی سزائیں "حد" کا درجہ رکھتی ہیں یعنی انتہائی سزائیں ہیں۔ 602
- قانون بناتے وقت بڑی دقتیں اور مشکلات پیش آتی ہیں اور اسے فوراً نہیں بنایا جا سکتا - 602
- انتہائی سزا عادی مجرموں کے لئے ہوتی ہے تاکہ وہ ان عادات سے باز آئیں۔ 603
- مجسٹریٹ کو گواہوں کے بیان اور پولیس کی رپورٹ کی روشنی میں انتہائی سزا کو کم کرنے کا حق ہے۔
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک چور کو انتہائی سزا کی بجائے کم سزا دی تھی۔ 603
- حضرت عمرؓ نے اعلان فرمایا تھا کہ ان کی اجازت کے بغیر نہ کسی کا ہاتھ کاٹا جائے اور نہ کسی کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ 603

- ایک مجسٹریٹ کے لئے ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے حالات و واقعات کا بغور مطالعہ کرے اور علتِ جرم کا پتہ چلائے ۔ 604
- مہمان خانے کے منتظم نے برادران یوسف کی تلاشی لی اور بنیامین نے سامان سے پیالہ برآمد ہوا 604
- تفسیر لبغوی کے مطابق تلاشی لینے والے حضرت یوسف علیہ السلام نہ تھے ۔ نہ انہوں نے حکم دیا تھا نہ ہی تفتیش کے وقت موجود تھے ۔ 605
- تفسیر لبغوی کے مطابق بنیامین کو لے جانے والا مہمان خانے کا منتظم تھا ۔ 606
- حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت وخصائل ۔ 606
- حضرت یوسفؑ نے والد کو یقین دلانے کی خاطر پیالہ خود رکھا تھا تاکہ والد اس سے اندازہ لگالے 608
- حکمت الہی کا تقاضا تھا کہ بنیامین گرفتار رہے تاکہ بھائیوں کا نسبی ذہنی غرور دور ہو ۔ 608
- برادران یوسف پر اس واقعہ کا اثر ۔ 609
- حکمت الہی یوسف علیہ السلام کی تدبیر پر غالب آگئی ۔ 609
- حکمت الہی کا تقاضا یہی تھا کہ بھائی یوسفؑ کے شکر گزار اور اطاعت گزار رہیں ۔ 610
- تدبیر الہی کے عمل میں آنے کیلئے سنت اللہ ۔
- تدبیر الہی کے اثرات ۔ برادران یوسف کا غرور وتکبر ختم ہوکر انکے دلوں میں خشیت الہی پیدا ہو گئی ۔ 611
- تدبیر الہی یوسف علیہ السلام کے لئے سودمند ثابت ہوئی ۔ 611
- سیاست میں مہارت انسان کی اعلیٰ لیاقت ہے ۔ 611
- انسانی عروج وعظمت ۔ علم اور حکمت عملی سے ہوتی ہے ۔ 612
- تدبیر پہ تقدیر غالب آجائے تو اس پر صابر وشاکر رہتے ہوئے عمل کرنا چاہیے ۔ 612
- برادران یوسف کا یوسفؑ پر بہتان ۔ 612
- جاہل لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مصیبت کے وقت پچھلی باتوں کو یاد کرکے خاندان کو کوستے ہیں اور مصیبت سے بچنے کی تدبیر نہیں کرتے ۔ 612

- دل میں نفرت و کدورت ہو تو اچھا کام بھی بُرا معلوم ہوتا ہے ۔ 613

- ایسے قصص جن کی بنیادی اسناد موجود نہ ہوں ۔ انہیں نقل کرنے سے غلط فہمی بڑھتی ہے ۔ 613

- مہذب انسان اپنے خویش و اقارب کے عیوب بیان نہیں کرتے بلکہ اگر فی الواقع موجود ہوں تو ان کی اصلاح کرتے ہیں ۔ 614

- قرآن مجید تورات لکھنے والوں کے غلط قصوں کا رد کرتا ہے ۔ 615

- عناد و دشمنی دلوں میں قائم رہے تو ہمیشہ خطرہ اور نقصان کا اندیشہ رہتا ہے ۔ اسلئے دلوں کی کدورت ختم کرنا ضروری ہے ۔ 615

- اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تدبیر کو موخر کر دیا ۔ 615

- حکمت الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ جب تک بھائیوں میں احساس ندامت نہ پیدا ہو جائے وہ کسی بخشش کے لائق نہیں ۔ 615

- احساس ندامت سے انسان جھک جائے تو اس پر عنایات الٰہی کی بارشیں نازل ہوتی ہیں 615

- تدبیر الٰہی بھائیوں کی اصلاح کیلئے تھی تاکہ اصلاح باطن کر کے اطاعت یوسف کو بسر و چشم قبول کر لیں 616

- بنیامین کے بدلے دوسرے بھائی کو قید میں رکھنے کی پیشکش ۔ 616

- ناانصافی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا ۔ 616

- ذمہ داری کا احساس نہو تو ندامت اٹھانا پڑتی ہے۔ 621

- تدبیر کام میں لانا سرداری کی دلیل ہے۔ 621

- گفتگو میں بھی پاسِ ادب اور حفظِ مراتب کا خیال رکھنا چاہیے۔ گفتگو سچی۔ دل پذیر اور خوب ہونی چاہیے اور اُس میں دلآزاری کا عنصر نہیں ہونا چاہیے۔ 622

- لفظ سوسائٹی کا ایک مفہوم۔ یکساں ذہنیت اور معاشرت کا اجتماع۔ 622

- آزمائش کے وقت صبر و استقامت سے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے رحمتِ خداوندی کی امید رکھنا چاہیے۔ 623

- "صبرِ جمیل" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ تقدیر پر راضی رہتے ہوئے تدبیر سے کام لیتا رہے اور نتائج کے لئے اللہ پر بھروسہ رکھے۔ 624

- جسطرح عقلمند ملّاح ہواؤں کی تبدیلی سے طوفان کی آمد کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ اسی طرح عقلمند لوگ حالات کی تبدیلی سے نتائج اخذ کرکے راہِ عمل متعین کرتے ہیں۔ 624

- انبیاء و صدیقین میں ملکیت و بہیمیت دونوں اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں۔ 625

- ایسے لوگ جو نبیوں کی بات اور فلسفے کو سمجھ سکتے ہوں مسلمانوں کی اصطلاح میں "صدیق" اور "محدث" کہلاتے ہیں۔ 626

- فطری شرافت پہ قائم رہنے والے خاندانوں میں بڑی استعداد والے لوگ ہوتے ہیں اور اکثر غُربا طبقہ میں مل جاتے ہیں۔ 626

- صاحب نظر ہمیشہ صاحب استعداد لوگوں کے متلاشی رہتے ہیں تاکہ امانت ان تک پہنچائیں اور اسی امانت کو سمجھنے والی ایک جماعت پیدا ہو جائے۔ 626

- صاحب استعداد آدمی مشکلات سے دوچار ہوکر مزید نکھر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جوہرِ قابل کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے۔ 627

- کسی نعمت کے چھن جانے پر صابر و شاکر رہنے والے حصول کیلئے تدابیر اختیار کرنا اور رحمت خداوندی پر بھروسہ رکھنا سنتِ انبیاء ہے۔ 628

- احترامِ قانون ہر ایک پر واجب ہے۔ 628

- حضرت یعقوبؑ کی پریشانی و غم کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ حضرت یوسفؑ کے رویاء کی تعبیر کی روشنی میں ان کے مشن کی تکمیل دیکھنا چاہتے تھے۔ 630

- عقلمند حکیم حالات و واقعات سے نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ 631

- حواسِ ظاہری و باطنی کے عطا کیے جانے کے فوائد دنیوی و دینی انکے بھرپور استعمال سے حاصل ہوتے ہیں 632

- تمام خداداد صلاحیتوں کو توجہ کے ساتھ کام میں لایا جائے تو مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن ہو جاتا ہے 632

- سالک جب کامل توجہ سے اپنے تمام حواس جستجوئے الٰہی میں لگا دیتا ہے تو منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ 632

- ممکنہ تدابیر اختیار کرنا اور نتائج کے لیے بھروسہ و توکل اللہ پر کرنا سنتِ انبیاء ہے۔ 633

- ایماندار آدمی کا مشن اگر اسکی موت کے سبب ادھورا رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا انتظام فرما دیتا ہے۔ 633

- رجعت پسندوں کا ادھورا رہ جانے والا عمل کبھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا۔ 633

- جہدِ مسلسل اور رحمتِ الٰہی پر بھروسہ کرنے سے انسان کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ 634

- ناکامیوں سے سبق اور عبرت حاصل کرنا کامیابی کا پیش خیمہ ہے۔ 634

- اہل اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ رموز و اشارات میں باتیں سمجھاتے ہیں اور عقلمند لوگ ان کے اشارات سے مطلب سمجھ جاتے ہیں۔ 635

- کامل کی نظر کا اثر۔ 635

- حضرت ابراہیمؑ کو جو پیش گوئی دی گئی تھی وہ آپ کی اولاد میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بادشاہی کی صورت میں پوری ہوئی۔ 642

۔ بدویانہ زندگی بسر کرنیوالی قومیں ارتفاقِ اوّل میں ہوتی ہیں۔ 658

۔ شہر بسانا اور نظم ونسق برقرار رکھنے کیلئے اقدامات کرنا ارتفاق کے تیسرے درجہ میں آتا ہے۔ جس کیلئے علم کی سخت ضرورت ہے تاکہ تجارت۔ صنعت وحرفت اور انتظامی محکمے ترقی کریں ۔ 658

۔ ارتفاق کے تین مدارج اور ان کا مفہوم ۔ ۱۔ ارتفاق اوّل ۔ فطری تقاضوں کو پورا کرنا 659
۲۔ ارتفاق دوم ۔ نفاست ۳۔ ارتفاق سوم ۔ تمدّن ۔

۔ انسان کے تین محسن ۔ ۱۔ والدین ۔ ۲ استاد/مرشد ۳۔ حاکم 660

۔ احسان کرنیوالے انسان کی تعظیم کرنا فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔ انسانوں میں سب سے پہلے محسن والدین ہیں۔ اسلئے ان کی عزت وتابعداری تمام اقوام ومذاہب میں مسلمہ رسم رہی ہے ۔ 660

۔ بعض صحابہ کرام رضی نے حضورؐ کے پاؤں اور ہاتھ مبارک چومے مگر حضورؐ کے خاص تربیت یافتہ صحابہ کرام سے اس قسم کا عمل ثابت نہیں ہوسکتا ۔ 660

۔ انسانوں کا دوسرا محسن استاد یا مرشد ہے جو کہ روزی کمانا سکھاتا ہے یا دیگر نیک اعمال کیطرف راغب کرتا ہے ۔

۔ ہندوستان سے قدم بوسی کی رسم حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے ختم کی اور اس کی جگہ دو زانو بیٹھنے کی رسم جاری کی ۔ 660

۔ انسان کا تیسرا محسن حاکم ہوتا ہے مگر والدین اور مرشد کی عزت انسان محبت سے کرتا ہے اور بادشاہ اور حاکم کی عزت ، دہشت اور رعب سے کرتا ہے ۔ 661

۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے قدم بوسی کی رسم بد کو شہنشاہ جہانگیر کے دور حکومت میں ہندوستان سے ختم کیا مگر عالمگیر کے بعد کے عیاش بادشاہوں اور خوشامدی وزراء کے دور میں اس بری رسم نے زور پکڑا اور آجتک کہیں کہیں نظر آتی ہے ۔ 661

۔ مسئلہ تجلی الٰہی ۔ 661

۔ تجلی الٰہی بندوں کو مختلف مقامات سے ہوتی ہے۔ جس شے سے تجلی الٰہی ہو وہ تجلی گاہ کہلاتی ہے جو کہ اس بزرگ کی قوم کیلئے متبرک مشہور ہوتی ہے ۔ 661

۔ تجلی فقط عکس ہوتا ہے ۔ اسلئے تجلی گاہ کو سجدہ کرنا ضروری نہیں جبتک اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا حکم نہ ہو ۔ 661

۔ تجلی گاہ کو سجدہ کرنا کسی نبی سے ثابت نہیں تاوقتیکہ اللہ کی جانب سے سجدہ کرنے کا حکم نہ ہو مگر کم استعداد والے صوفی غلط فہمی کا شکار ہوکر تجلی گاہ کو سجدہ کرنا جائز خیال کرتے ہیں اور اپنے مرشد یا متبرک جگہ کو بھی سجدہ کرتے ہیں یہ حقیقت ناشناسی کی بات ہے ۔ 662

۔ جن کا قبلہ ایک نہ ہو وہ کبھی مذہبا ایک متحد قوم نہیں بن سکتے ۔ 662

۔ آسمان و زمین میں موجود تمام قوتوں کا عمل اور ردّ عمل ۔ 663

۔ تاویل الاحادیث کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کام کو اسطرح کرنا چاہیے کہ کام کی اصل روح کو طاقت پہنچے ۔ یعنی فطرت کے مطابق کام کیا جائے ۔ 664

۔ حکومتِ الٰہیہ کے سنہری اصول ۔ 664

۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ۔ 665

۔ حکومت اگر خلق خدا کی خدمت اور بھلائی کیلئے ہو تو یہ ایک نعمت ہے اگر دنیاوی جاہ و حشمت اور تن آسانی مطلوب ہو تو یہ لعنت ثابت ہوتی ہے ۔ 665

۔ صالح جماعت کو چاہیے کہ برے لوگوں کو معزول کرکے حکومت صالح لوگوں کے حوالے کریں تاکہ وہ حکومت کو علم و حکمت سے چلائیں اور خلق خدا کی بہتر خدمت کرسکیں علم و حکمت کے بغیر حکومت سراسر حماقت ہے 665

۔ دینی اور دنیاوی تمام کام رب کی رضا اور خلق خدا کی بہتری کیلئے کئے جائیں تو دنیا و آخرت میں عزت ملتی ہے 665

۔ انبیاء کی تعلیمات کا خاص مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و حکمرانی کو تسلیم کراتے ہوئے انسانیت کی تکمیل کریں تاکہ انسانی فطری تقاضوں کے مطابق چلے ۔ 666

۔ چالاک لوگوں نے انسانی فطرت کے خلاف چلکر غریب سادہ لوگوں کو اپنا غلام بنالیا اور ان پر ظلم و ستم روا رکھا ۔

۔ انقلاب کا ایک مفہوم یہ ہے کہ خلاف فطرت کام کرنیوالے طبقہ کی طاقت کو ختم کرکے صحیح فطرت پر کام کرنیوالوں کے حالات بہتر بنانا ۔ 667

- انبیاء علیہم السلام کا مطمع نظر ارتقاق ثانی و ثالث ہوتا ہے۔ کیونکہ ان ارتفاقات کی اصلاح پر اجتماعی اخلاق کا دارومدار ہوتا ہے۔ 667

- رفاہیت بالغہ اور سرمایہ پرستی۔ طبقاتی تقسیم اور اقتصادی و اخلاقی تباہی کا سبب بنتی ہے 667

- عقل مند انقلابی اپنی حکمت عملی سے جماعت تیار کرتے ہیں اور اپنے اصلاحی پروگرام کو ملک میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ 667

- خباب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ 668

- غیب کا ایک مفہوم یہ ہے کہ "جو بات انسان اپنے احساسات سے نہ سمجھ سکے وہ خبر غیب کہلاتی ہے۔

- اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیروں سے قبل از وقت آگاہ کر دیا تاکہ قبل از وقت تدارک کی تدبیریں اختیار کریں 669

- دشمنوں کی تدبیروں سے بچنے کیلئے عملی اقدام - ۱- ہجرت حبشہ - ۲ مختلف قبائل میں تبلیغ ۳- وفد مدینہ سے ملاقات - ۴ ہجرت مدینہ منورہ - 669

- عقل کے سوا قرآن حکیم میں غور و تدبر ممکن نہیں۔ اسلئے قرآن شریف بڑے عقلمندوں کو دعوت دیتا ہے 670

- عوام متوسط درجہ کی عقل والے ہوتے ہیں۔ ان کی رہنمائی کے لئے کبھی کبھی کوئی ہستی پیدا ہوتی ہے جو ان کے آگے چلکر انہیں منزل کیطرف لے جاتی ہے۔ 670

- ہجرت کیلئے مدینہ منورہ کی اہمیت وافادیت ۔ 670

- "حرص" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی شے کو کوشش کیساتھ طلب کیا جائے ۔ 671

- نااہل لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہمیشہ اہل لوگوں کو اپنے راستہ سے ہٹانے کیلئے منصوبے بناتے ہیں ۔ 671

- مشکلات سے بچنے کے لئے عمدہ تدابیر اور بہتر منصوبہ بندی بہت ضروری ہیں ۔ 671

- معاشی بدحالی عوام کو حکمرانوں سے متنفر کر دیتی ہے اور ان کے دلوں سے محبت اور جانثاری کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں ۔ 671

- معاشی ابتری سے (انسان) عوام کی مذہبی حالت بھی متاثر ہوتی ہے ۔ 671

- جانور بھی اپنی فطری استعداد کے مطابق تدبیر کرتے ہیں مگر جنکی عقل جانوروں جتنی بھی نہ ہو وہ لوگ اپنی معاشی و مذہبی حالت درست نہیں رکھ سکتے۔ 672

- نااہل لوگ معاشی ترقی کے بجائے اپنی دولت عیاشی اور خوشامدیوں کو انعام واکرام دینے پر خرچ کرتے ہیں 672

- ہجرت نبویؐ کے بعد قریش مکہ یمن سے اناج لاتے تھے۔

- ثمامہ بن اثال نے قریش کی بیہودگی کی وجہ سے اناج دینا بند کر دیا۔ قریش نے مجبوراً نبی کریمؐ سے عرض کیا اور آپؐ کے خط پر دوبارہ اناج ملنا شروع ہوا۔ 672

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسفؑ کی کامیابی میں مماثلت۔ 673

- عقلمندی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ علت ومعلول کو سمجھ کر نتائج اخذ کر لیئے جائیں۔ 673

- ماضی و مستقبل سے بے نیاز فقط حال پر نظر رکھنے والے متوسط درجہ کی ذھنیت کے لوگ ہوتے ہیں 673

- عقلمندوں کو بات پوری توجہ سے ذھن نشین کرانی چاہیے کیونکہ رہبر و رہنما عوام کو خود بخود اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں 673

- فلسفے سے نتائج اخذ نہ کرنا اور نتیجہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر یقین نہ کرنا "حیوانیت" کا درجہ ہے۔

- مفاد پرست طبقہ ھمیشہ قومی اور بین الاقوامی تحریک میں مزاحمت کرتا ہے۔ کیونکہ اس پروگرام کے عملی نفاذ سے ان کی مفاد پرستی۔ زر پرستی اور لیڈری ختم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ 674

- اسلامی تعلیمات کی افادیت یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے سعادت حاصل ہوتی ہے حسب نسب یا قومی سعادت کی کوئی گنجائش نہیں۔ 674

- "اسلام" اقوام عالم کیلئے دعوت ہے کہ دنیا کی سب قومیں جمع ہو کر ایک مکمل نظام قائم کریں۔ یہ تحریک پہلے درجہ پر قومی اور دوسرے درجہ پر بین الاقوامی ہے۔ 674

- "اسلام" سے بہتر پروگرام اس سے پہلے اقوام عالم کیلئے کوئی پیش نہ کر سکا۔ یہی وجہ ہے کہ غلاموں نے بادشاہی کی۔ 674

- زمین و آسمان تدبیر الٰہی سے ایک نظام میں جکڑے ہوئے ہیں جو چیز اس نظام سے باہر نکلتی ہے وہ فنا ہوجاتی ہے - اس نظام میں حیوانات و نباتات کا تمدنی نظام قائم ہے - 675

- زمین و آسمان میں موجود تمام "موجودات" ایک دوسرے سے ایک نظام میں وابستہ ہیں اور ایکدوسرے سے استفادہ حاصل کرتی ہیں - جمادات - نباتات اور حیوانات کو بھی اپنی ضروریات ایکدوسرے سے پوری کرنا پڑتی ہیں - 675

- قانون فطرت کے مطابق چلنا ہر ایک جنس کا نوعی تقاضا ہے - نوعی تقاضوں کے خلاف چلنے والی جنس فنا ہوجاتی ہے - 675

- انسان اس "عظیم نظام" کا ایک پرزہ ہے اور اپنی فطرت پہ قائم ہے - 675

- ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ انسان کی فطرت میں ہے - جس قوم نے اپنے نوعی تقاضوں کے خلاف کام کیا وہ قوم تباہ ہوگئی اور اس پر دوسری قوم غالب آگئی - 676

- خرابی کی اصل وجوہ سے چشم پوشی تباہی کا پیش خیمہ ہے - 676

- خطرے اور تباہی سے بچنے کی تدابیر نہ کرنا سنگین غلطی ہے - 676

- قوم اندرونی طور پر متحد ہو تو کسی غیر قوم کو مداخلت کی جرأت نہیں ہوسکتی 676

- مفاد پرستی اور ہوس زر - قوموں کی تباہی کی بنیادی وجوہ رہی ہیں جن کی وجہ سے عدل و انصاف کے بجائے ظلم و ستم بڑھا - اتحاد ختم ہوا اور بڑی بڑی سلطنتیں تباہ و برباد ہوگئیں 676

- نفاق کا برا انجام - 677

- مخالفت برائے مخالفت کا انجام بد - 677

- امیر غریب قانون کے سامنے برابر ہوں تو آزادی قائم رہ سکتی ہے - 677

- احساس ختم ہوجائے تو افراد و اقوام اپنے مفاد سے بھی بے نیاز ہوجاتے ہیں اور تباہی کیطرف چلے جاتے ہیں - 677

- حضرت ابراھیم علیہ السلام کو بشارت ۔ 683

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نصرانی فرقہ ایوبی کا پروپیگنڈہ ۔ 683

- حضرت یوسف علیہ السلام کے لیئے اسباب الٰہی یہ ہے ۔ 685

۱۔ مصر میں پہنچنا ۲۔ جیل میں جانا ۔ ۳۔ عزت سے بری ہو کر حاکم بننا ۔ ۴۔ بھائیوں کا ملنا ۔ 685

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلیئے بھی اسباب الٰہی چار تھے ۔ 686

۱۔ بائیکاٹ پر تکلیفیں ۲۔ غار میں چھپنا ۔ ۳۔ ہجرت کرنا ۔ ۴۔ بیت اللہ فتح کرنا اور قریش کا مطیع ہونا ۔

- توحید، عدالت و مساوات پر مبنی انسانی سوسائٹی کے لئے سود مند پروگرام ہمیشہ ترقی کرتا ہے بشرطیکہ اس کے چلانے والے عقل مندی اور بصیرت سے کام لیں ۔ 686

- کامیابی کا راز یہ ہے کہ انسان اپنی بصیرت اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسباب کو جمع کر کے اللہ کے بھروسے پہ کام شروع کرے ۔ 686

- عقل و بصیرت سے عاری قومیں اپنے بزرگوں اور اسلاف کے ورثے کو سنبھال نہیں سکتی اور پستی اور نکبت کے غار میں چلی جاتی ہیں اور ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے ۔ 686

- عقل اور بصیرت کا دشمن شرک ہے ۔ 686

- "تدبر اور بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل ذلیل ہوئے اور اپنی آنکھوں کے سامنے بیٹوں کو ذبح ہوتے دیکھکر بھی اُف تک نہ کرتے بلکہ اندر گھس کر دعائیں کرتے تھے ۔ 687

- مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کیلیئے رہنما اصول یہ ہے کہ شرک اور منافقت چھوڑ کر قدرتی اسباب کو فطرت کے مطابق خیال کریں اور نوعی تقاضوں کو پورا کریں ۔ 687

- "شرک" انسان سے حریت غور و فکر ختم کر کے ذھنی غلام بنا دیتا ہے ۔ خداشناسی اور خودشناسی سے دور ہو کر حقیر ہو جاتا ہے اور انسان سے بھی کمتر چیزوں کی پرستش شروع کر دیتا ہے 688

- یہ بڑی بدبختی کی بات ہے کہ جن بزرگوں کی زندگیاں شرک دور کرنے میں ختم ہوئیں انہی کی پرستش شروع ہو گئی ۔ 688

- سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ جب انسانی سوسائٹی شرک جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس جماعت میں سمجھدار لوگ پیدا کرتا ہے جو انہیں ان سے نجات دلاتا ہے۔ 688

- انبیاء و معلمین ہمیشہ سوسائٹی کے مرکز میں پیدا ہوئے ہیں یا سکونت اختیار کی ہے۔ 689

- مشرک جماعت اگر اپنی بات پر اڑی رہے تو اسے الگ کر دینا ضروری ہے تاکہ شرک کے برا اثرات پوری قوم کو متاثر نہ کریں۔ پوری قوم اور ملک کی تباہی، عذاب قیامت کے برابر ہے۔ 689

- دنیاوی ترقی و کامیابی کا ایک ہی راستہ صراطِ مستقیم ہے۔ انبیاء کے پروگرام کو ٹھکرانے والی قوموں کی تباہی کا سبب ان کا ناقص پروگرام اور انبیاء کی مخالفت تھی۔ 690

- باطل پرست اگر راہ راست پر نہ آئیں تو حق پرستوں کو چاہیے کہ انہیں ہٹا کر عدل و مساوات کا قانون جاری کریں۔ 690

- "عقلمند" وہ ہے جو دوسروں کی عبرت حاصل کرے نہ کہ خود دوسروں کے لئے "سامان عبرت" بنے

- شرک سے بچنا - خود عدالت و مساوات پر چلنا اور لوگوں میں عدالت و مساوات پیدا کرنا غرور و تکبر اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرنا انبیاء کی تعلیم ہے۔ 690

- ابن خلدون کی غلط رائے کہ انبیاء محض "اقترابات" سکھانے آئے اور "ارتفاقات" سکھانے نہیں آئے۔ 691

- جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقترابات و ارتفاقات دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے کسی ایک کو چھوڑنے سے انسان برباد ہو جاتا ہے۔ 692

- ابن خلدون دنیاوی زندگی کے لیئے انبیاء کی تعلیم ضروری نہیں سمجھتے۔ مگر ان کی اس غلطی سے مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا۔ 692

- ابن خلدون کے اس نظریئے کو تسلیم کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی "جامعیت" اور بین الاقوامیت (عالمگیریت) اپنے درجہ پر قائم نہیں رہتی بلکہ وہ ابتدائی درجے پر قرار دی جائیگی۔ جو کہ قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ 692

- حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ابن خلدون کے اس نظریئے کو غلط بتایا ہے۔ 692

- حال اور مقام کا مفہوم اور فرق۔ 693

- انبیاء علیہم السلام کے مقابل جماعت جب تمام اسباب قابو میں لاکر تمام راستے مسدود کر لیتی ہے۔ اور بظاہر کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آتی مگر یہ کیفیت عارضی ہوتی ہے۔ 694

- یاس کی حالت پیدا ہونے کی صورت میں مصلحین جماعت کے ایمان میں خلل نہیں آتا اور کوشش جاری رکھتے ہوئے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی اچانک مدد آپہنچتی ہے۔ 694

- گنہگار قوم پر جب عذاب الہٰی نازل ہوتا ہے تو ان کی تدبیریں ٹوٹنے لگتی ہیں پھر نہ طاقت انہیں سنبھال سکتی ہے نہ عذاب الہٰی سے بچا سکتی ہے۔ 694

- انبیاء کے پروگرام غلطیوں سے پاک ہوتے ہیں جبکہ حکیم لوگوں کے پروگرام میں تھوڑی سی غلطی رہ جائے تو آگے چلکر بڑی غلطی ثابت ہوتی ہے اور پروگرام ناکام ہوجاتا ہے جبکہ انبیاء کا پروگرام اعلیٰ اور خامیوں سے پاک ہوتا ہے اور کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ 695

- انبیاء میں بشری قوت اعلیٰ پیمانے پر رکھی جاتی ہے تاکہ بشریت کے بہترین معلم بن سکیں۔

- اُولی الالباب کا مطلب۔ 697

- انبیاء کے تاریخی قصے نصائح اور عقلمندی کی باتوں سے بھرے ہوئے ہیں تاکہ عقل مند لوگ ان سے عبرت حاصل کریں۔ 697

- ھارون کا شجرہ نسب تیسری پشت پر حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا ملتا ہے 698

- بنی اسرائیل کی ذلت کیوجہ یہ بھی کہ انہوں نے صرف مذہبی رسوم کو پکڑا اور سیاست سے بالکل منہ موڑ لیا۔ 698

- سیاسی لوگ مذہبی جماعت کا احترام صرف اسلئے کرتے ہیں کہ انمیں سے سیاسی عنصر بالکل غائب ہوجائے اور یہ لوگ سیاست سے دور رہیں۔ 698

- بنی اسرائیل کی ایک جماعت سیاست سے بے بہرہ ہوکر نفس کشی پر تل گئی اور دوسری دولتمندی کی طرف راغب ہوکر نفس کی غلام ہوگئی۔ جا عقلمندوں نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا خود بھی محروم ہے اور ساری قوم کو بھی خوار کیا۔ 698

- قصّے اور ناول بات دِل نشین کرانے کا اچھا ذریعہ ہیں۔ اس سے عوام کا ذہنی رجحان تبدیل ہوتا ہے۔ 698

- لیڈر اور رہنما کے ذاتی خصائل۔ 699

- یہودیوں نے ابراہیمی دین کو فقط ایک خاندان یا زیادہ سے زیادہ ایک قوم کا دین بنا دیا۔ 701

- انسانیت کے پسماندہ اور محنت کش طبقہ کا ہر اجتماع لادینی اور مذہب کے خلاف نہیں ہوتا 703

- مولانا انصاریؒ کے نزدیک فردکی، بجائے انسانی اجتماع زیادہ اہم ہے۔ 703

- حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کی دُعا کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ مکے میں قریش کی اجتماعی حیثیت معرض وجود میں آئی۔ قریش کا یہی اجتماع دین کا پھیلانے والا اور محافظ بن سکتا تھا 704

- عالمی جنگ ۱۹۱۴ء میں علمائے دیوبند کا کردار 704

- گورنر قندھار سے مولانا سندھیؒ کی ملاقات اور افغانستان میں شہریت کا سرٹیفکیٹ 705

- قندھار سے کابل روانگی اور افغان سپہ سالار کے نام گورنر قندھار کا خط 705

- کابل میں قیام و مصروفیات۔ 705

- تحریک میں کامیابی کیلئے معاونین کی ضرورت و اہمیت۔ 706

- حضرت ابراہیمؑ کی بابل سے مصر روانگی۔ تاکہ کامیابی کے لئے سازگار ماحول اور دوسرا مرکز تلاش کیا جائے۔ 706

- بادشاہ مصر کا حضرت ابراہیمؑ کو اپنے دربار میں بلانا اور مصر سے چلے جانے پر آمادہ کرنا۔ 707

- دوسرے مرکز کی تلاش میں حضرت ابراہیمؑ کا شام کیطرف تشریف لے جانا۔ 708

- پروگرام کی کامیابی کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے تاکہ مسلسل عمل جاری رہے اور پروگرام کامیابی سے ہمکنار ہو۔

- حضرت یعقوبؑ کی دو بیویاں آزاد اور کنیزیں تھیں۔ 713

بسم الله الرحمن الرحیم

الروضة الالف

فی تفسیر سورہ یوسف

جلد اول

از مولانا عبدالله لغاری رح

مولانا عبیداللہ انواری کی تفسیر سورت یوسف کا مقدمہ

مولانا عبیداللہ انواری رحمۃ اللہ علیہ سورۃ یوسف کے مقدمہ میں مولانا سندھی کے نظریات کا خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں ۔

(دراصل یہ مقدمہ تاریخی حقائق اور مصر کی سماجی اور سیاسی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے ہم نے اختصار سے کام لیتے ہوئے مقدمے کو جدید عنوانات دیئے ہیں ۔ اور اصل عبارت و اپنی جگہ پر رکھا ہے)

تاریخ مصر :-

مولانا کے نزدیک مصر و سندھ کی جغرافیائی حالت ایک جیسی ہے ۔ دریائے نیل اور دریائے سندھ آپس میں مشابہت رکھتے ہیں ۔ دریائے نیل سیاہ مٹی ڈالتا ہے ۔ جس سے زرخیزی بڑھتی ہے ۔ جبکہ دریائے سندھ سرخ مٹی ڈالتا ہے ۔ جس سے زمین سیم اور تھور کا شکار ہو جاتی ہے ۔

مصر کے ملک میں دریائے نیل بہتا ہے ۔ سال بسال طغیانی کی حالت میں سیاہ مٹی جس کو اہل مصر "طمی" بولتے ہیں ۔ زمین پر ڈال دیتا ہے ۔ جس سے پیداوار زیادہ ہوتی ہے ۔ زمینوں اور کھیتوں میں کھاد ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں ۔ نیل دریا ایسا ہے جیسا دریائے سندھ ۔ اور مصر کا رقبہ اور اراضی بھی سندھ کے متشابہ ہے ۔ مگر سندھ دریا چین پہاڑوں سے بہہ کر آتا ہے ۔ وہ نمک کے پہاڑ ہیں ۔ اور سندھ دریا طغیانی کے وقت سرخ مٹی جس میں نمک زیادہ ہوتا ہے ۔ زمینوں پر ڈال دیتا ہے ۔ اس لیے اکثر سندھ کی زمین شور ہو جاتی ہے ۔ سندھ کا علاقہ نشیبی علاقہ ہے ۔ اگر زمینوں کو زیادہ پانی دیا جائے تو سیم ہو کر زمین قابل زراعت نہیں رہتی مگر مصر کا علاقہ ان آفتوں سے محفوظ رہتا ہے ۔

مصر کی ترقی اتنی قدیم ہے کہ جس کا پتہ تاریخ بتانے سے تاریخ عاجز ہے۔

انسانی تاریخ میں مصر کے لوگوں کی ترقی اتنی قدیم ہے۔ کہ اس کی ابتداد معلوم نہیں ہو سکتی۔ مصر میں اہرام (مینار) اور ابوالہول کا مجسمہ ایسا قدیم ہے کہ اس کے بنانے والے کون تھے۔ تاریخ ان کا زمانہ بتانے سے عاجز ہے۔ مگر اتنا معلوم ہے۔ کہ قدیم زمانے میں مصر کا علاقہ بہت ترقی کر چکا تھا۔

مصر کی سماجی اور معاشی حالت یہ تھی کہ ایک طبقہ امیرانہ زندگی گزارتا تھا۔ اور دوسرا طبقہ خُدام۔

مصر کے لوگ بہت بڑے عیاش تھے۔ بڑے بڑے مکانات بناتے تھے اور اکثر عورتیں رکھتے تھے۔ کنیزیں اور لونڈیاں اُن کے ہاں بے شمار تھیں اور آباد زمین مصر کے اُمراء پر تقسیم تھی۔ مزدور اور کسان غُلام سمجھے جاتے تھے۔ چونکہ مصر کا علاقہ محدود تھا۔ ایک طرف پہاڑی علاقہ اور دوسری طرف ریگستانی بیابان اور بحر سمندر اور بڑا بیابان تو کسانوں کی بڑھتی ہوئی نسل پر اُنہوں نے کنٹرول کر رکھا تھا۔

اُمراء کو ہر قسم کی آسائش میسر تھیں۔ جبکہ مزدور اور کسان کے بیٹوں کو ذبح کیا جاتا تھا۔ اور بیٹیوں کو زندہ رکھا جاتا تھا۔ تاکہ اُمراء کی خدمت کر سکیں۔

مزدور اور کسانوں کی نرینہ اولاد کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ تاکہ آبادی بڑھ نہ جائے۔ مگر اُمراء کو اپنی اولاد بڑھانے کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ کیونکہ اُن کے پاس کھانے پینے کے اسباب موجود تھے۔ مزدور اور کسانوں کو اور زراعت پیشہ لوگوں کو جانوروں اناج کا راشن مقرر تھا۔ وہ بھی ایک پاؤ بھر روزانہ۔ اسی طرح کپڑے۔ مزدور اور زراعت پیشہ کسانوں کی لڑکیاں زندہ رکھتے تھے۔ تاکہ اُمراء کی خدمت کے کام آئیں۔

مصر کے فرعونوں کے مرنے کی رسوم اور ہندوؤں کی رسوم میں مشابہت تھی۔

آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والوں کو پرانے مصری فرعونوں کی قبریں زیر زمین دستیاب ہوئی ہیں۔ جس سے اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ بادشاہ کی لاش کو ممی کر کے رکھتے تھے۔ اور اُن کی بیگمات اور کنیزوں اور لونڈیوں کو زیبوں میں بٹھا کر زیوروں سے آراستہ و پیراستہ کر کے اُن فرعونوں کی قبر کے دالان میں زندہ درگور کر دیتے تھے

جیساکہ ہندوؤں میں رسم ہے۔ کہ جب مرد مرجائے تو عورت کو بھی ستی کرتے تھے

زمانہ قدیم میں مصر کے لوگوں کو علم وہنر اور تجارت اور سرمایہ پرستی میں دسترس تھی۔

مصری قوم قبطی کہلاتی تھی۔ علم حساب ہُنر اور معماری میں بہت چالاک تھے۔ اور ترقی یافتہ تھی۔ اور علم ہیئت اور شعبدہ بازی میں اُن کو بڑا دستگاہ تھا۔ تجارت اور سرمایہ پرستی میں مشہور عالم تھے۔ اور ضبط تولید اُن کے اختراعات میں سے تھا۔ جسکو اجکل کی اصطلاح میں برتھ کنٹرول Birth Control کہتے ہیں۔ یہ ضبط تولید ادویات سے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایک سال بیٹوں پیدا ہونے کے وقت مار ڈالتے تھے۔ اور دوسرے سال زندہ رکھتے تھے۔ اور لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔

مصر میں ضبط تولید کا قانون رائج تھا۔ یہ قانون صرف مزدوروں اور کسانوں کیلئے تھا۔ امراء اس سے مستثنیٰ تھے۔

غُرباء کی ابادی بڑھنے کے خوف سے مصر کے امراء نے یہ رسم قائم کی تھی۔

یہ قانون بھی مزدور اور کسانوں کیلئے مخصوص تھا۔ اور قبطی امراء اس سے مستثنیٰ تھے۔ تاکہ غُرباء کی آبادی بڑھ نہ جائے۔ جیسے ہندوؤں میں پہلے بیٹے کو کالی دیوی پر قربان کرنے کی رسم تھی۔ اور مزدور اور کسان لوگ اس ضبط تولید کے عادی ہو گئے تھے۔ کچھ اعتراض نہیں کرتے تھے۔ مصری قبطی قوم بڑی مغرور تھی۔

مصر کی طرح سامی قوم بھی:۔ ترقی یافتہ تھی۔ جن کا مرکزی سنٹر بابل تھا۔ سامیوں کی حکومت سندھ افغانستان اور یورپ اور شام کے ساحل

مصر کی تاریخ کے متعلق مولانا آگے لکھتے ہیں۔ کہ مصر کا علاقہ قریب دریائے نیل آباد اور ترقی یافتہ نہ تھا۔ دریائے فرات اور دجلہ کے رہنے والے لوگوں کو سامی قوم کہتے ہیں۔ ان کا مرکزی سنٹر بابل تھا۔ انہوں نے بھی بڑی بادشاہت قائم کی تھی۔ ایشیائے کوچک اور ایران پر بھی اُن کی حکومت تھی

تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہی قوم ترقی کر کے مصر کو اپنے قبضہ میں لے آئی۔

سندھ اور افغانستان کا علاقہ اُن کے زیرِ حکومت تھا۔ یورپ کے ساحل اور شام کے ساحل اُن کے زیرِ نگین تھے۔ آخر یہ سامی قوم ترقی کرتے کرتے ملکِ مصر کو بھی اپنے قبضے میں لے آئے۔ مصر پر بابل کا گورنر حکومت کرتا تھا۔ اور موروثی ہوتا تھا۔ دریائے فرات اور دجلہ کے دوابے میں رہنے والے لوگ بھی علم اور ہنر میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ اور تہذیب یافتہ لوگ تھے۔ ایرانیوں جیسی اُن میں رحم دلی اور نرم دلی تھی۔ اور نیک کرنے والی عورتوں کو انعام دیتے تھے۔ مزدوروں کسانوں اور زراعت پیشہ لوگوں پر رحم کرتے تھے۔ ؎

مصریوں اور سامیوں کے عقیدے میں مماثلت۔ مصری اپنے بادشاہ کو "رب" اور سامی اپنے بادشاہ کو "خداوند" کہتے تھے۔

مگر جیسے مصری قوم کی عادت تھی کہ اپنے بادشاہ کو "رب" کہتے تھے اسی طرح بابل کے لوگ اپنے بادشاہ کو "خداوند خدا" کہتے تھے، اور ستارہ پرست تھے۔ انہی میں حضرت ابراھیم علیہ السلام پیدا ہوئے ؎

حضرت یوسفؑ کے زمانے کا فرعون سامی نسل سے تھا۔ یہ مصر کا آخری فرعون تھا۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ کی خود مختار حکومت قائم ہوئی۔ اور مصر پر بنی اسرائیل حکومت کرنے لگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا بادشاہ فرعون ہیکسوس (راعی یعنی چرواہے (عرب) بادشاہ تھے۔ جسکو یورپین مؤرخ اپنی پوکس لکھتے ہیں۔ اور مسلمان مورخ ریان بن ولید بتاتے ہیں۔ سامی نسل سے تھا۔ یعنی عربی نسل سے تھا۔ مگر بابل کے بادشاہ کے تابع تھا۔ نہیت نیک دل بادشاہ تھا۔ اور یہی آخری بادشاہ تھا۔ اس کے مرنے کے بعد حضرت یوسفؑ خود مختار بادشاہ ہوگئے۔ اور سلطنت کی باگ ڈور بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں آگئی۔

سامی نسل بادشاہوں نے بیٹوں کو ذبح کرنے کی رسم ختم کردی تھی۔ مگر زمینداری نظام کو ختم نہیں کیا۔

ان رائی اور سامی عربی نسل بادشاہوں نے بیٹوں کے قتل کرنے کی رسم کو منسوخ کردیا تھا۔ یہ لوگ رعیت کی دلآزاری نہیں چاہتے تھے۔ اور رعیت کی خوشحالی کے لیے کوشش کرتے تھے۔ مگر انہوں نے بڑی زمینداریوں کو برقرار رکھا تھا۔ جیسے سندھ میں انگریزوں نے بڑے بڑے زمیندار پیدا کیے تھے، اسی طرح ان سامی نسل بادشاہوں نے پرانے فرعونوں کا طریق زمینداری قائم کررکھا تھا۔

سامی نسل بادشاہوں کے دور میں عورت اپنی اصلی حالت کو چھوڑ چکی تھی۔ جیسے حضرت یوسفؑ نے پاک و صاف معاشرے میں تبدیل کیا۔

پرانے فرعونوں کے زمانے میں آزادی نسواں تہذیب و تمدن کی حد سے آگے بڑھ گئی تھی۔ عورتیں عورتیں نہ رہی تھیں۔ تمام بے حیائی کے کاموں پر فخر کرتی تھیں۔ مردوں کا پنجہ اور قبضہ سے باہر ہوگئی تھیں۔ یہ سامی نسل بادشاہ اگرچہ ایسے بے تہذیبی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر انہوں نے اس بے تہذیبی پر بندش نہیں ڈالی۔ یہ رسم مصر میں جاری رہی۔ اسے حضرت یوسفؑ نے نکال کر انسانی تہذیب کو صاف کیا۔

سامی بادشاہوں کے دور میں سرکاری دفتروں پر قبطیوں کا قبضہ تھا۔ جس طرح انگریزوں کے دور میں ہمارے ہاں سرکاری دفتروں میں ہندوؤں کا قبضہ رہا۔

یہ سامی نسل عرب لکھنے پڑھنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اسلئے منشی اور مُدبر اکثر قبطی لوگ تھے۔ دفتر سرکار پر قبطیوں کا قبضہ تھا۔ جیسے سندھ میں امیروں کے وقت دبیر دیوان دفتردار منشی اکثر ہندو تھے۔ میروں کی حکومت زائل ہونے پر انگریز حکومت میں سرکاری دفتر پر ہندوؤں نے قبضہ جمالیا۔ اس طرح ان سامی نسل بادشاہوں کے زمانے میں دفتری حکومت قبطیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور تجارتی کاروباری اور سودی خوری کاروبار قبطی لوگ کرتے تھے۔

سامیوں کی طرح بنی اسرائیل بھی اتنے پڑھے لکھے نہ تھے۔ اسلیئے حضرت یوسفؑ کے دورِ حکومت میں بھی دفتری کاروبار قبطیوں کے ہاتھ میں رہا۔

بنی اسرائیل بھی بیابان کنعان میں (فلسطین) رہنے کے باعث بدوشی یا بستے تھے۔ لکھنا پڑھنا یعنی پڑھنے سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ جب بنی اسرائیل مصر میں آئے تو حضرت یوسفؑ کے زمانے میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوگئے۔ مگر حساب کتاب قبطیوں کے ہاتھ میں رہا۔

یوسف علیہ السلام نے خوشحالی کے دور میں افراد غرباد کو کھیتی کے کام پر لگادیا۔ اور خوراک کیلئے راشن مقرر کیا۔ قحط سالی میں غرباد کو راشن مفت اور افراد کو قیمتاً ملتا تھا۔ قحط سالی کے دوران افراد کا فروخت کردہ زمینیں اور املاک ضرورتمندوں میں تقسیم کردیں۔

تورات میں آتا ہے۔ کہ یوسف علیہ السلام نے سات سال خوشحالی میں سب افراد غرباد کو کھیتی کے کام میں لگادیا۔ اور خوراک کیلئے راشن مقرر کیا۔ اور قحط سالی کے ایام میں غرباء کو مفت راشن ملتا تھا۔ اور دولتمندوں کو قیمت پر تا آنکہ انہوں نے اپنی زمینیں اور جگہیں (مکانات) فروخت کردیے۔ اور خود بھی فروخت ہوگئے۔ بعد از دفع قحط سالی کے زمینیں اور جگہیں (مکانات) بقدر ضرورت لوگوں پر تقسیم کردی تھیں۔ سب کی سوشل حالت برابر ہوگئی۔ اور سب بد رسمیں اور ظلم ختم ہوگیا تھا۔

قارون کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں حضرت یعقوبؑ سے ملتا تھا۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا قارون بنی اسرائیل میں تھا۔ نہبت بڑا عابد اور مذہب کا پابند تھا۔ اور تیسری پشت میں حضرت یعقوبؑ سے ملتا تھا۔ انکے دادا پردادوں کے ہاتھ میں بیرونی اور اندرونی تجارت کا پرمٹ تھا۔

حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد قبطیوں نے

حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد یہ لوگ سود خوری اور سرمایہ داری میں لگ گئے۔ اور جس خاندان کے ہاتھ حکومت کی باگ ڈور تھی۔ ان کے بھی

ارباب اقتدار کو عیش و عشرت کا دلدادہ اور سرمایہ پرست بنا دیا۔

عہدے ملنے لگے۔ اور سرمایہ داری کی طرف جھک گئے۔ ان کو سرمایہ دار اور عیش سکھلانے والے قبطی لوگ تھے۔

حضرت یوسفؑ کے بعد قبطیوں کی جاگیرداریوں اور زمینداریوں کا بحال ہونا اور ارباب اختیار کا لہو و لعب میں مشغول ہونا۔

علماء بنی اسرائیل نے حکومت سے تعلق قطع کر لیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد جو لوگ بنی اسرائیل میں سے حکومت کرنے لگے۔ وہ قبطیوں کو اپنے دربار میں عزت دینے لگے۔ ان کی جاگیریں اور زمینداریاں بحال کر دی گئیں۔ اور اربابِ حکومت لہو و لعب میں مشغول ہو گئے۔ علماء بنی اسرائیل اور احبار و رھبان ان سے ناراض ہو کر حکومت سے قطع تعلق کر گئے۔ اور ارکان حکومت کو بدعت سمجھایا۔ مگر وہ صراطِ مستقیم جو حضرت یوسف[4] نے قائم کی تھی اس سے منحرف ہو گئے۔ اس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ اور افتراق پیدا ہو گیا۔ اور عوام بنی اسرائیل احبار و رھبان کی اقتداء کرنے لگے۔ اور ارکانِ حکومت کو مکمل چھوٹ دیدی گئی۔

بنی اسرائیل کی ہوسِ اقتدار اور تفرقہ بازی سے حکومت ان کے ہاتھ سے رخصت ہوئی

بنی اسرائیل کی وہ جماعت جو حکومت اور اقتدار پرستی۔ انہوں نے اپنے اقتدار کو بڑھانے کیلئے قبطی سرداروں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ اور کاروبارِ حکومت چلانے کیلئے لشکر میں بھی قبطی ہی بھرتی ہوئے۔ پرانے فرعونوں کی اولاد جو بربر اور لیبیا میں مارے مارے پھرتے تھے۔ ان کو موقع کا انتظار تھا۔ اب حملہ آور ہو کر مصر پر قابض ہو گئے۔ اور بنی اسرائیل سے حکومت رخصت ہو گئی۔

علماء و زہاد کی سلطنت سے کنارہ کشی اور اصلاح سے اجتناب کیونکہ جب سے حکومت ہاتھ سے چلی گئی اور بنی اسرائیل غلامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

اُس وقت بنی اسرائیل کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ اگر کوشش کرتے تو اُن کے ہاتھ سے حکومت نہ جاتی۔ بنی اسرائیل کے علماء، زہاد اور عوام نے انقلاب نہ کیا۔ اور سلطنت ضعیف ہوتی چلی گئی۔ تاآنکہ خود بھی غلام ہوگئے۔ اور برسر اقتدار جماعت میں پھوٹ پڑ گئی۔ ہر ایک جماعت اپنا اقتدار جمانا چاہتی تھی۔ جیسے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تورانی اور ایرانی سرداروں اور ارکان دولت میں مخالفت بڑھ گئی۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہوگئے۔ سلطنت کی نگہبانی کا اُن کو خیال تک نہ رہا۔ ایک طرف سے مرہٹہ قوم بڑھنے لگی۔ اور پنجاب میں سکھوں نے زور پکڑا۔ اور سلطنت ٹکڑے ہوگئی۔ حتیٰ کہ انگریز نے سارے ہندوستان پر قبضہ کرلیا۔ علماء اور عوام سلطنت سے کنارہ کش ہوگئے تھے۔ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے بعد قلیل عرصہ میں بنی اسرائیل حکومت سے ہاتھ دھوکر غلاموں کی صف میں زندگی گزارنے لگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری بادشاہ تھے آپؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل حکومت/سلطنت نہ سنبھال سکے۔

تورات باب خروج میں آتا ہے۔ کہ یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد مصر پر ایسا بادشاہ (فرعون) حکمران ہوا۔ جو حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ جانتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ سامی النسل بادشاہوں کا اقتدار چلا گیا تھا۔ (اور حضرت یوسف علیہ السلام ہی بادشاہ ہوگئے) اور حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل سلطنت نہ سنبھال سکے۔

قبطی بادشاہوں نے اپنے سابقہ قوانین کو جاری رکھا۔ عوام سے زمینیں اور جائدادیں چھین کر امراء پر تقسیم کردیں اور انہیں غلامی کا درجہ دیکر فقط راشن کے بدلے مزدوری کرانے لگے

قبطی بنی اسرائیل کے لڑکوں کو مارتے اور لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔

قبطی بادشاہوں نے مصر پر قبضہ کرکے اپنے پرانے قوانین جاری کیے۔ مصر کا علاقہ قبطی سرداروں پر تقسیم کردیا۔ اور سب لوگوں سے زمینیں اور جائدادیں چھین کر ان کو غلاموں اور مزدوروں کے درجہ پر کردیا۔ زمینیں اور جائیدادیں چھین کر ان کو مصر کے دارالسلطنت لے آئے۔ اور ان سے اینٹیں پکوانے کا کام لینے لگے۔ اور صرف انکو راشن دیا کرتے تھے۔ اور بنی اسرائیل کے ایک سال بیٹے مارنے کا حکم تھا۔ اور دوسرے سال زندہ رکھتے تھے۔ اور لڑکیوں کو حسب قوانین سلطنت کے زندہ رکھتے تھے۔ یہ جوروتشدد فقط بنی اسرائیل میں محدود تھا۔ بنی اسرائیل کے سوا اور مزدوروں اور کاشتکاروں کے بیٹے ذبح نہیں کرتے تھے۔

ضبط تولید کا قانون صرف بنی اسرائیل کیلئے تھا۔ باقی لوگ اس سے مستثنیٰ تھے۔

بنی اسرائیل تورات میں اسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی نسل حد سے زیادہ بڑھ رہی تھی۔ اور فرعون اور حاکم قبطیوں کو ڈر تھا۔ کہ اس طرح اگر ان کی نفری بڑھتی گئی۔ تو شاید ملک مصر پر قبضہ کرلیں گے۔ باقی غربا اس رسم سے مستثنیٰ رہے۔ جیسے سامی (عربی نسل) نسل فرعونوں نے اس رسم کو منسوخ کیا تھا۔ قبطی فرعونوں نے بھی اپنوں کے حق میں یعنی باقی قبطیوں کے حق میں بھی منسوخ کردیا تھا۔ پرانے فرعونوں کی رسم فقط بنی اسرائیل تک محدود تھی۔

بنی اسرائیل کی عورتیں مذہب کی پابند تھیں۔ اور غلامی کی حالت میں اپنی عصمت و عفت کی سختی سے حفاظت کرتی رہیں

(مگر) حالت غلامی میں بھی (بنی اسرائیل) اپنے مذہب کے سخت پابند رہے۔ اور بنی اسرائیل کی نوجوان عورتیں جو قبطی سرداروں کے گھروں میں خدمت کا کام کرتی تھیں۔ وہ بھی نہایت سختی سے اپنے مذہب کی پابند تھیں۔ ان سے کوئی حرکت برخلاف مذہب یا فطرت سرزد نہ ہوتی۔ اپنی عصمت و عفت کی نہایت سختی سے حفاظت کرتی تھی۔

بنی اسرائیل کے مطابق یہ تشدد ان پر ۴۰۰ سو سال رہا۔ جبکہ مسلمان مورخین کے مطابق ڈھائی سو سال تک رہا۔

بنی اسرائیل اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کہ فرعونیوں کا یہ تشدد ہم پر چار سو سال تک ہوتا رہا۔ مگر مسلمان مورخ فرماتے ہیں۔ کہ یہ تشدد ان پر دو اڑھائی سو سال تک تھا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرما کر حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسا منجی عطا کیا۔ کیونکہ بنی اسرائیل امتحان میں پاس ہو کر اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ قرآن حکیم نے بنی اسرائیل کی استقامت اور اپنے مذہب کی پابندی کی تعریف کی۔
وَفِی ذَالِکُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّکُم عَظِیم۔ بڑے امتحان میں کامیاب ہوئے۔[1]
یہ بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ ہے۔ اب پیش لفظ سورت یوسف کی آخری ایت میں سے بیان ہوتا ہے۔

پیش لفظ۔

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب ما کان حدیثاً یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شی وھدی ورحمۃ لقوم یومنون[2]
البتہ ان کے حالات سے اپنے حالات کا قیاس کرنا یا نصیحت حاصل کرنا بڑے

دانشمندوں یا بڑے عقلمندوں کا کام ہے۔ اپنی بنائی ہوئی بات نہیں۔ بلکہ اس کلام سے موافق اور مطابق ہے۔ جو اس سے پہلے ہے۔ اور تفصیل وار بیان ہے۔ ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت ہے۔ ان لوگوں یا جماعتوں یا قوموں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں۔ یعنی پختہ ارادہ کرنے کا رکھتے ہیں۔

"اولی الالباب" کی تشریح:

اولی الالباب کے معنی ہیں بڑے عقل مند لوگ۔ لب کے معنی ہیں عقل یا ہر وہ چیز جو صاف کر کے اندر سے نکالا جائے۔ میوہ جات کے مغز کو بھی لب کہتے ہیں۔ اس جگہ مراد وہ بڑے عقل مند لوگ ہیں۔ جو سوسائیٹی کا دماغ ہوتے ہیں۔ اور ان کی ترقی کیلئے غور و فکر سے راہیں سوچتے رہتے ہیں۔ اور تنزل کے اسباب سے اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو نہایت عقلمندی سے بچاتے ہیں۔ ایسی جماعت کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی جماعت کے حالات ایک عبرت اور نصیحت کا درس اور سبق ہے۔

قرآن حکیم کے تاریخی قصوں میں عقلمند انقلابیوں کیلئے نصیحت کی باتیں ہیں۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد جس طرح بنی اسرائیل ذلت کے گڑھے میں گرے وہ بھی عبرت کا درس ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے جیسے تواریخی قصے قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔ ان میں بڑے عقلمند انقلابیوں کیلئے جو اپنی جماعت کو ترقی کے راستے پر لگاتے ہیں۔ اور ظالموں کے پنجہ سے نجات کا راستہ سوچتے ہیں۔ بڑی عقلمندی کی باتیں اور نصیحتیں ہیں۔ مثال کے طور پر اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو پڑھکر اس پر غور سے تدبر کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ انہوں نے کس طرح بڑی تکلیفیں اٹھانے کے بعد اپنی جماعت کی مدد سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی

یوسفؑ کے قصے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ کس طرح لادینی حکومت کو دینی حکومت

کرتے ہوئے ایک دشمن مگر لادینی حکومت کو دینی حکومت میں تبدیل
کر دیا۔ اور اسمیں عدالت اور مساوات کا وہ دور دورہ قائم
کر دیا۔ کہ سب لوگ آسانی سے روزگار حاصل کر کے اپنی معاشی
حالت درست رکھ کر مذہبی روحانی (ترقی) اور تعلق باللہ کی طرف
متوجہ ہو گئے تھے۔ کسی کے ساتھ ظلم نہ ہوتا تھا۔ اور جتنی بدرسمیں اور ظلم
پہلے سے رائج تھے اُن کو یا تو ملیامیٹ کر دیا یا اُن کا رخ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ
کی طرف پھیر دیا۔ عوام الناس سے شرک اور بدعت کو نکال دیا۔ اور سلطنت
سے ظلم دور کر کے عدالت کے احکام جاری کر دیئے۔ حالانکہ اُن کے اپنے
بھائی اور ملک مصر کے دولتمند اور رجعت پسند طبقہ برابر اُن کی مخالفت کرتا رہا
مگر حضرت یوسف علیہ السلام استقلال سے کام لیتے رہے۔ اور آخر کامیاب
ہوئے۔ اور حاصل کی ہوئی طاقت اور سلطنت کو اُن کے نظریہ اور فکر
پر قائم ہوئی تھی۔ اُن کے سپرد کر دیا۔ اپنی اولاد کیلئے کوئی امتیاز ( )
نہ رکھا۔ وما اسئلکم علیہ من اجر پر پورا عمل کیا۔ مگر اُن کے بعد
اُن کی جماعت (بنی اسرائیل) نے تدبیر اور عقلمندی سے کام نہ لیا۔ تو وہ نہایت
ہی ذلت اور نکبت کی زندگی میں جا گرے۔ یہاں تک کہ اپنے بچوں کو اپنے
روبرو ذبح ہوتے ہوئے دیکھ کر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا
کہ بنی اسرائیل اپنا اتفاق اور اتحاد قائم نہ رکھ سکے۔ بنی اسرائیل میں سے جو جماعت
برسر اقتدار آگئی اور سلطنت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں تھی۔ سرمایہ داری
اور اقتدار پسندی کے مرض میں مبتلا ہو گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی پالیسی

میں تبدیل کر دیا جسمیں
عدالت اور مساوات کا دور
دورہ تھا۔

جب حضرت یوسفؑ کی پالیسی
چھوڑ دی۔ بنی اسرائیل نے
تدبیر اور عقلمندی سے کام
نہ لیا۔ تو ذلت اور
نکبت کی زندگی میں جا گرے۔

چھوڑ دی۔ اپنا نظریہ اور اسٹیڈل بدل دیا۔ تو باقی جماعت بنی اسرائیل خواہ علماء۔ رہبان اور عوام الناس بنی اسرائیل کے حکام سے الگ ہو گئے۔ حکومت سے اپنا تعلق توڑ دیا۔ حکام بنی اسرائیل اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کیلئے قبطی لوگوں کو بڑھانے لگے۔ اور ان کی جاگیریں اور زمینداریاں بحال کر دی گئیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں پرانے فرعونوں کی اولاد جو بربر اور لیبیا میں پراگندہ پھرتی تھی حملہ کر کے ملک مصر پر قابض ہو گئی۔ اور بنی اسرائیل کو غلام بنا دیا۔ حالانکہ اس وقت بنی اسرائیل کی نفری ایک لاکھ کے برابر تھی۔ بنی اسرائیل گنتی میں عورتوں کو نہیں گنتے تھے۔

سامی نسل بادشاہ (فرعون) کی موت کے بعد حضرت یوسفؑ جانشین مقرر ہوئے۔ فرعونیوں کی حکومت کے دوبارہ قیام پر بنی اسرائیل کی ایک جماعت اپنے دینی نظریات کو چھوڑ کر فرعونیوں سے مل گئی۔ ان کی امداد کرنے لگی۔ اور جماعت بنی اسرائیل کو تباہ کرنے پر تل گئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں آخری سامی نسل کا بادشاہ ریان بن ولید مر گیا۔ اس کے بعد وارث اور جانشین حضرت یوسفؑ تھے۔ جب فرعونیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ تو ایک جماعت بنی اسرائیل میں سے ان فرعونیوں سے مل گئی۔

اپنی جماعت بنی اسرائیل سے الگ ہو کر دل وجان سے ان کی امداد کرنے لگے۔ اور اپنے دینی نظریہ کو چھوڑ کر اپنی جماعت بنی اسرائیل کو تباہ کرنے اور دین میں خراب باتیں جیسے سود خوری وغیرہ داخل کرنے پر تل گئی۔

قارون کے ہاتھوں میں تمام سلطنت کی تجارت اور سودی کاروبار تھا۔ اندرونی و بیرونی تجارت اور بڑے ٹھیکے اسکے ہاتھوں میں تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا قارون اس جماعت سے تھا۔ (قارون ایک شخص کا نام تھا) جسکے ہاتھوں میں تمام سلطنت کی تجارت اور سودی کاروبار تھا۔ اندرونی اور بیرونی تجارت اور بڑے ٹھیکے ان کے ہاتھوں میں ہوتے تھے۔ گویا سلطنت کا بینکر تھا۔

بنی اسرائیل کے علماء و زہاد حکام سے ناراض ہو کر الگ ہونے کی بجائے اصلاح کی کوشش کرتے۔ تو حکومت بنی اسرائیل کے ہاتھ سے نہ جاتی۔ باہمی رنجش، تفرقہ بازی اور انتشار نے فرعونیوں کو دوبارہ مصر کا حکمران بنا دیا۔

یہ جماعت تو موجودہ فرعونوں کی اپنے ایمان سے تابعدار ہوگئی۔ اور باقی بڑی جماعت بنی اسرائیل کی پہلے ہی بنی اسرائیل حکام سے ناراض ہو کر الگ ہوگئی تھی۔ یہ دیندار جماعت تھی۔ مگر انہوں نے انقلاب نہ کیا۔ اگر کوشش کرتے تو بنی اسرائیل کے ان نالائق حکام کو نکال کر سلطنت کو اچھے سلیقہ پر چلاتے۔ اور جب فرعونیوں نے دوبارہ مصر پر قبضہ کرنے کیلئے حملہ کیا تھا۔ اگر اس وقت بھی بنی اسرائیل کے علماء و زہاد عوام کو اکٹھا کرکے فرعونیوں کا مقابلہ کرتے تو بھی کامیاب ہوتے۔ نہ اپنے حکام میں انقلاب کیا۔ اور نہ سلطنت کو سنبھالنے کی کوشش کی

بنی اسرائیل نے دس اس خام خیالی میں کہ ہم بھی حضرت یوسفؑ کی طرح موجودہ فرعون

ان کے علاوہ (بنی اسرائیل) خیال میں تھا کہ جیسے حضرت یوسفؑ بادشاہ ریان بن ولید کے ماتحت رہ کر کام کرتے (کرتا ہے) رہے اور اپنے دینی احکام پر مستحکم رہ کر رعایا کی خیرخواہی کرتے رہے۔ (کرتا ہے) اسی طرح ہم کو بھی

کے تحت کاروبار مملکت میں شریک رہ کر رعایا کی خوشحالی اور بہتری کر سکیں گے۔ اپنی سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بلکہ ان میں سے قارون خود بنی اسرائیل کو تباہ کرنے لگا۔

(بنی اسرائیل) یہ فرعون قبطی بھی برسراقتدار رکھے گا۔ ایسی خام خیالی میں مبتلا ہو کر اپنی بنی بنائی سلطنت سے ہاتھ دھو کر فارغ ہو گئے۔ یوسفؑ کی مصر میں قائم شدہ سلطنت بنی اسرائیل کے ہاتھ سے چلی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنی اسرائیل کا ایک خاندان جس کا سردار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں قارون تھا۔ (قارون ایک عبید کا نام تھا۔) وہ فرعونیوں سے مل کر اور حضرت یوسفؑ کے سررشتہ حکومت کے برخلاف اور اپنی اغراض کی وجہ سے اپنے اسرائیلیوں ہی کو تباہ کرنے لگا۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے۔ قارون کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملتا تھا۔

یہ قارون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا تھا۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ بواسطہ تین پشت حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا ملتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ولد عمران بن قاہات بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام

بنی اسرائیل کی کثیر جماعت سیاسیت سے کنارہ کش ہو کر صرف مذہبی رسوم کی پابند رہی اور طویل عرصہ تک ظلم و تشدد کا شکار رہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تورات میں ہے۔ کہ بنی اسرائیل کی گنتی چھ لاکھ تھی۔ اور بنی اسرائیل اپنی گنتی میں عورتوں اور بچوں کو شمار نہیں کرتے تھے۔ مگر مسلمان مورخ فرماتے ہیں۔ کہ اس زمانے میں بنی اسرائیل کی مردم شماری عورتوں کو نکال کر ٢ لاکھ تھی۔ اور بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ کہ فرعونیوں نے ظلم و تشدد جو کہ ان کے لڑکے ذبح کرتے تھے۔ اور لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ تاکہ ان کی خدمت کریں۔ یہ ظلم اور تشدد چار سو سال تک ہوتا رہا۔ اور مسلمان محقق درج کرتے ہیں کہ اس ظلم اور تشدد میں انہوں نے ٢ سو سال گزارے۔ مگر پھر بھی اتنی بڑی جماعت کے باوجود اور اتنی دراز مدت ظلم اور تشدد میں گزارنے کے بعد بھی الغضب کا نام تک نہیں لیتے تھے

مذھبی رسوم کو خوب پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اور بڑی بڑی بزرگیاں دکھانے لگے۔ اور سیاست سے منہ موڑ کر ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے۔

انبیاء علیہ السلام کی تربیت یافتہ جماعت ہمیشہ بڑی عقلمند ہوتی ہے جو ان قصص سے عبرت اور نصیحت حاصل کر سکتی ہے۔

اس آیت شریف میں اشارہ ہے۔ کہ بڑے عقلمندوں کو بنی اسرائیل کے حالات بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے خاص عبرت حاصل ہوتی ہے۔ مگر عوام اس میں سے کوئی عبرت حاصل نہیں کر سکتے۔ اور حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور انبیاء علیہم السلام کی تربیت یافتہ جماعت ہمیشہ بڑی عقلمند ہوتی ہے۔ ان کے لیے یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

سیاست مذھب کا جزو اعظم ہے۔ اس کے بغیر مذھب ایک طرح کا فسوں اور افسانہ رہ جاتا ہے۔

بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں مذھبی رسوم پورا کرنے کیلئے ان میں بڑے بڑے اولیاء اللہ اور علماء تھے۔ اور عوام کو مذھبی اسلام کی پابندی سکھلاتے تھے۔ مگر چونکہ سیاست اور انقلابی نظریات اپنے ذھن سے کھرچ کر نکال چکے تھے۔ اس واسطے نہایت ذلیل ہوگئے۔ حالانکہ سیاست مذھب کا جزو اعظم ہے۔ جس مذھبی جماعت سے سیاسی اور انقلابی ذھنیت گم ہو جائے ان کا مذھب ایک طرح کا افسوس اور افسانہ رہ جاتا ہے۔

حصول کامیابی اور ظلم و تشدد سے نجات کیلئے تدابیر اختیار کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا مسلمہ (متفقہ) اصول رہا ہے

سیاسی اور انقلابی کاموں کی طرف رغبت کرنے والوں کو بنی اسرائیل کے بزرگ اور علماء بے دین کہہ کر ٹال دیتے تھے۔ اور عوام کو فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا۔ تب تمکو نجات ملیگی۔ حالانکہ سب انبیاء علیہم السلام کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ اپنی کامیابی کیلئے اور ظلم و تشدد سے نجات حاصل کرنے کیلئے

اسباب سے کام لو اور توکّل اللہ تعالیٰ پر رکھو۔

فرعون اور اس کی جماعت منافقانہ چالاکی سے علماء اور مذہبی لیڈروں کی دلجوئی کرتے رہے۔ تاکہ وہ عظمت رفتہ کو بھول کر عوام کو تقدیر پر شاکر رہنے کی تلقین کرتے رہیں نتیجہً ان کی جائیدادیں چھینی گئی اور عورتیں قبطیوں کی لونڈیاں بنیں اور لڑکے ان کے بلانے ذبح ہونے لگے۔

فرعون اور اس کی جماعت بنی اسرائیل کے مذہبی علماء اور لیڈروں کی عزت کرتے۔ بلکہ ان کو درباروں اور خاص محافل میں بلاکر ان سے نصیحتیں سنتے اور ان کو ہدیہ تک دیتے۔ یہ فرعونیوں کی ایک چالاکی کی چال تھی تاکہ ان سے اپنی عظمت قبول جائے۔ اور سیاسی نظریے گم ہوجائیں۔ اور عوام کو تقدیر پر شاکر رہنے کی تلقین کرتے۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو گھر بار۔ جائیدادیں اور زمین چھوڑنی پڑیں۔ اور ان کی عورتیں قبطیوں کی لونڈیاں بنیں۔ اور ان کے بچے ذبح ہونے لگے۔ اگر سیاست کو (ہاتھ سے) نہ چھوڑتے۔ تو یہ ذلت کا وقت ان کو دیکھنا نہ پڑتا۔ اور اپنی دینی حکومت کو بڑھا کر دنیا پر چھا جاتے۔

تورات میں ہے۔ کہ فرعونیوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ اور ہر سال ان کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسلیئے ان کو خوف ہوا۔ کہ مبادا یہ لوگ کثرت نسل کے باعث مصر پر چھا نہ جائیں۔ اسلیئے ان کے بیٹے ایک سال ذبح کرتے تھے۔

مسلمان مفسّر لکھتے ہیں۔ کہ نجومیوں نے پیش گوئی کی تھی۔ کہ ان میں سے ایک ایسا آدمی پیدا ہوگا۔ کہ مصر پر حکومت کرے گا۔ جو کچھ بھی ہو مگر اتنی بات ظاہر ہے کہ انہوں نے سیاست ترک کردی تھی۔ (مگر) انمیں سے ایک بڑی جماعت سلطنت کے حکام سے خائف ہوکر سیاست سے بالکل الگ ہوگئی۔ اور دوسری جماعت دنیادی

بنی اسرائیل کی ایک جماعت نفس کشی پر تل گئی اور دوسری نے نفس کی غلام بنکر غیروں کا تمدن اختیار کیا۔ اور مذھبی جذبات کو فنا کر دیا۔ اور اپنی رسوائی کا سامان پیدا کیا۔

اسباب کی طرف رجوع کر کے فرعونیوں سے عہدے حاصل کرنے کیلئے ان کے دست و بازو، حرص اور اقتدار کے عاشق بنکر اپنے دین کے نظریہ اور آئیڈیل سے ھٹ کر اپنی قوم کو ذلیل کرنے لگے۔ گویا دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کو ذلت کی سزا بھگتنی پڑی۔ کیونکہ ان عقلمند طبقہ نے صحیح انقلابی راستہ اختیار نہیں کیا۔ خود بھی ڈوبے اور ساری قوم کو بھی رسوا کیا۔ (خوار) اس قصے میں نہایت اعلیٰ عبرت کا درس ہے۔ ایک نفس کشی پر تل گئی اور دوسری جماعت نفس کی غلام بن کر غیروں سے مل کر ان کا تمدن اختیار کر کے (جماعت) مذھبی جذبات کو فنا کر دیا۔ اور اپنے مذھب سے بیزار ہونے لگے۔ عبرت! عبرت۔ عبرت

فاعتبروا یا اولی الالباب۔ [1]

اصلاحی قصے، ناول اور ڈرامے نظریات کی ترویج و اشاعت میں محمد و معاون ثابت ہوتے ہیں

تفسیر آیہ۔ ما کان حدیثا یفتری (الآیۃ) [2]

انقلابی جماعتیں اپنے نظریات کو نوجوانوں کے ذھن نشین کرنے کیلئے اپنے نظریات کے مطابق قصے۔ ناول اور ڈرامے بنا کر عوام کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں تاکہ عوام اس کو ذھن نشین کرلیں۔ اور ان کا رجحان اس طرف ہوجاتے۔ اس طرح اصلاحی جماعتیں بھی اسی طرح ناول وغیرہ بنا کر عوام کی ذھنیت اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ مگر تاریخ صحیح جو کہ تکوین الہی کی کتاب ہے۔ ہمیں اسکی کوئی سند اور بیان نہیں ہوتی ہے۔؟۔

ا؎ ۵۹ : ۲ — حشر ۲
۲؎ ۱۲ : ۱۱۱ — یوسف ۱۱۱

مخرب اخلاق ناول اور ڈرامے، ری ایکشنری جماعتوں اور استبدادی حکومتوں کا ایک حربہ ہیں۔ تاکہ عوام سے فطرت کے اساسی اصول بھلا کر تاریخ سمجھنے کی استعداد ختم کی جاسکے۔ تاکہ اُن کی بداعمالیوں پر اعتراض نہ کیا جاسکے ۔

(اور) اُن کے مقابلے میں ری ایکشنری جماعتیں اور استبدادی حکومتیں مخرب اخلاق ناول اور ڈرامے اور عشق و عیاشی کی داستانیں اور قصے بنا کر عوام کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں ۔ تاکہ عوام لہو و لعب کی طرف راغب ہو کر اُن کے بُرے کردار اور بداعمالیوں پر اعتراض نہ کریں ۔ اور صحیح فکر اور نظریہ اُن سے گم ہو جائے ۔ اور غرباء طبقہ اُن کیلئے عیش و عشرت کا سامان فراہم کرنے میں اپنی تحقیر نہ سمجھے ۔ اور بدمعاش امراء طبقہ پر اعتراض نہ کریں بلکہ اُن کی تعریف کرتے رہیں ۔ پھر ایسے قصے ناول جو سراسر کذب اور بہتان اور مخرب اخلاق کے دفتر ہیں ۔ اُن میں تصوف کا مرچ مصالحہ لگا یا کوئی بہادری کی بات لے آتے ہیں ۔ اور کچھ اچھے نتائج نکال کر بتاتے ہیں ۔ اور اصل غرض و غایت اُن کی یہ ہوتی ہے ۔ کہ عوام میں صحیح تاریخ سمجھنے کی استعداد گم ہو جائے ۔ فطرت کے اساسی اصول بھول جائیں ۔

عیش و عشرت کیلئے عشقیہ خیالی ناول مستبد حاکموں کی یادگار ہیں ۔

اسی تخیل کی بنیاد پر ایک قوم اور جماعت نے قصے ناول اور ڈرامے بنائے ہیں ۔ ہندوؤں نے بہادری کی سپرٹ پیدا کرنے کیلئے رامائن اور مہابھارت کے قصے بنائے اور عیاشی کیلئے دوسری قسم کے تیار کیے اور عربوں میں عشقیہ خیالی ناول لیلیٰ مجنوں کے قصے اور الف لیلہ و لیلہ تیار کیے ۔ اسی طرح مسلمان مستبد بادشاہوں کے وقت شاہنامہ، اور حاتم طائی کا قصہ اور طلسم ہوشربا اور قصہ امیر حمزہ، بہار دانش بیتی بتوں – چہار درویش - عمر ماروی - مرزا صاحباں - سوہنی ماہیوال وغیرہ وغیرہ من گھڑت قصے صرف اپنی عیاشی کے واسطے لکھوائے ۔

یہ سلسلہ یہاں تک دراز ہوا کہ پیغمبروں پر جھوٹے قصے تراشے گئے۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کا اوریا کی بیوی سے عشق کا قصہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ یمن بلقیس پر فریفتہ ہو کر اُن کو بت پرستی کرانی۔ یہ سب قصے مستبد حاکموں کی یادگار ہیں۔

مخرب اخلاق ناول تاریخی حیثیت سے سراسر جھوٹ اور بہتان ہیں۔

اس طرح کے قصے پڑھ کر مطالعہ کرنے لگا کر ایسے مخرب اخلاق ناولوں سے نیک نتائج نکال کر فطرت انسانی بگاڑتے ہیں۔ اگر ان ناولوں کی تاریخی (اعتبار سے) حیثیت سے جانچ پڑتال کی جائے۔ تو کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ اور اگر ان ناولوں کو فطرت اور تکوین کی عینک لگا کر دیکھا جائے۔ تو سراسر جھوٹ اور بہتان نظر آتا ہے۔

قرآنی قصے تاریخی اعتبار سے بالکل سچے ہیں جن سے عقلمند لوگ اپنی قوم کی اقترابی اور ارتقائی ترقی کیلئے پروگرام مرتب کر سکتے ہیں۔

قرآن حکیم نے کوئی قصہ فرضی اور خیالی بیان نہیں کیا۔ بلکہ جتنے قصے قرآن حکیم میں ہیں۔ وہ تاریخی حیثیت سے بالکل سچے واقع ہوئے ہیں۔ ایسے قصوں میں ایسے اولی العزم آدمیوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ جنکا مطمح نظر تعمیری ہی ہوا کرتا تھا۔ انسانیت سے ظلم اور فساد دور کرنا اُن کا اصلی مقصد تھا۔ اور سرمایہ پرستوں کے پنجہ اقتدار سے آزاد ہو کر انسان ظلم سے حریت اور آزادی حاصل کر کے اقترابی اور ارتقائی (اقترابی قرب الہیٰ حاصل کرنا) ارتقائی (یعنی مالی اور اقتصادی) ترقی پر گامزن ہو کر صراطِ مستقیم پر چل پڑے۔ اور وہ تاریخی قصے آنحضرت صلعم اور ان کی جماعت

صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کے حالات اور پروگرام پر پورے پورے اترتے ہیں
ایسے تاریخی قصوں سے انقلابی عقلمند آدمی اپنے لیے لائحہ عمل تیار کرتے ہیں
قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ کہ ان تاریخی قصوں کو فقط عقلمند لوگ
سمجھ کر عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اپنی قوم کیلئے اچھے (نیک) نتائج
اخذ (پیدا) کر سکتے ہیں۔ ایسی اونچی مثال کے قصے آپ کو کسی قوم یا
سلطنت میں ملنے ناممکن ہیں ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کی تصدیق تورات سے بھی ہوتی ہے۔ مگر قرآن نے اسے ربط اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے.

مطلب یہ ہے کہ یہ قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کا فرضی
اور خیالی نہیں ۔کیونکہ اسکی تصدیق تورات میں موجود ہے ۔ مگر جس طرح
قرآن مجید میں یہ قصہ ربط اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔تورات
میں اس طرح ربط کے ساتھ نہیں لکھا گیا ۔ تورات لکھنے والے بہت سی
باتیں چھوڑ گئے ۔ جنکا بیان کرنا ضروری تھا ۔ اور کئی ایسی باتیں درج کر گئے
جس سے اصل مقصود جو کہ تاریخی عبرت ہے ۔حاصل نہیں ہو سکتی ۔ اور قرآن
حکیم میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل وار واقعہ بیان فرمایا ۔ جس سے عقلمند انقلابی
جماعتیں اپنا تعمیری اصلاحی پروگرام تکمیل کے درجہ پر پہنچا کر انسانیت کو
مکمل کر سکتے ہیں۔

ھدی ورحمۃ لقوم یومنون [1]

ا ؎ اعراف : ۵۲

آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام کے نظریہ یا مطمع نظر سے کم درجے کا نظریہ: اینڈیل اور مطمع نظر انقلابیوں کیلئے لائق اعتبار نہیں یہ ایمان کی سیاسی تعریف ہے

حنفیہ جماعت ایمان کی کمیت اور کیفیت بیان کرنے میں یہ اشارہ فرماتے ہیں کہ الایمان لایزید ولاینقص - یعنی وہ بڑا اینڈیل اور نظریہ ہے جو نہ بڑھ سکتا ہے - اور نہ کم ہوسکتا ہے - یہ بھی معلوم ہوا - کہ اینڈیل ایک بڑا مطمع نظر ہوتا ہے - جو بڑھ نہ سکے اور جو اینڈیل ایک بڑا یا نظریہ کم ہو - تو اس کو ایمان نہیں کہا جاسکتا - نہ اینڈیل کہا جاسکتا ہے - تو ایمان وہ اینڈیل یا نظریہ یا مطمع نظر ہوگا - جو آنحضرت سرور کائنات صلعم اور ان کی جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم کا تھا - اس سے کم اینڈیل اور نظریہ یا مطمع نظر انقلابیوں کے نزدیک لائق اعتبار نہیں ہوگا ایمان کی یہ تعریف سیاسی ہے - سیاست کے بغیر جماعت بندی اور ان کی حفاظت نہیں ہوسکتی - اور مذہب کیلئے سیاست جزو اعظم ہے - ایمان کے معنی عالمگیر انقلاب ، تو اس اعتبار سے اس آیت شریف کے معنی یوں ہوں گے کہ صحیح نظریہ اور تجربہ شدہ صحیح پروگرام پر عالمگیر انقلاب کرنے والی جماعت کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں بڑی رہنمائی اور رحمت یعنی آسان راستہ بتایا گیا ہے - ایسی جماعت کیلئے اس قصے کی سخت ضرورت تھی - اور مستقبل میں بھی بین الاقوامی انقلاب کرنے والی جماعت کیلئے یہ تاریخی قصے ہمیشہ کیلئے رہنما ہوں گے -

بڑا (کام) اہم کام ہمیشہ ایک فرد نہیں سرانجام دے سکتا - بلکہ جماعت ملکر سرانجام دیا کرتی ہے - اسیئے قوم کا لفظ بڑھایا گیا - قوم کا لفظ اولاد قریبی رشتہ داروں پر اطلاق ہوتا ہے - واللہ یعنیونک الاقربین ۵ لے

لے شعراء ۲۶ : ۲۱۴

جماعت لیڈر کو پیدا کرتی ہے

لیڈر کا کام سبیل راستہ کی طرف جماعت کی رہنمائی کرنا ہے۔

جب ایسی جماعت (جن کے ذہن بڑے کی طرف متوجہ اور راغب ہوں) پیدا ہوجاتی ہے۔ تو ضرور ایسی جماعت میں ایک ایسا عقلمند اولوالعزم آدمی پیدا ہوتا ہے۔ جو ان کو صحیح راستہ دکھا کر اس پر چلنا سکھاتا ہے۔ یہ سنت اللہ ہے۔ اور جماعت کے صحیح عنصر کو اپنے گرد جمع کرکے عملی کام شروع کردیتا ہے۔ تاکہ جماعت کامیاب ہوکر انسانیت کیلئے مفید کام سرانجام دیتی ہے۔ تو اس آیت شریف کا مطلب یہ ہوا۔ کہ وہ لیڈر اور رہنما جماعت کو پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ اصل جماعت پہلے تیار ہوتی ہے اور جماعت کو لیڈر کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو جماعت کی ضرورت پوری کرنے کیلئے جماعت میں سے ایک لیڈر پیدا ہوجاتا ہے۔ اسلئے یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ جماعت لیڈر کو پیدا کرتی ہے۔ نہ کہ لیڈر جماعت کو پیدا کرتا ہے۔ بلکہ لیڈر کا کام جماعت کو صحیح اور سبیل راستہ پر چلانا ہوتا ہے اس واسطے یہ کام انفرادی طور پر لیڈر کا نہ گنا جائے گا۔ جو کہ اس وقت اس جماعت کا منتظم اور رہبر ہے۔ بلکہ اجتماعی طور پر ساری جماعت کا کام شمار کیا جائے گا۔ اگر سوسائٹی اور جماعت میں ترقی کا جذبہ فنا ہوچکا ہو۔ اور جماعت سرمایہ پرست کند ذہن ہوچکی ہے۔ تو ایسی جماعت میں بڑا عقلمند لیڈر، عالی ہمت اور اعلیٰ استعداد والا امانت دار باستقلال جفاکش، تجربہ کار۔ دردِ دل رکھنے والا، سوسائٹی کا بہی خواہ اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے تعلق رکھنے والا پیدا ہوجائے۔ خواہ وہ لیڈر

اگر سوسائٹی سے ترقی کا جذبہ فنا ہوجائے۔ تو لیڈر خواہ نبی یا حکیم ہو اپنی زندگی میں کامیاب نہیں ہوسکتا +

حکیم یا بانی ہو۔ تو وہ اپنی زندگی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یا تو وہ جماعت اُس کی مخالف ہو کر اُس کو قتل کر دے گی۔ یا جیل میں ڈال دے گی۔ یا وہ اپنی زندگی کو جیل کی زندگی سمجھتا رہے گا۔ اور قوم اور سوسائٹی کی حالت پر کڑھتا رہے گا۔ اس واسطے یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ جماعت کے بغیر انفرادی طور پر کامیابی ناممکن ہے اس مضمون کو مولانا عبید اللہ سندھی قدس سرہ خوبصورت الفاظ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

جماعت کے بغیر انفرادی طور پر کامیابی ناممکن ہے۔

قریش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا وطن عراق پھر فلسطین ہوا۔ لیکن قریش عربوں کے ساتھ مل جل کر عرب بن چکے تھے۔ سب سے پہلے حضرت اسماعیلؑ عرب میں آکر آباد ہوئے۔ اُن کی اولاد بہت پھیلی۔ اور آگے چل کر مستقل قبائل بن گئے۔

تورات کی پیشگوئی۔

تورات میں ایک پیش گوئی ہے۔ کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے بارہ سردار ہوں گے۔ ہم اس پیش گوئی سے یہ مطلب لیتے ہیں۔ کہ اولاد اسماعیل کے ذریعہ عرب میں ابراہیمی دین کی اشاعت ہوگی۔ آگے چل کر ان کے بارہ سرداروں کی وساطت سے سرزمین عرب حنیفی ملت کا مرکز بنے گی۔ تورات کی اس پیش گوئی اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی دعا کی تکمیل یوں ہوتی ہے

قصی بن کلاب کا منتشر قبائل کو مکہ خطہ میں آباد کرکے نظم دینا اور مختلف کام مختلف قبیلوں کے سپرد کرنا۔

کہ ایک طویل زمانہ گزرنے کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام
کی دعا کی تکمیل پوری ہوتی ہے۔ کہ ایک طویل زمانہ گزرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ
اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے قصی بن کلاب کے نام والا ایک سردار
قریش کے منتشر قبیلوں کو مکہ خطہ میں آباد کرتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی پیدائش
سے پانچسو برس پہلے قصی بن کلاب پیدا ہوا تھا۔ اور ان کی اجتماعی زندگی کو
نظم دیتا ہے۔ مختلف قبیلوں کو مختلف کام سپرد ہوتے ہیں۔ دارالندوہ
(گورنمنٹ ہاؤس) بنتا ہے۔ جسمیں سب جمع ہوکر اپنے فیصلے کرتے ہیں۔
حج اور باہر سے آنے والوں کیلئے باقاعدہ انتظام کیا جاتا ہے۔ گویا کہ یہ تمہید
ہے خاتم النبین کی بعثت کی۔ قصی بن کلاب کی یہ جماعت اپنے آپ کو
حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سمجھتے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ ظاہر ہے۔ اور
تاریخ سے ثابت ہے محض حضرت اسماعیلؑ اور عربوں کے جد اعلیٰ نہ تھے

حضرت ابراہیمؑ کو مسیحی اور دوسری ملتیں بھی اپنا پیشوا مانتی تھیں۔

بلکہ مسیحی اور دوسری ملتیں بھی ان کو اپنا پیشوا مانتی ہیں۔ اسلئے قصی بن کلاب
کی یہ جماعت محض عربوں کی سرداری پر اکتفا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بلکہ ان
کے حوصلے بڑے بلند تھے۔ یہ ایک طرف تو عرب قبائل کو اپنے زیر اثر بنانے
میں کوشاں تھے۔ اور دوسری طرف عراق اور شام تک کے علاقوں میں
اپنے اپنے تجارتی قافلوں کے ذریعے اثر و رسوخ پیدا کر رہے تھے۔ ان کے پیش
نظر یہ تھا۔ کہ وہ ان سب قوموں کو یکجا کرکے مجمع الاقوام بنائیں۔ اور اس کی قیادت
ان کے ہاتھ میں ہو۔ ان میں خاندانی روایت کے طور پر یہ خیال نسلاً بعد نسل
منتقل چلا آرہا تھا۔ کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے نسب

بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل میں خاندانی رقابت کی وجہ

سے ایک بہت بڑا نبی پیدا ہوگا۔ کہ جو ہمیں تمام اقوام کا سردار بنا دے گا۔ یہی جذبہ بنی اسرائیل میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ اس بنا پر بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل دونوں خاندانوں میں باہمی رقابت بھی تھی۔ لیکن بنی اسرائیل کا یہ حال تھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی اور کو اُن کے برابر ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ جو کام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ اُن کے نزدیک وہی ابراھیم^ع کی دعا کا مصداق تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ^ع کی تعلیم بنی اسرائیل تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہودیوں نے ابراھیمی دین کو سب قوموں کا دین بنانے کی بجائے فقط ایک خاندان یا زیادہ سے زیادہ ایک قوم کا دین بنا دیا۔ بنی اسرائیل میں سے بیشک حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم اسرائیلی لوگوں تک پہنچی ان کے حواریوں نے صابیوں یعنی اردیا قوم کو بھی مسیحت کی اشاعت کی۔ لیکن ہوا یہ کہ خود بنی اسرائیل نے مسیح علیہ السلام کو ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ یہود اُن کی تعلیم سے نسبت کم مستفیض ہوئے۔ عجیب بات یہ ہے۔ کہ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کیا۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں نے یہود کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی کتاب توراۃ کی سب سے زیادہ اشاعت کی۔

یہودیوں نے دین ابراھیمی کو فقط ایک قوم کا دین بنا دیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی کشمکش کا اثر قریش

یہود اور نصاریٰ کی کشمکش کا قریش پر اثر۔

اہل اراتی بزرگوں پر بھی پڑتا رہا۔ انہوں نے دیکھا کہ عیسائیوں نے کس طرح بڑی سلطنت قائم کی ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ یہ محسوس کرتے تھے۔ کہ عیسائی ابراھیمی دین سے دور ہوگئے ہیں۔ اور حنیفی ملت کی قیادت سنبھال نہیں سکتے

یہودی تو ابراھیمی دین کی اشاعت میں ناکام ہو چکے تھے۔ اس سلسلہ میں عیسائی بھی زیادہ کامیاب نہ ہوئے۔

قریش کا مکہ میں آباد ہونا اور جامعی زندگی کی ابتداء حضرت ابراھیم اور اسماعیل علیہم السلام کی دعا کا نتیجہ تھی۔

قصی بن کلاب کی اس جدید تنظیم کے بعد قریش مکہ میں یہ حوصلہ پیدا ہو رہا تھا۔ کہ ان میں سے کوئی بڑا آدمی پیدا ہو۔ جو ابراھیمی دین کی دعوت اور اسکے قیام کا مرکز بنے۔ قریش کا مکہ مکرمہ میں آباد ہونا اور قصی بن کلاب کے بعد ان میں ایک خاص نوع کی جماعتی زندگی کی ابتداء میں حضرت ابراھیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا ایک نتیجہ سمجھتا ہوں۔ اس دعا کی تکمیل یوں ہو سکتی تھی کہ ایک امت ہو۔ جو دنیا کی تمام امتوں کی ہدایت کیلئے اٹھے۔ پھر اس امت کو بھی ایک امام کی ضرورت تھی۔ جو ان کو تعلیم و تزکیہ کے ذریعے دنیا میں ابراھیمی دین کی اشاعت کیلئے تیار کرے۔ اجتماعی فلاسفر اس طرح غور کرے گا۔

تاریخ نویسی پر دور استبداد کا اثر۔

مگر بدقسمتی سے ایک طویل زمانہ ہمارے ہاں مستبد بادشاہوں کے دور کی یادگار ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ استبداد کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ کہ جماعت کے بجائے فرد پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اور تاریخ کے اتار چڑھاؤ اور واقعات کے تغیر و تبدل کو اجتماعی طاقتوں کے بجائے اشخاص کی کوششوں پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ہماری تاریخ کی کتابیں قوموں کی مجموعی زندگی اور ان کے ارتقاء و زوال پر بحث کرنے کے بجائے بادشاہوں اور ممتاز افراد کے حالات کیا بیان بن گئے

تاریخ میں انفرادیت پسندی کا یہ رجحان ہے - جس نے ہمارے اہل علم کو اس طرف ڈال دیا ہے کہ وہ اسلام کی اجتماعی قوت کو نظر انداز کر دیتے ہیں - اور ان کا سارا زور افراد کی شخصیتوں کو اجاگر کرنے میں لگ جاتا ہے - چنانچہ قوموں کی زندگی اور ان کی ترقی میں جو اہمیت جماعت کو حاصل ہے - ہمارے اہل علم ان پر بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتے -

سیرت نویسی پر دور استبداد کا اثر :-

جب وہ رسول اللہ صلعم کی سیرت لکھنے بیٹھتے ہیں - تو ان کی اجتماعی زندگی قریش کا قومی نظم و نسق اور قصی بن کلاب کے عہد سے ان کی جماعتی تنظیم و توسیع کی حالت جس کا حضرت رسول اللہ صلعم کی بعثت اور ان کے مشن سے گہرا تعلق ہے - وہ ان باتوں کو پیش نظر نہیں رکھتے - اس کے برعکس ان کے ہاں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر اس طرح غور کیا جاتا ہے - کہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ سارے نسل انسانی (جن) سے ایک اعلیٰ اور برتر انسان پیدا کرے وہ فرد فرید اور بے مثال شخصیت آنحضرت صلعم کی ذات اقدس ہے - ہر ایک عالم کے سامنے بھی سیرت نبوی کا یہی موضوع ہوتا ہے - جسے وہ اپنی علمی استعداد اور مخصوص فکری رجحان کے مطابق پیش کرتا ہے - چنانچہ اس طرز پر ہمارے ہاں کثرت سے سیرت کی کتابیں لکھی جاتی ہیں -

سرمایہ دارانہ اور اشتراکی دونوں نظام کے لیڈر مذہب کے خلاف ہیں - سوشلسٹ علمائے مخالفت -

ہم نے جب سے یورپ کی سیاست کا براہ راست مطالعہ شروع کیا ہمیں انسانی اجتماعی تحریک دونوں شکلوں (سرمایہ داری اور محنت کش) کے مطالعہ کا ایک حد تک پورا موقع ملا - آجکل کے لیڈر بین الاقوامی تحریکوں کو

کرتے ہیں۔ جبکہ سرمایہ دار عملاً علانیہ مخالفت نہیں کرتے۔

چلانے کیلئے مذہب سے عداوت دکھانا ضروری خیال کرتے ہیں۔ سوشلسٹ اپنا مافی الضمیر چھپانے کی ضرورت نہیں جانتے۔ وہ علانیہ مذہب پر حملہ کرتے ہیں۔ ان دونوں اجتماع کو دیکھنے (پر) اور اسکے سمجھنے کا ہمیں پورا پورا موقع ملا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام دونوں کے لیڈر مذہب کے خلاف ہیں فرق یہ ہے۔ کہ سوشلسٹ اپنے مافی الضمیر کو چھپانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ وہ علانیہ اور برملا طور پر مذہب پر حملہ کرتے ہیں۔ لیکن سرمایہ دارانہ سکول ذہنی تو مذہب کے مخالف ہیں۔ اور ان کے منکر ہیں۔ لیکن وہ بظاہر اسکا اعلان نہیں کرتے۔ بات یہ ہے۔ کہ یہ اپنی مصلحت کیلئے مذہبی لوگوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اس لیئے یہ لوگ علانیہ مذہب کی مخالفت کر کے مذہبی طبقے کی دشمنی نہیں خریدتے سرمایہ داروں کا مذہب کی مخالفت نہ کرنا اس بنا پر نہیں ہے۔ کہ وہ مذہب کا مقبلہ چاہتے ہیں۔ اور دل سے اسکی مخالفت نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس محنت کش طبقوں نے جو اجتماع بنایا ہے۔ ہم نے ان کی اس اجتماعی تحریک کا لادینیت سے کوئی طبعی ربط محسوس نہیں کیا۔ ہمارے نزدیک محنت کش طبقے کی یہ تحریک اور لادینیت لازم وملزوم نہیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ جب کبھی انسانیت کے پس ماندہ اور محنت کش طبقے کوئی اجتماع بنائیں۔ تو لابدی طور پر وہ اجتماعی لادینی اور مذہب کے خلاف ہو۔ اسلیئے لادینیت کو اجتماعی تحریک سے نکال کر باہر پھینک دیا۔

محنت کش طبقے کی تحریک اور لادینیت لازم و ملزوم نہیں۔

مولانا سندھیؒ پر دیوبند، تعلیم یورپ کی سیاست کے مطالعہ اور شاہ ولی اللہ کی فکر کا اثر۔

غرضیکہ جب سے ہم نے یورپی سیاست کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ اور وہاں کے سرمایہ دارانہ نظام اور محنت کش طبقوں کے نظام کو دیکھا

تب سے قومی زندگی میں ہم فرد کی بجائے انسانی اجتماع کو اہم سمجھنے لگے ہیں۔ اور ہم نے خود شاہ صاحب کی کتابوں میں دیکھا ہے۔ کہ وُہ بھی انفرادیت کی بجائے اجتماعیت پر زور دیتے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے۔ کہ ہم نے اسلام کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے۔ وُہ دیوبند سے پڑھا ہے۔ اور دیوبند ایسا سکول جیسا کہ ساری دُنیا جانتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کے اساسی فکر پر مرتکز ہے۔ الغرض دیوبند کی تعلیم۔ یورپ کی سیاست کا مطالعہ اور شاہ ولی اللہ کا فکر۔ یہ چیزیں ہیں۔ جنہوں نے ہمیں تاریخ کے واقعات اور حوادث اجتماعی نقطہ نظر سے دیکھنے کا عادی بنا دیا ہے۔

اسلامی اصولوں کی اجتماعی روح کو سمجھے بغیر قرآنی تعلیمات کو اقوام عالم کے سامنے پیش کرنا ممکن نہیں۔

اس فیصلہ کا اثر میرے افکار پر یہ ہوا۔ کہ سب سے پہلے اسلامی اصول کی اجتماعی روح کو سمجھنا اپنے لیے ضروری قرار دیا۔ اس سلسلہ میں مجھے اس امر کا یقین ہو چکا تھا۔ اور میں نے اس حقیقت کو بھی خوب جان لیا تھا۔ کہ قرآن حکیم کو اس طرح سمجھے بغیر دُنیا کی اقوام کے سامنے پیش کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ اگر قرآن شریف کی تعلیم کا لب لباب صرف یہ ہے۔ کہ وُہ اکمل ترین انسانوں کے ذریعہ نازل ہوئی ہے۔ اسلئے قرآن حکیم کا یہ پیغام سُننا چاہیے۔ تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہر قوم اپنے قومی بزرگ اور مقتدا کو اکمل ثابت کرنے کی کوشش کریگی۔ اور خاص طور پر مسیحی قومیں حضرت عیسیٰؑ کو برتر ثابت کریں گی۔ اس طرح قرآن حکیم کا جو مقصد ہے۔ وُہ کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔ اسکے برعکس میں اب فرد کی بجائے اجتماعیت پر زور دیتا ہوں۔ اور انفرادیت کے خلاف اجتماعیت کا قائل ہوں۔ میرے نزدیک حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا پہلا نتیجہ یہ تھا۔ کہ مکہ مکرمہ میں

قریش کی اجتماعی حیثیت معرضِ وجود میں آئی۔ چونکہ قریش کا یہ اجتماع ہی محفوظ
محافظ اور دین کا پھیلانے والا بن سکتا تھا۔ تو البتہ اب ضرورت تھی ایسے
افراد فرد کی جوان کو صحیح تعلیم دے۔ اور اُن میں قیادت کی صلاحیت پیدا کرے
یہ کام حضرت رسول اللہ صلعم نے سرانجام دیا۔ لیکن دُنیا کی دوسری اقوام تو حضرت
رسول اللہ صلعم اور اُن کی تعلیمات سے قریش کے ذریعہ متعارف ہوسکی۔ اسلیئے
آپ کا تعلق باقی دُنیا سے قریش کے واسطہ سے ہوا۔ یعنی اسلام کو سمجھنے کیلیئے آپ
کی ذات پر زور ڈالنے کی بجائے اس اجتماعی تحریک کو سامنے رکھنا چاہیے۔ جو اس
ذات اقدس کے ارد گرد ظہور پذیر ہوئی تھی۔ اسلام کو اس طرح سمجھنے سے سیرۃ
نبوت سے عقدے حل ہو گئے۔

ہم اس جگہ پر ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

1914ء کی عالمی جنگ اور علمائے دیوبند۔

عالمی جنگ (عمومی) سال 1914ء میں ترکی جرمنی
کا حلیف بنا اور برطانیہ کے خلاف ہو گیا۔ دیوبندی جماعت (جو حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ
کی جماعت ہے) کا نظریہ پان اسلامزم (اتحادِ اسلام) تھا اور اُن کا مرکز قسطنطنیہ
تھا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تدبیر ترکی امداد کیلیئے سوچی۔ کہ مولانا

مولانا عبید اللہ سندھی کی افغانستان روانگی

عبید اللہ سندھی کو کابل کو برطانیہ کے خلاف کرنے کیلیئے کابل روانہ کیا جائے۔ اور عبید اللہ کی
مدد کیلیئے خود انور پاشا سے جاکر مدینہ منورہ ملیں۔ اور اُن کو توجہ دلائیں۔ کہ
افغانستان کی طرف ایک لاکھ لشکر بھیجو۔ اسلیئے مولانا عبید اللہ سندھی ذہنی انتشار
میں تھے کہ وہاں کابل جاکر کیا کیا جائے گا۔ جو ملک نیا ہے۔ اور پروگرام بھی کوئی
دنیں بنایا جاتا ہے اور پاسپورٹ حاصل کرنے کی بھی اُمید نہیں۔ بہرصورت مولانا سندھی

شوراوک میں داخلہ اور قندھار روانگی کیلئے تیاریاں۔

نے مجھے (یعنی فقیر عبداللہ ولد نہال خان لغاری) کو ساتھ لیا۔ اور مولانا حضرت شیخ الہند
کا حکم سنایا۔ ہم کوئٹہ پہنچے۔ پھر کوئٹہ سے شوراوک جو کہ علاقہ افغانستان کا ہے
پہنچے۔ اور شوراوک میں کمشنر حاکم قندھار کا رہتا ہے۔ اور اسمیں ایک قاضی (جج)
بھی مقرر تھا۔ اتفاقاً وہ قاضی (جج) دیوبندی تعلیم یافتہ استادوں کا شاگرد تھا۔
افغانستان میں قاضی (جج) کا عہدہ حاکم (کمشنر) سے بڑا ہوتا ہے۔ اور حاکم
(کمشنر) اسکے ماتحت ہوتا ہے۔ قاضی صاحب نے نہایت عزت سے خیر مقدم کیا۔ اور
حاکم شوراوک کو سمجھایا۔ کہ راہداری ایسی لکھ دو کہ جسمیں یہ ہو کہ یہ علماء بادشاہ
کابل کے معزز مہمان ہیں۔ تاکہ قندھار میں دو بڑے اہل علم اور تصوف میں سے عالم اور صوفی ہیں۔
ان کو اگر پہچانتے ہو تو ان کے پاس اُترنا۔ ایک ملاں محمد حسن صاحب کو جانتا ہوں۔
کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ کے مصاحبوں میں سے ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا
کہ ان دونوں میں سے آپ جس کے پاس ٹھہرو (اترو) گے امن میں رہو گے۔

قندھار میں آمد اور مولانا (ملاں) محمد حسن سے ملاقات

ہمارے قافلے میں (کے) فقط مولانا قدس سرہٗ اور یہ فقیر
عبداللہ ولد نہال خان لغاری اور دو ملازم تھے۔ ہم شوراوک سے جو افغانستان کا صوبہ ہے
روانہ ہو کر قندھار میں باامن پہنچ گئے۔ اور ملاں محمد حسن صاحب کے پاس جا کر
اُترے۔ اُس نے مولانا سندھی کو پہچانا اور بہت خوش اخلاقی سے پیش آئے اور
ہمارے قافلہ کو محمد حسن خان توخی تاجر چرم کے سرائے (سرائچہ میں ٹھہرایا)۔ محمد حسن خان
توخی اور اس کا بھائی عبیداللہ خان بڑی پرتکلف مہمانی کرتے رہے۔ اور جناب صوفی
جان محمد صاحب جو کہ گورنر صاحب (نائب الحکومت) قندھار کے مرشد تھے۔ جب ان کو
اطلاع ملی (خبر پڑی) تو وہ خود ملاقات کیلئے تشریف لائے۔ حالانکہ وہ کبھی کسی

کے پاس نہیں جاتے تھے - اور مل کر بہت خوش ہوئے - اور ہر طرح کی امداد کا وعدہ
فرمایا - اور تسلی دی - کہ آپ اس کی جگہ پر آگئے ہیں - اور مولانا عبدالوہاب کا
قندھاری جو کہ دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے وہ بھی حاضر ہوگئے اور خود گورنر صاحب
(نائب الحکومت) قندھار جناب محمد یونس خان بہادر صاحب کو جب مولانا کی آمد کی خبر
ہوئی تو وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ محمد حسن خان تونی کے مکان پر تشریف لائے -

نائب الحکومت قندھار کی حضرت مولانا گنگوہی سے عقیدت :

جناب محمد یونس خان اور اس کا تمام خاندان حضرت مولانا گنگوہی کے مرید تھے - اور
نسبت عقیدت رکھتے تھے - نظربندی کے ایام میں جب اسکا خاندان ہندوستان میں نظربند
تھا - یہ اور اس کا بھتیجا نادر خان ہمیشہ حضرت گنگوہی کی خدمت میں آیا کرتے
تھے - اور باقی تعلیم یافتہ علماء دیوبند کے ہاں حاضر (ہوگئے) مولانا کی جان
پہچان تھی - مولانا محمد حسن صاحب اور جناب صوفی جان محمد کی کوششوں سے ہجرت
منظور ہوگئی اور افغانستان نیشنل کا سرٹیفکیٹ مل گیا -

کابل روانگی :

ہجرت منظور ہونے کے بعد سب نے یہی التجا کی کہ یہاں
قندھار رہیں - مگر مولانا سندھی نے کابل جانے کا اصرار کیا - تو سب حضرات
نے باعزت روانہ کیا - اور زاد راہ (خرچہ) وغیرہ بھی دیا - الوداع کہنے
کیلئے نائب الحکومت اور سب علماء اور معززین قندھار مل کر شہر سے باہر
الوداع کہنے کیلئے آئے - مولانا سندھی کو نائب الحکومت نے اپنے ہاتھوں سے
گھوڑے پر سوار کیا - سارے قندھار شہر کے معزز حضرات اور عوام بھی جلوس
کی شکل میں ساتھ تھے - یہ جلوس ایک روح پرور نظارہ تھا -
جناب گورنر صاحب نے اپنی قلم سے لکھکر اپنے بھتیجے نادر خان سپہ سالار کابل

کے نام پر (بیعت) سفارش (سے) تحریر کر دی مولانا کو دی۔ اس طرح ایک خط
جناب صوفی جان محمد صاحب نے قریبی سپہ سالار کے نام تحریر کر کے دیا تھا - اور
خاص نشانی بھی دی تھی۔ مولانا سندھی کے دل میں ان حالات سے بڑی ہمت
پیدا ہو گئی - الغرض ہم بسہولت کابل پہنچ گئے - اور مسٹر محمد ابراہیم صاحب
حبیبیہ کالج کے مکان جا اترے - یہ مسٹر محمد ابراہیم صاحب ایم اے مولانا محمد صادق صاحب
کراچی والے کے چچا زاد بھائی تھے - اور مسٹر محمد علی والد مسٹر عبدالقادر قصوری جو
کہ اس کالج میں پروفیسر تھے وہ بھی اس مکان میں مسٹر محمد ابراہیم کے ساتھ رہتے تھے
اُن سے بھی مولانا کی ملاقات ہوئی -

کابل میں آمد اور قیام

شیخ الاسلام کابل مولانا عبدالرزاق سے ملاقات

مسٹر محمد ابراہیم کی معرفت مولانا عبدالرزاق خان شیخ الاسلام
کابل اور سرپرست میزان التحقیق والعدالت سے ملاقات ہوئی
یہ مولانا عبدالرزاق خان مولانا رشید احمد گنگوہی کے خاص شاگردوں
میں سے تھے -

سپہ سالار کابل نادر خان سے ملاقات:

اس کے بعد نادر خان سپہ سالار افغانستان سے ملنے کا شرف حاصل
ہوا - یہ نادر خان اور اس کا خاندان حضرت گنگوہی کے مریدوں میں سے تھے -

دیوبندی مکتب فکر کے علماء کی مولانا سندھی کے پاس آمد اور اُن کی تنظیم:

اکثر افغانستان اور یاغستان کے علماء جو کہ دیوبند کے تعلیم یافتہ
تھے حضرت مولانا سندھی کی آمد کا سن کر خود بخود کھنچے چلے آئے تھے -
گویا کہ دیوبند کی پچاس سالہ خدمات کا نتیجہ وہاں پہلے ہی موجود تھا - انہیں بھی
وہی جوش تھا - جو کہ دیوبند کے مشن میں تھا - مولانا سندھی کا کام فقط یہ تھا کہ اس

مولانا سندھی کی انقلابی تحریک کا اثر

دیوبندی بکھری ہوئی جماعت میں تنظیم پیدا کرکے کام شروع کر دے - اور لائحہ عمل تیار کرے - کابل میں جاکر عقدہ کشائی ہوئی کہ حضرت مولانا شیخ الہند کے کابل میں مولانا سندھی کو بھیجنے کا کیا مطلب تھا - مولانا سندھی نے ان بکھرے ہوئے جواہرات اور موتیوں کو ایک تسبیح کے رشتہ میں منسلک کر دیا - اور انقلابی تحریک شروع ہو گئی - اس انقلابی تحریک میں شہزادہ امان اللہ خان اور نصر اللہ خان شریک ہو گئے - اور شاہزادہ عنایت اللہ خان ہمدرد بن گئے - اور خود حضرت امیر حبیب اللہ خان نے تحریک کا راستہ بتا دیا اور فرمایا کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر پہلے ملی وقومی کام کرو -

تحریک کی کامیابی اور علماء دیوبند

مطلب یہ ہے - کہ اگر وہاں پہلے سے دیوبندی علماء اور معتقدین دیوبند کا اثر قائم نہ ہوتا تو ایسی جماعت کی عدم موجودگی میں مولانا سندھی کامیاب نہ ہو سکتے - یہ اس جماعت کی برکت تھی - جو پہلے سے غیر منظم طریقہ پر وہاں موجود تھی - تو یہ کامیابی صرف مولانا سندھی کی شمار نہ کی جاوے گی - بلکہ دیوبندی جماعت کی کامیابی شمار کی جاویگی - اب اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر میں کامیابی پر غور کرنا چاہئیے -

حضرت ابراھیم - اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی طاقت - بصیرت اور حکمت علمی کا اثر۔

قرآن حکیم میں مذکور ہے - واذکر عبادنا ابراھیم واسحاق ویعقوب اولی الایدی والابصار (سورۃ ص)[1] ترجمہ یاد کرو ہمارے بندوں ابراھیم اور اسحاق اور یعقوب جو بڑے ہاتھوں والے (بڑی طاقت والے)

[1] ص ۳۸: ۴۵

اور آنکھوں والے (یعنی بڑی بصیرت والے عقلمند تھے)۔

تشریح۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت ابراھیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام بڑی طاقت والے تھے۔ (یہ نرے صوفی فقیر نہ تھے) اُن کے پاس دنیاوی جاہ وحشمت و دولت کے علاوہ اُن کے معتقدین اطراف و جوانب میں پھیلے ہوئے تھے۔ گویا معاشی زندگی خواہ آخروی زندگی دونوں کے خزانے اُن کے پاس تھے۔ اور نہایت گہرے غور و خوض سے قدم اٹھاتے تھے۔ اور جو بھی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوتے تھے۔ اُن پر تدبر اور غور کرکے عمل کرتے تھے۔ جسکا اثر یہ ہوا کہ اُنکی جماعت چاروں طرف پھیلنی شروع ہوگئی۔ گو خود انہوں نے اپنا ڈیرہ کنعان میں ڈال رکھا تھا۔ (یعنی فلسطین میں) مگر اُن کی تعلیم کا اثر شام، فلیسطین اور مصر میں پھیلتا گیا۔

مرکز تبلیغ کی تلاش میں حضرت ابراھیمؑ کی مصر کی طرف ہجرت

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جب بابل سے ہجرت کی تو مصر تشریف لے گئے۔ کیونکہ انہوں نے جب دیکھا کہ بابل کے سیاہ قلب لوگوں پر اُن کی تبلیغ کا اثر زیادہ نہیں ہوتا۔ تو دوسرا مرکز ڈھونڈنے کیلئے نکلے۔ اور اُن کی نظر مصر پر پڑی۔ کیونکہ مصر بابل کے ایک صوبے کا پایۂ تخت تھا۔ اور وہاں جان پہچان تھی۔ اور ہجرت بھی ایسی جگہ پر کرنی چاہیئے جس جگہ جان پہچان ہو۔ تاکہ تبلیغ میں سہولت اور آسانی ہو۔ چونکہ اِن کا مقصد ایک حقانی جماعت پیدا کرنا تھا۔ اس لیئے انہوں نے ایسی

جگہ منتخب کی جہاں اُن کی عزت اور وقار پہلے سے مسلم ہو۔ اور اس طرح ہر انقلابی عقلمند لیڈر اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے ایسی جگہ کو پسند کرتے ہیں۔ جہاں اُن کو کامیابی کی اُمید ہو۔
اسلیئے آنحضرت صلعم نے مدینے شریف کی طرف ہجرت کرکے اُسی شہر کو مرکزِ تبلیغ بنایا۔ کہ وہاں پہلے سے جان پہچان تھی۔

حضرت ابراھیمؑ کی مصر میں آمد اور بادشاہ وقت کا عزت سے پیش آنا

جب ابراھیمؑ جیسا بڑی عزت والا مہمان مصر میں پہنچا تو بادشاہ مصر نے بڑی عزت و آبرو کی۔ مگر جب انہوں نے مصر میں تبلیغ کا کام شروع کیا۔ تو آھستہ آھستہ اسکا اثر پھیلنے لگا۔ حتیٰ کہ اُن کا تذکرہ شاہی محلات میں پہنچ گیا۔ اور اس کا اثر مصر کے بادشاہ کی بیٹی پر بھی پڑ گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراھیمؑ کی بیوی سارہ کا آنا جانا فرعون مصر کے گھر ہوتا تھا۔ جن کی صحبت سے فرعون مصر کی بیٹی حضرت ابراھیمؑ پر ایمان لاکر گرویدہ ہوگئی

حضرت ابراھیمؑ کی تبلیغ کا اثر۔

مصر میں داخل ہونے والے تین قابل ذکر اشخاص تھے۔
ایک حضرت ابراھیم علیہ السلام۔ دوسری اُن کی بیوی حضرت سارہ تیسرے حضرت . . . . (چچا زاد بھائی حضرت ابراھیمؑ) حضرت ابراھیمؑ بابل سے روانہ ہوئے تو اپنا مال ومتاع اپنے ساتھ لیا۔ اُن کے پاس جو چوپایہ مال تھا۔ گائے بیل بکریاں۔ بھیڑ گھوڑے، گدھے اور غلام خدام اُن کے ساتھ تھے۔ انہوں نے مصر کی طرف رُخ کیا۔ راستہ میں جہاں کہیں گئے

وادی طوی اور حضرت ابراہیمؑ کی عبادت کی برکت :

اور سبزہ ملتا ۔ وہاں ٹھہر جاتے ۔ تاکہ حال مویشی خوش رہیں ۔ اس طرح
فلسطین پہنچ گئے ۔ وہاں کئی دن ٹھہرے رہے ۔ پھر وہاں سے مصر کی
طرف چلے ۔ جب وادی طوی میں پہنچے ۔ جو سرسبز تھی ۔ پانی موجود تھا
وہاں کچھ عرصہ ٹھہرے ۔ کہ حال مویشی آسودہ حال ہوں ۔ اور پھر آگے بڑھے
چونکہ ابراہیمؑ اس وادی طوی میں عبادت کرتے رہے ۔ اسلئے
یہ وادی مقدس بن گئی ۔ اس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا
فاخلع نعلیک الخ [1] یہ مقام ابراہیم خلیل اللہؑ کی عبادت سے متبرک
ومقدس ہوا ہے) باقی ان کے ساتھ کچھ خادم تھے ۔ اور سرگرم کارکن

دولتمند طبقہ اور بیوپاریوں کی گھبراہٹ اور مخالفت

اور ارکان تبلیغ وہ تین اشخاص تھے ۔ اب جب یہاں تک پہنچے تو مصر
کے فرعون کی آنکھ کھلی اور گھبرایا کہ کہیں ملک میں انقلاب نہ ہو جائے
اور اس طرح مصر کا دولتمند طبقہ اور بیوپاریوں کے طبقہ میں کھلبلی

عقلمند لوگوں کا حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات سے استفادہ حاصل کرنا ۔

پیدا ہو گئی تھی ۔ کیونکہ عقلمند جنکے قلب میں خشیت الہی کا بیج تھا
وہ نشوونما پانے لگا ۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی صحبت میں جمع ہونے لگے
اسلئے فرعون مصر نے اپنے دربار میں حضرت ابراہیمؑ کو بلایا ۔ اور انکو کہا

فرعون مصر کا دربار میں بلانا اور مصر چھوڑنے کیلئے کہنا ۔

کہ مہربانی فرما کر مصر سے چلے جاؤ ۔ کیونکہ آپ ایک انقلابی آدمی (ہیں)
ہیں ۔ اور بابل کے بادشاہ اور اس کی سوسائٹی کے مخالف ہو ۔
اور یہ ملک مصر ان کے تابع ہے ۔ اگر ان کو خبر پڑی کہ مصر کے گورنر نے
حضرت ابراہیم کو جگہ دی ہے ۔ تو ہماری سرکوبی کیلئے لشکر روانہ کرے
ملک مصر کو تباہ کر دیگا ۔ اسلئے آپ ملک مصر سے نقل کر (کہیں) کسی اور
جگہ ڈیرا ڈالیں ۔

[1] طہٰ ۲۰ : ۱۲

التلاوب کو بند کرنے کیلئے فرعون کا بہانہ

اور حضرت ابراھیمؑ کی دلجوئی کیلئے بہت ساماں اور ہر ایک قسم کا چوپایہ مال دیکر اُن کو اور انکے حواریوں سمیت جو مصریوں میں سے اُنپر ایمان لائے تھے۔ ملکِ مصر سے باہر جانے کا حکم دیا۔ اور مصر میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے کافی حواری پیدا ہو چکے تھے۔ یہ حکم فقط التلاوب بند کرنے کا بہانہ تھا۔

فرعون کی بیٹی کا حضرت ابراھیمؑ کے ساتھ ہجرت کرنا

حضرت ابراھیمؑ جب مصر سے روانہ ہوئے تو اُن کے مخلص مرید اور حواری بھی اُن کے ساتھ ہوئے۔ اور فرعون مصر نے اپنی بیٹی کو نصیحت کی تم کو بی بی سارہ سے فیض حاصل ہوا ہے۔ اسلئے تم انکی لونڈی بن رہو۔ (ھذا کما افادنی الامام۔ عبید اللہ سندھی۔ تفسیر سورۃ النحل) اور فرعون مصر کی بیٹی نے بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی جنکا نام ہاجرہ مشہور ہوا جو کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دوسری بیوی تھی۔ اور اس سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے۔ پھر حضرت ابراھیمؑ کو کوئی دوسرا مرکز تلاش کرنا پڑا اور صحرائے کنعان کو انہوں نے پسند فرمایا۔

کنعان کی جغرافیائی حیثیت اور اہمیت:

باشندگان فلسطین اور صحرائے شام نے اسوقت تک تمدن اختیار نہیں کیا تھا۔ حسن اتفاق کیلئے یا مصلحت خداوندی تھی کہ انہوں نے اپنے خاندان کیلئے ایسی جگہ منتخب فرمائی جسکو اہلِ مشرق قریب کہتے ہیں۔ یہ جگہ جغرافیائی اعتبار سے ایک عالمگیر اور بین الاقوامی فکر کے پروان چڑھنے کیلئے بہت مناسب تھی۔

صدیوں سے مشرق اور مغرب کے ملانے میں بیچ کی کڑی کا کام دیتی رہی ہے۔ اور تاریخ بتاتی ہے۔ کہ دنیا کی بڑی بڑی تہذیبیں اور سلطنتیں جنہوں نے سارے عالم کو اپنے اثر میں لانے کی کوششیں کیں۔ اکثر مشرق قریب سے یا اسکے ساتھ کے سمندروں بحیرہ روم سے اٹھیں۔ اسوقت شام و فلسطین کا علاقہ ویران تھا۔ مگر عالمگیر تہذیب کیلئے موزوں تھا۔ اس واسطے حضرت ابراھیمؑ نے متمدن حکومتوں کو خیرباد کہکر اس ویران علاقہ کو پسند فرمایا۔ اور اسمیں ڈیرہ ڈال دیا۔ اور اپنی تحریک اور تہذیب کو کامیاب بنانے کا یہیں سے کام شروع کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے کہ اللہ ان کی اولاد کو توفیق عطا کرے۔ کہ متمدن حکومتوں میں صحیح عام فہم قانون صراطِ مستقیم جاری کر سکیں۔ پھر یہیں اپنی صحافتی زندگی کو بڑھا دیا۔ اور صحرائی لوگوں میں تعلیم شروع کر دی۔ بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ شام کے لوگوں میں طوائف الملوکی کی زندگی تھی۔ چند بڑے قبیلوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جو کہ مشرقی میدان میں تھے ان کے گلے اور چوپایہ مال پر حملہ کرکے حضرت لوط علیہ السلام کو گرفتار کرکے ان کا سارا مال لوٹ لیا۔ ←

حضرت لوطؑ کے گلے پر حملہ اور ان کی گرفتاری

جب حضرت ابراھیم علیہ السلام کو خبر ہوئی تو اپنی قوی جماعت کے ساتھ ان ڈاکوؤں پر چڑھائی کی۔ اور ان کو تہہ و بالا کر کے زیر دست کر لیا۔ اور ان کا مال بھی لوٹ لیا۔ اور حضرت لوط علیہ السلام اور

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ڈاکوؤں پر چڑھائی کرکے حضرت لوطؑ اور ان کے مویشی

کو چھڑا لانا -

اور انکے چوپایہ مال کو چھڑا لائے - اس سبب سے قبائل لوگوں میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی بڑی دھاک بندھ گئی (بیٹھ) اور سب قبائل طوعاً و کرھاً ان کی عزت کرنے لگے - اور اس علاقہ کے اس وقت سے ابراھیم علیہ السلام بادشاہ سمجھے جاتے تھے - اور سب ملک کے بڑے بڑے فیصلے آپ کے پاس آنے لگے - توراۃ میں اس طرح مذکور ہے - یہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ ایک جماعت معتقدین اور جانثاروں کی مصر سے جناب ابراھیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے آئی - اور ان کی خدمت میں رہنے لگی - اور وہ عقلمندوں کی جماعت تھی - اور انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہمیشہ عقلمند ہوتی ہے

حضرت ابراھیمؑ کو علاقہ کا بادشاہ سمجھا جانا -

حضرت ابراھیمؑ کی تعلیم کا مصر پر اثر:

ان کے عزیز رشتہ دار مصر میں تھے - اور فلسطین اور مصر آپس میں خشکی کے راستہ سے جکڑے ہوئے تھے - اس وقت نہر سویز نہیں تھی اور مصر اور فلسطین کے درمیان اتنا لمبا فاصلہ بھی نہ تھا - اسواسطے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تعلیم مصر میں پھیلتی گئی - اس لیے مصر کا حکام طبقہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی جماعت سے خائف رہتا تھا - کہ کہیں یہ ملک مصر پر قبضہ نہ جمالیں - کیونکہ حضرت ابراھیمؑ کی تعلیم اور تہذیب چاروں طرف پھیل رہی تھی - (اسکا) آپ کا بڑا بیٹا اسماعیلؑ حجازی عربوں کا حاکم اور پیشوا تھا - اسکا اثر بندر عقبہ - یمن اور تہامہ اور نجد پر پڑ رہا تھا - اور خود حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تعلیم کا اثر مصر اور عراق پر پڑ رہا تھا - حضرت اسحاقؑ اور یعقوبؑ نے بھی اس سلسلہ تعلیم و تہذیب

حضرت اسحاق و یعقوب علیہم السلام نے حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم و تبلیغ کی اشاعت کو جاری رکھا۔

کی اشاعت کو جاری رکھا۔ جسکا اثر یہ ہوا کہ مصر کے علاقہ میں جماعت برابر بڑھتی رہی۔ اِن بزرگوں کی جماعت کو مصر میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اب مصر میں حضرت یعقوبؑ کے زمانے میں کافی جماعت پیدا ہوگئی تھی۔ مگر انمیں تنظیم نہ تھی۔

حضرت یوسفؑ کا منتشر جماعت میں تنظیم پیدا کرنا۔

اُن کو ایسے تدبر کی ضرورت تھی جو انمیں تنظیم پیدا کرکے ایک ہی لڑی میں پرو دے۔ یہ پراگندہ موتی اور جواہر تھے۔ جنکو حضرت یوسفؑ جیسے مدبر کی ضرورت تھی۔ جو اُن کو ایک تسبیح کے رشتہ میں پرو دے۔ اسلئے حضرت یوسفؑ کو تدبر الٰہی سے مصر میں پہنچایا گیا۔ اور حضرت یوسفؑ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ مصری قوم یہ برداشت نہ کرسکیگی کہ اُن پر دوسرے ملک کی جماعت حکومت کرے۔ کیونکہ ایک قوم دوسری قوم کے ماتحت رہنا پسند نہیں کرتی۔

حضرت یوسفؑ کا حسب نسب کا مخفی رکھنا۔

اسلئے یوسف علیہ السلام نے مصر پہنچ کر اپنا حسب نسب مخفی رکھا۔ اور خود بھی مصری بن گئے تو عقلمند طبقہ نے یوسفؑ کی باتوں کو پسند کرلیا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عقلمند طبقہ میں تنظیم پیدا کردی اور اس جماعت کو بڑھا کر ملک مصر کی اعلیٰ خدمت کی۔

اجتماعیت پر غور کرنے والے فلاسفر اس طرح غور کریں گے اور ایک سلسلہ قائم کریں گے۔ مگر انفرادیت کے قائل بھی ہوجائیں گے۔ اور کہیں گے حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں پہنچکر جو منتر جنتر سے معجزات سے یہ کام کردیا۔

حالانکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ ملک مصر ہی ہے۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اعلیٰ تدبر اور جلیل القدر اولی العزم نبی کو کامیابی نہ ہو سکی۔ پھر اس ملک میں حضرت یوسفؑ کو کامیابی ہوتی ہے۔ تو اجتماعیات کے فلاسفر عالم یہ کہیں گے کہ یہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے مسلسل کام کا نتیجہ اور اثر تھا۔ کہ اس ملک میں بڑی جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ اگرچہ وہ جماعت غربا طبقہ میں سے تھی۔

عقلمند الغلامی تو یوں غور کرینگے کہ یوسفؑ کی کامیابی بھی اس جماعت کی کامیابی تھی۔ جو کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے تیار کی تھی۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں ہیں۔ لعد اس کی جماعت کا رکن بھی مصری ہے۔ ایک نظریہ پر کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی نظریہ ہے۔ جو کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کا تھا۔

اب اسکے لبد خود حضرت یعقوبؑ اور اس کے فرزندان مع اپنے اولاد کے ملک مصر میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ تو معزز مہمان کی طرح ان کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اور ان کی تعلیم اور احکام بوساطت حضرت یوسفؑ مکمل ہو چکی تھی۔ اب اس تعلیم وتہذیب کو بین الاقوامی کرنے کیلئے حضرت ۔۔۔۔۔ کی ضرورت تھی کہ مصر اور فلسطین اور شام اور حجاز حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم وتہذیب کا گہوارہ بن جائے۔ یہاں سے بین الاقوامی نظریہ کی ابتداء شروع ہو گئی۔

مدینہ منورہ میں۔
اسلامی تہذیب کا بیج ایاس بن معاذ نے ۱۱ بنوت میں بویا

مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً میں اسلامی تعلیم اور تہذیب کا بیج حضرت ایاس بن معاذؓ نے ۱۱ بنوت میں بریا تھا۔ اور گیارھویں سال بنوت کے انصار مسلمان ہونا شروع ہوئے اور بارھویں سال بنوت کے جم غفیر اور جماعت عظیم مسلمانوں کی مدینہ منورہ میں پیدا ہوگئی۔ اب اجتماع اسلامی کو انصار نے پیدا کردیا۔ اور جمعہ کا دن بھی مقرر ہوگیا۔ یعنی اہل شورا کے اجتماع کا دن مقرر ہوگیا۔ اس دن جمعہ کے بڑے بڑے اہم کام سرانجام کرنے کیلئے جمع ہوتے تھے۔

نبی صلعم کا اجتماع کو ترقی دینا (بحیثیت ایک فرد)

تیرھویں سال بنوت آنحضرت صلعم مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ آپ بھی اس اجتماع کے ایک فرد ہوکر اس اجتماعی کام کو ترقی دینے لگے۔ آپ نے اپنا درجہ جمہوریت سے زیادہ بڑھنے نہ دیا۔ اگرچہ صحابہ کرامؓ انصار خواہ مہاجرین اپنا سب سے بڑا سردار اور بادشاہ خاتم النبیین آنحضرت صلعم کو سمجھتے تھے۔ ان پر جان مال اولاد قربان کرنا۔ ایمانی جذبے کا ادنی کرشمہ اور شعار ایمانی تھا۔ مگر ہر ایک معاملہ میں آنحضرت صلعم ان کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔

بحیثیت جمہوریت ترقی اور تنظیم۔

تمام معاملات میں انصار کی رائے کا احترام۔

اور اپنی فوقیت کبھی نہ جتاتے تھے۔ بیٹھنے اٹھنے میں ان سے مساوات کا معاملہ برتتے تھے۔ جنگ بدر انصار کی بڑائی رائے سے لڑی گئی۔ اور احد اور خندق میں بھی انصار کی رائے کا زیادہ دخل تھا۔ اور بنی قینقاع اور بنی نضیر کی جلاوطنی میں ان کا لحاظ رکھا گیا۔ اور بنی قریظہ کے قضیہ کا فیصلہ بھی انصار نے کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار سے ہوتا۔ اور فرمایا

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ممبر کی حیثیت سے اجماع

کہ میری حیات وممات انصار کے ساتھ ہے۔ الغرض کہ انصار نے اجماع کو قائم رکھا اور اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس اجماع کے ممبر رہ کر دین اسلام کی تعلیمات کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ[1] ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔[2]

اس کے بعد سورۃ یوسف کی تمہید بیان کرتے ہیں۔ واللہ المستعان

تمہید ۱

سورۃ یوسف کا مضمون سمجھنے کیلئے تھوڑا سا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کا نصب العین اور اسپرٹ کیا تھا۔

ایک انقلابی عقلمند آدمی کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ جس کو پیش نظر رکھکر اپنا پروگرام تیار کرتا ہے۔ پھر اسکے لئے اپنی جان۔ مال بلکہ اولاد کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اسکو نہ دولت دنیا کی محبت نہ والدین و اولاد کی محبت اور نہ کسی حکومت کا رعب روک سکتا ہے۔ صحیح نظریہ اور صحیح نصب العین رکھنے والی جماعت کو قرآن مجید نے مومنوں اور اولی الالباب کے خطاب سے مخاطب فرمایا ہے۔ صحیح نظریات پر انقلاب کرنے والی جماعت کا جب اسپرٹ عالمگیر ہو۔ اور کل انسانی ذات کو صحیح ارتقاءات اور اقترابات پر چلانا مقصود ہو۔ تو ان کو ایسی جماعت تیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن کا نظریہ ایک ہموار سطح پر ہوتا ہے۔ آپس اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ لاشرقی میں عوجًا ولا امتا[3]

[1] المائدہ ۵ : ۱۱۹ [2] الجمعۃ ۶۲ : ۴ [3] طٰہ ۲۰ : ۱۰۷

ایسی جماعت تیار ہوجانے کے بعد ہی ایک عالمگیر انقلاب کی منزلیں طے ہوسکتی ہیں۔ وحدت نظریہ والی جماعت کو حنفیہ علماء اسطرح تعبیر کرتے ہیں کہ الایمان لایزید ولاینقص۔ یعنی ایمان ایک ایسا بلند نظریہ ھے۔ اور اٹبدیل ھے۔ جو نہ بڑھ سکتا ھے۔ اور نہ کم ہوسکتا ھے۔

حضرت ابراھیمؑ کا خاندان اور اُن کے اختیارات

حضرت ابراھیمؑ ایک بڑے خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے باپ بتوں کے (پروھت) تھے۔ جنکے اختیارات بڑے وسیع تھے۔ جنکی مثال یورپ سے اچھی طرح ذھن نشین ہوسکتی ھے۔ پوپ کو بھی یورپ میں ایسے وسیع اختیارات تھے۔ کہ بادشاہوں کا تقرر اور معزولی اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ تو آذر کے اختیارات بھی بعینہٖ اس طرح کے تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے سیاسی افکار

حضرت مولانا سندھی قدس سرہٗ اپنے سیاسی افکار میں فرماتے ہیں کہ کئی ہزار سال پہلے کی بات ھے۔ کہ دجلہ اور فرات کے وادی میں تمدن اپنے عروج پر تھا۔ اس تمدن کے حامل صابی عقیدت کے لوگ تھے۔ یہ مظاہر قدرت کی پرستش کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک۔ چاند، ستارے، سورج خُدا کے مظاہر تھے۔ یہ لوگ مندروں میں اُن کے بُت بناتے تھے۔ اور اُن کی پوجا کرتے تھے۔ طبعی طور پر بت پرستی سے پجاریوں کا گروہ وجود میں آیا۔ اور سلطنت نے اپنے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس گروہ کی سرپرستی کی۔

بادشاہ خدا یا مظہرِ خدا قرار پایا۔ اور پجاری اس کے دست و بازو بنے جس طرح تاریخ کے ہر دور میں ہوتا چلا آیا ہے۔ ان لوگوں نے بھی مذہب کے نام پر عوام کی ذہنی اخلاقی۔ معاشی لوٹ کھسوٹ شروع کی۔ ہر تمدّن ایک خاص فکر کا مادی نتیجہ ہوتا ہے۔ جب رات، دن کا پلٹ (جیر گیر) اس تمدن میں فتور پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کے سماج کے قوائد اور ضابطے انسانوں کی صلاحیتوں کو ابھرنے نہیں دیتے۔ تو طبیعت نئی فکر اور تمدن اور نئے قوائد کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں ہی میں سے کوئی فرد یا جماعت اٹھتی ہے۔ جو پہلے تمدن اور نظام معاشرت کو جو فرسودہ اور بیکار ہو چکا ہوتا ہے۔ اسکو غلط ٹھہراتی ہے۔ اور نئے افکار اور نئے اصولوں پر زندگی کی طرح ڈالتی ہے۔ اور نیا فکر پہلے نظام فکر سے اصولاً مختلف نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی ایک نئی ترقی یافتہ شکل ہوتی ہے۔ پہلا فکر اپنے مقام پر درست اور مناسب تھا۔ لیکن جب اس فکر کی اساس پر ایک تمدن بنا اور ایک منزل پر جا کر وہ زمانے اور ماحول کی ضرورتوں کے مقابلہ میں ناکافی ثابت ہوا تو مصلحت الٰہی متقاضی تھی۔ کہ اس پہلے فکر سے وسیع تر اور بلند تر کوئی فکر عرصۂ وجود میں آئے۔ اور ظاہر ہے تمدن کی جو عمارت اس فکر کی بنیادوں پر بنے گی (بنیگی) وہ پہلے سے اعلیٰ و ارفع ہوگی۔

اس صابی تمدن کے ساتھ (حذف) جس کا مظہر اس وقت نمرود بادشاہ اور اس کے پجاری تھے۔ اس تمدن کے ایک فرد ابراہیمؑ نے آواز بلند کی۔ اسے حسنِ اتفاق

سمجھے کہ اس شخص کا اپنا خاندان بھی پوجاریوں میں سے تھا۔ اس صابی فکر کے ناقص ہونے کی دلیل اور کیا ہو سکتی تھی۔ کہ خود اس فکر کے علمبردار جماعت کا رکن اس سے بد ظن ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کہ چاند، سورج اور ستارے جنکو تم خدا سمجھ بیٹھے ہو۔ یہ تو خود فنا پذیر ہیں۔ نکلتے ہیں۔ اور پھر ڈوب جاتے ہیں۔ خدا تو ان سب کا خالق ہے۔ اگر پوجنا ہے تو اسکو پوجو۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب یہ چاند، سورج اور ستارے خدا نہیں تو انکے بت بنا کر پوجنا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اور ان کے بتوں کی پوجا غلط ہے تو یہ پجاری۔ ان کا اقتدار اور تقدس بھی غلط اور لغو ہے۔ اور پھر ان کے بل بوتے پر نمرود جو خدائی کر رہا ہے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ صابی فکر کے مظہر بادشاہ۔ پجاری اور بت تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو فکر پیش کیا۔ وہ ان سب کو حرف غلط کی طرح مٹانا چاہتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کا خاندان خطارے ماوراء تھا۔ اس لیے اس کے نام کا بت بنانا ناممکن تھا۔ جسکے برعکس صابی تمدن کی کل کائنات بتوں اور بتوں کی پرستش پر مرکوز تھی۔ اور اس سے ان کی سیاسی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے یہ سارے فتنے اٹھتے تھے۔

الغرض انسانیت کی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک نئے دور کے بانی بنتے ہیں۔ اس دور کو ہم حنفیت کا نام دیتے ہیں۔ انسانی فکر کی ابتدائی صورت صابیت تھی۔ اس منزل سے آگے بڑھی تو حنیفی دور میں

داخل ہوئی - حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی تھی - قوم نے اسے قبول نہ کیا - بیٹے تو انہیں ورغلانے کی کوشش کی - لیکن جب ادھر سے عزم بالجبر کا اظہار ہوا - تو قوم حضرت ابراھیم علیہ السلام کے جان کے درپے ہوگئی - آپ نے دیکھا کہ دجلہ اور فرات کی وادی میں صابی فکر اتنا راسخ ہو چکا ھے - اور لوگوں کی ذھنیت اس قدر مسخ ہوگئی ھے - کہ وہ حنیفیت کی پاکیزہ اور بلند فکر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو اپنے وطن اور قوم سے ھجرت کی ٹھان لی - چنانچہ آپ عراق سے شام آئے اور پھر فلسطین سے مصر بھی گئے اور وہاں سے لوٹے تو فلسطین میں اپنے لیئے بستی بسالی -

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے خاندان کیلئے جو جگہ پسند فرمائی تھی وہ جغرافیائی اعتبار سے ایک عالمگیر اور بین الاقوامی فکر کے پروان چڑھنے کیلئے بہت مناسب اور موزوں تھی - فلسطین اور اس کے اردگرد کا علاقہ جسے ہم آجکل مشرق قریب یا مشرق وسطیٰ کہتے ہیں - صدیوں سے مشرق اور مغرب کے ملانے میں بیچ کی کڑی کا کام دیتی رھی ھے - مشرق کا سامان تجارت اسی علاقہ کے راستے یورپ کو جاتا تھا - اور ظاہر ھے سامان تجارت کے ساتھ ساتھ خیالات اور افکار بھی جاتے ہوں گے - چنانچہ دنیا کی بڑی تہذیبیں جنہوں نے سارے عالم کو اپنے اثر میں لانے کی کوششیں کیں - اگر مشرق قریب (مشرق وسطیٰ) یا اسکے ساتھ سمندروں اور بحیرہ روم سے اٹھیں اور ہر تہذیب اور سلطنت جس نے بین الاقوامی قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لینے کی طرف قدم بڑھایا - اس

سے پہلے ان ممالک کو قابو کرنے کی کوشش کی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت بھی ہے کہ جس کے قبضہ میں یہ ممالک ہوں۔ وہی بین الاقوامی فکر کی قیادت کرتا ہے۔ اسے زمانے کا اتفاق کہیے یا حکمت خداوندی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی مرکزی زمین کو اپنے خاندان کا وطن بنایا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ ابراہیمی ملت بڑھتی اور پھیلتی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام خاندان سمیت مصر چلے گئے۔ اس ملت کی ابتداء حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی۔ بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملت ابراہیمی کو رنگ دیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے۔ انہوں نے ابراہیمی دین کی تجدید فرمائی۔ آخر میں اسلام آیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فکر کا نقطہ کمال ہے۔ یہودیت اور عیسائیت کے سلسلہ ارتقاء کی آخری کڑی ہے۔ ان دینوں میں قرآن اور اسلام کی حیثیت ایک میزان اور کسوٹی کی ہے۔ کیونکہ وہ آخری ترین کتاب اور دین ہے۔ جو ملت ابراہیمی کی صحیح ترین ترجمانی کرتا ہے۔ (ماخوذ از افکار مولانا امام عبید اللہ سندھی قدس سرہٗ)

حضرت ابراہیمؑ اعلیٰ دماغ اور خداداد قابلیت کے مالک تھے۔

حاصل کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن سے بڑا اعلیٰ دماغ اور خداداد لیاقت عطا ہوئی۔ اور وہ ہر ایک بات کو نہایت تدبر سے غور کرکے سوچتے تھے۔ اس واسطے ان کا ایمان بتوں سے اٹھ گیا۔ اور نفرت پیدا ہوگئی۔ آخر ان کو ملک اور قوم کی ذہنیت کا نقشہ بدلنے کیلئے بتوں کو توڑنا پڑا تاکہ جس سے شرک کی بنیاد ملک بابل میں سے نکل جائے۔ اور شرک دور ہوجائے۔ اور سوچنے کا مادہ قوم میں

مشرک قوم سے سوچنے کا مادہ ختم ہو جاتا ہے آہ

اور خود اپنی خودی فنا ہوجاتی ہے۔

پیدا ہوجاتی ہے۔ کیونکہ شرک جماعت سے سوچنے کا مادہ بالکل فنا ہوجاتا ہے۔ شرک ہی عقلمندوں کی جماعت کو اکیثیتر رجعت پسند بنا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں پر اعتماد پیدا ہوجاتا ہے۔ جس سے خود اپنی خودی فنا ہوجاتی ہے۔

حضرت ابراہیم کے نام کا مطلب:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لیاقت خود اس کے نام سے ظاہر ہوتی ہے۔ سامی جماعت اس نام کا مطلب رب رحیم یا مہربان باپ لیتے ہیں۔ مگر صابی جماعت برحم یعنی مجسم علم مراد لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نہایت عقلمند اور مجسم علم تھے۔ جب

حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کا توڑنا اور آگ میں ڈالا جانا۔

انہوں نے بتوں کو توڑ ڈالا تو اس وقت کے زمانہ قانون کے مطابق یہ سزا تھی۔ کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے۔ مشرک صابی آگ کو ایک الگ دیوتا مانتے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال دیا۔ تو اللہ تعالیٰ رحیم نے اپنی حکمت سے آسمیں ایسی

حکمت ربی سے آگ سے کوئی گزند نہ پہنچا۔

فضا پیدا کر دی۔ کہ آگ کی گرمی ختم ہو گئی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ جس سے مشرک لوگ بابل کے حضرت ابراہیمؑ کی عظمت کو مان گئے۔ مگر چونکہ شرک ان پر غلبہ کر چکا تھا۔ اور انمیں سوچ اور فکر کا مادہ فنا ہو چکا تھا۔ اسلیئے وہ بتوں کی پرستش کو چھوڑنے کا خیال بھی نہ لا سکتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کو ملک چھوڑنے کا مشورہ۔

ان سب نے حضرت ابراہیمؑ سے عرض کیا کہ مہربانی کر کے ملک سے نکل جاؤ۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ سب بھلے گوڑے ہیں۔ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تو مجبوراً ان کو ملک چھوڑنا پڑا۔ اور دوسرا مرکز تلاش کرنا پڑا۔ جسکا مفصل ذکر پہلے بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ مصر تشریف لے گئے۔ اور پھر وہاں سے لوٹ کر

آپؑ کا سرزمین فلسطین میں رہائش پذیر ہونا

فلسطین کی سرزمین (جس پر ڈیرہ ڈال دیا۔ اور ایک کنواں کھود دیا۔ اور وہاں بود و باش

ا۔

اختیار کی۔ اُن کے پاس ہر قسم کا چوپایہ مال مویشی بھی تھے۔ اس وقت کے بہت سے لوگ مرید اور معتقد ہوگئے۔ چنانچہ لوط علیہ السلام اپنے چچا زاد بھائی کو شرق اردن میں رہنے کا حکم دیا۔

مخالف قبائل کا حضرت لوط کا مال اسباب لوٹنا۔

شام اور اردگرد کے (زور دار) طاقتور قبائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالف ہوگئے۔ انہوں نے لوط علیہ السلام پر حملہ کرکے اُن کا مال اسباب لوٹ لیا۔ مخالف قبائل کا سردار لاالدن عمر تھا۔ مراد شام میں اسکا بڑا اقتدار تھا۔

حضرت ابراہیم کا لاالدن پر حملہ کرکے لوط کے مویشی چھڑا لانا۔

جب حضرت ابراہیمؑ کو خبر ہوئی۔ تو اپنی طاقتور جماعت سے لدلان عمر اور اُن کے قبائل کے بادشاہ تسلیم کیے جانے لگے۔ اور سب قبائل اُن کو اپنا سردار ماننے لگے۔ مگر یہ طاقت سوشل نوعیت کی تھی۔ جیسے صوفی اولیاء کسی جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ تو اُن کے اردگرد کے لوگ مرید اور معتقد ہوجاتے ہیں۔ اور دور دور تک اُنکا اثر پھیل جاتا ہے۔ اسطرح کا حال فلسطین اور شام میں حضرت ابراہیمؑ کا سمجھا جاتا ہے۔

اس کامیابی سے آپ کا شام اور فلسطین کا بادشاہ تسلیم کیا جانا۔

متمدن دنیا کی حکومت کی خواہش۔

مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بڑی خواہش یہ تھی۔ کہ اُن کو بڑی پولیٹیکل طاقت حاصل ہو۔ اور اُن کی حکومت متمدن ہو۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکومت کا ابتدائی کام وہاں تیار کرلیا تھا۔ کہ جاہل قبائل کو دینی پالنا اور اُن کے گلے (جوانا) چرانا اور تجارت کرنا اور مویشیوں کیلئے دو چار سال چارہ رکھنا سکھا دیا تھا۔ اور آپس میں مل بیٹھ کر صلح اور اصلاح سے کام کرنا سکھا دیا تھا۔ مگر چونکہ جنگلی اور صحرائی لوگوں کی عقل موٹی ہوتی ہے۔ اسلئے وہ اپنی ہستی کو کچھ نہیں جانتے۔ اور

اُن میں خودداری بہت کم ہوتی ہے۔ اسلئے جو بھی زبردست سردار ہو۔ اُسکے ہر حکم پر لبیک کہنا چاہیے۔ اپنی عقل کو بہت کم دخل دیتے ہیں۔ اس واسطے انہیں تعلیم کو ضبط کرنا (تمام) بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر متمدن لوگ اگر بات کو سمجھ جائیں (جاویں) تو اس پر فلسفہ کی کتابیں لکھکر اور متمدن حکومت قائم کرکے ایک پختہ تعلیم بنا دیتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ایسی خواہش حضرت ابراھیم علیہ السلام کے دل میں تھی۔ ایسی متمدن حکومت قائم کی جائے (کرنے کی تھی) جیسے مصر اور بابل کی حکومتیں تھیں۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی بیوی جو کہ مصر کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس سے پہلا (پہلوٹا) بیٹا پیدا ہوا۔ جسکا نام اسماعیل رکھا (یعنی میری خدا نے سنی) پھر الہام ہوا کہ اس بیٹے کی اولاد کو اللہ بہت بڑھائیگا۔ اور اُسکی اولاد سے بارہ بڑے بادشاہ ہونگے۔ جس سے تیری ملت عالمگیر صورت اختیار کریگی۔ اور ہر ایک بڑے قبیلے والا ہوگا (ہونگے)۔ پھر حکم ہوا کہ اس کو بیابان (یعنی ویران) میں فاران کے پہاڑوں میں لیجا کر آئے (اپنے سبب) اس وجہ سے حضرت ابراھیم[4] بہت غمگین رہنے لگے۔ کیونکہ فلسطین جسکو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنا مرکز بنایا تھا۔ اور بڑی جماعت اپنے نظریہ پر بنائی تھی۔ اس جگہ اس سلسلہ کو چلانے والا نہ اپنی اولاد سے اور نہ جماعت سے نظر آتا تھا۔ پھر بہت مدت کے بعد اللہ جل شانہٗ کا حکم ہوا۔ کہ اس پہاڑ (بیت المقدس کے پہاڑ (جبل) پر چڑھکر ملک شام کو دیکھو۔ کہ یہ تمام ملک تیری

اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ ہمیشہ کیلئے عطا کروں گا - پھر فرشتے آکر بشارت دیتے ہیں کہ تیرے لئے بیوی سارہ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوگا جس کا نام اسحاق رکھنا اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوگا جیسے قرآن حکیم میں ذکر ہے فبشرناہ باسحاق ومن ورائی اسحاق ویعقوب - سورہ ہود

حضرت ابراھیم علیہ السلام کو بشارت -

حالانکہ اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور بیوی سارہ تو بانجھ (عقیم) تھی - اس بشارت کا مطلب تھا کہ یعقوب علیہ السلام کے ذریعہ تمہاری اولاد میں بڑی متمدن حکومت پیدا ہو جائیگی جس سے تیری ملت کو فروغ ہوگا تو اسطرح حضرت ابراھیم علیہ السلام کو دلی اطمینان ہو گیا اور انکو معلوم ہو گیا کہ حکومت کرنے والی سمجھدار اولاد یعقوب علیہ السلام سے ہو گی اور اسوقت جماعت میں بڑی طاقت بھی پیدا ہو جائیگی -

بشارت سے حضرت ابراھیم علیہ کو دلی اطمینان ہو گیا کہ حکومت کرنے والی سمجھدار اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہو گی -

حاصل کلام - حضرت ابراھیم علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام نے اس سلسلہ کو جاری رکھا اور انکو بھی نبوت عطا ہوئی - اسطرح اللہ تعالیٰ کی مدد شامل رہی -

حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے پروگرام کو جاری رکھا اور انکو بھی "نبوت" کے منصب پر فائز کیا گیا

حضرت اسحاق علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے اور ملت ابراھیمی کو بڑھانے کی کوشش میں بڑی ہمت سے کام کرنے لگے اور اپنے دادا کے مشن جاری کردہ مشن کو جاری رکھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ساتھ کئے گئے وعدہ کے مطابق انکی اولاد میں سے بڑا بادشاہ متمدن علاقہ کا پیدا ہوگا جو تہذیب اور تمدنِ ابراھیمی کو رائج کریگا[1] -

[1] - رواج دیگا -

عموماً بڑے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے شہزادے فقط اپنی فوقیت اور برتری کا ہی خیال رکھتے ہیں اور ان کی اصل تعلیم کیطرف متوجہ نہیں ہوتے۔

مگر جب اپنی اولاد کا حال دیکھتے تو تسلی نہ پاتے۔ کیونکہ ان کے بیٹے بالکل ایسے ہی تھے جیسے بڑے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے شہزادے ہوتے ہیں جو کہ فقط اپنی فوقیت اور برتری کا ہی خیال رکھتے ہیں اور اپنے باپ میں بھی نقص نکالتے ہیں اور ان کی اصل تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ لہو و لعب اور دنیاوی جاہ و حشمت کی طرف ان کی ساری رغبت ہوتی ہے۔ اِلَّا ماشاء اللہ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے غمگین رہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بیٹے ان کی تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہوتے بلکہ فقط خاندانی فوقیت پر اتراتے تھے۔

اسی طرح جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے بیٹے ان کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دیتے بلکہ جماعت میں ہر ایک اپنی اپنی معتبری قائم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں[1]۔ فقط خاندانی فوقیت کو کافی سمجھ کر اتراتے رہتے ہیں۔ اس سبب سے غمگین رہتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ہوش سنبھالا تو باپ کو نبی اللہ سمجھ کر پوری پوری اطاعت کرنے لگے جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ یہ بیٹا متمدن بادشاہی قائم کریگا۔

جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو اپنے باپ کی تعلیم کو سب سے مقدم جاننے لگے اور باپ کو نبی اللہ سمجھ کر پوری پوری اطاعت کرنے لگے[2]

؎ این سعادت بزور بازو نیست - تانہ بخشد خدائے بخشندہ[3]

جس سے اب حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ یہ بیٹا متمدن بادشاہی قائم کریگا۔ اسی واسطے اپنی ساری توجہ اسی کی طرف پھیر دی اور نہایت تندہی سے اسی کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہو گئے۔

۱- لگا رہتا ہے۔
۲- لگے رہتے ہیں
۳- سعدی مصلح الدین - گلستاں -

ص مطبوعہ سنہ

مرشد کامل اور سچے مرید کے درمیان پُرخلوص تعلق - مرید کے قلب کا تعلق عالم مثال سے جوڑ دیتا ہے اور وہاں کے واقعات اسکے دل پر ظاہر ہونے لگتے ہیں

اب حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا مرشد کامل ہو اور حضرت یوسف علیہ السلام جیسا صاحب استعداد شاگرد و مرید ہو تو پھر کیا نقص باقی رہ سکتا ہے جیسے جیسے وہ توجہ کرتے جاتے تو ویسے ہی حضرت یوسف علیہ السلام ظاہری و باطنی تربیت حاصل کر کے کمال کو پہنچتے جاتے تھے - حتیٰ کہ انہوں نے تعلیم پوری طرح حاصل کر لی اور چھوٹی سی عمر میں ہی آسمانی راز اور زمینی انتظامی کام کو سمجھ گئے -

کمالیت کے مدارج یہانتک طے کر گئے کہ عالم مثال سے اُس کا تعلق پیدا ہو گیا اور حظیرۃ القدس[1] اور ملاء اعلیٰ[2] کے رموز کو سمجھنے لگ گئے اور تعلق باللہ کے ذریعے ان پر قلبی الہام ہونے لگا اور عالم مثال کے واقعات کا انکشاف ہونے لگا۔

یا ابت انی رائیت احد عشرا کوکبا -

جو واقعات عالم ارواح سے منتقل ہو کر عالم مثال میں نمودار ہو جاتے ہیں تو جن اولیاء اللہ کا تعلق عالم مثال سے ہوتا ہے انکو وہ نظر آنے لگتے ہیں پھر وہ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعات عالم شہادت میں پیدا ہو جائیں گے[3]

ایضاً -

[1] The Sacred Fold

[2] The Higher Assembly

[3] حجتہ اللہ البالغہ - امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی باب ---

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے پاک قلوب دور بین ہوتے ہیں - انہیں عالم مثال کے مکاشفات کیلئے تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی

مثال - ایک شخص کے پاس بہت بڑی دور بین ہے - اور وہ بڑے اونچے پہاڑ پر چڑھکر کہتا ہے کہ اب ایک جہاز سمندر میں ہماری طرف آرہا ہے جو کہ فلاں وقت بندرگاہ پر پہنچ جائیگا - اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے قلوب پاک اور اہل اللہ کے قلوب پاک دور بین ہوتے ہیں - عالم مثال کے مکاشفات کے لیے تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی - کیونکہ

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے ہم نشینوں کو بسبب برکت صحبت عالم مثال کے واقعات دھند کی طرح منکشف ہو جاتے ہیں - ایسے لوگوں کے مکاشفات کیلئے تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے

عالم ارواح سے جو واقعات یا اشخاص منتقل ہو کر عالم مثال کے تختہ پر منقش ہو جاتے ہیں تو انمیں سب اوصاف مادہ کے جیسے طول عرض - عمق رنگ وغیرہ موجود ہوتے ہیں فقط مادہ نہیں ہوتا - عالم شہادت میں فقط مادہ زیادہ ہوتا ہے - اسلئے مکاشفات عالم مثال کیلئے تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی -

عالم مثال یا عالم ارواح کے مکاشفات کو عام طور[1] پر رویاء کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں - جیسے قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ -

وماجعلنا الرویاء التی اریناك الا فتنة للناس [2]

معراج کو رویاء سے تعبیر کرنے کی قرآنی توجیہ — شب معراج کا نظارہ چونکہ عالم بالا عالم مثال اور عالم الغیب کا نظارہ تھا اسلئے حقیقت ہونے کے باوجود اسکو رویاء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے -

اس آیت سے (علمائے تفسیر[3]) شب معراج کا نظارہ مراد لیتے ہیں یہ کوئی خواب نہ تھا بلکہ حقیقت تھی چونکہ عالم بالا اور عالم مثالی اور عالم الغیب کا نظارہ تھا - اسلئے اسکو رویاء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے -

ا - طرح

۲ - بنی اسرائیل - ۱۷: ۶۰

۳ - عالم مفسرین

مولانا کی رائے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ستاروں۔ چاند و سورج کے سجدہ کرنے کا واقعہ عالم ملکوت کا مشاہدہ تھا۔

اسطرح ہماری رائے (یہ) ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کا گیارہ ستاروں اور سورج و چاند (...)[1] کے سجدہ کرنے کا واقعہ عالم ملکوت کا مشاہدہ تھا۔ جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی کمالیت میں یہانتک درجات طے کر چکے تھے)[2] کہ عالم ملکوت اور ملاءِ اعلیٰ اور حظیرۃ القدس سے اُن کا قوی تعلق ہو گیا تھا۔

یہ درجہ قطب الارشاد کا ہوتا ہے۔ یہ درجہ انبیاء علیہم السلام کے وسیلے اُنکے تعلیم یافتہ اذکیاء جنکو صوفیاء کرام قطب الارشاد کہتے ہیں۔ انکو بھی حاصل ہو جاتا ہے

"نبوت" وھبی درجہ ہے

نبوت وھبی درجہ ہے۔ اسطرح جب حضرت ابراھیم علیہ السلام اور اُنکے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب ان کے بعد دیگر مسلسل بلندپایہ کے نبی ایک ھی جگہ یعنی فلسطین میں کام کرتے رہے۔

مانا کہ وہ لوگ فلسطین اور شام کے قبائلی تھے اور بڑی سمجھ والے نہ تھے۔ اور اتنے دور اندیش بھی نہ تھے پھر بھی ان بزرگوں کے فیضان سے ان کی حالت کافی حد تک سدھر چکی تھی۔

۱۔ کا
۲۔ طے کر چکا تھا۔

ان کی جماعت دن بدن ترقی کرتی گئی - اس کا اثر چاروں
طرف دوسرے ممالک میں بھی پھیل گیا -
ان کی اُمتیں دوسرے ممالک میں بھی کافی پھیل گئیں [1]
کیونکہ یہ حضرات ملکیہ صفات والے اور بڑے سخی تھے -
اور سمجھدار تجارت والے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے [2]
اور تجارت کے مال کے ساتھ ساتھ ان کی تہذیب کو بھی اور
ملکوں میں پھیلاتے تھے -

ہندوؤں اور چینیوں کے بہت سے نظریے اور افکار ملت ابراھیمی ؑ کے اساسی نظریے معلوم ہوتے ہیں -

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان کے بہت سے نظریے
اور افکار ہندوؤں اور چینیوں کے ایسے ملتے ہیں جو کہ
ابراھیمی ملت کے اساسی نظریے معلوم ہوتے ہیں -
جیسے تقدیر کو ماننا اور توحید الٰہی وغیرہ کے عقیدہ کو اصولی
طور پر ماننا یہ سب حضرت ابراھیم علیہ السلام کی ملت سے
ماخوذ معلوم ہوتے ہیں -

غیر منظم مصر کی جماعت کو صراط مستقیم پر چلانے کیلئے لیڈر کی ضرورت تھی -

حتیٰ کہ مصر کے ملک میں بھی ان کی کافی جماعت پیدا ہو چکی تھی
مگر غرباء اور پھر غیر منظم تھے - ان کو ایک صحیح راستہ پر چلانے
والے لیڈر کی ضرورت تھی جو کہ ان کو منظم کر کے صراط مستقیم
پر چلائے

تکمیل تعلیم کے بعد حضرت یوسف کا مصر بھیجا جانا

ادھر یوسف علیہ السلام نے اپنے بزرگوں کی تعلیم مکمل کر لی تھی اور بڑے امام
بن چکے تھے - اسلئے ان کو مصر کی طرف (بھیجا گیا) [4]

حضرت اسحاق و یعقوب ؑ کی جدوجہد نے شام کو ملت ابراھیمی کی برکات سے نوازا -

حقیقت اور اصلی رمز یہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام
کی جدوجہد سے شام کا تمام علاقہ ملت ابراھیمی سے رنگین ہو گیا تھا -

۱ - گئی
۲ - رہتے تھے
۳ - نکلسم
۴ - رخ دیا گیا

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آپ کے فرزندوں کی جہد مسلسل کا نتیجہ —— مصر و بابل کی تہذیب و تمدن کا خاتمہ اور ملت ابراھیمی کا احیاء۔

اور اس کے متصل علاقہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان[1] کے فرزندوں اور جماعت کی جدوجہد سے ملت ابراھیمی کا گہوارہ بن جانے سے مشرق وسطیٰ (جتنا[2]) بڑا علاقہ بحر ذخار ملت ابراھیمی ہوگیا۔ کہ ایک طرف اس کی موجیں مصری تہذیب و تمدن کو فنا کررہی تھیں۔ اور (دوسری[3]) طرف بابل کے[4] فرسودہ عقائد ملیامیٹ ہورہے تھے[5])

مصر اور فلسطین کے درمیان کوئی بڑی مسافت نہ تھی دونوں ملکوں کی سرحدیں آپس میں ملتی تھیں۔ اسلئے مصری قوم ملت ابراھیمی کی دلدادہ ہوگئی۔

اقدار سے عاری عقل انقلاب نہیں لا سکتی پیغمبر اور تربیت اقدار والی عقل سکھاتا ہے اور قوموں کی زندگی میں اصول یہ ہے کہ استعداد اور چاہت پیدا ہو جائے تو اصلاح کے اسباب اللہ تعالےٰ پیدا کر دیتا ہے۔

مفسرین قرآن حکیم (کی آراء[6]) سے معلوم ہوتا ہے (کہ) ارکان دولت مصر بہ دل سے چاہتے تھے اور موقع کی تلاش میں تھے کہ کوئی مصری قوم میں ایسا عقل مند پیدا ہو جائے جو کہ ملت اور تہذیب و تمدن ابراھیمی کے اصولوں پر مصری سلطنت (کی عقلمندی[7]) سے کایا پلٹ دے۔ اور غرباء میں اگرچہ کافی جماعت پیدا ہو چکی تھی مگر وہ عقل مند صاحب اقتدار نہ تھے۔ اس لئے اگر یوں کہا جائے کہ مصری ذھنیت کی کشش نے یوسف علیہ السلام (کو[8]) مصر میں پہنچایا تو درست ہوگا۔

۱۔ اس کے
۲۔ آتنا
۳۔ دوسری
۴۔ کا
۵۔ ہو چکا تھا۔
۶۔ کا رائی)
۷۔ کا عقلمندی سے کایا پلٹ دی۔
۸۔ کو حذف تھا۔

جیسے قریش کی ذہنیت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین کو اپنے اندر پیدا ہونے کی دعوت دی۔
یہ مضمون چند مقامات)[1] پر قرآن حکیم میں (واضح طور)[2] پر موجود ہے اور باقی سورتوں کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے۔ یا جیسے مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً کی کشش اور اقتضاء (نے)[3] حضور خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ لائی)[4]

سنت اللہ یوں جاری ہے کہ بعثت سے قبل موضع و محل و وقت بعثت زبان حال سے پکار رہے ہوتے ہیں کہ جس نے آنا ہے وہ اب آ ہی جائے

قریش خصوصاً اور باقی دنیا عموماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی منتظر تھی کہ وہ بدرِ کامل جلد طلوع ہو

یہی صورتحال مدینہ منورہ کی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کا سبب بنی حضرت یوسف ؑ کا مصر تشریف لانا بھی اسی طرح تھا۔

حاصل مطلب:۔
مصر میں ایسی استعداد پیدا ہو گئی تھی جس کے باعث حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر (پہنچانا)[5] ضروری تھا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر پہنچنے پر یہ عقدہ حل ہو گیا اور وہ اطمینان سے کام میں لگ گئے۔ وباللہ التوفیق۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام تکمیل کے مراحل (پورے)[6] کر چکے)
تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی جماعت نے دیکھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام توجہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف مبذول ہے تو جماعت بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی بہت عزت کرنے (لگی)[7] اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی یہ حالت دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے اور اپنی بے قدری کو محسوس کرنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام کو۔

بلند کردار — باعثِ عزت و احترام ہوتا ہے۔

۱ جگہ
۲ ظاہر ظہور
۳ نے۔
۴ - دیا۔
۵ - پہنچنا
۶ - مکمل ہو چکے
۷ - لگے

اپنے راستہ سے ہٹانے کی تدبیریں کرنے لگے اور مخالفت بڑھتی چلی گئی۔ اور وہ مخالفت جو برادری سے شروع ہو تو کام سرانجام (دینا)[1] ناممکن (ہوجاتا)[2] ہے۔

اب دو (راستے)[3] تھے ایک تو یہ کہ متمدن حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے بڑی فوج تیار کرکے حملہ کردیا جائے۔ اس طرح قبضہ کرنے سے ہمیشہ کیلئے ملکی لوگ دشمن ہوجاتے ہیں۔ اور دوسرا بھائیوں کی باہمی[4] منافقت کے سبب سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ نکلنا بھی ناممکن نظر آتا تھا

اسلئے تدبیر الٰہی نے انکو مصر پہنچایا اور تدبیر سہل راستہ کا نام ہے اور برادران یوسف علیہ السلام کے لئے باپ دادا کا علاقہ چھوڑ دیا گیا تاکہ ان کی لیاقت اور تدبیر ظاہر ہو اور حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں جاکر اپنی خداداد لیاقت سے کام کریں۔ آخر میں دیکھا جائیگا کہ کس میں لیاقت تھی اور کون نالائق تھا۔

اسی طرح بعینہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کیلئے[5] کو مدینہ منورہ کا میدان سپرد کیا گیا اور قریش مکہ کیلئے مکہ کا میدان چھوڑا دیا گیا کہ ہر ایک اپنے اپنے پروگرام کو (چلائے)[6] جس کا پروگرام اور آئیڈیل صحیح ہوگا وہی کامیاب ہوکر نمودار ہو جائیگا۔

۱۔ ہونا۔
۲۔ ہوتا
۳۔ راستہ
۴۔ آپس کی
۵۔ کیلئے
۶۔ چلائیں
۷۔ ہوکر نمودار

اپنوں کا حسد غیروں سے فزوں تر ہوتا ہے اور تکمیل مشن ناممکن سی ہوجاتی ہے۔

طاقت سے حکومت پر قبضہ کرنے کا نتیجہ — عوام دشمنی!

بلند کردار — صاحبانِ ایمان کا امتیازی نشان —

جب بھی کوئی انقلابی کام ہوگا۔ لوگ دو حصوں میں بٹ جائیں گے
۱۔ ایمان والے ۲۔ انکار والے۔ اور دونوں ہی ایکدوسرے کے جانی دشمن ہونگے
آخری موقع اصلاح دینے کیلئے ایمان والے کفر والوں کیلئے میدان کھلا چھوڑ دیں گے

یہی حکمت تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر پہنچایا گیا ۔

بنی اسرائیل کا حسب نسب شجرہ

نقشہ ابناء حضرت یعقوب علیہ السلام مع انکی والدہ کے دیا جاتا ہے

۱ ــــ بلھہ لونڈی سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے

1 روبن، 2 شمعون، 3 لاوی، 4 یہودا، 5 اشکار، 6 زبلون

۲ ــــ زلفہ لونڈی سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے

۱- دان، ۲ نفتالی

۳- ریاہ خاتون سے

۱ جد، ۲ آشر

اور جب ریاہ خاتون فوت ہوگئی تو اس کی سگی بہن راحیل سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے نکاح کیا ۔
راحیل بیگم سے یہ بیٹے پیدا ہوئے[1]

یوسف، بنیامین

۱ ہوئی

ـــ ، ـــ ، ـــ ، ـــ ، ـــ ، ـــ

تفسیر حاجری

تمہید نمبر 2

تخلیق عالم سے متعلق اللہ تعالیٰ کے چار اوصاف -

(...)[1] سورہ یوسف کے مضامین کو سمجھنے کیلئے خدا تعالیٰ کے چار اوصاف جو اس عالم کے پیدا کرنے (سے)[2] متعلق ہیں (ان کا)[3] ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں - ۱- ابداع - ۲ - خلق - ۳- تدبیر ۴ - تدلی یا تجلی -

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا مخصوص فکر ـــ مولانا عبید اللہ سندھی کی تشریح ؟

ان اوصاف کی ایسی تشریح کی ضرورت ہے جس سے قرآن حکیم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت سے مشکل مسائل حل ہو جائیں - یہ مخصوص ذکر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا ہے - اس کو حضرت شاہ اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "عبقات" میں مفصل ذکر فرمایا ہے - جسکو حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح اردو زبان میں یوں ذکر فرماتے ہیں

"جسمانی عالم جتنا بھی لمبا چوڑا سمجھا جائے اُسے ایک ہی جسم ماننا چاہیے - یہ سارا جسم خود ایک مستقل چیز ہے اور اس کے اندر مختلف جسم ایسے ہیں جیسے سمندر کی موجیں - اس سارے جسم میں ایک خاص طبعی تقاضا کرنے قوت ہے جو تمام (اجزاء)[4] ان کی اپنی اپنی مناسب شکلوں میں تبدیل کرتی رہتی ہے - اس جسم کا ایک حصہ ہے جو ایک وقت میں عناصر کی شکل رکھتا تھا پھر اس نے جڑی (بوٹیوں)[5] نباتات وغیرہ کی شکل اختیار کرلی - پھر اس نے حیوانی شکل اختیار کرلی -

غرض اس جسم کے یہ مختلف اجزاء ہیں جو مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں

۱- اس
۲- کے
۳- (...)
۴- اجزائ
۵- بوٹی (ٹیاں)

ان سب کی مرکزی قوت اس بڑے جسم کے اندر محفوظ ہے - اس
مرکزی قوت کو اصطلاح میں "طبیعت الکل" کہتے ہیں - اور
اس بڑے جسم کو معہ تمام قوتوں کے "شخص اکبر" کہا جاتا ہے
جیسے ہر[1] انسان میں روح ہے جو اس کے علم اور ارادے کی مالک
ہے ویسے ہی اس بڑے جسم یا شخص اکبر کی ایک بڑی روح
مان لی جائے - اسے نفس الکل کہا جاتا ہے -
(نفس کلیہ اور چیز ہے جس کو نفس رحمانی بھی کہا جاتا ہے)
مختلف جسموں میں جتنی چھوٹی چھوٹی روحیں ہیں
ان سب کو اس بڑی روح سے وہی نسبت ہے جو انسان کی
سننے دیکھنے سوچنے وغیرہ کی قوتوں کو انسان کی روح سے ہے
یہ بڑی روح چھوٹی روحوں پر حاکم ہے -
جس طرح چھوٹے سے چھوٹے کیڑے میں خیال کی قوت ہے
اسی طرح شخص اکبر کی بہت بڑی قوت خیالی ہے اس کا نام
"عالم مثال" ہے -

حس مشترک کا مفہوم -

جیسے ایک انسان کی دماغی قوتوں پر نظر دوڑائے تو حواس
کا مجموعہ کہیں اس دماغ میں مرکز پیدا کر لیتا ہے اُسے
حس مشترک کہتے ہیں -

[1] - ہر

اس کے بعد ایک قوت ہے جسکا نام "خیال" ہے اس کے ذریعے انسان ان صورتوں کو سمجھتا ہے۔ جن میں مادے کی صفات یعنی شکل رنگ مقدار موجود ہو مگر مادہ نہ ہو۔

تیسری قوت کا نام "وہم" ہے۔ اس سے انسان خاص خاص چیزوں کا ادراک کر سکتا ہے جیسے حسن اور تناسب

اس کے بعد ایک چوتھی قوت جس کا نام "قوت عاقلہ" ہے یہ ان چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو مادہ[1] شکل و رنگ اور مقدار سے پاک ہو۔

اس سلسلۂ کائنات میں ایک ایسا عالم مان لیا جائے جو شخص اکبر سے وہی نسبت رکھتا ہو جو عقلی صورت ہمارے دماغ سے۔ وہ صورت مادے شکل اور رنگ سے پاک ہوتی ہے۔ اسے عالم ارواح کہا جاتا ہے۔

اس طرح اس سلسلۂ کائنات میں ایک اور عالم فرض کیجئے جس کی شخص اکبر کے ساتھ وہی نسبت ہو جو خیالی صورتوں کو ہمارے دماغ کے ساتھ ہے اسمیں شکل اور مقدار بھی پائی جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس طرف سے اُس طرف لیکن مادہ نہیں ہوتا۔ اسے عالم مثال کہتے ہیں۔

۱۔ سے پاک حذف کیا گیا۔

اسطرح عالم مثال اگرچہ شخص اکبر کے اعتبار سے خیال کا درجہ رکھتا ہے مگر جس شخص کی سارے شخص اکبر پر نظر ہو اُسے حقیقی عالم سمجھتا ہے ۔ یہاں تک کہ وہ اُسے مادی عالم سے بھی پائیدار پاتا ہے ۔(اس کے[1]) نزدیک جس قدر چیزیں مادی دنیا میں موجود ہیں وہ اصل میں تو عالم مثال میں موجود ہیں مادی دنیا میں ان کے عکس وسائے آتے پڑتے ہیں

مسلمان حکماء عالم مثال کو مادی دنیا سے بہت زیادہ لطیف مانتے ہیں اور عالم مثال کے مختلف طبقے ہیں (جن[2]) جو ایک دوسرے سے زیادہ لطیف اور قوی ہیں

عالم مثال کا ایک نچلا طبقہ ایسا ہے جسمیں انسانوں کے عقیدوں کی تاثیر سے خاص خاص صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں کوئی ایسا کام یا شخص ہو جس پر انسانوں کی ایک بڑی جماعت جمع ہو جائے اور اُسے پختہ عقیدہ بنالے وہ بات سچی ہو یا جھوٹی اس اجتماع سے عالم مثال میں کے نچلے طبقہ میں ایک صورت پیدا ہو جاتی ہے ۔ جس کے ساتھ اس عقیدے کے ماننے والے تعلق پیدا کر کے کچھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں ۔ لیکن عالم مثال کا ایک اوپر کا طبقہ (اعلیٰ درجہ) ہے جس میں حق کے سوا کوئی چیز جگہ نہیں پکڑ سکتی ۔

۱۔ ان کے
۲۔ جن میں سے حذف کیا گیا ۔

انبیاء علیہم السلام اور حکماء الٰہی کا تعلق اس مرکز کے ساتھ ہے جو اعلیٰ طبقہ اور عالم مثال کا مرکز ہے۔ اور جھوٹی باتیں جو نچلے طبقہ میں قائم ہوتی ہیں تھوڑی مدت کے بعد وہ فنا ہو جاتی ہیں اور گم ہو جاتی ہیں۔ ان کے گم ہونے کی یہ صورت ہوتی ہے کہ حقانی جماعت اس کے (خلاف[1]) پروپیگنڈہ (کرتی[2]) ہے۔ اس پروپیگنڈہ کے ہتر سے یا قدرت الٰہی سے خود بخود فنا ہو جاتی ہیں۔ اور حق اور سچ (ثابت[3]) (قائم) رہ جاتا ہے

عالم مثال کے اوپر والے طبقوں کو "سماء" کہتے ہیں اور نچلے طبقہ کو "جو" کہتے ہیں اور اس عالم شہادی یا عالم مادی کو "ارض" کہتے ہیں۔

مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص عالم مثال کو نہ مانے وہ اہل السنت والجماعت کا محقق شمار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُسے قرآن و حدیث کی ہزار سے زیادہ باتوں کی ایسی تاویل کرنی پڑیگی جو بہت دور جا پڑیگی،

اس شخص اکبر کی ایک بہت بڑی قوت ارادی ہے

۱۔ برخلاف — پروپیگنڈہ سے تبلیغ یا حق بات کو واضح کرنے والا پروپیگنڈہ۔

۲۔ کرتے ہیں۔

۳۔ ثابت

تمام دنیا میں جتنے ارادے اور ان سے متعلق کام کرنے والے اعضاء ملتے ہیں ۔ وہ سب اس بڑی قوت ارادی کے لشکر ہیں شخص اکبر کی قوت ارادی کا جس سے زیادہ تعلق ہے اُسے شخص اکبر کا قلب کہتے ہیں ۔ وہی نفس الکل کا عرش یا تخت ہے اس کے ذریعہ نفس الکل کی تمام جسم پر حکومت ہے ۔

شخص اکبر کا قلب آئینہ کی طرح سمجھنا چاہیے اس میں شخص اکبر کے پیدا کرنے والے کا ہر ایک عکس پڑتا ہے جس سے شخص اکبر اپنے رب کو (پہچانتا[1]) ہے ۔ اس طرح طبعی طور پر اس کے دماغ میں اپنے رب کی ایک صورت پیدا ہو جاتی ہے ۔ اس صورت کا نام تجلی اعظم ہے ۔ پھر اس تجلی اعظم کا عکس اس کے قلب پر پڑتا ہے اس کا نام بھی تجلی اعظم نمبر 2 ہے

انسانی جماعت نے جسقدر بھی ترقی کی ہے ۔ خواہ انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی میں کی ۔ یا فلاسفروں کی رہنمائی میں وہ خدا تعالے کا اس سے زیادہ تصور پیدا نہیں کر سکتے جس قدر شخص اکبر کے دماغ میں تجلی اعظم ہے ۔ یعنی ان کی ترقی صرف اس تجلی کے تصور تک پہنچ سکتی ہے ۔

ے زعنقا ہست نامے پیش مردم ۔ زعنقا ہیں بود آں نام ہم گم (جامی)

شخص اکبر محدود ہے اسلئے ذات الٰہی کی تجلی محدود ہو گئی ۔

شخص اکبر کا قلب مثل آئینہ ہے ۔ جسمیں اس کے پیدا کرنے والے کا ہر عکس پڑتا ہے اور وہ اپنے رب کو پہچانتا ہے

تجلی اعظم نمبر 1

تجلی اعظم نمبر 2

انسانی جماعت کی ترقی خواہ انبیاء علیہم السلام یا فلاسفروں کی رہنمائی میں ہو وہ صرف تجلی کے تصور تک پہنچ سکتی ہے ۔

ب ؟

۱۔ پہچنتا

انسان کے لئے جس قدر اعلیٰ سے اعلیٰ علم ہوا وہ دماغ کی تجلی پر ہوا
جس کا نام تجلی اعظم نمبر ۱ رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد جس قدر ارادے
حرکتیں اور الٰہی کام وغیرہ ہیں ان کا مرکز تجلی اعظم ہے جو
شخص اکبر کے قلب پر پڑ رہی ہے۔ پیدا کرنے والے کے لئے
جو اللہ کا نام اطلاق کیا جاتا ہے وہ باعتبار اس تجلی کے ہے
جو شخص اکبر کے قلب پر پڑ رہی ہے اور تجلی اعظم نمبر ۱ جو شخص اکبر
کے دماغ پر پڑتی ہے غیب کہلاتی ہے۔ یعنی یہ (لوگوں کی)[1]
نظروں سے مخفی ہے اور تجلی اعظم نمبر ۲ یعنی جو شخص اکبر
(کی)[2] دماغی تجلی اعظم سے شخص اکبر کے قلب پر پڑ رہی ہے
وہ تجلی ہے جو قیامت میں انسان اپنے رب کو اس تجلی میں
دیکھیگا۔

اب ذات الٰہی مع اپنے تمام کمالات کے شخص اکبر سے
علیحدہ حقیقت ہے۔ اسکو ہمیشہ غیب الغیب کے نام سے یاد کیا
جائیگا۔ تجلی کی نسبت اپنے اصل سے ایسے ہے جیسے عینک کی نسبت
دیکھنے کا واسطہ ہے۔ اور تجلی کا پورا مفہوم سمجھنے کیلئے دوسری مثال
بھی ہے۔ انسانی بدن انسانی روح کی ایک تجلی ہے۔ جب آدمی
بدن کو دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے فلاں آدمی کو دیکھ لیا ہے
اس سے بات چیت کرتا ہے تو کہتا ہے میں نے فلاں سے بات کر لی

تمام ارادوں۔ حرکات اور الٰہی کاموں کا مرکز تجلی اعظم ہے۔ جو شخص اکبر کے قلب پر پڑ رہی ہے۔

غیب کا ایک مفہوم۔
شخص اکبر کے دماغ پر پڑنے والی تجلی اعظم نمبر ۱

قیامت میں رب کا دیدار۔
بتوسط تجلی اعظم نمبر ۲ ہوگا۔

تجلی کی نسبت اپنے اصل سے ایسے ہے جیسے عینک کی نسبت دیکھنے سے ہے۔

۱۔ لوگ کے
۲۔ کے

جبتک انسانی بدن کو روح سے مغائر خیال نہیں کیا جائیگا۔ تجلی کہلائیگا۔

تمام معاملات جو اصل روح انسانی سے کرنے منظور تھے وہ تمام انسانی بدن سے کیئے جاتے ہیں اور لیقین کر لیا جاتا ہے کہ یہ معاملہ حقیقی طور روح سے ہو رہا ہے۔ جبتک بدن انسانی کو روح سے مغائر (اجنبی غیر) خیال نہیں کیا جائیگا۔ تجلی کہلائیگا اور جسوقت اس کو مستقل توجہ سے دیکھا جائے اور روح سے جو اُسکا تعلق ہے اُسے بھلا دیا جائے (جیسے ڈاکٹر آپریشن کے وقت کرتا ہے) یہ اس وقت روح کی تجلی نہیں ہوگی۔

انسانی دماغ کا ارتقاء۔

انسانی دماغ میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس سے رنگین ہو کر پورا کام کرتا ہے۔ یہانتک کہ وہ خیال انسان کے اندر نہایت پختہ شکل میں گزین ہو جاتا ہے۔ اسطرح انسانی دماغ پہلی سطح سے ذرا ترقی کر گیا۔ اب انسانی دماغ کی یہ ترقی دوسرا قدم بڑھانے کا سبب بن گئی۔ اسی پختہ خیال سے ایک نیا خیال پیدا ہونے لگے گا جو پہلے کی نسبت زیادہ قوی اور زیادہ صحیح ہوگا۔ انسانی بدن پہلے کی طرح اس سے رنگین ہو جائیگا۔ اور اس سے آخر میں انسانی دماغ ایک خاص اثر لیگا کہ اس کی پختگی میں ایک نمبر کا اضافہ ہو جائیگا۔

انسانی ارتقاء موت تک جاری رہتا ہے۔

انسانی ترقی اسطرح موت تک جاری رہتی ہے۔

ا۔ منظور

اب انسانی روح کیلئے انسانی دماغ ایک تجلی سمجھ لیجئے۔ اسکی یہ نسبت سمجھ لیجئے کہ انسانی دماغ میں جو خیال آتا ہے یہ انسانی روح کی ایک تجلی ہوتی ہے۔ تو روحانی تجلیات کے ایک دوسرے کے[1] پیچھے آنے (تعقیب) سے انسانی نفس ترقی کرتا ہے اس ترقی کا حاصل ایک دورہ ہے۔

انسانی دماغ میں پیدا ہونے والا خیال انسانی روح کی ایک تجلی ہوتی ہے

ایک خیال پیچ کے طور پر دماغ سے نکلا اور جسم کی زمین سے پھولا پھولا آخر اس کا حاصل خلاصہ دماغ کے وصول کیا اور روح سے ایک نئے قدم اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔

شخص اکبر کی اس کے خالق سے اسطرح کی نسبت ہے انسان سمجھ سکتا ہے کہ ایک تجلی اعظم کا رنگ تمام شخص اکبر کو رنگین کر دیتا ہے اور اس کا حاصل پھر تجلی اعظم کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اس سے نئی تجلی کے ظہور کا سامان بہم پہنچتا ہے۔ ان تجلیات کے تجدد (جو نئے نئے تجلیات پیدا ہوتے ہیں) سے اللہ تعالیٰ (کی)[2] صفات پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اس سے فلسفہ الٰہی میں کبھی بحث نہیں (ہو سکتی[3]) اور یہ تجلیات کا سلسلہ کب سے شروع ہوا اور کہاں ختم ہوگا یہ بھی ناقابل فہم چیز ہے۔

ایک تجلی اعظم کا رنگ تمام شخص اکبر کو رنگین کر دیتا ہے۔

فلسفہ الٰہی کی بحوث کے حدود

۱- سے

۲- کے

۳- ہو سکتے۔

15/4/87

تجلی الٰہی کی شان کا ایک دورہ درمیان سے شروع کرکے اس کے تمام رنگ سمجھ کر آخر تک پہنچا دینا یہ اس فلسفہ کی انتہائی ترقی ہے "شخص اکبر" کیسے ظاہر ہوا اس کے متعلق تفصیلی علم احاطہ میں نہیں آسکتا اور نہ کوئی انسانی زبان ہے کہ ان حقائق الٰہی کو انکی اصلی شکل تبلا سکے۔

شخص اکبر کے ظہور کا تفصیلی احاطہ کرنا زبان و بیان سے باہر ہے۔

اس زمین پر انسانی ترقی کے بعد جو ان میں اس غور نے کسی قدر حسی ترقی کی اگر مثال ملتی ہے تو "شخص اکبر" کی پیدائش کا دھندلا سا خاکہ ان الفاظ میں بیان کردیا جاتا ہے۔

شخص اکبر کی پیدائش کا دھندلا سا خاکہ

ایک چٹیل میدان ہے جسمیں سبزے کا نام ونشان تک نہیں اس میدان پر بارش برستی ہے اور مختلف سبزیاں اسمیں پیدا ہو جاتی ہیں اس تمام ترقی کا مدار پانی (پر) ہے۔ اسی طرح "شخص اکبر" کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے پانی تھا پھر اس میں تجلیات الٰہی نے مختلف اثر پیدا کرکے مختلف جسم (...[1]) پیدا کردیئے۔ زمین ستارے۔ ہوا بجلی وغیرہ یہ تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ پر کام کرنے لگ گئیں۔

مثال طور (...[2]) اس کا تصور یہی ہو سکتا ہے کہ مینہ برسنے سے جسطرح باغ میں مختلف پھول پھل پڑے ایسا ہی رحمت الٰہی کا خاص اثر تھا۔ جس نے "شخص اکبر" کی مختلف قوتیں پیدا کردیں اور پھول اپنی اپنی جگہ پر دوسرے کیساتھ مل کر ایک تناسب اور خوبصورتی پیدا کر رہے ہیں[3]

۱۔ مرتب

۲۔ پر

۳۔ کر رہا ہے۔

ابداع کا ایک مفہوم —

"شخص اکبر" کی پیدائش کو ہم یہی کہینگے کہ اس کے لئے پہلے کوئی مادہ تجویز کرنا ممکن نہیں بلکہ حکم سے اور امر سے ایک چیز پیدا کیگئی جسکو ترقی دیکر "شخص اکبر" مکمل کر دیا گیا۔

بغیر مادے کے پیدا کرنے کا نام — ابداع — ہے۔

"خلق کا ایک مفہوم

اگر چہ ہم "شخص اکبر" کی پیدائش کے متعلق مادہ معین کر کے نہیں دکھا سکتے لیکن اس کے سوا جو اور چیزیں ہیں اس مادہ سے پیدا ہوئی ہیں جو "شخص اکبر" کے اندر موجود تھا۔ جو چیز مادے سے پیدا ہوا اسکا نام "خلق" ہے

تدبیر کا ایک مفہوم

جب ایک مخلوق کے ساتھ بہت سی اور مخلوقات جمع ہوئیں تو اُن کے باہمی ربط کو قائم رکھنے کے لئے انہیں سے ہر ایک کا صحیح مقام مقرر کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ہر چیز کا صحیح درجہ مقرر کر کے ان سے کام لینے کا نام — "تدبیر" ہے

"تدلی کا ایک مفہوم —

جب "تدبیر مکمل شکل اختیار کرلے یعنی مجموعہ باہمی ربط پیدا کر کے وحدانی صورت اختیار کرلے تو ان کے مرکز میں "تدلیٔ الٰہی" نازل ہوتی ہے۔ جو کہ تجلی اعظم کا ایک عکس ہے۔

جب تدبیر مکمل شکل اختیار کرلے یعنی مجموعہ کا ایسا باھمی ربط پیدا ہو جائے جیسے دائرہ کہ دیکھنے میں ایک خط معلوم ہوتا ہے۔ مگر ریاضی جاننے والے کو معلوم ہے کہ ایسے خط میں ہزاروں نقاط جمع ہوتے ہیں مگر انہوں نے وحدانی صورت اختیار کرلی تو ان کے مرکز میں تدلیٔ الٰہی نازل ہوتی ہے۔ سطر

مطلب (یہ ہے) کہ تدبیر مکمل شکل ایسی اختیار کرے کہ "شخص اکبر" (کا)[2] نمونہ بن جائے تو اس کے قلب پر "تجلی اعظم" کا ایک عکس آتا ہے اُسے "تدلی" کہا جاتا ہے۔

۱ — جو
۲ — کے

ایک چیز کو بغیر کسی چیز کے پیدا کرنے کا نام — ابداع — ہے
ایک چیز سے دوسری چیز پیدا کرنے کا نام — خلق — ہے۔

جب مخلوقات ایک مجموعہ وحدت اختیار کر لیتے ہیں۔ یعنی مختلف چیزیں آپس میں مل کر ایک بن جاتی ہیں تو اس مرکب کی نئی صورتیں ممکن ہوتی ہیں۔ لیکن وہ حکمت عامہ کے اعتبار سے ایک خاص مصلحت کا استعمال چاہتا ہے۔ اس مجموعہ کو اس خاص مصلحت کے مطابق چلانا اور اس میں مصلحت کے مطابق ضروری تصرف کر کے ایسا نتیجہ نکالنا جو اس مصلحت عامہ سے) قریب ہو۔ تدبیر کہلاتا ہے

تدبیر کا ایک مفہوم یہ ہے کہ حکمت عامہ کے اقتضاء کے مطابق خاص مصلحت اور ضروری تصرف کر کے ایسا نتیجہ نکالا جائے جو کہ مصلحت عامہ کے قریب ہو۔

تدبیر کی مثالیں:

مثال نمبر۱۔ دیکھئے مصلحت عامہ کا تقاضا ہے کہ انسان اور حیوانات ایک مدت اس زمین پر زندہ رہیں۔ انسان اور حیوان کی زندگی نباتات پر موقوف ہے۔ اور زمین۔ نباتات بغیر پانی کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ زمین کا ایک حصہ ایسا ہے جہاں چشموں کا پانی طبعی طور پر نہیں پہنچ سکتا ایسی حالت میں اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ سمندروں سے پانی کے بخارات (یعنی بھاپ) اٹھاتا ہے۔ انھیں ابر کی شکل میں جمع کرتا ہے پھر ان بادلوں سے مینہ برستا ہے۔ جس سے زمین کی جڑی بوٹیاں اگتی ہیں۔ یہ تمام عمل تدبیر کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس مصلحت عامہ کو پورا کرتا ہے جو انسان اور حیوان کی زندگی کے لئے ۱؎ ضروری ہے

۱؎ "ایک زمانہ تک رکھنے کے لئے" حذف کیا گیا

مثال نمبر۲ - حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے دشمنوں نے آگ میں ڈالدیا لیکن حکمت الٰہی نے آگ میں ایسا تصرف کیا کہ وہ اُنکے کیلئے ٹھنڈی ہوگئی[1] تاکہ وہ ایک زمانہ تک زندہ رہیں۔ یعنی ایک طرف تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زندہ رہنا اجتماع انسانی کی عام مصلحت کا تقاضا تھا اور دوسری[2] طرف آگ کا خاصہ جلانا ہے۔ اب ضروری ہے کہ اس آگ میں تصرف کیا جائے مثلاً اس میں ایسی ٹھنڈی لطیف ہوا داخل کی جائے کہ اس کی ٹھنڈک آگ کی گرمی پر غالب آجائے[3] اس تصرف کا نام "تدبیر" ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زندہ رہنا اجتماع انسانی کی عام مصلحت کا تقاضا تھا۔ اسلئے آگ کے جلانے والے خاصہ میں تصرف کرکے آگ کی گرمی پر لطیف ہوا کی ٹھنڈک کا غالب کردینا "تدبیر" ہے۔

مثال نمبر۳ -

زمین کے تمام انسانوں کی اجتماعی حالت اللہ تعالیٰ کی نظر(میں) ناپسندیدہ تھی ان کے علاج کے لیئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل میں الہام کیا کہ وہ لوگوں کو بُرے انجام سے ڈرائیں اور سیدھے راستہ پر لانے کے لئے جہاد کریں[4] تاکہ اس اجتماع میں سے ایک جماعت جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے تاریکیوں میں سے نکال کر کی طرف آجائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اجتماع انسانی کی ضرورت تھی تاکہ انہیں راہ راست پر چلنے کی دعوت دیکر تاریکی سے روشنی کیطرف بُلایا جائے۔

مثال نمبر۴

مصر کی اجتماعی حالت خراب ہوچکی تھی اور سمجھدار طبقہ نالاں تھا۔ اس خرابی کے جراثیم دوسرے ممالک میں پھیلنے شروع ہوگئے تھے۔ اب اس کی اصلاح کیلئے اور اجتماع صالح پیدا کرنے کیلئے کسی مصلح کی ضرورت تھی۔ کہ اس صالح سمجھدار عنصر کو صحیح راستہ دکھاوے۔ جس کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو وہاں پہنچایا جاتا ہے۔

زبوں حالی

مصر کی اجتماعی زبوں حالی کی اصلاح کی ضرورت کے پیش نظر حضرت یوسف[4] کو مصر پہنچایا گیا۔

۱- بن گئی
۲- دوسرے
۳- ہوجائے
۴- کرے

"سورہ یوسف علیہ السلام کا شانِ نزول"

سورۃ یوسف کا شانِ نزول۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت مکہ شریف میں بڑھنے لگی۔ مشرکوں نے تنگ آکر متفقہ فیصلہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت پر اس قدر تشدد کیا جائے کہ وہ تنگ آکر اسلام سے مرتد ہو جائیں[1] تو مشرکوں نے اپنے فیصلے کے مطابق صحابہ رض پر مصیبت کے پہاڑ گرا دیئے طرح طرح کی (ایذا رسانیاں)[2] شروع (کر دیں)[3] اور حالت بہت نازک ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کی جماعت پر آرام وعافیت کے تمام راستے بند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا (کفار مسلمانوں پر)[4] جو ظلم اور تشدد کرتے تھے تاریخ کی کتابیں انسے بھری پڑی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے آنحضرت صلعم کو مستقبل میں پیش آنیوالی تکالیف سے آگاہ کیا گیا اور کامیابی کا یقین دلایا گیا۔

پانچویں سال نبوت کے بعد سورہ یوسف نازل ہوئی۔ جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو مستقبل میں آنے والی تکالیف کا اشارہ تھا اور کامیابی کا بھی یقین دلایا گیا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ دوسرا مرکز تلاش کرنے کا بھی دیا گیا۔ اس مرکز میں تکالیف بھی ہوں گی لیکن ان تکالیف کا نمونہ ایک زمانہ مخالفت جیسا ہوگا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا۔

کامیابی کیلئے دوسرا مرکز تلاش کرنے کی ترغیب۔

یعنی منافق لوگ خود تو کھوٹے نہیں ہونگے (بلکہ)[5] دوسرے کو کھرا کریں گے۔ بلکہ یہود اور نصاریٰ کو کھڑا کریں گے[6]

حضرت یوسف علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

۱۔ ہو جاویں۔
۲۔ ایذا رسانی
۳۔ کر دی
۴۔ غربا و مسلمانوں کے
۵۔ لیکن
۶۔ (۔۔۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جابر پرست (لوگوں نے)[1] زنانہ امداد سے قید کیا تھا۔ اسی طرح منافقین کی کوشش سے یہود و نصاریٰ اور آس پاس کے مشرکین قریش کے زیر سیادت خندق کی جنگ لڑی تھی۔ سرمایہ اور خرچہ یہود اور نصاریٰ نے دیا تھا۔ خندق کی لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت صحابہ چالیس دن محصور رہے۔ اس کے بعد یعنی خندق کی لڑائی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کا قصد کیا اور حدیبیہ ۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور صلح کی کہ اب سارا عرب تمہاری سرداری میں (رہے)[2] اور مکہ کے (باشندے)[3] نصف کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ میں آئے[4] یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رعیت (بنے)[5]۔ اب سارا حجاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے ماتحت ہوگیا۔

پیش آمدہ تکالیف اور پریشانیوں میں مماثلت۔

جنگ خندق اور منافقین کا کردار ۔

صلح حدیبیہ ۔ فتح مبین۔ سارے عرب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ۔

آپ جب حدیبیہ سے واپس آئے تو بادشاہوں کی طرف (خطوط)[6] لکھے۔ اسلم تسلم یعنی اسلام لاؤ تو سلامت رہوگے ورنہ تمہارے اور میرے (درمیان)[7] لڑائی ہوگی۔ اس آیت پر عمل کیا

اذا فرغت فانصب ؁

جب محاذ کے کام سے فارغ ہو تو بڑی جنگ چھیڑ دو۔

سیاسی محاذ پر کامیابی کے بعد عملی پروگرام کی طرف توجہ ــــ سلاطین کو دعوت اسلام۔

؁ الانشراح ۹۴:۷

۱ ـ لوگ
2 ـ رہیں
3 ـ باشندوں
۴ ـ آئیں
۵ ـ بنیں
۶ ـ خط
۷ ـ بیچ

اس سورہ یوسف نازل ہونے کے بعد حضرت عثمان رض اپنی بیوی حضرت رقیہ رض بنت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر حبشہ جانے کی تیاری کرنے لگے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جماعت صحابہ کے ہمراہ ہو گئی۔

یہ پہلا قافلہ تھا جو مرکز تلاش کرنے کیلئے حبشہ روانہ (ہوا)[1]۔ اسکے بعد دوسرا قافلہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب کے ہمراہ حبشہ کو روانہ ہوگیا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطراف و جوانب مکہ مکرمہ کے قبائل میں گشت کر کے دوسرا مرکز تلاش کرنے لگے۔ مثلاً طائف میں آپ تشریف لے گئے۔ پھر حج کے موسم میں جو عرب قبائل چاروں طرف سے آتے تھے (آپ) ان کے پاس جاتے تھے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کیلئے اپنے قبیلہ میں جگہ (دیں)[2]

آخر پانچ سال مسلسل کوشش کرنے کے بعد دسویں سال نبوت کے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ایک راستہ نکل آیا۔

مدینہ منورہ کا ایک نوجوان اپنی جماعت کے ساتھ حج کرنے کیلئے آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اثر انداز ہوئی اور وہ مسلمان ہوگیا۔ اس نوجوان کا نام "ایاس بن معاذ" ہے۔

اس نے مدینہ منورہ میں اسلامی تبلیغ شروع کر دی۔ گیارھویں سال نبوت کے اس تبلیغ سے متاثر ہو کر مدینہ منورہ کی ایک جماعت موسم حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملی اور ایمان اور اسلام سے معمور ہو کر واپس مدینہ منورہ میں جا کر بڑے زور و شور سے تبلیغ شروع کر دی

سورۂ یوسف کا نزول اور ہجرت حبشہ۔ حضرت عثمان رض کی معیت میں قافلۂ اول کی روانگی۔

مرکز تبلیغ کی تلاش میں حضرت جعفر طیار کی معیت میں دوسرے قافلے کی روانگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف

مکہ آنیوالے حجاج سے تبلیغ اسلام کیلئے رابطہ اور نئے تبلیغی مرکز کی تلاش۔

رحمت خداوندی پر بھروسہ اور جہد مسلسل کامیابی کا راستہ ہے

حضرت ایاس بن معاذ رض مدنی کا دعوت حق کو قبول کر کے تبلیغ اسلام کیلئے مدینہ میں کوشش کرنا۔

۱ - ہوگئی۔
۲ - دلویں

حضرت ایاس بن معاذ کی تبلیغ اور سعیٔ مسلسل کا اثر

حاصل کلام تیرھویں سال نبوت کے مدینہ منورہ کے لوگ سارے کے سارے مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ کی طرف آنے کی استدعا کی اور مدینہ منورہ جسکو (پہلے[1]) عرب لوگ یثرب کہتے تھے مرکز اسلام و ایمان بن گیا ۔

۱۔ آگے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیت نمبر۱ - الٓرٰ -

الف ۱ ـ لام ۳۰ ـ را ۲۰۰ میزان ۲۳۱

سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات آتے ہیں - ان کو جدا جدا پڑھا جاتا ہے ـ علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ حروف مہمل اور بے معنی و بے مطلب نہیں ہیں ـ مگر ان (حروف)[1] کے معانی اور اسرار پر تکلم کرنا علماء راسخین فی العلم کا حصّہ ہے - ان علماء راسخین فی العلم نے بڑے بڑے اسرار غامضہ بیان فرمائے ہیں اور ان حروف کے بیان کرنے کیلئے بڑی بڑی جدوجہد فرمائی اور بڑی بڑی کتابیں لکھیں -

حضرت مولانا امام عبیداللہ سندھی قدس سرہٗ کی کتاب حروف مقطعات کے بیان میں شائع ہو چکی ہے - ان کی طرز پر عام فہم بیان اس جگہ لکھ دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں ـ اگرچہ اس میں تھوڑا سا تغیر تبدل ہے - تاریخ تکوین کتاب الٰہی ہے ـ تاریخ نے ان حروف کا مطلب حل کر دیا ہے یہ مولانا امام سندھی کی رائے ہے -

حروف مقطعات کے بارے مولانا سندھی رح کی رائے ـ

اس قانون پر ہم یہ کہتے ہیں کہ الف سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ ـ ل سے مراد ہے خلافت علی منہاج النبوّت یہ تیس سال ہوئی

۱- حروفوں

جوکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ملوک قریش کا دورہ ہے جنکا استقلال۔ قوت اور طاقت اور انکا مطمع نظر اسلام رہا تھا۔

را۔ دو سو سال نبوت تک قریش کا استقلال رہا اس کے بعد زوال شروع ہو گیا۔

سورہ رعد میں آلمرا ہے۔ اسمیں میم زیادہ ہے اور میم کے عدد چالیس ہیں۔ اس عرصہ اور زمانہ میں خلفاء بنی عباس بالکل کمزور اور غیر مستقل ہو گئے اور سلطان یا بادشاہ حکمران بغداد پر ترک مسلط ہو گئے۔ عربوں کا اقتدار عربی ممالک اور باقی اسلامی ممالک سے چلا گیا اور اسطرح عربوں کا تفوق علمی اور عملی زوال پذیر ہو گیا۔

الف - ا - ل - ۳۰ - را ۲۰۰ جملہ ۲۳۱ اسمیں ۱۳ سال نبوت کے نکال کر ۲۱۸ سال ہجری ہوتا ہے۔ اس سال خلافت بغداد سے سامرہ منتقل ہو گئی اور سامرہ ایران میں ہے اور معلوم ہے کہ خلافت خلافت عباسیہ ایرانیوں کی طاقت سے قائم ہوئی تھی اور وزراء اور اعیان مملکت ایرانی اور عرب دونوں تھے۔

مرکز خلافت کی بغداد سے سامرہ منتقلی کا اثر یہ ہوا کہ خلیفہ اور خلافت پر ایرانی اقوام کا غلبہ ہو گیا

جب خلافت کا مرکز بنی عباس نے سامرہ میں منتقل کیا تو ایرانی اقوام کا خلافت اور خلیفہ پر غلبہ ہو گیا۔ خلیفہ معتصم باللہ نے اسی سنہ میں ترکوں کو لشکر میں بھرتی کرنا شروع کر دیا اور عربوں کو نظر انداز کر دیا۔

خلیفہ معتصم باللہ نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا اور عربوں کو نظر انداز کر دیا۔

آلمرا کا مجموعہ ۲۷۱ ہوتا ہے اور ہجری ۲۵۸ھ ہوتا ہے۔ اس سن میں یعقوب بن لیث صفار فارسی نے خلیفہ عباسی پر خروج کیا۔ اور خلیفہ پر غالب آکر دولت ایرانی قائم کردی قریش کا اور باقی عربوں کا عروج زوال پذیر ہونا شروع ہو گیا۔

یعقوب بن لیث۔ صفار نے دولت ایرانی قائم کردی اور عربوں کا عروج زوال پذیر ہونا شروع ہو گیا۔

قرآن حکیم کے پروگرام کے تحت اجتماع اقوام کے تین درجے ہو سکتے ہیں۔ ایک درجہ یہ ہے کہ سب اقوام متحد ہو کر قرآن حکیم کے پروگرام پر مجتمع ہو جائیں۔ انمیں عربی اور عجمی اور حبشی کا کوئی امتیاز نہ ہو اور کسی قوم کو دوسری قوم پر کسی قسم کی فوقیت اور ترجیح نہ ہو یہ درجہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ختم ہو گیا

قرآن حکیم کے پروگرام کے تحت اجتماع اقوام کے تین درجے۔ پہلا اجتماع بلا تفریق عرب وعجم رنگ نسل۔ یہ دور حضرت ابوبکر رضہ اور حضرت عمر رضہ کی خلافت پر ختم ہوا

دوسرا درجہ قدرے ترجیح ہو یہ درجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہوتا ہے کیونکہ ایک ایرانی کافر ابو لؤلؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عین نماز میں مسجد نبوی میں شہید کیا۔ قدرتاً عربوں کو عجمی لوگوں سے نفرت ہو گئی۔ یہ قدرتی امر تھا۔ اگرچہ ارکان دولت سے عجمیوں کو نکال دیا گیا مگر عام (طور)[1] فرق نہ رکھا جاتا رہتا[2] عجمیوں کو بھی بڑے بڑے عہدے لشکر وغیرہ میں دیئے جاتے تھے۔ یہ دور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ختم ہوتا ہے۔

دوسرا درجہ قدرے ترجیح۔ یہ دور حضرت عمر رضہ کی شہادت سے شروع ہو کر حضرت امام حسن رضہ کی خلافت پر ختم ہوا۔

تیسرا[1] دور حضرت امام معاویہ رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتا ہے۔ تمام عہدوں پر عرب ہی عرب نظر آتے ہیں اور عجمیوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ یہاں سے افتراق عرب وعجم شروع ہوتا ہے۔

تیسرا دور۔ تمام عہدوں پر عربوں کی تقرری اور عجمیوں کو نظرانداز کیا گیا۔ یہیں سے افتراق عرب وعجم شروع ہوتا ہے۔

۱۔ طرح
۲۔ ہے۔

آخر ایرانیوں کی مدد سے خلافت عباسیہ قائم ہوئی - ایرانی (...)[1]
کوشش کرتے رہے آخر سنہ ۲۵۸ میں یعقوب بن لیث صفار نے ایرانی
حکومت قائم کردی اور عربوں کی خلافت کا زوال شروع ہوگیا۔

یہ ایرانی حکومت اور آئندہ عجمی اور ترکی حکومتوں (کا) قرآن حکیم کے پروگرام
(...)[2] اجتماع ہوا ہے - مگر اس کے ساتھ ساتھ قوی تفوق موجود تھا -
اس کی طرف سورۂ جمعہ میں اشارہ ہے کہ قرآن حکیم کے پروگرام پر پہلا
اجتماع عربی ہوگا اور دوسرا اجتماع عجمی ہوگا مگر دونوں اجتماع قرآن حکیم
کے پروگرام کے تحت ہونگے -

اجتماع عجمی میں قرآن حکیم کی حکمت اور فلسفہ پر دارومدار ہوگا - اس
کے ساتھ عصبیت بھی ہوگی اس کی طرف اشارہ جملہ وھو العزیز الحکیم[4] کرتا ہے -
سورۂ یونس اور سورۂ ھود - سورہ یوسف اور سورۂ ابراہیم ان چار
سورتوں میں الر آیا ہے - کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام نینوا کے تھے
یہ ایران کا علاقہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کے تھے جو ایران کا
علاقہ ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام اگرچہ ملک شام سے تدبیر الٰہی
سے مصر میں آکر حکومت کرتے رہے مگر ان کے (جدِّ امجد)[3] حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی تہذیب و تمدن کا سرچشمہ بابل ہی تھا۔

اور حضرت ھود علیہ السلام نے جنوب عرب اور مشرقی افریقہ پر عظیم الشان اثر
کر رکھا تھا - ان انبیاء علیہم السلام نے اجتماع صالح پیدا کیا مگر نیشنل درجہ کا
تھا اگرچہ اصل تعلیم و تہذیب انٹرنیشنل تھی -

یہ دور حضرت امام معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شروع ہوکر ۲۵۸ء
(یعقوب بن لیث صفار) ایرانی حکومت کے قیام پر ختم ہوا - اور عربوں کی خلافت کا زوال شروع ہوا -

ایرانی حکومت - عجمی اور ترکی حکومتوں کا قرآن حکیم کے پروگرام پر اجتماع ہونے کے ساتھ ساتھ قومی تفوق موجود رہا -

قرآن حکیم کی حکمت اور فلسفہ پر مدار - عصبیت کے ساتھ ساتھ عجمی اجتماع کا خاصا

حضرت یونس - حضرت ھود حضرت یوسف اور حضرت ابراہیم علیہم السلام نے اجتماع صالح پیدا کیا مگر وہ نیشنل درجہ کا تھا - اگرچہ اصل تعلیم و تہذیب انٹرنیشنل تھی

[4] الجمعۃ ۶۲: ۳

۱ - برابر
۲ - ان کا
۳ - بڑے دادا -

اور قرآن حکیم نے انٹرنیشنل (عالمگیر) اجتماع صالح پیدا کر کے دکھایا اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے اجتماعوں کو تکمیل کے درجہ تک[1] پہنچا دیا۔

قرآن حکیم نے گزشتہ انبیاءؑ کے اجتماعات کو درجۂ تکمیل تک پہنچا کر انٹرنیشنل اجتماع صالح پیدا کیا۔

ان سورتوں کا مطلب یہ ہے کہ حکیمانہ اجتماع جو کہ قرآن حکیم کے پروگرام پر ہوگا درجہ بدرجہ عالمگیر ہو جائیگا۔ جیسے عرب پہلے پہلے اسلام کے نگہبان تھے ویسے ہی عجمی اقوام اسلام کی نگہبانی کرتی رہیں گی)[2] اور اسلام آگے بڑھتا رہیگا۔

قرآنی پروگرام کا حکیمانہ اجتماع رفتہ رفتہ عالمگیر ہو جائیگا عربوں کے بعد عجمی اقوام اسلام کی نگہبانی کرتی رہیں گی

عجمی اقوام قرآن حکیم کے فلسفہ اور حکمت (فقہ و تصوف) پر اپنی سلطنت کی بنیاد رکھکر اسلامی تبلیغ کرتی رہینگی)[3]

عجمی اقوام قرآنی فلسفہ و حکمت کی بنیاد پر سلطنت قائم کر کے اسلامی تبلیغ کرتی رہیں گی۔

لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب

طبقات علماء حدیث فقہ و تصوف کو دیکھو تو عجمی ہی عجمی نظر آتے ہیں۔ اسیطرح طبقات علماء لغت عربی کے ماہر اور علم بلاغت اور بدیع کے بھی یہی عجمی ہیں۔

علم حدیث فقہ و تصوف لغت عرب اور بلاغت اور تفسیر میں عجمی لوگوں کی مہارت ــــ

اسلامی سیاست کے ماہر اور حکمت قرآنی کے مفسر اکثر عجمی نظر آئیں گے۔

اسلامی سیاست اور حکمت قرآنی پر عجمیوں کی دسترس ــ

ح؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کیلئے اُٹھے اور اپنے اہل بیت کو بیدار کر کے فرمایا۔

؟ح ویلٌ للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من روم یاجوج و ماجوج ہکذا او کما قال ــــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ عالم مثال میں جو سینما الھیہ ہے نظر آیا۔ یاجوج ماجوج کی دیوار میں سوراخ ہو گیا ہے۔

۱۔ درجہ
۲۔ کرتے رہیں گے
۳۔ کرتے رہیں گے۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب بحرین کے لوگوں نے[1] مسلمان ہو کر ایران میں تبلیغ اسلام شروع کر دی تھی - بحرین کا علاقہ ایران میں شمار ہوتا ہے (اور جو بحرین میں آباد ہے ...)

بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام اپنی قوم یہود کو مشرقی اقوام سے ہمیشہ ڈراتے رہتے تھے - خصوصاً ترک (---)[2] اقوام کو بنی اسرائیل یاجوج ماجوج خیال کیا کرتے تھے - حسب مذاق انبیاء بنی اسرائیل کے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رویا عالم مثال میں سیما الٰہی سے نظر آیا - کہ مشرقی قوموں خصوصاً ترک اقوام کیلئے ترقی کا راستہ کھل گیا ہے -

یہ قومیں علم کیلئے عشق رکھتی ہیں اور ترک اقوام میں بڑی جرأت همت اور ہے - جب انکے ہاتھ میں قرآن حکیم اور اسلامی پروگرام آجائیگا تو وہ تمام دنیا پر چھا جائیں گے - اور عربوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے -

جس قوم کے ہاتھ میں قرآنی پروگرام ہوگا وہ تمام دنیا پر چھا جائیگی -

ترک اقوام کی ذہنیت ایرانی ہے - اور ان کی تہذیب و تمدن کا اصل سرچشمہ ایران ہے - بخارا - ایران - قسطنطنیہ اور دہلی سے ایسے اہل اللہ اور سلطان پیدا ہوئے جنہوں نے[3] مشرق اور مغرب کو اسلام سے روشناس کیا

سرزمین عجم نے ایسے اہل اللہ اور سلطان پیدا کیئے جنہوں نے مشرق و مغرب کو اسلام سے روشناس کرایا -

قرآن حکیم میں جہاں کہیں یاجوج ماجوج کا ذکر آیا ہے یا اس حدیث میں وہاں لفظ فتح یا فتحت بصیغہ مجہول آیا ہے - جسکا مطلب یہ ہے کہ ان قوموں کو اسلام فتح کرلیگا - اور اسلام کے خدام ان سے تیار ہونگے یہ وہ قومیں ہیں جنسے انبیاء بنی اسرائیل اپنی قوم کو ڈراتے تھے - وہ قومیں حلقہ بگوش اسلام ہو کر اسلام کو (پھیلائیں گے)[4]

۱- لوگ
۲- اقوام سے مشرقی قوموں خصوصاً -
۳- جو کہ
۴- آگے ترقی دیں گے -

۵۹

جہاں ذوالقرنین نے سد اور دیوار بنائی تھی ۔ اس جگہ کی قومیں سب کی سب آجکل مسلمان ہیں ۔

سد ذوالقرنین کی جگہ آباد قومیں سب کی سب آجکل مسلمان ہیں۔

زیادہ تفصیل "ترجمان القرآن" مصنفہ مولانا ابوالکلام دیکھنا چاہیے ۔

سورہ ہود کا نبی کریم صلعم کی طبیعت پر اثر ۔

ح ؟

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے سوال کیا تھا کہ آپ بہت جلد بوڑھے ہو (گئے[1]) ہوگئے ہیں ۔ آپ ؐ نے فرمایا مجھکو سورہ ہود اور اس کی امثال نے بوڑھا کر دیا ہے [3]

چونکہ آپ ؐ کو اپنی تیار کردہ جماعت عربوں سے والہانہ محبت تھی اسلیئے یہ الفاظ فرمائے ۔ اگرچہ عرب کے اقتدار ختم ہونے سے اسلام ختم نہ ہوگا ۔ بلکہ اسلام زیادہ چمکتا اور بڑھتا رہیگا ۔ آخر وہ بھی بشر تھے اور بشریت کا تقاضا ہے کہ اپنی اپنی قوم اور جماعت کو جسکو انہوں نے بڑی تکالیف اور مشقت سے ایسی اعلیٰ جماعت تیار کی تھی جسکی نظیر کسی نبی کی جماعت اور قوم میں نہیں ملتی ۔ ایسی جماعت کا خاتمہ عالم مثال میں دیکھ رہے تھے ۔ اسلئے غمگین رہتے تھے

حضرت عمرؓ کا مقولہ ۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقولے کا مطلب ہے جیسا کہ آپ رضؓ نے فرمایا تھا کہ "کاش ہمارے (عرب) اور ایران کے درمیان آگ کی دیوار ہوتی ۔

سورہ محمد ؐ میں عربوں سے کہا گیا ہے کہ

۔ ان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا تکونوا امثالکم ۔۔۔ [2]

یہ قانون فطرت ہے کہ جو قوم قرآنی پروگرام پر عمل چھوڑ دیگی اور اقتدار

عربوں کو کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے خدمت اسلام کو چھوڑ کر اور خدمت اسلام سے بیٹھ پھیر کر اقتدار پسندی اور دولت مندی ۔ زر پرستی اور جاہ و جلال

۱ ۔ ادھیڑ   [2] سورہ محمد ۴۷ : ۳۸   [3] الترمذی

جاہ وحشمت اور زر پرست ہوگی اسی سے خدمت اسلام کا منصب لیکر دوسری قوم کو اس منصب سے نوازا جائیگا

کیطرف رخ کر دیا تو عجمی قوموں کو خدمت اسلام ... اور خلق کیلئے کھڑا کر دیا جائیگا وہ قومیں تمہاری طرح ھمیشہ کیلئے ختم نہ ہو جائیں گی بلکہ ایک جماعت ان میں سے ضعیف ہو جائیگی تو دوسری جماعت آکر فوراً اس کی جگہ پر کر لیگی۔

مسلمانوں کی عزت وآبرو خدمت اسلام اور خدمت خلق سے وابستہ ہے۔ اسلام سے روگردانی دنیاوی ذلت اور بربادی کا سبب بنیگی

اگرچہ اس آیت شریف کے پہلے مخاطب عرب تھے مگر الفاظ اس کے عام ہیں۔ یعنی عام مسلمانوں کو کہا جاتا ہے کہ تمہاری عزت وآبرو اللہ تعالیٰ کے ہاں اور خلق خدا کے ہاں خدمت اسلام سے وابستہ ہے۔ اگر تم خدمت اسلام چھوڑ کر اقتدار اور زر کے خدام بن گئے تو تم کو دنیا (...[1]) میں ذلیل اور نیست ونابود کر کے تمہاری جگہ دوسری قوموں کو خدمت اسلام سپرد کر دی جائیگی

اولاد اگر ناخلف ہو اور آباؤاجداد کی میراث کا تحفظ نہ کر سکے تو یہ ورثہ دوسری طرف منتقل ہو جاتا ہے

اے برادران اسلام تم اپنے اپنے علاقہ اور ملک کو غور سے دیکھو کہ بہت سے اہل اللہ تمہارے علاقہ میں موجود تھے اور وہ اہل اللہ خدمت اسلام کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ناخلف جانشین ہوئے۔ انہوں نے تبلیغ اسلام اور خدمت خلق چھوڑ دی وہ جگہیں ویران پڑی ہیں اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اہل اللہ پیدا کر دیتا ہے۔

— فاعتبروا یا اولی الابصار —[2]

۱۔ جہاں ۲ے سورہ حشر ۵۹ : ۲

۷۱

آیت نمبر۱ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۔

ترجمہ ۔ یہ آیات (نشانیاں) ہیں واضح کتاب کی ۔

تشریح :۔ آیات جمع آیت کی ہے اور آیت دراصل اَوَیَۃٌ تھا ۔

لفظ آیت کے مختلف معانی اور تشریح ۔

لغت میں آیت بمعنی جماعت آتا ہے ۔ عرب اپنے محاورہ میں کہتے ہیں ۔ خَرَجُوا بِآیَاتِھِمْ ۔ اپنی ساری جماعت کے ساتھ نکلے اور ہر ایک کلام رکوع منفصل لفظی کہتے ہیں ۔ کیونکہ اس میں بھی حروف و کلمات کی ایک جماعت مجتمع ہوتی ہے ۔

قرآن حکیم میں جب اسکا استعمال کسی فقرۂ قرآن حکیم کیلئے ہو، تو اسکا استعمال بسا اوقات الف لام کے ساتھ ہوتا ہے یا بحالت اضافت ہوتا ہے

قرآن حکیم میں لفظ آیت کا استعمال متعدد معانی (میں) ہوا ہے ۔

۱۔ احکام الہی ۔ ۲۔ دفعات قانون ۳۔ عبرت ۔ ۴ تاریخی عظمت والی نشانیاں ۔ ۵ ۔ معجزات ۶۔ دلائل حقہ ۷۔ کلام الہی ۔ ۸ پیغام روشن اور غفلت دور کرنے والا ۔ ۹ ۔ روشن دلائل ۔ ۱۰ نصیحت یعنی آیات کتاب الہی قرآن حکیم کے براہین حقہ اور روشن دلائل اور احکام الصحیحہ ہیں ۔ اپنی اپنی جگہ بالکل واضح اور روشن اور روشنی دینے والے ٹھوس ہیں ۔

قرآن حکیم کے ہر ایک فقرہ کو آیت کہا جاتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا معانی میں سے خواہ کسی معنی کا بھی اعتبار کیا جائے تو ہر فقرہ قرآن حکیم کا بالضرورت آیت ہے ۔

وہ معجزہ بھی ہے اور نشان قدرت بھی ہے ۔ نصیحت بھی ہے اور عبرت بھی

72

اس کا ہر ایک حرف کلام اللہ بھی ہے اور وہ بہترین برہان ہے اور ابرتر[1] صداقت بھی اپنے اندر رکھتا ہے - اور وہ پیغام الٰہی بھی ہے کیونکہ قرآن حکیم کی ہر ایک آیت من جانب اللہ ایک پیغام ہے اس لئے بھی اسم سے موسوم ہوا ہے -

کتاب -

لفظ کتاب اور لغت عرب -

لکھی ہوئی بات کو کتاب کہا جاتا ہے اسلئے عرب چٹھی کو بھی کتاب کہتے ہیں

لغت عرب میں کتب کے معنی جمع کرنا بھی ہے - کتب الکتاب - اسلئے کہا جاتا ہے کہ حروف کو حروف کے ساتھ سطر کاغذ پر جمع کیا جاتا ہے -

عرب اپنے محاورہ میں کہتے[2] ہیں کہ فلاں امیر نے کتب الکتاب فوجی دستے جمع کئے - کتب الناقۃ - اونٹنی نے تھنوں میں دودھ جمع کیا - اس اعتبار سے قرآن مجید کو کتاب کہنا درست ہے - اس لحاظ سے اسکا ترجمہ الجامع ہوتا ہے یہ کلام بلیغ مواعظ و امثال - انذار و تبشیر و احکام و حکم شریعت و حکمت علمی اقرایات اور حکمت عملی ارتقامات کا جامع ہے -

کتابت قرآن کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

سارے قرآن حکیم کو الکتاب اور ہر ایک سورت کو بھی کتاب کہا جاتا ہے یہ اصطلاح قرآن مجید کی ہے - کیونکہ جب کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً کسی کاتب کو بلوا کر لکھوا دیتے تھے - اور اس آیت منزلہ (کو) تحریر کرا کر پھر اس آیت کی ترتیب دیگر آیات کے ساتھ اور اس آیت کو کس سورت میں رکھا جاوے کس آیت سے قبل یا مابعد رکھا جاوے - اگر کوئی سورت بتمامہا نازل ہوتی تو بھی

۱ - برترین
۲ - ہو

کس سورت کے ماقبل اور کس سورت کے مابعد رکھا جاوے - خود ترتیب فرماکر (...۱) حکم دیتے کہ اذان دیجائے کہ الصلوٰۃ جامعۃ - پھر صحابہ رضؓ جمع ہو جاتے اور آپ صلعم امام بنکر دوگانہ نماز ادا کرتے اور اس سورت کو یا آیت کو ترتیب کے ساتھ پڑھکر سُناتے اور صحابہ یاد کر لیتے -

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتابت قرآن حکیم کا بہت شغف تھا - اگرچہ اللہ تعالیٰ قدوس نے متعدد آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کے طور پر ارشاد فرمایا تھا - سنقرئک فلا تنسیٰ ؎۱

" تجھے پڑھائیں گے اور پھر نہ بھولیگا "

اور پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس کلام پاک کی جمع و ترتیب ہمارے ذمہ ہے

اِنّ علینا جمعہٗ و قرآنہٗ ؎۲

یعنی ہم پر اس کا جمع کرنا اور پڑھ دینا ہے -

۳ اور فرمایا کہ (...۲) مستقبل میں اس کی حفاظت رب العالمین ہی فرمائیگا - کہ

اِنّا نحنُ نزّلنا الذکر و انّا لہ لحافظون ؎۳

یعنی اس قرآن حکیم کو ہم نے ہی نازل کیا اور آیندہ بھی ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں -

۴ - اور پھر فرمایا کہ ایسی جماعت ہمیشہ موجود رہیگی جن کے سینوں میں قرآن حکیم محفوظ رکھا جاویگا اور وہ صاحب (علم۳) اور بڑے دانشمند ہونگے قرآن پاک کے الفاظ - معانی اور مطالب کو نہایت احتیاط سے اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں گے -

حفاظت قرآن حکیم کے بارے اتنی تسلی کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ علت و معلول پر عمل کرتے ہوئے کتابت و حفاظت قرآن کا اہتمام فرمایا -

؎۱ الاعلیٰ ۸۷: ۶ ؎۲ سورہ القیٰمہ ۷۵: ۱۷
؎۳ سورہ الحجر ۱۵: ۹

۱ - پھر
۲ - زمانہ
۳ - عالم

بل هو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم [1]

یعنی قرآن حکیم کی آیات وہ روشن آیات ہیں جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ ہیں یعنی اہل علم اپنے سینے ۔ صدور اور دماغ (...)[1] اسکی حفاظت کیلئے وقف کر رکھینگے

حاصل کلام باوجود اتنی تسلی کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکوینی اسباب کو مہمل نہیں چھوڑتے تھے) اور سلسلۂ علت ومعلول پر پوری طرح عمل کرتے تھے ۔ (آپ[2]) کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے[2] سلسلہ علت ومعلول (...)[3] اور تکوینی اسباب کو اسلیئے پیدا فرمایا ہے کہ اہل علم اس پر چلیں اور اس کی قدر کریں ۔

اسلیئے نہایت شغف واہتمام سے کتابت قرآن حکیم فرماتے تھے

معلوم ہوا کہ ابتداء زمانہ نزول سے جس کی کتابت کا اتنا اہتمام ہوا اس پر لفظ کتاب کا حمل کرنا نہایت موزوں ہے ۔

مبین یہ کلمہ متعدی بھی استعمال ہوتا ہے ۔ اچھی طرح ظاہر کرنے والا اور لازم بھی استعمال[4] ہوتا ہے یعنی ظاہر چیز ۔

قرآن حکیم بذات خود روشن ہے کیونکہ اپنے موضوع کو نہایت واضح طریقہ سے بیان کرتا ہے ۔ نیز قرآن حکیم واضح کرنے والا بھی ہے کیونکہ واقعات اور اخبار ماضی وحال ومستقبل کو نہایت واضح کرنے والا ہے ۔ نیز احکام علت وحرمت اداب خضوع خشوع ۔ حقوق اللہ حقوق الناس اور حق وباطل پر بخوبی روشنی ڈالنے والا ہے ۔ اس لئے قرآن سے زیادہ کوئی کتاب "کتاب مبین" کے نام سے موسوم ہونے کی حقدار نہیں ہو سکتی ۔

اہل علم کے سینے اور دل ودماغ حفاظت قرآن کیلئے وقف ہونگے

آنحضرت صلعم سلسلۂ علت ومعلول اور تکوینی اسباب پر پوری طرح عمل فرماتے تھے ۔

سلسلۂ علت ومعلول اور تکوینی اسباب پر چلنا اور اسکی قدر کرنا اہل علم پر واجب ہے ۔

قرآن حکیم روشن ہے اور اچھی طرح ظاہر کرنیوالا ہے ۔

[1] سورہ عنکبوت ۲۹:۴۹

۱۔ ان کو
۲۔ کو نے
۳۔ کو
۴۔ مستعمل

سورۂ یونس سے لیکر سورۂ الحجر تک یہ پانچ سورتیں الٓـرٰ سے شروع ہوتی ہیں اور سورہ الرّعد الٓمّرٰ سے شروع ہوتی ہے۔ اسمیں میم زیادہ ہے۔ اسکی وجہ بیان ہو چکی ہے۔ مگر ان چھ سورتوں میں کتاب کی صفت میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

اس کا بیان کرنا خالی از افادہ نہ ہوگا۔

سورۂ یونس میں الکتاب الحکیم یعنی جس نظام پر یہ دنیا (...1) اور تمام مخلوقات پیدا کی گئی ہے۔ اس کی حکمت بیان کرنے والی یہ کتاب ہے۔ جس شخص نے اسی کتاب کو تدبر سے پڑھا اور سمجھا وہ شخص اس بڑے نظام میں کامیاب ہو سکتا ہے اور لوگوں کو بھی سمجھا سکتا ہے۔

قرآن کو تدبر سے پڑھنے اور سمجھنے والا شخص خود بھی کامیاب ہوتا ہے اور دوسروں کی رہنمائی کے قابل بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ کتاب تخلیق کائنات اور نظام کائنات کی حکمتوں کو بیان کرنے والی ہے

ایسے حکیم طبع (...2) لوگ ہمیشہ دنیا میں کمیاب پیدا ہوتے ہیں۔ جن لوگوں نے اس نظام کی حکمت (کو نہ سمجھا 3)۔ وہ لوگ ہمیشہ غلامی اور حیوانوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں اور زمانہ کی شکایت بھی ایسے لوگ کرتے ہیں۔

نظام کائنات کی حکمتوں سے بے بہرہ لوگ ترقی نہیں کر سکتے بلکہ ہمیشہ غلامی اور حیوانیت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنی تباہی پر زمانے سے شاکی رہتے ہیں۔

(2) : سورہ ھود :

ایسے بڑے عقل مند (عقل الکل) شاذونادر پیدا ہوتے ہیں تو انسانوں (کیلئے 4) لازم ہے کہ ایسے انسان کو غنیمت سمجھ کر ان کی تابعداری کریں۔ اتنی سمجھ نہیں رکھتے کہ اس کتاب کے احکام ایسے مضبوط ہیں (جنمیں 5) تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا کائنات کا ہر ذرہ جس حکمت پر پیدا کیا گیا ہے وہ اپنی فطرت نہیں چھوڑ سکتا۔ اسمیں تغیر و تبدّل ناممکن ہے۔ یہ کتاب الٰہی اس سنت اللّٰہ کی طرف رہبری کرتی ہے۔ اس حکمت اور احکام کی ایسی مفصل تقریر کی گئی ہے۔

جو ہر نایاب ہمیشہ دنیا میں کمیاب رہا ہے ان کی ناقدری سے نعمت خداوندی چھن جاتی ہے۔

کائنات کا ہر ذرہ اپنی فطرت پر قائم ہے جسمیں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ یہی قانون فطرت ہے جس کی طرف یہ کتاب (قرآن) توجہ دلاتی ہے

1- جہاں
2- ایسے
3- نہ سمجھ سکے
4- کو
5- جنمیں

جس سے ادنیٰ فہم کے لوگ بھی سمجھ سکیں۔

۳۔ سورۂ یوسف

قصۂ یوسف علیہ السلام میں عقلمند انقلابیوں کیلئے درس عبرت ہے۔ یہ شمع راہ ہے اور اس میں تکمیل انسانیت کی حکمتیں اور احکام ہیں۔

اس کی ایک مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے جو تفصیل وار بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی جزئیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ اسمیں عقلمند انقلابیوں کیلئے درس عبرت ہے۔ اور شمع راہ ہے۔ اسیطرح اور حکمتیں اور احکام (جن)[1] سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے یہ (...)[2] کتاب تفصیل سے بیان کرتی ہے فقط تدبر اور غور کی ضرورت ہے

۴۔ سورۂ رعد:۔

حق وباطل میں امتیاز کی استعداد ظلم وزیادتی اور بداخلاقی سے اجتناب اور عدالت کو راہ عمل بنانے والی قومیں لیقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہیں۔

(ایسا)[3] فہم اگر کسی کو اللہ تعالیٰ عطا کرے جس سے حق وباطل میں تمیز کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو وہی انسان یا جماعت کامیاب ہو سکتی ہے۔ حق وانصاف اور عدالت جس جماعت نے اپنا طریقہ اور راہ عمل بنایا اور ظلم (زیادتی)[4] اور بداخلاقی سے اجتناب کیا اور باطل ملمع جو کہ اپنی ابتدائی نشوونما میں خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ جھاگ کیطرح اوپر رہتا ہے۔ اپنی چشم بصیرت سے اسکو پہچان لیا وہی قوم اور جماعت کامیاب ہوتی ہے۔

باطل کی ملمع سازی ابتداً بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ اسکی پہچان کیلئے چشم بصیرت چاہیے۔

۵۔ سورۂ ابراھیم

نور وظلمت علم وجہالت گناہ وثواب ایسی بنیادی حقیقتیں ہیں جنہیں کم فہم انسان بھی آسانی سمجھ سکتا ہے اور فرق محسوس کر سکتا ہے۔

(یہ جوکہ)[5] نور اور ظلمت میں فرق کرنا کوئی زیادہ غور وخوض کی بات نہیں ہے۔ اسلئے جہالت اور علم۔ گناہ اور عبادت الٰہی میں اور صالح انسان اور فاسق انسان میں فرق ہر انسان اگرچہ کتنا ہی کم فہم ہو سمجھ سکتا ہے۔

کون شخص ہے جو کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام اور اس کے طریقہ "ارتقامات" اور "اقترابات" اور اس کی دعوت الی اللہ کی حقیقت سے واقف نہ ہو۔

۱۔ جس
۲۔ اس
۳۔ ایسی
۴۔ ناحق
۵۔ کیونکہ

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے لوگوں کو تاریکیوں اور ظلمات سے نکال کر نور اور روشنائی اور علم اور ہدایت اور خشیت الٰہی کے میدان میں لا کھڑا کر دیا[1]۔

تب زمین پر عدالت۔ انصاف اور عبادت الٰہی ہونے لگی۔ اسی طرح یہ کتاب حکیم انسانوں کو ظلمات اور جہالت اور بے دینی سے نکال کر نور اور علم کیطرف رھنمائی کرتی ہے

نور علم سے سلسلۂ علت و معلول جسپر نظام کائنات چل رہا ہے۔ اس کی حکمت معلوم کر کے انسان بڑی ترقی کر سکتا ہے اور حظیرۃ القدس تک پہنچکر لقاء اللہ سے محظوظ ہو سکتا ہے اور اپنی قیمتی حیات لولا یعنی امور اور بیہودہ اور "لھو الحدیث" اور "لغو الحدیث" میں خرچ نہیں کر سکتا اور شیطان کے طریقوں سے پرہیز کرتا ہے۔ شیطانی دعوت اور طریقہ میں نہ کوئی دنیاوی فائدہ ہوتا ہے اور نہ اخلاقی۔ قیمتی زندگی ایسے ناشائستہ امور میں خرچ کرنا انسان کیلئے نامناسب ہے)[2]

اس کتاب حکیم کی جب غرض وغایت یہ ہے کہ آپکے وسیلے سے آپ کی تشریح سے آپ کے اعمال و اقوال سے ایسی جماعت تیار ہو کر ھمیشہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور اور علم کیطرف لاتی رہے تو ضروری ہوا کہ۔ ۔

سورۃ الحجر

اس کتاب حکیم جو کہ سراسر نور اور حکمت ہے اور اسیطرح آپ کی تعلیم اور تشریح جو کہ اس کتاب حکیم پر عمل کرنے کے طریقے سکھاتی ہے۔ ان دونوں کی حفاظت اللہ تعالےٰ قدوس فرماتے ہیں کہ ہمارے ذمہ ہے۔

جبتک نسل انسانی قائم رہیگی یا کوئی ذی فہم و عقل اس زمین پر انسان کا جانشین ہوگا۔ تب تک یہ کتاب حکیم اور آپ کی تشریح (۔۔۔)[3] اور عملی پروگرام ھمیشہ ھمیشہ

دعوت ابراھیمی کا ایک مفہوم یہ بھی کہ "علم۔ عبادت اور عدالت سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

علم وہ نور ہے جس سے نظام کائنات کی حکمتوں کو سمجھکر انسانی ارتقائی منازل طے کر کے لقاء اللہ سے محظوظ ہو سکتا ہے۔

"علم ہی وہ شمع ہے جس کی روشنی نفس اور شیطان کے جال سے بچاتی ہے

کتاب حکیم کی غرض و غایت = آپ کی راہنمائی و تابعداری میں ایسی جماعت کا وجود ہو جو ھمیشہ ظلمتوں سے نور اور علم کیطرف بلاتی رہے

کتاب حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تشریح اور طریق عمل دونوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ قدوس کے ذمہ ہے۔

جب تک نسل انسانی قائم ہے اور اس زمین پر انسان کا جانشین ہوگا تب تک کتاب حکیم اور آپ کی تشریح اور عملی پروگرام کی حفاظت اللہ تعالےٰ قدوس کرتا رہیگا

۱- کر دیا۔
۲- انسان کی لیاقت سے دور ہے۔
۳- نوٹ

کیلئے اللہ تعالیٰ قدوس اس کی حفاظت کرتا رہیگا۔

سمجھدار، اولی الالباب کرام برترہ ان کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں گے۔ کسی اور نبی
کے بھیجنے کی ضرورت نہیں پڑیگی۔ آپؐ اور آپکی جماعت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اللہ تعالیٰ
کی طرف دعوت دینے اور صحیح صحیح طریقے معاشی اور معادی (...)[1] تعلیم دینے کیلئے کافی
وافی ہوتی رہیگی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

آیت نمبر ۲ اِنَّآ اَنزَلنٰهُ قُرءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُم تَعقِلُونَ۔

ترجمہ:- ہم نے اسکو اتارا ملکہ عربی زبان میں تاکہ تم آسانی سے سمجھ سکو

نزول اور نزل کے معنی لغت میں نیچے، اترنا اور انزال انزالاً کے معنی ہیں[2] نیچے اتارنا
قرآن حکیم کے مضمون کو (اللہ تعالیٰ نے) عربی زبان میں اتارا۔ اسی انزال کی حقیقت
جیسے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں عرض کردینا خالی از مادہ نہ ہوگا۔

"سب سے پہلے یہ بات سمجھنی چاہیے کہ ایک استاد تجربہ کار واقف السنہ
مختلفہ کوئی علمی مضمون ایک جماعت ایرانی (...)[3] کو سکھلائیگا تو ایرانی
زبان میں تعلیم دیگا۔ اگر سندھیوں کو پڑھائیگا تو سندھی زبان اختیار کریگا۔ اسی
طرح اگر عربوں کو اس علم کا ماہر بنانا مقصود ہوگا تو عربی زبان میں بیان کرتا رہیگا۔ مگر
مضمون اور مطلب اور مقصود ایک ھی ہوگا۔ فقط الفاظ اور مذاق کا فرق ہوگا۔

مثلاً بھر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش - من انداز قدرت را مے شناسم

اسیطرح علمی خزانہ الٰہی سے جو انبیاء علیہم السلام پر علم نازل ہوتے ہیں
سب کا مطلب اور مقصد ایک ھی ہوتا ہے مگر جس قوم میں نبی مبعوث ہوتا ہے
انکی زبان اور تہذیب اور ذہنیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

آپؐ کی جماعت کے عقلمند اصحاب علم ہمیشہ دینی، معاشی اور معادی تعلیم کیلئے کافی رہیں گے اور یوں کسی اور دوسرے نبی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں پڑیگی۔

عربی زبان میں نزول قرآن کی حکمت

یہ سنت اللہ رہی ہیکہ ہر قوم کو اسکی اپنی زبان میں کتاب دی تاکہ وہ سمجھکر مہارت تامہ حاصل کرے۔

وغیر تدریس کیلئے قومی زبان، تہذیب اور ذہنیت کا لحاظ رکھنا ازحد ضروری ہے۔

مثلاً کہ من آں قد موزوں می شناسم - اسدی

۱۔ کی
۲۔ کا معنی ہے
۳۔ مثلاً

اللہ تعالیٰ قدوس نے (جو) غیب الغیب ازل الازل ہیں معلوم کیا کہ فلاں وقت فلاں قوم کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوگی۔ اس قوم کو سمجھانے میں کیلئے انمیں ایک نبی صاحب بخت اعظم جسکی روح میں تمام کمالات روحانی اور انکے جسم میں تمام کمالات جسمانی موجود ہونگے۔ اور انکی اور انکی قوم کی زبان عربی ہوگی۔ انکی تعلیم کا بندوبست عربی زبان میں کیا جائیگا۔

چونکہ انمیں فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ مذاق ہوگا۔ اسلیئے اس کتاب کی زبان عربی اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت والی اسطرح نازل کیجاویگی اسکو علم کلام والے کلام نفسی کہتے ہیں۔ اور یہ صفات الھیہ میں سے (ہے[1]) اسلیئے قدیم ہے یہ درجہ بطن البطون اور غیب الغیب اسماء الحمیدہ میں تھا

جب اللہ تعالیٰ قدوس کا ارادہ ہوا کہ عالم شہادت پیدا کرے تو پہلے پہلے ایسی مخلوقات پیدا کی جن کے (اروح)[2] اعلیٰ درجہ کے نازک اور لطیف تجرد کے قریب قریب ہوں اور ان کے جسم بھی نہایت لطیف اور ہر قسم کی کثافت سے پاک ہوں تاکہ مجرد محض (لاہوت) کے رموز کو سمجھ سکیں۔

چونکہ وہ بھی مخلوق ہوگئے تو مخلوق اور ذات باری تعالیٰ کے درمیان رابطہ کا کام دینگے۔ ایسی اعلیٰ مخلوقات کو اصطلاح میں ملائک عظام کہا جاتا ہے۔

چونکہ مخلوق مختلف ہے تو ملائک عظام بھی مختلف صیغوں کے محکمے افسر ہونگے جو ملک عظیم علمی خزانہ کا افسر ہے۔ اسکو جبرائیل علیہ کے نام سے انسان پکارتے ہیں۔ یہ اصطلاح تورات کی ہے۔ اسکو قرآن حکیم میں استعمال کیا گیا ہے اور اس ملک اور فرشتہ کو کہا گیا

اسلیئے اللہ تعالیٰ قدوس نے قرآنی تعلیم کو عربی زبان میں نازل فرمایا۔

موثر تدریس کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ نصاب میں زبان۔ ذھنی سطح اور مزاج و مذاق کا لحاظ رکھا جائے

عالم شہادت کیلیئے ضروری تھا کہ ایک ایسی نازک و لطیف۔ کثافت سے پاک مخلوق تخلیق کیجائے جو کہ مجرد محض (لاہوت) کے رموز کو سمجھکر خالق و مخلوق کے درمیان رابطے کا کام دے۔ ایسی مخلوق کو ملائک عظام کہا جاتا ہے۔

علمی خزانے کے افسر کا نام جبرائیل ہے۔

1- ہیں۔
2- روح

جبرائیل کے ماتحت لاکھوں (...۱) ملائکہ کام کرنے والے ہیں - جس جگہ یہ ملک عظیم امین رہتا ہے اس جگہ کا نام "خطیرۃ القدس" ہے -

اس مقام پر کلام الٰہی اور احکام تکوینی بے کیف نازل ہوتے ہیں اور حضرت جبرائیل کے دماغ میں الفاظ منقش ہو جاتے ہیں - وہ الفاظ و کلام نیچے اولی العزم نبی پر جبرائیل آکر (سناتے[۳] ہیں[۲])

اس کی ایک مثال اگرچہ ناقص ہے بیان ہوتی ہے -

جیسے انسان کے دماغ میں ایک علمی مضمون سمجھ میں آتا ہے - پھر قوت خیالیہ کے تختہ پر آکر الفاظ کی صورت اختیار کر لیتا ہے - اس کے بعد قلب کی قوت سے زبان پر آجاتا ہے اور کان اسکو سنتا ہے اور سننے والے اس کا مضمون اور مطلوب الفاظ سے سمجھ جاتے ہیں - ذالک تقدیر العزیز العلیم [ک]

اسیطرح کلام الٰہی کے نزول کی دھندلی سی تصویر سمجھو -

قرآن حکیم کلام الٰہی ہے مگر الفاظ اور رنگ جبرئیل کے سینہ و دماغ میں منقش ہوئے - وہ کلام ازلی بے کیف تھا - اور جبرئیل کے دماغ و سینہ میں الفاظ کی شکل اختیار کی اور انسانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا اور آپ[۳] نے عملی طریقے سکھائے اور قرآن حکیم پر عملی پروگرام مرتب کیا - اس کے بعد ان کے خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین نے انکی جزئیات تفصیل سے بیان فرمائی -

اسلئے جس شخص یا قوم کو کلام الٰہی قرآن حکیم پر تدبر کا شوق ہو تو ائمہ مجتہدین اور خلفاء راشدین اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے غور کرنا ہوگا -

جبرائیل امین کے رہنے کی جگہ کا نام خطیرۃ القدس ہے

خطیرۃ القدس پر کلام الٰہی اور تکوینی احکام کا بے کیف نزول ہوتا ہے اور جبرائیل کے دل و دماغ پر الفاظ منقش ہو جاتے ہیں جنہیں وہ انبیاء تک پہنچاتے ہیں -

ملک عظیم پر کلام ربی کے نزول کی ایک مثال - - - -

قرآن حکیم میں غور و تدبر کیلئے ائمہ مجتہدین، خلفاء راشدین اور احادیث رسول صلعم کا واسطہ لازمی ہے اس کے بغیر حکمت و حقائق کا سمجھنا ناممکن ہوگا

[ک] یٰسین ۳۶ : ۳۸

۱- لاکھ
۲- سناتا ہے
۳- آپ نے

لفظ قرآن کی حقیقت اور حکمت

قُرْآنًا :- صیغہ مبالغہ کا ہے قَرَءَ سے یعنی کثرت سے پڑھی جانے والی کتاب اور پڑھنے کے لائق کتاب۔ جسکے پڑھنے سے قاری کو لذت اور فرحت حاصل ہو اور اس کے معانی سے روح اور دماغ کو روحانی لطف حاصل ہو اور دماغ ترقی کی راہ پر گامزن ہو اور سننے والا اس پر فریفتہ ہو جائے اور طریقوں کو چھوڑ کر اس کتاب ہدایت پر عمل کرنے لگے۔ اس صیغہ میں یہ سب راز[1] مضمر ہیں اور یہ پیش گوئی ہے کہ[2] یہ کتاب بکثرت پڑھی جانے والی ہے

اب چودہ سو[3] سال ہونیوالے ہیں۔ یہ زمانہ دراز شاہد عدل ہے کہ چالیس[4] کروڑ سے زیادہ انسان اس کو رات دن پڑھتے آئے ہیں۔ اور پڑھتے رہیں گے۔ اور پانچ وقت دن رات متبرک مقامات مسجدوں کی محرابوں میں ہر روز پڑھی جاتی ہے۔ اور پڑھنے والے کبھی اس کے پڑھنے سے ملول نہیں ہوتے اور بڑے بڑے دانشمند اہل اللہ اور راسخ فی العلم اس کے معانی پر غور کر کے نئی نئی شرحیں لکھتے آئے ہیں اور لکھتے رہیں گے۔ ایک ایک آیت بلکہ ایک فقرہ و ایک جملہ کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ اور قرآن حکیم کی تلاوت سے جو (حلاوت[5]) اور لذت کانوں اور باقی اعضاء کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کی کیفیت قاری کو معلوم ہے۔ دل اور روح نور سے معمور ہو جاتا ہے کثرت تلاوت سے جسم بھی نور ہی نور ہو جاتا ہے۔

اسلئے ضرورۃً اس کتاب حکیم کو قرآن کے لفظ سے موسوم کیا جانا لابدا امر ہے۔

قرآن حکیم کو عربی زبان میں نازل کرنے کے اسباب اور حکمتیں۔

عَرَبِيًّا :- اس قرآن مجید اور کتاب حکیم کی زبان اور لسان عربی کیوں اختیار کی گئی ہے۔ اس کے اسباب یہ ہیں)[6]

ایک تو اس سبب سے کہ اس کے مخاطب اولین عرب ہی تھے۔ اور اس دور زمانہ میں عرب خصوصاً قریش بڑے فہیم ذکی اور دانشمند تھے۔ اس امانت کے بار اٹھانے کی انمیں بڑی استعداد موجود تھی

۱۔ باتیں
۲۔ یعنی
۳۔
۴۔
۵۔ جلاوت
۶۔ ہے

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو سمجھنے کی استعداد پیدا کرنے کیلئے حضرت ابراھیمؑ نے بحکم خداوندی ایک درس گاہ مکہ میں قائم جسے "بیت اللہ" کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراھیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کو حکم ہوا تھا کہ آنے والے اولی العزم (رسول) خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک درس گاہ بنائیں۔ اسلئے بیت اللہ تیار ہوا ہے جیسے جیسے اس خاتم النبیین کا زمانہ قریب آتا گیا ویسے ویسے انکے باشندوں (عرب) کی زبان سدھرتی گئی اور انمیں دانشمندی اور فہم وذکا بڑھتی گئی تاکہ اس خاتم النبیین کے رموز کو سمجھ سکیں

یہ سنت اللہ ہے کہ جہاں علم وعرفان کی بارش مقصود ہوتی ہے وہاں پہلے سے اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں

ایسی ہی سنت اللہ جاری ہے کہ جہاں کہیں کوئی بڑا اہل اللہ پیدا ہوتا ہے اسکی پیدائش سے پہلے ایسی جماعت اس کے قرب وجوار میں پیدا کردی جاتی (ہے)[1] جو اس کامل کی صحبت سے مستفید ہوکر اُنکا علم وعرفان اوروں کو پہنچائیں۔

قرآن حکیم میں عربوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

عربوں کے حق تلاوت ادا کرنے پر قرآنی شہادت۔

الذین آتینھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ واولئک یؤمنون بہ [3]

یعنی جس جماعت (عربوں) کو ہم نے کتاب حکیم دی ہے۔ اس کی تلاوت کا حق وہ پورا پورا ادا کرینگے اور اس پر پوری طرح ایمان لاکر عمل کریں گے۔

قرآنی پروگرام کو چھوڑنے سے دنیا اور آخرت کا خسران ہے۔

اب ارخ پڑھکر دیکھو تو (معلوم ہوگا کہ)[2] کتاب کے پڑھتے وقت اگر ان کو تیر لگتا ہے تو اس کی پرواہ نہیں کرتے اور اوروں کو پڑھانے کیلئے بر اور بحر کو نہ چھوڑا۔ ایمان بھی ایسا کہ اس پر مر مٹے۔ جب سے عرب نے قرآن حکیم چھوڑ دیا خسران اور نقصان میں عمر گزار رہے ہیں نہ کوئی قوم ان کی سرداری مانتی ہے نہ انکو کوئی قوم عزت وآبرو دیتی ہے۔

عربی زبان کی دیگر مروجہ قدیم زبانوں پر فوقیت۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عربی زبان سب السنہ (زبانوں) سے مہذب ہے۔ اسکی ابتداء کہ کب سے بنی ہے۔ معلوم نہیں ہوتی اور دوسری السنہ (زبانیں) جیسے (قدیم) پرانی عبری زبان یا ایرانی زبان کو دیکھو تو انہوں نے اپنی روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے عربی زبان سے نصف سے زیادہ مانگ تانگ کر پورا کیا ہے۔

۱۔ جاتے ہیں
۲۔ (...)
۳۔ سورہ البقرہ ۲: ۱۲۱

اگر یورپ کی زبانوں کو دیکھو تو فرانسیسی زبان کے اکثر الفاظ اور محاورات عربی ہیں اور انگلش کو (جا) دیکھو تو اکثر الفاظ عربی الفاظ موڑ توڑ کر اپنی زبان بنائی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس یورپ کی دوسری زبانیں (ہیں)

یہ عربی ایسی قدیم ہے کہ ہندوستان کے قدیم راجہ اپنی مخفی باتیں اسمیں کرتے تھے شاید لکھتے بھی ہونگے۔

د۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ عربی زبان اللہ تعالیٰ قدوس کو معلوم تھا کہ جیسے ماضی وحال میں زندہ رہی ہے اسی طرح مستقبل میں بھی زندہ رہیگی۔

عربی زبان کے ماضی وحال کیطرح مستقبل میں زندہ رہنے کی پیشگوئی

اب دیکھو یہ عربی زبان عرب میں (ہی) اور شام و مصر و مراکو میں تو زندہ ہے۔ ان ملکوں کے تمام باشندے یہودی یا نصاریٰ[1] ہوں عربی زبان بولتے ہیں۔ اسکے علاوہ ہندوستان، چین، ترکستان اور ایران میں عربی زبان کے بڑے بڑے کالج اور سکول ہیں اور لندن سے لیکر برازیل تک اس زبان میں رسالے اور اخبارات نکلتے رہتے ہیں[2]

باقی مذاہب کی کتابیں جس زبان میں تھیں وہ زبانیں مردہ ہوچکی ہیں جیسے وید اور ژند۔ استا۔ تورات اور انجیل کی زبانیں صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ آیندہ بھی ان کے زندہ ہونے کی امید نہیں ہے۔

قرآن کے علاوہ سماوی کتب کی زبانیں صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہیں اور آیندہ ان کے ارتقاء کی کوئی امید نہیں۔

جونکہ قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ قدوس ہمیشہ زندہ رکھنا (چاہتے تھے)[3] تو اس لیئے اسکے لیئے زبان بھی ایسی پسند فرمائی جوکہ ہمیشہ زندہ رہنے والی تھی۔

چونکہ قرآن حکیم کو ہمیشہ زندہ رکھنا ہی مقصود خداوندی تھا اسلیئے قرآن کو ہمیشہ زندہ رہنے والی زبان عربی میں نازل فرمایا۔

جیسے فطرت انسانی میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا ویسے ہی وہ کتاب الٰہی جوکہ فطرت انسانی کو اوج تکمیل پر پہنچانے والی تھی۔ اور فطرت انسانی کی محافظ ہے اسکی زبان کو بھی تغیر و تبدل سے محفوظ رکھا۔

کتاب الٰہی فطرت انسانی کیطرح غیر متبدل ہے۔

۱۔ نصاریٰ

۲۔ یورپ والیشیا کی تمام مصنوعات جنہیں عالمی منڈی میں فروخت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ انپر انگریزی کے بعد عربی زبان میں طریق استعمال وغیرہ لکھا جاتا ہے۔ اس وقت تقریباً تمام دنیا میں عربی زبان میں لٹریچر شائع ہوتا ہے۔

۳۔ منظور تھا۔

تین سو[۱] سال پہلے کی[۱] انگریزی زبان آجکل لنڈن میں کوئی نہیں بولتا اور نہ سمجھ سکتا ہے

عربی کے سہ حرفی مصادر کے حروف کو الٹ پلٹ کردیا جائے تو بھی اصل معنی کی بو باقی رہتی ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس کے مصادر کی بناوٹ تین حرفوں سے ہوتی ہے اگران حرفوں کو آگے پیچھے کرد تو وہ خالی از معنی نہیں ہونگے بلکہ اصل معنی کی بو سب میں موجود ہوگی۔

مثال۔ "حمل" یہ لفظ ح۔م۔ل سے مرکب ہے۔ اس میں بار (بوجھ) اُٹھانے کے معنی ہیں۔ پھر اس کی تقلیب کرو تو لحم یا محل یا لمح یا ملح ہوگا۔ سب الفاظ بامعنی ہیں۔ اس زبان کی نثر بھی نظم ہے۔ اور اگر کسی لفظ کی حرکات میں تغیر و تبدل کرو تو بھی خالی از معنی نہ ہوگا

عربی زبان کی فصاحت و بلاغت

اگر اس زبان کے دس مصادر لیکر ایک قصہ اور ناول بناؤ تو کسی اور مصدر کی آپ کو ضرورت نہیں پڑیگی بلکہ اس زبان کے حروف ھجاد کے اپنے اپنے معنی ہیں جیسے میم جو کہ لبوں کے ملانے سے نکلتا ہے جہاں اصلی ہوگا اسمیں اجتماع کا معنی کچھ نہ کچھ ہوگا اسطرح را کی آواز میں تکرار ہے۔ جہاں یہ اصلی ہوگا وہاں اسمیں تکرار کے معنی کی بو ہوگی۔

عربی گرامر کے قواعد عقلی قوانین پر مبنی ہیں۔

علماء فصاحت و بلاغت اس بات پر متفق ہیں کہ عربی زبان کی بناوٹ عقلی قوانین پر ہے۔ جیسے اسکی صرف و نحو عقلی قوانین پر منطبق ہوتی ہے۔ ہر ایک حرف کا اصلی مخرج اور اصلی معنی رکھا[۲] ہے اور سہ[۲] حرفی کلمہ بنانے میں بڑے غور و خوض کا کام ہے۔ سوائے عقلمند کے کوئی ایسی جرأت نہیں کرسکتا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ عربی زبان عقلمند لوگوں کی زبان ہے۔ اس زبان کے عجائبات ختم ہونے والے نہیں۔ اسکے لیئے بڑے بڑے دفتروں کی ضرورت ہے والعاقل یکفیہ الاشارہ۔

۱۔ اولاً
۲۔ کے

عربی زبان کے حروف تہجی سے بے نقاط حرفوں کو لیکر علامہ فیضی ہندی نے قرآن شریف
کی تفسیر لکھی جوکہ عجائبات دنیا میں شمار ہوتی ہے [1]

لعلکم تعقلون ۔

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عرب لوگ غالباً زمانہ بعثت میں بڑے عقلمند تھے
کسی بات کو سن کر اُسپر عقل سے تدبر کرتے تھے اپنے خداداد فہم وادراک سے فائدہ اُٹھاتے تھے
اگر فائدہ (۔۔۔)[2] والی کلام ہوتی ورنہ اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن
حکیم کے نازک مسائل کی حقیقت سمجھکر لبیک کہکر گرویدہ ہوجاتے تھے ۔

عرب زمانہ بعثت ہی سے بڑے عقلمند تھے ورنہ قرآن حکیم کے نازک مسائل کی حقیقت کو سمجھکر لبیک نہ کہتے ۔

بڑے فلاسفر کی بات سمجھنے کیلئے فلاسفر ہونا ضروری ہے ۔

ع ولی را ولی می شناسد

اگر عرب خصوصاً قریش بڑے فلاسفر نہ ہوتے تو اتنا بڑا اولی العزم پیغمبر
جو کہ آخری پیغام لیکر آتا ہے اس کی شاگردی کیسے کر سکتے ۔ اس کے رموز کو کیسے سمجھ سکتے
یہ جو عوام واعظوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ عرب نالائق ۔ وحشی اور غیر مہذب تھے
یہ کذب اور بہتان ہے ۔ گو البتہ بے عقل گروہ عوام کا بھی تھا مگر عقلمند طبقہ بہت
زیادہ تھا ۔ خصوصاً مکہ مکرمہ میں عقلمند مہذب جماعت کثرت سے تھی ۔

عظیم پیغام کے سمجھنے کیلئے بڑی استعداد کی ضرورت ہوتی ہے

(دورِ جاہلیت کے عربی قصائد ۔ اشعار ۔ خطبات اور لیکچر پڑھو تو انسان حیران
رہ جاتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ عرب جاہلیت کے لوگ مہذب ۔ شریف اور عقلمند
تھے ۔ اسلئے اللہ تعالیٰ قدوس نے انکو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت
کیلئے اختیار فرمایا ۔

دورِ جاہلیت کے عربی ادب سے ان لوگوں کی عقل، تہذیب اور شرافت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے

۱۔ علامہ ولی رازی نے سیرت طیبہ صلعم پر ایک کتاب "ھادی عالم" غیر منقوط تحریر میں لکھی ہے ۔
جو کہ قومی مقابلہ کتب سیرت میں انعام یافتہ ہے ۔ اللہ کرے زور بیان اور زیادہ ۔

۲۔ افقلنہ

عقل انسانی میں ایک قوت ہے جس سے علت و معلول میں جو نسبت ہوتی ہے اسکو جبتک نہیں سمجھتا اور اسپر پوری طرح غور نہیں کرتا تبتک اسپر ایمان اور یقین نہیں لاتا علت اور معلول کی نسبت اور سبب و مسبب کی نسبت کے سمجھنے کو علم کہا جاتا ہے یہ علمی قوت عقلی قوت کی پیداوار ہے

بڑے عقلمند سمجھدار انفرادی طور پر بھی پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ عقلی قوت ہر ایک انسان میں ودیعت اور امانت کے طور پر) رکھی ہوئی ہے یہ فطرت انسانی ہے ۔ مگر جہاں اجتماعی طور پر مجالس اور کانفرنسیں ہوتی ہوں اور ہر ایک آدمی کو رائے دینے اور رائے سننے کا حاصل موقع ہو اور ہر ایک آدمی اپنے اپنے تجربات کی بنا پر اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق تجویزیں پیش کرے ۔ جس پر دوسرے آدمی آزادانہ طور پر اسکی رائے سنیں اور اسپر غور و خوض کریں تو اس طرح عقل اپنی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے ۔

ہم نے (...) پینتیس لفظ میں ذکر کیا ہے کہ قصّی بن کلاب سب اسماعیلی جماعت کے سرداروں کو اکٹھا کر کے انکو مکہ مکرمہ میں جمع کر کے بٹھلایا اور دارالندوہ قائم کیا جہاں کانفرنسیں مشترکہ طور پر ہوتی تھیں ۔ اور جو لوگ تجارت کر کے واپس مکہ مکرمہ میں آتے تھے تو اپنے تجربات علمی و اخلاقی اور قوموں کی ترقی و تنزل کے اسباب و علل دارالندوہ میں بیان کرتے تھے تاکہ قوم عرب ان سے واقف رہے جس سے قریش کی عقلمندی اور تجربات بڑھتے اور ترقی کرتے جاتے تھے ۔ اور بیہودہ اور لغویات سے پرہیز کرتے تھے / صحیح واقعات پیش کرتے تھے۔ اور جھوٹ اور کذب سے اپنے آپ کو ملوث نہیں کرتے تھے ۔

ایسی عقلمند جماعت تیار ہو چکنے کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گفتہ حکمت کی تہہ تک پہنچنے کی انہیں استعداد کا اہلیت

ایمان کا ایک مفہوم یہ ہے کہ علت و معلول کی نسبت کو غور سے سمجھکر اس پر یقین لایا جائے ۔

علت و معلول اور سبب و مسبب کی نسبت کو سمجھنے کا نام علم ہے

عقلی قوت کا بطور امانت و ودیعت کیا جانا فطرت انسانی ہے ۔ علم تجربات اور استعداد اسے ترقی دیکر اوج کمال تک پہنچاتے ہیں

قریش کے دارالندوہ مشترکہ اجتماعات میں بیان کردہ علمی اخلاقی تجربات سے استفادہ کی بدولت علم و عقل میں اضافہ ہوا اور ترقی کر گئے

یہ قانون فطرت ہے کہ جب قابل استعداد جماعت اکٹھی ہو جاتی ہے تو ان کی رہنمائی کیلئے لیڈر کا انتظام کر دیا جاتا ہے

تک پہنچ چکی تھی ۔

اسلیئے اس جملہ میں کہا گیا ہے کہ چونکہ تم کو عقل مندی کی باتیں سمجھنے کی لیاقت ہے اس لیئے قرآن حکیم کی حکمت کی باتیں تمہارے بخشیں ہیں ۔ امید غالب ہے کہ تم سمجھ جاؤ گے اور تمہاری ذھنیت کے مطابق یہ کتاب الٰہی نازل ہوئی ہے ۔

"حق بحقدار رسانید"

یعنی یہ قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کا تمہاری (عربی) ذھنیت کے مطابق نازل کیا گیا ہے اور اس کا اسلوب بیان قرآن مجید کے طور پر نازل ہوا ہے جس سے خدا پرست لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں اور عقلمند انقلابی جماعت جنکا نظریہ عالمگیر انقلاب ہو ۔ اس سے استفادہ کر کے اپنا عملی پروگرام تیار کر سکے ۔

نصاب تعلیم میں طلبہ کے ذھنی رحجان کا لحاظ رکھنا ازحد ضروری ہے

توراۃ میں جتنے قصے تواریخی انبیاء علیہم السلام کے بیان کئے گئے ہیں وہ بنی اسرائیل کی ذھنیت کے مطابق تھے ۔ توراۃ لکھنے والوں کی یہ ذھنیت تھی کہ جب کسی پیغمبر یا کسی بڑے آدمی کا تذکرہ لکھتے ہیں تو بتاتے ہیں (کہ) کب پیدا ہوئے اور کہاں رہے ۔ کتنی شادیاں کیں ۔ کتنے بیٹے بیٹیاں پیدا کیں ۔ کتنا مال اس کے پاس تھا ۔ کہاں اپنا چوپایہ مال چراتے رہے ۔ کہاں فوت ہوئے اور اسکی عمر کتنی تھی ۔

توراۃ کے تاریخی قصے بنی اسرائیل کی ذھنیت کے مطابق لکھے گئے ہیں ۔

اسی طرح کے قصے "مہابھارت" اور "رامائن" میں بھی نظر آتے ہیں اور جہاں ان کے کسی اصلاحی کام کا ذکر کیا تو اسمیں دو چار باتیں ایسی بھی درج کر دیں جس سے اس کا یہ اصلاح کا کام "مافوق الفطرت" اور معجزات میں شامل ہو جاتا ہے ۔ انسان کی ھمت اس سے نہیں بڑھتی ۔

تعلیم عام لوگوں کے روزمرہ معاملات سے متعلق ہو تو اس کی افادیت مسلمہ ہو جاتی ہے اور حصول تعلیم کیلئے آمادگی اور ھمت بڑھتی ہے ۔

عربی ذہنیت فقط کردار پر نظر رکھتی تھی کہ اپنے قوم یا ملک میں کونسا اصلاحی کام کیا اور سوسائٹی کو کیا فائدے حاصل ہوئے اور غربا پر کیا کیا احسان کیئے اور احکام فطرت کی کسطرح پابندی کرتے تھے۔ کسطرح اسنے لوگوں کی ذہنیت میں اصلاحی انقلاب کیا۔

عرب لوگ فقط اسطرح پر کسی آدمی کی شناخت کرتے تھے اور عزت کرتے تھے۔ یہ صحیح ترین ذہنیت ہے۔

عربوں کی ذہنیت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اسیطرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کے قصے قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ یہاں سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ جس قوم میں تبلیغ کی جائے اس ملک اور قوم کی ذہنیت کا خیال رکھتے ہوئے انکو اسلام سکھایا جائے

اسلئے سلطان محمود غزنوی رحمتہ اللہ سے قبل جو اہل اللہ ہندوستان میں آئے انہوں نے ھندوؤں کی ذہنیت کے (مطابق) موافق انکی تعلیم و تربیت کی تو دھڑا دھڑ ھندو لوگ مسلمان ہونے لگے

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور (انکے)[1] خلفاء کا بھی طریقہ تعلیم یہی رہا۔ (تا آنکہ)[2] محمد تغلق بادشاہ رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں چنگیز خان کافر کے تخت و تاراج کے سبب بخارے اور ترکستان کے کثیر علماء اور مشائخ ہندوستان میں آئے اور اسلام کا حکمت پر مبنی عربی نمونہ نہ بلکہ اپنی انفرادی قوموں[3] والی آمرانہ ذہنیت میں پیش کیا تو ھندو بدک گئے اور مسلمان جدا گروپ اور ہندو جدا گروپ ہوگئے ورنہ ہندو اصولِ اسلام کو تسلیم کرتے تھے۔ جیسے وحدانیت اللہ تعالیٰ کے

عربی ذہنیت شخصیت پرستی کی بجائے کردار پرستی کو تسلیم کرتی تھی۔

قرآن پاک میں انبیاء کے قصے عربی ذہنیت کے مطابق نازل کئے گئے ہیں۔

تبلیغ کیلئے ضروری ھے کہ لوگوں کے مزاج اور ذہنی رجحان کا لحاظ رکھا جائے ورنہ تبلیغ کا اثر مثبت ہونے کے بجائے منفی ہوگا۔

۱۔ انکے
۲۔ تا آنکہ
۳۔

ہندؤں اور جاہل مسلمانوں کے عقائد میں مماثلت

اب تک قائل ہیں اور تقدیر کو مانتے ہیں اور دوسرا جہنم بھی مانتے ہیں مگر جیسے اسوقت کے مسلمان ہیں یہ اعتقاد ہے کہ تدبیر الٰہی میں اوروں کو شریک کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس جہان (کی) تدبیر اللہ جل شانہٗ نے دیوتاؤں کے سپرد کی ہے تو ان دیوتاؤں کے آگے اپنی حاجات پیش کرنی چاہیے اور وہ دیوتا چونکہ مخلوق ہیں اسلئے کچھ منت اور نذر ماں مانے سے راضی ہو کر ہماری کارروائی کر دینگے۔

جیسے ہمارے (جاہل) مسلمان سمجھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے ہاتھ میں تدبیر الٰہی ہے اسلئے انکی سفارش اور شفاعت کے سوا اللہ تعالیٰ ہماری دعا قبول نہیں کرتا۔ اسلئے انکی نذر نیاز کیجاویگی تو وہ خوش ہوکر ہماری سفارش کرینگے۔

ہندوستان میں اہل اللہ اور راسخین فی العلم کا طریق تبلیغ — علماء کیلئے لمحۂ فکریہ!!!

جس کے ہاتھ میں جس کام کی تدبیر[1] ہو[2] تو عبادت اور عاجزی اُسکے آگے کیجاتی ہے۔ تدبیر اور عبادت آپسمیں لازم وملزوم عقلی ہیں۔ جیسے پانی کی تدبیر انجنیئر کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو عاجزی اور درخواست بھی اس کے آگے پیش کیجاتی ہے نہ کلیکٹر[3] کے آگے۔ تو پہلے اہل اللہ اور راسخین فی العلم ہندو کی ذہنیت کے مطابق سمجھاتے تھے تو وہ مسلمان ہوجاتے اور ہمارے زمانہ کے علماء اس حقیقت سے غافل ہیں کہ اہل اللہ اب تک انکی ذہنیت کے موافق سمجھاتے ہیں تو وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر۳۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝

ترجمہ۔ ہم بیان کرتے ہیں (اے پیغمبر) تمہیر (واقعات کا) بہترین طریقہ پر

1۔ اجھالی
2۔ ہوتی
3۔ کلیکٹر۔ سندھی زبان میں ڈپٹی کمشنر کو کہتے ہیں۔

بیان وحی کے ذریعہ اس قرآن میں (سورہ یوسف میں) بیشک تو اس (قصے) آگے بے خبر تھا۔

تشریح :- لغت میں ہے قَصَّ اَثَرَہٗ قَصًّا وَقَصَصًا ۔

کسی قصے کے دریافت کیلئے پیچھے پیچھے چلنا اور اچھی طرح سے واقف ہونا۔ جب قُصَّ کے لفظ کا صلہ علیٰ آتا ہے تو اس کا معنی بیان کرنا ہوتا ہے ۔

ھٰذا القرآن سے مراد یہ سورۃ یوسف ہے یعنی وحی کے ذریعہ یہ سورۃ یوسف نازل کرکے صحیح واقعات بیان کیئے جاتے ہیں ۔

سورۂ ہود اور سورۂ یوسف میں ربط ۔

سورۂ ہود کی آخری آیات میں ذکر تھا کہ اے پیغمبر[1] (آپؐ) کے اور آپ کی جماعت کے دل کو مضبوط کرنے کیلئے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کیئے جاتے ہیں کائنات کا نظام اسطرح چل رہا ہے کہ جب تک انسان کے عقل میں بات محکم نہیں ہوتی اور اس تحریک دے کے[3] ماضی مستقبل کی جانچ پڑتال نہیں کر لیتا اس تحریک میں شامل نہیں ہوتا ۔

اسلئے کسی تحریک یا پروگرام کو چلانے میں خواہ وہ کتنی ہی صحیح اور مفید ہو بڑی دقتیں اور مشکلات درپیش آتی ہیں ۔ کیونکہ جماعت کے بغیر انفرادی طور سے کامیابی مشکل ہے ۔ جبتک کہ سمجھدار عقلمندوں کی جماعت جو مضبوط ارادے والی جمع نہ ہو جائے اب عقلمندوں کو اکٹھا کرنا اور ان کو ایک تسبیح میں پرو دینا کارے دارد ــــــ

عالمگیر پروگرام کیلئے جہد مسلسل اور تعلیم و تنظیم لازمی امر ہیں۔

اسلیئے آپ[2] کو اور آپ[2] کی جماعت کو انتظار کرنا چاہیے اور عقلمندوں کو تعلیم دینا چاہیے اور سمجھانا چاہیے تاکہ اپنے علم اور عقل سے واقف ہوکر اس تحریک عالمگیر انقلاب میں شریک ہو جائیں ۔

۱۔ تیری
۲۔ تمہاری
۳۔ کا

عالمگیر انقلاب کے صحیح پروگرام پر جو جماعتیں کام کرتی ہیں ان کو بڑی بڑی تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس کی ایک مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی پیش کی جاتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پروگرام کی بھائیوں کیجانب سے مخالفت

حضرت یوسف علیہ السلام ایسے پروگرام کی تکمیل کرنا چاہتے (تھے)[1] جو ان کے باپ دادوں کو من جانب اللہ عطاء ہوا تھا)[2] اور انکے بھائی مخالفت کرتے (تھے)[3]

انقلابی آدمی ہمیشہ مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام ایک انقلابی نبی تھے اور انقلابی آدمی کو ہمیشہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پروگرام یہ تھا کہ انسانیت کو ایک نقطہ فکر اور نظریہ پر جمع کیا جائے اسلئے آپ کو بھی مشکلات اور تکالیف کا سامنا ہوگا۔ قصہ یوسف سے اسطرف اشارہ ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کو ایک نقطہ۔ فکر اور نظریہ پر جمع کرنے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ اسلئے ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا وہ بڑے بڑے پہاڑوں کیطرح سد راہ بنے ہونگے۔ ان پہاڑوں[4] کو صراط مستقیم سے ہٹانا اور کاٹ کر سیدھا راستہ تیار کرنا بڑا مشکل کام تھا۔

بھائیوں کی مخالفت کی انتہا۔ منصوبہ قتل۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے پہلے تکالیف اپنے بھائیوں سے پہنچیں۔ اور ان کے قتل کرنے کے منصوبے)[5] سے دریغ نہ کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور انکے بھائیوں کا مقصد اور آئیڈیل ایک ہی تھا مگر راہ عمل جدا تھے۔ سہل راستہ وہی تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے منتخب فرمایا۔

اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا کام غور سے دیکھا جائے تو ایک مقصود اور نظریہ آئیڈیل معلوم ہوتا ہے۔

دونوں جماعتوں کا (...)[6] مطلب یہ تھا کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں مگر راہ عمل مختلف تھا۔ سہل راستہ وہ تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام سوچ رہے تھے۔

١۔ ہیں
٢۔ ہوئی تھی
٣۔ ہیں۔
٤۔ جیلوں
٥۔ (...)
٦۔ حل مشکلات

اسیطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل قریش اور عقلمند عرب یہی سوچ رہے تھے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اس کے دین حنیف کو سب ادیان پر غالب کرونگا اور ان کی اولاد کو اقوام عالم کی سرداری سے سرفراز کرونگا (اس مقصد کے حصول کیلئے)[1] عرب اسماعیل تین فریقوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔

۱۔ ایک فریق جو اپنے آپ کو حنفاء کہتے تھے اور انکا نظریہ یہ تھا کہ دین حنیف کو عالمگیر بنانے (ہمیں)[2] کوشش کرنی چاہیے۔ اس دین کے ذریعے ہمیں اقوام عالم کی سرداری ملیگی۔ دوسرے دینوں جیسے یہود، نصاریٰ اور مجوس میں داخل ہونے سے ہماری آزادی اور حریت فنا ہوجائیگی اور ہماری ہستی کا نام ونشان بھی نہ رہیگا۔ اور ہمارے مرکزی ادارہ "بیت اللہ" کا نام ونشان بھی نہ رہیگا۔ دوسروں کی غلامی کا بدنما داغ ہمیشہ کیلئے ہماری پیشانی پر ۔۔۔ ہر کیطرح ثبت ہوجائیگا۔

۲۔ (دوسرے)[3] فریق کا خیال تھا کہ (ہمیں)[4] (چاہیے کہ)[5] عیسائیت جو ایک شاخ دین حنیف کی ہے اس کو قبول کرلینا چاہیے اور پھر سلطنت روما میں داخل ہوکر ترقی کرنی چاہیے۔ چونکہ ہم عرب عیسائیوں سے زیادہ عقلمند اور بہادر ہیں اسلئے آہستہ آہستہ اقوام عالم کے سردار بن جائیں گے۔

۳۔ تیسرے فریق کا نظریہ یہ تھا کہ (ہمیں)[6] چاہیے کہ سلطنت ایران کا ایک جزو بن جائیں۔ سلطنت ایران چونکہ بہت سی مشکلات اور گرداب میں مبتلا ہے اور (۔۔۔) مدت مدید سے یہ مملکت رفاہیت بالغہ میں پھنسکر

دین حنیف کا غالب کرنا اور آپ کی اولاد کو اقوام عالم کا سردار بنانا، وعدہ خداوندی تھا، جو کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے کیا گیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے عرب تین فریقوں میں تقسیم ہوگئے۔

۱۔ ایک فریق حنفاء کا تھا جنکا نظریہ تھا کہ دین حنیف کو عالمگیر بنانے کی کوشش کیجائے ورنہ حریت فنا ہوجائیگی اور ہمارے مرکزی ادارے بیت اللہ کا نام ونشان بھی باقی نہ رہیگا۔

۔ قوموں کی آزادی باقی نہ رہے تو انکی مرکزیت اور تہذیب وثقافت کا نام ونشان مٹ جاتا ہے اور غلامی ان کے گلے کا طوق بن جاتی ہے۔

۲۔ فریق ثانی عیسائیت میں داخل ہوکر اقوام عالم کی سرداری کے خواہاں تھے۔

۳۔ فریق ثالث سلطنت ایران میں شامل ہوکر ان کی کمزوری کا سیاسی فائدہ اُٹھاتے ہوئے سلطنت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔

۱۔ اس مقصود حاصل کرنے کیلئے
۲۔ ہم
۳۔ دوسرا
۴۔ ہمکو
۵۔ (۔۔۔) درنہ کیا گیا۔
۶۔ ہمکو

بزدل ہو گئی ہے - ہم تازہ دم جماعت ان کی مدد کر کے بڑے عہدوں پر فائز ہو کر اس سلطنت کے وارث بن جائیں گے - پھر اقوام عالم کے سردار ہونے میں کیا دیر ہے -

اسی نظریہ اور فکر کے اختلاف کے سبب بہت سے قبائل جیسے غسان اور طئی اور دومۃ الجندل کے باشندے اور نجد کے کچھ قبائل نصرانی بن کر قسطنطنیہ کے جنرا بنتے جاتے تھے - مکہ مکرمہ کے باشندوں میں بنی خزاعہ کے چند سرداروں نے)[1] عیسائی دین قبول کر لیا - مگر بنی ھاشم اور بنی امیہ اور اور مکہ مکرمہ کے آس پاس رہنے والے اور باقی عرب کے سمجھدار (لوگ) اسمیں کوشاں تھے کہ دین حنیف کو عروج دیکر لوگوں پر اور اقوام عالم پر ہم سرداری کریں اور ان کو یقین تھا کہ ہم میں ایک بڑا نبی پیدا ہوگا جو دین حنیف کے قواعد وقانون سکھلائیگا اور (ہمیں[2] مہذب بنا کر اقوام عالم کا سردار بنائیگا - اسلیئے بیت اللہ کے غلاف کو پکڑ کر دعا مانگتے تھے - جسکا ذکر قرآن حکیم میں مذکور ہے - مگر ان کے پاس پروگرام نہ تھا - اگر کچھ تھا تو بت پرستی اور بیت اللہ پر عرب کو جمع کرنے کی کوشش میں تھے - اور بہت کچھ اجتماع پیدا کر چکے تھے -

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر اعلیٰ پروگرام پیش کیا اور نقطہ توحید جس پر اقوام عالم کا اجتماع ممکن ہو سکتا ہے اور آخرت کا یقین دلانا جس سے ہر ایک انسان اپنے اعمال (جوابدہ[3]) بنے اور اعمال صالح جس سے اصلاح اقوام ہو سکے بتایا تو عقلمند انسان سمجھ گئے کہ یہ پروگرام دین حنیف کا ہے -

کم ظرف اور کم فہم لوگ حصول مقصد کیلئے اپنے اصل پروگرام کو چھوڑ دیتے ہیں -

عقلمند لوگ تکالیف اور مشکلات میں بھی صبر و تحمل سے اپنے پروگرام کی تکمیل کیلئے کوشاں رہتے ہیں جیسا کہ قریش نے زمانہ جاہلیت میں بھی بیت اللہ کی مرکزیت پر لوگوں کو جمع رکھا -

قریش کو یقین تھا کہ ان میں ایک عظیم نبی پیدا ہوگا جو انہیں دین حنیف کے قواعد سکھلا کر اقوام عالم کا سردار بنائیگا -

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ پروگرام -
- توحید - اجتماع اقوام عالم کیلئے
- اعمال صالح - اصلاح اقوام عالم کیلئے
- آخرت - احساس جوابدہی اقوام کیلئے

۱- سردار
۲- ہم کو
۳- جوابدار

اور اس سے کامیابی یقینی ہے ۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہونے لگے اور بت پرستی کا پروگرام (ناکام)[1] ہونے لگا ۔ اسلئے بت پرست جماعت دشمن ہو گئی ۔

عقلمند لوگوں کا پروگرام میں شمولیت اور بت پرستوں کی دشمنی ۔

اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائیوں کا بھی نظریہ تھا کہ حضرت ابراہیم ۔ حضرت اسحاق ۔ حضرت یعقوب علیہم السلام کے دین کی ترقی ہو مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا پروگرام نسلی امتیاز اور نسلی استحقاق کے باعث سرداری کرنے کا تھا[2] اور حضرت یوسف علیہ السلام کا پروگرام دین حنیف کے احکام[3] کی اشاعت تھی ۔ تو ایک میدان میں رہنے سے بڑے بڑے جھگڑے پیدا ہونے کا امکان تھا ۔ اس لئے باپ داداؤں کا میدان بھائیوں کے سپرد ہوا تاکہ اپنے جوہر دکھائیں اور مصر کا میدان حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد ہوا تاکہ اپنا اصلاحی پروگرام کامیاب بنائیں

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا پروگرام نسلی امتیاز و استحقاق کے باعث سرداری کرنے کا تھا ۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا مقصد اشاعتِ دینِ حنیف تھا ۔

عظیم پروگرام کی کامیابی اور حصول مقصد کیلئے تنازعہ سے اجتناب بہت ضروری ہے ۔

آیت نمبر ۴ ۔ اِذْ قَالَ یُوسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝

ترجمہ ۔

جب یوسفؑ نے کہا اپنے باپ سے اے میرے پیارے باپ میں نے دیکھا گیارہ ستاروں سورج اور چاند کو میرے آگے جھک رہے ہیں

رودادِ حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان ۔

۱ ۔ ناکامیاب
۲ ۔ کرنا چاہتے تھے ۔
۳ ۔ احکاموں

تشریح :- حضرت یوسف علیہ السلام کو انکے درجۂ تکمیل۔ عظمت اور اقتدار اور کامیابی کا نقشہ دکھایا گیا اور وہ پروگرام جس کی تکمیل کے خواہاں حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ وہ پروگرام ان کی وساطت سے کامیاب ہوگا ۔ اور ان کی خاندانی روایات میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ تمدن بادشاہی عطا کرے گا۔ اسکے مصداق حضرت یوسف علیہ السلام ہیں ۔

سینما الٰہی یعنی عالم مثال کے اونچے طبقہ میں دیکھتے ہیں کہ گیارہ روشن ستارے اور چاند باوجودیکہ سورج موجود تھا اسکو نظر آتے ہیں

حالانکہ عالم شہادت اور عالم عناصر میں سورج کے ہوتے ہوئے ستاروں کی (روشنی)[1] اور چاند کی ضوفشانی نہیں رہتی۔ مگر اس عالم مثال میں انکو برابر روشن نظر آرہے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ وہ سب ان کو سجدہ کررہے ہیں اس کی تعبیر ظاہر تھی حضرت یوسف علیہ السلام سمجھ گئے۔

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکاشفہ بیداری میں تھا ایک خواب نہ تھا جسکے لئے تعبیر ڈھونڈنے کی ضرورت پڑے مگر تحدیث بالنعمت کے طور پر اپنے باپ کو سناتے ہیں ۔

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکاشفہ عالم بیداری میں تھا مگر تحدیث بالنعمت کے طور پر اپنے والد کو سنایا اسکی تعبیر کی ضرورت نہ تھی حضرت یوسف علیہ السلام اسکی تعبیر سمجھ گئے تھے

حقیقت مکاشفہ :- ہم (پہلے)[2] لکھ آئے ہیں شخص اکبر سے سب سے پہلے عالم ارواح کا ظہور ہوتا ہے اب ایک شخص یا واقعہ کا روح جب عالم ارواح سے عالم مثال میں دوران شروع کرتا ہے تو اسمیں تمام مادہ

حقیقت مکاشفہ -

۱- روشنائی
۲- آگے

کے اوصاف موجود ہوتے ہیں جیسے رنگ طول عرض وعمق کس سے اسکی نسبت ابوّت یا ابنیّت وغیرہ ہوگی۔ اور اسطرح یہ واقعہ کس جگہ ہوگا اور کیسا ہوگا یہ سب کچھ اس میں پایا جاتا ہے مگر مادہ نہیں ہوتا۔ اور جب عالم شہادت میں نازل ہوتا ہے تو فقط اسمیں مادہ ہوتا ہے۔

جس اہل اللہ کا تعلق عالم مثال سے ہوگا اسپر جب وہ راز منکشف ہوگا تو تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے مکاشفات بعض اوقات خود اپنے لئے دیکھتا ہے اور بعض اوقات اسکے حق میں ہونے والے حالات دوسرے شخص پر منکشف ہوتے ہیں۔

جس اہل اللہ کا تعلق عالم مثال سے ہوگا۔ اسے راز منکشف ہونے کیصورت میں تعبیر کیضرورت نہیں ہوتی۔

مثال نمبر ۱

مولانا عبید اللہ سندھی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میں مڈل میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا تو ایک روز میں گھر میں بیٹھا تھا تو دیکھتا ہوں کہ ادھر ایک سفید سی چیز اڑ رہی ہے۔ میری نظر اُس پر لگ گئی وہ میرے قریب آکر میرے منہ میں گھس گئی اور میں نے دیکھا (محسوس کیا) کہ میرے قلب کے اندر جاگزیں ہوگئی اور اس کے اندر جانے سے طبعیت خوش ہوگئی۔

انکشاف راز عالم مثال کی ایک مثال۔

جب قلب میں گھس گئی تو قلب سے آواز نکلکر میرے منہ میں آیا کہ میں مسلمان ہوجاؤنگا۔ تو اس روز سے میری طبیعت[1] اسلام (کی)[2] طرف مائل ہونے لگی۔ اور ایسے اسباب پیدا ہوتے گئے کہ میں اسلام کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ اسلام کے اظہار سے پہلے میں نے نماز پڑھنی

۱۔ طبع
۲۔ سے

شروع کردی۔

اس زمانے میں مجھکو عجیب لذت آتی تھی کہ بالکل بے خود ہو جاتا تھا چونکہ میں اپنی والدہ اور ماموں کا لاڈلا تھا اور عمر بھی چھوٹی تھی اور قد بھی اسیطرح تو وہ دیکھکر خوش ہوتے تھے کبھی منع نہیں کیا کرتے تھے۔

مثال نمبر ۲

مثال ثانی

مولانا سندھی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ مجھکو مطالعہ کرنے کا زیادہ شوق تھا اور میں امروٹ میں رہتا تھا۔ جب امروٹ کی موجودہ کتابیں ختم کر چکا تو حضرت مولانا سید تاج محمود قدس سرہٗ کی زیارت کیلئے سید پیر رشید الدین صاحب العلم جھنڈے والے رحمۃ اللہ علیہ امروٹ میں تشریف لائے (انکی[1]) ملاقات سے ایسی حظ اور لذت آئی جیسے سید العارفین کی خدمت میں آتی تھی۔ مجھکو معلوم ہو گیا کہ یہ بڑے اہل اللہ میں سے ہیں۔

حضرت پیر صاحب البیعت رشید الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں بڑا کتب خانہ ہے اگر مطالعہ کا شوق ہو تو ہمارے پاس آجانا ہم بہت خوش ہونگے۔ اسواسطے میرا شوق اور بھی بڑھ گیا

حاصل کلام میں گوٹھ پیر جھنڈا تحصیل ہالہ ضلع حیدرآباد میں پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ میں کتب خانہ سے نکل کر پیر صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت پیر صاحب مدرسہ کے پیچھے جو کنواں[2] ہے اس کو درست کرا رہے تھے۔

۱۔ اسکی
۲۔ کوئیوان

جماعت اپنے کام میں مشغول تھی - ہم دوا کیلئے باتیں کر رہے تھے تو آپ نے
مجھکو فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ایک شخص کفر کی حالت میں پیدا
ہوتا ہے اور پھر اس کو اسلام کا شوق ہوتا ہے - وہ اسلام میں داخل ہو کر متبحر
راسخ فی العلم ہو جاتا ہے - پھر اسلامی حکومت پیدا کرنے کیلئے انقلابی پروگرام
بناکر کابل (افغانستان) کو روانہ ہو جاتا ہے لیکن ماحول کے قدر کامیاب
ہوتا ہے - پھر ایسے اسباب پیش آتے ہیں کہ وہ روس کو چلا جاتا ہے
اور روس سے قسطنطینہ ہوتے ہوئے پھر مکہ معظمہ میں ٹھکانہ کرکے اپنے
سیاسی پروگرام کی تکمیل کرتا ہے - پھر وطن ہندوستان[1] میں آجاتا ہے -
یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں -

مولانا فرماتے تھے جب قصہ شروع کیا تو میں نے سمجھا کہ
میرے حق میں فرما رہے ہیں جب آپ نے فرمایا کہ سیاسی پروگرام بناکر کابل
کو روانہ ہوتا ہے تو میں نے سمجھا کسی اور شخص کا حال بیان کر رہے ہیں
جب میں روس پہنچا تو مجھکو یاد آیا کہ حضرت پیر صاحب تو میرا احوال بیان
فرما رہے تھے - اور مجھکو متنبہ کر رہے تھے کہ اس کی تیاری کرو -
یہ زبانیں سیکھو تاکہ ایسے سفر میں (آپ کیلئے)[2] مفید ہوں - یعنی پشتو
روسی اور ترکی زبانیں سیکھوں تاکہ مجھکو دقتیں پیش نہ آئیں.

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیر صاحب کو عالم مثال
کے واقعات منکشف ہوگئے تھے یہ کوئی خواب نیند میں نہ تھا بلکہ عالم بیداری
میں تھا - مگر عالم مثال کے واقعات کو عام طرح رویاء سے تعبیر کیا جاتا ہے -

عالم مثال کے واقعات کو عام طور پر رویاء سے تعبیر کرتے ہیں -

۱- پاکستان - یاد رہے یہ تفسیر (قلمی نسخہ) 1938 میں لکھا گیا ہے -
۲- آپ کو

جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ

واقعۂ معراج کو رویاء سے تعبیر کرنے کی توجیہ۔

عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس رؤیا سے مراد معراج کا واقعہ ہے یہ کوئی خواب نہ تھا بلکہ حقیقت حقہ تھی۔

چونکہ یہ نظارہ عالم ملکوت کا تھا۔ اسلئے اسکو رویاء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ نظارہ عالم ملکوت کا تھا اسلئے لفظ رویاء سے تعبیر کیا گیا۔

اولیاء اللہ کے بہت سے ایسے واقعات ہیں[1] جب اہل اللہ عالم مثال یا عالم ارواح کے دائرہ کی سیر کرتے ہیں تو ان کو انکی جماعت اور سلسلہ کے بہت سے آیندہ واقعات نظر آجاتے ہیں۔

اولیاء اللہ جب عالم مثال یا عالم ارواح کے دائرہ کی سیر میں ہوتے ہیں انکو بہت سے آیندہ واقعات نظر آجاتے ہیں جو انکی جماعت اور سلسلہ سے متعلق ہوں

مثال:۔

حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ ابتداء میں بڑے عقلمند دانشمند عالم تھے۔ ان کو اہل علم نظام الدین بحاث کہا کرتے تھے۔ جس اہل علم سے (انکی علمی بحث ہوتی)[2] اس پر غالب آجاتے پھر حضرت کو تعلق باللہ کے طریقے سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

انکشاف راز عالم مثال کی ایک اور مثال یہ ہے

حضرت خواجہ فریدالدین قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے ان پر توجہ کی تو حیران ہو کر فرمانے لگے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے فرمایا تھا کہ ایک "شہباز" ہمارے سلسلہ میں داخل ہوگا۔ جس سے ہمارا سلسلہ بہت ترقی کریگا۔ وہ شہباز (تم)[3] ہو

۱۔ ہیں
۲۔ اسکا علمی بحث ہوتا۔
۳۔ تو ن)

تیرے لیے[3] حضرت خواجہ معین الدین چشتی[4] اور خواجہ بختیار کاکی[5] انتظار کرتے رہے اور میں بھی انتظار میں تھا کہ آپ ہمارے دام میں آگئے ہو۔ اور سلسلہ چشتیہ میں ایسی بہت سی پیشین گوئیاں ہوتی چلی آئی ہیں۔

جن بزرگوں کو اپنے[1] سلسلہ کے دوام و استمرار کا خیال لگا رہتا ہے۔ انکو تسلی کیلئے عالم مثال میں جو سینما الٰہی ہے (انکا)[2] مطلوب واقعہ دکھایا جاتا ہے اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام کو جو واقعہ دکھایا گیا "عالم شہادت" میں اس کا وقوع بعینہٖ (ہو بہو) ظہور میں آنا تھا تو تاویل کی ضرورت ہی کیا تھی۔

جب بزرگوں کو اپنے سلسلہ کے دوام و استمرار کا خیال رہتا ہے انہیں بطور تسلی عالم مثال میں مطلوب واقعہ دکھا دیا جاتا ہے جیطرح حضرت یوسف علیہ السلام کو دکھایا گیا۔

اس رویاء دکھانے کا مطلب یوں سمجھ میں آتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی اب تو بری حالت میں . . . ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صحبت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ان کی پیرزادوں اور نوابزادوں کی حالت تھی کہ نسبی فخر کو کافی سمجھتے ہیں۔ ان کی تمنا ہوتی ہے کہ ہمارا چونکہ نصب عالی ہے اسلیئے ہم مستحق ہیں کہ لوگ ہماری عزت کریں

رویاء حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک مفہوم یہ ہے کہ برادران یوسف جو کہ صحبت پدری سے فیضیاب ہونے کے بجائے نسبی تفاخر کو کافی سمجھتے ہیں اور سرداری اور عزت کے متمنی ہیں یہی بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کی صحبت، تربیت اور اطاعت سے روشن ستارے بن جائیں گے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

کہ خاکستر نسبتی عالی دارد کہ آتش جوہر علوی ست - چوں بافود جوہر ندارد با خاک برابرست

یہ برادران حضرت یوسف علیہ السلام کی کوشش اور صحبت سے روشن ستارے بن جائیں گے اور ان کی پوری پوری اطاعت کرینگے تو حضرت یوسف علیہ السلام کو چاہیے کہ ان کی تربیت کریں اور روشن ستارے

۱- اپنا
۲- انکو

اور اسی تدبیر سے ماں باپ پر بھی احسان ہوگا کہ ان کا طریق مستقیم اسی طرح ہمیشہ کیلئے (قائم رہیگا)[1]

حاصل کلام :۔

اس میں اشارہ تھا اس کام کی (انجام دہی)[2] کیلئے تدبیریں سوچو. شاید انہوں نے ایسا سمجھا ہو کہ عالم مثال سے عالم شہادت تک واقعات آہستہ آہستہ ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔ اسی طرح میں فلسطین میں کوشش کرتا رہونگا تو رویاء کا نتیجہ برآمد ہو جائیگا.

مگر قتل ہند انقلابیوں (کی)[3] آواز ہے ۔ فہ التاخیر آفات ۔۔۔!!!

آنحضرت سرور انبیاء خاتم النبیین محمد مصطفی[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم مثال (جو سینما الہی ہے) میں رویاء اور مکاشفہ کے طور پر دکھایا گیا کہ آنحضرت[2] اور (ان کی)[4] جماعت با اطمینان بلا خوف و خطر بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں سر منڈوا رہے ہیں ۔ یہ مکاشفہ ۶ھ ہجری دکھایا گیا تھا ۔ اس رویاء کا حاصل مطلب یہ تھا کہ قریش کی (جنگی طاقت)[5] ختم ہوگی اور مکہ معظمہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائیگا ۔ تو اس وقت کسی قسم کا خوف و خطر باقی نہیں رہیگا ۔

آنحضرت صلعم کا رویاء جو ۶ھ میں طواف کعبہ کی صورت میں دکھایا وہ ۸ھ میں فتح مکہ پر منتج ہوا۔ گویا اس رویاء میں مکہ پر قبضہ کرنے کا حکم تھا اور راہ عمل اختیار کرنے کیلئے تدبیر اختیار کرنے کا اشارہ تھا۔

اس رویاء کا نتیجہ ۸ھ میں برآمد ہوا ۔ گویا اس رویاء میں حکم تھا کہ مکہ معظمہ پر قبضہ کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورہ یوسف میں حکم دیا گیا تھا کہ ۔

۔ قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ ۔۔ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی الآیہ[6]

۱۔ برسر اقتدار رہیگا ۔ ۶ھ سورہ یوسف ۱۲ : ۱۰۸
۲۔ سرانجامی
۳۔ کا
۴۔ اسکی
۵۔ زور جنگی

جس سے والدین بھی خوش ہوکر یوسف علیہ السلام کے گردیدہ ہو جائیں۔ بیٹا جتنی ہی ترقی کرے حتی کہ والدین سے بھی بڑھ جائے تو والدین ہمیشہ خوش ہوتے رہتے ہیں مگر بھائیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

اولاد کی ترقی والدین کی خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ مگر بھائیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے

انبیاء علیہم السلام کو جو ایسے واقعات مکاشفہ کے طور عالم مثال کے تختہ پر دکھائے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نقطہ پر پہنچنے کیلئے تیاری کریں[1]۔ عالم اسباب میں سے ایسے اسباب وعلل ڈھونڈیں جو اس کام کی انجام دہی کے لئے درکار ہوں۔ چھوٹی بڑی تدبیریں سوچیں جن سے وہ کام کامیابی کا جامہ پہن کر منصہ شہود میں ظاہر ہو جائے۔ اسی لئے (سے)[2] انبیاء علیہم السلام چھوٹے بڑے سبب اور ادنٰی سے ادنٰی تدبیرے غفلت نہیں برتتے[3] اور نہ کسی سبب اور تدبیر کو چھوٹا سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ بلکہ خداوند تعالٰی کی خوشنودی بھی اسی میں ہے کہ (اس[4]) کے بنائے ہوئے (اسباب[5]) کو کام میں لائیں۔ کیونکہ اس نے کوئی چیز حکمت کے بغیر پیدا نہیں کی۔

بطور مکاشفہ عالم مثال کے تختہ پر دکھائے جانے والے واقعات سے عالم اسباب کی انجام دہی کیلئے انبیاء کو تیار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تاکہ اسباب وعلل ڈھونڈیں۔ تدابیر اختیار کرکے کامیابی سے ہمکنار ہوں

چونکہ اسباب عالم کو کام میں لانے سے اللہ تعالٰی کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اسلئے انبیاء اسباب و تدابیر کو کام میں لاتے رہتے ہیں۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام کو رویاء اور مکاشفہ میں یہ درجہ دکھایا[6] گیا کہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے بھائیوں کو مہذب بناکر روشن ستارے بنائیں کہ اس کے بعد اس کے کام کو چلاتے رہیں اور عام لوگوں کے رہبر بنیں۔

حضرت یوسفؑ کو رویاء دکھا کر عمل پر عمل کیا گیا کہ اپنے بھائیوں کو مہذب بناکر روشن ستارے بنائیں کہ اس کے بعد اس مشن کو چلاتے رہیں اور لوگوں کے رہبر بنیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَصْحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔ لہ

ترجمہ (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے راہ پاؤگے) لہ

لہ مشکوٰۃ باب مناقب صحابہؓ صفحہ ۵۵۴ مجتبائی دہلی۔

۱- سرانجام
۲- وہ
۳- کرتے
۴- اُس
۵- اسبابوں
۶- دیکھا

یعنی لوگوں (سے[1]) کہدو کہ میرا راستہ بھی یوسف علیہ السلام جیسا ہے۔ مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ جو بھی حکم الٰہی میری طرف آتا ہے۔ میں اور میرے تابعدار اس کو اچھی طرح سوچ سمجھکر نہایت عقلمندی اور تدبیر سے اس حکم کی انجام دہی (کیلئے) تمام تدبیریں حسب لیاقت جمع کرکے لائحہ عمل تیار کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ راہ عمل بھی اللہ تعالیٰ سے طلب کریں۔

انبیاء احکام الٰہی کو سمجھکر عقل و تدبر سے لائحہ عمل تیار کرتے ہیں۔ اور انجام کار کیلئے راہ عمل متعین کرتے ہیں۔

اب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور ان کی[3] جماعت کو مکہ معظمہ پر قبضہ کرنے کا حکم ہوچکا ہے تو دیر اور انتظار کرنی مناسب نہ تھی۔ اس کا راہ عمل یہ سوچا گیا کہ جلد سے جلد عمرہ کی تیاری کی جائے یہی طریق عمل ہے۔ حالانکہ ۵ھ کے آخر میں غزوہ خندق (جسمیں قریش نے یہودکے اور تمام قبائل کو ملاکر کا لشکر جمع کرکے سیلاب کی طرح یا آندھی کی مانند مدینہ منورہ پر دھاوا بول دیا تھا)۔ آخیر ذوالقعدہ ۵ھ میں (ناکام[4]) ہوکر واپس ہوئے تھے۔ ناکامی کی حسرت اور افسوس۔ ضد اور دشمنی کی آگ ان کے اندر دھک رہی تھی۔

حکم خداوندی کے بعد تاخیر اور انتظار مناسب نہیں۔ ظاہری مشکلات اور رکاوٹیں خودبخود ختم ہوجاتی ہیں

غرض غزوہ خندق میں مسلمانوں کا کل لشکر (۳۰۰۰) تین ہزار تھا۔ اور قریش کا لشکر مع انکے حلفاء کے تیس ہزار سے زیادہ تھا۔

غزوہ خندق میں مسلمانوں اور کفار کی تعداد —

اب ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ کامیابی کی تلاش میں ۶ھ ذوالقعدہ کے مہینے میں عمرہ کا قصد فرمایا اور حدیبیہ مقام جو کہ آدھا اس وادی کا حرم میں تھا اتر پڑے۔

آنحضرت صلعم کا قصد عمرہ — !

حاصل کلام: قریش نے (آکر) صلح نامہ لکھوایا اور صحابہ جو عمرہ حدیبیہ میں شریک ہوئے

۱- کو
۲- سرفرازی
۳- اس کی
۴- ناکامیاب

ان کی تعداد سات سو سے زیادہ نہ تھی ۔

شرط نمبر۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کی کہ قریش باقی عرب کے کام میں دخل نہ دیں ۔ میں جانوں اور باقی عرب (اُنسے) صلح کروں خواہ جنگ کروں ۔ (یا تو) قریش مکہ اس میں دخل اور دست اندازی نہ کریں یعنی قریش مکہ باقی عرب کی سیادت و قیادت سے دستبردار ہو جائیں ۔ قریش مکہ نے اسے بخوشی قبول کرلیا اور سارے عرب پر فوجی قبضہ مسلمانوں کا تسلیم کرلیا ۔

شرائط صلح حدیبیہ
شرط اول کی رو سے مسلمانوں کی سیادت وقیادت و تسلیم کرتے قریش نے سارے عرب پر فوجی قبضہ مسلمانوں کا قریش نے تسلیم کرلیا۔

دوسری شرط :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیش کی (کہ) مکہ مکرمہ کے باشندوں کو آزادی ملنی چاہیے جو قبیلہ تمہارے عہدنامہ میں شریک (ہونا چاہیے) وہ تمہاری رعیت اور تمہاری برادری میں شمار ہوگا اور جو قبیلہ ہمارے عہدنامے میں ہمارے شریک ہو وہ ہماری جماعت میں (شامل) کیا جاوے ۔ اس شرط کو بھی قریش نے منظور کیا اس شرط کی رو سے بنوخزاعہ مسلم خواہ کافر سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاہدہ میں آگئے اور بنوبکر قریش کے حلیف ہوگئے ۔ اس معاہدہ کی بنا پر ½ مکہ مکرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں آگیا ۔ باقی شرطیں قریش کے فائدہ کے لئے تھیں وہ (جو) لکھی گئیں وہ یہ تھیں ۔

شرط ثانی کی رو سے بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف بنے اور یوں مکہ کی ایک تہائی آبادی رسول مسلم کے ساتھ مل گئی ۔ گویا ایک تہائی مکہ پر قبضہ ہوگیا ۔

شرط نمبر۱ جو شخص مکہ مکرمہ کا جو ہمارے عہدنامہ میں داخل ہے اگر مسلمان ہو کر مدینہ پہنچ جائے تو سرکار مدینہ کو چاہیے کہ اسکو ہمارے سپرد کردے ۔ اور اگر مدینہ کا باشندہ مرتد ہو کر مکہ مکرمہ آجائے تو ہم واپس نہیں کرینگے ۔ اس شرط کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرماکر لکھنے کا حکم دیا اس پر نوجوان صحابہ کو غصہ اور غضب آیا تھا ۔

مکہ کا شخص مسلمان ہوکر مدینہ آجائے تو اُسے واپس کیا جائے مگر مدینہ سے مرتد ہوکر مکہ آنے والے کو واپس نہیں کیا جائیگا اسی شرط پر نوجوان صحابہ نے غیظ وغضب کا اظہار فرمایا ۔

(۱) یا تو
(۲) سے

دوسری شرط قریش نے اپنی عزت بچانے کیلئے یہ پیش کی کہ اس سال آپ کو عمرہ کی اجازت نہیں دی جائیگی آئندہ سال ۷ھ میں ذوالقعدہ کے مہینے میں آپ کو عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ تین دن سے زیادہ مکہ مکرمہ میں نہ ٹھہریں گے اور آپ کے ساتھ اسلحہ نہ ہوگا[1]

۷ھ میں عمرہ کی اجازت ملی بشرطیکہ بغیر اسلحہ کے آئیں اور تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں۔

آپؐ اور آپ کے صحابہ نے حدیبیہ میں احرام کھول دیا[2] اور قربانیاں کیں اور مدینہ منورہ کو واپس ہوگئے

معاہدہ کی رو سے احرام کھول کر قربانیاں کیں اور واپس سفر مدینہ کیا۔

آٹھویں سن ہجری میں قریش نے معاہدہ توڑا۔ آپؐ نے لشکر کشی کرکے معمولی جنگ سے مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا۔ عرب کا کوئی قبیلہ قریش کی مدد کیلئے نہ آیا۔

قریش کا معاہدہ کو توڑنا اور فتح مکہ

الحمد للہ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون ۔[3]

غالب گمان یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی کوشش میں لگے ہوئے ہونگے مگر ان کے ارادوں کی خبر ان کے بھائیوں کو لگ گئی۔ انہوں نے پیش دستی کرکے یوسف علیہ السلام کو اپنی جماعت سے باہر نکال کر آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔
چونکہ ان کے پاس سوائے نسبی سیادت حاصل کرنے کے اور کوئی اصلاحی پروگرام نہ تھا۔ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کی جماعت میں بے اعتبار ہو گئے۔

برادران یوسف نے سیادت حاصل کرنے کیلئے حضرت یوسفؑ کو اپنی جماعت سے نکال کر الگ کر دیا مگر ان کے پاس کوئی اصلاحی پروگرام نہ تھا اسلئے حضرت یعقوبؑ کا اعتماد کھو بیٹھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ اور مرشد سے اس رویاء کا تذکرہ فرماتے ہیں تاکہ وہ اس سے بلند درجہ اور مرتبہ و مقام کی طرف رہنمائی فرمائیں۔ سالکان تقرب الٰہی کا یہی ادب ہوتا ہے کہ اپنی اندرونی نشوونما سے اپنے مرشدوں کو اطلاع دیتے رہتے ہیں۔ اگر مرشد اور رہبر

سالکان الٰہیت کا شیوہ ہے کہ اپنے اندرونی ارتقاء سے مرشد کو مطلع کرتے رہتے ہیں تاکہ مزید رہنمائی حاصل کریں اور یہی کچھ حضرت یوسف نے کیا۔

۳ے یونس ۱۰ : ۱۸

۱۔ نہ ہونگے۔
۲۔ چھوڑا

کی رسائی حظیرۃ القدس تک ہوتی ہے تو تلمیذ کو ان سے بلند مقام دکھا دیتے ہیں۔
اس طرح وہ سالک آگے بڑھتا ہے اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔

نے نہ ہر چہ بودی میرسی بردی مالیت۔

مرشد کامل ہو تو تلمیذ کو بلند مقام دکھا کر اسے عروج پر پہنچا دیتا ہے۔

آیت نمبر ۵ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔

حضرت یعقوب ؑ کی نصیحت اور اس کی حکمت ......

ترجمہ: یعقوب علیہ السلام نے کہا اے بیٹے اپنا رویا (مکاشفہ) اپنے بھائیوں کے آگے مت بیان کرنا۔ کیونکہ (۱) وہ تیری ناکامی[2] کیلئے بڑی خفیہ تدبیریں کرینگے۔ البتہ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

تشریح: اخوۃ "اخ" کی جمع ہے اور "اخ" کی جمع اخوان بھی آتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ اخوۃ کا لفظ لغوی نسبی بھائیوں کیلئے اور اخوان "برادران محبت" کیلئے اکثر مستعمل ہوتا ہے۔
کید کے معنی فریب دینا اور حیلہ کرنا۔ جنگ کرنا۔ ارادہ بد کرنا۔
شیطان شطن سے بنا ہے اس کا لغوی معنی ہے سانپ اور سرکش۔ نافرمان۔ بدتہذیب۔ بدخلق۔

اخلاقی حکیم اہل اللہ اپنی جماعت کو ایسے (اخلاق[3]) اور عادتوں سے جو اخلاقی حالت کو نقصان پہنچائیں پہلی پہلی صحبت میں منع کرتے ہیں۔ اسی طرح ماہر ڈاکٹر بیمار کو پرہیز کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ مضرات سے پرہیز کرنے سے انسانی طبع خود بخود اپنی صحت اور تندرستی کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ ا

مضرات سے بچنے سے انسانی طبع خود بخود اپنی صحت و تندرستی کی طرف عود کر آتی ہے۔ اسلئے اخلاقی حکیم اہل اللہ برے اخلاق و عادات سے منع کرتے ہیں۔

انسانی فطرت اچھے اخلاقوں کو قبول کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔ بشرطیکہ بیرونی صدمات و حوادث سے محفوظ رہے۔ اگر انکے جسم یا روح پر مضرات کا حملہ ہو جائے

انسانی فطرت اچھے اخلاق قبول کرنے کی خواہش رکھتی ہے بشرطیکہ بیرونی صدمات و حوادث سے محفوظ رہے۔

۱۔ دیر
۲۔ ناکامیابی
۳۔ خصلتوں

انسانی جسم یا روح پر مفرات کا حملہ ہو جانے تو فطرۃً طبع مدافعت پر متوجہ ہو جاتی ہے اور نشوونما کا عمل رک جاتا ہے

اگر انکے جسم یا روح پر مفرات کا حملہ ہو جائے تو فطرۃً طبع اس کو دور کرنے کیلئے اپنی ترقی چھوڑ کر اس فرور کے دفع کرنے پر متوجہ ہو جاتی ہے - ایک حکیم طبع شاعر فرماتے ہیں -

؎ رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں گشت از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے والد و مرشد حضرت یعقوب علیہ السلام سے ذکر رویاء و مکاشفہ اس خیال اور نقطۂ نظر سے تھا کہ اس مقام سے اعلیٰ و ارفع درجہ کی طرف رہنمائی حاصل کر سکوں -

ا۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام اپنے رویاء اور مکاشفہ کا ذکر اپنے باپ اور مرشد حضرت یعقوب علیہ السلام (سے)[1] اس خیال سے اور اس نقطۂ نظر سے بیان فرماتے ہیں کہ یہ مقام دکھایا گیا ہے - اس مقام سے اعلیٰ و ارفع درجہ کی طرف رہنمائی فرمائیں -

حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ اس روحانی درجہ اور میری صحبت سے میرے بھائی فیضیاب ہو کر روشن ستارے ہو جائیں گے - باقی لوگ بھی اس چشمہ فیض اور روحانی صحبت سے فیضیاب ہو کر مقتداء خلق بن جائیں گے - مگر چونکہ اس میں دنیاوی اغراض بھی شامل ہیں اسلئے اس کے حصول میں لڑائی جھگڑے بھی مول لینے پڑیں گے -

حضرت یوسف علیہ السلام جانتے ہیں کہ یہ درجہ اگرچہ روحانی ہے کہ میری صحبت سے میرے بھائی جو میرے مخالف ہیں. روشن ستارے (بن)[2] جائیں گے -

اور باقی لوگ [illegible] ہیں جن سے کوئی کدورت نہیں وہ بھی ہدایت مآب ہو کر مقتداء خلق بن جائیں گے - مگر اس درجہ میں دنیاوی اغراض بھی مخلوط ہیں - اس درجہ کو حاصل کرنے میں لڑائیاں جھگڑے مول لینے پڑیں گے

ا۔ کو
۲۔ ہو

جب (حضرت) یوسف علیہ السلام (نے) اپنا رویاء بیان کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام (نے) دفع ضرر کی خاطر تاکیداً فرمایا کہ اس رویاء کو اپنے بھائیوں سے بھول کر بھی مت بیان کرنا کیونکہ تمہارے بھائی اس استعداد کے (حامل) ہیں کہ تمہارے اعلیٰ درجہ علم اور عمل کو دیکھ کر خوش ہوں - اور خواہ مخواہ حسد اور بغض کی آگ ان کے دل میں بھڑک اٹھیگی اور تم کو (ناکام)[1] بنانے کیلئے منصوبے تیار کرینگے - وہ نہیں چاہتے کہ تمہارے زیر دست (بنیں)[2] یا تمہارے ھاتھوں سے کوئی بڑا کام سرانجام ہو -

یہ دستور رہا ہے کہ جب کسی عظیم شخصیت نے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دینا چاہا تو کم استعداد کے حامل نا سمجھ لوگوں نے ہمیشہ اسکی مخالفت کی اور اسے ناکام بنانے کیلئے عملی اقدام کیے اسلیئے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے والد نے تاکیداً منع فرمایا کہ اپنے بھائیوں سے بھول کر بھی مت بیان کرنا کیونکہ وہ حسد اور بغض کیوجہ سے تمہاری مخالفت کرینگے اور تمہیں ناکام بنانے کی کوشش کرینگے -

یہی مرض ابوجہل اور سرداران قریش میں (تھا)[3] - ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ان میں لیاقت نہ تھی ورنہ ان کا دلی مقصد تھا کہ اقوام عالم کی سرداری ہمارے ہاتھ میں آئے - اور یہ (مقصد)[4] بوساطت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممکن تھا - کیونکہ قریش کے سردار بھی حنفاء تھے انکو غلط فہمی اس بات سے پیدا ہوئی کہ دین حنیف کا قبلہ توجہ الی (اللہ) بیت اللہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور (ان کی)[5] جماعت نے بیت المقدس کو قبلہ بنا رکھا تھا اس سے ان حنفاء کو شک گزرتا تھا کہ یہ پیغمبر یہودیت کے داعی ہیں - مگر حکمت الٰہی[a] (متقاضی)[b] تھی کہ پیغمبر کو پیغمبری حیثیت سے دیکھیں نہ کہ داعی بیت اللہ کی حیثیت سے -

بغض وعداوت کا مرض انسان سے غور وفکر کی عادت چھین لیتا ہے اور یہی ابوجہل اور سرداران قریش میں تھا - مگر ٹھنڈے دل سے سوچنے کی عادت و لیاقت ان میں نہ تھی - ورنہ وہ بھی اقوام عالم کی سرداری چاہتے تھے اور یہ مقصد نبی صلعم کی وساطت سے ممکن تھا

حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ پیغمبر کو پیغمبر کی حیثیت سے دیکھا جائے نہ کہ داعیٔ بیت اللہ کی حیثیت سے -

قریش کے سردار حنفاء تھے اور دین حنیف کا قبلہ بیت اللہ تھا - آنحضرت صلعم اور انکی جماعت کا قبلہ بیت المقدس تھا اسلیئے ان کو شک گزرتا تھا کہ یہ پیغمبر یہودیت کے داعی ہیں - مگر

اصل رسالت ہے دوم نمبر قبلہ ہے - یہی حکمت آیت حکیم وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا - الآیۃ -[c]

اصل رسالت ہے اور قبلہ دوسرے نمبر پر آتا ہے یعنی پہلے رسول اور بعد میں قبلہ آتا ہے -

[a] ن الف اصلی ن ب اعلیٰ [b] متقاضی - ن الف - متقاضی ن ب

[c] البقرہ ۲: ۱۴۳

۱- ناکامیاب
۲- بنے
۳- تھی
۴- معین مطلب
۵- اس کی

میں نور فتح بدر کے بیان ہوئی اور میرا عقدۂ [1] حل ہو گیا

اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا اصلی مقصود تھا کہ حضرت ابراھیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا دین عالمگیر ہو مگر انمیں اتنی استعداد نہ (تھی) [1] کہ طریق عمل ایسکے لئے سوچیں۔ حکمت عملی کا انمیں فقدان تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی چاہتے تھے ان کے آباؤاجداد کا دین عالمگیر ہو مگر انمیں استعداد نہ تھی اور انمیں حکمت عملی کا فقدان تھا۔

(جو) گھر کے نظام کو ایک سلطنت کے طور پر چلانے کی فکر صحیح اپنے اندر رکھتا (ہو) [2] اور اسکو بڑھا کر وہ مدینے اور مدن پر پھیلا کر دنیا کی سیاست پر حکمران بن سکتا ہے۔ اسی کو حکمت عملی کہتے ہیں۔

محدود پروگرام کو صحیح فکر کے ساتھ منظم و مربوط کر کے وسعت دیکر وسیع تر مقاصد کا حصول حکمت عملی کہلاتا ہے

اگرچہ حضرت یعقوب علیہ السلام حکمت علمی و عملی کے امام تھے مگر یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کی خدمت سے استفادہ نہیں کرتے تھے۔ رات دن پیرزادوں اور نواب زادوں کی طرح (اپنے) [3] نسلی امتیاز کو برقرار رکھنے کی تجویزیں سوچ رہے تھے اور زور زبردستی سے لوگوں سے اپنی فوقیت تسلیم کرانے کی فکر میں تھے۔

شاگرد و مرید اگر استاد و مرشد کے فیوض سے استفادہ حاصل نہ کرے تو کامل ترین استاد بھی اس کیلئے کارگر ثابت نہیں ہو سکتا۔

(دوسری) [4] طرف حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی فکر صحیح اور عقل سلیم سے یقین کر لیا تھا کہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام کا سینہ حکمت علمی اور عملی کے جواہر کا خزانہ ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے درپے ہو گئے۔ بے عمل وعلم بھائی اس کے جانی دشمن بن گئے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام (نے) اپنے باپ اور مرشد کی نصیحت پر سختی سے عمل کیا اور بھائیوں کے (...) [5] آگے رویاء کا کبھی (بھی) [6]

دستور فطرت ہے جو کوشش کرتا ہے اُسے منزل مل ہی جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ و مرشد سے فیض حاصل کر لیا اور بھائی اپنے نسلی تفاخر برقرار رکھنے میں لگے رہے اور فیض سے محروم رہے۔

[1] عقیدہ نالف - عقدہ ن ب -

١- تھی
٢- ہے
٣- اپنی
٤- دوسرے
٥- پہلے
٦- کبھی بھی

تذکرہ نہیں کیا اور نہ کسی خاندان کے فرد سے بیان کیا۔
صاحب استعداد مرید اپنے مربّی ولی اللہ کے[1]) حکم کی تعمیل فرائض سلوک
سے سمجھتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے مراتب اور مکاشفے سوائے
مرشد کے اور (کسی) کے آگے بیان کرنے سے واردات ملکوتی کم ہونے شروع
ہوجاتے ہیں ۔

سرکاری وزراء پر حفظ اسرار واجب ہوتا ہے
ے قلم سر سلطان چہ نیکو نہفت کہ تا کار دہ بر سر بود نش نگفت

اور اس کے علاوہ بزرگوں کے مقابلہ میں بھائیوں کی مخالفت بہت سخت
ہوتی ہے جس سے بچنا مشکل ہوجاتا ہے اور تمام محققین مفسرین اس
بات پر متفق ہیں کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے
اس رویاء کا تذکرہ نہیں کیا اور آیت شریفہ نمبر ۹ سے بھی ایسا معلوم
ہوتا ہے اور قرآن حکیم مھیمن علی التوراۃ والانجیل ہے ۔
ے آرہی ہے چاہ یوسف سے صدا[2] دوست تھوڑے ہیں (بہلا) بھائی بہت حالی
اور یہ جو توراۃ باب پیدائش میں لکھا ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام اپنے
بھائیوں کے ساتھ جنگل میں ریوڑ چراتے تھے اور جو خواب دیکھتے تھے
وہ اپنے بھائیوں کو بتاتے تھے اور وہاں جنگل سے (حضرت) یوسف علیہ السلام
(کو) لیکر کنویں میں ڈال دیا ۔ اس عبارت کو قرآن حکیم غلط ٹھہراتا ہے
۔ والصحیح ما قال اللہ تعالیٰ وھو العالم بالغیب والشھادۃ ۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رویاء کا تذکرہ بھائیوں یا خاندان کے کسی فرد سے نہیں کیا کیونکہ صاحب استعداد مرید اپنے مربی ولی اللہ کے حکم کی تعمیل فرائض سلوک سے سمجھتا ہے اور مرشد کے علاوہ کسی اور کے آگے مراتب و مکاشفے کے اظہار سے واردات ملکوتی کم ہونے شروع ہو جاتے ہیں ۔

سرکاری رازوں کی حفاظت وزراء کیلئے واجب ہوتی ہے ۔

اپنوں کی مخالفت بزرگوں کے مقابلے میں سخت ترین ہوتی ہے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اخفاء راز پر تمام محققین مفسرین کا اتفاق اور قرآنی کی تصدیق سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے رویاء کا تذکرہ بھائیوں سے نہیں کیا ۔

توراۃ کی اس عبارت کو جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے افشاء رویاء کا ذکر ہے ۔ قرآن حکیم اس کو غلط ٹھہراتا ہے ۔

[1] کے نائب کی نا ب

[2] مسدس ۔ خواجہ الطاف حسین حالی

ا ۔ کے

حضرت یوسف علیہ السلام کی استعداد کے بارے میں توراۃ لکھنے والوں کا گمان ۔

توراۃ لکھنے والوں کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے (کہ کہ)[1] وہ ثابت کرنا چاہتے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کی استعداد بھائیوں کے برابر تھی یا اس سے بھی کم تھی مگر تدبیر الٰہی سے اُسنے بڑے کام کامیابی سے سرانجام دیئے[2]۔

ناقص العقل اور کم فہم لوگ ہمیشہ کامل لوگوں کے دشمن بن جاتے ہیں اسلئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھایا کہ اپنے رویاء بھائیوں کے سامنے بیان نہ کریں کیونکہ وہ آپ کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کیلئے خفیہ تدابیر کریں گے ۔

حاصل مطلب کہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام نے سمجھا دیا کہ اس رویاء کو اپنے بھائیوں سے مت کہنا ۔ اگر وہ سُن لیں گے تو ایسی خُفیہ تدبیریں تیرے گرانے کے متعلق سوچیں گے جس (کے) سبب سے تو ناکامیاب ہوجائیگا اور تم کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تکمیل اخلاقی و معاشی کیلئے پیدا کیا اور ناقص اور کم فہم لوگ اپنی بے سمجھی سے انسانِ کامل کے دشمن بن جاتے ہیں ۔

اقتدار پرست ۔ زر پرست ۔ رجعت پسند رفاہیت بالغہ کے دلدادے انسانی ذات کی اخلاقی اور معاشی اصلاح نہیں چاہتے

(اور) اقتدار پرست ۔ زر پرست ۔ رجعت پسند ۔ رہی انگلستانی رفاہیت بالغہ کے دلدادے نہیں چاہتے کہ انسانی ذات کی اخلاقی اور معاشی حالت اصلاح پذیر ہوکر انسان انسان بن جائے اور اسمیں حریت اور آزادی رائے پیدا ہوجائے ۔

اجتماعی معاشی ترقی کا اجتماعی اخلاق کے نشوو ارتقاء پر اثر ۔

اجتماعی اخلاق کا نشاء و نمو اجتماعی معاشی (ارتقاقی) حالت (کی)[3] اصلاح کا نتیجہ ہے اور اس پر مدار رکھتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید یا قدیم فلاسفر یا حکماء حکمت کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ :۔

۱۔ کہ کہ
۲۔ دیئے
۳۔ کے

حکماء کے نزدیک حکمت کی تعریف اور اس کی اقسام۔

"حکمت[1] نام ہے موجودہ حقائق کے علم کا (علم) جو مطابق واقعہ ہو۔ اس حیثیت سے کہ اس سے نفس انسانی[2] (علم) کو کوئی کمال حاصل ہو"

پھر حکمت کے دو قسم ہیں کیونکہ جن حقائق موجودات سے بحث کی جاتی ہے یا وہ ایسے افعال و اعمال ہیں جنکا وجود ہماری قدرت و اختیار میں ہوگا۔ یا ایسے موجودات ہیں جنکا وجود ہمارے اختیار میں نہیں۔

پہلی قسم کے احوال جاننے کا نام حکمت عملیہ[3] ہے اور دوسری قسم کے احوال جاننے کا نام حکمت نظریہ یا علمیہ ہے۔

علم الٰھیات کی تعریف:

پھر حکمت نظریہ کے تین قسم ہیں کیونکہ یا تو علم (ایسی[1]) اشیاء کے حقائق و احوال کا ہوگا جو نہ وجود خارجی میں نہ وجود ذھنی میں اصلاً مادہ کا محتاج نہ ہو اسکو علم الٰھیات کہتے ہیں۔

اور فلسفہ الٰھیات[1]

علم ریاضی کی تعریف:۔

یا ایسے اشیاء کے حقائق و احوال کا علم ہو جو وجود خارجی میں تو محتاج الی المادہ ہے مگر وجود ذھنی میں مادہ کی طرف محتاج نہیں اسکو علم ریاضی کہتے ہیں۔

طبعی علم کی تعریف:۔

یا ایسے اشیاء کے حقائق و احوال کا علم ہو جو وجود ذھنی اور وجود خارجی میں محتاج الی المادہ ہو اس کو علم طبعی کہتے ہیں۔ یہ تین قسمیں حکمت نظریہ کی ہیں۔

۱۔ ایسے

(1) WISDOM.

(2) HUMAN MIND

(3) Practical Wisdom

(4) Metaphysics

Mathematics

Physical Science

حکمت عملیہ کے اقسام تین ہیں ۔

حکمت عملیہ بھی تین قسم ہے یا تو ایک شخص[1] کے مصالح کا علم ہوگا یا ایک گھر[2] میں رہنے والی جماعت کے مصالح کا علم ہوگا یا[3] تو ایسی جماعت کے مصالح کا علم ہوگا جو ایک بڑے شہر[2] یا ملک میں رہتے ہیں یہ تین قسم حکمت عملیہ کے ہیں ۔

شاہ ولی اللہ کے فلسفہ میں حکمت عملیہ کی بنیاد و اساس عدالت ہے ۔

شاہ ولی اللہ کے فلسفہ میں حکمت عملیہ (کی)[1] بیخ بنیاد و اساس عدالت ہے۔ جب ایک شخص کے اطوار زندگی میں عدالت۔ خوش اسلوبی اور پاکبازی نمایاں طور پر ہو مثلاً (نشست و برخاست خواب و بیداری اور رفتار و گفتار۔ شکل و لباس) تو ایسی حکمت عملیہ اور خلق احسن کو ادب کہتے ہیں ۔

شخصی زندگی میں عدالت۔ خوش اسلوبی اور پاکبازی نمایاں ہو تو ایسی حکمت عملیہ اور خلق احسن کو ادب کہتے ہیں ۔

آمد و خرچ میں توازن ہو تو ایسے خلق کو کفایت و قناعت کہا جائیگا۔

اور جب مالی حیثیت میں یعنی آمد و خرچ میں توازن ہو تو ایسے خلق کو کفایت و قناعت کہا جائیگا۔ یہ وصف شخصی ہے اسکو مودّب کہا جائیگا ۔

گھریلو زندگی میں صفائی۔ یگانگت اور کفایت شعاری اور اولاد کی تعلیم و تربیت • تدبیر منزل کہلاتی ہے ۔

اگر ایک گھر میں رہنے والی جماعت (۔۔۔)[2] کا طور زندگی ہیکہ گھر میں صفائی اور آپس میں یگانگت اور خرچ میں کفایت شعاری اور اولاد ذہنی و عملی زندگی کی تربیت دینا وغیرہ وغیرہ تو اس حکمت کا نام تدبیر منزل اور آزادی اور سول لبرٹی ہے ۔

۱۔ کا
۲۔ ایسے طریقہ پر

Beneficent Utility / Individual Level
Domestic Family Level
General / Universal Level
Civic / International

اجتماعی معاشیات کا عادلانہ نظام اجتماعی عادلانہ اجتماع ہے اور اس نظام کو رائج کرنے والی حکومت عادلانہ حکومت ہے -

[1] اگر کسی ملک میں اجتماعی معاشیات کا عادلانہ نظام ہو اور (وہ -)
اجتماعی اقتصادی نظام ایسا قائم ہو جو افراط و تفریط سے پاک ہو نہ
انہیں دھقانوں اور وحشی کی سی معیشت ہو اور نہ ان میں دولت
و ثروت کی ایسی حیثیت ہو جیسے بڑی امیر اور دولتمند طبقہ نہ ملک کی [2]
ہوتی ہے - جو مسرفانہ زندگی بسر کرتے ہیں - ان کیلئے عیاشی کا
سامان اور تفریح گاہیں لازمۂ حیات شمار ہوتی ہیں جیسے سینما
کلب اور آرٹ جس کے باعث اوسط طبقہ بھی ایسے کاموں میں پھنس
کر مفلس ہو جاتا ہے - جیسے آجکل سینما دیکھنے اور اسکی تیاری میں
لاکھوں کا روپیہ برباد ہو رہا ہے

اجتماعی معاشیات سے اجتماعی اخلاق پیدا ہوتے ہیں -

اگر ایسا نظام ہو تو ایسے اجتماع [illegible] کا نام عادلانہ اجتماع ہے
اس حکومت کا نام عادلانہ حکومت ہے - اس سے اجتماعی اخلاق
پیدا ہوتے ہیں - کیونکہ انسانی زندگی اجتماعی زندگی کے بغیر
ناممکن ہے -

فرد کے فضائل و اخلاق جماعت کیطرف منسوب ہوتے ہیں -

ہمیشہ کسی نہ کسی جماعت کا فرد ہو کر زندہ رہ سکتا ہے
ہر ایک فرد کے فضائل و اخلاق جماعت کیطرف منسوب ہوتے ہیں
کیونکہ فرد کے فضائل وہی ہوتے ہیں جو اس کی جماعت میں ہونگے

مولانا امام عبید اللہ سندھی قدس سرہ فرماتے ہیں، -

عام متصوفین کا فلسفہ اخلاق اقتصادی ضروریات --- اور حیوانی زندگی!

"عام متصوفین اپنے فلسفہ اخلاق میں اقتصادی (ضروریات) [3] کو
حیوانی زندگی کیلئے بے شک ضروری مانتے ہیں - لیکن ان کا انسانیت
سے تعلق تسلیم نہیں کرتے - اس لئے بڑے عقلمند زیادہ
با اخلاق لوگ سیاست مدن اور حکومت عادلانہ سے دور رہنا
اپنا کمال تصور کرتے ہیں -

۱ - وہ
۲ - جو
۳ - ~~معاشیات~~ ضروریات -

لے آجکل وڈیو فلمز - ٹی وی اور V.C.R. - وڈیو گیمز کے ہاتھوں قوم کا اخلاقی جنازہ نکل رہا ہے اور معاشی انحطاط ان کا استقبال کرے گا -

جب انسانوں کو سلطنت کے ٹیکسوں اور استحصال بالجبر سے اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے تو انسانیت کے اخلاق برباد ہو جاتے ہیں -

مگر شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہو جاتے ہیں
جب انسانوں کو کسی جبر سے (---)[1] اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے
جیسے سلطنت کے ٹیکسوں اور استحصال بالجبر سے عاجز کر دیا
جائے - اس وقت انسانوں کی جماعت گدھوں اور بیلوں کی
طرح روٹی بھر کی[2] محتاج (ہوتی ہے)[3] -

فرعون اور قیصر و کسریٰ کی حکومتیں استحصالی اقتصادی نظام (غیر عادلانہ) کا نتیجہ تھیں -

فرعون کی ہلاکت اور قیصر و کسریٰ کی (حکومتیں)[4] ایسے (غیر عادلانہ
نظام) کا نتیجہ تھا - اور وہ حکومتیں رجعت پسند ہو گئی تھیں -

رجعت پسند افراد اور جماعتیں انسانوں کو حیوان بنانے میں کوشاں رہتے ہیں - اور یہ کام شیطان کا ہے جو کہ انسان کو انسانیت سے گرا کر حیوان بنانا چاہتا ہے

رجعت پسند (ری ایکشنری) جماعتیں انسان کو حیوان بنانے
اور ری ایکشنری رجعت پسند انسانوں کو حیوان بنانے (ہ) کی
کوشش میں لگے رہتے ہیں - اور یہ کام شیطان کا ہے -

اور شیطان (خواہ انسان ہو یا جن) اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ
انسان انسانیت سے گر کر حیوان بن جائے - اخلاقی حکیموں
کی اصطلاح میں شیطان کے معنی ہیں - سرکش - خود پرست
انسان کو ذلت میں ڈالنے والا - حرص و ہوا کی طرف[6] رغبت
دلانے والا - اجتماعی سوسائٹی کے بگاڑنے والا - اور
انفرادیت پسند -

اخلاقی حکیموں کی اصطلاح میں "شیطان" کے معنی :-

۱- انکو
۲- کے
۳- رہوتے ہیں
۴- حکومتوں
۵- حکومت
۶- کے

عالم شہادت میں آنے سے پہلے واقعات کا وجود عالم مثال میں پیدا ہوتا ہے جو غیر مادی ہوتا ہے

انسان کبیر کے خدام کو ملاء اعلیٰ کہا جاتا ہے

انسان کبیر پر پڑنے والی تجلی الٰہی سے انسانیت فیض یاب ہو کر راہ راست پر چل رہی ہے۔ اور فطرت انسانی بگڑنے سے محفوظ ہے۔

فطرت انسانی سے انحراف کرنے والی جماعت یا سوسائٹی کا انجام سربادی ہوتا ہے۔

ہم اس سے قبل[1] لکھ آئے ہیں کہ عالم شہادت میں جو واقعات آتے ہیں اس سے (پہلے[2]) ان کا وجود عالم مثال میں پیدا ہو جاتا ہے اور لطیف ہوتا ہے۔ اسمیں مادہ نہیں ہوتا - اب تمام انسانوں کو واحد انسان تصور کرو۔ اس کا منبع انسان کبیر ہے جو حظیرۃ القدس میں موجود ہے اس کے خدام کو ملاء اعلیٰ کہتے ہیں کہا جاتا ہے۔

اور انسان کبیر پر تجلی الٰہی پڑ رہی ہے جس سے دنیا کی انسانیت فیض حاصل کر رہی ہے اور وہ راہ راست پر (انسانوں[3] کو چلا[4]) رہی ہے۔ اس لئے فطرت انسانی بگڑنے (سے[5]) محفوظ ہے۔

اگر کوئی جماعت یا سوسائٹی فطرت انسانی کو چھوڑ کر حیوانیت (کی) طرف جھک جاتی ہے تو انسان کبیر سے شرارے غصے اور غضب کے نکلتے ہیں اور انسان کبیر کے خدام اس پر لعنت کرنی شروع کر دیتے ہیں - جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی برباد (ہو جاتی ہے)[6] - جیسے عاد اور ثمود کے حالات تم پڑھتے ہو - یا ان کا اقتدار و عزت چھین لی جاتی (ہے) اور غیر قومیں (ان) کو ذلیل اور غلام بنا (ڈالتی ہیں)[7] -

ذالک تقدیر العزیز العلیم - سورہ ۳۶: ۳۸

سے ن ا - انسان نب الساوی - سورہ لیٰسین ۳۶: ۳۸

۱ - آگے
۲ - آگے
۳ - ۔
۴ - چل
۵ - سے
۶ - ہو جاتے ۔
۷ - بنا لیتے ہیں

انسان کبیر کے طبعی اقتضاء میں سے ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ اخلاق حسنہ کو پسند اور اخلاق بد سے اجتناب چاہتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ نوع انسانی تعلق باللہ و اطاعت کو اپنے لئے فخر سمجھتی ہے اور برے اخلاق کو سوسائٹی کے اندر آنے سے روکتی ہے۔

چونکہ انسان کبیر کی طبعی اقتضاء ہے کہ انسان میں اچھے اخلاق جیسے عدل و انصاف و رحم پیدا ہوں اور برے اخلاق جیسے ظلم و چوری و زنا وغیرہ اخلاق بد سے اجتناب کرے اس لئے نوع انسانی[1] جہاں آپ پائیں گے[2] خواہ عرب ہو یا ہندوستان یا چین یا یورپ، اللہ کی عبادت اور تعلق باللہ ... اور عدل و انصاف کو اپنے لئے فخر سمجھتی ہوں گے۔ اور برے اخلاق جیسے چوری اور ظلم و زنا کو اپنی سوسائٹی کے اندر آنے نہیں دیں گے۔ اخلاق حسنہ اور غریب نوازی کو فخر سمجھیں گے۔
یہ اقتضاء اسی انسان کبیر کا ہے۔

انسان کے نوعی اقتضاؤں (یعنی ملکیت اور حیوانیت) کو اعتدال پر رکھنا انسانی فطرت ہے۔

جب انسان عالم شہادت اور عناصر میں آتا ہے تو اس کے ساتھ حیوانیت کا اقتضاء بھی ملحق ہو جاتا ہے اب اس میں انسان کبیر کے اوصاف بھی موجود ہوتے ہیں اور حیوانیت کے اوصاف جیسے کھانا پینا اور جسم کو تندرست رکھنا اور اپنی[3] نسل بڑھانا، اس کے ساتھ منظم ہو جاتے ہیں۔
پہلے نوعی اقتضاء کو ملکیت کہا جاتا ہے اور دوسرے نوعی اقتضاء کو حیوانیت کہا جاتا ہے۔ ان دونوں اقتضاؤں کو اعتدال پر رکھنا انسانی فطرت ہے۔

۱۔ انسانی نوع
۲۔ پاؤ گے
۳۔ اپنا

انسانی فطرت اقترابات و ارتفاقات کو حد اعتدال پر رکھنے کا نام ہے۔

(---) انسانی فطرت اقترابات اور ارتفاقات کو حدِ اعتدال پر رکھنے کا نام ہے۔

انسانیت کے خصائل و اقتضاء۔

قربِ الٰہی حاصل کرنے کا شوق اس کے روحانی لوطہ کا اقتضاء ہے اور معاش جس کو ارتفاق کہا گیا ہے اچھے طریقوں سے حاصل کرنا اور کسی پر ظلم و تعدی اور تعلی نہ ہو یہ انسانی (جسمیں ملکیت اور حیوانیت موجود ہے) کا اقتضاء ہے

حیوانیت کے اقتضاء اور حیوانوں کے خصائل۔

خالص حیوانیت کا اقتضاء ضعیفوں پر ظلم کرنا اقتدار پسند اور فخر اور سرمایہ پرستی نجاست ظاہری و باطنی میں ملوث ہونا۔ اور دوسروں کی معاش پر دست تعدی دراز کرنا اور قیامت اور جزاء سزاء اعمال سے غافل ہونا اور لقاء اللہ تعالیٰ کو جو روحانی حیات کا اقتضاء ہے بھلا دینا اور حیوانی خصائل لوگوں کی صحبت پسند کرنا اور اہل اللہ ذاکرین اللہ کثیراً کو بے عقل سمجھنا یہ خصائل حیوانات کے ہیں۔

تکمیل انسانیت کیلئے ملکیت اور حیوانیت میں توازن اور اعتدال ضروری ہے۔

ملکیت اور حیوانیت میں توازن رکھنا اور افراط تفریط سے بچنا انسانی نوع کا تقاضا ہے اگر دونوں اقتضاؤں میں سے ایک کو گم کر دیگا تو انسانیت کی تکمیل نہ ہو سکیگی۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ انسانی طبع حیوانیت کی تکمیل کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے۔

اسلئے ضروری ہے کہ ملکیت کو حیوانیت پر غالب کیا جائے یعنی حیوانیت کو بھی خیر اور بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے - اور شر اور بدکاری کے کاموں کی طرف حیوانیت کو مائل نہ ہونے دیا جاوئے -

شاہ صاحب شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ ہر حیوان کی تقدیر وہی ہے جو اسکو صورت (نوعی) نوعیہ میں عطا ہوئی مثلاً اونٹ کی تقدیر یہ ہے کہ اس کو صورت نوعیہ دیکر الہام کیا گیا کہ) وہ ہر درخت کھائے مگر آک نہ کھائے اور اس طرح ہر حیوان کو صورت نوعیہ کے اندر اسکو الہام ڈال دیا گیا ہے کہ اپنی تندرستی کو قائم رکھنے کیلئے یہ یہ اشیاء کھائے اور ان چیزوں سے پرہیز کرے -

مثلاً اگر گھوڑے کو گوشت کھانے کی عادت پڑجائے تو وہ بیمار ہوکر بے کار ہوجائیگا -

اس طرح انسان کو بھی صورت نوعیہ دیکر اس میں الہام ڈالدیا گیا ہے کہ اپنی ملکیت اور حیوانیت کا توازن قائم رکھے اور حیوانیت پر ملکیت اور عقل کو غالب رکھے - اپنی عقل سے سوچ سمجھکر اقترابات اور ارتفاقات کو حاصل کرے (اور) سوسائٹی میں اشرف ہوکر رہے -

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ہر حیوان کی تقدیر وہ ہے جو اسکو صورت نوعیہ دیکر الہام کیا گیا ہے کہ اپنی تندرستی کیلئے یہ اشیاء کھائے اور ان اشیاء سے پرہیز کرے -

انسان کو صورت نوعیہ دیکر الہام ڈالدیا گیا ہے کہ وہ حیوانیت پر ملکیت اور عقل کو غالب رکھے اور عقل سے سوچ کر اقترابات اور ارتفاقات حاصل کرکے سوسائٹی میں اشرف ہوکر رہے -

۱ - ن و لکھا گیا ہے - ن ب - ڈال دیا گیا ہے

شاہ صاحب کے نزدیک فلسفہ تقدیر کا ایک مطلب یہ ہے کہ رضائے الٰہی اور معاشرے کی فلاح کیلئے کام کرتا رہے۔

سوسائٹی میں کسی غیر کے حق پر دست درازی نہ کرے اور اپنے اعمال کا جائزہ رہے۔ اور اپنی تمام ہمت اور عقل سے اس بات پر غور کرے کہ کس کام کیلئے مجھکو اللہ جل شانہٗ نے پیدا کیا ہے اور مجھے[1] انسانی سوسائٹی میں رکھا ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کیلئے کیا کام کیا اور انسانی سوسائٹی کو مجھ سے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ یہ ہے انسان کی تقدیر ـــــــ

خلافِ تقدیر کام کرنے والا مستوجب سزا ہوتا ہے۔

اگر کوئی انسان اپنی تقدیر کے (خلاف[2]) کام کریگا تو مستوجب سزا[3] ہوگا۔

مثلاً ایک فوجی افسر کو گورنمنٹ نے اس لیئے رکھا ہے کہ اپنے فوجی (دفاعی) فرائض کی[4] تکمیل کرتا ہے۔ اگر اس نے دخل در معقولات دے کر خواہ انجنیئر سے یا محکمہ سول[5] میں دست اندازی کرلیگا تو مستوجب سزا (--)[6] ہوگا۔ کیونکہ[7] اپنے فرائض کو چھوڑ کر دوسرے کام میں دخل دیا۔

اگرچہ انجنیئرنگ[8] میں اچھا کام کیا مگر اس کو لازم تھا کہ اپنی ڈیوٹی پوری کرے۔

۱۔ مجھکو
۲۔ برخلاف
۳۔ کا
۴۔ کو
۵۔ سول محکمہ
۶۔ کا
۷۔ کہ کیوں۔

فلسفہ الٰھئیات میں یہ بات مسلّم ہے کہ:-

الوجود کلہ خیر-----

کسی چیز کے وجود میں شر نہیں کیونکہ وجود، واجب الوجود رحمٰن الرحیم کی تجلّی ہے-

ذات کے اندر جو کمالات ہوتے ہیں انکو اسماء کہا جاتا ہے- ان کمالات کے پرتو اور شعاع کو صفت کہا جاتا ہے-

مثلاً آگ کے اندر جو گرمی ہے اس کو آگ کا اسم کہا جائیگا اور وہ آگ کی گرمی باہر نکل کر پانی کو (---) گرم کرتی ہے- وہ صفت آگ ہے-

اسیطرح نور آفتاب جو خورشید کے اندر ہے اسکو اسم آفتاب کہا جائیگا اور وہ نور جو آفتاب کے کرّہ کے اوپر نظر آرہا ہے یہ اس کی صفت ہے

ذات الٰھی کے کمالات و اسماء بے انتہا ہیں- اسیطرح اس کے صفات کی نہ ابتداء معلوم ہوسکتی ہے اور نہ انتہا ہے-

اسماء الٰھی کے ہر ایک اسم کا دورہ بھی غیر متناھی ہے جیسے ذات الٰھی سراسر رحمت اور برکت ہے- اسیطرح اسماء الٰھی بھی سراسر رحمت اور برکت ہیں- اسماء الٰھی میں سے ایک اسم رحمٰن ہے- اس کے پرتو اور نور سے یہ جہان خواہ دنیاوی خواہ اخروی یا ملک فلک یا دوزخ بہشت وغیرہ (اس کے) وجود میں آئے ہیں- تو

اسماء کا مفہوم ہے

ذات کے اندر موجود کمالات-

صفت ان کمالات کے پرتو اور شعاع کو کہتے ہیں

اسماء الٰھی بھی ذات الٰھی کی طرح سراسر رحمت و برکت ہیں-

دنیا و مافیھا اسم الٰھی رحمٰن کے پرتو اور نور کی مرہون منت ہے-

۱- مثلاً
۲- ہیں-

چونکہ کائنات کی ہر شے کی تخلیق رحمت حق تعالیٰ کا مظہر ہے اسلیئے کسی شے ذاتی شر نہیں شر اضافی اور نسبتی ہے -

اشیاء کا غلط استعمال نقصان کا موجب بنتا ہے -

رحمت ہے جو چیز وجود میں آئیگی - سراسر رحمت اور برکت ہو گی اور اسمیں کوئی ذاتی شر نہ ہوگا شر اضافی اور نسبتی ہے جیسے سنکھیا - اسمیں بہت سے فائدے[1] ہیں (چونکہ) (انسانی)[2] طبع کے خلاف ہے اس لیئے طبیب و ڈاکٹر اس کے کھانے سے منع کرتے ہیں اور یہ سنکھیا بھی خود بخود انسان کے حلق کے اندر نہیں اُتر جاتا - غلطی سے یا نسیان سے انسان کھاتا ہے تو تو وہ اپنا عمل کرتا ہے) - اس کی تاثیر سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے -

اسی طرح ناگ بچھو اور موذی چیزیں (ہیں) انمیں ذاتی شر نہیں یہ موذی حیوانات بھی انسان سے دور رہتے ہیں - اور اس سے بچنے کی ترکیبیں بھی انسان کو بلکہ ہر حیوان کو الہاماً معلوم ہیں - انمیں انسان کیلیئے ہزارہا فوائد ہیں جنکو طبیب اور ڈاکٹر اور علم الاشیاء کے ماہر جانتے ہیں -

ایسے ہی شیطان کی خلقت میں کوئی شر نہیں جیسے ناگ اور سنکھیئے کے وجود میں شر نہیں مگر غلط استعمال سے نقصان پہنچتا ہے -

(اس سے قبل)[3] معلوم ہوا ہے کہ انسان اپنی جنس حیوانات سے حیوانیت کے کاموں میں شریک ہے جیسے بھوک پیاس شہوت حرص [4] غصہ - تکبر اور دشمن سے لڑنا (وغیرہ)

۱ - فائدہ
۲ - انسان کی
۳ - آگے
۴ - وغیرہ

۱ - [illegible]

حیوانیت کے ساتھ ساتھ انسان کو دو بڑے جوہر عطا کئے گئے ہیں جو اُسے باقی حیوانوں سے ممتاز کر کے اشرف المخلوقات کا درجہ دلاتے ہیں وہ لقاء اللہ کا شوق اور عقل ہیں۔

ان کے علاوہ دو بڑے جوہر ان کو عطا کر دئیے گئے ہیں
پہلا جوہر ان کی روح کے اندر رکھ دیا گیا ہے یہ لقاء اللہ کا شوق اور محبت الٰہی ہے
دوسرا جوہر انکے دماغ میں ودیعت اور امانت ہے وہ عقل ہے۔ پھر ان کو جسم کثیف دیکر اس عالم شہادت میں روانہ کیا گیا تاکہ اس سکول میں تعلیم پاکر آئندہ آنے والی آخرت کی نشاۃ کیلئے تیار کرے۔ ا۔

انسان کو چاہیے کہ اپنی حیوانیت کو عقل کے ماتحت رکھکر دونوں جوہروں کی نگہداشت و پرورش کرے جو کہ اصل مقصود ہے۔

اس اخروی جہان میں جو انعام واکرام ہیں ان سے حظ اٹھائے۔ وہ جہان اگرچہ لطیف ہیں مگر المنیس انعامات اس کثیف جہان کے مشابہ ہیں اور انسان اپنے اعلیٰ درجہ کے دونوں جوجوہروں) کی نگہداشت کرنے کیلئے اپنی حیوانیت کو عقل کے ماتحت رکھکر روح کے اندر والے جوہر کی پرورش کرے۔ کیونکہ اس نقطہ نورانی کی پرورش اصل مقصود ہے

چونکہ انسانوں کا اپنی حیات جسمانی کیطرف زیادہ میلان ہوتا ہے۔ اسلئے شیطان حیوانیت کے دریچے سے حیوانیت کے وسوسے اس میں ڈال دیتا ہے تاکہ وہ انسانیت سے گر جائے۔

اب اس عالم کثیف جسمانی میں انکو اپنی حیات جسمانی کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے اور حیوانیت کے دریچہ سے حیوانیت کے وسوسے اسمیں شیطان ڈال دیتا ہے تاکہ انسانیت سے گر جائے۔

ا۔ جوہروں

انسان کے اعضائے رئیسہ اور ان کا طریق کار -

انسان کے اندر تین اعضائے رئیسہ ہیں -

۱- دماغ ۲- قلب - ۳ جگر

جگر بدن کا خادم ہے - جسمانی ضروریات کیلئے دماغ کو خبر دیتا ہے - دماغ اس ضرورت کا راستہ سوچتا ہے اور پھر قلب کے (سامنے) [۱] پیش کرتا ہے —

اگر قلب (نے) اس راستے کو پسند کیا تو اپنے لشکر یعنی اعضاء کو حکم دیتا ہے کہ اس ضرورت کو اس سوچے ہوئے طریق(ے سے) [۲] پورا کریں -

اگر یہ تینوں اعضاء رئیسہ آداب شرعیہ سے یا کسی اہل اللہ کی صحبت سے یا ریاضت سے مہذب ہو گئے ہونگے اور ان کا میلان ملکیت کی طرف ہوگا تو ملائکہ کی طرف سے جو خادم ملکیت کے ہیں الہام ہونا شروع ہو جاتا ہے اور انسان کی حیوانیت کے (تقاضے) [۳] یعنی جگر کے تقاضے عقل اور قلب کے مغلوب اور مقہور ہو جاتے ہیں اور انکا معاشی عقل اور قلب سوسائٹی کے قوانین کی پابندی ضروری سمجھتا ہے -

اگر کسی انسان کی حیوانیت عقل اور قلب پر غالب آجاتی ہے تو اس کے نفس اور روح کو "نفس بہیمہ" کہا جاتا ہے -

۱- آگے
۲ - سے
۳ تقاضا

شیطان کا مفہوم

اب شیطان کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو گئی ہے
فلسفہ الہٰیات میں یہ بات مسلّم ہے کہ عالم عناصر اور
جو ہیں دو قسم کی طاقتیں موجود ہیں۔ دونوں میں
خیر ہی خیر ہے۔ ان میں ذاتی شر نہیں۔
ہماری بحث چونکہ نوع انسانی (سے)[1] ہے۔ اس لئے جو
بھی مخفی طاقت انسانی نوع کیلئے مضر اور نقصان (دہ)[2] ہو
اور انسانی تکمیل میں حارج ہو اس کو مضر اور نقصان (دہ)[3]
سمجھیں گے اگرچہ فی نفسہٖ وہ مضر نہ ہو بلکہ نہایت ضروری ہو

اعضاء رئیسہ کے عمل سے بذریعہ خون پیدا ہونے والے بخار کو "روح حیوانی" کا نام دیتے ہیں۔

جب انسان کے اندر یہ تین اعضاء رئیسہ پیدا ہو
جاتے ہیں تو غذا کے ہضم در ہضم سے صالح خون پیدا ہو کر
قلب کی طاقت سے اسمیں دوران ہوتا ہے۔ تاکہ تمام
اعضاء کو حسب حیثیت حصہ ملے۔ اس سے جو بخار
پیدا ہوتا ہے۔ اس کو روح حیوانی کا نام دیتے ہیں
طبیب۔ ڈاکٹر بحث۔ صحت اور تندرستی اسکی کرتے ہیں
انکا مطمع نظر یہ روح حیوانی ہے۔

حظیرۃ القدس !!!
اولیاء کرام کی نظر میں:۔

اہل وجدان یعنی اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم
نے اپنے وجدانی علم و ذوق سے ثابت کیا ہے کہ
عرش کے اوپر تجلّی الٰہی اعظم قائم ہے۔ اس تجلی اعظم
کے محاذات میں عرش عظیم کے نیچے ایک مقام ہے جسکو
حظیرۃ القدس[(1)] کہا جاتا ہے۔

(1) Sacred Fold

۱۔ میں
۲۔ نقصان کار
۳۔ ایضاً

امام الاجناس یا امام النوع کا ایک مفہوم۔

اس جگہ ہر ہر جنس ونوع کے اصول (یا مجسمے) ہیں۔ ان اصولوں کے ذریعہ افراد پر رحمت برستی رہتی ہے۔ ان اصولوں یا مجسموں کا نام امام الاجناس یا امام النوع رکھتے ہیں) وہ بھی ایک تجلّی ہے تجلّی اعظم کی۔ اسکے ذریعہ انواع ستہپادی مادی یا غیر مادی پر رحمت نازل ہوتی رہتی ہے۔ یعنی اس سے ستہپادی نوع کی صحت وما یحتاج الیہ وابستہ ہے

چونکہ ہماری بحث نوع انسانی سے ہے۔ اسلئے باقی امام الانواع ترک کرکے انسانی امام النوع کی بحث کرتے ہیں۔

انسان کبیر اور ملاء اعلیٰ کا ایک مفہوم

امام نوع انسانی جسکو انسان کبیر کہتے ہیں۔ حظیرۃ القدس میں قائم ہے۔ یہ بھی ایک تجلّی ہے۔ اس کی صورت انسانی ہے اور اس کی روح تجلّی اعظم ہے۔ اس انسان کبیر کے خدّام کو ملاء اعلیٰ یا رفیق اعلیٰ یا ندی اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ اس ملاء اعلیٰ[1] میں ملائکہ انبیاء علیہم السلام وصدیقین اور اولیاء کرام شامل ہوتے ہیں۔

اس انسان کبیر پر تجلیات الٰہی برس رہی (ہے) ان تجلّیات کے اسرار ورموز (مشیئوں) کو ملاء اعلیٰ سمجھکر ستہپادی مادی انسان کو اس پر چلاتے ہیں۔ اس انسان کبیر سے ارواح انسانی کا عکس عالم مثال میں نازل ہوتا ہے۔

(1) Higher Assembly

نفس ناطقہ کا ایک مفہوم

عالم مثال کے روح انسانی کی ظاہری شکل انسان کبیر کی ہوتی ہے۔ اس شکل کو نفس ناطقہ اور اس کی روح[1] روح الٰہی باعتبار تجلی کے اور روح ملکوتی باعتبار عالم مثال کے نام رکھا جاتا ہے اور اس کو روح منعقدہ من النفس الناطقہ والروح الملکوتی کہا جاتا ہے۔

روح ملکوتی کا ایک مفہوم

جب انسانی مادی جسم میں بخار لطیف جسکو نسمہ کہا جاتا ہے، تیار ہو جاتا ہے تو روح منعقدہ نازل ہو کر نسمہ کو اپنی مطیہ اور سواری بنا لیتا ہے) نسمہ کو نفس ناطقہ صورت انسانی دیتا ہے۔ یعنی جب شکل و صورت انسان کبیر کی نسمہ پر طاری ہو جاتی ہے تو اس نسمہ کو اب نفس ناطقہ کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں جو روح تھی وہ روح ملکوتی ہے۔

روح انسانی کے اجزاء ہے
نسمہ، نفس ناطقہ اور روح ملکوتی ہیں

اب بخار لطیف کہو یا کہو کہ دوران خون سے جو برقی رو پیدا ہو (---)[2] وہ نسمہ نفس ناطقہ جب کہا جائیگا جب اس پر صورت انسان کبیر کی طاری ہو جائیگی۔ اب روح انسانی کے تین اجزاء ہوئے۔

ایک نسمہ دوسرا نفس ناطقہ تیسرا روح ملکوتی اور ہر ایک جز کے اپنے اپنے جدا جدا احکام و تقاضے ہیں ان احکام (کی)[3] بحث کتب تصوف میں تلاش[4] کرنا چاہیے۔ اس بحث کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ [ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔]

۱۔ روحی
۲۔ تھا
۳۔ کو
۴۔ معلوم

شاہ صاحب کے فلسفہ روح کی بحث میں اسی قدر ہے - مگر اس سے آگے نفس کلیہ کی بحث مولانا الامام محمد قاسم قدس سرہ دیوبندی نے تفصیل سے فرمائی ہے۔

روح انسانی کے اجزاء کی خاصیت اور ان کا طریق کار۔

المختصر[1] انسانی روح ان تین اجزاء[2] سے مرکب ہے جیسے روح حیوانی کی روح نفس ناطقہ تھی - اسیطرح نفس ناطقہ کی روح روح ملکوتی ہے - یہ تینوں روحیں اکٹھی نازل ہوتی ہیں۔ ہر ایک جزو کی اپنی خاصیت اور اقتضاء ہے -

i روح ملکوتی :-

روح ملکوتی حظیرۃ القدس کی طرف کشش کرتی ہے -

ii نفس ناطقہ

نفس ناطقہ کی خاصیت ہے کہ اخلاق مہذب ہوں اور نفع عامہ ہو اور سوسائٹی کا نظام اچھی طرح چلے کسی پر ظلم نہ ہو - انسانی سوسائٹی سے منکرات اور بے حیائی کو دور کرنا - کلی رائے سے کام کرنا - ذاتی اغراض مغلوب ہوں اور فوائد اور نفع عامہ کو مدنظر رکھکر[3] کام کرے

iii روح حیوانی

روح حیوانی کی خاصیت ذاتی فوائد کو مدنظر رکھنا[4] - جسمانی[5] خواہشات پورا کرنا اور شہوت سے مغلوب ہونا اور شرم وحیا کی پرواہ نہ کرنا - حرص وہوا سے مغلوب ہونا - دوسروں کے اندوختہ طعام ولباس وغیرہ پر دست درازی کرنا اور اپنے جسم کو

ے تفصیل پہلے دیکھیے

١- اب قصہ مختصر
٢- جزوں
٣- کے مدنظر کام کرے -
٤- فوائد مدنظر ہو-
٥- جسم کی

معاش کیلئے تکلیف نہ دینا - عاقبت اور سزا ٔ اعمال سے اندھا ہونا وغیرہ -

یہ خاصیتیں اس روح حیوانی کی ہیں - اسکی مثال گدھا ہے - گھاس دیکھکر اس پر لپک جاتا ہے - مار پیٹ کرتے رہو وہ کھانے میں مشغول ہوگا - اسطرح وہ شہوت سے مغلوب ہوتا رہے تو) مار پیٹ کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا[1]

ہر ایک روح کیلئے الگ میدان عمل ضروری ہے تاکہ وہ اپنے جوہر اور لیاقت کا اظہار کر سکے -

اب ہر ایک روح کیلئے اپنی اپنی چراگاہ ہونی چاہیے اور ہر ایک کیلئے جدا جدا بڑا پلیٹ فارم اور میدان ہونا چاہیے جس پر اپنے اپنے جواہر اور لیاقت کا اظہار کر سکیں - روح حیوانی کو غذا کی سب سے زیادہ ضرورت ہے تاکہ جسمانی طاقت بڑھا کر اس کے کرشمے دکھائے - اپنی شہوت پوری کرے - اسکے لئے نباتات اور حیوانات (...)[2] اور ہر قسم کے جمادات بنائے گئے - ان کے نوع سے انکیلئے جفت اور جوڑا پیدا کیا گیا تاکہ اپنی نسل بڑھائے اور تسکین اور آرام حاصل کرے -

۱ - پڑتا -
۲ - تیار رکھے گئے -

نفس ناطقہ کا میدانِ عمل ۔

نفس ناطقہ نے پہلے پہلے حیوانات اور نباتات میں بدانتظامی[1]
دیکھی۔ غذائی دانے اور میوہ دار درختوں کو جمع کر کے انتظام
سے اس کو بویا اور حیوانات کو تابع کر کے اپنے کام میں لگادیا[2]
اور جب انسانی سوسائٹی[3] بڑھی تو انہیں اعلیٰ اور احسن نظام
پیدا کر کے سوسائٹی کو آرام اور سہولت سے زندگی بسر کرنے کا
موقع دیا۔ اور جن لوگوں میں ذاتی اغراض کیوجہ سے ایک
دوسرے پر ظلم روا رکھنا دیکھا تو عدالت و انصاف رکے[4] قواعد
و قوانین بناکر ظلم کو دور کیا اور فوائد عامہ کیلئے اپنی جان اور
مال قربان کر دینا اور نتیجے اور پھل پر نظر رکھکر عمل کرنا اور
ایسے عملی کام کرنا جس سے آیندہ نسلِ انسانی کو فائدہ
پہنچتا رہے ۔ اپنے ذاتی کام فائدہ کیلئے بالکل تھوڑا کام
کرنا اسمیں بھی فوائد عامہ سوسائٹی کا لحاظ ضرور رکھنا اپنے
فرائض میں شمار کرنا اور بہت غور و فکر سے علمی اور عملی کام کرنا
اگر اس کو سوسائٹی اپنا رئیس اور امیر منتخب کرے تو بھی وہ اپنے
آپکو خادم سمجھکر انہیں اچھا انتظام پیدا کرتا ہے ۔ کھانے
پینے وغیرہ میں سوسائٹی کے برابر رہتا ہے (۔۔۔)[5] یہ نفس
ناطقہ کے کرشمے ہیں ۔

۱ ۔ بے انتظامی
۲ ۔ لگادیئے
۳ ۔ سوسائٹی انسانی
۴ ۔ سے
۵ ۔ اپنے وغیرہ یہ نفس ناطقہ کرشمے ہیں ۔

روح ملکوتی کا میدان عمل اور اس کے کرشمے:۔

روح ملکوتی کی ذاتی اقتضاء ہے کہ حظیرۃ القدس میں پہنچکر محبت الٰہی سے سیراب ہو جائے۔
چونکہ حظیرۃ القدس علمی خزانہ ہے۔ وہاں سے علم حاصل کرکے نفس ناطقہ کو عطا کرے اور علم اور محبت الٰہی سے نفس ناطقہ کو سیراب کرے نفس ناطقہ کے ذریعے یہ فیض روح حیوانی کو پہنچائے[1] اور روح حیوانی جب اس محبت الٰہی سے بھرپور ہوجاتی[2] ہے تو اس کے ذریعہ جسم انسانی جو جمادات کا حکم رکھتا ہے۔ اسمیں حیات جاودانی کی خواہش پیدا ہوجاتی ہے اور اس لذت سے مستانہ ہوکر کودتا ہے اور جس نفس ناطقہ کو کسی ایسے علم اور عمل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو انسانی نسل کیلئے مفید ہو تو روح ملکوتی کے (سامنے) پیش کرتا ہے تو وہ حظیرۃ القدس میں پہنچکر وہاں اس علم وعمل کے طریقے حاصل کرکے نفس ناطقہ پر اس کے طریقے الہام کرتا ہے۔
اس طرح علمی وعملی کاموں میں انسانی سوسائٹی ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔
اگر کسی انسان میں یہ تینوں اجزاء اسمیں صلح وموافقت رکھتی ہیں۔ ہر ایک جزو دوسرے جزو کے اقتضاء کو نہیں روکتا تو یہ انسان مقتداء خلق ہوتا ہے۔ اس سے انسان کو

۱۔ ملتا ہے۔
۲ ہوجاتا ہے

خصوصاً اور باقی حیوانات اور جمادات کو عموماً فائدے

حاصل ہوتے ہیں ۔

آپنے پڑھا ہوگا کہ طالب علم کیلئے مچھلیاں بھی پانی میں

کامیابی کی دعا کرتی ہیں ۔[1]

روح انسانی کے اجزاء کا ایک دوسرے پر اثر:۔

ایک جزو کی کشش سے دوسری دو جزیئں کھنچ جاتی ہیں

اگر روح حیوانی میں زیادہ طاقت پیدا ہوگئی تو

نفس ناطقہ اور روح ملکوتی مغلوب ہو جاتے ہیں اور

پھر نفس روح انسان نفس بھیمہ بنجاتا ہے ۔ اگر

روح ملکوتی میں طاقت زیادہ ہو اور زیادہ کشش پیدا ہوگئی ہو

تو نفس ناطقہ سے سب انتظامات اور صنعتیں بھول جاتی ہیں

اگر نفس ناطقہ دونوں پر غالب آگیا تو آخرت اور اللہ

تعالی کی محبت کے بجائے انکو انتظامات اور صنعت و

حرفت میں توغل اور انہماک ہوگا ۔ محبت الٰہی سے بے بہرہ ہو

جائیگا ۔ اور اعمال کی جزاء سزا اور اللہ تعالی کو بھول جائیگا

ایک ایسی مشین ہوگی جسمیں اعلی اخلاق نہ ہونگے بلکہ

سوسائٹی میں سے آخرت کا خوف اور لقاء اللہ کا جذبہ گم کرنے

کیلئے کوشش کرے گا ۔ [والعاقل یکفیہ الاشارہ ۔

آگے خود غور کرو ۔]

[1] حدیث شریف

روح ملکوتی کے کرشمے :۔

روح ملکوتی جب حظیرۃ القدس سے نکل کر عالم مثال کے تختہ پر ظاہر ہوتی ہے[1] تو عالم مثال کے عجائب سے رنگین ہو جاتی ہے[2] اور عالم مثال کے فیوض اور برکات سے لبریز ہو جاتا ہے۔

عالم مثال کے سات طبقے ہیں جنکو سماء کہا جاتا ہے اس طرح ہر ہر طبقہ کے فیوض و برکات حاصل کرتا ہوا عالم جو اور عناصر میں آکر روح انسانی جو نفس ناطقہ اور روح الٰہی یا ملکوتی سے مرکب تھا شئی واحد بنکر نسمہ میں داخل ہو جاتا ہے تو نسمہ بخار لطیف مادہ ہے اور اس کی صورت روح منعقدہ من النفس الناطقۃ والروح الملکوتی ہے اور انسانی جسم میں سب اجسام ارضی کے خلاصے اور جواہر موجود ہیں اس کو افضل اور اعلیٰ جسم عطا ہوا ہے۔ اس لیے سب اجسام اسے سردار مانتے ہیں اور روح ملکوتی عالم مثال میں گردش کرنے سے ۔ قبل، اسکی صورت پر اگر کوئی اہل اللہ نظر کرتا تھا تو اللہ ہی نظر آتا تھا۔ یہ معنی ہیں خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ[1] سے، اس لیے اس کو روح الٰہی کہا جاتا ہے۔

عالم مثال کے فیوض و برکات برسنے سے وہ صورت الٰہی مکنون ہوتی ہے۔ ملکی صورت اس کو عطا ہوتی ہے۔ یعنی اس کی صورت ملائکہ جیسی ہوتی ہے۔ تو عالم مثال میں اس کو روح ملکوتی کہا جاتا ہے۔ اور جب جسم ملا تو وہ عالم مثال کے

۱۔ ہوتا ہے
۲۔ " "

۱۔ حدیث صحیح بخاری۔ کتاب الاستیذان ج ۸ صفحہ ۶۲

فیوض میں ملفوف ہو گئی۔ اس صورت اور عالم مثال کے فیوض کو باز کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت کی پابندی اور اہل اللہ کی صحبت اور ریاضت اختیار کرے جن کے سبب یہ فیوض ظاہر ہوتے ہیں۔

عالم سافل (جسمانی) کی دو مخفی طاقتیں

(ہم اس سے قبل)[1] لکھ چکے ہیں کہ اس عالم سافل اور جسمانی میں دو مخفی طاقتیں موجود ہیں۔ ایک کو ملائکہ کہا جاتا ہے۔

۱۔ ملائکہ

جو انسان کی ملکوتی روح کو ترقی دینے کیلئے انسان کی روح میں اعلیٰ خیالات ڈالتے رہتے ہیں اور انسان کے دماغ اور قلب پر بارش کی طرح اپنے ہلکے ہلکے خطرات اور خیال برساتے رہتے ہیں۔ جس سے روح ملکوتی حیوانی خیالات سے نجات حاصل کرے اور دماغ میں صفائی حاصل ہو۔ جیسے جیسے دماغ اور قلب روح ملکوتی کے تابع ہوتے جاتے ہیں ویسے ہی ملکیت کے اعلیٰ مراتب طے ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ[2] انسان حیظرہ القدس کے ملائکہ عظام کی بات سن سکتا ہے اور اپنی بات اُن سے کہہ سکتا ہے۔

۲۔ جنات

دوسری مخفی طاقت جنات ہیں۔ ان جنات کے بھی مراتب ہیں۔ بڑے سرکش کو شیطان کہا جاتا ہے۔ روح حیوانی کی خدمت اُن کے سپرد ہے۔ ان کی فطرت ملکیت کے خلاف[3] واقع ہوئی ہے۔ اچھے انتظام کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے انتظامی کو پسند کرتے ہیں۔ تمدن اور اخلاق حسنہ سے ان کی فطرت کوسوں دور ہے۔

۱۔ آگے
۲۔ تا آنکہ
۳۔ برخلاف

ے کہ نباید ز گرگ پوستیں دوزی :۔

ھلکا پن۔ اور خست اور دنائت نجاست سے ملوث ہونا ان

کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا[1] ہوا ہے۔

حیوانیت کو پسند کرتے ہیں۔ انفرادیت کے دلدادہ اور اجتماعیت

سے گریزاں ہیں۔ انسان میں حیوانی روح کے ذریعہ ایسے خطرات

(بلوہ) وسوسے اور خیالات ڈالتے ہیں کہ جس سے انسان اچھا

خاصا حیوان درندہ بن جائے۔

انسان کے فطری اخلاق اربعہ۔

طہارت۔ اناب۔ سماحت و سخاوت

عدالت۔

نفس ناطقہ میں جو طہارت[1] و انابت[2] اور

سماحت[3] و سخاوت اور عدالت[4] فطرۃً رکھے ہوئے ہیں

ان خباث کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ اخلاق اربعہ جس پر

انسان فطرۃً مجبور پیدا ہوا ہے۔ انکو انسان بھول جائے اور

لقاء اللہ اور رائے کلی کے لیئے انسان کوئی کام نہ کرے۔

باقی حیوانات کیطرح زندگی گزارے۔ پھر اگر انسان

ملائکہ کے خطرات اور الہام کو قبول کرتا گیا تو ملکی

صفت بن کر حظیرۃ القدس سے قریب ہوتا جائیگا۔

اگر (...)[2] خباث کے خطرات اور الہام قبول کرتا گیا

تو ایک اچھا خاصا حیوان درندہ بن[3] اور شیاطین کے

قریب ہو جا[4] حتی کہ بڑا شیطان بن جاتا ہے

ے نہ کنند جور پیشہ سلطانی کہ نباید ز گرگ چوپانی۔ گلستان کلیات سعدی صفحہ ۵۲ طبع تہران۔

۱۔ بھری پڑی ہے
۲۔ اس نے
۳۔ بن جاتا ہے
۴۔ تا کہ

نہ اس میں عدالت و طہارت و خشیت الہی رہتی ہے نہ وہ
اجتماعیت و تمدن کی طرف دیکھتا ہے - پھر وہ انسان چور
ڈاکو اور رہزن ہوکر اجتماعیت کو فنا کرنا چاہتا ہے -

زمین پر شیطان یہ انسان ہوتا ہے جیسے زمین پر اہل اللہ
ملائکہ میں شمار کیے جاتے ہیں. ویسے رہی یہ چور ڈاکو
شیطانوں میں اور موذی حیوانوں میں شمار کیے جاتے ہیں

ہم پہلے[1] بیان کر آئے ہیں کہ انسان میں حیوانیت
کے خصائل بھی موجود (ہوتے) ہیں اور ملکیت کے اعلیٰ اخلاق
اربعہ طہارت انابت الی اللہ اور سماوت و سماحت اور
عدالت بھی رکھیں و دلیعت ہے اور انسانی طبیعت اس
دار فانی میں حیوانیت کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے
اس لیئے[2] توازن قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ملکیت کو
حیوانیت پر غالب رکھا جائے ورنہ انسانیت مکمل نہیں
ہو سکتی یعنی حیوانیت کو بھی کار خیر کے کاموں میں
استعمال کیا جائے اور شر کے کاموں سے محفوظ رکھا
جائے -

مثلاً غصہ، طاقت اور ہتھیار و شہوت وغیرہ حیوانی یا شیطانی
صفات ہیں مگر جب کسی برائی اور بدانتظامی[3] کو دیکھ کر غصہ
آجائے اور اس برائی کو دور کرنے کیلئے طاقت اور ہتھیار کا استعمال کرے

۱- آگے
۲- اس واسطے
۳- بے انتظامی

حیوانی صفات کو جب اللہ کی رضا اور انسانی سوسائٹی کی فلاح کیلئے استعمال کیا جائے تو ان کا شمار خیر و برکت کے کاموں میں ہوتا ہے۔

جسمیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور انسانی سوسائٹی کا فائدہ مدنظر ہو تو یہ غصہ اور طاقت خیر اور برکت کے کاموں میں شمار کیے جائینگے اور استعمال کو بہادری کا نام دیا جائیگا۔ اگر غصہ نہ آیا اور طاقت کا استعمال نہ کیا تو اسکو بزدلی[1] اور بے غیرت شمار کیا جائیگا۔ اسیطرح بے جا شہوت رانی کو گناہ کبیرہ گنا جائیگا کیونکہ اس سے سوسائٹی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور جائز طریقہ کو جماع کا نام دیا جائیگا یعنی انسانیت میں اجتماع پیدا کرنا مقصود ہے۔

انسان کبیر میں حیوانی صفت خیر کے نوعی تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے رکھی گئی ہے اسلئے حیوانیت کو انسانی نوعی اقتضاء کے خلاف استعمال کرنا شیطنت ہے۔

پس انسان کبیر میں جو صفت حیوانی رکھی گئی وہ خیر کے نوعی تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے رکھی گئی ہے اور اعلیٰ انسان وہی ہے جو اپنی تقاضاؤں کو خوش اسلوبی سے پورا کرتا ہے اور ملکیت کو حیوانیت پر غالب رکھتا ہے۔ اگر حیوانیت کو انسانی نوعی اقتضاؤں کے خلاف[2] استعمال کرتا ہے تو مجسم شیطان ہے۔ کیونکہ شیطانی قوتوں سے الھامات قبول کرکے اپنی حیوانیت کو ملکیت پر غالب کر دیا۔ ملکیت کا تقاضا تھا کہ انسان میں عدالت کا جوہر اور طہارت اور صفائی اور مظلوم کی دادرسی ہو۔ جس سے روح ملکوتی کو مدد ملے اور لقاء اللہ کیطرف توجہ کرے۔

۱- بزدلی
۲- برخلاف

مولانا الامام عبید اللہ سندھی قدس سرہ شرح الطاف القدس میں فرماتے ہیں کہ :۔

عالم ارواح سے نازل ہو کر عالم مثال میں آنے والی انواع کے ساتھ نفع و ضرر دینے والی چیزوں کا بھی ظہور ہو جاتا ہے ۔

عالم ارواح سے جب کوئی نوع نازل ہو کر عالم مثال میں آتا ہے تو اس کو فائدہ دینے والی چیزیں بھی وہاں ظاہر ہو جاتی ہیں ۔
اب فرض کرو انسان کبیر کی صورت عالم مثال میں پیدا ہو گئی تو وہاں اس انسان کبیر کو جو چیزیں نفع دینے والی ہیں وہ بھی وہاں عالم مثال میں نمودار ہو جائینگی اور جو ضرر دینے والی ہیں ان کی شکل بھی وہاں ظاہر ہو جائیگی ۔
مثلاً انسان کبیر کے جسم کو ضرر دینے والی اشیاء جیسے سنکھیہ اور زہریات ہیں ۔ وہ بھی ادھر عالم مثال کے تختہ پر ظاہر ہوں گی ۔ یا بچھو ناگ جو جسم کو ضرر دیتے ہیں ۔ ان کی شکل بھی اس انسان کبیر کے قریب پیدا ہو جائیگی ۔
اسی طرح جسم کو فائدہ دینے والی چیزیں مثلاً تریاق اور ادویہ جو امراض جسمانی کو زائل کرتی ہیں ۔ وہ بھی وہاں نمودار ہو جائینگی ۔
انسان کی ملکیۃ کو فائدہ دینے والے ملائکہ ہیں اور پیغمبر ہیں ۔ اولیاء کرام علماء راسخین واعظین اور عدالت کن (عادل) باد شاہوں کی شکل بھی وہاں پیدا ہو جائیگی کہ یہ چیز ملکیۃ کو فائدہ پہنچائے

اسطح ملکیت کو نقصان دینے والی چیزیں جیسے شیطان۔ اس کا نقشہ بھی وہاں تیار ہو جاتا ہے ۔

اب جب مادہ زمین (سے) اسطح[1] تیار ہو گیا کہ انسان عالم عناصر میں پیدا ہو جائیں گے تو ملکیۃ (کو) فائدہ دینے والے اشخاص بھی عالم عناصر میں آ پیدا ہو گئے ۔ اور جب عالم عناصر میں آیا تو اس کی ملکیۃ کو نقصان پہنچانے والی اشیاء بھی زمین پر پیدا ہو جائینگی ۔

عالم مثال میں انسان کی ملکیت کو نقصان پہنچانے والی چیز شیطان تھا ۔ زمین پر بھی اس عالم مثال والے شیطان کے اثرات سے جو انسان قبول کرے یا جن اثرات قبول کرے ۔ جس سے ملکیت کو نقصان پہنچے وہ پیدا ہو جائیں گی ۔ زمین پر شیطان جن ہوتے ہیں یا انسان ہوتے ہیں (جو ملکیت کو نقصان[2] پہنچاتے ہیں جب یہ جن یا انسان اپنے اندر ایسی لیاقت پیدا کر لیتے ہیں کہ) عالم مثال کے شیطان سے اثر قبول کریں تو وہاں سے عالم مثال کا ابلیس ان پر الہام کرتا ہے ۔ عالم مثال سے زمین میں استعداد پیدا ہو جانے کے موافق نیک وبد فیضان ہوتا ہے ۔ نانک بھجو کو مثالی شیطان سے الہام ہوتا ہے تب زمین میں انسان کو طرح طرح تکلیف دیتا ہے اور یہ زمین کی استعداد سے ہوتا ہے ۔

۱ ۔ کان
۲ ن و میں یہ عبارت حذف ہے ۔

عالم مثال کا ابلیس ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔
یہ معنی ہے: "انظرنی الی یوم یبعثون"[1] یعنی جب تک انسان
عالم مثال میں موجود ہے وہ ابلیس جسکی صورت عالم مثال
میں منقش ہے وہ بھی ہمیشہ باقی رہیگی۔
جب قیامت کے دن عالم مثال کے انسان کبیر کی شکل فنا ہوگی
تو شیطان کی مثالی شکل بھی اسوقت فنا ہو جائیگی اور حشر
میں شیطان نہ ہوگا۔ ہاں محشر میں ملائکہ اور انبیاء و اولیاء
سبھی ہونگے۔ قرآن پاک میں اس بات کی تشریح ہے۔
اور زمین پر شیطان کے کارندے یہی بدمعاش چور ڈاکو
وغیرہ سارے دنیا میں برسرکار ہیں۔
جب ان چوروں میں لیاقت پیدا ہو جائے کہ اس ابلیس
کے الہام قبول کر سکیں تو وہاں سے انھیں شیطانی الہامات آتے
ہیں۔
اسیطرح انسان جب ملائکہ کے مشابہ ہو جاتا ہے یا کسی ولی
یا نبی کے تابعداروں میں اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ ان سے
فیض حاصل کر سکیں تو عالم مثال کا ملک یا نبی اور ولی اسے
الہام دیتے ہیں۔
حاصل کلام کہ وہ ابلیس جس نے ہمیشہ زندہ رہنے[1] کی دعا
اللہ تعالے[1] سے کی تھی وہ ابلیس عالم مثال کا ہے۔

[1] الاعراف - ۷:۱۴

ا - رہنے

عالم مثال کے ابلیس سے فیض حاصل کرنے کیلئے انسان یا
جنوں میں لیاقت پیدا ہوجاتی ہے تو وہ بھی بڑے ابلیس
ہوجاتے ہیں۔

جسطرح جو انسان اپنی طہارت، پاکیزگی اور عبادت کیطرف
مائل ہوکر (خود کو) سدھارے تو عالم مثال کے ملائکہ اس کی
ملکیت کو بڑھاتے ہیں یا کوئی نبی ولی یا عالم اسکے علم اور
محبت الٰہی کو بڑھاتا ہے ۔

طہارت و عبادت کیطرف راغب ہوکر خود کو سدھارنے والے انسان کی مدد ملائکہ کرتے ہیں ۔ یا کوئی نبی ولی اور عالم اسکے علم اور محبت الٰہی کو بڑھاتا ہے ۔

یہ تقریر ہے مولانا عبید اللہ سندھی کی) جسے [1] ہم نے
کھول کر (بیان) کیا ہے) ۔ انہوں نے مختصر فرمایا ہے

انسانی سوسائٹی میں مجسم شیطان بدمعاش و فاسق و
بداخلاق چور اور ڈاکو ہوتا ہے ۔ اس کی صحبت میں جو
شخص بھی پھنس گیا ۔ ان کو اپنے جیسا بنانے کیلئے کوشش
کرتا ہے اور ایسے خیالات اور عملی کاموں کیطرف کی تعلیم دیتا ہے
جس سے وہ اس جیسا یا (وہ بھی) اعلیٰ درجہ کا بدمعاش بنے ۔
اگرچہ مخفی جنات اور شیاطین ان کو اس چور کی صحبت سے
(پہلے) [2] خطرات بد اور خیالات فاسدہ ڈالتے تھے مگر عملی
بے حیائی اور بدمعاشی سے (اسکو) نفس ناطقہ اور روح ملکوتی
روکتی تھی ۔ مگر جب اسکو یہ چور ملا تو اسکے خیالات بد کو مستحکم کر دیتا ہے

انسانی سوسائٹی میں فاسق و بدکردار انسان ہی مجسم شیطان ہوتا ہے جو لوگوں کو فسق و فجور کی عملی تربیت دیتا ہے ۔

۱۔ بتایا ہے ۔
۲۔ آگے

معاشرے سے فسق و فجور کو ختم کرنے کیلئے انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام اور واعظین کو بھیجا جاتا ہے تاکہ شیطانوں سے جہاد کرکے شر کو کم کریں۔

ایسی صحبت اور تعلیم سے انسانی سوسائٹی میں فسق اور فجور غلبہ پکڑ جاتا ہے اور انسانی سوسائٹی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اس کے دفع کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اولیاء کرام اور واعظین بھیج دیتا ہے)[1] جو ان کے شر کو کم کر دیتے ہیں اور عقلمند انسان حکومتِ عادلہ بنا کر ان شیطانوں سے جہاد کرتے ہیں۔

شیطانی قوت کا وجود بھی حکمت ربی ہے

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس قوت شیطانی کا وجود بھی نہ ہوتا تو انسان بڑے آرام و اطمینان سے زندگی بسر کرتا رہتا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ایسی تمنا کرنے والا آدمی اللہ تعالیٰ کی تدبیروں اور حکمتوں کو جو اس جہان کے نظام میں موجود ہیں نہیں سمجھتا۔ اور انسان کی فطرت میں جو عدالت و انصاف کا مادہ موجود ہے اور انسان جس قوت اور تدبیر سے باقی حیوانات سے ممیز اور اعلیٰ ہے۔ اسکو نہیں سمجھتا کہ انسان باقی حیوانات سے اس خصلت میں ممیز ہے کہ وہ تیسرے درجہ کا ارتفاق پیدا کرتا ہے یعنی شہر بنا کر اس میں اجتماع صالح پیدا کرتا ہے اور حکومت بناتا ہے)[3] جسمیں عدالت و انصاف[2] اور صحیح نظام ہو اور ہر انسان اپنی اپنی استعداد کے مطابق[4] کام کرکے آسودگی کے ساتھ رزق حاصل کرے۔

۱- کھڑے کر دیتا ہے۔
۲- ~~یعنی~~ تاکہ
۳- پیدا کرتا ہے۔
۴- موافق

کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے اور انسانی حرص و شہوت پر اس
حکومتِ عادلہ کا قبضہ ہو ۔ ان تمام تدبیروں اور حکمتوں کی
ضرورت تب پڑتی جب قوتِ شیطانی موجود ہو ۔ اسلیئے
قوتِ شیطانی کا موجود ہونا سخت ضروری ہے ورنہ انسان
انسان نہیں رہ سکتا یا حیوان بن جائیگا یا ملائکہ کے
سلسلہ میں شمار ہوگا اور جس حکمت کیلئے انسان کو اللہ تعالی
نے اپنا خلیفہ بنا کر زمین کی مخلوقات کو اس کے تابع
کیا ہے وہ حکمت مفقود ہو جاتی ۔

(ہم نے پہلے)[1] عرض کیا ہے کہ شیطانی قوت و طاقت کا
مجسمہ مثلاً ایک چور ہے اگر انسانی سوسائٹی میں (...)[2] چور
کا وجود نہ ہو تو بظاہر یہ خوش کن خیال ہے ۔ مگر غور کر کے
دیکھا جائے تو معلوم ہوگا چور نہ ہونے کے سبب سے سوسائٹی
کا نظام درہم برہم ہو جائیگا ۔ سوسائٹی مفلوج ہو کر رہ جائیگی
بہت سے انسان بیکار رہ جائیں گے یعنی اگر چور، ڈاکو اور
ظالم نہ ہو تو پولیس کی ضرورت نہ پڑیگی نہ مجسٹریٹوں اور عادل
حاکموں کی ضرورت رہیگی ۔ اور ان ضروری محکموں کے قیام کی
ضرورت نہ رہیگی اور نہ بندوبست مالیہ کا احتیاج رہیگا
اور ظالموں کے مقابلہ کیلئے نہ فوج رکھی جائیگی اور نہ مالیہ وصول
کرنے کیلئے محکموں اور کلرکوں کی ضرورت ہوگی ۔

انسانی سوسائٹی میں شر کے وجود سے
سوسائٹی کا نظام قائم ہے اور اس کے بچنے کی
خاطر مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں
ضابطے اور محکمے وجود میں آتے ہیں ۔

۱۔ آگے
۲۔ مثلاً

اگر چور کا ڈر نہ ہو تو تجوریوں ۔ تالوں اور مکانوں کے دروازوں کی ضرورت نہ پڑیگی ۔ اگر ظالم نہ ہوگا تو نہ فوج کی ضرورت پڑیگی نہ توپ ٹینکوں اور ہتھیاروں کا احتیاج رہیگا اور اکثر کارخانے ختم ہوجائیں گے ۔ اگر غور کرتے جاؤ تو لاکھوں مخلوق بیکار ہوکر رہ جائیگی ۔ انسانوں کی بہت سی آبادی[1] کو بے کاری کا رخ دیکھنا پڑیگا ۔ علم اور جہل میں اور ظلم اور عدل میں فرق نہ رہیگا ۔ وغیرہ ذالک ۔۔۔۔۔

اور بہت سی معدنیات جیسے لوہا کوئلہ اور تانبا وغیرہ بے فائدہ نظر آئیں گے ۔ یہ سب چیزیں محکمے اور فوج[2] اس عارضی شر کو دور کرنے کیلئے قائم ہیں (۔۔۔[3]) اور شر کو کم کرنے اور ضابطہ کے تحت[4] لانے کیلئے وجود میں آتی ہیں اور انسان میں جو انتظامی طاقت ہے اور عدالت و انصاف کا مادہ اور صنعت و حرفت کی استعداد ہے وہ سب اسی سبب سے ظہور میں آتی ہے ۔ مگر اس عارضی شر کو بیخ بنیاد سے اکھاڑ نہیں سکتی ۔ اس عارضی شر کا وجود حکمت الہی کا مقتضا ہے اور انسانی سوسائٹی کو اچھے نظام پر چلانے) کیلئے ضروری ہے مثلاً ایک غالیچہ میں ہر قسم کے رنگوں سے گل کاری کی جاتی ہے ۔ وہ رنگ اپنی اپنی جگہ تناسب سے استعمال کیئے جائیں اور جسقدر موزوں طریقے سے استعمال کئے گئے ہونگے

شیطانی قوت کے وجود سے ملکوتی قوت کی پہچان ہوتی ہے ۔ بدی نہ ہو تو نیکی کی پہچان ممکن نہ رہے ۔

۱ ۔ نسل
۲ ۔ فوجیں
۳ ۔ اور تنبیہ ہیں
۴ ۔ ماتحت
۵ ۔ سونے ۔

اتنا ہی غالیچہ خوشنما اور خوبصورت معلوم ہوگا۔ اگر ان
رنگوں میں توازن اور تناسب کم ہوگا تو اتنا ہی بد صورت اور
کم قیمت نظر آئیگا اگر ایک رنگ سے رنگا جائے تو بھی ایک نظر
آئیگا۔

انبیاء علیہم السلام اپنی جماعت کو نقصان سے بچنے کی تدابیر بتاتے اور ترقی کی راہیں دکھاتے ہیں۔

اب آیت شریف کے مطلب کی طرف رجوع ہوتا ہے
انبیاء علیہم السلام اپنی جماعت کو نقصان سے بچنے کی تدبیریں
پہلے پہلے بتاتے ہیں پھر دوسرے درجہ پر ترقی کی راہیں دکھاتے
ہیں۔ جن پر خود بھی پوری پوری طرح عمل کرکے اپنا نمونہ ان کے
(سامنے) پیش کرتے ہیں اور اپنی جماعت کیلئے اسوہ حسنہ بن
کر جماعت کو اسپر چلاتے ہیں۔

یہ سب تدبیریں امام النوع انسان کبیر (جو حظیرۃ القدس
میں موجود ہے) کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے عمل میں لاتے
ہیں تاکہ انسان امام النوع تک پہنچ سکے یا اسکی طرف رخ
کرے پھر انکی محبت سے بعض انسان تو حظیرۃ القدس تک)
اپنی حیات دنیا میں پہنچ جاتے (ہیں) اور دوسری جماعت
ابرار علیین پر جہاں حظیرۃ القدس کا سایہ پڑ رہا ہے۔ اس کے قریب
ہو جاتے ہیں۔ تیسری جماعت اور صالحین کا رُخ چونکہ اسطرف
ہوتا ہے۔ لہٰذا قطع مسافت دوزخ کے جنت کے سایہ میں
پہنچ کر آگے خدام حظیرۃ القدس کی کشش سے مسافت طے
کرتے ہیں۔

حضرت مولانا امام سندھی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اوپر سے ایک ہی شکل (میں) آتی ہے لیکن مختلف مواطن اور طبقات میں سے ہر موطن میں اس درجہ کی[1] لیاقت و قابلیت کے مطابق شکل اختیار کر لیتی ہے - جیسے بارش کہ وہ کرۂ ہوا کے ٹھنڈے طبقہ میں اولوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے - اس سے نچلے طبقہ میں پانی کے قطروں کی صورت میں اور جب زمین پر برس کر آتی ہے تو زمین کے ہر قطعہ کے موافق مختلف تاثیریں پیدا کر لیتی ہے -

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے فلسفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نزول ایک ہی شکل میں ہوتا ہے - پھر اپنے موطن کی لیاقت و قابلیت کے مطابق شکل اختیار کرتی ہے -

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کی حکمت کا یہ بنیادی اصول ہے -

ایک شخص مرنے کے بعد دوسری زندگی میں جائیگا اگر اس کے قلب اور دماغ میں اس موطن کے خلاف کوئی چیز نہیں ہے تو وہاں جاکر آرام اور خوشی محسوس کرے گا - یہ سرور اور راحت اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ایک شکل ہے ایک شخص اس دنیا کی زندگی میں سوسائٹی کے خاص قاعدوں کے مطابق عمل کرنے سے جو اثر اپنے نفس میں لیتا ہے وہ اپنی جگہہ آپ خوشی پیدا کرتا ہے - خوشی اور اطمینان بہشت میں اس موطن کی نعمتوں کی شکل دیکرو ہاں کی خوشی اور راحت کے سامان بہم پہنچاتے ہیں -

حضرت شاہ صاحب کی حکمت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں جانے والے کے قلب و دماغ میں اس موطن کے خلاف کوئی چیز نہیں تو وہاں جاکر آرام اور خوشی محسوس کرے گا -

[1] کے
[2] پہنچاتا ہے -

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حکومت کرنے والے گھرانوں[1] میں پرورش پاتے ہیں ۔ کیا وہ پھر غرباء کے نچلے درجہ کی زندگی پر قناعت کر سکتے ہیں یا غرباء کو نچلے طبقہ پر رہنے پر راضی دکر سکتے[2] ہیں ؟ ان کی دلی مراد یہ ہوگی کہ غرباء کو حکومت کی لذت سے آشنا کریں اور احکام اور حکومت کو اپنی مرضی سے[3] چلائیں۔

حکمران قوم حکمرانی کی لذت سے آشنا ہوتی ہے اسلئے حکمرانوں کے گھروں میں پلنے والے بچے نچلے درجہ کی زندگی پر مطمئن نہیں ہو سکتے ۔

حکومت میں بڑی لذت ہے جسے حکمران قوم جانتی ہے ۔

المقام المحمود فی کتاب اللہ الودود ۔

المختصر[4] اب حضرت یعقوب علیہ السلام بولے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو پہلی منزل پر نقصانات سے بچنے کی تدبیر بتلاتے ہیں کہ اپنے رویاء کو اپنے بھائیوں سے مت بیان کریں خواہ نخواہ دشمنی مول نہ لیں ۔ اگرچہ[5] بظاہر ظہور میری موجودگی میں مخالفت نہیں کر سکتے مگر تیرے بھائیوں میں خود غرضی رکی[6] مرض موجود ہے ۔ اس راہ سے ان کو شیطان ایسے وسوسے اور خطرات ہونگے گا جس سے حسد نشوونما پاکر[7] تمہارے متعلق ایسی خفیہ تدبیریں دکریں گے) جس سے تم (ناکام[8]) ہو جاؤ گے ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام پہلی منزل پر نقصان سے بچنے کی تدبیر بتاتے ہیں کہ اپنے رویاء بھائیوں سے بیان مت کریں ورنہ تمہیں ناکام کرنے کیلئے خفیہ تدابیر کریں گے ۔

اب (حضرت) یعقوب علیہ السلام اس نصیحت کے بعد (حضرت) یوسف علیہ السلام کو انتہائی ترقی کی طرف متوجہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں :-

حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسری منزل پر انتہائی ترقی کیطرف متوجہ فرمانا :-

---

۱ - والوں
۲ - ہو سکتے
۳ - پر
۴ - قصہ کوتاہ
۵ - اگر
۶ - کے
۷ ...

آیت نمبر 6 وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

معنی: ۔ اور اسطرح تیرا رب تجھکو برگزیدہ کریگا اور تجھکو باتوں کا ٹھکانے پر لگانا سکھلائیگا یعنی واقعات جدیدہ کا علم اور حقیقت عطا کریگا اور اپنے انعام کو تجھ پر اور اولاد یعقوب پر کامل کریگا۔ جیسے تیرے باپ دادا[1] پر اس سے پہلے ابراھیم اور اسحاق پر تکمیل کی تھی البتہ تیرا رب خبردار علم والا اور حکمت والا ہے۔

تشریح: ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں جس طرح تم نے رویاء میں دیکھا ہے ایسا ہی واقعہ ہوگا۔ یہ معنی ہے کذالک کا اجتباء کے معنی ہیں[2] پسند کرنا۔ برگزیدہ کرنا۔# احادیث اُحدوثہ کی جمع ہے جسکے معنی ہیں واقعات جدیدہ ۔ تاویل مشتق ہے آل اَوۡلاً اَوۡلٌ کے معنی ہیں رجوع کرنا۔ تاویل الاحادیث سے مراد وہ فراست صادقہ ہے جس کے ذریعہ سے انسان ہر معاملہ کی رتہ[3] اور حقیقت تک پہنچ جائے سکے۔ نعمت اس حالت کو کہتے ہیں جس سے انسان لذت گیر ہو اور حظ حاصل ہو۔

۱ - دادول
۲ - کا معنی ہے
۳ - کہنہ

اتمام نعمت - اس لفظ کا اطلاق ہر ایک ایسی چیز پر ہوتا ہے
جو لذت اور مسرت کا سبب ہو۔
قرآن مجید میں لفظ نعمت کا استعمال مادی اور روحانی اور
دنیاوی اور دینی ہر دو حالتوں پر کیا گیا ہے۔
جیسے وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (سورہ لقمان) [1]
خدا نے تم کو[1] اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور عطا کیں
وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ کا مشبہ بہ حضرت ابراھیم علیہ السلام اور
حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔
ان دونوں بزرگوں کی سعی اور کوشش سے سرزمین فلسطین
اور شام میں ملت حنیفہ کی بنیاد رکھی گئی[2] ان بزرگوں کی
جدوجہد سے شام میں سوشل حکومت کی تشکیل (---)[3] ہوئی اور
سوشل حکومت ہی بڑی پائیدار اور مستحکم[4] ہوتی ہے۔ اس سے فوجی
حکومت پیدا ہوتی ہے اور ان بزرگوں کی پے درپے سعی بلیغ
سے آباد ملکوں میں جیسے مصر اور عراق میں تبلیغ دین حنیف
کی پہنچی جس کو مشرق وسطیٰ کہا جاتا ہے - یہ ملک بھی
بین الاقوامی تہذیب اور تمدن کا گہوارہ ہیں - یہ دونوں بزرگ اپنے
اپنے زمانہ میں مقتدائے خلق تھے - اور وسط ایشیا کے
بڑے لوگوں میں شمار کیئے جاتے تھے - دولت اور حشمت کے
علاوہ ان کے ہاں ایک بڑی نعمت تھی وہ تعلق باللہ اور حظیرۃ القدس

[1] لقمان ۳۱: ۲۰

۱ - پر کو
۲ - کا پایہ رکھا گیا
۳ - نمودار
۴ - محکم

تک رسائی اور مہذب دین حنیف تھا۔ جس سے اور ممالک خالی تھے
اور ان بزرگوں کی طرف کھنچے چلے آتے تھے

ع ہر کجا چشمۂ بود شیریں - مردم و مرغ و مور گرد آیند

ان دونوں بزرگوں کی زیادہ خصوصیت یہ تھی کہ ان کی اولاد اور جماعت دل و جان سے (---)[1] انکی اطاعت کرتی تھی۔ اور ان بزرگوں کے اشارے پر چلتی تھی - ان کی اولاد میں سرکشی کا نام ونشان (تک) نہ تھا نہ انمیں نام و نمود کا خیال تھا بلکہ ان کی اولاد ان بزرگوں میں فنا اور باقی بوجود مقتدا و پیشوا تھی برخلاف اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام کے کہ بڑے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے نافرمان[2] اور سرکش تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے استفادہ حاصل کرنے کا خیال تک نہ رکھتے تھے۔ اسلئے حضرت یعقوب علیہ السلام مغموم رہتے تھے اور مستقبل میں اس سلسلہ کو چلانے والا ان کو نظر نہیں آتا ہے۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام کے رویا سے معلوم ہوا[3] کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعہ سے ان کی اولاد بھی روشن ستارے ہو جائیں گے۔ اور رہبر خلائق اور ہدایت یاب ہو کر ہادی بن جائینگے اور سمجھ گئے کہ ان کی اولاد کو جو کچھ فضیلت ملے گی وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعہ عنایت ہوگی اسلئے فرمارہے ہیں کہ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ الآیہ یعنی تمہارے ذریعہ میری اولاد سدھر کر پیشوا خلق بنے گی۔

١- اس کی انہوں -
٢- بے فرمان
٣- کیا

جیسے حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اور جماعت فضیلت مآب تھی -

یہ قول حضرت یعقوب علیہ السلام کا حقیقت پر مبنی ہے نہ دکہ تواضع اور کسر نفسی پر دلالت کرتا ہے - تَدَبَّرُوا فَهِم .

آل کا لفظ ایسے متعلقین پر (...) اطلاق ہوتا ہے جو کسی بڑے شخص سے نسبت رکھتے ہوں یہ لفظ کم حیثیت اشخاص کی طرف منسوب نہیں ہوتا جیسے آل ابراھیم وآل یعقوب اور آل محمدؐ یا آلِ فرعون -

مجتبیٰ کا مفہوم اور تشریح

كَذَالِكَ (میں) جسطرح تم کو یہ رویاء دیکھایا گیا اسی طرح واقعہ ہوگا کہ تم مجتبیٰ زمانہ ہوگے یعنی تم کو اپنے بھائیوں اور (حضرت) یعقوب علیہ السلام کی جماعت کا سردار بنایا جائیگا اور تمہارے ذریعہ خاندان حضرت یعقوب علیہ السلام کا بڑی عزت اور تمکنت کا مالک بنے گا - اور تم متمدن سلطنت کے مالک ہوگے اور تمہارے ذریعہ تمہارے بھائی سدھوکر روشن ستارے بنیں گے - اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے کیا تھا - تمہارے ذریعہ درجۂ تکمیل کو پہنچیگا - عام لوگوں کے بھی پیشوا ہوگے اور خدا پرست لوگ بھی تمکو اپنا پیشوا کرینگے - دینی اور دنیاوی اور معاشی اور اقترابی علم اور حکمت سے نوازا جائیگا - تم ہی اپنے زمانہ میں اعلیٰ اخلاق حمیدہ کے مخزن ہوگے - اور تمہارا فلسفہ معاشی اور اقترابی حکمتوں پر اور

(۱) دلالت کرتا ہے -۱-

اور ذات وصفات وشئون الٰہی پر محیط ہوگا اور سب حکماء اور فلاسفر تمہاری حکمتوں کے خوشہ چین ہونگے۔ اسمیں اپنا فخر سمجھیں گے یہ معنی ہے مجتبیٰ کا۔

مذہب اور عقلی فلسفہ میں تمیز۔

جس مذہب اور دھرم میں علم نظری اور حکمت عملی ہو مگر اس کے حاملین اس کوشش میں نہیں لگے ہوئے ہیں کہ زمین کے کسی خطہ پر آزادی سے اس مذہب اور حکمت کو چلائیں اور اس مذہب کو حکومت کے درجہ پر لائیں تو اس کو مذہب شمار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو عقلی فلسفہ گنا جائیگا # اگر کسی مذہب کی حکومت اپنی ہے اور حکومت کے طور پر مذہب کی اشاعت کر رہے ہیں۔ مگر امیں ایسے راسخین فی العلم جنکا تعلق حظیرۃ القدس سے ہو کم موجود ہیں۔ یا ہیں مگر اہل حل و عقد حکومت اور ارکان مذہب انکو اپنی سوسائٹی میں جگہ نہیں دیتے اور نہ اُنسے آیندہ آنے والے واقعات کی تفتیش کرتے ہیں اور نہ ان سے اخلاق حمیدہ سیکھتے ہیں اور نہ تعلق باللہ کے راستے انکی صحبت سے حاصل کرتے ہیں۔ ایسا مذہب اور اسکی حکومت چند دنوں کا مہمان ہوتا ہے۔

مذہب کی پائیداری اور ناپائیداری کے اسباب

صراط مستقیم کی تبلیغ ہی نہیں بلکہ اس پر خود بھی چلنا اور دوسروں کو چلانا صحیح انقلاب لاتا ہے

اگر کسی مذہب کے حاملین اپنا فرض اتنا سمجھتے ہیں کہ لوگوں یا ارکانِ حکومت کو سیدھا راستہ بتا دینا ہے اس پر چلنا یا نہ چلنا حکومت کا کام ہے تو ایسے حاملین مذہب و حکمت نفس کے مکر و فریب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اور غلط فہمی سے اپنے آپ کو اتباع انبیاء کے شمار کرتے ہیں۔ مگر ایسے حاملین مذہب دراصل ارتجاعی ذہنیت رکھنے والی (ری ایکشنری) جماعت ہوتی ہے اور انکو اپنا اقتدار قائم رکھنا مقصود[1] ہوتا ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام اور انکے (متبعین)[2] مفاسد اور ظلم اور بداخلاقی کے قلع قمع کیلئے وعظ بھی کرتے ہیں اور اپنی انقلابی جماعت تیار کرنے میں اپنی ساری طاقت کو صرف کرتے ہیں۔ جب انقلابی جماعت تیار کر لیتے ہیں تو مخالفین کو الٹی میٹم (اعلانِ حرب) کے طور پر فرماتے ہیں۔ وما علینا الا البلاغ المبین[له]

اور رجعت پسند اہل علم یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے (متبعین)[3] کا کام فقط وعظ ہے۔ یہ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کا کام اور اصل غرض انقلابی جماعت جو صحیح اصولوں پر قائم ہو تیار کرنا (---)[4] ہوتا ہے۔ اس فرصت میں مخالفین کو وعظ و نصیحت کا کام بھی کرتے رہتے ہیں۔

له یٰسین ۱۷:۳۶

۱۔ منظور ہوتی ہے
۲۔ اتباع
۳۔ اتباع
۴۔ مقصود

اِتمامِ نعمت - سورۃ المائدہ -

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا۔ الآیۃ[1]

یعنی جس قوم (...)[1] اور مذہب میں اللہ تعالیٰ قدوس نبی پیدا کر کے اس نبی کی سعی و کوشش (...)[2] سے اس قوم

اور مذہب کو ترقی دیکر سلطنت کے اور بادشاہی کے درجہ پر پہنچا دیا[3] یہ کمال نعمت ہے - جب اس مذہب اور قوم میں سلطنت اور حکومت آجاتی ہے - تمام ارتقاتی - معاشی اور اقتدابی اور تعلق باللہ کی نعمتیں برسات کی طرح برسنے لگتی ہیں -

اس کا شکرانہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اس نبی کے اتباع کو چاہیئے کہ اس نبی کے اسوہ حسنہ پر چلیں -

اب حضرت یعقوب علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ جسطرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بنوت کے ساتھ ساتھ حکومت بھی عطا ہوئی تھی - اسطرح تمکو بھی نبوت کے ساتھ تو حکومت بھی عطا ہوگی اور جسطرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے (خاندان کے سب[4]) لوگ ان بزرگوں کی توقیر اور اجلال و تعظیم کرتے تھے - اور ان کے فرمان کی

اتمام نعمت کا مفہوم یہ ہے کہ قوم اور مذہب کو ترقی دیکر حکومت کے درجہ پر پہنچا دیا جائے

شکر نعمت یوں ادا ہوگا کہ نبی کے اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے

حکومت کی پائیداری کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ خاندان کے سب لوگ اپنے بزرگوں کی عزت و توقیر کریں

[1] المائدہ ۵: ۲۰

۱- میں
۲- کے سبب سے
۳- دی
۴- خاندانی لوگ سب کے سب

دل وجان سے تابعداری کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے ۔ اسطرح تیرا
خاندان اور (حضرت) یعقوب علیہ السلام کا خاندان تیری عزت وتوقیر
اور فرمانبرداری کریگا[1] - اس کا نتیجہ یہ (---)[2] ہوگا کہ تیری
حکومت پائیدار ہوگی اور کوئی مخالف طاقت تیرے نظام حکومت
میں خلل انداز نہ ہوگی ۔

حکومت کی مخالفت حاکموں کے خاندان اور قوم سے شروع ہوتی ہے ۔

حکومت کی مخالفت کا بیج دراصل حاکموں کے خاندان
اور ہم قوم اپنے ہاتھوں سے بوتے ہیں ۔ جب اسکے
خاندان اور قوم میں مخالفت اور بے فرمانی پیدا ہوجاتی ہے
اور ارکانِ حکومت مخالفین کو اسلئے سزائیں دیتے ہیں کہ
یہ بیماری دب جائے اور حقیقت کی تحقیق نہیں کرتے تو
ضد اور مخالفت کی آگ بھڑک کر حکومت کو فنا کر دیتی ہے

ارکانِ حکومت حقائق کی تحقیق کے بغیر مخالفین کو دبانے کیلئے جب سزائیں دیتے ہیں تو ضد اور مخالفت کی آگ بھڑک کر حکومت کو فنا کر دیتی ہے

اب تاویل الاحادیث کا معنی کرتے ہیں ۔

تاویل الاحادیث کے معنی عموماً خوابوں کی تعبیر کرتے ہیں یہ مطلب بالکل ادنیٰ درجے کا ہے ۔

تاویل الاحادیث (کے)[3] معنی عام طور (پر) خوابوں کی تعبیر
کرتے ہیں - یہ مطلب بالکل ادنیٰ درجے کا ہے ۔
حضرت یوسف علیہ السلام کا رویاء دلالت کرتا تھا کہ
حضرت یوسف علیہ السلام ایک متمدن ملک کا بادشاہ بنیگا
ان کے خاندان کی بنائی ہوئی سوشل حکومتیں انکی
حکومت کے (کا)[4] جزء اور تابع ہوجائینگی تو تاویل الاحادیث کے
معنی اور مطلب بھی ایسا اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہئیے
جو سلطنت اور حکومت کیلئے ضروری ہو ۔

۱- کریگی ۔
۲- پیدا
۳- سے
۴- کے

تاویل الاحادیث کا مطلب محقق علماء راسخین کے نزدیک۔

محققین علماء راسخین فی العلم "تاویل الاحادیث" کے معنی واقعات جدیدہ کی حقیقت اور کُنہ تک پہنچ جانا کرتے ہیں۔

ارکان حکومت کیلئے علم تاویل الاحادیث کی ضرورت واہمیت

حکومت کا انتظام کرنے والوں کیلئے اس کا علم بے حد ضروری ہے اس کے سوا حکومت کا قیام اور دوام ہو بھی نہیں سکتا۔

مسائل ومعاملات کی تحقیق کرکے حل تلاش نہ کیا جائے تو فتنۂ عظیم پیدا ہوتا ہے اور دلی اتحاد واتفاق جاتا رہتا ہے۔

خاندانوں یا سوسائٹیوں میں بعض اوقات اختلاف یا جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ظاہر میں وہ معمولی نظر آتے ہیں مگر آگے چل کر ایک بڑے فتنہ اور فساد کا منبع بن جاتے ہیں۔
اگر سوسائٹی کے عقل مند مآل اندیش لوگ ابتداء ہی میں اس جھگڑے یا فتنہ کی پوری پوری تحقیق کرکے اور اس کے کُنہ اور حقیقت تک پہنچکر (اس کا سدِ باب کرلیں تو نقصان سے بچا جا سکتا ہے) لیکن جب ان کے عظیم نقصان پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر اس کا تدارک مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر تدارک ہو بھی گیا تو اندرونی کدورتیں باقی رہجاتی ہیں۔ جس سے دلی اتحاد اور اتفاق نہیں رہتا۔

نالائق وناتجربہ کار افسران حکومت کے سبب رعایا میں رنجش پیدا ہوتی ہے اور اس کا سدِ باب نہ ہونے کی صورت میں یہ رنجش بڑھکر بلوے کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔

اسیطرح حکومت کے اندرونی کاروبار میں جب نالائق۔ ناتجربہ کار آفیسروں کے سبب سے رعایا میں رنجش کی ابتداء ہوتی ہے تو گورنمنٹ نے) اسکا فوری انتظام نہ کیا تو یہ رنجش ایک بڑے بلوہ کی شکل میں نمودار ہو جاتی ہے۔ پھر گورنمنٹ کے ارکان تشدد اور سختی سے اسکو دبانا چاہتے ہیں اور اس کی حقیقت اور کُنہ[1] کی

۱۔ تہ تک پہنچنا۔

مسائل کا حل نہ کیا جائے تو اندر ہی اندر سلگنے والی آگ انقلاب کی صورت نمودار ہو کر انتظام حکومت کو درہم برہم کر دیتی ہے۔

تفتیش گوارا نہیں کرتے۔ اسی سبب سے آگ اندر ہی اندر دھکتی [1] رہتی ہے۔ آخر کار انقلاب کی شکل میں نمودار ہو کر چرخ حکومت کو الٹا دیتے ہیں۔ [2]

علمی و مادی ترقی دیکھکر ممالک کی آپس میں لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ارکان حکومت کو ان کے اثرات کا جائزہ لینا چاہیے ——

اس طرح دوسرے ملکوں میں آپسمیں لڑائیاں پیدا ہو جاتی ہیں یا ان ملکوں میں علمی اور عملی ترقی دیکھکر مثلاً ہمارے ملک کا بادشاہ اور ارکان دولت اسکی حقیقت کی تفتیش نہیں کرتے اور اس سے غفلت برتتے ہیں کہ ان لڑائیوں کا اثر ہمارے ملک پر کیا پڑیگا۔ یا ہم کونسا طریقہ اختیار کریں جس سے ہم ان دونوں لڑنے والے ملکوں پر قابض ہو جائیں (—) [3] اور ان سے اچھا انتظام کریں جس انتظام کے سبب سے دونوں ملکوں کی رعیت ہمارے ماتحت رہنا پسند کریں [4]

دوسرے نظاموں پر سبقت حاصل کر کے ایک بہتر نظام پیش کریں تاکہ دوسرے ملکوں اور نظاموں کے لوگ بھی اسے قبول کر کے اس نظام کے ماتحت رہنا پسند کریں۔

لڑائی۔ تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور رعیت قحط سالی اور بے انتظامی کا شکار ہو جاتی ہے ——

کیونکہ دو بادشاہوں کی لڑائی کے باعث رعیت قحط سالی اور بے انتظامی کا شکار ہو جاتی ہے۔ جیسے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکے زمانے میں قیصر یعنی روم اور یورپ اور مشرق وسطیٰ کے بادشاہ اور کسریٰ یعنی ایران اور توران اور ھند کے بڑے بادشاہوں میں خونخوار لڑائیاں قائم تھیں۔ ان دونوں ملکوں کی رعایا عاجز آ گئی تھی۔ اور ہر طرح کے مصائب اور تکالیف کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اور قیصر و کسریٰ کی طاقت میں ان لڑائیوں کے باعث بڑا فتور آ گیا تھا اپنی اپنی سلطنت کی حدود کی نگہبانی کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔

لے ن ل کو السانی ن ب کونسا

۱۔ اندر ہی ۔
۲۔ سلگتی
۳۔ یا حذف ہے
۴۔ کرے

اور ملکی نظام کی نگہداشت کا سررشتہ ٹوٹ گیا تھا ۔

عوام و ارکان دولت میں یکجہتی، فوج میں جذبہ اور خزانے میں پیسا ملکی استحکام اور سلامتی کیلئے ضروری ہیں ۔

نہ ارکانِ دولت میں یکجہتی قائم رہی تھی ۔ نہ فوجوں میں مرنے کا جذبہ رہا ۔ اور نہ خزانے میں پیسہ رہا تھا ۔ کیونکہ بڑے بڑے جاگیرداروں[1] نے مالیہ دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ اور بے امنی[2] کے باعث آبادکاروں[3] نے آبادی[4] کرنی ترک کردی تھی ۔

عقل مند حکمران دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر عوام کی خوشحالی اور ترقی کا سامان کرتے رہتے ہیں ۔

اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت (صحابہ کرام) ان لڑائیوں کو غور سے دیکھ رہے تھے ۔ اور اعلیٰ عدالت اور انتظام پیدا کر رہے تھے ۔ کہ ان دونوں بادشاہوں کو کسطرح شکست دی جائے تاکہ رعیت آسودہ حال اور اطمینان کی زندگی بسر کریں ۔

سورۃ الروم کا نزول اسلامی جماعت کے اس نظریہ کی تصدیق و حمایت ہے ۔

اسلامیہ جماعت کے اس نظریہ کو[5] تقویت دینے اور ہمت بڑھانے کیلئے سورت الروم نازل[6] ہوئی کہ ۔

الٓمّٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون۔ فی بضع سنین ولله الامر من قبل ومن بعد، ویومئذ یفرح المومنون بنصر الله الآیہ[1]

اس آیت میں پہلا فعل مجہول اور معلوم دونوں قرائتیں ثابت ہیں اور اسطرح دوسرے فعل میں معلوم اور مجہول دونوں قرائتیں ثابت ہیں ۔

۱ ۔ جاگیرداروں ۔
۲ بدامنی
۳ ۔ کاشتکاروں
۴ ۔ کھیتی باڑی
۵ ۔ کو

۶ ن و ۔۔۔ ن ب نازل
۱ الروم ۔ ۳۰ : ۱تا۴

وَ لِلّٰہِ

طالب علم کو چاہیے کہ غور کرے الامر من قبل - ان لڑائیوں کی طرف اشارہ ہے من بعد و یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ - یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کی جماعت ان دونوں پر غالب آجائیگی اور اس فتح سے مومن جماعت خوش ہوجائیگی -

قیصر و کسریٰ پر مسلمانوں کے غالب آنے کی بشارت سورۃ الروم میں دی گئی -

ایک حدیث ترمذی شریف میں موجود ہے[ے] جس کی سند میں راوی مجروح ہیں اس حدیث کا مطلب ہے جب رومی ایران کے بادشاہ پر فتح پائیں گے تو مسلمان خوش ہوجائینگے - اسمیں ہے کہ ابو جہل اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپسمیں شرط لگائی تھی - مگر یہ حدیث قابل سند نہیں -

بضع کا لفظ تین[۳] سے نو[۹] تک بولا جاتا ہے اور اسیطرح یہ عدد اگر دھائی کے ساتھ ہے تو اسپر بھی بضع کا اطلاق ہوتا ہے تو ۲۸ نبوت اور ۱۵ھ ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیت المقدس اور سرزمین فلسطین فتح ہوئی - یہ سرزمین مقدس ہے اس کی فتح کی پیشگوئی اور وعدہ سورۃ الانبیاء میں دیا گیا تھا اور مسلمانوں کو اس کے فتح کرنے کی ترغیب دی گئی تھی کہ وَلَقَدْ کتبنا فی الزبور من بعد الذکر اَنّ الارض یرثھا عبادی الصالحون اِنّ فی ھذا لبلاغاً لقوم عابدین[۱]

سرزمین مقدس فلسطین اور بیت المقدس کی فتح کی پیشگوئی اور وعدہ و ترغیب سورۃ الانبیاء میں دی گئی تھی جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ۱۵ھ ہجری کو پورا ہوا -

یعنی ہم نے آگے[۱] زبور میں لکھ دیا تھا کہ سرزمین مقدس کے وارث

۱- پہلے الانبیاء ۲۱: ۱۰۵، ۱۰۶

ے سنن الترمذی- باب ..... ، حدیث نمبر...

میرے صالح بندے (امت نبی اُمّی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہونگے۔
اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خالص عبادت کرنے والی جماعت (مسلمانوں)
کیلئے یہ پیغام ہے۔

جذبہ اور عزم وہمت سے قلیل جماعت ہمیشہ کثیر جماعت پر سبقت حاصل کرلیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت اگرچہ مکہ میں اقلیت میں تھی۔ اور ظاہر میں قلیل نظر آرہے تھے (کم تھا) مگر ان کے حوصلے اور ہمتیں اتنی بلندی پر تھے کہ ان کو (یقین کامل تھا) تھوڑے عرصے کے اندر کسریٰ و قیصر کی سلطنت پر ہم قابض ہوجائیں گے۔ بلکہ مشرق و مغرب کے تمام علاقوں پر اپنے دینی پروگرام کو غالب کردیں گے۔ یہ کوئی وہم وخیال نہ تھا بلکہ اس جدوجہد میں منہمک تھے اور روم اور ایران کے مابین جنگوں کو نہایت غور و خوض سے دیکھ رہے تھے۔

مسلمانوں نے دینی پروگرام کو غالب کرنے کیلئے جدوجہد کی اور قیصر و کسریٰ پر غلبہ حاصل کرلیا۔

جنگوں میں مغلوب فریق ہمیشہ غالب فریق سے انتقام لیتا ہے۔ مگر فتح کے بعد انتظامی صلاحیت و قوت کے مفقود ہوجانے کے سبب سلطنت کو قبضہ میں رکھنے کی طاقت نہیں رہتا اور یوں سلطنت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

شاہی قتال اور حرب میں اگر ایک غالب ہو اور دوسرا مغلوب تو پھر مغلوب انتقام لینے کے لئے تیاری کرتا ہے اور حریف شہنشاہ کے ساتھ اتنی بڑی تیاری کرتا ہے جس سے فتح یقینی ہو مگر فتح کے بعد اسمیں قوت انتظامی مفقود ہوجاتی ہے جیسے انگریزوں کو ۱۹۱۴ء والی جنگ میں فتح ہوئی مگر دوسری جنگ ۱۹۳۹ء میں فتح تو ہوئی مگر وسیع سلطنت کو قبضہ میں رکھنے کی طاقت گم ہوگئی۔ اسلئے ھندوستان وغیرہ علاقوں کو آزاد کردیا۔

---

[1] ن و ۔ (--) ن ب تظ

اس راز کی خبر دینے کیلئے سورت روم نازل ہوئی کہ اب تم مسلم جماعت آگے بڑھو۔

دشمن آپس میں لڑکر قوت ختم کردیں تو ان کو مغلوب کرنا آسان ہوتا ہے۔ جیسے قیصر و کسریٰ کی طاقت کمزور ہوئی تو مسلمان ان پر غالب آگئے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جیسے کسریٰ اسلام کا دشمن تھا ویسے ہی قیصر بھی دشمن تھا۔ دشمن کی فتح پر اصحاب رضوان اللہ علیہم کیسے خوش ہوسکتے تھے۔

یومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ۔ یعنی اس دن اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح سے مومن جماعت خوش ہوگی

پھر قرآن حکیم فرماتا ہے وعد اللہ لا یخلف اللہ وعدہٗ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فتح بیت المقدس اور سرزمین فلسطین کا مومنوں سے کیا ہے۔ اس وعدہ کا خلاف نہیں کریگا۔

پھر فرمایا ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعلمون ظاھراً من الحیوۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم غافلون [1]

شاہ صاحب کے فلسفہ کے مطابق ظاہر حیات سے مراد درجہ خلق ہے اور آخرت تدبیر کا درجہ ہے۔

یعنی اکثر لوگ ظاہری اسباب کو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں شاہ صاحب کے فلسفہ میں ظاہر حیات کا مطلب ہے درجہ خلق۔ اور آخرت تدبیر کا درجہ ہے۔ یعنی تدبیر سے اکثر لوگ غافل ہوتے ہیں

تدبیر میں کوشش سے کامیابی کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

مومنوں کو چاہیے اپنی تدبیر میں کوشش کرتے رہیں۔
(اس کی زیادہ تفصیل مولانا سندھی علیہ الرحمۃ کی کتاب اوائل السور [1] میں مطالعہ کرو)

[1] کتاب کا پورا نام ہے حروف اوائل السور

الروم - ۳۰ : ۶ ، ۵ ، ۷

امیر المومنین (حضرت) عمر رضہ کے عہد میں روم کے بادشاہ پر مسلمانوں نے فتح پائی اور انہی سن[1] میں کسریٰ کا لشکر بھی مغلوب ہوا۔

وعدہ خداوندی امیر المومنین حضرت عمر رضہ کے دور میں پورا ہوا اور مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ پر غلبہ حاصل کر لیا۔

اس سورت روم میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے متنبہ کیا کہ تم ان بادشاہوں پر غلبہ حاصل کرنے کی تدبیر سوچو۔

سورۂ روم میں غلبہ حاصل کرنے کی عملی تدبیر سوچنے کی طرف اشارہ ہے

دوسرا۔ اگر کسی اور ملک کے لوگ ذہنی علمی اور عملی اور اقتصادی ترقی کر رہے ہیں تو اگر بادشاہ نے غفلت برتی اور اس قوم اور ملک کی حالت دریافت کرنے سے غافل رہا تو وہ ترقی یافتہ قوم اس بادشاہ کے ملک پر قبضہ کر لیگی جیسے مثلاً اکبر بادشاہ کے زمانے میں یوروپین اقوام ترقی کر کے ہندوستان پہنچ گئیں اور ہر طرح علمی اور اقتصادی ترقی کے اوج تک پہنچ گئیں تھیں۔

حکمران اگر دیگر ممالک کی علمی و فنی اور اقتصادی ترقی سے غافل رہیں تو دیگر اقوام ترقی حاصل کر کے ان پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں۔

اس لیئے بادشاہ اور ارکانِ دولت کو چاہیے تھا کہ اپنے عقلمند آدمی یورپ بھیج دیتے۔ ان کے رازوں کو سمجھ کر اپنی قوم کو خبردار کرتے۔

حکمرانوں کو چاہیے کہ علمی و فنی ترقی کیلئے اپنے قابل لوگوں کی تربیت کا انتظام کریں تاکہ ترقی یافتہ ممالک کی ٹیکنالوجی منتقل ہو اور ملک ترقی کرے۔

مگر انہوں نے اور ان کے پس ماندوں نے غفلت کی تھی تو نتیجہ یہ ہوا کہ یوروپین اقوام ہندوستان پر غالب آ گئے[2] اور مسلمانوں کی سات سو سالہ منظم حکومت تباہ ہو گئی

مسلمانوں کی غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی یافتہ اقوام (یوروپین) نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا اور سات سو سالہ منظم حکومت تباہ ہو گئی۔

۱۔ انہی سالوں میں
۲۔ غالب آ گئیں

حظیرۃ القدس اور اس کے رہنے والے۔ امام ولی اللہ کے نزدیک

یاد رکھنا چاہیے کہ مادی دنیا سے اوپر عالم مثال کے سب سے اعلیٰ و الطف حصہ اور اونچے طبقے میں ایک مقام ہے جس کا نام امام ولی اللہ دہلوی قدس سرہ "حظیرۃ القدس" فرماتے ہیں۔ اس میں عقل قابل والی قوتیں جیسے ملائک مقرب۔ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور محدثین جمع ہوتے ہیں۔

مادی کائنات پر حظیرۃ القدس کے اثرات۔

اس مادی کائنات پر ان کا قبضہ اور کنٹرول ہے۔ اس تمام پر تجلیٔ اعظم کا عکس آتا ہے۔ یہ تجلی ساری کائنات پر اثر ڈالتی ہے۔ تمام بڑے بڑے حادثات پہلے وہاں ظاہر ہوتے ہیں اور وہیں اللہ تعالیٰ کی ہر ایک نئی شان ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد "عالم عناصر" اور "عالم شہادت" میں ظاہر ہوتے ہیں۔

مطلب: جتنے انقلابات قوموں میں یا سلطنتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کے نقش پہلے عالم قدس یعنی "حظیرۃ القدس" میں ظاہر ہوتے ہیں۔

انقلابات کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسانیت ترقی کرتی جاتی ہے اور وہ انسانیت کیلئے رحمت و برکت ہوتے ہیں۔

انسانیت کیلئے اور باقی مادے کیلئے وہ انقلاب سراسر رحمت اور برکت ہوتے ہیں۔ ان انقلابات کے ذریعہ انسانیت ترقی کرتی جاتی ہے۔

حظیرۃ القدس سے تعلق والی جماعت ان انقلابات کا نقشہ دیکھ کر اپنی قوم کو آگاہ کرتی رہتی ہے

جس جماعت یا افراد کا تعلق حظیرۃ القدس سے ہوتا ہے ان انقلابات کا نقشہ دیکھ کر اپنی قوم یا اپنی سلطنت کو خبردار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نئی شان اس رنگ میں ظہور پذیر ہوگی۔

حظیرۃ القدس والی جماعت کے پیغام پر لبیک کہنے والے حزب وحی ہوتے ہیں جن کا تعلق حظیرۃ القدس سے ہوتا ہے۔

اب اپنی معاشرت کو تبدیل کرو اور اپنی تہذیب و تمدن اور قوانین کو نیا لباس اس شان الحق کے مناسب دینا چاہیے۔ تو جس قوم یا سلطنت میں عقل اور تدبر ہوتا ہے۔ اردگرد کے احوال سے سمجھ لیتے ہیں (کہ) ایسا ہونے والا انقلاب ہمارے لیئے کس قدر مفید ہوگا۔ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جن لوگوں کا تعلق "حظیرۃ القدس" سے ہوتا ہے۔ ان کی باتیں مان لیتے ہیں۔

مجتہد کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی قوم و سلطنت کیلئے نئی معاشرت اور قانون بنائے جن میں قانون کی اصلی روح باقی رہے اور شکل معاشرت زمانہ کے حسب حال ہو۔

اپنی قوم اور سلطنت کیلئے نئی معاشرت اور نئے قانون بناتے ہیں[1] ان قانون بنانے والوں کو ہماری اصطلاح میں مجتہد کہتے ہیں۔ ایسے مجتہد روح قانون کا[2] باقی رکھتے ہیں! اور شکل حسب معاشرت[3] زمانہ بناتے ہیں

حضرت شاہ ولی اللہ شارح بحیثیت شارح حضرت امام ربانی۔

اب مجتہد ہندستان میں امام ربانی[5] پیدا ہوئے۔ اور ... الذی اتباع میں شاہ ولی اللہ نے (...) انکے رموز کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ[4] آئندہ دوسرے ہزار سال میں دوسرے نوع کا انقلاب آنے والا ہے۔ مستبد سلطنتیں ختم ہو جائیں گی اور جمہوری سلطنتیں قائم رہینگی۔ مگر افسوس

حضرت شاہ صاحب کا پیغام اور ارکان دولت اور علماء کا رویہ۔

(کہ) اہل سلطنت اور علماء (نے) انکی کتابوں کو پڑھنا ہی چھوڑ دیا اور ذلت کے گھڑے میں جا گرے۔

۱۔ اپنے
۲۔ قانون کی روح باقی رکھتے ہیں۔
۳۔ معاشرت زمانہ۔
۴۔ کہ

۵ امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ)

اور امام عبیداللہ سندھی بھی شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کو زندہ کرنے کیلئے آئے مگر ارتجاع پسند علماء اور ری ایکشنری ارباب اقتدار ان کی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے - اب اندھے ناقہ پر سوار ہیں - ان کو کوئی راستہ نہیں سوجھتا[1]

وصال کے وقت مولانا سندھی علیہ الرحمۃ کے آخری الفاظ -

مولانا سندھی علیہ الرحمتہ کا آخری لفظ موت کے وقت یہ تھا
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَا اَقُوْلُ لَكُمْ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ[1]
انکا اس جملہ پر خاتمہ ہوا -

اہل احسان کا ایک مفہوم -

جس جماعت کا تعلق حظیرۃ القدس سے ہوتا ہے - انکا نام حدیث شریف (میں) اہل احسان رکھا گیا (ہے)

مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث میں (ہے) کہ (حضرت) جبرائیل ؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ مَا الْاِحْسَانُ یعنی احسان کس حالت کو کہا جاتا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا - اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (الحدیث)[2]

یعنی تمہاری عبدیت اور عبادت کی یہ حالت ہو جائے کہ گویا تم ہر وقت اللہ کو دیکھ رہے ہو - یہ مقام اعلیٰ ولایت کبریٰ والوں کا ہے - اس کے نیچے کا مقام یہ ہے کہ تمہاری عبدیت اور عبادت ایسی ہو کہ (تم یوں سمجھیں) کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے - "یہ ابرار" کا مقام ہے -
کَاَنَّكَ لفظ اپنی حقیقت پر ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ وراء الوریٰ ہے وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے - تجلی اعظم تک پہنچ جانا ہی کمال ہے -

[1] غافر ۴۰ : ۴۴ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۱۱ مجتبائی -

~~۱ - سوجھتا~~
۲ - تم یوں سمجھو

ذات باری کو بذریعہ تجلی اعظم پہچانا جاتا ہے۔

ذات باری تعالیٰ کو بذریعہ تجلی اعظم پہچانا جا سکتا ہے - تجلی کی مثال ایسی ہے جیسے آئینہ میں سورج کو دیکھا جا سکتا ہے۔

تجلی کی مثال آئینہ ہے

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

ج ۶

زعنقا ہست نام پیش مردم - زعنقا من بود آن نام ہم گم -

مولانا سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اے برتر از خیال و قیاس و گماں وہم - وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

اہل احسان کے مختلف مدارج

اہل احسان کے آپس میں مختلف مدارج ہیں -

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ - ایک ایسی جماعت ہوتی ہے جنکی روح ملکوتی بدو خلقت میں ایسی پیدا ہوئی ہیں کہ صورت نسمہ کی یعنی نفس ناطقہ انکی روح ملکوتی کا تابع ہوتا ہے یعنی نفس ناطقہ ان ان کو اسی لئے دبا گیا ہے کہ روح ملکوتی کا منفذ جلاء ہو - اس حالت والے کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ قرب الفرائض کا نام دیتے ہیں

(۱) قرب الفرائض ۔

دوسری جماعت ایسی ہوتی ہے کہ نفس ناطقہ کو مہذب کرتے کرتے ایسی حالت پیدا ہو جاتی (ہے) کہ روح ملکوتی کا میدان جلاء بن جاتا ہے اس کو قرب النوافل کہتے ہیں ۔

(۲) قرب النوافل

پہلے درجہ والے لوگ قرناً بعد قرنٍ کبھی کبھی پیدا ہو جاتے ہیں - قلیلاً ما ھم جیسے ائمہ طرق صوفیہ جنکو صدیقین یا محدثین کہا جاتا ہے -

دوسرے درجے کے لوگ اولیاء کے نام سے شمار کئے جاتے ہیں۔

اہل احسان کا تعلق حظیرۃ القدس ان کے ابتدائی درجہ کو ولایت صغریٰ کہا جاتا ہے ۔ اس جماعت اہل احسان سے ہوتا ہے وہ تجلی اعظم سے نمودار ور اسخین فی العلم کا قدم حظیرۃ القدس میں راسخ ہوتا ہے ۔ انکو نئی نئی شان الٰہی کی واقفیت ہوتی رہتی ہے) اور واقعات جدیدہ اور انقلابات جو کہ تجلی اعظم سے حظیرۃ القدس میں نمودار ہوتے ہیں ۔ اس سے اپنی قوم اور ملک کو خبردار کرتے رہتے ہیں ۔ اور خود بھی اس شان الٰہی کی موافقت میں کام کرتے ہیں اور آئندہ استقبال کیلئے پروگرام بناتے ہیں تاکہ قوم اس پر چل کر کامیاب ہو جائے ۔ جیسے شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ نے کیا کہ آئندہ ہزار سال کیلئے پروگرام بنایا ۔ مگر ہماری قوم اور ملک نے ادھر توجہ نہ کی[1] اور غافل رہے ۔ اور یورپین شاید شاہ صاحب کی کتابیں اپنے ملک میں لے گئے ہوں گے وہاں کے فلاسفروں نے اس پروگرام کو اپنا رنگ دیکر کامیاب بنایا ۔

ہونے والے انقلابات اور واقعات جدیدہ سے اپنی قوم کو متنبہ کرتے ہیں اور مستقبل کا پروگرام بناتے ہیں ۔

شاہ صاحب کے پروگرام سے ہماری قوم کی غفلت اور اس کے نتائج ۔

شاہ صاحب کی وفات کے

تعجب کی بات ہے کہ کارل مارکس سوشل پروگرام کا بانی ایک سو سال پیدا ہوا[1] اور حجۃ اللہ البالغہ کے ایک باب کی تشریح کرتا ہے ۔ مگر اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے ۔ اس سے سرمایہ داری اجتماع کو توڑ کر نیا اجتماع پیدا کرتا ہے ۔ یعنی غریبوں اور مزدوروں کا اجتماع ۔ اس کے بعد اس کی جماعت اس پروگرام کو کامیاب بنانے کیلئے سر کی بازی لگا دیتی ہے[2]

کارل مارکس کی پیدائش حضرت شاہ صاحب کی وفات کے ایک سو سال بعد ہوئی مگر انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ کے ایک باب کی تشریح کرکے اسکو اپنے نام منسوب کیا ۔

[1] ۔ کیا
[2] ۔ شہادتیں دی ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کے مذاہب اور سلطنتوں کے لوگ ستاروں کی گردش سے اندازہ لگا کر آئندہ حالات اور سیاسی تبدیلیوں سے لوگوں کو خبردار کرتے تھے ۔

تو آج نصف کرۂ زمین میں ان کی بادشاہی اور پروگرام چل رہا تھا ۔

حاصل کلام ۔ آئندہ سَو سال یا ہزار سال میں کیا ہوگا ایسے علم اور دانش کا طریقہ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام سے پہلے جو مذاہب اور سلطنتیں گزری ہیں ستاروں کی چالوں سے حاصل کرتے تھے ۔ اور ستاروں کی خاص خاص حرکات اور چال کا خیال رکھا جاتا تھا ۔

ستاروں کی چالوں اور خاص حالتوں کا علم جاننے والے "صابی" کہلاتے تھے ۔

خاص کر ہندوستان اور کلدانیہ اور شام وغیرہ کے علاقوں میں ستاروں کی چالوں اور خاص خاص حالتوں کا علم جاننے والے اہل علم عام لوگوں کو اور حکومتوں کو آنے والی سیاسی تبدیلیوں سے خبردار کر دیا کرتے تھے ۔ یہ لوگ صابی کہلاتے تھے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل ستاروں میں تبدیلی آگئی وہ اپنے مقام سے ہٹ گئے اور صابیوں میں اس علم کے جاننے والے لوگ بھی ختم ہوگئے تو ان کی سلطنتیں تباہ ہوگئیں ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل ستاروں میں تبدیلی آگئی اور ستارے اپنا مقام چھوڑ گئے اور ان صابیوں میں سے عالم باللہ بھی ختم ہوگئے جو کہ نئی چالوں کی بنا پر نیا علم بناتے ۔ اسلئے انکا علم اور سلطنتیں تباہ ہوگئیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کو دین حنیف کا نام دیا گیا ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نئے دور کے بانی بنے اس دور کو دین حنیف کا نام دیا گیا ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حظیرۃ القدس تک پہنچنے کا راستہ کھول دیا ۔ انکی اولاد و اتباع کا قبلۂ توجہ حظیرۃ القدس بن گیا ۔

اور عالم عناصر سے عالم تجرد اور عالم قدس کی طرف آنے جانے ، وہاں سے احکام لینے اور حظیرۃ القدس کے خدام جو تجلی اعظم کے خدام ہیں ان سے بالمشافہ بات سننے اور اپنی سنانے اور تجلی اعظم میں فنا اور لقاء کا درجہ حاصل کرنا سب کام سہولت اور آسانی (سے) سر انجام ہونے لگے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حظیرۃ القدس تک پہنچنے کا راستہ کھول دیا اور انکی اولاد و اتباع کا قبلۂ توجہ حظیرۃ القدس بن گیا ۔

جب تک مسلم قوم اور ارکان سلطنت خدا رسیدہ بزرگوں کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے رہے ۔ سلطنت اسلامی ہندوستان میں مضبوط ہوتی گئی ۔

ہند میں اسلامی سلطنت کے ارکان جبتک خدا رسیدہ بزرگوں کی تعلیم پر عمل کرتے رہے تو حکومت مضبوط رہی ۔

جیسے التتمش وغیرہ ۔ (حضرت) خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور ان کے خلفاء کے حکموں پر چلتے رہے اور جیسے جہانگیر اور شاہجہان اور عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ امام ربانی کے طریقہ اور حکم پر چلتے رہے ۔ تب تک سلطنت انقلابات سے محفوظ رہی۔ (بعد میں آنے والے) بادشاہوں نے ایسے بزرگوں کا دامن چھوڑ دیا تو ان کی سلطنت پر انقلاب آگیا ۔ سات سو سال کی قائم شدہ اسلامی حکومت تباہ ہوگئی ۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون [1]

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت امام ربانی کے حکم پر چلنے والے بادشاہوں کی سلطنت انقلاب سے محفوظ رہی جب ایسے بزرگوں کا دامن ہاتھ سے چھوڑا اور سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑے ۔

مطلب یہ ہے کہ اسلامی سلطنت کیلئے ایسے بزرگوں کا ہونا سخت ضروری ہے ۔ اکبر بادشاہ جسکو بے دین کہا جاتا ہے اُس نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کو بخارا سے منگوا کر دھلی بُلایا اور ان کے اشاروں پر بھی چلتے تھے ۔

اکبر جیسا بادشاہ بھی جسکو اکثر بے دین کہا جاتا ہے ۔ اس حقیقت کا معترف تھا اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کو بخارا سے دہلی بلایا اوران کا حکم مانتا رہا ۔

[1] البقرہ ۲ : ۱۵۶

ا ۔ دیکھیے

حضرت باقی باللہ کی جماعت میں سے (حضرت) امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اور (حضرت) شاہ ولی اللہؒ جیسے لوگ پیدا ہوئے - یہ بڑی عظیم الشان رحمت الٰہی ہے۔ ولکن اکثر الناس لا یشکرون - [1]

کسی قوم اور خطے میں اولیاء اللہ کا موجود ہونا اللہ تعالے کی رحمت اور نعمت عظیمہ ہے - مگر اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے -

آجکل یورپین (سلطنتیں [2]) آیندہ حوادث و انقلابات اور قوموں کے عروج و زوال (کے اسباب) کی تلاش کا کام سائنس دانوں کے سپرد کیا ہے وہ دوسری سلطنتوں کی طاقت کا اندازہ کرتے رہتے (ہیں) اور قوموں کی ذھنیات کو ٹٹولتے رہتے (ہیں) اور اعداد و شمار لیکر نتیجہ نکالتے (ہیں) جو اکثر صحیح اور درست ہوتا ہے وہ سائنس دان آیندہ مستقبل کا اندازہ لگاتے ہیں تو بھی اکثر صحیح نکلتا ہے - لیکن استقراء و دلیل ظنی ہے - اس لئے ان کے نتیجے کمزور ہوتے ہیں کیونکہ انکا تعلق حظیرۃ القدس سے نہیں ہوتا -

آجکل حوادث و انقلابات اور قوموں کے عروج و زوال کا کام سائنس دانوں کے سپرد ہے - سائنس دان اعداد و شمار سے اکثر درست نتائج نکالتے رہتے ہیں مگر چونکہ ان کا تعلق حظیرۃ القدس سے نہیں ہوتا اس لیئے ان کے نتائج کمزور ہوتے ہیں -

؟

"لیس الخبر کالمعاینہ -"

یہی معنی ہے و یُعَلِّمُکَ مِن تاویل الاحادیث یعنی تمام حوادثات اور انقلابات کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کام کا مآل بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ ہاں اپنے مخلص بندوں کو بعض غیب یعنی استقبال کی خبریں بتا دیتا ہے - یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل ہے۔

حوادث و انقلاب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور انجام کار بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے مگر وہ اپنے مخلص بندوں کو بعض غیب یعنی مستقبل کی خبریں اپنی رحمت اور فضل سے دیتا ہے -

حقیقت تو یہ ہے کہ جو قوم کل کی فکر سے غافل رہتی ہے کبھی کامیاب نہیں ہوتی - قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے -

[1] البقرہ ۲: ۲۴۳

[2] سلطنتوں نے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

یعنی اپنے اندر تقویٰ اور عدالت اور احسان پیدا کرو اور مستقبل کیلئے تیاری کرو اور تمہاری جدوجہد مستقبل کیلئے ہونی چاہیے تاکہ تم کامیاب ہو گے [1]۔

جو قوم فکر دا سے غافل رہتی وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتی ۔ تقوی ۔ عدالت و احسان جیسی عادات پیدا کرکے فکر فردا کا سبق قرآن سے ملتا ہے ۔

إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ٥ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے ۔ اس کے پاس علم نظری اور حکمت عملی کے خزانے بھرے پڑے ہیں ۔ جو شخص یا جماعت اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرلیگا اُن کو اپنے علم اور حکمت سے مالا مال کر دیگا ۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے والی جماعت کو علم نظری اور حکمت عملی سے سرفراز کر دیا جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ جب جس جماعت پر راضی اور خوشنود ہوتا ہے ۔ اس جماعت کو دنیا جہان میں علم نظری اور حکمت عملی سے سرفراز کرتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے دو طریقے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے دو طریقے ہیں ۔
ایک تعلق باسماء اللہ و صفاتہ ہے اسماء الٰہی ننانوے [2] ۹۹ اسماء ہیں ان کے مطلب کو اپنے قلب کے اندر اور خیال کے اندر اور اپنی حس مشترک کے اندر ایسا رچائیں اور ایسا سمجھیں کہ یہ صفات کسی انسان یا ملائک میں انکا وجود اصلاً ہو بھی نہیں سکتا [3] ۔ جیسا اسم رحمٰن ہے یا رحیم ۔ تو یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی رحمت کرنے والا نہیں ۔

۱ ۔ تعلق باسماء اللہ وصفاتہ ۔

۱ ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ۔
۲ ۔ ننانوے
[3] ن ا ۔ اصلاً ہو بھی سکتا ۔ نہیں سکتا ۔
ن ب ۔ اصلاً ہو بھی نہیں سکتا ۔

۱۸:۵۹ حشر

اگر کوئی شخص بھی اس پر رحم کرتا ہے اور اچھا سلوک کرے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ مہربانی اللہ جل شانہ کی ہے۔ یہ شخص رحم کرنے والا ایک آلہ اور واسطہ ہے۔ انکی قلبی دید اللہ کی طرف مرکوز ہے۔ مثلاً الرزاق تو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رزق دینے والا نہیں ہے۔ رزق اس سے مانگے اور واسطہ رزق کو رزاق نہ سمجھے اس طرح ہر اسم الٰہی سے تعلق پیدا کرے۔

دوسرا طریقہ ۔ تخلق باخلاق اللہ وسمائہ وصفاتہ ۔

دوسرا تخلق باخلاق اللہ وسمائہ وصفاتہ[۱] مثلاً رحمٰن اسم الٰہی ہے اس سے تخلق اس طریقہ پر پیدا ہو سکتا ہے کہ مخلوق الٰہی پر اسکی رحمت کا برتاؤ کرے جیسے والدہ اپنے بچے پر کرتی ہے۔ کسی ضعیف انسان کو دیکھے تو اپنے ضروری کام چھوڑ کر اس کی مدد کرے یا اسم رزاق ہے اس سے تخلق پیدا کرے یعنے بھوکوں اور مسکینوں کو رزق کے اسباب پیدا کرے اور فوری ضرورت ہو تو اس کو روٹی کھلادے۔

اس آیت شریفہ میں اسم علیم اور حکیم ہے یعنی حضرت یوسفؑ کو کہا جاتا ہے تمکو اللہ تعالیٰ کے خزانہ علم سے نظری اور حکمت عملی سے خاص خاص علم اور حکمت (سے) مالامال کرے گا۔ جیسے تیرے باپ دادوں پر اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی۔

یعنی جو علم اور حکمت حظیرۃ القدس میں رہنے والی جماعت ملاء اعلیٰ سے حاصل ہونگی[۱] اس کو مخلوق تک پہنچانے کا ذریعہ تم ہی بنوگے اور جسطرح حظیرۃ القدس میں برکات الٰہی کی برسات پڑتی ہے۔ اس طرح تیرا قلب اور تیرا وجود حظیرۃ القدس ہو جائیگا یہی معنی ہے وایدناہ بروح القدس[۱] الآیہ[۱]

۱- ہونگی

۱ البقرہ ۲ : ۸۷ و ۲۵۳

تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ ۔

خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :-

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ مُنْجَدِلٌ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ او كما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -

حضرت یوسف علیہ السلام کو مستقبل کے پروگرام کی تیاری کا اشارہ -

حاصل آیت نمبر ۶ کا یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام رویای کے متعلق فرماتے ہیں اسطرح واقعہ ہوگا جسطرح تم نے دیکھا اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کو مستقبل کا پروگرام بتاتے ہیں کہ ان مدارج کیلئے اپنے آپکو تیار کرو اور تیری تمام توجہ ... پر مرکوز رہے -

آیت نمبر ۷ -

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ۝

معنی - البتہ یوسف کے قصہ میں اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں (ضرورتمندوں) کیلئے واضح نشانیاں (احکام) ہیں اور واضح راہ عمل ہے

کفار مکہ کے ظلم وستم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلمانوں کو تسلی -

اس سورت کا شان نزول پہلے لکھ آئے ہیں کہ پانچویں سال نبوت کے مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکی جماعت پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے - اور قریش مکہ کا ظلم اور تشدد حد سے زیادہ بڑھ گیا جو کہ قابل برداشت نہ تھا - انسانیت سوز حرکات کا سلسلہ اور تکالیف جو قریش نے جاری کر دیا - مسلمان سہمے ہوئے ہوتے رہتے تھے * اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ اپنی جماعت کو بار بار تسلی دیتے ہیں کہ اس دین اور اسکے تابعداروں کی حکومت مشرق سے لیکر مغرب تک پہنچ جائیگی -

* اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی روزانہ ظلم کی خبریں سُنکر غمگین رہتے تھے -

کفار کا ظلم اور ضعفاء صحابہ کرام -

مگر قریش کا ظلم اور بے رحمی روز بروز نیا نیا رنگ اختیار کرتی جاتی تھی۔ اسلئے ضعفاء صحابہ ایک دوسرے سے یہ سوال کرتے تھے کہ اب ہمارا حشر کیا ہوگا اور ہماری ان تکالیف کا سلسلہ کب اور کیسے ختم ہوگا اور کب ہم اطمینان اور آرام دل[1] سے قرآن شریف میں غور و تدبر کریں گے اور نماز خشوع خضوع سے ادا کریں گے

سوال کے اقسام -
۱- قالی
۲- حالی

سوال دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو قالی یعنی زبان سے پوچھا جاتا ہے دوسرا سوال حالی یعنی (---) سائل کی صورت اور حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو اس سوال کے جواب کی بہت ضرورت ہے - جماعت صحابہ میں دونوں قسم کے سائل موجود تھے۔ ایسی تنگی کے وقت میں یہ سورۃ نازل ہوئی -

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پوچھنے والوں حاجتمندوں کیلئے اس سورت میں واضح نشانیاں اور احکام اور راہ عمل موجود ہے - اس سورت میں غور و خوض اور تدبر کر کے اپنے لئے راہ عمل اور راہ نجات اور کامیابی کا طریقہ نکالو۔

اس سورت کے شان نزول کے بارے میں کہ یہ سورت بنی اسرائیل کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی - اس کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ملتا -

اور بعض مفسرین نے جو لکھا ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا تھا کہ بنی اسرائیل مصر میں کسطرح پہنچے اس سوال کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی - یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے -

پھر اس سورت کے نازل ہوتے ہی اس عقل مند جماعت کی کمر ہمت بندھ گئی اور انکو معلوم ہو گیا کہ ان کی کامیابی پہلی منزل میں مکہ شریف میں نہ ہوگی - اس کامیابی کیلئے کوئی دوسرا مرکز تلاش کرنا پڑے گا -

۱- اطمینان قلب

قصہ یوسف علیہ السلام سے صحابہ کرام کو عملی راہ عمل ملی اور پروگرام کو کامیاب بنایا۔

اور جیسی جیسی تکالیف حضرت یوسف علیہ السلام کو درپیش آئیں ویسی قسم کی تکالیف ہم لوگوں کو ضرور پیش آئینگی - اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو کامیابی ہوئی ویسے ہی ہم لوگ کامیاب ہو کر غلبہ حاصل کرینگے۔ ہمیشہ انقلابی لوگوں پر ایسے[1] ہی تکالیف درپیش آتے[2] ہیں۔

ہمت سے کام کرنا شروع کر دیا۔

صحابہ کرام نے حضرت یوسف علیہ کی تکالیف اور کامیابی سے عملی سبق سیکھا جبکہ منکرین اُسے محض قصہ ہی سمجھتے رہے۔

صحابہؓ کو اس قصہ میں عملی راہ بتلایا گیا - چونکہ وہ عقلمند تھے - سمجھ گئے - اور قریش منکرین اس کو قصہ ہی سمجھتے رہے - انقلابی جماعت[3] اپنا راہ عمل ایسے قصوں میں بیان کرتے[4] ہیں - اور مخالفین سے پوشیدہ رکھتے[5] ہیں - تاکہ مخالفین پیش بندی نہ کریں - اور قصہ ہی سمجھتے رہیں اور غافل رہیں - اور جماعت صحابہ اس پروگرام کو نبھانے کی کوشش کرتے رہیں - [a]

سورۂ یوسف کے نزول کے بعد ہجرت حبشہ یعنی مرکز کے تلاش کا سفر

اس سورت کے نزول کے بعد ایک جماعت صحابہؓ کی مرکز تلاش کرنے کیلئے حبشہ روانہ ہو گئی (حضرت) یوسف علیہ السلام کو مصر میں کامیابی ہوئی - اس بات کو سمجھ کر انہوں نے خیال کیا کہ شاید وہ مرکز حبشہ بنے - کیونکہ حبشہ میں آنا جانا قریش کا تجارت کیلئے بہت ہی تھا - اس خیال سے حبشہ کی ہجرت کی۔

مرکز کی تلاش میں حضور کا سفر طائف -

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی طائف کی طرف گئے تاکہ مرکز تلاش کریں - اس طرح جو قبائل حج کو آتے تھے - اُن سے بھی استدعا کرتے تھے کہ مجھکو جگہ (دو) تاکہ احکام الٰہی سناؤں۔

[a] خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ باشد در حدیثِ دیگراں۔

۱ - ایسی ہی
۲ - آتی ہیں
۳ جماعتیں
۴ کرتی ہیں
۵ - رکھتی

مگر یہ سعادت مدینہ منورہ کے حق میں لکھی ہوئی تھی یعنی غیبی امداد پہنچی کہ دسویں سال نبوت میں مدینہ منورہ سے جسکو یثرب کہتے تھے اور اس بستی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے رہے تھے۔

سن دس نبوت میں حضرت ایاس بن معاذ کی مکہ تشریف آوری اور قبول اسلام۔

اس مقدس شہر سے چند لوگ حج کیلئے مکہ مکرمہ میں وارد ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت اسلام دینے کیلئے منیٰ میں اس جماعت کے پاس تشریف لے گئے۔ ان میں ایک نوجوان تھا۔ جس کا نام نامی ایاس بن معاذ تھا۔ اس نے دعوت اسلامی قبول کر کے واپس مدینہ منورہ پہنچ کر اسلام کی منادی[1] سمجھدار نوجوانوں میں کرنے لگے۔

حضرت ایاس بن معاذ کی تبلیغ کا اثر

اس کا اثر یہ ہوا کہ ۱۱ھ گیارہ نبوت میں ایک جماعت نوجوانوں کی اسلام میں داخل ہونے کے ارادے سے مدینہ منورہ سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں آئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو منیٰ شریف میں ملنے کا وعدہ فرمایا۔ اور اسلام لاکر واپس مدینہ میں پہنچکر بڑے زور وشور سے، تبلیغ اسلام کرنے لگے۔

حضرت ایاس بن معاذ کی وفات۔

اور ایاس بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گیارھویں سال نبوت سے اوّل فوت ہو چکے تھے اور بارھویں سال نبوت میں ایک بڑا وفد مدینہ منورہ سے اسلام میں داخل ہونے کے ارادہ سے مکہ مکرمہ میں آیا۔ اور اس وفد کے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

ہجرت مدینہ کا حکم۔

اس طرح مدینہ منورہ مرکز اسلام بن گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا تمہارے لئے دار الہجرت اللہ تعالیٰ نے مہیا کر دیا اس طرف ہجرت کرو

۱۔ تبلیغ

سورہ لیسین کی آیت وجاء من اقصی الخ کے بارے محققین علماء کی رائے۔

محققین علماء کی رائے ہے کہ سورہ لیسین میں آیت وَجَاءَ مِنْ اَقْصَی الْمَدِیْنَۃِ رَجُلٌ یَّسْعٰی الآیۃ[1] کا مصداق حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔

اگر یہ رائے مان لی جائے تو سورۃ لیسین بتمامہ حل ہو جاتی ہے۔ اور امام ابن کثیر کا اعتراض دفع ہو جاتا ہے۔[5] واللہ اعلم بمراد کلامہ۔

قرآنی انقلابی پروگرام کی تکمیل مدینہ منورہ سے شروع ہوئی اسلئے وہیں سے سن ہجری کی ابتداء ہوئی۔

اور سن ہجری کی ابتداء ہجرت سے اسلئے شروع کیگئی کہ قرآنی انقلابی پروگرام[1] کی تکمیل مدینہ منورہ سے شروع ہوئی۔ اور مدینہ منورہ فوجی مرکز بن گیا۔

یہ اشارہ سورہ یوسف میں تھا۔

مدینہ منورہ میں اشاعت اسلام۔

اب مدینہ منورہ سے اسلام کی شعاعیں عرب کے اردگرد پھیلنی شروع ہو گئیں[1] اور سمجھدار لوگ اپنی نظریں مدینہ منورہ اٹھا کر دیکھنے لگے[2] اور سورہ یوسف کے بھائیوں کا ذکر تھا۔[3] آخر وہ بھی پیش ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں دو زانو

حضرت یوسف ؑ کے بھائیوں کا تعظیم ادا کرنا اور اپنے کیئے پر نادم ہونا۔

تعظیماً سجدہ کیا۔ بعد اس کے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چاہ میں ڈال کر قتل کے منصوبے کرتے رہے تھے[4]۔

قریش مکہ کا دربار نبوی ؐ میں نادم ہو کر پیش ہونا۔ اور اشاعت اسلام کا بار اپنے ذمہ لینا۔

اسی طرح قریش بھی فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئے اور اشاعت کا بارگراں اپنے کاندھوں پر رکھا اور صدق دل اور طمانیت قلب سے کام کرنے لگ گئے۔ گویا کہ سورہ یوسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُنکی جماعت[5] کی تاریخ ہے اور اسمیں بڑے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

سورہ یوسف آنحضرت صلعم اور آپ ؐ کے صحابہ کی تاریخ ہے اور اس سے بڑے اسباق ملتے ہیں۔

۱۔ ایک کامیابی کا مرکز دوسرا تلاش کرو

۲۔ قریش بھی جو آجکل تمہاری جان کے درپئے ہیں وہ بھی پشیمان ہو کر آپ ؐ کے قدموں پر آ گریں گے۔

۱۔ پروگرام ۔ ۱۔ ناو قرآن ناب قرآنی۔
۲۔ اور سمجھدار لوگوں کی نظریں مدینہ منورہ کیطرف اٹھنے لگیں ۔ ۵۔ لیسین ۳۶: ۲۰
۳۔ اور سورہ یوسف میں ان کے بھائیوں کا ذکر تھا۔
۴۔ بناتے رہے تھے۔
۵۔ اور آپ ؐ کی

تیسرا سبق یہ ملا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح آپ[3] کی مخالفت بھی اپنے بھائیوں یعنی قریش سے شروع ہوگی مگر آخر کار غلبہ آپ کو حاصل ہوگا اور قریش مسلمان ہو کر آپ کے دست وبازو بنینگے

۳۔ جیسے مکہ مکرمہ میں آپکے بھائی بند پروگرام کی مخالفت کر رہے ہیں اسیطرح دوسرے مرکز میں رجعت پسند یہود اور منافقین بھی اس پاک جماعت کے اقتدار کو نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے کی تجویزیں اور تدبیریں کرتے رہیں گے۔ آخر بھی یہ جماعت غالب آجائیگی اور وہ دوسرا مرکز ان رجعت پسندوں سے پاک وصاف ہو جائیگا۔

اس کے بعد تمہارا اقتدار اتنا قوی ہو جائیگا کہ تمہارے بھائی قریشی بھی لاچار[1] ہو کر اس اسلامی اقتدار کے زیر آسائش[2] کی زندگی بسر کرینگے اور وہ تمہارے بھائی قریش تمہارے دست وبازو بن جائیں گے۔

برادران یوسف[4] کی تدبیر پر تدبیر الٰہی کا غالب آنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پروگرام کے مخالف پہلے اس کے بھائی تھے۔ انہوں نے ان کو قتل کرنے کی تجویز کا سوچی۔ مگر تدبیر الٰہی نے انکو سلامت مصر میں پہنچا کر عزیز مصر کا مختار الکل بنایا۔

کفار مکہ کی تدبیر اور آپ[3] کا مدینہ منورہ بسلامت پہنچنا۔

اسیطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش نے قتل کرنے کی تدبیر کی مگر اللہ نے ان کو مدینہ منورہ کا سرشل بادشاہ بنا دیا۔

حضرت یوسف[4] کے خلاف امرأۃ العزیز اور اس کی سہیلیوں کی سازشیں اور قید وبند کی صعوبتیں ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو وزارت اور مختار الکل عہدہ سے گرانے کی تدبیریں امرأۃ العزیز اور دوسری عورتیں کرتی رہیں۔ آخر انکو جیل خانہ میں بند کرا دیا

حضور صلعم کے خلاف منافقین اور یہود کی سازشیں اور پورے عرب کے اجتماع کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنا۔

اسیطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسکی[3] جماعت کو منافقین اور یہود نقصان پہنچانے کی تدبیریں کرتے رہے اور ان یہودیوں اور منافقین کی غرض وغایت یہی تھی کہ مدینہ منورہ اور اس کے ماحول پر انکا اقتدار نہ رہے۔ سب سے بڑی تدبیر یہ کی کہ سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا۔

۱۔ مجبور ہو کر
۲۔ آرام
۳۔ آپ کی

غزوۂ خندق میں مسلمانوں کا محصور ہونا۔

یہ واقعہ خندق ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسکی[1] جماعت خندق میں محصور ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل۔ خندق سے نکل کر یہودیوں کا استیصال کردیا

غزوۂ حدیبیہ میں قریش مکہ نے اپنی سیادت آنحضرت صلعم کے سپرد کردی۔

اور پھر غزوہ حدیبیہ میں قریش مکہ نے بھی اپنی سیادت عرب سے سبکدوش ہوکر سیادتِ عربی کی زمام آنحضرت صلعم کے[2] سپرد کردی۔ اور آٹھویں سال ھجری مکہ مکرمہ اور قریش پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ الحمدللہ۔

سورۂ یوسف میں یہودیوں اور منافقوں کی خفیہ تدابیر کو امراۃ العزیز اور اس کی ہمنوا عورتوں کی مثال دیکر سمجھایا گیا۔

اس سورت یوسف میں یہودیوں اور منافقوں کی خفیہ تدبیروں کو امراۃ العزیز اور اس کی ہمنوا عورتوں کی مثال دیکر سمجھایا گیا ہے کہ دورِ حاضر میں جیسے یوسف علیہ السلام کے[3] برخلاف عورتوں[4] کھڑی ہوگئی تھیں باوجود ضعف نازک ہونے کے اور کمزوری کے حد سے زیادہ نقصان پہنچایا تھا۔ اسی طرح یہود اور منافق باوجود کمزوری اکے) مسلمانوں کو بہت نقصان دینگے

صحابہ کرام نے غور و فکر کرکے مستقبل کا پروگرام بنایا اور مشرکین اسے ایک عام قصہ سمجھتے رہے۔

صحابہ ایک عقلمند غور کرنے والی جماعت تھی انہوں نے سورہ یوسف سے سبب حالات استقبال کے استنباط کرکے ہمت سے کام کرنا شروع کردیا مگر آجکل کے طالب علم اس سورۃ یوسف کو رواجی قصہ مثل عمر اور ماروی کے سمجھتے ہیں۔ اس سورت میں غور بھی نہیں کرتے جیسے منکرین قریش نے سورت یوسف کو قصہ رواجی سمجھا تھا۔

عقلمند حکماء حریت فکر اور ترقی اسلام کیلئے کام کرتے ہیں اور ارتجاعی طاقتیں انہیں دبانے کیلئے کوشاں ہیں۔

حالانکہ ان صحابہ عقلمندوں کے مثل آجکل بھی عقلمند حکماء انقلابی نظر آتے ہیں وہ آزادی اور حریت فکر اور ترقی اسلام کے لئے کام کررہے ہیں اور ارتجاعی طاقتیں ان کو دبارہی ہیں اور جیلوں کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں اور صلیبیں تیار ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے بندے اپنی دھن میں مست ہیں۔ واللہ ہو الموفق

۱۔ آپ کی
۲۔ کو منتقل کردیا۔
۳۔ خلاف
۴۔ عورتیں
۵۔ ھجری

حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر بھیجنے کی تدبیر الٰہی ،

آیت نمبر ۹ ۔ اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْہُ اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَۃٌ ط ۔ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ نِ ہ

ترجمہ ۔ جب کہنے لگے (یوسفؑ کے بھائی) کہ البتہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں ۔ حالانکہ ہم بڑی بہادر جماعت ہیں ۔ بے شک ہمارا باپ صریح غلطی میں ہے ۔

باب تدبیر

اصطلاح "عصبۃ" کا ایک مفہوم

تشریح ؛ عصبہ کا لفظ اس جماعت پر اطلاق ہوتا ہے جو نفع نقصان میں برابر کے شریک ہوں اور ہر ایک دوسرے کے عمل کا جوابدار ہو اور بہادری کے کام کرنے والے ہوں ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی ساری اولاد سے محبت تھی مگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنی اطاعت و فرمانبرداری اور احترام کیوجہ سے اپنے والد کی توجہ کا مرکز بن گئے ۔

اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا کا جملہ دلالت کرتا ہے کہ ہم سے بھی باپ کی محبت ہے ۔ مگر یوسف علیہ السلام سے ہم سے زیادہ محبت کرتا ہے ۔ یہی ضد اور حسد کا باعث ہے ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بڑے اخلاق کے مالک ہیں اور مجسم رحمت اور محبت ہیں ۔ پدری شفقت اور محبت میں سب اولاد کو برابر رکھتے ہیں مگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کو بحیثیت نبی کے دیکھتے ہیں اور ان کی عزت و احترام پیغمبر خدا کی حیثیت سے کرتے ہیں اور لائق صاحب استعداد مرید کی طرح ان کی فرمانبرداری کرتے ہیں ۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنا مرشد سمجھکر ان کی تعلیمات کو اپنے دل کے اندر جگہ دیتے ہیں

اور (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے وجود میں فنایت کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں اسلئے لامحالہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت بھی روز بروز ان سے زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور یعقوب علیہ السلام کے گفتہ کو اللہ تعالیٰ کا گفتہ شمار کرتے ہیں اسلئے (حضرت) یوسف علیہ السلام باپ کی محبت سے مستفیض ہو جاتے ہیں اور بھائی (حضرت) یعقوب علیہ السلام کو باپ کا درجہ دیتے ہیں۔ اور اس جملہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام نے اپنا رویاء کسی فرد کو نہیں بتایا۔ خواہ بھائی ہوں یا خاندان یا جماعت کے لوگ ہوں۔ یہ جملہ رد ہے اسکا جو تورات لکھنے والوں نے لکھا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے تورات لکھنے والوں کی غلط بیانی کی تردید۔

کہ یوسف علیہ السلام اپنے خوابوں[1] کو اپنے بھائیوں کو بتاتے تھے قرآن حکیم نے اس تہمت سے حضرت یوسف علیہ السلام کو بری کر دیا۔ کیونکہ تورات کے جملہ سے (حضرت) یوسف علیہ السلام کی تنقیص کی بو آرہی تھی باوجودیکہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت یوسف کو رویاء بتانے سے منع فرمایا تھا۔ لیکن اس نے اس کے فرمان کے خلاف کیا جس سے تکلیفوں میں مبتلا ہوئے۔

تدبیر کا وسیع مفہوم

کوئی بڑا کام جو مصلحت کے موافق ہو۔ اس کے سرانجام[2] کرنے کیلئے سہل سے سہل طریقہ اختیار کرنا۔ یا جہاں متعارض قوتیں[3] کا آپسمیں تصادم اور ٹکر اٹھانے کا احتمال ہو۔ اسمیں ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ دونوں قوتیں آپسمیں ٹکر نہ اٹھائیں بلکہ دونوں صحیح سلامت اپنے اپنے راستہ پر چلی جائیں اس کو تدبیر کہا جاتا ہے۔

۱۔ اپنے خواب اپنے بھائیوں۔
۲۔ سرانجام دینے
۳۔ قوتوں کا

جس طرح (حضرت) یوسف علیہ السلام کے قصہ میں دو متعارض قوتیں ہیں۔

ایک قوت بھائیوں کی ہے وہ چاہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور (حضرت) اسحاق اور (حضرت) یعقوب علیہم السلام کی تقریباً تین سو سال (کی) ۳۰۰ محنتوں سے جو عزت احترام اور جماعت کی سرداری اور برکات دنیاوی پیدا کی ہوئی ہیں وہ ہمارے ہاتھ میں رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام تدبیر الٰہی سے مصر نہ پہنچ جاتے تو دو متعارض قوتوں کا ٹکراؤ ہوتا (یعنی ایک بھائیوں کی قوت اور دوسری حضرت یوسف علیہ السلام کی قوت) اور دین خاندان اور جماعت فرقوں میں بٹ کر تباہ ہو جاتی۔

دوسری قوت (حضرت) یوسف علیہ السلام کی ہے جو واقعی بڑی استعداد کے مالک ہیں اور پھر نبوت کا فیصلہ ان کے حق میں ہو چکا ہے۔ صحیح وارث اور جانشین حضرت یعقوب علیہ السلام کے (حضرت) یوسف علیہ السلام ہو سکتے ہیں یہ دو متعارض قوتیں ہیں۔ اگر (حضرت) یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے پاس رہ کر اصلاحی تدبیریں کنعان میں شروع کرتے تو ان کے بھائی ان کی سخت مخالفت کرتے۔ کیونکہ اتنے اعلیٰ سمجھدار نہیں تھے۔

ان کی مثال نواب زادوں اور پیر زادوں کی سی تھی کہ پیدا بھی نواب زادے اور پیر زادے ہوتے ہیں اور مرتے بھی اسی حالت میں ہیں۔ اپنے اندر کوئی لیاقت اور اعلیٰ اخلاق پیدا نہیں کر سکتے۔ نسلی امتیاز پر اپنے آپ کو مستحق سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی ہماری عزت کرتی ہے۔ اور با اخلاق آدمی کو دیکھ کر حسد کی آگ ان کے اندر بھڑک اٹھتی ہے۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام اگر بڑے ہو کر (حضرت) یعقوب علیہ السلام کی حیاتی میں اپنے باپ دادوں کا پروگرام چلاتے تو بھائیوں کی مخالفت کے سبب سے جماعت میں افتراق پیدا ہو جاتا اور ان کی حیاتی میں جماعت فرقوں میں بٹ چلی کر تباہ ہو جاتی

نااہل لوگ جوہر قابل کو دیکھ کر ہمیشہ حسد کی آگ میں جل اٹھتے ہیں اور مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

تدبیرِ الٰہی سے حضرت یوسف[۴] کی صلاحیتوں کا اعتراف ہوا اور بھائیوں کو اپنے گھمنڈ کا انجام ملا۔

اب اس افتراق سے جماعت کو بچانا ضروری تھا اور ایسی تدبیر کی ضرورت تھی کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام (...[۱]) اپنے نصب العین اور آئیڈیل کو بھی کہیں جاکر پورا کر سکیں اور جماعت میں افتراق پیدا نہ ہو۔ اور جو زعم ان کے بھائیوں میں تھا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کمزور اور ناتجربہ کار ہیں وہ جدا جدا کام کرنے سے معلوم ہو جائیگا اور بھائیوں میں جو کچھ گھمنڈ تھا (کہ) ہم لائق اور تجربہ کار ہیں اپنے باپ دادوں کی میراث اور جماعت کو سنبھال سکتے ہیں وہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ کون کس لیاقت کا ہے۔

اسیطرح جب (حضرت) یوسف علیہ السلام جدا میدان میں کام کرتے رہے اور کامیاب ہو جائینگے تو بھائیوں میں جو تکبر اور گھمنڈ اور بے راہ روی تھی نکل سکتی تھی اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کی کامیابی سے نالائقی[۲] کا علم آسکتا تھا اور پھر (حضرت یوسف علیہ السلام کے تابع ہو کر سدھر سکتے تھے ورنہ انکا (حضرت) یوسف[۴] سے ہدایت حاصل کرنا ناممکن تھا۔

اب اللہ تعالیٰ ایسی تدبیر کرتا ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کے علم اور استعداد اور لیاقت کا بھی شہرہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کو مصر کا میدان ہاتھ لگ جاتا ہے اور اسکے بھائیوں کے ہاتھ باپ دادوں کا میدان چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جسمیں وہ اپنی کارگزاری دکھا سکیں۔ پھر دیکھا جائیگا کہ بھائیوں کو تیار شدہ جماعت جو تین نبیوں نے پے در پے کوشش کرنے سے پیدا کی تھی اور اطاعت گزار تھی۔ وہ جماعت ان کے ہاتھ میں آتی ہے یا نہ[۳]) اور وہ جماعت انکو سردار مانتی ہے یا نہیں اور جماعت میں انکی ساکھ رہتی ہے یا نہیں اور حضرت یوسف[۴]

۱- میں
۲- آ ہنر اپنی نالائقی ثابت ہو سکتی تھی
۳ نہیں

کو نیا میدان دیا جاتا ہے اور زمین ہموار کرنی پڑتی ہے اور جماعت میں نئے سرے سے تنظیم کرنی پڑتی ہے اور پھر (حضرت) ابراہیم علیہ السلام اور (حضرت) اسحاق علیہ السلام اور (حضرت) یعقوب علیہ السلام کا اصلاحی پروگرام معاشی اور اقتصادی چلانا پڑتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے تو ان دونوں قوتوں کے بعد کامیابی کے[1] عظیم الشان فرق محسوس ہوگا

قریش کے پروگرام کی بنیاد سرمایہ داری اور بت پرستی پر تھی۔

اسیطرح ایک پروگرام قریش مکہ کا تھا جس پر وہ عرب کو متحد بنانا چاہتے تھے اور ان کے پروگرام کی بنیاد سرمایہ داری اور بتوں کی پرستش پر تھی اور قبیلوں کو منسلک کرنے کیلئے ہر ایک قبیلہ کا بت بیت اللہ میں رکھوا دیا تھا۔ کہ موسم حج میں سب قبائل جمع ہوں اور اپنے اپنے بتوں کی پرستش جسطرح ان کو قریش سمجھا یا کریں کرتے رہیں۔

اسطرح وہ قبائل قریش کی سرداری تسلیم کریں اور اس اتحاد کی بنا پر اقوام عالم پر سردار بننے کا خیالی پلاؤ پکاتے تھے اور اصلاح کرنا چاہتے تھے، اور کسی قدر اتحاد بھی پیدا کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کی بنیاد توحید۔ عدالت۔ مساوات۔ مظلوم و غرباء کی امداد اور سرمایہ شکنی پر تھی ـــ

دوسرے طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ[2] کی جماعت کا اصلاحی پروگرام، جسکی بنیاد توحید الٰہی اور عدالت اور مساوات اور مظلوم رعایا و غرباء کی امداد اور سرمایہ شکنی پر تھی اور دونوں طاقتیں ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ اور قریش مکہ کا پروگرام (۔[3]) عقلی قوانین پر مبنی نہ تھا۔ نہ اس میں کوئی علمی و عملی ترقی کا راستہ و طریقہ نظر آتا تھا اور وہ معاشی اور اقتصادی پہلوؤں سے خالی تھا۔ اسلئے ٹوٹنے لگا اور سمجھدار

پروگرام

۱۔ کا
۲۔ آپ ﷺ کی
۳۔ کسی

قریش کے سردار اپنے پروگرام کو ناکام ہوتے دیکھکر غصے سے آگ بگولہ ہوگئے۔

عقلمند اس کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی جماعت کے پروگرام میں روز بروز جمع ہوتے جاتے تھے۔ جب یہ حالت پیدا ہوگئی تو قریشیوں کے سرداروں کی ضد کا نقر بیٹھا او پر چڑھنے لگا اور کہنے لگے کہ اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ آلایہ

یعنی تم مسلمان بڑے کم بخت ہو تمہارے پروگرام سے ہمارا پروگرام ٹوٹ رہا ہے۔

مسلمانوں کو اپنا پروگرام ترک کر دینے کی دھمکی۔

لَئِن لَّمۡ تَنتَهُوا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ سٓو یعنی اگر تم اپنا پروگرام ترک نہیں کروگے تو تمہارے اور ہمارے درمیان دُو بدُو لڑائی ہوگی۔ اسطرح ٹکر لگنے کا احتمال قوی ہوگیا۔

ان دونوں قوتوں کے ٹکراؤ کا اثر سارے عرب پر پڑنا اور دونوں کا وقار مجروح ہوتا۔

اب اگر مکہ مکرمہ میں دونوں قوتیں ٹکر لگائیں تو اس کا اثر سارے عرب کے لوگوں پر پڑیگا۔ اور دونوں جماعتوں کو عرب سوسائٹی نگاہ بد سے دیکھے گی اور دونوں کا وقار چلا جائیگا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور (حضرت) اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے عرب مکہ مکرمہ کی عزت اور بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حد حرم میں اگر باپ یا بیٹے کا قاتل پناہ لیتا تو مقتول کے وارث اس سے تعرض نہ کرتے تھے اور حرم مکہ میں لڑنا (بڑا گناہ) ناقابل معافی گناہ سمجھتے تھے۔

قصی بن کلاب کے وقت سے جاری شدہ کوششوں کا خاتمہ ہوجاتا اب تدبیر الٰہی کام کرتی ہے کہ مکہ کا میدان قریش کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے پروگرام کو مکمل کرنے کیلئے اپنے ولولے نکالیں اور جس ضد پر قائم ہیں۔ اور (جو) ان کا زعم ہے وہ پورا کر کے دیکھ لیں۔

e² Confrontation

سٓو یٰسٓین ۳۶:۱۸

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی جماعت کیلئے دوسرا میدان مقرر ہوتا ہے کہ وہ وہاں جاکر اپنا کام شروع کریں پھر مقابلہ کرکے دیکھا جائیگا کہ کس فریق کا پروگرام کامیاب ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ کس فریق اور جماعت کا پروگرام واقعی اعلیٰ درجہ کا اصلاحی تھا اور کس فریق کے پروگرام کی بنیاد خود غرضی پر تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام والد کی توجہ کا مرکز بنے تو بھائیوں نے مخالفت شروع کردی۔

جب (حضرت) یعقوب علیہ السلام کی ساری توجہ (حضرت) یوسفؑ پر مرکوز ہو گئی اور اس کی جماعت کی توجہ بھی (حضرت) یوسفؑ کی طرف منعطف ہو گئی اور (حضرت) یوسفؑ کے بھائیوں کے وقار کو سخت ضرب لگی۔ تب اسکے بھائی یہ حالت دیکھکر غصہ سے بھڑک اٹھے پھر آپس میں مل کر کانفرنس کرتے ہیں اور مشورے کرنے لگے کہ

برادران یوسفؑ کا خدشہ :۔

ہمارا باپ (حضرت) یوسفؑ اور اس کے بھائی سے زیادہ پیار اور محبت کرتے ہیں۔ اس پیار اور محبت کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ ہماری عزت اور وقار خاندان اور جماعت میں کم ہو گیا ہے۔ اگر یہ محبت اور پیار کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو یہ دونوں بھائی ہم پر حکومت کرینگے۔ شاید یہ بھی ہو جائے کہ (حضرت) یوسفؑ کو اپنا جانشین (مقرر) کردے۔ اور جو (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) عیلہما السلام کی سنت اور طریقہ تھا کہ بڑا بیٹا ولی عہد ہونے کا حقدار ہے۔ ہمارا باپ اس کے برخلاف چل کر چھوٹے بیٹے کو ولی عہد بناکر ہم کو حکم دیدے (کہ) تم انکی اطاعت اور فرمانبرداری کرو

اور آگے جو پیشین گوئی[1] ہمارے خاندان میں چلی آرہی ہے کہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ بادشاہی اور فوجی حکومت عطا کریگا۔

برادران یوسف کا زعم۔ فوجی طاقت ہم میں ہے اور ہم تمام خاندان کا کاروبار جوابداری[2] اور ذمہ واری کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ ہم دس بھائی بڑے جوانمرد آزمودہ کار ہیں۔ آپسمیں ایک دوسرے کے عمل کے جوابدار ہیں اور لشکر کشی اور لشکر شکنی کا مادہ اور طاقت رکھنے والے ہیں اور قوموں کا نشیب و فراز سمجھنے والے ہیں اور لڑائی اور جنگی قوانین کے ماہر ہیں اور جہاں گیری اور جہانداری کے اسلوب ہم جانتے ہیں۔

برادران یوسف کا حسد (حضرت) یوسف علیہ السلام کے متعلق انکا کہنا ہے کہ یہ لڑکا ناتجربہ کار جو لڑکیوں کی طرح پرورش پا رہا ہے وہ کس طرح میدان جنگ میں لشکر کا انتظام کرسکیگا۔ جس کو نہ قوموں کے عروج و زوال کی واقفیت ہے نہ اپنے خاندان میں اس کا وقار ہے نہ اس کو جماعت کی طاقت کا اندازہ ہے اور نہ جماعت سے وہ ملتا جلتا ہے اور خاندان اور جماعت کی سنبھال ہم کررہے ہیں۔ اسلیئے باپ کو چاہیے تھا کہ (حضرت) یوسفؑ سے اتنا پیار محبت اور عزت نہ کرتے جس سے ہمارے وقار اور عزت کو ضرب لگے۔ اب ہمارے وقار کو سخت ضرب لگی ہے۔ نہ خاندان میں عزت ہے اور نہ جماعت میں اور جماعت کا ہر فرد ہم سے گفتگو نہیں کرتا۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہم ہی سردار تھے۔ اپنی جماعت اور غیر قوموں میں ہم اصلاح و تہذیب کا کاروبار کرتے تھے۔ اور جس طریقہ پر ہمارے باپ دادا (حضرت) ابراہیمؑ اور (حضرت) اسحاق علیہ السلام چلتے تھے اس طریقہ کو ہمارے باپ نے چھوڑ دیا ہے۔ بڑے بیٹوں سے توجہ ہٹادی ہے اور ساری توجہ ایک ناتجربہ کار لڑکے

۱۔ پیشے
۲۔ جوابداری

کی طرف پھیر دی ہے ۔ جنکو نہ موجودہ حالات کی[1] واقفیت ہے نہ استقبال کی طرف توجہ ہے ۔ ہمارے خاندان کا مستقبل ہمکو تاریک نظر آتا ہے ۔ ہمارا باپ غلط راستہ اختیار کر رہے ہیں ۔ ہمارے باپ (کو) چاہیے تھا کہ ہمکو آگے بڑھا کر جماعت میں ہمارا اقتدار قائم کرتے ۔ جیسے ہمارے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام نے ہمارے باپ کا اقتدار قائم کیا تھا ۔ ہمارا باپ[2] (حضرت) یوسف علیہ السلام کی محبت میں پھنس کر اپنا دماغ اور عقل بے کار کر دیا ہے اور ظاہر باہر گمراہ ہوگئے ہیں (حضرت) یوسف ع کے بھائی اپنی کانفرنس (میں) ایسی باتیں کرتے کرتے مغلوب الغضب ہو جاتے ہیں اور اپنے حسد کی آگ کو الفاظوں کی ہوا سے بھڑکاتے ہیں ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پروگرام یہ تھا کہ ہماری سرداری قائم رہے اور انسانی سوسائٹی خاص کر اپنے خاندان یا جماعت کیلئے کوئی اصلاحی پروگرام ان کے پاس نہ تھا ۔ نہ اپنے باپ کی اصلاح اور حکمت کو سمجھتے تھے نہ باپ کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے ۔ فقط اپنی کبر سنی کو اپنا فخر سمجھتے تھے ۔

مقولہ ہے کہ۔ [1] بلوغ بعقل است نہ بسال
عزت و احترام با اخلاق است نہ بمال

یہ بھائی دراصل نابالغ ناتجربہ کار کم عقل ہیں ۔
اسیطرح سرداران قریش کا حال تھا ۔

---

[1] بزرگی بعقل است نہ بسال ۔ توانگری بدل است نہ بمال گلستان سعدی

۱ اس سے
۲ ہمارے باپنے

سردارانِ قریش مال اور کبر سنی کی وجہ سے قائد قوم ہونے کے دعویدار تھے

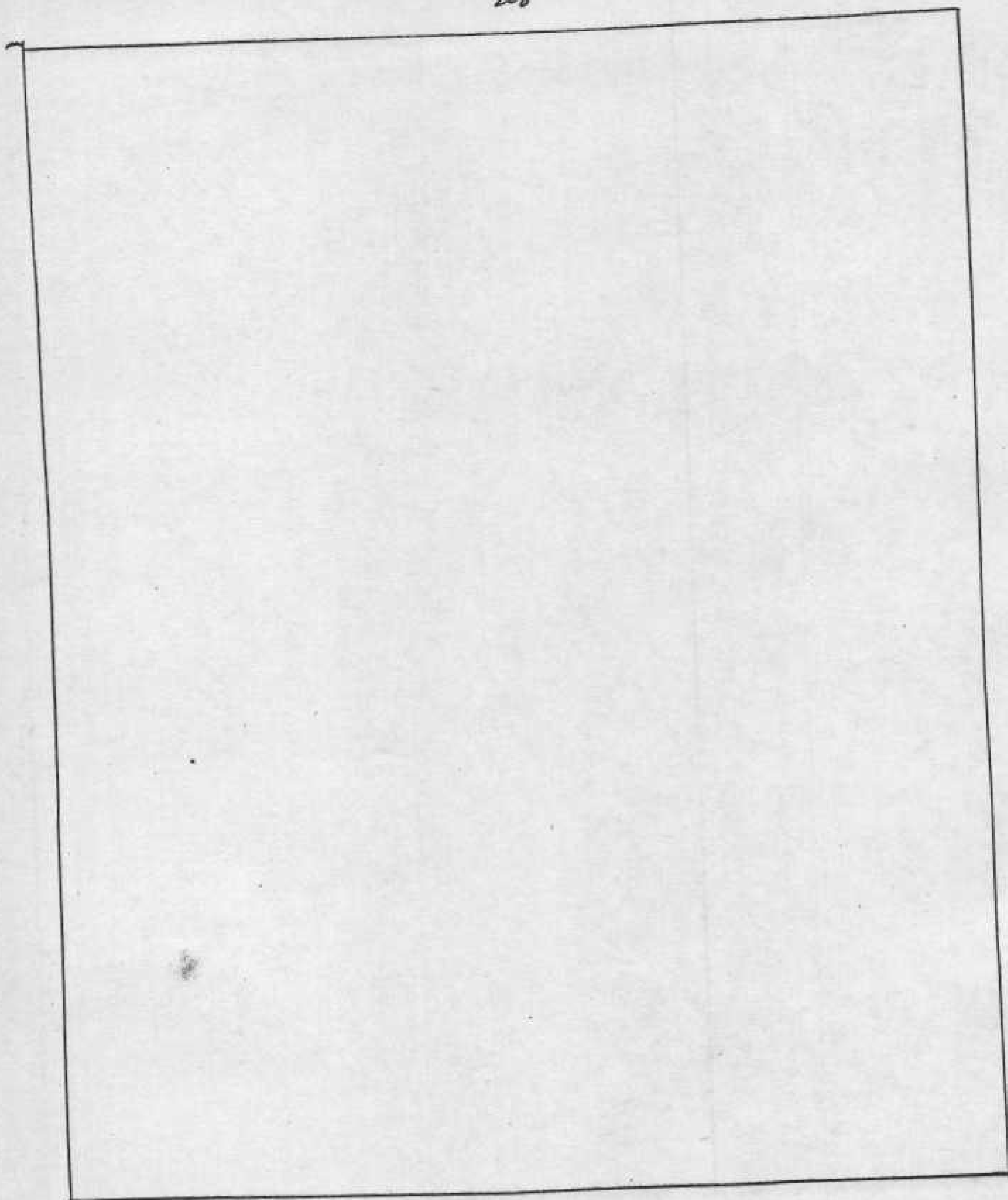
ابوجہل و امیہ بن خلف اور ابولہب وغیرہ اپنے مال اور کبر سنی کو اپنی عزت و احترام اور قائد قوم ہونے کا باعث سمجھتے بیٹھے تھے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہوتے تھے۔ نہ انکے پروگرام کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ نہ اقوام عالم میں جو انقلابات برپا تھے اسکی طرف انکا دھیان تھا۔ انکو ضد اور حسد اسپر تھا کہ کہ ان کے اقتدار کو ضرب لگ رہی تھی اور عرب سوسائٹی ان کی سرداری سے منحرف ہوتے جاتے تھے[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروگرام کو غور سے مطالعہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی طرف مائل ہوتے جاتے تھے

اس کانفرنس میں دس بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے مل بیٹھکر مصلحت کرتے ہیں۔ ان کے ناموں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ روبن ۲ شمعون ۳ لاوی ۴ یہودا ۵ اشکار
۶۔ زبلون۔ ان کی والدہ لیاہ بیگم آزاد (حرۃ) تھی۔
۷۔ دان ۸۔ نفتالین ان کی والدہ ماجدہ بی بی بلھہ لونڈی تھی
۹۔ جد ۱۰۔ آشر۔ ان کی والدہ ماجدہ بی بی زلفہ تھی جو لونڈی تھی۔

اس کانفرنس میں یہ بات طے ہوتی ہے۔

۱۔ ہوتی جاتی تھی



برادران یوسف کی سازش

آیت نمبر 9

اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ

ترجمہ: مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں تاکہ خالص رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی اور اس کے بعد صالح (اصلاح کرنے والے) لوگوں میں سے بن جاؤ۔

تشریح: قوماً صالحین ۔ سورۃ الانبیاء میں ہے۔ وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۔ الانبیاء ۲۱: ۷۲
اسی سورت میں ہے۔ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ الانبیاء ۔ ۲۱: ۸۵
اور سورت عنکبوت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں قرآن حکیم فرماتا ہے
وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ عنکبوت ۲۹: ۲۷
یہاں صالحین کی جماعت کی تعریف کرنا اور اس کو سمجھنا ضروری ہوا۔
اس لئے صالحین جماعت کے متعلق بیان کرنا ضروری ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک ملکیت کا مفہوم۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ ہر انسان میں دو قوتیں موجود ہیں ایک قوت کا نام ملکیت ہے اور دوسری قوت کا نام بہیمیت ہے۔ انسان میں جو قوت عقل اور ادراک اور فوائد عامہ کو سوچنے والی[1] روحانی طاقت جس کے سبب سے انسان باقی حیوانوں سے ممیز ہے۔ اس کا نام ملکیت ہے۔

۱۔ سوچنے والی

بہیمیت کا مفہوم : اور کھانا پینا غصہ اور تکبر اور شہوت سے لڑنا[1] جھگڑنا اور خود غرض اور ضعیف پر حملہ کرنا اور زور[2] سے ڈرنا وغیرہ قوت جسمانی کو بہیمیت کہتے ہیں

اور پھر فرماتے ہیں کہ انسان میں ملکی قوت دو درجوں پر پیدا کی گئی ہے۔ پہلا درجہ ملاء اعلیٰ کے مناسب ہے۔ جنکی عادت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے علموں سے پورا پورا رنگ حاصل کرتے ہیں وہ ان صفتوں کی باریکیوں کو پہچان لیتے ہیں۔ جن کا نظام عالم کے چلانے میں دخل ہے۔ اور جو نیا نظام قائم کرنا مقصود ہوتا ہے وہ اسے ہر پہلو سے مکمل طور پر سمجھ لیتے ہیں اور پھر اسے عمل میں لانے میں اپنی ساری ھمت صرف کر دیتے ہیں۔ تو جن آدمیوں میں اعلیٰ درجہ کی ملکیت ہوتی ہے وہ بھی اسیطرح کرتے ہیں اور ایسے ہی کاموں کو پسند کرتے ہیں یہ اعلیٰ درجہ کی ملکیت ہے۔

ملکیت کے دو درجے ہوتے ہیں۔

دوسرے درجہ کی ملکیت وہ ہوتی ہے جو نچلے درجوں کے فرشتوں کی شان کے لائق ہے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ اوپر سے جو خواہش آتی ہے وہ اُسی سے بھرپور ہوجاتے ہیں۔ انہیں اُس نظام کا پورا علم نہیں ہوتا نہ ان کی ھمت اسے وجود میں لانے کی طرف ازخود متوجہ ہوتی ہے۔ اور نہ اُنھیں اوپر کے درجہ کے فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ البتہ انھیں نورانیت ضرور ہوتی ہے اور وہ حیوانی نجاستوں اور ناپاکیوں سے الگ رہ سکتے ہیں بعض انسان بھی ایسے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی وہ خود تو کوئی نظام نہیں سوچ سکتے لیکن اچھا

۱۔ لڑنا جھگڑنا
۲۔ طاقت

نظام سوچنے والوں سے اثر لیتے ہیں اور ان کے ساتھ ملکر کام کرتے ہیں
ایسے ہی آدمی اب انبیاء اور اولیاء - محدثین - محدثین اور عقل مندوں
کے جو نظام جہان کے چلانے والے ہوتے ہیں - ان کی اطاعت اور تابعداری
کرتے ہیں وہ علموں کو ان کی صورت اور شکل میں محفوظ رکھتے ہیں
جیسے طالب علم اپنے استاد کی تقریروں اور تحریروں کو یاد رکھتے ہیں -
اگر ان کے پاس کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا ہے تو فتاویٰ کی کتاب جیسے
درمختار کھول کر بتا دیتے ہیں - اپنی طرف سے قواعد کلیہ سے استنباط نہیں کر
سکتے

جیسے ادنیٰ درجے کے مجسٹریٹ تعزیرات ہند سے دفعہ نکالکر فتویٰ صادر
کرتے ہیں - ایسے عام انسان پیدا ہوتے ہیں (جو) بتائی ہوئی باتوں پر بڑے
زور شور سے عمل کرتے ہیں اور اسی کو کمال سمجھتے ہیں - یہ ملکیت ادنیٰ درجہ کی ہے

بہیمیت کے مدارج .

اسی طرح بہیمیت (حیوانی قوت) بھی انسان میں دو درجوں میں ظاہر
ہوتی ہے

۱ - پہلا درجہ شدید بہیمیت کا ہے یعنی طاقتور اور زوردار حیوانیت کا
جیسے نر جانور جس نے پوری غذا کھائی اور پوری تدبیر کے ساتھ پرورش پائی - اس
کا جسم بہت بڑا ہوتا ہے اور نہایت مضبوط اور طاقتور ہوتا ہے - اس کی آواز
بہت اونچی ہوتی ہے اور حملہ کرتا ہے تو بڑے زور سے کرتا ہے جس کام کا ارادہ کر
لیتا ہے اسے کئے بغیر نہیں ٹلتا - اسکی طبیعت میں اپنے ہم نوع پر
فخر بھی ہوتا ہے یعنی اپنے آپ کو انکا سردار سمجھتا ہے -

اسمیں غصہ اور شہوت (بڑے زور دار کے ہوتے ہیں)[1] اور اپنا غلبہ قائم کرنا چاہتا ہے اور وہ بڑے دل والا ہوتا ہے - جس انسان میں شدید بہیمیت ہو اس میں ایسی ہی باتیں پائی جاتی ہیں -

۲- (دوسرا درجہ) - دوسرا بہیمیت کا کمزور درجہ ہوتا ہے جیسے خصی - ناقص اعضاء والا جانور جو بھوک اور نامناسب تدبیر میں پرورش پائے - اس کا جسم کمزور ہوتا ہے - آواز باریک ہوتی ہے - حملہ کرنے میں بزدل ہوتا ہے - وہ دوسروں پر غلبہ پانے اور فتح حاصل کرنے کا خیال بھی جی میں نہیں لاتا - جس انسان میں بہیمیت کمزور ہوتی ہے اسمیں ایسے ہی اوصاف ہونگے - یہ بات جسم کے چھوٹے بڑے ہونے پر منحصر نہیں اعمالوں کو دیکھا جاتا ہے - اندرونی جذبات کو عملی آثاروں سے پہچانا جاتا ہے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ اولیاء کرام اندرونی جذبات اور خطرات کو بغیر عملی آثار کے معلوم کر لیتے ہیں -

جاننا چاہیئے ، ملکیت اعلیٰ کے بہت سے مدارج ہیں اور اسطرح نچلے (درجے) کی ملکیت کے بھی بہت زیادہ اقسام ہیں - اسیطرح بہیمیت شدیدہ کے اور کمزور بہیمیت کے بھی بہت مختلف مدارج ہیں -

زیادہ تفصیل اور ہر قسم کے خصائص کیلئے حجۃ اللہ البالغہ میں مطالعہ کرنا چاہیئے یہاں جو ہماری آگے متعلق ہے وہ بیان کرتے ہیں -

۱- بڑے زور دار طرح کے ہوتے ہیں -

جس انسان میں ملکیت اعلیٰ قسم کی ہے اور بہمیت بھی شدیدہ ہے اور پھر ان کی ملکیت اور بہمیت میں صلح ہے یعنی جو ملکیت کے اقتضاء میں انکے پورا کرنے کیلئے بہمیت مخالفت نہیں کرتی بلکہ امداد دیتی ہے اور پھر ملکیت کا رنگ قبول کرلیتی ہے۔ انکے اثرات کو اپنے نسمہ میں یاد رکھتی ہے بھلا نہیں دیتی اور بہمیت کے جائز اقتضاء کو ملکیت بھی نہیں روکتی اور بہمیت ایسے اقتضاء کو ملکیت کے مخالف ہوں اپنے آپ کو روک لیتی ہے۔ ملکیت کے مخالف اقتضاؤں (کی) طرف نظر بھی نہیں کرتی۔

یہ ہے معنی (مفہوم) مطلب کہ ایسے شخص کی ملکیت اور بہمیت میں صلح ہے ایسے اشخاص اور جماعت کو صالحین کی جماعت کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں میں سے انبیاء اور اولیاء اور صدیقین اور محدثین پیدا ہوتے ہیں ایسے ہی لوگ راسخین فی العلم ہوتے ہیں اور عرفان کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ سردار بالطبع ہوتے ہیں۔ اب قوماً صالحین کے جملہ کا مطلب ہوگیا وللہ الحمد۔

جس شخص کی ملکیت اور بہمیت دونوں اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ مگر اس کی طبع میں تجاذب ہے اگر وہ ملکیت کی طرف اُلٹ پڑا اور بہمیت کے اقتضاءات کو کمزور کردیا تو ایسے شخص مجاذیب اولیاؤں میں سے ہوتے ہیں۔ علم اور عرفان کی حقیقت اور ذات صفات کی باریکیوں میں ماہر ہونگے مگر آداب شریعت اور نظام سوسائٹی کی پرواہ نہیں کرینگے۔ اگر انہوں نے ملکیت سے رُخ پھیر کر بہمیت میں منہمک ہوگئے تو دجال اور فرعون اور ابوجہل ہونگے

اسطرح تقسیم کرتے جاؤ (کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی کہہ رہے ہیں -

آیت کی تشریح -

اب آیت شریفہ کی تشریح کرتے ہیں -

کہ یوسف کی محبت میں ہمارا باپ گمراہ ہوگیا اور باپ دادوں کا طریقہ ترک کر دیا۔ اب اس خفیہ کمیٹی میں اپنی اپنی رائے آزادی سے پیش کرتے ہیں کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ جس سے ہمارے باپ کی توجہ (حضرت) یوسف علیہ السلام سے ہٹ جائے اور خالص ہماری طرف توجہ پھیر دے اور ہماری تکمیل میں کوشاں رہے تاکہ جماعت اور خاندان کا رُخ ہماری طرف رجوع ہو جائے تاکہ ہم انہیں اصلاح کریں ورنہ جماعت اور ہمارا خاندان برباد ہو جائیگا۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام نابالغ لڑکا ہے - ہمارے باپ کی توجہ بھی (حضرت) یوسف علیہ السلام کی طرف ابتدائی درجہ پر ہے - اگر اس وقت تدارک نہ کیا گیا تو مستقبل میں خطرناک صورت پیدا ہو جائیگی۔

؟ ۶۷/

- بیت - درختے کہ اکنوں گرفت است پائے \ بہ نیروی شخصے برآید زجائے

یہ بات بھی مسلم ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کی موجودگی میں ہمارا باپ ہماری طرف ایسی توجہ نہیں کریگا جس طرح (حضرت) یوسف علیہ السلام سے کرتے رہتے ہیں۔ اس بارے میں خفیہ کمیٹی کا اجلاس ہوتا ہے اور رائے طلب کی جاتی ہے۔ دس بھائی یک زبان ہوکر کہتے ہیں کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کے قتل کرنے کے سوا کوئی علاج نہیں - علاج فقط یہ ہے کہ اسکو قتل کر دو۔

لے گلستان سعدی باب صفحہ

یہ رائے اس کمیٹی (میں) پاس کرتے ہیں مگر اس کے بعد ان کا ضمیر اور کانشس
(Conscience) ان کو ملامت کرتا ہے کہ ایسا بُرا فعل اور کبیرہ گناہ اور قتل ناحق
وہ بھی خود غرضی کی بنا پر تمہاری خاندانی تین سو سالہ تاریخ میں کبھی
واقعہ نہیں ہوا اور اپنے معصوم بھائی کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا نہایت
کمزوری دماغ پر دلالت کرتا ہے ۔ یہ ارتکاب ہماری بزدلی اور بے شرمی
کی دلیل ہے پھر ایک دوسرے کا منہ تکتے ہیں اور پھر یک زبان و کلام ہو کر
کہتے ہیں اگر قتل کرنے پر تم مستعد نہیں ہوتے تو کم از کم (حضرت) یوسف علیہ السلام
کو ایسے ملک میں پھینک دو جہاں سے وہ واپس نہ آ سکے جیسے حبشہ یا کسی
سمندر کے جزیرہ وغیرہ میں ۔ ان دو باتوں سے ایک پر عمل کرو ۔ اگر قتل کرنا
تمکو ناپسندیدہ فعل نظر آتا ہے تو ملک بیگانی[1] میں تو اتنا گناہ نہیں ۔ وہ
زندہ رہیگا اور اپنی استعداد کے موافق کام کرتا رہیگا ۔ اگر ایسی استعداد ہے
بھائی کہہ رہے ہیں کہ ہمکو (حضرت) یوسف علیہ السلام میں کچھ استعداد معلوم نہیں ہوتی ۔
آپسمیں کہہ رہے ہیں کہ ہمارے[2] مقصود یہ ہے کہ ہمارے باپ کی توجہ خالص
ہماری طرف پھر جائے وہ (حضرت) یوسف ؑ کی موجودگی میں ناممکن ہے ۔ جب (حضرت)
یوسف ؑ نہ رہیگا[x] اور جماعت اور خاندان کا انتظام ہم کریں گے اور غیر قوموں
میں ہم ہی اپنے مذہب و ملت اور معاشی و اقتصادی پروگرام چلائیں گے اور
جماعت صالحین میں ہمارا شمار ہوگا ۔

x تو ہمارا باپ یعقوب علیہ السلام اپنی موجودہ سیاست چلانے کیلئے اور جماعت میں اور خاندان
میں انتظام کا سلسلہ مضبوط کرنے کیلئے ہم ہی کو منتخب کریگا ۔

۱ ۔ ملک بعید
۲ ۔ ہمارا

اپنی جماعت ہو یا غیر اقوام ہوں سب کا مرجع و ماویٰ ہم ہی بن جاوئیں گے جس طرح باپ کا حکم ہوگا۔ غیر قوموں کو اور جماعت کو اسی حکم کے موافق چلا کر متمدن فوجی حکومت قائم کر دیں گے۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام کے عقل سنبھالنے سے قبل ہم ہی اصلاح کر رہے تھے۔ اپنا خاندان اور اپنی جماعت ہمکو صالحہ جماعت سمجھتی تھی۔ اگر کوئی کانٹا ہماری راہ پر ہے تو وہ (حضرت) یوسف علیہ السلام ہے۔ اس کا نکالنا ضروری ہے باقی رہے بنیامین۔ وہ خورد سالہ ہے اس میں ابتک سمجھ بھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہمارے باپ کی محبت اس سے فقط پدری محبت ہے اور بنیامین میں آثار سرداری کے نظر بھی نہیں آتے۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام ہر وقت ہمارے باپ کی مجلس میں رہتا ہے اور اس کی طبیعت کے موافق ہمارا باپ باتیں کرتا ہے۔ اگر ہم مجلس میں موجود ہوتے ہیں تو ہماری ذہنیت کے موافق یا ہماری مرضی کے موافق کوئی گفتگو نہیں فرماتے۔ اسلئے ہم نے اپنے باپ کی مجلس سے استفادہ حاصل کرنا ترک کر دیا ہے۔

وتکونوا من بعدہ قوماً صالحین۔ کے جملہ کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ قتل کرنے کے بعد توبہ کر کے صالح بن جاوئیں گے بلکہ یہاں محض سیاست کا چل رہا ہے[1]۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ سیاست اور سلطنتی[2] کاموں میں اگر کوئی کتنا ہی زاہد آدمی کیوں نہ ہو یا بڑے عقل اور سرمایہ والا کیوں نہ ہو مگر وہ ترقی کے راستہ میں رکاوٹ بن جاوے تو اس کو برداشت نہیں کیا جا سکتا اور ایسے لوگوں کو قتل کر دینا کوئی عیب شمار نہیں کیا جاتا بلکہ عین ثواب گنا جاتا ہے۔

۱۔ سیاست کی چل رہی ہے

۲۔ حکومتی

کیونکہ مصلحت کے موافق ہے اور جماعت اور انسانی ترقی کے راستہ کو صاف کرنا انسانی خدمت شمار کی جاتی ہے۔

اجتماعی انسانی ترقی کے روستہ کو صاف کرنا انسانی خدمت شمار کی جاتی ہے۔

مثلاً ایک چور یا ڈاکو بڑا زاہد اور عابد ہے اور چوری اسلئے کرتا ہے کہ غریبوں کو کھلائے تو عقلمند انسانی سوسائٹی کا خیر خواہ آدمی اسکو قتل کرنا اپنے فرائض انسانیت سے تصور کرتا ہے۔ اس سے تاریخ کے ورق[1] بھرے پڑے ہیں انقلابی جماعتیں اس فعل کو جرم تصور نہیں کرتیں۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو قتل کرنا یا ایک ملک سے باہر پھینکنا کوئی گناہ خیال کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے زعم ناقص میں نیک نیتی سے کام کر رہے تھے۔ ایک تو حکومت اور سرداری حاصل کرنے کیلئے دوسرا قوم اور جماعت کو ترقی دینے کیلئے تیسرا غیر قوموں اور اپنی جماعت میں اصلاح کرنے کیلئے چوتھا (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) اسحاق علیہما السلام کے پروگرام کو مکمل کرنا چاہتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہمارے راستہ میں فقط (حضرت) یوسف کا نٹا ہے جسکو نکالنا ضروری ہے۔ اسطرح وہ اپنے زعم میں بڑا نیک کام بڑی نیک نیت[2] سے کر رہے تھے۔ گو ان کی سمجھ ناقص تھی اور حقیقت کو نہ سمجھ سکتے تھے۔

یہ معنی ہے قوماً صالحین کا۔ بڑے کاموں کے سرانجام کرنیکے[3] لئے چھوٹے نقصان کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اب ہم اسلامی تاریخ کا حوالہ دیتے ہیں

۱۔ اوراق
۲۔ نیک نیتی
۳۔ دینے کیلئے

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن اشرف یہودی کا سیاست کی بنا پر قتل کرایا تھا ۔ کیونکہ یہ بڑا دولتمند تھا اور سب عرب قبائل کو اکٹھا کر کے مسلمانوں کے برخلاف جنگ کے لئے آمادہ کر رہا تھا اور بغاوت کا بیج پھیلا[1] رہا تھا ۔ جنگ کا خرچہ اپنے ذمہ لیا تھا ۔ یہ واقعہ قبل از جنگ خندق کا ہے ۔

تاریخ ابن کثیر جلد چہارم

دوسرا واقعہ سیاسی قتل کا سلام بن ابو الحقیق یہودی کا تھا ۔ یہ واقعہ غزوہ خندق کے بعد کا ہے ۔ کیونکہ خندق کی ناکامیابی[2] کا بدلہ لینے کیلئے دوسری جنگ کی تیاری میں تھا ۔ ابن کثیر جلد چہارم ۔

تیسرا سیاسی قتل خالد بن سفیان بن نبیح الھذلی کا ہے ۔ یہ خندق کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور لشکر کی تیاری میں مصروف تھا ۔ تاریخ ابن کثیر جلد چہارم

معاشرے کے دشمنوں کو راستہ سے ہٹانا
سوسائٹی پر احسان ہے ۔

نبی اور اس کے وارثین کا طریقہ اصلاح اجتماعیت اور سوسائٹی کا اسطرح ہوتا ہے کہ مخالف طاقتوں کو آہستہ آہستہ ہٹاتے جاتے ہیں اور مخالف طاقتوں کو ساتھ ملاتے جاتے ہیں ۔

اسطرح اگر کوئی مصلح انقلابی مخالف طاقت کو راستہ سے ہٹائے تو اس پر افسوس نہ کرنا چاہیے ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ مخالف طاقتوں کے ہٹنے سے اب موافق طاقتیں جلدی ترقی کریں گی ۔

جیسے ماہر ڈاکٹر کسی مہلک مرض کے باعث کسی انسان کا کوئی عضو کاٹ دے تو اس بریدہ عضو پر افسوس نہ کرنا چاہیے بلکہ شکر کرنا چاہیے کہ مریض نے شفا پائی لعد

1 - بیج بو رہا تھا ۔
2 - ناکامی

جسم کے دوسرے اعضاء اس مہلک مرض کے اثر سے بچ گئے ۔

قریش اور برادران یوسف[۲] کے انتقامی پروگرام میں مماثلت —

اسطرح قریشیوں[۱] نے بھی یہی سوچا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کرنے (کے) بغیر سوسائٹی کی توجہ ہماری طرف نہیں پھر سکتی ۔ عرب لوگ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروگرام اور کلام پاک پر روز بروز زیادہ فریفتہ ہو رہے ہیں اور ہمارا اقتدار کمزور ہوتا جا رہا ہے اور ہمارے پروگرام کو شکست در شکست آرہی ہے ۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اندر زندہ رہ گئے تو اسکا اقتدار اور پروگرام عرب پر مسلط ہو جائیگا اور ہم بے کار اور حیرالیے شمار ہونے لگیں گے ۔ اس واسطے ضرور قتل[۱] کر دیا جائے یا قید و بند میں رکھا جائے یا کسی دور ملک میں[۵] نکال دیا جائے

رؤسا و قریشی دارالندوہ میں جو قریشیوں[۲] کا گورنمنٹ ہاؤس تھا جمع ہوکر ان تینوں تدبیروں میں سے ایک پر متفق ہوکر ایک رائے[۳] سے پاس کر دیا آخر سب کا اتفاق قتل کرنے کی تجویز پر ہوا۔

ان بڑے عقل والوں کو حرم کی عزت و احترام کا خیال تک نہ رہا۔ سب مغلوب الغضب ہوگئے ۔ ان کی عقل کی آنکھ پر پردہ پڑ گیا ۔ عرب سوسائٹی میں خویش اقارب پر بڑا رحم کیا جاتا ہے ۔ عربوں میں یہ عادت اور خُلق تھا کہ اگر کسی نے کہہ دیا کہ میں تیرا دور کا یا نزدیک کا خویش ہوں تو اسکو نہ قتل کرتے تھے اور نہ مال غصب کرتے اور لوٹتے تھے اور اگر اُسنے کہا کہ اللہ واسطے مجھ سے درگزر کرو اور معاف کرو تو معاف کر دیتے تھے ۔ اب یہ خصائل گویا انمیں تھے ہی نہیں۔

[illegible] ن ب میں

۱۔ قریش
۲۔ قریش
۳۔ متفقہ طور پر

یہ اعلیٰ خلق بھول گئے۔ یہی اقتدار کے عاشقوں کی عادت ہے اور دنیا کے حریصوں کی سرشت ہے۔ قریشیوں کے زعم باطل میں تھا کہ ہم میں بڑی طاقت ہے اور ہم میں اتفاق ہے۔ حالانکہ مضبوط ترین جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔

قریش کے خلاف ہاتھ نہ اٹھانے کیلئے ہدایت نبوی صلعم۔ اور اس کی مصلحتیں۔

آپؐ نے اپنی جماعت کو بڑی تاکید سے ہدایت فرمائی تھی کہ اگر قریشیوں میں سے کوئی تم سے لڑے یا تمکو قتل کرے یا ایذا دیوے تو صبر کے ساتھ برداشت کرو۔ کسی پر ہاتھ بھی مت اٹھانا۔ یہ ساری تعلیم اسلئے تھی کہ حلم اور برداشت کا مادہ ان کے اندر پختہ ہو جاوے اور ان کے حوصلے بلند رہیں۔

جس تعلیم و تحریک کو آجکل ہندوستان میں ستیا گرہ یا نان کواپریشن سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ تعلیم ہمیشہ کے لئے نہ تھی بلکہ ایک مصلحت[1] خاص وقت کے لئے تھی۔ جس کا مقصود تھا کہ حرم مقدس میں ہم ابتداء لڑائی کا الزام نہ آئے۔ ورنہ اسلامی جماعت میں بڑا انتظام اور نظم ونسق تھا۔ اور بڑی طاقت تھی۔ اگر حضور پاکؐ سے تھوڑا سا بھی اشارہ پاتے تو مخالفین کو کوئی سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ملتی۔

قریش کے دارالندوہ میں بھی دس سردار شریک ہوئے ۔۔۔

اتفاق الٰہی کا کرشمہ ہے کہ دارالندوہ (قریش کا گورنمنٹ ہاؤس) میں قتل کرنے کی تجویز پر جو روساء قریش کے جمع ہوئے تھے وہ بھی دس قبیلوں کے سردار تھے۔

۱۔ بنو مخزوم کا سردار

۲ بنو عدی کا سردار

[1] لڑائی کی ابتداء کرنے کا الزام نہ آئے۔

۳۔ بنو تمیم کا سردار

۴۔ بنی اسد کا رئیس

۵۔ بنی امیہ کا سرپنچ

۶۔ بنی سہیم کا زعیم

۷۔ بنو جمہ کا مشیر

۸۔ بنی عبدالدار کا رئیس

۹۔ بنی کعب کا رئیس

۱۰۔ بنو نوفل کا رئیس

یہ سب رؤساء جمع ہوئے۔ اکثر ان میں آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوگئے تھے مگر بڑے شریر اور سخت مخالف بدر کی لڑائی میں مارے گئے

(حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں ایک بھائی جو اپنے آپکو رحم دل سمجھتا تھا اُس نے یہ تجویز پیش کی کہ :۔

آیت نمبر ۱۰

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ○

ترجمہ:۔ ان میں سے ایک بولا اگر تم کو ایسا ہی کرنا ہے تو تم اس کو (یوسف) قتل مت کرو بلکہ اس کو کسی ویران کنوئیں میں اسطرح ڈالو کہ کوئی آتا جاتا آدمی اُسے لے جائے۔

تشریح:۔ غیابت کا معنی قعر یا قبر ہے غیابت الارض زمین کا وہ نشیبی حصہ جو نظر نہ آئے۔ دید[1] وہاں نہ پہنچ سکے۔ غیابت الجب۔ کنوئیں کی تلیٹی[2] جو گہرائی کی وجہ سے نظر نہ آئے۔ الجب۔ وہ چاہ جو زیادہ گہرا ہو اور اسمیں پانی بھی ہو۔ یَلْتَقِطْهُ التقاط سے مشتق ہے لقط الشی کا معنی (ہے) زمین پر پڑی ہوئی کوئی چیز بلا رنج و محنت سے پالینا اور لقط سکون کے ساتھ یا بتحریک ثانی وہ مال جو پڑا ہوا مل جائے اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔

سیّارہ یعنی سیر و سفر کرنے والے لوگ بعض اوقات اس لفظ کا قافلہ پر بھی اطلاق ہوتا ہے

۱۔ نظر
۲ تہہ/نچلا حصہ

غیابت الجب کی تفصیل —

یہ چاہ (غیابت الجب) جس کی طرف یہ اشارہ کر رہا ہے - حضرت یعقوب علیہ السلام کے ڈیرہ اور مسکن سے پچاس ساٹھ میل دور تھا -

عقبہ بندر (جسکو مدین بھی کہتے ہیں) اور شرق اردن کے درمیان راستہ پر تھا - قافلوں اور مسافروں کا[1] کسی زمانہ[2] (میں) گزرگاہ تھا[3] - مگر (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں قافلوں[4] نے اس اس راستہ کو چھوڑ کر ساحل سمندر کا طریق اختیار کر رکھا تھا -

ساحل سمندر کے راستہ پر میٹھا پانی اور گھاس جانوروں کے لئے مل جاتا تھا - اور غیابت الجب والا راستہ ریگستان تھا - تین چار روز کے بعد کوئی پانی کا چشمہ مل جاتا تھا - اب یہ غیابت الجب اندھیرا کنواں اور چاہ ویراں پڑا رہتا تھا - زہریلی گیس سے پُر تھا - کوئی بھولا بھٹکا مسافر اس پر وارد ہو جاتا تھا اور اس کا پانی بھی قدرے نمکین تھا - زہریلی گیس (...) دور کرنے کی یہ ترکیب کرتے تھے کہ پہلے اس کنویں سے چند ڈول نکال کر باہر پھینکتے تھے - اس کے بعد پانی پینے کے لائق ہو جاتا تھا

تورات کے مطابق کنویں میں ڈالنے کی تجویز بڑے بھائی روبن نے پیش کی —

اب آیت شریف "قال قائل" کے جملہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا نہایت بڑی اور مہلک ... طریقہ بتا رہا[5] ہے

تورات میں ہے کہ بڑے بھائی روبن نے یہ تجویز بتائی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سرداری کا مدعی بھی یہی تھا - جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا دشمن ابوجہل تھا - اس نے قتل کی تجویز پاس کرائی تاکہ ابوجہل کا اقتدار قائم رہے -

۱- کی
۲- زمانے
۳- تھی
۴- اصل نسخہ میں لفظ قافلہ ہے -
۵- کی

حضرت یوسف علیہ السلام کو راستے سے ہٹانے کیلئے بھائیوں کی مختلف تجاویز۔

اسیطرح یوسف علیہ السلام کے متعلق خفیہ مارنے اور ہلاک کرنے کی تجویز بھی بڑا
بھائی پیش کر رہا ہے۔ تاکہ اپنی سرداری کو حرف سے بچائے۔ بڑے بھائی کا مکر بھی
بڑا ہوتا ہے۔ یہ کہنے والا کہ ہم سے قتل کرنے کا ارتکاب اچھا نہیں۔ کیونکہ
تمہارے[1] خاندان میں ایسا کوئی واقعہ نہیں گزرا اور آئندہ بھی ہمارا خاندان
بدنام رہیگا۔ باقی رہی وہ تجویز کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو کسی دور ترین
ملک میں پھینکنا۔ یہ ہم سے نہ ہو سکیگی اگر ہم سے کوئی بھائی تجارت کے بہانے
جائے اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ لے جائے یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ
حضرت یعقوب علیہ السلام ہرگز ہرگز اس پر راضی نہ ہونگے اور نہ یوسف علیہ السلام
باپ کی اجازت کے سوا تمہارے ساتھ جائیگا اور یہاں گزرنے والے قافلوں
کے سپرد بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ سب کے سب قافلے ہمارے باپ کے
حمید احسان میں گرفتار ہیں وہ یوسف علیہ السلام کو خفیہ طور پر کبھی اپنے ساتھ
ہرگز نہ لے جائیں گے۔ یہ سب تجویزیں غلط ہیں۔

برادران یوسف ع کے حالات اور فطری خصلتوں کا بیان۔

درست تدبیر یہ ہے کہ کسی طرح باپ کی اجازت کیساتھ (حضرت)
یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ بکریاں اور مال چرانے کے بہانہ (سے[2]) باہر لے جائیں اور پھر
اس کو اندھیرے چاہ میں جو اب ویران پڑا ہے اور پچاس ساٹھ میل ہم سے
دور ہے ڈال دینا۔ چاہے کوئی مسافر بھی اس کو نکال کر اپنے ساتھ لیجائیگا۔
سب بھائیوں کو یہ تدبیر پسند آئی کیونکہ انکو خوب واضح تھا کہ ویران چاہ
زہریلی گیس والے میں (حضرت) یوسف علیہ السلام زندہ نہیں رہ سکتا۔

۱۔ ہمارے
۱۔ اسکو محذوف ہے

اور شاید زندہ رہے تو بھی جو شخص اسکو نکالیگا اپنا غلام بنا لے جائیگا۔
یا بیچ ڈالیگا۔ انکو (حضرت) یوسف علیہ السلام کی موت کا یقین تھا۔ اسلیئے
انہوں نے یہ رائے پسند کی اور اس پر متفق ہوگئے گویا کہ بھائیوں نے (حضرت)
یوسف علیہ السلام پر یہ بڑی مہربانی کی کہ اپنے ہاتھوں سے انکو ذبح نہیں کیا۔
یہ ہے تدبیر اس کہنے والے کی۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دوسرے کا کپڑا آگ میں ڈالدے
پھر عذر بہانہ یہ کرتا ہے کہ میں نے تیرا کپڑا نہیں جلایا آگ نے جلایا ہے
ہر شخص یہ جانتا ہے کہ یہ بہانہ بے ہودہ ہے۔

اس آیت شریف میں (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے
حالات اور ان کی) فطری خصلتوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ (کسی) ایک کے
دل میں بھی رحم دلی یا خاندانی محبت نہیں ہے۔ سب کے سب مغلوب الغضب
میں انکو اپنے والد بزرگوار کی (۔۔[1]) عزت و احترام کا خیال ہے نہ ان کو یہ فکر
(۔۔۔[2]) ہے کہ انسان کیا بلکہ ہر حیوان کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے اور
اولاد گم ہونے سے ان کی حالت ہمیشہ پریشان رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں
میں یوں کہا جاتا ہے کہ ایسے انسان نما۔ درندوں سے بھی بدتر (ہے[3]) اور
ان کو اپنی عاقبت کا بھی خیال نہ رہا تھا کہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام اور
اسکا خاندان اور اس کی جماعت ان بھائیوں کو کس نظر سے دیکھیں گے
اور ان کا وقار کس قدر زائل ہو جائیگا۔ غصہ کی حالت میں نہ ان میں
عقل رہی نہ (انکو[4]) حقوق سوسائٹی پر نظر رہی نہ انکو اپنی عاقبت کا خیال
رہا۔

۱۔ سے نہ
۲۔ آتا ہے
۳۔ ہیں۔
۴۔ آنکی

سرداری کیلئے علم اور تدبیر جیسی خصوصیات درکار ہوتی ہیں - خود غرضی اور فوری جوش جیسی عادت کے مالک سرداری کے لائق نہیں ہوتے.

حیوانوں کی طرح خود غرضی اور فوری جوش کو پورا کرنا تھا تو ایسے لوگ کہاں سرداری کر سکتے ہیں - ایسے لوگ خاندانی وقار قائم نہیں رکھ سکتے - بلکہ خاندان اور جماعت کو تباہ کر ڈالتے ہیں - حالت یہ تھی اور دعوٰی اصلاح کا کرتے ہیں -

اسطرح قریشیوں کی حالت پر غور کرو کہ ان کو شوق تو سارے عرب پر حکومت کرنے کا تھا اور اپنے قریشیوں میں رواداری کی یہ حالت تھی

قریش اور برادران یوسف میں سرداری کے حصول کا جذبہ ایک طور مشترک ہے -

کہ اگر کوئی عقلمند آدمی انکے مذہب یا سوشل حالات پر نقطہ چینی کرتا یا ان کے پروگرام سے کوئی اچھا پروگرام پیش کرتا تو اس پر آگ بگولہ ہو جاتے جیسے سرمایہ داروں کی عادت ہے - مذھب یا ملت یا سرداری کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں - اپنے باپ دادوں کے غلط قدم پر چلنا اپنا فخر سمجھتے ہیں -

قریش میں قومی فخر عروج پر تھا. دوسری قوموں کو برہمنوں کی طرح) ناپاک اور بے عقل سمجھتے تھے - یہاں تک کہ آفاقی لوگوں کو جو حج پر آتے تھے

زمانہ قبل از اسلام میں ننگے طواف کرنے میں قریش کا کردار

کہتے تھے طواف بیت اللہ کرنے سے تم پاک ہو سکتے ہو مگر تمہارے کپڑے ناپاک ہیں - پھر جن کو قریش کپڑے دیتے وہ تو طواف کپڑوں میں کرتا ورنہ وہ ننگے برھنہ ہوکر مرد ہو یا عورت طواف کرتے -

قریش کے برہنہ طواف اور ہندوؤں کے برہنہ غسل میں مماثلت -

جیسے ہردوار گنگا پر برہنہ غسل کرتے ہیں اور اسوقت برہمن اس کو اشلوک پڑھاتا ہے - شاید قریشیوں نے بھی یہ مسئلہ ھندوؤں سے سیکھا ہوگا -

غرض قریش اپنی قومی سرداری کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ ایسے خیال[1] کے لوگ اپنے باپ دادوں کے سلیقہ اور عادات پر اور رسم و رواج پر چلتے ہیں۔ قریش کو جس راستہ پر قصی بن کلاب چلا گیا تھا اس سے ایک انچ ھٹنا نہیں چاہتے تھے۔

قریش اپنے اجداد کے طریق کو چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسکی جماعت کے پروگرام میں یہ نقص نکالتے تھے کہ یہ پروگرام بین الاقوامی (انٹرنیشنل) ہے اگر اقوام عالم اس پروگرام کو قبول کر لے[2] تو ہم ایسے بڑے اجتماع میں ہماری ہستی گم ہو جائیگی۔ وہ اپنے اندر اتنی طاقت محسوس نہیں کر سکتے تھے کہ اقوام عالم پر اپنی سرداری سنبھال سکیں گے۔ ایسے لوگ قومی (نیشنل) پروگرام چلا سکتے ہیں۔

نبی صلعم سے بین الاقوامی پروگرام کی بجائے قومی پروگرام کا مطالبہ کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استدعا کرتے اور جھگڑتے تھے کہ ہم کو قومی (نیشنل) پروگرام بنا دو تاکہ ہماری قومیت برقرار رہے۔ تمہارے پروگرام پر اگر عجمی لوگ کام کرنے لگ جائیں گے تو وہی لوگ ہم پر سردار ہو جائیں گے ہم غلام ہو جائیں گے۔ ہم کو ایسا پروگرام چاہیے جیسے بنی اسرائیل کا ہے۔

(حضرت) موسیٰ علیہ السلام نبی تھے انہوں نے اپنی قوم کیلئے قومی پروگرام پسند کیا اور کہتے تھے مشقتیں اور لڑائیاں ہم کریں اور اس کا نتیجہ اور میوہ دوسری قوموں کو ملے اس اعتراض کا جواب سورۃ الشوریٰ میں دیا گیا

قریش کے اعتراض کا جواب۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ۔ الآیۃ شوریٰ ۴۲: ۱۳

اس کا مطلب ہے جیسا نوح علیہ السلام اپنے زمانہ میں نوع انسانی کیلئے نبی تھا

کے لئے۔ کہیے تھے نہ کہتے تھے

[1] خیالات
[2] کرلیں

اور بین الاقوامی نبی تھا۔ کسی قوم کے ساتھ اس کی تخصیص نہ تھی اور ان کا پروگرام اقوام عالم نے قبول کر لیا

تیری طرف اے پیغمبر ویسا ہی پروگرام القاء کیا گیا ہے۔ تم ہی اب نوح علیہ السلام کے صحیح جانشین اور وارث ہو۔ تیرا پروگرام اقوام عالم میں مقبول ہوگا۔ باقی رہے قریش (اعتراض) اعتراض کہ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پروگرام قومی (نیشنل) تھا تو اس اعتراض کا جواب (یہ) دیا گیا ہے (کہ) ان بزرگوں کا پروگرام بھی نیشنل نہیں تھا بلکہ وہی حضرت نوح کا پروگرام تھا۔ جو بین الاقوامی ہے کہ متفق علیہ دینی اصول کو قائم کرو۔ مگر ان کی اولاد اور تابع داروں نے افتراق کے ڈر سے ان کو قومی بنا دیا۔ نہ دوسری قوم اسمیں داخل ہوگی نہ افتراق پڑیگا۔ کیونکہ جب دوسری قومیں اس دین میں داخل ہونگی اور دینی حکمت اور فقہ کو سمجھ کر اس پر عمل کرینگی تو ہم سے اپنی اور دنیاوی سرداری کا خاتمہ ہو جائیگا اسلیئے یہودیوں اور نصرانیوں نے اپنے دینوں میں ایسے نظریئے اور اعتقاد ٹھونس دیئے جنکو عقلمند لوگ قبول نہ کر سکیں۔

تمام پیغمبروں کا پروگرام بین الاقوامی تھا مگر ان کے تابعداروں نے غلط عقائد اور رسومات داخل کر کے اُسے محدود کر دیا

اس نظریہ پر انہوں نے دوسری قوموں کے لئے دین میں داخل ہونے کا دروازہ بند کر دیا۔ چند رسوم اور اعتقادات اپنے دین میں ایسے داخل کر دیئے کہ دوسری قوموں کے عقلمند لوگ اس کو نہیں مان سکتے تھے۔ اسلیئے وہ اس دین میں بھی داخل نہیں ہوتے تھے اور نہ ان رسوم کو پسند کرتے تھے۔

غلط رسومات کی وجہ سے دوسری قوموں کے عقلمند لوگوں کا داخلہ بند ہو گیا کیونکہ وہ غلط رسومات کو نہیں مانتے تھے۔

قریش کی جدوجہد قومی تھی مگر زمانہ بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ قریش دوسری قوموں سے ملنے کیلئے خواہشمند تھیں اور ایسے پروگرام کی تلاش میں تھیں کہ کل

اقوام عالم اسمیں برابر کی حصہ دار ہوں - عدالت اور مساوات کا حامی ہو - قومی نیشنل پروگرام سے کبیدہ خاطر اور تنگ آگئی تھیں - کیونکہ قومی پروگرام کی بنیاد سرمایہ داری اور امتیاز قومی پر مدار رکھتی ہے - اعلیٰ اخلاق اور عدالت و مساوات دوسرے درجہ پر ہوتے ہیں - اسلئے کل اقوام عالم قومی پروگرام کے بار گراں سے پس رہی تھیں

رسول کریم صلعم کے پروگرام کی بنیاد توحید - اخلاق فاضلہ عدالت و مساوات پر تھی - قومی امتیاز مٹانا اور سرمایہ شکنی آپ کے پروگرام کا مقصد تھا -

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس[1] کی جماعت کے پروگرام کی بنیاد توحید الٰہی اور اعلیٰ اخلاق اور عدالت و مساوات اور امتیاز قومی مٹانا اور سرمایہ شکنی پر بھی تھا اور قوموں کی قومیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان سے برادرانہ برتاؤ کیا جاتا تھا جیسا[2] صوسائٹی میں انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے مساوانہ[3] حقوق دیئے جاتے ہیں یا جیسے منسپالٹی[4] اور بلدیہ کے نظام میں گھر کی خصوصیت کو تسلیم کرتے ہوئے عام انتظام میں مساویہ[5] و مساوی سلوک کیا جاتا ہے - بڑے گھر کو زیادہ حقوق اور چھوٹے گھر کو تھوڑے حقوق نہیں دیئے جاتے - انسانیت کے حقوق مساویانہ ہونے چاہئیں -

اسلامی پروگرام بڑا اجتماع اور بڑی برادری پیدا کرنا چاہتا تھا - اس بڑے اجتماع پر سرداری کرنیکے لئے بڑی لیاقت کی ضرورت ہے - ایسے بڑے عقل مند با اخلاق علم و عمل کی لیاقت رکھنے والے ہمیشہ ایک قوم میں پیدا نہیں ہوتے - اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ قوموں اور ملکوں میں منادی کرو

مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ الآیہ - الشعراء ۲۶ : ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰

میری غرض قرآنی نظام کو پیدا کرنے میں یہ نہیں کہ تم اس بڑے نظام اور بڑے اجتماع اور بڑی انسانی برادری پر مجھکو حاکم یا بادشاہ جانو یا میری اولاد اور کنبے کو یا میری قوم کو

لہ ن و قومی ن ب قوموں

۱- اس کی
۲- جیسے
۳- مساویانہ مساویانہ
۴- میونسپلٹی
۵- مساوی

مالک یا سردار بناؤ - اس بڑے نظام اور بڑی خلافت کو وہی لوگ چلائیں گے جو کس
نظام کے عالم اور حکمت قرآنی کے خوب ماہر ہونگے - خواہ عرب ہوں یا عجم اسمیں کوئی
تخصیص نہیں ہے - یہ نظام قومی نہیں بلکہ انٹرنیشنل ہے - حکیمانہ عقل رکھنے والے اس کو
چلا سکتے ہیں -

اس تقریر سے ہم اس حدیث شریف کا مطلب سمجھ سکتے ہیں جو رسول اللہ صلعم
نے فرمایا - جس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائیگی - ان میں
ایک فرقہ صراط مستقیم پر ہوگا باقی ۷۲ فرقے گمراہ ہونگے[1] - الحدیث بمعناہ -
مطلب ہے کہ ایک جماعت حق پر - باقی سب گمراہ ہونگے -

اس کا مطلب محققین راسخین فی العلم یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ جماعت
حق پر ہوگی جو حکیمانہ طور پر غور کر کے قرآنی پروگرام کو انٹرنیشنل اور بین الاقوامی
سمجھ کر صحیح معنوں میں چلائیگی اور رسوم مذہبی کو رسوم کا درجہ دیکر عدالت و
انصاف کا راستہ اختیار کریگی - باقی فرقے نیشنل قسم کے ہونگے - ان کے لیڈر فقط
گروپ بنانے کا خیال رکھتے ہونگے - اپنی لیڈری قائم رکھنے کیلئے نظام قرآنی جو
انٹرنیشنل تھا اس کو چھوڑ کر اسمیں ایسی ترمیمیں داخل کریں گے کہ قومی بن جائے
وہ جس سوسائٹی یا ملک میں ہونگے اپنی ذہنیت پر لانے کی کوشش کرینگے
قوموں اور ملکوں کی ذہنیت کی جانچ پڑتال نہیں کرینگے - ان کا نظریہ یہ ہوگا کہ
قرآن مجید پر حکیمانہ غور نہ کیا جائے - حکمت اور عقل کے دشمن ہونگے - غیر حکیمانہ ذہنیت
رکھتے ہونگے اور حکمت قرآنی سے ناآشنا ہونگے وہ ظاہری طور اسلام کے سخت پابند
ہونگے اور انفرادی طور پر بہت اچھے نیکو کار ہونگے مگر اجتماعی کام کی حکمت سے نابلد ہونگے

صراط مستقیم کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ قرآنی پروگرام چلایا جائے اور مذہبی رسوم کو چھوڑ کر عدالت و انصاف کا راستہ اختیار کیا جائے

گمراہی کا ایک مفہوم ـــــ

[1] حدیث کے عربی الفاظ - پورا حوالہ - اہل حدیث کی کتاب دیکھ کر - جن احادیث کا حوالہ نہیں ملا
مجھے ڈھونڈنے [illegible] نہیں [illegible] تبلیغ ہونا - عزیز الرحمٰن

مذہب پر جاگیر دارانہ قبضہ کرنا چاہتے ہونگے اور ان کی ذہنیت سرمایہ دارانہ ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم کنعان میں دو سو سالہ جدوجہد کے بعد متمدن ملک کا رُخ اختیار کرنا چاہتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروگرام کی تعلیم دینے کیلئے کنعان (فلسطین) کے بیابان میں سکول قائم کیا اور ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کو عراق اور مصر کے باشندے اور عرب جانتے پہچانتے تھے۔ ان کی صحبت سے مستفید ہونے کیلئے عقلمند طالبان رضامندی الٰہی کھنچے چلے آتے تھے۔ ان کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے بزرگ اس سکول کو چلاتے ہیں۔ اس سکول کی تعلیم چار دانگ عالم میں شہرت پذیر ہوگئی (حضرت) اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام جانشین ہوتے ہیں دو سو سال کے اوپر کی جدوجہد اپنا نتیجہ ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ اب یہ تعلیم اس بیابان میں محصور نہیں ہو سکتی۔ متمدن لوگ عقلمند اس تعلیم کے محافظ اور چلانے والے ہو سکتے ہیں۔ بیابان کے رہنے والوں میں اتنی طاقت اور حوصلہ نہیں کہ ایسی عظیم الشان تحریک سنبھال سکیں اور اس کو وسعت دیں۔ اس لئے تدبیر الٰہی چاہتی ہے کہ اس کا مرکز متمدن ملک ہونا چاہیے۔ اور فلسطین کے قریب ترین متمدن علاقہ مصر ہی تھا جو ترقی کے اوج پر تھا۔

تعلیم ابراہیمی کی تکمیل کیلئے ضروری تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر جیسے متمدن ملک میں بھیجا جائے

اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا، وہاں روانہ کرنا اس ابراہیمی تعلیم کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔ ابراہیمی تعلیم راہبانہ نہ تھی۔ ان کی تعلیم کا لب لباب اقوام عالم کے اقتصادی (معاشی) یعنی اقتصادی نظام کو ترقی دینا تھا اور غرباء پر جو ظلم ہو رہا تھا یا پیشوایانہ[1] مذہب جو خدا بن کر بیٹھے تھے۔ ان بادشاہوں اور پیشواؤں کو صراط مستقیم پر لانا مقصود تھا۔ اسلئے فوجی طاقت پیدا کرنا اور اسمیں اعلیٰ نظام پیدا کرنا از حد ضروری تھا ایسے نظام کو چلانے والے متمدن لوگ ہوتے ہیں

۱۔ پیشوایانِ مذہب

مرکز خلافت کوفہ منتقل ہونے کی حکمتیں۔

یہی سبب تھا کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کا مرکز کوفہ کو جو عراق میں ہے بنایا۔[1] عراق یعنی دجلہ وفرات (وادی) لشکر کے خیام گاہ کیلئے موزوں تھا۔

۲۔ دوسرا مشرق میں تبلیغ اسلام کے لئے موزوں مقام تھا۔ کیونکہ مشرق میں تبلیغ اسلام کی اہمیت سورۃ جمعہ کے جملہ وآخرین منھم [2] سے مستنبط ہو رہی تھی۔

۳۔ تیسرا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً کی جماعت کی علمی وعملی واخلاقی نشو ونما اختلاط سے محفوظ رہے۔ کیونکہ مرکز خلافت میں ہر قسم کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور اس وقت نومسلموں میں علمی شوق زیادہ تھا اسلئے وہ کوفہ کے ابتدائی سکول میں اسلامی تہذیب سیکھ کر پھر مدینہ کے کالج میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے جائیں۔ آجکل بھی اسی نقطہ نظر کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑے بڑے کالج اور یونیورسٹیاں بڑے شہروں سے دور بنائے جاتے ہیں تاکہ شہری اختلاط سے عملی فخر محفوظ رہے ولِلّٰہِ الحمد۔

برادران یوسف کا حسد۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام کو مصر روانہ کرنے کی تدبیر الٰہی یوں ہوتی ہے کہ برادران یوسف کو یوسف علیہ السلام کے حسن تدبیر اور جماعت چلانے کے نظام کو دیکھ کر ان کے دل میں حسد اور بغض پیدا ہوتا ہے کہ اتنی چھوٹی عمر میں اس نے ایسا اعلیٰ نظام پیدا کر دیا ہے۔ (برادران یوسف [21] کہتے تھے کہ) یہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کی لیاقت نہیں ہے بلکہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام ان کو رموز سلطنت (۔۔۔[1]) سکھلاتے ہیں۔ جماعت میں نظام پیدا کرنے کی حکمتیں بتاتے ہیں اور ہمکو نہیں بتاتے۔ اگر ہم کو بتاتے تو ہم یوسف علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ایسا نظام پیدا کر دیتے اور اب بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

[2] الجمعۃ ۶۲:۳

۱۔ کے

بشرطیکہ ہمارے باپ کی توجہ ہماری طرف مبذول ہوجائے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی جماعت میں اعلیٰ نظام پیدا کرنا ضروری ہے تاکہ متمدن بن کر جہان گیری کرے۔ اس لئے ضروری ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کر دیا جائے؟ ورنہ یہی اس نظام کا سرمایہ دار ہوگا اور ہماری حق تلفی ہوگی۔ بے سمجھ سرمایہ دار انسانی سوسائٹی کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے لئے حکومت بیابان میں اپنی خداداد لیاقت کے مناسب کام کرانے کا میدان مفقود تھا۔ اور مصر میں کام کرنے کا وسیع میدان تھا۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام کے ظلم وستم اور قریش کے ظلم وستم میں مماثلت۔

اب تدبیرِ الٰہی بھائیوں کے حسد کے ذریعہ انہیں مصر میں پہنچاتی ہے)۔
چونکہ نتیجہ بڑا عظیم الشان پیدا ہوتا ہے تو یہ گستاخی اور بے ادبی اور تکالیف حکیم طبع انسان معاف کر دیگا اور نتیجہ اور ثمرہ کو دیکھیگا اور بھائیوں کی غلطی اور اس جرم کو خفیف سمجھکر قابلِ معافی قرار دیگا۔

اسی طرح ایک حکیم طبع انسان قریشیوں کے ظلم وستم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مشورہ کے نتیجہ پر نظر کر کے اس جرم کو خفیف سمجھکر قابلِ معافی قرار دیگا الٰہی حکمت کے زیرِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے سب جرم معاف کر دیئے جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ظلم وستم معاف کر دیئے تھے۔ [1]

اب اس جگہ زیادہ بلند نظر سے غور کرو کہ اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو امیہ کے زمانہ میں یا کہ بنی عباس کی حکومت میں زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اسباب ایسے پیدا ہوجاتے ہیں کہ نا کامیاب ہوتے ہیں۔

[1] نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے
(اقبالؒ)

چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا کہ مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۔ الآیہ [1]
اس لئے اہل بیت کی تدبیریں نہیں چل سکتی تھیں اور یہ مقولہ سب انبیاء علیہم السلام
کا ۔ تھا۔

تورات اور وراثت انبیاء ۔

تورات میں ہے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ میری اولاد اور نہ ھارون
علیہ السلام کا حصہ کی اولاد کا حصہ حکومت میں رہیگا۔
ان کا حصہ حق تعالیٰ ہے یعنی خدمت دینی ہے یہ دنیاوی دام (میں) نہ پھنسیں گے
انکو چاہیے قوت لایموت پر اکتفا کرکے دینی خدمت سرانجام دیتے رہیں
یہی صحیح معنی ہے اس حدیث کا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا تھا کہ
اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اَوْ کَمَا قَالَ ۔ [2]

اہل بیت کو حکومت نہ ملنے کی ایک حکمت ۔

اگر اہل بیت قریبی برسر اقتدار حکومت آجاتے تو معترضین کا
اعتراض ہوتا کہ یہ تحریک اسلامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اس لئے پیدا کی
تھی کہ ان کی اولاد حاکم ہوجائے اگر حکومت ان کے ہاتھ میں آجاتی اور یہ معلوم ہے
کہ حکومت کبھی بھی ایک خاندان میں نہیں رہ سکتی اور اس کی مخالفت کرنے والے
پیدا ہوجاتے ہیں ۔ ایسی حالت میں لامحالہ اہل بیت مخالفت کو دبانے کیلئے
تشدد اختیار کرتے اور مخالفوں پر ظلم و ستم روا رکھتے ۔ جس کی وجہ سے اہل بیت
کی عزت و احترام میں ضرور فرق آجاتا ۔ اور یہ بھی اہل بیت کو معلوم تھا کہ احترام
اور عزتِ اہل بیت (...) جزو ایمان میں سے ہے ۔ [3]

[1] ۔ الشعراء ۲۶ : ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰
[2] ۔ مشکوٰۃ باب مناقب علیؓ ص ۵۶۳ مجتبائی دہلی ۔ بخاری فضائل صحابہ

دل کی

[3] لو را حوالہ ...

[4]

حقیقت یہ ہے کہ ایک حکومت جب نیشنل ہوجاتی ہے تو رجعت پسند ہوجاتی ہے
اور سرمایہ دار اس پر قابض ہوجاتے ہیں۔

اسلامی مذہب یا اسلامی حکومت فطرتاً انٹرنیشنل پیدا ہوئی ہے۔
اسلامی حکومت نیشنل کی حالت میں کسی گروپ کے تسلط سے جو اپنے گروپ
کیلئے اس کو مخصوص کردیتا ہے۔ ان حالات میں بیمار رہتی ہے۔ اپنا خلاصی کا
راستہ تلاش کرکے ان کو توڑ پھوڑ کر اور انقلاب کرکے انٹرنیشنل بن جاتی ہے
اس حکمت پر غور کرکے اسلامی حکومتوں کی تاریخ لکھنی چاہیئے۔ لہ

اسلامی مذہب اور حکومت فطرتاً بین الاقوامی ہیں اسے محدود کرنے سے انقلاب کا راستہ ہموار ہوتا ہے ——

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام سرمایہ شکن نظام کا نام ہے اور نیشنل یا گروپ
کی حکومت سرمایہ (والے) پر بہت ہوتے ہیں۔ اسلامی نظام اور نیشنل نظام آپس میں ضد ہیں
کبھی ایک جگہ آپس میں صلح سے نہیں رہ سکتے۔ ا

مولانا کے نزدیک اسلام سرمایہ شکن نظام ہے

اسلامی نظام اور نیشنل نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں اور کبھی ایک جگہ صلح سے نہیں رہ سکتے۔

اسلامی جماعتوں یا اسلامی حکومتوں میں بغاوت اس نقطۂ نظر پر پیدا ہوتی
ہے اور یہ بھی یقینی طور پر ثابت ہے کہ قرآن حکیم کا پروگرام انقلابی ہے یعنی رجعت پسند
سرمایہ دار رفاہیت بالغہ کے طبقہ کو نیست و نابود کرنا ہے۔ کیونکہ رفاہیت بالغہ خمر
اور شراب سے بھی زیادہ سوسائٹی کے اخلاق کو نقصان دیتی ہے۔ اسلئے اسلامی
سوسائٹی میں انقلاب کرنے والے حکیم طبع لوگ ہمیشہ موجود رہینگے۔ ایسے حکیم طبع
لوگ جب تحریک اسلامی کو چلاتے ہیں تو اسلامی تحریک بین الاقوامی ہو جاتی ہے
اور جو لوگ حکیمانہ ذہنیت نہیں رکھتے جب اسلامی تحریک کے امام یا سردار بن
جاتے ہیں تو اسلامی تحریک اور نظام نیشنل نظر آنے لگتے ہیں۔

اسلامی جماعتوں اور حکومتوں میں بغاوت کی ایک وجہ ——

ا۔ کرتا ہے

لہ مرتب: تاریخ کو چاہیئے کہ [illegible]

ایسے اماموں - پیشواؤں اور سرداروں کو اسلامی تحریک توڑ پھوڑ کر بین الاقوامی ہو جاتی ہے اور تحریک بنانے والوں کا نام و نشان مٹا دیتی ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے پر بھائیوں کا اتفاق اور اس کی وجوہ ۔

اب یوسف علیہ السلام کے دس بھائی اس پر متفق ہو گئے کہ حضرت یوسف کو اندھیرے کنویں میں ڈالیں - ایک تو اس لئے کہ یہ چاہ قریب ہے اسکو ڈال کر عشاء کے وقت واپس آجائیں گے دوسرا یہ کہ خود مرجائیگا یا بالفرض بچ بھی جائے تو کوئی آنے جانے والا اس کو نکال کر کسی دور ملک میں لے جائیگا -
تیسرا ہم اپنے ہاتھوں اسے ذبح کرنے کا بدنما داغ بھی نہ آئیگا اور اندھیرے کنویں میں ڈالنے کی تجویز سہل تھی - اب چلتے ہیں کہ کسی تجویز سے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے چلیں اور باپ سے رخصت حاصل کرنے کی تجویز کرتے ہیں

آیت نمبر ۱۱

حضرت یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنے کیلئے بھائیوں کا مکر و فریب ۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ

ترجمہ : کہا انہوں نے - اے ہمارے باپ کیا وجہ ہے کہ یوسف کی بابت آپ ہمپر بھروسہ نہیں کرتے - حالانکہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں -

لفظ ناصح کی لغوی تشریح

تشریح :- ناصح مشتق ہے نصح الشیٔ نصحاً - کسی شی کو ملاوٹ وغیرہ سے صاف اور خالص کر دیا جائے -
کہتے ہیں نُصِحَ الْعَسَلُ شہد کو موم سے صاف کر لیا - آیت شریفہ میں اسمیہ جملہ ہے جو دوام اور ثبات پر دلالت کرتا ہے یعنی ہم سب بھائی ہر وقت یوسف علیہ السلام کی خیر خواہی نہایت خلوص دل سے کرتے رہتے ہیں - یہ ہمارا چھوٹا بھائی ہے جیسے آپ اس کی پدرانہ شفقت کے باعث خیر خواہ ہیں - اسیطرح ہم بھی سب بڑے بھائی اپنی

اولاد جیسی ان کی خیر خواہی کرتے رہتے ہیں ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنے کیلئے بھائیوں کی باپ کے سامنے تقریر ۔ باپ کو اعتماد میں لینے کا حربہ ۔ ۱

دوسرا چونکہ آپ کا اس سے بہت پیار اور محبت ہے اور آپ ہمارے مرشد بھی ہو[1] اور باپ بھی ہو[2] تو اسلئے ہم کو اسکی دوگنی خیر خواہی کرنا لازم اور فرض ہے آپ جانتے ہو[3] کہ ادائے فرائض میں ہم کوتاہی نہیں کرتے ۔ اسلئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے نہایت ادب اداب اور عاجزی سے عرض کرتے ہیں کہ جب آپکو معلوم ہے کہ ہم (حضرت) یوسف علیہ السلام کے خیر خواہ ہیں ۔ اسکی خیر خواہی میں ثابت قدم ہیں تو مہربانی کرکے یہ وجہ بیان فرمانا کہ کیا باعث ہے کہ آپ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو ہر وقت اپنے پاس بٹھائے رکھتے ہو[4] اور ایک دم بھی ہماری صحبت میں نہیں آنے دیتے شاید آپ ہمکو امین اور معتمد علیہ نہیں سمجھتے ۔

باپ کو اعتماد میں لینے کا حربہ نمبر ۲ ۔

حضرتا ہم بڑے امانت اور دیانت والے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور آپکی[5] فیض صحبت سے ہم میں کوئی اخلاقی برائی نہیں ہے نہ کوئی ہم سے غیر شرعی امور صادر ہوا ہے ؟ ۔

اور لوگ ہماری صحبت میں دیانت امانت کے اخلاق سیکھتے ہیں ۔ آپ اگر (حضرت) یوسف علیہ السلام کو ہماری صحبت میں رہنے کی اجازت دیتے رہتے تو ہم سے بہت اخلاق حاصل کر سکتا تھا ۔

اب (حضرت) یوسف علیہ السلام آپ کی خدمت میں رہتے رہتے اسکی صحت بھی خراب ہوگئی ۔ کوئی بہادری کام اس سے سر انجام ہوگا نہ قوموں کے عروج و زوال کا[6]) اس کو خبر ہوگی

۱ ۔ ہیں
۲ ۔ ہیں
۳ ۔ ہیں
۴ ۔ ہیں
۵ ۔ آپ کے
۶ ۔ کی

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اعتقاد حاصل کرنے کیلئے آپنی اوصاف اور اہلبیت کا ذکر کرتے ہیں

اگرچہ آپ کے طفیل کچھ تھوڑا بہت جماعت میں انتظام کرتا ہے مگر وہ بھی دراصل ہماری جدوجہد سے سرانجام ہوتا ہے - ہم آپ کو اور جماعت کو کہتے ہیں کہ سب کام (حضرت) یوسف علیہ السلام کر رہے ہے - تاکہ آپ خوش ہوجائیں اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کی ہمت بڑھے .

آپ اگر یوسف علیہ السلام کو ہماری صحبت میں رہنے کی اجازت فرماتے رہتے تو (حضرت) یوسف ؑ کے حق میں زیادہ مفید ہوتا (۔)

ہم سب کام امانت سے کر رہے ہیں اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کی سنبھال بھی امانت سے کر رہے ہیں اور امانت سب اخلاق سے اعلیٰ خلق ہے .

اسلئے (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائی اس پر زور دے رہے ہیں -

قرآن حکیم میں ہے۔ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا - آلایہ   الاحزاب ۳۳ : ۷۲

جس کا مطلب ہے آسمان یا زمین اور جبال امانت کے برداشت کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے - انسان ھی اس امانت کا بار اٹھانے رکے قابل اور لائق تھا - اس پر یہ بار رکھا گیا -

اور حدیث شریف لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ   لـه ۱

جسکا مطلب رہے جسمیں امانت کا خلق نہیں اسمیں ایمان بھی نہیں

بیت   سے   آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند - (حافظ)

۱ ۔ ہے

لـه لو ۱۶ ۱۱ /

امانت کا مطلب سمجھنے کیلئے عرض کرتے ہیں -

بقائے حیات کی جدوجہد میں انسان وحیوان مماثلت رکھتے ہیں -

چھوٹے سے چھوٹے حیوان یا جاندار کو دیکھئے کہ اپنا پیٹ بھرنے کیلئے حرکت کرتا ہے۔ جانداروں میں جوں جوں بناوٹ کی پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے تو خوراک کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے اور زندگی کی کھینچا تانی زیادہ سخت ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ شیر ببر بڑے بڑے جانوروں کو پھاڑ کھاتا ہے اور ویل مچھلی بڑی بڑی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے - اور حیوانات اپنے پیٹ یا شہوت کی ضرورت پوری کرنے کیلئے دوسرے حیوان سے لڑنے مارنے سے نہیں ہٹتے -

ان کے ہاں رحم وانصاف وعدالت کا سوال ہوتا ہی نہیں اور ان باتوں کے سوچنے کیلئے وہ پیدا ہی نہیں کئے گئے

انسان دیگر حیوانات سے اس وجہ سے ممتاز ہے اُسے عقل عطا کیگئی ہے عقل کے سبب انسانوں کی بھلائی اور خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس کے ساتھ انصاف اور رحمدلی سے کام کرتا ہے - احساس ذمہ داری کا نام امانت ہے

انسان بھی حیوان کی مانند ہے مگر اس میں عقل کی روشنی رکھی ہوئی ہے اپنے تمام کام عقل کے ماتحت پابندی اور ذمہ داری سے کرتا ہے - حیوانات اپنی بقاء وحیات قائم رکھنے کیلئے کام کرتے ہیں اور انسان عام انسانوں کی بھلائی اور اور خدا کے سامنے جوابدہی کے ڈر سے انصاف ورحمدلی سے کام کرتا ہے - اپنے ذاتی نفع کیلئے کام بہت تھوڑا کرتا ہے اور اپنی ذمیواری[1] محسوس کرتا ہے - جس انسان میں یہ ذمیواری[2] کا احساس ہو وہی امانت والا سمجھا جائیگا - اس ذمہ داری کا نام امانت ہے -

۱ - ذمہ داری
۲ - ذمہ داری

زمین پر زندہ رہنے کا حق صرف ان قوموں کا ہے جن میں احساس ذمہ داری اور امانت پائی جاتی ہے

جس قوم یا ملک میں ذمہ داری اور امانت زیادہ ہے۔ وہی زمین پر زندہ رہنے کے حق دار ہیں اور جس قوم میں خود غرضی اور اپنے پیٹ بھرنے اور شہوت رانی کا زیادہ خیال ہے اور دوسرے انسانوں کو بھوک مارنے اور غلام بنانے کا خیال ہی رہتا ہے وہ قوم فنا ہو جاتی ہے اور پھر بھوکے انسان اٹھکر دولتمندوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۲

برادران یوسف کے دلی مدعا کا بیان۔

أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

ترجمہ۔ اسے کل ہمارے ساتھ بھیج دیں کہ وہ ہمارے ساتھ کھیلے کودے اور اسکی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔

تشریح: عربی محاورہ کہ خرج القوم یرتع ویلعب۔ لوگ مزے اڑانے کیلئے گھروں سے باہر چلے گئے۔
یہ خاص خاص دن مقرر کرکے خوشی کرنے کیلئے سب ملکر باہر جانے کیلئے اطلاق کرتے ہیں۔ یہ بات اور یہ رسم تقریباً ہر قوم میں پائی جاتی ہے
غداً اصل میں غدوۃٌ۔ غدوۃٌ اس وقت کو کہتے ہیں کہ صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان ہوتا ہے۔ اب اس کا استعمال آنے والے دن کیلئے ہو گیا ہے۔
اب (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائی خیر خواہانہ نیت بیان کرکے دلی مطلب عرض کرتے ہیں۔ پہلے اس آیت سے (حضرت) یعقوب علیہ السلام پر اثر ڈالا کہ ہم امین ہیں

اب اگر ان کا[1] عرض قبول نہیں کرتے تو یہ بھائی ناراض ہوتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں ایسا عرض پیش کرتے ہیں جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کا دل بھی مائل ہوجاتا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا دل مائل کرنے کیلئے بھائیوں کا مکر و فریب۔

جناب عالی کل تو ہمارے کھیل کود کا بڑا بھاری پروگرام ہے اور نوروز منانے کا دن مقرر کیا ہوا ہے۔ ہمارے ساتھ جماعت کے بہت (سے) آدمی بھی ہیں۔ جو کہ جنگل میں جاکر (۔۔)[2] شکار بھی کرینگے اور پھر موسم بہار ہے۔ میووں سے لدے ہوئے درخت کھڑے ہیں۔ یہ موسم سال میں کبھی برسات میں ہوتی ہے[3]۔ وہاں شکار کرکے سیخ کباب کرکے کھائیں گے۔ سب سے زیادہ اہمیت والی چیز یہ ہے کہ وہاں جنگلی کرتب ہونگے۔ ہر ایک بھائی اپنا جنگلی ہنر دکھلائیگا جو شریعت ابراہیمی میں حسب فرمودہ جناب کے ضروری ہے۔ اسمیں گھوڑ دوڑ ہوگی اور نیزہ بازی کا اور ہر ایک آدمی اپنی بہادری کا ہنر دکھلائیگا جناب عالی ہمیشہ کیلئے اجازت طلب نہیں کرتے مگر نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ ہمارے عزیز بھائی (حضرت یوسف علیہ السلام کو اس مجلس میں شریک ہونے کی اجازت فرمائیے)۔ اس کے شریک ہونے سے ہماری خوشی نہایت بڑھ جائیگی اور ہمارے عزیز بھائی کو کھیل کود کے[4] تماشا (۔۔)[5] دیکھنے کا موقع ملیگا۔ ایک تو وہ خوش ہوگا اور دوسرا فنون جنگ اور سپاہ گری سے واقف ہوجائیگا اور اس کی دل شگفتہ ہوجائیگی[6]۔ ہم اس کی پوری حفاظت کرتے رہیں گے کہ کوئی گزند اس کو نہ پہنچے گا۔ مہربانی فرماکر ضرور بالضرور کل رخصت فرمائیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہمارے ساتھ چلے۔ اگر آپ ہمارے بھائی

۱۔ کی
۲۔ وہاں محذوف ہے۔
۳۔ ہوتا ہے
۴۔ کا
۵۔ کے محذوف ہے
۶۔ اور اس کا دل شگفتہ ہوجائیگا۔

کو اجازت نہ دو گے[1] تو ہم رنج ہو جائیں گے۔ خاندان میں رنجش پیدا ہونا بری مثال ہے۔

اگر آپ عذر کرو[2] کہ حضرت یوسف علیہ السلام ناتجربہ کار ہے اور جنگل اور بیابان کبھی نہیں گیا۔ مبادا کہ رستہ بھول جائے تو جناب ہم (حضرت) یوسف علیہ السلام کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ اس کی نگہبانی حد سے زیادہ کریں گے۔

ایسی چاپلوسی اور مکر فریب سے باتیں بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کا میلان خاطر اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

برادران یوسف ع کے مکر و فریب اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کے میلان طبع کا حضرت یعقوب علیہ السلام پر اثر

حضرت یعقوب علیہ السلام نے دیکھا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کا میلان خاطر جانے کی طرف ہے۔ اگر رخصت نہیں ملتی تو سب بیٹے ناراض ہوتے ہیں۔ سب کا دل رنجیدہ کرنا مناسب نہیں۔

مگر جی نہیں چاہتا کہ ایک کلاک[3] بھی (حضرت) یوسف علیہ السلام جدا ہو۔ اسلئے پھر عذر اور فکر میں ڈوب جاتے ہیں اور کوئی تدبیر ڈھونڈنا چاہتے ہیں کہ کس طرح سے ان کو انکاری جواب دیں۔

حضرت یوسف ع کے بھائیوں کے مکر و فریب کا (حضرت) یوسف علیہ السلام کے دل پر اثر پڑتا ہے۔ ادھر انکار کرنے سے خاندان میں رنجش پیدا ہونے کا احتمال ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں آتا ہے کہ ان بیٹوں کے دل میں میری محبت ہے اگر ان کو اپنے دل کی حالت بیان کر دوں تو شاید ہم اس کام سے باز آجائیں گے۔ اسلئے فرماتے ہیں۔

۱۔ دیں گے
۲۔ کریں گے
۳۔ گھنٹہ

آیت نمبر ۱۳

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۔

ترجمہ :

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ

(حضرت) یعقوب علیہ السلام بولا[1] ۔ مجھ کو اس سے غم ہوتا ہے کہ تم اس کو لے جاؤ اور اس سے ڈرتا ہوں کہ کھا جاوے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر ہو (یعنی تم اپنے کھیل کود اور شکار میں لگ جاؤ اور اس کا خیال نہ کرو)

اولیاء کے دلوں پر اردگرد کے حالات کا قدرے عکس پیدا ہوجاتا ہے ۔

تشریح ۔ اولیاء اللہ کا دل آئینہ کی مانند ہوتا ہے ۔ جماعت صالحین جو ان کے اردگرد ہوتی ہے ان کے قلبی حالات کا تھوڑا بہت عکس ان کے دل پر آجاتا ہے ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام برادران یوسف ؑ کے حسد کو بھیڑیئے کی شکل میں محسوس کر رہے ہیں جو کہ چاہ کی تمثیلی صورت ہے ۔

اب حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل پر ایسا رنگ چڑھ رہا ہے کہ گویا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا پھاڑ رہا ہے ۔ یہ بھائی (حضرت) یوسف علیہ السلام کے جو منصوبہ باندھ کر آئے تھے کہ اس کو اندھیرے چاہ میں ڈالیں ۔ اس چاہ کی تمثیلی صورت بھیڑیا نظر آرہی ہے اور بھائیوں کی ضد اور حسد بھی بھیڑیائی سے کم نہ تھی ۔ اولاً ان کو قلبی حالات بتاتے ہیں ۔ اسلئے کہ شاید ان بیٹوں کو جو میری محبت کا دم بھرتے ہیں ۔ میری حالت کو دیکھکر اپنے منصوبہ سے باز آجائیں اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کو باہر نہ لے جائیں ۔

---

۱ ۔ بولے / فرمایا

حضرت یعقوب علیہ السلام کا عذر - اور حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کیصورت میں دلی کیفیت کا بیان -

اب (حضرت) یعقوب علیہ السلام عذر پیش کرتے ہیں ایک تو یہ ، ،
فرماتے ہیں کہ یوسف ع میری خدمت میں حاضر رہتا ہے تو حالت بسط
کی ہوتی ہے یعنی نئی واردات اور تجلیات سے دل میں فرحت رہتی
ہے - اگر (حضرت) یوسف علیہ السلام تھوڑے عرصہ کیلئے غائب
ہوجاتا ہے تو میرے دل پر قبض کی حالت پیدا ہوجاتی ہے
اور پریشانی لاحق ہوجاتی ہے اور بے آرام ہوجاتا ہوں - اور دل
غم کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے - یہ کوئی پدری محبت کا
باعث نہ تھا بلکہ حقیقت بھی ہے کہ اعلیٰ استعداد رکھنے والا مرید
کسی مرشد کامل کے پاس رہتا ہے تو اس بزرگ پر نئے نئے
معارف ذات وصفات الٰہی کے نازل ہوتے رہتے ہیں - اسطرح
ان کی دل اور روح خوشی اور انبساط سے رہتی ہے -

جوہر قابل موجود ہو تو اس کی تربیت کا سامان قدرت مہیا کر دیتی ہے -

اگر وہ مرید ان سے دور ہوجائے تو نئی واردات بند ہوجاتی
ہیں اور اسی طرح اگر اعلیٰ قابلیت کا شاگرد کسی عالم راسخ فی العلم
کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو اس استاد پر نئے نئے رموز علم کے
منکشف ہوتے رہتے ہیں -

چشمۂ فیض کو فیض رسانی سے روکا جائے تو ختم ہوجاتا ہے یا ناقابل استعمال ہو جاتا ہے -

مثلاً ایک چشمہ پھوٹ کر نکلتا رہتا ہے اور جاری رہتا ہے
بلکہ بڑھتا رہتا ہے - اگر اس چشمہ صافی کے چاروں طرف دیوار بنا
دیجائے اور پانی کسی طرف نہ بہے اور کوئی انسان اس سے پانی
نکال کر کام میں نہ لادے تو پانی نکلنا بھی بند ہوجائیگا اور پھر

کامل اولیاء اللہ کو صاحب استعداد مرید مل جائے تو اس ولی اللہ پر نئی نئی واردات اور انکشافات کھلتے ہیں اور صفات الٰہی کے نئے نئے رموز نازل ہوتے ہیں۔

گھاس پھوس پڑکر پانی میلا گدلا ہو جاتا ہے۔

ایسے کامل اولیاء اللہ اور راسخ فی العلم کو سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی صاحب استعداد اعلیٰ اور اعتقاد مند بھی ہو ایسے کامل ولی اللہ کو مل جاتا ہے جو کہ اس بزرگ کی بات اور حالت کو سمجھ بھی سکتا ہو اور اس مرید کے دل میں پراگندگی اور پریشانی نہ ہو تو اس کامل ولی اللہ کی دل شگفتہ ہو[1] جاتی ہے اور نئی نئی واردات اور انکشافات انپر کھلتے جاتے ہیں اور نئی نئی رموزات صفات الٰہی کے نازل ہوتے رہتے ہیں - ورنہ غمگین رہتے ہیں اور موت کے انتظار میں گھڑیاں گنتے رہتے ہیں کہ ان نالائقوں سے کب خلاصی ہوگی -

علماء راسخین فی العلم کو صاحب استعداد شاگرد ملنے سے کتاب اللہ و حدیث اور ملفوظات اولیاء اللہ منکشف ہونے لگ جاتے ہیں

اور بعینہٖ اسیطرح کسی عالم راسخ فی العلم کے پاس کوئی سمجھدار صاحب استعداد آجاتا ہے تو اس عالم راسخ فی العلم پر نئے نئے[1] رموز کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ملفوظات اولیاء اللہ کے منکشف ہونے لگ جاتے ہیں -

یوسفؑ کی غیر حاضری سے حضرت یعقوبؑ کی دلی کیفیت۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اس حالت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ بیٹوں میں فقط (حضرت) یوسف علیہ السلام ہیں کہ جس نے مجھکو پہچانا اس کے دور ہونے (سے میری دل غم کا شکار بن جاتی ہے)[2]

حضرت یوسفؑ کی اعلیٰ استعداد کا اعتراف۔

گویا فرما رہے ہیں کہ اے عزیز بیٹو (حضرت) یوسفؑ کو مجھ سے جدا نہ کرو اس سے میری محبت پدرانہ نہیں بلکہ میری محبت اسکی اعلیٰ استعداد سے ہے۔ مگر (حضرت) یوسف علیہ السلام نے اپنی تعلیم تکمیل کے درجہ (تک) پہنچادی تھی - فقط نبوت کا درجہ باقی رہا تھا[3] -

---

۱ - نئے نئے
۲ - میرا دل غم کا شکار بن جاتا ہے
۳ - رہتا تھا -

تعلیم وتعلم کا سلسلہ ولایت صغریٰ تک جاری رہتا ہے

یا تصوف کی اصطلاح میں یوں کہنا درست ہے کہ جب مرتبہ ولایتِ صغریٰ کا حاصل ہو جاتا ہے تو کامل مرشد جانتا ہے کہ ولایتِ کبریٰ وھبی درجہ ہے آگے تعلیم وتعلم کی کوشش کرنا فضول سمجھتے ہیں۔

ولایت کبریٰ وھبی درجہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ملتا ہے۔

وھبی درجہ فقط اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ملتا ہے۔ تو (حضرت) یوسف علیہ السلام کی تعلیم ختم ہو چکی تھی۔ اب اس کیلئے[1] کوئی میدان کام کرنے کیلئے درکار تھا۔ اور ھماری سمجھ میں آتا ہے کہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام کو بھی معلوم تھا کہ مجھ سے جدا ہو کر کوئی[2] اعلیٰ مرکز میں جا کر کام کریگا۔ اور اسکی استعداد کے موافق اللہ تعالیٰ اس کو میدان عطا کریگا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ تکمیل تعلیم وتربیت کے عملی میدان میں حضرت یوسف علیہ السلام ان سے جدا ہوں۔

مگر اب (حضرت) یعقوب علیہ السلام کا جی نہیں چاہتا کہ اس خورد سالی میں ہم سے جدا ہو جائے کیونکہ جو رنگ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو باپ کی خدمت میں حاصل ہوا تھا۔ شاید نالائقوں کی صحبت میں پھنسکر اپنی تعلیم اور استعداد گم نہ کر بیٹھے۔ یہ خدشہ باپ کو دامن گیر تھا۔ اسلئے فرما رہے ہیں کہ اس کے جدا ہونے سے میں سخت مغموم ہوتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جدا ہونے کی صورت میں باپ کیلئے خدشات۔
۱۔ خورد سالی
۲۔ نالائقوں کی صحبت کے اثر کا خدشہ۔

اسلئے بیٹوں سے رحم کی درخواست کر رہے ہیں۔ مگر اسوقت بیٹے نہ تھے بلکہ گرگ صفت درندہ تھے۔ ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ الٹا خوش ہوتے ہیں کہ رخصت ملنے کی امید ہے۔

برادران یوسف علیہ السلام کی ایک اور کمزوری۔ غفلت۔

حضرت یعقوب علیہ السلام دوسری وجہ رخصت نہ دینے کی یہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں غفلت حد سے زیادہ ہے۔ جب میری صحبت میں آتے ہو تو تم میری صحبت کے اثر سے رنگین ہو جاتے ہو۔ پھر میری صحبت سے دور ہو کر اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہو تو پھر اپنے احوالات قلبیہ سے غافل

۱۔ ان کیلئے
۲۔ کسی

ہوکر سب کچھ بھلا دیتے ہو - کورے کے کورے رہجاتے ہو -

حیوانیت ملکیت پر غالب آجائے تو انسان درندہ صفت بن جاتا ہے

یہ تمہاری روزمرہ کی حالت ہے - بیشک دنیاوی امور میں تم چالاک اور ھوشیار ھو - اس دنیاوی ہشیاری سے انسان میں حیوانیت بڑھتی رہتی ہے اور ملکیت کے صفات گم ھوتے جاتے ہیں - جب حیوانیت ملکیت پر غالب آجاتی ہے تو انسان بھیڑیا بن جاتا ہے -

اس غفلت کے سبب سے تم اپنی کمالیت کی طرف توجہ نہیں کرتے تو شاید تم جنگل میں جاکر کھیل کود میں مشغول ھوکر (حضرت) یوسف علیہ السلام سے غافل ھوجاؤ اور بھیڑیا آکر اس کو کھاجائے

نصیحت :-

سالکان راہ طریقت کے لئے نصیحت -

• اہل اللہ کی صحبت سے قلب پر جو اثر پڑتا ہے اگر مرید اور سالک ذی قلب ہے تو وہ اُسے محسوس کرلیتا ہے کہ ولی اللہ نے مجھ پر یہ اثر ڈالا ہے کہ پراگندہ خیالات دور ہوکر قلب میں اطمینان آگیا تو سالک کو چاہیے کہ ہر وقت اس صحبت کو یاد رکھے - اگر اس نے ایک لحظہ غفلت برتی تو شیطان بھیڑیئے کے مانند آکر اس اثر کو بھاڑ ڈالیگا پھر وہ کبھی لذت محبت الٰہی ہاتھ نہ آئیگی -

ب ۹

ـہ رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں گشت از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راھم دور شد -

مطلب کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو فرمارہے ہیں -
تم اتنے غافل ھوکہ اپنے حالات قلبیہ کو جو میری صحبت سے تم کو رنگین کرتے ہیں تم دنیاوی کھیل اور لہو ولعب میں مشغول ھوکر اسکو

بھلا دیتے ہو اور شیطان بھیڑیئے کی مانند آکر اسکو چیر پھاڑ کر کھا جاتا ھے اور تم اس کی حفاظت نہیں کرتے - ایسے نفیس جوہر کو درندوں کے آگے پھینک دیتے ہو تو تم اپنے کھیل ولعب میں مشغول ہوکر (حضرت) یوسف علیہ السلام جیسے نفیس گوہر سے غافل ہو جائیں گے[1]

اب بیٹے پہلی وجہ کا جواب نہیں دیتے اور دوسری وجہ کا جواب بڑی ہمت سے یوں عرض کرتے ہیں. کہ :-

حضرت یعقوب علیہ السلام کے خدشات کے جواب میں برادران یوسف کا دعویٰ ـــــ

آیت نمبر ۱۴

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ط اِنَّا اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ -

ترجمہ :- اگر ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیا اس کو کھا جاوئے - ہم سب کی موجودگی میں جو زور و طاقت و اتفاق و اعانت والے ہیں - تب تو ہم بالکل نکمے ، ہیچ کارہ ہیں -

تشریح :- سب بیٹے مگر دوسری وجہ کا جواب بڑے زور شور سے دیتے ہیں - پہلی وجہ جو سب سے بڑی اور اہم تھی اس کا جواب اور تردید نہیں کرتے اور ان سُنی جان کر اس کا جواب نہیں دیتے کہ ہم قوی زبردست جماعت ہیں اور ہمارے ارادے اس درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں کہ بہت بڑی سلطنت فوجی قائم کر کے غریب اور ضعیف اور مظلوم لوگوں کی خبر گیری کرتے رہیں -

[1] - ہو جائوگے

ہمیں غریب ضعیف آدمی سے ایسی محبت ہوتی ہے جیسے ہمارا چھوٹا بچہ بیمار۔ جس طرح ہم اپنے چھوٹے بیمار بچے کی حفاظت کرتے ہیں اور شفقت اور مہربانی کی نظر رکھتے ہیں۔ اسی طرح غریبوں پر رکھتے ہیں۔

حصول یوسفؑ کیلئے بھائیوں کا باپ سے مکر و فریب اور تسلی

اگر ہم نے غفلت کر کے (حضرت) یوسف علیہ السلام کی نگہبانی نہ کی اور ہمارے ہوتے ہوئے (۔۔۔) ہمارے اندر آکر بھیڑیا اس کو پھاڑ کر کھا جاوے تو پھر ہماری زبردست جماعت بھی بیکار اور نقصان کار شمار کی جاویگی۔ پھر تو ثابت ہوگا کہ ہم نہ اپنے خاندان کو سنبھال سکیں گے نہ جماعت کی حفاظت کر سکیں گے تو اپنے باپ دادوں کی تعلیم اور جدوجہد کو ہم نے ضائع کر دیا ہے اور ہم فیل ہو جائیں گے۔ اور امانت سے سنبھال نہیں کر سکے اور جہان (میں) مشہور ہو جائیگا کہ جس جماعت والے اپنے بھائی کی حفاظت اور امانت سے سنبھال نہیں کر سکے تو وہ کیسے رعیت کی سنبھال کے ذمہ دار[1] ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ہماری غفلت اور خیانت ملکوں میں مشہور ہو جائیگی اور استقبال میں ہماری خیانت ضرب المثل ہو جائیگی۔

اسطرح باپ کو تسلی دیکر اپنے منصوبہ میں کامیاب ہوتے ہیں اور باپ کو بہت یقین دلاتے ہیں کہ ہم اعلیٰ ہمت اور عزت والے ہیں اپنی عزت کو عیب لگانا بہت برا فعل ہے۔

افسوس اگر بیٹوں میں تھوڑا سا رشد ہوتا اور (حضرت) یعقوب علیہ السلام کی حیثیت نبوت سے واقف ہوتے تو اپنے منصوبہ سے باز آجاتے مگر وہ نہ باپ کی حیثیت سے ادب کرتے ہیں اور نہ نبوت کے لحاظ سے مگر (حضرت) یعقوب علیہ السلام کو رنج اور غم میں ڈالنے سے اپنے اوپر بدبختی

۱۔ ذمہ دار

کا داغ لگا رہے ہیں

استاد اور مرشد کے احترام سے علم و رشد کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔

فیوض الٰہی سے وہ لوگ مالا مال ہوتے ہیں جو مجسم ادب ہوتے ہیں۔

ے[1] بے ادب محروم ماند از فضل رب۔

مثال۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں کہ میرے استاد مرشد نے مجھکو اپنا کلاہ عنایت فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ میرے حضرت مرشد وہ کلاہ تقریباً بیس بتیس سال سے سر پر رکھتے آئے اور کبھی اس کو نہ دھویا تھا۔ میں نے گھر میں آکر اُس کو پانی میں بھگو رکھا۔ صبح کو دیکھا کہ پانی نہایت روغن سیاہ کی طرح تھا۔ تأدباً میں نے وہ پانی پی لیا۔ پیتے ہی سب لطائف کھل کر روشن ہو گئے۔ شاید کلاہ دینے کا بھی یہی اشارہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ مجھے سمجھ آ گئی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

پھر (حضرت) یعقوب علیہ السلام نے دیکھا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو باہر جانے کا شوق ہے۔ اس کی خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے اجازت دے دیتے ہیں۔

آیت نمبر 15

حضرت یوسف علیہ السلام کا چاہ کنعان میں ڈالا جانا

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○

ترجمہ۔ پھر جب (حضرت) یوسف کو لے گئے تو ان کا پختہ ارادہ اس پر ہو گیا کہ اُسے گہرے چاہ کی (تاریکی) میں ڈال دیں (تو انہوں نے ایسا ہی کیا) تو ہم نے اس کو وحی کیا (یعنی دل میں یہ بات ڈال دی) کہ تو انکو انکا یہ فعل یقیناً جتائیگا۔ مگر وہ تم کو پہچان بھی نہ سکیں گے۔

1۔ ے از خدا خواہیم توفیق ادب۔ بے ادب محروم ماند از فضل رب مثنوی دفتر اول بیت نمبر 78

تشریح :- حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت حاصل ہو چکنے کے بعد دوسرے دن صبح
سویرے ہی گھوڑوں یا اونٹوں پر سوار ہو کر اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کو ساتھ لیکر بڑی خوشی
کے ساتھ اپنی سوچی ہوئی سکیم کو پورا کرنے کیلئے روانہ ہو گئے -

یہ بھائی اپنی سکیم کو تکمیل کرنے کیلئے جا رہے ہیں مگر (حضرت) یوسف ؑ اس بیابان کو
دیکھکر بیان قدس اور ساحت لاہوت اس کو یاد آجاتا ہے اور اس مراقبہ میں مستغرق
ہو گئے - آخر بھائی مسافت طے کر کے اس ویران چاہ جسمیں زہریلی گیس پیدا ہو گئی تھی
اور وہ چاہ بڑا گہرا تھا - جیسے عمر کوٹ سندھ کے ریگستان میں چاہ ہوتے ہیں -
اس پر جا ٹھہرے اور یہ چاہ اس بیابان میں یہ چاہ ویرانہ اور گہرا تھا - جو عقبہ بندر[1]
جس کو مدین یا مہران تورات میں کہا گیا ہے - اس بندر عقبہ اور شرق اردن کے درمیان
تھا - یہ بڑا بیابان ہے - اسمیں میٹھا پانی پینے کیلئے نہیں ملتا - تین چار روز
کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ عمیق ویران چاہ جو کسی تاجر نے گزشتہ زمانے[2]
میں کھدوایا تھا آجاتا تھا - ایسے ویران چاہوں میں زہریلا گیس ہوتا ہے)
مسافر واردین چند ڈول اسمیں سے) نکال کر باہر پھینکتے تھے - اس عمل کے بعد
پانی پینے کے لائق ہو جاتا تھا - یہ اس چاہ عمیق ویرانہ کی سرگزشت ہے -
مگر (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں تاجروں اور قافلہ والوں نے یہ
راستہ چھوڑ کر ساحل بحر کا راستہ اختیار کیا تھا - اور یہ چاہ ویران پڑا رہتا تھا -
بھٹکے ہوئے مسافر اور گم کردہ راہ (مسافر) اشخاص کبھی کبھی اس پر وارد ہو جاتے تھے
اسلئے گزشتہ آیت میں تھا کہ یلتقطہ بعض السیارہ یعنی گم کردہ راہ مسافروں
میں سے
جن لوگوں کو جلد سفر کرنا ہوتا تھا وہ اس کنوئیں کے راستہ پر چلتے تھے -

۱ - بندرگاہ عقبہ
۲ - ایسے ویران چاہوں (کنوؤں) میں زہریلی گیس ہوتی ہے -

یہ معنی ہے ستیارہ کا [اس موجودہ زمانے میں موٹر کار کو عرب ستیارہ کہتے ہیں یعنی تیز رو۔]

اس عمیق ویران (چاہ) پر پہنچکر برادران نے (حضرت) یوسف علیہ السلام کا کرتہ اتارا توراۃ میں آتا ہے کہ وہ کرتہ بوقلمون تھا یعنی اس پر نقش نگار تھے۔ حضرت یعقوبؑ نے (حضرت) یوسفؑ کیلئے بنوایا تھا۔ جب بھائیوں کے ساتھ جا رہے تھا اپنے ہاتھوں سے اس کو پہنایا۔ شاید وہ کرتہ ایسے ہو جیسے عرب بدوی پہنتے ہیں۔ پاؤں تک لمبا ہوتا ہے۔ اور ستر ڈھانپنے کیلئے اندر چھوٹی سی تنبی[1] ہوتی ہے۔

چاہ میں ڈالتے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی کیفیت۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام کو اسی سے جکڑ کر ڈالنا شروع کیا مگر اس تمام حالت کو دیکھتے ہوئے (حضرت) یوسف علیہ السلام نے کوئی جزع فزع نہیں کیا۔ بالکل اطمینان سے رہے۔ کیونکہ انکی تمام توجہ[2] حظیرۃ القدس کی جماعت ملاء اعلیٰ کیطرف تھی۔ ایسی حالت میں وہاں سے وحی یعنی قلب پر ارشاد نازل ہوا کہ یہ برادر بے شعور بے علم ہیں۔ انکے ظلم کو حوصلے اور ہمت سے برداشت کرو۔

۱۔ اور تو یہاں سے نجات پائیگا۔ ۲۔ تو اعلیٰ منزلت پر پہنچیگا۔
۳۔ تیرے بھائی تیرے سامنے ذلیل ہو کر حاضر ہونگے۔ ۴۔ اور تجھے انہیں جتانے شرمانے کا موقع دیا جائیگا

توراۃ میں ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کی عمر اس وقت سترہ[17] سال کی تھی حضرت یوسف علیہ السلام کو گہرے چاہ کی طرف دھیان نہ تھا۔ بلکہ اس وقت انکی توجہ ملاء اعلیٰ کیطرف تھی۔ وہاں سے الطاف رحمانی اس کے قلب پر برس پڑے اور تسلی مل گئی۔

؎ وقت است خوش آنرا کہ بود ذکر تو یونس ور بود اندر شکم حوت چو یونس

۱۔
۲۔ ان کی تمام توجہ

(حضرت) یوسف علیہ السلام کا قلب الطاف رحمانی سے رنگا جاتا ہے اور برادران[1] پر اب

کوئی غصہ و رنج نہ رہا۔

ے بے رنگ وصاف درون باش ہمچو آب۔ تا تو ز رنگ و رونق بالا لاشوی برنگ

اب اس آیت کے معنی یوں کریں گے کہ جب (حضرت) یوسف علیہ السلام کو لے کر چلے اور جب

چاہ عمیق میں ڈالنے کا متفقہ طور پر عزم مصمم کیا اور جب ہم نے (حضرت) یوسف علیہ السلام

کی طرف وحی کیا[2] کہ تم ضرور کامیاب ہوگے اور ان کے بداعمالوں کی ان کو خبر دوگے

اور یہ برادران اس حالت میں ہیں کہ ان کو حیوانوں جیسا بھی احساس نہیں۔ انکو ابھی

اسی وقت معاف کر دو۔ دلمیں بغض اور رنج مت رکھو۔ پھر انہوں نے (حضرت)

یوسف علیہ السلام کو چاہ میں ڈال دیا۔ غرض لمّا کا جواب آخر میں نکالنا چاہیے۔

یعنی وھم لا یشعرون جملہ الحالیہ ہے۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو وہی حکم

ہوتا ہے جو قرآن حکیم میں۔ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ الآیہ[3] ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا قلب صاف ہوتا ہے۔ جاہلوں کے ظلم برداشت

کرتے ہیں اور پھر معاف کر دیتے ہیں۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام اپنے آئندہ پروگرام سوچ رہے تھے۔ بھائیوں کی گستاخی

اور بے ادبی اور ظلم وستم اسی وقت معاف کر دیا۔ کیونکہ مثل ہے ے اَلْقَلْبُ

لَهَا وِجْهَةٌ یعنی قلب کا ایک طرف متوجہ ہونا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کو) جب قریش نے قتل کی سازش کی تو آپ[4]

چھپ کر غار ثور میں جا بیٹھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یار غار تھے۔ جب صبح کو قریش

سراغ لگاتے ہوئے غار کے منہ پر آگئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھبرائے

[3] الاعراف ۷: ۱۹۹

[1] بھائیوں پر
[2] کی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اِنّ اللہ معنا[ا] یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت ہمارے ساتھ ہے کچھ خوف کی بات نہیں۔

اسطرح حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ قدوس کی امداد اور تسلی شامل حال تھی۔ اور جانتے تھے کہ ہم ہی غالب رہیں گے۔ عارضی تکلیفیں آجاتی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو چاہ یاد نہ تھا بلکہ اس چاہ کو ایک راہ اور سوراخ سمجھا کہ یہاں سے سلطنت اور کامیابی کا راستہ کھل جائیگا۔

راہ حق میں آنیوالی تکالیف آسانی سے گزرجاتی ہیں کیونکہ اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔

جیسے انقلابی پھانسی کے پھندوں کو کامیابی کا دروازہ سمجھکر اور بوسہ دیکر اپنے گلے میں ڈالتے ہیں اور وطن کی آزادی کا یہی دروازہ سمجھتے ہیں۔ ایسے مشکل وقتوں میں انکے پاس مایوسی ہرگز نہیں آتی۔

قریش مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ صحابی کو پھانسی کے تختہ پر چڑھایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا۔

لَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ
وَذَالِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاْءُ یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

ترجمہ: مجھکو کوئی پرواہ نہیں میری لاش جدھر جا گرے کیونکہ میں اسلام کیلئے قتل ہو رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے یہ کام ہو رہا ہے تو اللہ تعالیٰ میرے بند بند[1] ٹوٹے پھوٹوں پر برکت عطا کریگا۔

یعنی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کیلئے قتل ہو رہا ہوں تو مجھکو امید ہے کہ میری لاش اور میرے قتل ناحق کو دیکھکر مومنوں کے دل میں ولولہ اور شوق شہادت پیدا ہوجائیگا اور جس کام کو میں ادھورا چھوڑ رہا ہوں

1۔ میرے ٹوٹے پھوٹے اعضاء پر برکت نازل کریگا۔ [ا] التوبہ 9:40

اس کو جماعت اسلامیہ اکثر تکمیل کے درجہ پر پہنچا ئیگی ۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے آگے منت سماجت کا کوئی خیال تک نہ آیا نہ ان کے ستم ایذاء پر غصہ آیا ۔ بلکہ ان کو آئیندہ زندگی کا وسیع پروگرام زیر نظر تھا ۔ اور ان کے دل کو مکمل اطمینان تھا ۔ کہ جس کام کیلئے مجھکو اللہ تعالیٰ نے اتنی فضیلت اور علم دیا ہے وہ کام میرے ھاتھوں سے سرانجام ھو کر رھیگا ۔

ے دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ عارف کہ برنجد تنک آبست ہنوز

عقلمند انسان کو چاہیئے کہ کسی نہ کسی علم یا ھنر یا فن میں اعلیٰ لیاقت پیدا کرے اعلیٰ لیاقت والے انسان کو اللہ تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرتا ۔ اسکو حسب لیاقت کام کرنے کا موقع ضرور عطا کرتا ہے ۔ مگر اس بارے میں صبر کرنا چاہیئے اور موقع تلاش کرنا چاہیئے ۔ [1]

ے خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آھی جاتی ھے ۔

انقلابی اور واعظ میں فرق ــــ

انقلابی انسان میں اور ملاں [1] واعظ میں یہ فرق ہے کہ انقلابی جان کی بازی لگاتا ھے اور حضرت واعظ عزت و آبرو کا تماشا دکھاتا ہے کہ آپ بھی خوش ھوتا ہے اور لوگ بھی خوش ھوتے ہیں ۔

ے بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را ۔

(؟ ا ۔) (؟ ۲)

اس تاریک ۔ اندھیرے عمیق زہریلی گیس والے چاہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈالدیا گیا ۔ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گرنے سے قدرے [1] زہریلا گیس کم ھوگیا ھوگا ۔ عقلمند لوگ ایسی زہریلی گیس والے کنوئیں میں پہلے پتھر گراتے ہیں تاکہ زہریلی گیس میں تحرک پیدا ھو اور کم اثر کرے ۔ مگر پھر بھی زہریلا گیس [2] تھا

ا ۔ قدرے زہریلی گیس کم ھوگئی ھوگی ۔
۲ ۔ زہریلی گیس تھی

ے کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی
[1] گلستان صفحہ ۹۱ کلیات سعدی مطبوعہ تہران

اپنا اثر کرنے لگا[1] اور بھائیوں نے یقین کر لیا کہ وہ مر گئے ہیں۔ اسلئے وہاں سے چل پڑے اور گھر کا رخ کیا۔ اور ان کے پاس تیز رو سواریاں تھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ تھے۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی ران پر سو گئے۔ زہریلے ناگ نے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو ڈس لیا۔ زہر نے اثر کیا انکی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک پر آنسو گرے۔ پھر آپؐ نے ڈنگ کی جگہ لعاب مبارک ڈالا۔ زہر کا اثر چلا گیا۔ اسطرح حضرت یوسف علیہ پر بھی زہریلے کیس نے اثر ڈالا۔
اہل تصوف فرماتے ہیں کہ اس ناگ نے ڈنگ مارنے کے ارادے سے ڈنگ نہیں مارا تھا بلکہ (...[2]) بوسہ دینے کے ارادہ سے بوسہ دیا تھا کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دینا فرض ہے جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پس رہتے ہیں۔
اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غار ثور سے نکل کر حد حرم سے باہر آئے تو جبل ابو قبیس اور جبل نور اور بیت اللہ اور سرزمین حرم اپنے معشوق کیلئے رونے لگے۔
آپؐ نے انکی تسلی کے لئے فرمایا۔ اے سرزمین حرم واللہ تم سے میری بہت محبت ہے میں چند روز آپ سے جدا ہوتا ہوں پھر میں اپنے عاشقوں کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔

برادران یوسفؑ کی واپسی اور والد کو اطلاع دیتے ہوئے گریہ و زاری کا مکر و فریب۔

آیت 16 وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ٥

ترجمہ: وہ تھوڑی رات گزرے (اسی دن) باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔
تشریح:۔ عشاء لغت عرب میں غروب آفتاب کے وقت سے لیکر نیند کرنے کے وقت تک (کو) کہتے ہیں۔ نیند کے وقت کو عتمہ بھی کہتے ہیں

ا۔ لگی
۲۔ وہ

اس جگہ مراد خفتن کا وقت یعنی جب تیسرا حصہ رات کا گذر جائے۔ ایسے وقت برادران یوسف علیہ السلام باپ کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور بڑے[1] آواز سے روتے سب کے سب بھائی آتے ہیں۔ ایسا وقت سوچنے اور غور کرنے کا نہیں ہوتا۔ اس لئے بھائیوں نے یہی وقت اختیار[2] کیا تھا کہ جو کچھ کہیں گے باپ اور تمام خاندان اس پر یقین کرینگے اور ہر شخص اس وقت نیند سے مغلوب ہوتا ہے۔ اسلئے اس پر کوئی غور و خوض نہ ہوگا پر ایک شخص کہیگا کہ تقدیر الٰہی ایسی تھی۔

مگر (حضرت) یعقوب علیہ السلام جیسے شخص کو ورغلانا اور جھوٹ بنا کر سُنانا اور پھر تصدیق کرانا کارے دارد۔

قتل ناحق کے بعد انسانی کی فطری کیفیت:—

جب (حضرت) یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالدیا تو ان کے حواس باختہ ہوگئے اور اوسان خطا ہوگئے۔ یہ انسانی فطرت ہے جب کوئی شخص ناحق خون کرتا[3] ہے تو اس کے ہوش باختہ ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ خود جاکر پولیس میں[4] اطلاع کرتا ہے اور صحیح صحیح واقعہ بیان کردیتا ہے۔ یہ ضمیر اور کانشس (conscience) کا تقاضا ہوتا ہے۔ خصوصاً (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائی جنہوں نے ایسے جرم کا ارتکاب بھی نہیں کیا اور ان انکے خاندان میں ایسا واقعہ گزرا تھا۔ ایک لحظہ بھی چاہ پر ٹھہرنا۔ ان کا جی نہیں چاہتا تھا۔ فوراً الٹے ہی واپس گھر کا رُخ کیا۔ اسی دن عشاء کے وقت سب کے سب روتے ہوئے باپ کے پاس حاضر ہوگئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلے والوں کے ہاتھ بیچنے کے قصہ کی تردید:—

اس آیت شریف میں یہودیوں کی روایت پر رد ہے جو انہوں نے کتاب پیدائش تورات میں لکھا ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائی چاہ پر ٹھہرے رہے "تاآنکہ اس کو قافلہ والوں کے پاس بیچا۔ یعنی تورات کتاب پیدائش میں کا اس بارے میں قصہ غلط ہے۔ قرآن مجید سب کتب الٰہی پر مہیمن ہے

1۔ بلند آواز
2۔ منتخب کیا
3۔ قتل کرتا ہے۔
4۔ پولیس کو / پولیس اسٹیشن

قرآن مجید کا مھیمن ھونا۔

یعنی ہر حصے کا نگہبان ہے جو ان کتابوں میں غلط بات لکھی ہوئی ہے، اس کو رد کرتا ہے اور صحیح صحیح واقعہ بیان کرتا ہے اور عقلمند انسان بھی تاریخی واقعات پر غور کرنے کے بعد اور فطرت انسانی کے حالات کی، جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جو کچھ قرآن حکیم بتاتا ہے وہی سچ ثابت ہوتا ہے مطلب (یہ) کہ کوئی بھائی کنوئیں پر نہیں ٹھہرا۔ ایک اس سبب سے کہ وہ چاہ ویران علاقہ میں تھا دوسرا انیس سے اگر کوئی ٹھہر جاتا تو (حضرت) یعقوب علیہ السلام ان[1] کے متعلق سوال کرتے۔ اور اسی دن عشاء کے وقت اسلئے روتے ہوئے حاضر ہوئے کہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام یقین کر لیں (کہ) یہ لوگ قرب وجوار میں کھیلنے گئے تھے۔ اگر دو چار روز کے بعد آتے تو (حضرت) یعقوب علیہ السلام اپنی جماعت میں سے آدمی بھیج کر ان کے حالات کی تفتیش کرتے۔ اس ڈر سے اسی روز حاضر ہوگئے۔ تاکہ ان کے منصوبہ کا سراغ نہ ملے اور خاندان اور جماعت سے ماتم میں مبتلا رہیں اور تفتیش حالات کی نوبت نہ آئے۔

آیت نمبر ۱۷

حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کی اطلاع —

قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ -

ترجمہ۔ کہنے لگے اے باپ ہم سب دوڑ لگانے لگ گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے پھر اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ تو ہماری بات (پر اعتبار نہیں) نہ کریگا۔ اگرچہ ہم سچے ہیں۔

[1] ۔ اس کے

تشریح :۔ تستبق کا مجرد سَبَق یَسْبِقُ آگے نکل جانا۔ اور دوسرے کو پیچھے چھوڑ گیا اور استباق کا معنی ہے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کیلئے دوڑنا۔ مومن کا معنی تصدیق کنندہ۔ اس جگہ یہی لغوی معنی مراد ہے اور شرعیہ معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اور کتب منزلہ و یوم آخرت پر یقین رکھتے ہوئے ہو اور اس سے اعمال صالحہ پیدا ہوں۔

اب رونا کسی دلی صدمہ سے کسی دوسرے قسم کا ہوتا ہے اور بناوٹی رونا چھپ نہیں سکتا۔ عقلمند آدمی فوراً پہچان لیتا ہے اور (حضرت) یعقوب علیہ السلام انسانوں کے چرواہے اور ایک بڑے ملک اور بڑی جماعت پر حکمران ہیں اس کے علاوہ وہ اہل اللہ ہیں۔ اندرونی استعداد اور ملکات خوب پہچان لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے آگے بناوٹی رونا کیا وقعت رکھتا ہے۔ اسطرح سچی اور جھوٹی بات کی تمیز اور پہچان ان کو معلوم ہے۔ اب روتے ہوئے اپنے باپ کو قصہ سناتے ہیں کہ ہم نے ریس یعنی دوڑ کی شرط لگائی تھی۔ جس میں ہم سب شریک ہوئے۔ دوڑ بھی لمبی مسافت کی رکھی۔ اس لمبی دوڑ میں سب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور یہ انعامی دوڑ تھی۔

چونکہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کمزور اور کم سن تھا اور دوڑ میں شامل ہونے کے قابل نہ تھا۔ اس واسطے اس کو پیچھے اسباب کی حفاظت کے[1] چھوڑ گئے تھے۔ جب ہم سب گھوڑے دوڑ میں بہت دور چلے گئے اور (حضرت) یوسف علیہ السلام ہماری نظروں سے اوجھل اور غائب ہو گیا تو پیچھے سے بھیڑیا آیا اور (حضرت) یوسف ع کو کھا گیا۔ کیونکہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کمزور تھا اسلئے بھیڑیئے کا مقابلہ نہ کرسکا۔

۱۔ کیلئے

اب یہ برخورداران اسطرح کا بناوٹی بہانہ بنا کر (حضرت) یعقوب علیہ السلام جو کہ بڑے عقلمند اور طبع شناس تھے ان کے پیش عرض کرتے ہیں۔ (حضرت) یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ بہانہ بناوٹی ہے۔

اہل اللہ جنکا تعلق حظیرۃ القدس سے ہوتا ہے ان کے سامنے آگے کسی شخص کا نام اور اس کے کام کا ذکر کرو تو اس کی استعداد اور کام کی حقیقت اور نوعیت سمجھ لیتے ہیں۔

[1] دل نگہدارید اے بے حاصلان ۔ درمیانِ صحبت صاحب دلان ۔

برخورداروں کے بناوٹی رونے سے اور پھر قصہ بیان کرنے سے (حضرت یعقوب علیہ السلام کو حقیقت منکشف ہوگئی اور جھوٹ چھپا نہ سکے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام (نے) ان کی تصنع کو اچھی طرح پہچان لیا۔ اور ان برخورداروں کو یقین آگیا کہ باپ ہمارا رونا اور گھوڑ دوڑ کا بہانہ مصنوعی سمجھتے ہیں۔ تو کہنے لگے ہم بالکل سچے ہیں اور ایماندار ہیں۔ ہم نے حضور کی خدمت میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس واقعہ میں کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں۔ تقدیر الٰہی ایسی تھی اور رخصت دیتے وقت آپ کے روشن قلب پر ایسا ہی منکشف ہوا تھا کہ ایسا ہونیوالا تھا۔ اہل اللہ کے قلب مبارک پر کبھی کبھی ایسی غیبی خبریں روشن ہوجاتی ہیں۔ اسمیں ہمارا کیا قصور ہے!!

مشاہدۃ الابرار بین التجلی والاستتار۔ اسلئے چاہیے تھا کہ آپ ہماری بات کی تصدیق کرتے مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ یقین نہیں کرتے اگرچہ ہم بالکل سچے اور راست گو ہیں۔ بھلا ہم دس بھائی سب کے سب جھوٹے ہیں کیا؟

ایسے الفاظ بولتے وقت رونا چھوڑ دیا تھا۔ بڑی خفگی۔ غصہ اور تنبیہ کے ساتھ پختہ ہو کر سب کے سب یک زبان ہو کر بولے۔ اس سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین آگیا

[1] دفتر ۲۔ بیت نمبر ۳۲۱۹

کہ یہ بناوٹی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر واقعی ایسا واقعہ ہوتا جیسے یہ صاحبزادے کہہ رہے ہیں تو انکے قلب میں حیرانی زیادہ بڑھتی جاتی اور پشیمانی اور پریشانی سے انکی حالت دگرگوں ہوتی۔ یہ سب استدلال تھے جس سے یقین ہوگیا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا نہیں کھاگیا۔

جب ان صاحب زادوں کو یقین ہوگیا کہ ہمکو جھوٹا سمجھ رہے ہیں تو اس وقت خون آلودہ قمیص حضرت صعو یوسف علیہ السلام کی حضرت یعقوب علیہ السلام کو دکھلاتے ہیں

آیت نمبر 18۔

وَجَاءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۚ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۚ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

اپنے دعوے کی تصدیق کرانے کیلئے برادران یوسف کا ایک اور مکر یعنی خون آلود قمیص کا پیش کرنا۔

ترجمہ:۔ اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا کر جھوٹ۔ بولا وہ (حضرت یعقوب علیہ السلام) یہ ہرگز نہیں بلکہ تم نے اپنے نفس کے پیچھے لگ کر ایک بڑی بات بنائی ہے۔ مگر اب صبر ہی بہتر ہے کہ ان باتوں پر جو تم ظاہر کرتے ہو۔ بس میں فقط اللہ سے مدد چاہتا ہوں۔

تشریح:۔ ان صاحبزادوں (نے) اس سے پہلے کبھی ایسا کام جو سراسر ضمیر اور کانشنس (Conscience) کے خلاف ہو نہ کیا تھا نہ وہ ایسے دغاباز مکار یا ڈاکو یا قتل ناحق کرنے والے تھے اور مکر و فریب کے خوگر نہ تھے۔ خاندانی شرافت انمیں پوری پوری تھی۔ مگر یہ ضد اور حسد اور بغض کیوجہ سے جذباتی رو میں بہہ کر (حضرت) یوسف علیہ السلام کو خاندان سے نکالنے کیلئے کام کیا تھا۔ اور امانت (کے) طور پر باپ سے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو حاصل کیا تھا۔ امانت میں خیانت کر بیٹھے مگر عادی نہ ہونے کیوجہ

بہانہ بھی پورا نہ بنا سکے ۔

برادران یوسف کے دعوے کی تردید کی چند اہم وجوہات :-

اب ان کو (حضرت) یعقوب علیہ السلام کی وہ بات جو انہوں نے جاتے وقت کہی تھی یاد تھی، اس کو مد نظر رکھ کر خلاصی کا راستہ ڈھونڈھ لیا تھا۔ اب بھیڑیئے کا بہانہ پیش کرتے ہیں اور ثبوت کیلئے (حضرت) یوسف علیہ السلام کی اُتاری ہوئی قمیص پر کسی جانور کا خون لگا کر قمیص پیش کرتے ہیں ۔ مگر وہ قمیص کسی جگہ سے پھٹا ہوا نہیں تھا۔ سالم کا سالم ہے [1] جس سے انکو ان صاحبزادوں کا بہانہ کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو بھیڑیئے نے کھا لیا ۔ سراسر جھوٹ معلوم ہوتا ہے اور سمجھ گئے اگر بھیڑیا کھاتا تو قمیص ضرور پھٹتی ۔

دوسرا پھر خون پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ (حضرت) یوسف [2] کا خون نہیں کیونکہ انکو (حضرت) یوسف علیہ السلام کے پسینہ اور خون کی بو اچھی طرح معلوم تھی۔ جس طرح [illegible] (خون کی تفتیش کرتے ہیں) (حضرت) یعقوب علیہ السلام کو اس خون سے (حضرت) یوسف علیہ السلام کے خون کی بو بھی نہیں آتی

تیسری وجہ شاید یہی ہو کہ قمیص نے شاہدی دی ہو کہ یہ تمام منصوبہ غلط ہے ۔ میری ناقص رائے میں ہے کہ خون آلودہ قمیص نے بولا کہ ان کی بات غلط ہے (حضرت) یوسف علیہ السلام زندہ ہیں ۔

اہل اللہ کی قوت ارادیہ کا اثر

اہل اللہ جب اپنی قوت ارادیہ پر زور دیتے ہیں تو پہاڑ یا درخت بلکہ ہر چیز ان سے بات کرنے لگ جاتی ہے ۔ اسلئے قمیص کا بولنا کچھ لبعید نہیں ۔ جیسے امرأۃ العزیز کے جھگڑے میں (حضرت) یوسف علیہ السلام کا پھٹا ہوا [2] قمیص اسکی عصمت و برأت بیان کرتا ہے [3] ۔ اور تیسرا قمیص جو (حضرت) یوسف علیہ السلام نے) مصر سے)

۱۔ مگر وہ قمیص کسی جگہ سے پھٹی ہوئی نہیں بسالم کی سالم ہے ۔

۲۔ پھٹی ہوئی قمیص

۳۔ بیان کرتی ہے ۔

بھیجا تھا[1] - اس کی بو نے (حضرت) یعقوب علیہ السلام کو خوش خبری دی کہ اب ہجر اور فراق کا
زمانہ ختم ہونا ہے
اہل اللہ کی داستانوں اور ملفوظات میں ایسے بہت سے واقعات منقول ہیں
حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ انفاس العارفین میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم
قدس سرہٗ کے ایسے واقعات بیان فرماتے ہیں کہ اُنسے جانور باتیں کرتے تھے
حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایسے استدلالات حال اور مقام سے لیکر جیسے بڑے دانشمند
چیف جسٹس فتویٰ دیتے ہیں ایک آخری فیصلہ دیا کہ
بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا کہ تمہاری جانوں نے تمہیں گمراہ کیا
اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کو گم کر آئے ہیں[2] -

حضرت یعقوب علیہ السلام کا رنج و مصیبت کے وقت صابر و شاکر رہنا

اب اس کے سوا علاج نظر نہیں آتا کہ اچھی طرح صبر کروں اور تم کو ملامت کا
ھدف نہ بناؤں نہ تمہارے آگے شکایت کروں نہ کسی فرد خاندان کے آگے
شکایت کروں - ایسے بارِ گراں پر صبر کے سوا چارہ نہیں اس بارے میں اعانت
اور مدد فقط اللہ تعالیٰ قدوس سے طلب کرتا ہوں وہ مسکین کا مددگار ہے میری
بھی وہی مدد کریگا - اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کی بھی وہی مدد کرتا رہیگا
(حضرت) یعقوب علیہ السلام کے دل پر غم کے پہاڑ الٹ پڑے - انکو بڑی امید تھی کہ
ہمارے سلسلہ کو چلانے کی بڑی استعداد والے (حضرت) یوسف علیہ السلام تھے - ان
صاحبزادوں میں انکو کچھ استعداد نظر نہ آتی تھی -

ہمائے کس نیاید بزیر سایہ بوم ‏ ‏ ‏ ‏ وز ھما از جہان شود معدوم

برادرانِ یوسف علیہ السلام کا طرزِ عمل -

اب یہ صاحبزادے سب کے سب ہر وقت حلقہ ڈالکر (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے
اردگرد رہنے لگے اور کبھی دور نہ ہوتے تھے - ایک تو ان کو خوف تھا کہ مبادا حضرت یعقوب علیہ السلام

؎ گلستاں باب نمبر ۱ صفحہ ۱۲ نولکشور -

۱ - بھیجی تھی
۲ - گم کر آئے ہو

تفتیش کیلئے آدمی بھیجے اور سراغ لگانے والے ان کے پاس کافی جماعت تھی اور ان کے ہاتھ لمبے تھے

برادران یوسف علیہ السلام کی والد کی خدمت میں رہنے کی وجوہات

دوسرے مبادا کہ ہماری شکایت جماعت کے آگے بیان کرے جس سے ہمارے وقار کو نقصان پہنچے۔ اس لئے بڑی فرحت اور خوشی سے باپ کی خدمت میں حاضر رہنے لگے اور جماعت پر اپنا وقار اور عزت ڈالنا شروع کر دیا۔

مگر یہ صاحبزادے باپ کی تسلئ قلب کیلئے کوئی بات نہیں کرتے تھے بلکہ نہایت شدت سے ان کو غم سے روکے رکھتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام بڑے حوصلہ والے اور حلیم طبع تھے اور سمجھتے تھے کہ ایک لائق بیٹا تو گم ہو گیا۔ اگر ان صاحبزادوں سے اچھا سلوک نہ کیا جاویگا تو خاندان بگڑ جاویگا۔ ناچار ان سے خوش دلی سے پیش آتے اور کبھی اپنے اندوہ اور غم کی آگ جو ان کے اندر بھڑک رہی رہتی تھی اس کا کوئی شعلہ یا دھواں دھن مبارک سے نہیں نکالتے تھے ایسے خاندانوں کے بڑے بزرگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر اپنے بیٹوں سے کچھ کام میں غلطی ہو جائے تو انپر غصہ نہیں کرتے۔ اپنا وقت ایسا گزارتے ہیں جس سے خفگی کا اظہار نہ ہو۔

برادران یوسف ؑ کا حلقہ تفتیش معاملات کی راہ میں حائل رہنا

اب حضرت یعقوب علیہ السلام نہ کوئی غم کا اظہار کرتے ہیں نہ کوئی ان کو وقت میسر ہوتا ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کی کماحقہ تفتیش فرمائیں کیونکہ ان صاحبزادوں کی موجودگی میں ایسے کام کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اور صاحبزادے بھی جماعت کو ملنے سے اکثر روکے رکھتے اور حضرت یعقوب ؑ سے تخلیہ میں ملاقات کی اجازت شاید نہ دیتے ہونگے۔

اب آپ کے انیس جلیس ایسے بیٹے رہ گئے جن میں اگرچہ کچھ استعداد تھی مگر اپنی بے ادبیوں سے وہ بھی کھو بیٹھے۔

اندھیرے چاہ میں ڈالنے کے بعد برادران یوسف علیہ السلام نہ کبھی اس اندھیرے چاہ پر گئے اور نہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کی تفتیش کی۔ اب بھائیوں کا قصہ یہاں ختم ہو گیا۔ پھر قحط سالی کے ایام میں ذکر ہو گا۔

ہمکو قرآن حکیم کے سیاق وسباق قصہ میں ایسا یقین آتا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

حضرت یعقوب علیہ السلام کو غم فراق کے علاوہ یہ غم بھی تھا کہ کہیں نااہل لوگوں کی صحبت کیوجہ سے حضرت یوسفؑ کی استعداد ضائع نہ ہو جائے ۔

مگر اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو محض فراق کا غم نہ تھا۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی استعداد ضائع ہونے کا بھی غم تھا کہ کہیں ناجنس میں پھنسکر ان کی استعداد گم نہ ہو جائے یا لیاقت کے مناسب کام کرنیکا میدان نہ مل سکے۔ اور سب سے زیادہ غم اسکو[1] اس بات کا تھا کہ سلسلۂ نبوت کے چلنے والا ہاتھ سے کھو بیٹھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی مانند دیکھتے تھے کہ کوئی بھی جماعت میں ایسی استعداد والا (الہی) نہ تھا۔ جو بار نبوت کے اٹھانے کے لائق ہو۔ اس لئے وہ اللہ تعالے سے دعا مانگتے رہے۔ ان کو یوسف علیہ السلام جیسا صاحب استعداد آدمی مل اپنے خاندان سے مل گیا۔

ہر ایک عقلمند انقلابی آدمی کو اپنی تحریک اور پروگرام چلانے کیلئے صاحب استعداد عقل مند کی ضرورت رہتی ہے جو اسکے بعد پروگرام کو جاری رکھ سکے۔

خیال فرمائیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو کتنا غم رہیگا، کہ ایسا آدمی گم ہو جائے۔ کیونکہ ہر ایک عقل مند انقلابی آدمی کو اپنی تحریک اور پروگرام کو چلانے کیلئے چاہتا ہے کہ اس پروگرام کو میرے (بعد) چلانے والا عقل مند دستیاب ہو جائے[2]۔ وہ حسن صورت پر نظر نہیں کرتا بلکہ اس کی، دید استعداد اور لیاقت پر ہوتی ہے۔

۱۔ اُن کو
۲۔ تھو کیونکہ ہر ایک عقلمند انقلابی آدمی اپنی تحریک اور پروگرام کو چلانے کیلئے چاہتا ہے کہ اس پروگرام کو میرے بعد ۔۔۔ الخ

اپنے خاندان یا جماعت میں ان کو ایسا آدمی مل جائے تو ان کو تسلی ہوتی رہے) کہ اب پروگرام کا سلسلہ چلتا رہیگا - ورنہ نہایت غمگین رہتا ہے - یہی حال حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہے -

حضور نبی کریم صلعم کو بھی یہ خیال دامن گیر تھا کہ میری تعلیم و تہذیب کو چلانے والا کون ہوگا - آپ کی تسلی کیلئے سورۃ مریم و طٰہٰ کا نزول ہوا -

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین حنیف کو عالمگیر کرنے کیلئے مبعوث ہوئے تھے - اس دین کو سب ادیان پر غلبہ دینے کیلئے جدوجہد کر رہے تھے - پھر ان کو یہ خیال بھی دامن گیر رہتا تھا کہ یہ سلسلۂ تعلیم و تہذیب میرے بعد کسطرح قائم رہیگا آپ کو تسلی دینے کیلئے سورت مریم اور سورت طٰہٰ نازل ہوئیں کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلۂ تعلیم و تہذیب کے چلانے کیلئے بڑے عقلمند ہمت والے اسکے خلیفہ جیسے (حضرت) اسماعیل و (حضرت) اسحاق علیہما السلام و (حضرت) یعقوب علیہ السلام اور (حضرت) یوسف علیہ السلام اور (حضرت) موسیٰ علیہ السلام ہوئے - ۲۷

اسطرح تیرے لئے بھی تیری امت سے اللہ تعالیٰ تمکو خلفاء عنایت کریگا زکریا علیہ السلام نے) ایک وارث کیلئے دعا کی تھی تو اس کو دو وارث (حضرت) یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے عطا ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحریک چلانے والے (حضرت) داؤد علیہ السلام اور (حضرت) سلیمان صاحب الہام و سلطنت کے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے پیدا کر دیئے تھے

ویسے ہی تیری تعلیم و تہذیب کو ابدالآباد تک قائم رکھنے کیلئے تیری امت میں سے صاحب الہام (اولیاء کرام) اور صاحب سلطنت عظیمہ پیدا ہوتے رہیں گے -

اسلامی تہذیب و تمدن کے دو شعبے۔
۱۔ اقترابی ۔
۲۔ ارتفاقی۔

اور پھر کہا گیا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ الحجر ۱۵:۹

اور یہ بھی معلوم ہے کہ اسلامی تہذیب و تمدن کے دو شعبے ہیں۔
ایک اقترابی ہے یعنی عبادت اور اخلاق دوسرا شعبہ ارتفاقی ہے یعنی معاش کے اعلیٰ اصول اور ارتفاق کا تیسرا اور چوتھا درجہ سلطنت ہے
پہلے شعبہ کے علماء راسخین فی العلم اور اولیاء کرام محافظ ہونگے اور دوسرے شعبہ کے محافظ خلفاء کرام اور سلاطین عظام ہونگے
اب (حضرت) یعقوب علیہ السلام کو (حضرت) یوسف علیہ السلام کی زندگی کا تو یقین آ گیا تھا پھر صبر اور استقلال سے آگے[1] جیسے اپنے پروگرام چلا رہے تھے چلانا شروع کر دیا اور اپنے بیٹوں کو فرمایا کہ تم پر (حضرت) یوسف علیہ السلام کے متعلق اعتبار رہے یا نہیں اس کو چھوڑ دو۔ میرے پروگرام کے چلانے میں کام کرتے رہو
مضی ما مضی فادرکوا ما بقی ۔
اللہ تعالیٰ میرا مددگار ہے اور (حضرت) یوسف علیہ السلام جو گھر سے آوارہ[2] ہو گیا ہے اسکا بھی اللہ تعالیٰ مددگار ہے یہ فرما کر قصہ ختم کرتے ہیں ۔
اب برادران یوسف علیہ السلام نے اپنی رائے سے یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا کر دیا ہے ۔ اب نتیجہ کا انتظار کرنا چاہیے
اب بحث طلب امر یہ ہے کہ ہر شخص اپنی رائے اور اپنے فوائد اور غرض سے کام کرتا ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کام اور اس کا نتیجہ قابل تحسین ہے یا نہیں سرسری نظر میں یوں دیکھا جاتا ہے کہ اگر اس کے حق میں اچھا نتیجہ نکلا تو اچھا کام تھا اگر برا نتیجہ نکلا تو برا کام ہے ۔ مگر یہ کیسے علم ہو کہ یہ نتیجہ اچھا ہے یا برا جیسے

?

۱۔ پہلے
۲۔ بے گھر / لاپتہ

سرمایہ دار کہتا ہے کہ سود لینا اچھا کام ہے کہ اس سے میری ترقی ہوتی ہے اور مزدور کہتا ہے کہ یہ برا کام ہے کیونکہ اس سے میری بربادی ہوتی ہے۔ یا رشوت خور نوکر کہتا ہے کہ رشوت لینا اچھا کام ہے اور غریب کہتا ہے کہ برا کام ہے یا سلطنت[1] کہتی ہے کہ بڑا[2] لگان اور محصول لینا اچھا ہے کہ سلطنت کی ترقی ہوتی ہے اور آباد گار کہتا ہے کہ برا ہے کہ میرا گھر برباد ہوتا ہے۔

جو کام اجتماعیت کے لئے مفید ہو وہ اچھا ہے اور جس سے اجتماعیت کو نقصان پہنچتا ہو وہ کام برا شمار ہوگا۔

اب اچھا یا برا نتیجہ دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ سوسائٹی کو اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے یا نقصان پھر توازن کیا جائے تو جس کام کا نتیجہ سوسائٹی کے حق میں اچھا ہے وہ کام اچھا ہے ورنہ برا ہے اور ہر کام کے اچھے اور برے ہونے کی یہ عقلی دلیل بن سکتی ہے۔

حاصل مطلب :-

نیک اور بد کام کی تمیز یہ ہے کہ اجتماعیت میں اس کام کا نتیجہ پیدا ہونے کے بعد فیصلہ ہوتا ہے۔ جس کام سے اجتماعیت نے ترقی کی وہ کام اچھا شمار کیا ہوگا ورنہ برا۔

اب شریعت میں اچھا کام اسے کہا جائیگا جو ایک بڑی بین الاقوامی جماعت کی رائے میں اچھا ہو۔ مثلاً سوسائٹی کا فیصلہ ہے کہ ایک زبان والے لوگ ایک قوم ہیں۔ اب جو چیز فقط اس سوسائٹی کیلئے فائدہ مند ہو مگر وہ بین الاقوامی فائدہ کو مدنظر رکھا جائے تو وہ دوسری قوموں کیلئے مضر اور نقصان دہ ہے یعنی جو کام ایک آدمی یا کسی خاص گروپ کیلئے مفید ہے مگر اجتماعی طور پر مضر اور نقصان کار ہے تو وہ باب اور کام شریعت اسلامی میں اچھا شمار نہ کیا جاویگا۔ مگر جو کام ایک آدمی یا ایک گروپ کو تو ختم کر دیتا ہے

شریعت میں نیک و بد کام کی تمیز یہ ہے کہ وہ کام جو عالمگیر سطح پر مفید ہو وہ نیک ہے اور جو کام عالمگیر سطح پر مضر ہو وہ بد ہے

۱۔ حکومت
۲۔ زیادہ / بھاری

یا ایک قوم کو اس سے نقصان ہوتا ہے مگر اجتماعی طور پر اقوام عالم کیلئے مفید ہے تو
شریعت اسلامی میں اس کو اچھا شمار کیا جاویگا۔

اسطرح ہر مجرم اپنے کام کو اچھا سمجھ کر کرتا ہے۔ اگر نتیجہ خراب تصور
کرتا تو وہ کام ہرگز نہ کرتا۔

پھر دوسرے درجہ پر اچھے کام کرنے کے وقت پر غور کیا جاویگا کہ کب
کیا جاوے تاکہ اس کا نتیجہ خوشگوار ہو۔ اگر بڑے قانون الٰہی کے ماتحت کام
کیا جاوے تو نتیجہ یقیناً اچھا نکلے گا۔ اگرچہ بہت دیر کے بعد اور تیسرا درجہ
ہر کام کا دارومدار نیت پر ہے جیسا حدیث شریف میں ہے۔

انما الاعمال بالنیات ۔[1]

یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے یعنی اس کام کی قیمت نیت پر لگائی
جاویگی مثلاً اگر ہجرت اور ترک وطن ذاتی فائدہ اور غرض کیلئے یا کسی خاص قوم
کو فائدہ دینے کیلئے ہے تو یہ کم درجہ کا کام ہے۔ اگر ہجرت اللہ تعالیٰ کی طرف
منسوب ہے یعنی اس کا فائدہ بین الاقوامی ہے اور اعلیٰ اجتماعیت اسکی مد نظر ہے
تو تعریف کے لائق ہے

مثلاً ایک انسان سوسائٹی کے اندر رہتا ہے اور اس سوسائٹی میں زیادہ
تعلیم یافتہ طبقہ ہے اور اس طبقہ کو شاعرانہ نازک خیالات اور فلسفیانہ موشگافیاں[1]
کا بہت شوق ہے ۔ یہ انسان بھی اس میں وقت صرف کرنے میں محو ہو
جاتا ہے اور اک کو سوسائٹی کے فائدہ کا خیال نہیں رہتا تو یہ شخص اعلیٰ
انسانوں میں شمار نہ کیا جاوے گا۔ کیونکہ اس کو چاہیے تھا کہ ساتھ ہی ساتھ

مشکوٰۃ صفہ ۱۱ مطبع مجتبائی دہلی۔

۱۔ موشگافیوں

سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا بھی اندازہ کرتا رھتا - کیونکہ سوسائٹی کی عام حالت
فقط اس شاعرانہ نازک خیالیوں اور فلسفیانہ دماغوں سے زیادہ مانوس نہیں ھوتی
اسلئے اس کو چاھیے تھا کہ ایک غریب آدمی سے لیکر متوسط طبقہ اور پھر اعلیٰ
طبقہ کے خیالات کو پرکھتا رھتا اور پھر ان کے درمیان بیچوں بیچ ایک راستہ
مقرر کرتا جس پر عام اور خاص لوگ اجتماعی طور پر حالت میں چل سکتے -
غرض کہ سوسائٹی میں ہر کام میں اجتماعی فائدے کو نگاہ رکھکر کیا جائے - اس
طور سے وہ کام بین الاقوامی سوسائٹی کیلئے فائدہ مند ھوتا ھے - اور جب اُسے ایک
صنف یا کسی خاص حصے یا خاص جماعت کیلئے کیا جاوے اور دوسرے حصوں کو
نظر انداز کیا جاوے تو وہ بربادی کا باعث بن جاتا ھے -

جملہ معترضہ :-

بالا تقریر پڑھ کر غور کرو - سب سے بڑا حق سوسائٹی کا ھے
اوّل سوسائٹی کی خیر خواھی کرنی چاھیے اس کے بعد اس کے ضمن میں اپنے فوائد
کو دیکھنا چاھیے - انسان سوسائٹی میں رھکر دولت اور جائیداد پیدا کرتا ھے
اور بچے وغیرہ بھی سوسائٹی کے بندھن میں ھوتا ھے[1] وہ خود بھی سوسائٹی میں رہ
کر آرام کی زندگی بسر کرتا ھے جب انسان زندہ رھتا ھے تو سوسائٹی کے طفیل
رھتا ھے اور جب مرتا ھے تو سوسائٹی کا ھوکر مرتا ھے - اب کتنی افسوس کی
بات ھے کہ اس کے مرنے کے بعد اُن کے مال (سے) سوسائٹی کا حصہ نہیں نکالا جاتا اور
ان کے وارثوں کے درمیان تقسیم کرنے کیلئے متفق ھوجاتے ہیں اور سوسائٹی کو
محروم سمجھ لیا ھے -

1 - ھوتے ہیں

اور قرآن حکیم اس آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم (سورۃ النساء[1]) میں ما قبل اولاً سوسائٹی کے حق کے بڑے رقت آمیز کلمات جو کہ پتھر کو اور سنگ خارا کو بھی موم کردیں بیان فرمائے ہیں

قرآن پاک میں سوسائٹی کے ناداروں کے حقوق کا ذکر۔

وہ تین آیتیں یہ ہیں جس میں سوسائٹی کے ناداروں کیلئے حکم ہوتا ہے

۱۔ واذا حضر القسمۃ اولی القربی والیتامی والمساکین فارزقوا منہ وقولو لھم قولاً سدیداً۔

۲۔ ولیخش الذین لو ترکو من خلفھم ذریۃ ضعافاً خافوا علیھم فلیتقوا اللہ ولیقولو قولاً سدیدا۔

۳۔ ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلماً انما یاکلون فی بطونھم ناراً وسیصلون سعیراً الآیہ[2]

پہلی دو آیات میں تقسیم کرنے والوں کو سمجھایا گیا ہے اور تیسری آیت میں وارثوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یتیموں کا حق تمہارے مال میں مقرر کر دیا گیا ہے اور خفیہ طور پر تقسیم کر کے یتیموں کا حق تلف کر دو گے تو تم دنیا و آخرت میں جہنم میں رہو گے کہ سوسائٹی کے غریب اور یتیم اور مساکین کا حق اولاً مردہ کے مال سے نکال کر باقی اس کے وارثوں پر تقسیم کرو یا وارثوں کے ہر ایک سے خمس نکالو

انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ الآیہ الانفال ۸: ۴۱

نوٹ: مولانا کے نزدیک تقسیم وراثت سے پہلے یا بعد مال وراثت سے خمس نکالنا ضروری ہے۔

اب وارثوں کو مفت مال ہاتھ آیا ہے۔ اس سے خمس سوسائٹی کے لئے نکالنا ضروری ہے۔ خواہ وارثوں سے خمس لینا چاہیے یا قبل وراثت جمیع مال سے خمس نکالا جائے۔ اب کیسی افسوس کی بات ہے کہ بادشاہوں اور

[1] النساء۴: ۱۱ [2] النساء۴: ۸، ۹ و ۱۰

پیروں اور علماء نے اس پر عمل کرنا چھوڑ کر بڑی مصیبت میں گرفتار ہوگئے ہیں
سوسائٹی کے غریبوں اور یتیموں اور ناداروں کی تعلیم اور صحت کیلئے مسلمانوں میں
کوئی فنڈ نہیں ہے اور قرآن حکیم کی ان آیات کی رکیک تاویل کرکے نافہم قرار
دیا ہے - نوجوان غیور تعلیم یافتہ طبقہ جب اس روش کو دیکھتا ہے تو
سوائے افسوس کے اس کو چارہ نظر نہیں آتا

اگر حسب فرمودہ قرآن حکیم کے ہم عمل کرتے رہتے تو اجتماع اسلامی
بڑے اعلیٰ درجہ کے نتائج پیدا کرتا رہتا

وما افسد الدین الا الملوک واحبار سوء ورهبانها -
شریعت اسلامی کے رسم و رواج (دین کا معنی) کبری بادشاہوں اور بڑے
مولویوں اور بڑے پیروں نے تباہ کیا - انا للہ و انا الیہ راجعون البقرہ ۲:۱۵۶

مولانا کے نزدیک شریعت اسلامی کی تباہی کے ذمہ دار حکمران - مولوی اور پیر ہیں

اب پھر رسیدہ مضمون کیطرف آتے ہیں -

کسی اجتماعی یا انفرادی کام کی پوری پوری جانچ پڑتال تکمیل تک نہیں پہنچ سکتی
جب تک کسی کام کرنے والے اور کام کے تمام مدارج شروع سے لیکر آخر تک مقرر
نہ کردئیے جائیں -

کسی کام کی تکمیل کیلئے کام کرنے والے اور کام کے مدارج مقرر کرنا ضروری ہیں -

آجکل جو ہمارے دماغ میں آگیا ہے - اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے جرم کے
درجے مقرر کرنے بھلا دئیے ہیں - اس طرح نیک کام کے مدارج بھی فراموش
کردئے ہیں - اس طرح شریعت کو برباد کردیا ہے - اب مسلمان اس غلطی
میں برباد ہو رہے ہیں کہ وہ عام فائدہ[1] کی بجائے خاص فائدے[2] کیلئے کوشش
کر رہے ہیں - یہی وجہ ہے کہ وہ تباہی کی طرف جا رہے ہیں -

مولانا کے نزدیک جرم اور ثواب کے مدارج کو فراموش کرنا اور عام فائدے کی بجائے خاص فائدے کی کوشش نے مسلمانوں کو تباہی سے ہمکنار کردیا ہے

[1] General welfare of the people
[2] vested interests of an individual a group of individuals

تنبیہ :۔ انسان جس قدر کام کرتا ہے وہ اس کی قوتوں کی حرکت سے ہوتا ہے انسان کی ذات میں کوئی خوبی باہر سے آئی ہوئی ہو یہ ہرگز نہیں بلکہ اس کے اندر جو قوتیں امانت رکھی ہوئی ہیں ان کی تکمیل و تحریک سے کام کرتا ہے۔

انسانی فطرت نہایت سلیم واقع ہوئی ہے جب انسان کام کرتا ہے پہلے اپنی نیت کو حرکت میں لاتا ہے۔ پھر اس کے جوارح میں تموج (پیدا) ہوتا ہے۔ انسانوں کی جماعت مثلاً ایک کام کرتی ہے جیسے سب نے ماہ رمضان کا روزہ اور صوم رکھا اس کام میں سب برابر ہیں۔ مگر جب نیت کو دیکھا جائے تو آسمان و زمین کا فرق نمودار ہو جاتا ہے۔ پھر نتائج میں فرق ہوگا۔

مثال کے طور پر ہم عدد لیتے ہیں۔ ایک۔ دو۔ تین چار الی غیر النھایۃ۔ اور اعداد بشمار کے لحاظ سے تو برابر ہیں۔ اسیطرح انسان کے کام کی حالت ہے اب عدد اگرچہ ایک درجہ کے ہوں۔ مثلاً جب ان کے ساتھ دوسری چیزیں شامل کر دیجائیں تو آسمان و زمین کا فرق ہوگا۔ مثلاً دس کے ساتھ دوسری چیز شامل کرو اور کہو کہ دس پیسہ اور دس گینیاں اور دس گھوڑے دس ہاتھی دس مرغ تو انکی قیمت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے

پہلا فرق نیت سے اور دوسرا نتیجہ پیدا ہونے میں ہوا ہے۔ بعض اوقات ایک آدمی اچھی نیت اور ارادے سے کام کرتا ہے مگر اس کا نتیجہ بہت برا پیدا ہوتا ہے تو اس کام سے نتیجہ اکٹھا کر کے دیکھا جاوے تو حکیم طبع انسان اس کو برا کہیگا مثلاً ایک متمول آدمی یا جماعت حج کیلئے ہوائی جہازوں میں بڑے طمطراق سے جا رہے ہیں اور اس کے قریبی رشتہ دار بھوک سے مر رہے ہیں یا کسی اجتماعی ضروری کام کو سخت نقصان ہو رہا ہے اور ان کو معلوم بھی ہے۔ اگر وہ دولت ان بھوکوں

پر خرچ کرتے یا اجتماعی کام پر خرچ کرتے تو وہ بھوکے زندہ رہ جاتے اب وہ مر گئے
ہیں یا اجتماعی کام پر خرچ کرتا تو نقصان نہ ہوتا۔ اب ان کے خرچ نہ کرنے سے
اجتماعی کام کو سخت ضرب لگی تو حکیم طبع انسان اس کام کو بُرا کہیگا اور اُنکے امداد
دینے والوں یعنی جو ڈھکو نج پر امداد و سہولت پیدا کر رہے تھے۔ سب کو حکیم طبع
انسان بُرا شمار کریگا۔ اور قابل معافی قرار نہ دیگا۔

اسطرح ایک چور چوری کے ارادے سے نقب زنی کرکے گھر کے اندر داخل ہوتا
ہے وہاں جاکر دیکھتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کو قتل کر رہا ہے اس کی جان بچاتا ہے
تو مجسٹریٹ حکیم طبع اس چوری کے نتیجہ کو ملاکر یہ جرم قابل معافی قرار دیگا۔ یا
ایک جماعت لشکر کی جنگ کے میدان سے بھاگ نکلتی ہے تو آگے جاکر جس ذریعے سے
دشمن کو رسد کا سامان مل رہا تھا۔ اس پر قبضہ کرتی ہے اور دشمن مغلوب ہو جاتا ہے
اور عظیم الشان فتح حاصل ہوتی ہے تو کورٹ مارشل کا حکیم الطبع مجسٹریٹ یہ
جرم قابل معافی قرار دیگا۔ اب وہ کام کے نتیجہ ملانے سے درجہ نیک اور بد کام
کا اندازہ کرنا چاہیے۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام کو ذاتی اغراض کی بنا پر بھائیوں نے باہر
نکالا۔ مگر نتیجہ عظیم الشان پیدا ہوا تو یہ جرم قابل معافی ہو سکتا ہے۔ اگر
ان بھائیوں کی نیت یہ ہوتی کہ حضرت یوسف علیہ السلام بڑی استعداد والے ہیں اور
اور اس ملک میں کام کا میدان نہیں۔ اس کو باہر نکالنا چاہیے تاکہ اپنی استعداد
کے موافق کام کریں تو نیت اور نتیجہ ملانے سے یہ کام مستحسن سمجھا جائیگا
اسطرح قریش کی حالت ہے کہ بُری نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکالتے
ہیں مگر نتیجہ عالی شان پیدا ہوتا ہے تو قریش کا ظلم و ستم معاف کر دیا جاتا ہے۔

اب (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائی نہ کبھی چاہ پر گئے نہ ان کو فروخت کیا۔
پھر بھائیوں کا قصہ قحط سالی میں آئیگا۔
اس فصل میں (حضرت) یوسف علیہ السلام کے مصر میں پہنچکر مصر کی اصلاح کرنیکا
ذکر ہے۔

آیت نمبر 19 ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر قافلے والوں کے ہاتھ آنا۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ○

ترجمہ:۔
ایک جماعت تیز رو مسافروں کی آئی۔ پس انہوں نے اپنے پانی بھرنے والے
کو چاہ پر بھیجا۔ پھر اس نے ڈول لٹکایا (جب باہر نکالا) کہنے لگا کیا خوشی
کی بات ہے کہ یہ ایک نوجوان لڑکا ہے اور چھپا لیا اس کو مال تجارت سمجھ کر
اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۔

تشریح :۔ سَیَّارہ "سَیَّار" کا مونث ہے اس کلمہ کا لوگوں کی اس جماعت پر
اطلاق ہوتا ہے جو اکثر سیر و سفر میں رہتے ہوں ۔ اور قافلہ پر بھی اطلاق کیا
جاتا ہے ورنہ "سَیَّار" مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے تیز دوڑنے والا اور
تیز سفر کرنے والا ۔
وارد کا عربی کی لغت میں اس شخص پر اطلاق ہوتا ہے جو پانی لانے پر مقرر
ہو۔ غلام کا لفظ اس بچہ پر اطلاق ہوتا ہے جو قریب بلوغت ہو۔

قافلہ کے بارے میں
امام لبغوی کی رائے =

امام لبغوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں - کانت رفقة من مدين تريد مصر فاخطأ وردا الطريق فنزلو قريباً من الجب والجب كان في قفر لبعيد من العمران - وكان ماءه ملحاً

یعنی چند رفیق تھے مدین (عقبہ بندر) سے آرہے تھے اور مصر کی طرف جا رہے تھے - انہوں نے راستہ سے بھٹک گئے[1] - پس جب اس چاہ (ویرانہ چاہ) پر وارد ہوئے اور یہ چاہ ویران علاقہ میں تھا اور اس کا پانی قدرے نمکین تھا -

ہماری رائے میں یہ ہے کہ سیارہ سے مراد وہ تیز رو جماعت ہے جو مدین (جسکو آجکل بندر عقبہ کہا جاتا ہے) سے آرہے تھے - انہوں نے قافلے والا راستہ اختیار نہ کیا تھا جو ساحل سمندر پر تھا - کیونکہ وہ طویل راستہ تھا - انہوں[2] نے مصر کیطرف جانے کیلئے اس بیابان میں چل پڑے جس پر یہ غیابت الجب آتا تھا - عقبہ بندر سے آگے بڑا بیابان ہے - چار روز تک پانی نہیں ملتا - مگر راستہ جلدی طے ہو جاتا ہے اور غیابت الجب کا پانی بھی نمکین تھا - مگر پینے کے قابل تھا یا سواریوں کو پلانے کے لائق تھا اور یہ چند ساتھی تھے - اسلئے سیارہ کا لفظ نکرہ لایا گیا ہے جیسے امام لبغوی مفسر بتاتے ہیں -

قفل کا معنی ہے رجع ہے - جب جماعت سفر کرنے والی وطن کی طرف رجوع کرتی ہے تو اس کو قافلہ کہا جاتا ہے - اگر اس جگہ قافلہ مراد لیں تو یوں کہا جائیگا کہ مصری لوگ جب مدیان (عقبہ بندر) کو گئی تھی - واپس آنے کے وقت اور اپنے وطن کے طرف رجوع کرتے وقت اس گڑھے پر اتر پڑے تھے - اور وہ چند رفقاء تھے - یعنی بڑا قافلہ نہ تھا - بلکہ چند رفیق تھے - تقدیر الٰہی ان کو اس گڑھے پر لائی چونکہ تاجر نہ تھے اور حرث) یوسف علیہ السلام بھی بیمار تھے - اسلئے انہوں نے مصر میں آکر

---

۱ - وہ راستہ سے بھٹک گئے -
۲ - وہ

عزیز مصر کو دیدیا - اور جو کچھ عزیز مصر نے دیا خوشی سے قبول کر لیا -

اب تشریح یوں کرنی چاہیے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی اندھیرے عمیق چاہ میں ڈال کر چلے گئے وہاں الیس (سے) کوئی بھی نہ ٹھہرا - کیونکہ ان کو یقین تھا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام ایسے چاہ میں گرتے ہوئے مر گیا ہے اب ٹھہرنا فضول ہے اور اس اندھیرے عمیق چاہ کے اردگرد کوئی آبادی نہ تھی - وہ چاہ بالکل ویران اور ریگستان علاقہ میں تھا - اس پر کوئی چرواہا مال مویشی کو پانی پلانے کیلئے نہیں آتا تھا - کیونکہ اس کا پانی نمکین تھا - بھائیوں کو مارنے کا ارادہ تھا وہ پورا ہو گیا اس لئے انہوں نے گھر کا رُخ کیا - ایک تو ان کے حوصلے خطا ہو گئے اور دوسرا باپ نے فیصلہ دیا کہ تمہارے نفسوں کی بنائی بات ہے - اب ان کی عزت خاندان میں رہی اور نہ جماعت میں مگر پھر بھی اپنے باپ کو گھیرے ہوئے ان کی خدمت میں رہتے تھے کہ مبادا حضرت یعقوب علیہ السلام کوئی ڈیپوٹیشن تفتیش کیلئے روانہ کرے یا ہماری شکایت کرتا رہے -

گم کردہ راہ قافلے کا چاہ عمیق پر آنا

اب تدبیر الٰہی (حضرت) یوسف علیہ السلام کو بلند مرتبہ پر پہنچانے کیلئے کام کرتی ہے کہ جیسا امام لبغوی فرماتے ہیں کہ اس چاہ پر چند رفیق مسافر جنکا ارادہ مصر کو جانے کا تھا اُترے - یہ واقعہ اسی دن ہوا جس دن بھائیوں نے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو چاہ میں ڈالا تھا - یہ بھائی (حضرت) یوسف علیہ السلام کو ڈالکر چلے گئے - چند گھنٹوں کے بعد چند تیز رو مسافروں کی جماعت اسی چاہ پر اُتری - امام لبغوی فرماتے ہیں کہ انہوں نے راستہ گم کر دیا - تقدیراً اس چاہ کے قریب اُترے اور اپنے پانی لانے والے کو روانہ کیا کہ اس ویران کنوئیں میں سے پانی لائے -

اُس نے ڈول ڈالا۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام اس میں بیٹھ کر اور رسی پکڑ کر چاہ سے باہر آگئے۔ رخ دیکھا تو عاشق ہو کر خوشی کے مارے آواز دینے لگا۔ زہے قسمت! واہ خوش قسمتی کہ ایک حسین صورت لڑکا مجھ کو مل گیا۔ پھر اپنے رفیقان راہ کے پاس لایا ان رفیقوں کے پاس کوئی سامانِ تجارت نہ تھا۔ کیونکہ قرآن حکیم (میں اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ واسروہ بضاعتہ ۔ اور نہ فرمایا کہ اسروہ فی البضاعتہ۔ یعنی (حضرت) یوسف علیہ السلام کو بیچنے کا سامان سمجھکر اپنے اوڑھنے بچھونے کے اسباب میں چھپا رکھا کہ مصر میں بیچکر چند روز رہنے کیلئے کھانا پینا ھاتھ آ جائیگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا چاہ سے نکلنا اور قافلے والوں کی خوشی ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واللّٰہ علیم بما یعملون یعنی ان کے چھپانے کا کام اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت سے ہو رہا تھا کہ زہریلی گیس نے (حضرت) یوسف علیہ السلام کے جسم پر سخت اثر ڈالا تھا۔ باہر کی ہوا اس کیلئے نقصان کار تھی۔ اس چھپانے کے عمل سے اس کے حواس بھی درست ہو گئے اور جسم بھی محفوظ رہا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اسباب میں چھپانے کی حکمت الٰہی ۔

ڈاکٹر بھی ایسے مصیبت زدہ آدمی کا علاج یوں ہی کرتے ہیں۔

یہ کام حکمت اور علم الٰہی کے مطابق (موافق) ہو رہا تھا

بعض مفسرین محققین کا فیصلہ ہے کہ اب (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کیطرف کوئی اشارہ وغیرہ نہیں۔ اب جو کام ہو رہا ہے۔ ان ستیارہ کا ہے حاصل کلام یہ کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو اپنے موجودہ اسباب میں انہوں نے چھپا رکھا۔ اس کے بعد مصر کی طرف روانہ ہو گئے اور (حضرت) یوسف کو پوشیدہ رکھے ہوئے لے جا رہے تھے کہ مبادا کوئی آدمی اس پر دعویٰ نہ کرے

اور یہ تمام کارروائی بمقتضائے علم و حکمت الٰہی کے تھی -

حضرت یوسفؑ اور حضرت یونس علیہ السلام کے واقعات کی مماثلت

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے مشابہت تھی - جب مچھلی نے (حضرت) یونس علیہ السلام کو دریا اور اپنے پیٹ سے باہر خشکی پر پھینکا تو اس کو کدو کے درخت نے چھپا لیا تھا تاکہ اس کا جسم ہوا اور زہریلی مکھیوں سے محفوظ رہے - اب یہ سب رفیق بھر جاتے ہیں -

حضرت یوسف علیہ السلام کا فروخت کیا جانا

آیت نمبر 20 وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ٥

ترجمہ - پھر بیچا انہوں نے ناقص قیمت پر گنتی کے چند درھموں کے عوض اور وہ اس سے بے رغبت تھے -

تشریح :-

شروہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد مذکر شری ہے - یہ لغات اضداد میں سے ہے - اس کے معنی خریدنا اور بیچنا فروخت کرنا بھی ہے - مفسرین میں سے کچھ نے اسکے معنی "خرید" کا کیا ہے اور کسی نے فروخت کیا - اسمیں اختلاف ہے - اکثر نے یہ لکھ دیا ہے کہ فروخت کنندگان برادران یوسف[26] تھے باوجودیکہ اس بات پر متفق ہیں کہ اسروہ یعنی چھپانے والے وہ رفیقان راہ تھے جو چاہ پر اترے تھے - اس تغیر کرنے سے انتشار ضمائر کا لازم آتا ہے جو قرآن حکیم کی اعلیٰ بلاغت کے خلاف ہے -

امام ابن کثیرؒ نے، امام قتادہؒ کا قول نقل کیا بل ھو عائد الی السیارہ — ع؟

یعنی شروہ کا ضمیر ستارہ کی طرف راجع ہے) اور اس قول کو ترجیح دی ہے
بخس لفظ کا معنی حرام بھی آتا ہے اور کھوٹے درھم بھی آتا ہے۔

امام ابن کثیرؒ اور امام بغویؒ زھدمن الشئی کا معنی حقیر شے سمجھکر چھوڑ دیا - ادھر ہم امام ابن کثیرؒ اور امام بغویؒ کا قول نقل کرتے ہیں - وہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام اس چاہ میں تین دن رہے پھر وہاں مسافر آئے[1] پہنچے - یہ قیاس اس لئے کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی غار ثور میں تین دن رہے تھے۔

کی رائے کے مطابق یوسفؑ چاہ عمیق میں تین دن رہے -

اب ہم اس کی تشریح کرتے ہیں - اگر تین دن چاہ میں رضا تسلیم کیا جائے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام اس چاہ میں رہنے کے سبب زیادہ بیمار ہو گئے ہونگے - ایک تو اُس کو ضرور چھپانا چاہیئے تا آنکہ[2] باہر کی ہوا سہنے کے لائق ہو جائیں - اگرچہ ان مسافروں کا یہ مطلب نہ تھا مگر تدبیر ایزدی نے ان سے یہ کام کرایا جو موقعہ کے مناسب تھا۔

دوسرا یہ ہے بیچنے والے برادران یوسف نہیں ہو سکتے کیونکہ انسانی فطرت سلیم واقع ہوئی رہے) جب انسان سے قتل جیسا جرم کسی وجہ سے ہو جاتا ہے تو فطرت سلیمہ اسکو ملامت کرتی ہے - بعض اوقات یہ ملامت اور تفریق اسقدر زور پکڑتی ہے کہ اپنی ملامت سے نجات حاصل کرنے کیلئے اس کو کسی نہ کسی آدمی کے آگے اظہار کرنا پڑتا ہے -

بیچنے والے برادران یوسفؑ نہ تھے بلکہ قافلہ والے تھے -

حضرت یوسف علیہ السلام کے دس بھائی تھے اور اگر بیچنے میں شریک تھے تو انمیں کوئی نہ کوئی اپنے دوست احباب کے آگے ذکر کر دیتا اور پھر (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے بڑے لمبے ہاتھ تھے تو (حضرت) یوسفؑ کی تفتیش کیلئے مصر کیطرف آدمی روانہ کرکے

١- مسافر
٢- تاکہ

مصر میں بھائیوں کا حضرت یوسفؑ کو نہ پہچاننا اس امر کی دلیل ہے کہ انہوں نے پہچانا نہ تھا۔ بلکہ ان کے خیال کے مطابق وہ مر چکے تھے۔

جستجو کرتے اور جب قحط سالی کے ایام میں یہ برادران مصر کو جاتے ہیں تو (حضرت) یوسف علیہ السلام ان کی ضیافت عزت و احترام سے کرتے ہیں اور اپنے ساتھ روٹی[1] کھلاتے ہیں۔ اگر ان کو مصری قافلے کے ساتھ بیچا ہوتا تو ضرور شک و شبہ میں پڑتے۔ کیونکہ روٹی کھانے کے وقت (حضرت) یوسف علیہ السلام نے وہی طریقہ اختیار کیا ہوگا جو ان کے باپ دادوں کا طریقہ تھا۔ پھر بات چیت میں اللہ کا نام لیتا[2] ہوگا۔ جیسے کہ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا۔ جو آجکل اہل اسلام کا طریقہ ہے۔ یہ مسلمان اور کافر میں ما بہ امتیاز ہے۔

بایں ہمہ یوسفؑ کو نہ پہچان سکے۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ (حضرت) یوسف[2] ایسے زہریلے کنویں میں ڈالتے ہی مر گیا تھا۔ ان کو یقین تھا کہ (حضرت) یوسف[3] چاہ میں فوت ہو گئے تھے۔ اس لئے بیچنے والے برادران یوسف علیہ السلام قرار نہیں دیئے جا سکتے۔

حضرت یوسفؑ کی کم گوئی کی وجوہات بیماری اور نامانوس ہونا ہو سکتی ہیں۔

یہ بات یقینی ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو ان مسافروں نے نکال کر بیچنے کا عزم کیا تھا۔ مگر (حضرت) یوسف علیہ السلام زہریلے چاہ میں گرنے سے بیمار تھے۔ اس لئے وہ بہت بات چیت نہیں کرتے تھے۔ اور شاید بدوی بھی غیر مہذب تھے۔ ان حالات کی وجہ سے وہ جماعت مسافرین ان کی لیاقت کا اندازہ نہیں کر سکی اور حضرت یوسف علیہ السلام ایک بیماری کی وجہ سے ان مسافروں کے ساتھ بہت بات چیت نہیں کرتے ہونگے۔ جیسے عقل مند اپنی آئندہ زندگی پر غور و خوض میں رہتے ہیں۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام ان غیر مہذب لوگوں سے زیادہ مانوس نہ ہوئے ہونگے بلکہ آئندہ زندگی کے سوچ بچار میں تھے اور اللہ تعالیٰ کی یاد

۱۔ کھانا
۲۔ لیتے ہونگے

میں مشغول تھے - کسی لا یعنی بات کی طرف خیال نہیں کرتے تھے تو یہ بدوی اور گنوار

لوگ ایسے خاموشی پسند کو آدمی کو کم عقل اور دیوانہ سمجھتے تھے ہیں اور چیت چالاک

بولنے والا اور بہت بک بک کرنے والے غلام کو تاجر بھی پسند کرتے ہیں کہ وہ

خریدار کے آگے اپنی تعریف خود کریگا -

اسلئے ان بدویوں نے (حضرت) یوسف ؑ کی خاموشی اور کم گوئی کو) دیوانہ[1] پن پر

محمول کیا اور ان کے ذھن اس طرف منتقل ھوئے کہ یہ خوبصورت دیوانہ ہے - اپنی

دیوانگی کے سبب سے انکو دیدیا - شاید ان بدویوں کو عزیز مصر کے دربار میں

کوئی نہ کوئی کام ھوگا اور عزیز مصر نے بھی ناقص قیمت چند درھم انکو دیدیئے

وہ بدوی اس پر راضی ھوگئے - پہلے تو عزیز مصر خوبصورتی کیوجہ سے خریدار تھا - پھر جب

(حضرت) یوسف علیہ السلام سے بات چیت کی تو اس کو بڑا عقلمند معلوم ھوا -

مقولہ ہے - اِنَّمَا یَعْرِفُ ذَالْفَضْلِ ذَوُہٗ

اور دوسرا مقولہ کہ ولی را ولی می شناسد

اور ناقص قیمت پر عزیز مصر نے اس لئے خریدا کہ ان کو معلوم ھوگیا تھا کہ ان بدویوں[2]

کو اس سے کوئی رغبت نہ تھی -

تاجروں کی عادت ہے جب اپنا سامان تجارت کسی بڑے شہر میں بیچنے کیلئے

لاتے ہیں تو کوئی عمدہ چیز نمونہ کے طور پر اس شہر کے بادشاہ یا وزیر کے پاس

لیجاتے ہیں - چونکہ یہ بدوی حضرت یوسف علیہ السلام کی کم گوئی اور بیماری

کیوجہ سے تنگ آگئے اور پھر (حضرت) یوسف علیہ السلام اپنی خوبصورتی میں

بے مثل تھے - اسلئے نمونے کے طور پر اور دراصل اپنی بے رغبتی کے سبب سے

[1] - دیوانگی
[2] - بدوؤں

عزیزِ مصر کے پیش کر دیا اور اس نے بھی چند درہم دیدئے۔ تو یہ بے رغبت ہونیوالے برادری تھے نہ کہ برادران یوسف[4]۔ اب اس میں شک نہیں کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام حیوان اور سامان کی مانند...... کفروخت ہوئے ہیں ۔اس میں راز یہ ہے کہ جب عقل مند انسان کیلئے ترقی کا راستہ بند ہوجائے تو وہ حقیر زندگی قبول کرکے اس سے آئندہ زندگی کے لیے راستہ نکال لیتا ہے ۔ جب عقل مند آدمی کے پاس عظیم الشان مقصد ہوتا ہے تو وہ اس کے راستہ نکالنے کیلئے حقیر زندگی قبول کر لیتا ہے تاکہ وہ اپنے مقصد پر پہنچ جائے ۔

ترقی کی منازل ہمیشہ نیچے سے اوپر کیطرف جاتی ہیں ۔ اسلئے عظیم الشان مقصد کے حصول کیلئے ادنیٰ راستہ قبول کر لیا جاتا ہے ۔

اسطرح پر (حضرت) مسیح علیہ السلام کی تعلیم پر غور کرو کہ وہ تعلیم دیتے ہیں کہ اگر کوئی تھپیڑ مارے تو دوسرا رخسار اس کے آگے کر دو کہ اس پر بھی تھپیڑ مار ۔ درحقیقت یہ نہایت حقیر غلامانہ زندگی کی تعلیم ہے مگر (حضرت) مسیح علیہ السلام یہ تعلیم اس واسطے دے رہے ہیں کہ اس پر عمل کرنے سے سلطنت روما میں اپنے آگے بڑھنے کا مقصد تلاش کریں ۔ *(حضرت) مسیح علیہ السلام کا مطلب تھا کہ پہلے یہ درجہ حاصل کرو تاکہ تم میں تحمل اور بردباری کا ملکہ پیدا ہوجائے اس کے بعد جنگ کرو ۔ فتح پانے کے بعد ضروری نہیں کہ ہر ایک مخالف کو قتل کر دیا جائے بلکہ حکیمانہ تدبر اور حلم سے کام لیا جائے ۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور ان کی حکمت ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی جماعت کی مکی زندگی اس نمونہ پر تھی ۔

* حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں صلح کرانے کیلئے نہیں آیا بلکہ جنگ کرانے کیلئے آیا ہوں ۔

ایک تاویل شروہ اور کانو فیہ من الزاھدین کی بیان ھوئی کہ

محققین مفسرین کے بیان سے معلوم ہوا کہ بیچنے والے اور بے رغبت برادران یوسف[3]
نہیں۔ انکو مقصود گڑھے میں گرا دینا اور (حضرت) یوسفؑ کو موت کے منھ[1] میں دینا تھا
اور جب (۔۔) اپنا مقصد حاصل کر لیا (تو) فی الفور واپس چلے گئے۔

اب بیچنے والے اور بے رغبت وھی رفقاء تھے جو گڑھے پر اترے۔ انہوں نے[2]
سامان تجارت تصور کر کے اپنے ساتھ لے گئے اور بے وجہ بے رغبتی کا بھی کچھ بیان
ہو چکا ہے اور قرآن حکیم تصریح کرتا ہے کہ انہوں نے (حضرت) یوسف علیہ السلام
کو ناقص قیمت پر بیچ ڈالا۔ یہ کیوں کیا اس کے متعلق تھوڑا اہمیت بیان ہو چکا
مگر جملہ الذی اشتراہ من مصر میں ذکی طالب العلم کو[3] خلجان رھتا ہے
کیونکہ بہت غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے مصر سے خرید کیا تھا اس نے حضرت
یوسف علیہ السلام کو مناسب قیمت پر خریدا تھا۔ اشتراہ کا لفظ ایسا اشارہ کر
رھا ہے۔ اب خلجان کے دفع کرنے کیلئے دوسری تقریر بھی ہے۔ اس کو بیان
بیان کرتا ھوں۔ اگر پسند آئے تو فبہا ورنہ کالائی بد بریش خاوند۔

تقریر یہ ہے۔

توراۃ کتاب پیدائش باب ۳۷ فقرہ ۲۸ میں آتا ہے کہ پھر مدیانی سوداگر ادھر سے گزرے تب انہوں نے یوسفؑ کو کھینچکر گڑھے سے باہر نکالا اور اسے اسماعلیوں کے ھاتھوں بیچ ڈالا۔ اور وہ یوسف کو مصر میں لے گئے۔

توراۃ کے مطابق بیچنے والے مدیانی تھے۔[4]

اس سے معلوم ہوا کہ ناقص قیمت پر بیچنے والے مدیانی یعنی عقبہ بندر کے لوگ
تھے اور وھی بے رغبت تھے اور خرید کرنے والے اسماعیلی تھے یعنی عرب تھے کیونکہ
(حضرت) اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نہیں لی جا سکتی۔

۱۔ موت کے منھ میں۔
۲۔ انہیں
۳۔ کے ذہن میں خلجان رہتا ہے

ایک وجہ یہ ہے کہ برادر یعقوب علیہ السلام جسکا نام عیسو تھا۔ اس کی شادی (حضرت)
اسماعیل علیہ السلام کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس لڑکی کا نام ابشامہ تھا اور دوسری وجہ
یہ کہ (اسماعیل علیہ السلام کی اولاد شادی غمی میں (حضرت) یعقوب علیہ السلام اور اس کی
اولاد سے آنے جانے کی راہ ورسم تھی اور آپسمیں دونوں قبیلوں کی محبت اور پیار تھا
وہ ہرگز ایسی حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے یہ لوگ عرب بدوی تھے جو مُر اور
بلسان اور گرم مصالحہ ہندوستان سے لیکر مصر کو جا رہے ہونگے۔ ان کے ہاتھ ان مدیانیوں
نے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو خوبصورت دیوانہ سمجھکر بیچ ڈالا۔ شاید ان
مدیانیوں کو مصر جانے کا قصد تھا شام کو جاتے ہونگے۔ یہ اسماعیلی یعنی عربی
قافلہ ان کو راہ میں ملا ہوگا۔

عزیز مصر کی دانائی۔ انھیں مدیانیوں نے عربی قافلہ سے بیس روپیہ لے کر بیچ ڈالا اور قافلہ والے
(حضرت) یوسف علیہ السلام کو مصر لے گئے اور عزیز مصر نے پوری قیمت دیکر اُنسے
خریدا کیونکہ عزیز مصر نہایت سمجھدار تھا۔ آثار رشد و بزرگی کے (حضرت) یوسف علیہ السلام
میں پائے۔

اس تقریر سے تورات کا بیان اور اشتراہ کا لفظ اپنے اصلی معنی میں آجاتے ہیں
اور عزیز مصر کی دانائی بھی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ذکی طالب علم سے استدعا کرتا ہوں کہ اچھے الفاظ میں غور کرکے کوئی عمدہ تاویل
بیان کرے۔ طالب علم اکثر جو کچھ تفسیروں میں لکھا ہوتا ہے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔
ان کو چاہیے کہ الفاظ میں غور کریں جیسے نحو کی کتاب کافیہ میں کرتے ہیں کہ
الکلمۃ لفظ کہا اور لفظۃ نہ کہا۔ اس کی کیا وجہ۔۔ اسطرح قرآن حکیم میں غور
کرنا چاہیے۔ واللہ ھو الموفق وھو المستعان فی فہم القرآن۔ مگر اس تقریر میں یہ

نقص ہے کہ بیچنے والے تو مدیانی ہوئے اور شروہ کا ثانی مفعول محذوف ہوتا ہے
وہ لینے والے جو عرب تھے ان کا ذکر نہیں کیا گیا -

اور قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ خرید کرنے والا عزیز مصر تھا - اسلئے
مفسرین شروہ کا معنی فروخت کیا کرتے ہیں) تاکہ تسلسل کلام باقی رہے -
اگر شروہ کا معنی خرید کیا کیا جائے تو بیچنے والے کون تھے - برادران یوسف علیہ السلام
یا اسماعیلی تھے -

محققین کے حسب تقریر برادران یوسف نہیں بن سکتے - اسماعیلی تاجر بیچنے والے اگر
کہا جائے ان کا ذکر قرآن حکیم میں موجود نہیں - اس لئے لاچار[1] ہو کر پہلی تقریر پر رجوع
کرنا پڑتا ہے کہ بیچنے والے اور بے رغبت لوگ) وہی سیّارہ اور رفقاء تھے جو چاہ
پر اُترے تھے اور گڑھے سے نکالا تھا - اور خریدار مصری مرد تھا جو کہ عزیز مصر ہے
واللہ اعلم بمراد کلامہ

اگر یوں کہا جائے کہ شروہ کا معنی خریدا ---- وارد یعنی پانی بھرنے والا - یعنی
اس سے ان رفقاء یعنی سیّارہ نے خرید کیا اور وہی بے رغبت تھے - پس انہوں نے جاکر
عزیز مصر کے پاس بیچ ڈالا اور عزیز مصر نے پوری پوری قیمت دی کیونکہ اشتراء
کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اس نے پوری قیمت پر خرید کیا اور عزیز مصر بے رغبت نہ تھا -

(ف قال القاضی ابو بکر بن العربی فی شرح الترمذی الموطاء ہو الاصل الاول واللباب
و کتاب البخاری) ہو الاصل الثانی فی ہذا الباب وعلیہما بنی الجمیع کمسلم والترمذی
(خلاصہ تنویر الحوالک السیوطی الفائدہ الثالثہ)

27/2/88 ترمیت بالخیر

[1] - مجبور ہو کر

(آیت نمبر ۲۳ - ۳۶)

جلد دوم (حصہ ثانی)

الرَّوضَۃُ الاُنُف فی تفسیر سورۃ یوسف علیہ السلام

باب
حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر پہنچکر وزارت کا درجہ حاصل کرنا

آیت نمبر ۲۱ - وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ٥

ترجمہ - اور جس شخص نے اس کو مصر میں خرید کیا اس نے اپنی عورت کو کہا کہ اس کو عزت و آبرو سے رکھنا - شاید یہ ہمارے اچھے کام آوے اور یا ہم اسے متبنیٰ بنالیں - اسطرح ہم نے یوسفؑ کو اس ملک میں جگہ دی - اسطرح تاکہ ہم اس کو سکھائیں باتوں کا ٹھکانے پر لگانا اور اللہ تعالیٰ غالب رہتا ہے اپنے کام پر مگر اکثر لوگ نہیں جانتے -

حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر نے خرید لیا تھا -

قولہ تعالیٰ الذی اشتراہ من مصر - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر نے پوری قیمت دیکر یوسف علیہ السلام کو خرید کیا تھا - پھر کا معنی یہ ہے مروجہ قیمت اس زمانے کی جو غلاموں کی تھی - اس قیمت پر خرید کیا ہے -

ایسا نہیں کہ عزیز مصر کے پاس وہ تاجر تحفہ لیکر گئے تھے -

اب یہاں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مصر میں لانے والے کون تھے - جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں فروخت کیا - یہ بڑی مشکل جگہ ہے - اذکیا طالب علم کی خدمت میں عرض ہے کہ کوئی تجویز سوچ کر تقریر کرد -

تشریح :

اب تاجر تو حضرت یوسف علیہ السلام کو کم گو دیکھکر خوش نہ تھے - کیونکہ اگر اسکو تجارتی غلاموں میں کھڑا کرتے تو لوگ ان کا امتحان لیتے مگر وہ تو کسی اچھی بات کا مختصر جواب دیتے

اسواسطے یہ تجارت انکو[1] نفع بخش نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ اس کا جسم بھی نازک تھا اور تجارتی غلام چست چالاک قوت والے ہوتے ہیں۔ اس لیئے (حضرت) یوسف علیہ السلام تجارتی پیمانہ[2] پر پورے نہ اتر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے بے رغبتی سے عزیز مصر کو دے دیا

عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کی خداداد صلاحیتوں کا اندازہ لگالیا تھا۔

اب عزیز مصر کے روبرو ہوتا ہے۔ حسن خداداد تو انمیں کافی تھا۔ حسن کے سوا، حسن سیرت کی عزیز مصر نے تفتیش کی تو یہ (حضرت) یوسف علیہ السلام صدبار حسن صورت سے حسن سیرت زیادہ رکھتا تھا۔ اور اس کو معلوم ہوا کہ بڑا عقلمند ہونہار لڑکا ہے اور یقین کیا کہ انمول رتن ہے کہ جسمیں بے شمار صلاحیتوں کے خزانے رکھے ہوئے ہیں۔ اگر اس کی طبع رکے) موافق اس کی تربیت ہوئی تو یقیناً سلطنت کے رموز اور اسرار کو سمجھکر میرا دست و بازو بن جائیگا

قدر زر زرگر بداند یا بداند جوہری۔

عزیز مصر خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام کی حسن صورت اور سیرت سے علاوہ عزیز مصر کو نظر آیا کہ یہ مذہبی آدمی ہے۔

ابن کثیرؒ نے مطابق عزیز مصر حنفی مذہب کا پیروکار تھا۔

ابن کثیر مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ تصریح کرتے ہیں کہ عزیز مصر (حضرت) ابراھیم و اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کے طریقہ کا آدمی تھا۔ یعنی حنفی مذہب رکھتا تھا۔ اور سمجھ لیا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام بھی حنفی مذہب کا لڑکا ہے تو بہت خوش ہوا۔ ڈیرے پر جاکر اپنی ملکہ کو سخت تاکید کرتے ہیں کہ اَکْرِمِیْ مَثْوَاهُ (حضرت) یوسف علیہ السلام

حضرت یوسفؑ کی پرورش و تربیت کیلئے عزیز مصر کی اہل خانہ کو تاکید۔

کو بہت عزت اور آبرو سے رکھو۔ شہزادوں کی طرح اس کی پرورش کرنا۔ اور اس کی خدمت کیلئے نوکر اور غلام ہر وقت تیار رہیں اور اس کو غلام مت تصور کرنا بات چیت میں اس کی عزت کا لحاظ رکھنا جسطرح میری عزت اور مرتبہ کا خیال رکھتی ہو تاکہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کے دل سے یہ وسوسہ نکل جاوے کہ میں زر خرید غلام ہوں۔ اس وسوسے سے نکلنے کے بعد اس کی اندرونی لیاقت و استعداد کا اظہار ہوگا۔ یہ لڑکا بڑا لائق ہے۔ ہمارے سلطنتی کاروبار میں ہمکو نفع دیگا

1- ان کیلئے
2- معیار پر

بلکہ انہیں اتنی اعلیٰ استعداد ہے کہ ساری سلطنت کی باگ ڈور سنبھال سکتا ہے - جب انکی استعداد اور قابلیت منظر وجود میں آجائیگی تو ہم اس کو اپنا بیٹا اور جانشین اور وارث بنادونگا -

عزیز مصر کی اپنی اولاد تھی مگر انہیں استعداد اور صلاحیتوں کا فقدان تھا -

عزیز مصر کے بیٹا بنانے کو اس پر محمول نہ کرنا چاہیے کہ اس کے بیٹے نہ تھے یا خیال کرنا کہ اس ملکہ سے اس کا کوئی بیٹا نہ تھا - عزیز مصر کی بہت سی) عورتیں تھیں - جس طرح آگے قرآن حکیم میں ذکر آئیگا - مگر عزیز مصر نے) جو خصوصیتیں اور صلاحیتیں (حضرت) یوسف علیہ السلام میں دیکھیں - وہ لیاقتیں ان کی اولاد میں مفقود ہو گئیں -

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں بھی استعداد کم تھی اسلئے حضرت یوسف ؑ کی تکمیل پر توجہ مرکوز کردی -

جسطرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تو بہت تھے - مگر انہیں حنیفی سلسلہ چلانے کی استعداد نہ تھی - آخر عمر میں ان کو یوسف علیہ السلام ملا تو تمام توجہ اسکی تکمیل پر مرکوز کردی - اسطرح عزیز مصر کو بھی سمجھو - یعنی عزیز مصر سیاسی محب وطن ہے اور سلطنت کا خیرخواہ ہے - اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تو استعدادوں اور قابلیتوں پر نظر رکھتے ہیں - اس سبب سے وہ اپنی سلطنت اور ملک کے مفاد کیلئے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو نفع بخش جانتے ہوئے بیٹا بنانے کا عزم رکھتے ہیں

انبیاء کے وارث لائق اور اہل لوگ ہوتے ہیں اسلئے مملکت کیلئے بھی اولاد کے بجائے اہل لوگوں کا انتخاب ہونا چاہیے

اور قرآن حکیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ لوگوں کو صاف کہہ دو کہ ما اسئلکم علیہ من اجر - یعنی میں نے اس تحریک اسلامی کو اس لئے جاری نہیں کیا کہ میرے بعد میری اولاد یا اقارب ان کے وارث ہونگے بلکہ جو شخص تم میں لائق ہوگا وہی اس تحریک (کو) چلائیگا - اور یہ سب پیغمبروں اور حکیموں کی آواز ہے - اور بیٹوں کو وارث اور تخت نشین بنانے کی لعنت مستبد اور خود مختار بادشاہوں کی پیدا کی ہوئی ہے - نالائق بیٹے کو بھی اپنے تخت کا وارث بنادیتے ہیں - اسی سبب سے سلطنتوں میں جلد انقلاب آجاتا ہے اور جمہوری سلطنتیں برقرار رہتی ہیں -

عام ناول نولیسوں نے (حضرت) یوسف علیہ السلام کے حسن (۔۔۔۱) کو مدنظر رکھکر اپنے ناول تیار کئے ہیں۔ مگر انکی حسن سیرت کا لحاظ بھی نہیں رکھا ہے۔ ہم یقیناً سمجھتے ہیں کہ ہر پیغمبر اپنے زمانے میں خوبصورت ہوتا ہے۔ جتنا بڑا اولوالعزم رسول ہوگا اتنا ہی اپنے زمانہ میں خوبصورت ہوگا۔ اسطرح اولیاء اللہ حسب مراتب خوبصورت ہوتے ہیں۔ یہ حسن صورت ان کی حسن سیرت پر دلیل ہوتی ہے۔ اصل ہے حسن سیرت جس پر پس ماندگان اور معتقدین چلتے ہیں۔

ناول نولیسوں نے حسن صورت کو مدنظر رکھا ہے۔ اور سیرت کا لحاظ نہیں رکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخرین نبی اور خاتم الانبیاء اور تمام انسانیت کی تکمیل کے لئے مبعوث (ہوئے) ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ تمام انسانوں سے اس کی خوبصورتی بھی اعلیٰ و اکمل تھی۔ یہ خوبصورتی دلیل اس کی اکملیت کی ہے۔

سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جتنا اولوالعزم رسول ہوگا اتنا ہی اپنے زمانہ میں خوبصورت ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی خوبصورتی آپ کی اعلیٰ اکملیت کی دلیل بھی ہے۔

جب عزیز مصر نے (حضرت) یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنا خیال ظاہر کر دیا تو اب (حضرت) یوسف علیہ السلام آزاد ہوئے اور اس کو نیشنل سرٹیفیکیٹ مل گیا۔ اب وہ ایک مصری باشندے ہیں۔ سب حقوق میں مصر کے باشندے برابر ہو گئے۔ اس کے علاوہ عزیز کے بیٹے منتخب ہو گئے اور پھر اپنی ملکہ پٹ رانی اس کو بڑی عزت اور تمکین سے پرورش کرنے کیلئے جگہ دیتے ہیں۔ اور اپنی رائی کو تاکید کرتے ہیں کہ یہ لڑکا بڑا احساس ہے تھوڑی سی فروگزاشت کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ان کی پوری عزت کرو۔ یہ ملکہ دراصل کنیز تھی جیسا کہ آگے قرآن حکیم میں آئیگا تو عزیز مصر کی زیادہ سے زیادہ فرمانبرداری کرتی تھی۔ اسلئے اپنے اعلیٰ اور خاص مکان میں (حضرت) یوسف علیہ السلام کو رکھا۔ تاکہ ہر وقت (حضرت) یوسف علیہ السلام انکے ساتھ رہے۔ پھر ان کو اپنے ساتھ محفلوں اور سیاسی کانفرنسوں میں لے جاتے ہیں جسمیں (حضرت) یوسف علیہ السلام اعلیٰ سے اعلیٰ مشورے دیتے رہے اور ملک مصر ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

حضرت یوسف ؑ کی عزیز مصر کے خاندان میں حیثیت ۔

عزیز مصر سب امراء اور ارکان دولت کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ سب مصری ان کی چال چلن[2] سے خوش ہوتے ہیں۔ عزیز کے خاندان سے بھی اچھا سلوک رکھتے ہیں۔

ارکان دولت میں حضرت یوسف ؑ کا رتبہ۔

۱۔ صورت۔
۲۔ چال چلن

امور مملکت میں یوسف علیہ السلام کا کردار۔

اور ان کی ضروریات کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام کے برتاؤ سے مصر کے باشندے راضی ہو جاتے ہیں اور خاندان عزیز مصر بھی اس کے جانثار بن جاتے ہیں۔ کسی امر میں رنجش پیدا ہونے نہیں دیتے۔ اور شاہی دربار میں بھی عزیز مصر انکو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے مشکل مسائل اور حادثے سلطنت کو درپیش آتے ہیں۔ جنکے حل کرنے سے ارکان عاجز آ جاتے تھے تو (حضرت) یوسف علیہ السلام ان[1] حل کر دیتے ہیں۔

بادشاہ سے لیکر ایک غریب ملازم یا کاشتکار ان کے احسان کے زیر بار ہو جاتے ہیں اسلئے پھر دوم درجہ پر (حضرت) یوسف علیہ السلام کو اپنی ذاتی ملکیت اور جائیداد کا عزیز مصر مختار الکل مقرر کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کی حسن تدبیر سے کاشتکاروں کے معیار زندگی بلند ہو گئے[2] - اور آمدن میں کافی ترقی ہوئی۔

حضرت یوسف[ع] کا عزیز مصر کے امتحان میں کامیاب ہونا۔

عزیز مصر نے، یوسف علیہ السلام کو پہلے درجہ پر خاندان کی نگہداشت کا کام امتحاناً سپرد کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام

دس سال تک یوسف علیہ السلام کا امتحان کرتا رہا۔ جب یوسف علیہ السلام ان امتحانوں میں

عزیز مصر کا کاروبار مملکت میں حضرت یوسف[ع] کو شریک کرنا۔

اعلیٰ ڈگری حاصل کی تو عزیز مصر یہ حالت دیکھکر وزارت[3] کا بار گراں میں اسکو شریک کرتا گیا تورات کتاب پیدائش میں صراحتاً ذکر ہے = عزیز مصر نے یوسف[ع] کو اپنے سب کاموں کا مختار الکل بنا دیا۔ اور عزیز مصر کھانا کھانے کے سواء کچھ نہیں کرتے تھے۔ یوسف[ع] کے سبب اللہ تعالیٰ رنے) انکے سب کاموں اور مال میں برکت دی۔ تورات کتاب پیدائش)

اس کا بیان آیت نمبر 3 میں ہوگا۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام جس خداداد استعداد کو تو(...)[5] پیدائشی ملی تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا مرشد مربی عطا ہوا تھا تو اسکی استعداد کو چار چاند لگ گئے تھے

۱۔ اُن کو
۲۔ کا معیار زندگی بلند ہو گیا۔
۳۔ کے
۴۔ کو
۵۔ اس کو خوش ہے۔

خداداد قابلیت اور استعداد کو عملی تربیت میسر آجائے تو اس پر نکھار آجاتا ہے اور اسکی تدبیر مقبول عام بن جاتی ہے

اپنی جماعت اور خاندان کا[1] سیاسی خواہ اقتصادی (...)[2] معاملات سلجھانے کی عملی تربیت بھی ہو چکی تھی - اب وہ خوش قسمتی سے عزیز مصر کے سپرد ہوتی ہے[3] تو مصر کے الجھے ہوئے مسائل بیرونی خواہ اندرونی سیاسی خواہ اقتصادی کا حل معلوم کرنے کا موقع ہاتھ آگیا - حسن تدبیر کے باعث مصری لوگوں کی آنکھ کا روشن تارا ہو گیا - سب امیر و غریب اسی کی عزت کرنے لگے یہی معنیٰ اس جملہ کا ہے کَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ - یعنی جسطرح

مصر میں حضرت یوسفؑ کو عزت و مرتبہ عطا ہونا -

اللہ تعالیٰ نے اس کو گڑھے سے نکالکر عزیز مصر کا پیارا بیٹا بنایا تھا - اسیطرح ان کو بڑی عزت و آبرو ملک مصر میں عطا کی - یعنی وزیر مصر کا بیٹا بنایا اور تمام سلطنت کے کاروبار سب کے سب وزیر اعظم کے ہاتھ میں ہوتے ہیں - اس کی مرضی کے موافق بادشاہ آخری حکم دیتا ہے - سلطنت میں وزیر اعظم مرکز ہوتا ہے - اب مرکزی امور میں آخری فیصلہ اسی کا منظور ہوتا تھا -

مصر کا حدود اربعہ اور ہمسایہ قومیں -

اب مصر ملک کی حالت پر غور کرو - اس کے ایک طرف یعنی مغرب کے طرف طرابلس - جو خونخوار بربر قوم کا مسکن ہے - دوسری طرف حبشی وحشی قوم رہتے ہیں[4] تیسری طرف بحیرہ روم تھا جسمیں رہزن یورپین قومیں چڑھکر ملک مصر میں ڈاکا ڈالتے تھے - اسیطرح ادھر قریب عرب فلسطین تھی[5] جس کے کناروں میں بدوی رہتے تھے اور ملک مصر کا شتکاروں یا امیروں کا تھا جو جنگی لوگ نہ تھے -

جب عزیز مصر نے ان کو بیٹا منتخب کیا تو سیاسی خواہ اقتصادی یا ملکی اور ملی نظام میں یوسفؑ کو ساتھ رکھتا تھا - ملک کی اندرونی یا بیرونی سیاست انکی فہم میں آتی گئی - جب نئے نئے واقعات جو اندرون ملک (...) نمودار ہوتے تھے یا سرحدات پر حوادث پیدا ہوتے تھے - تب ارکان دولت اور امراء و وزراء دربار شاہی میں جمع ہو کر ان واقعات اور حوادث کی تدبیریں کرتے تھے - ایسی محافل اور مجالس

1 - کے
2 - کے حذف کیا گیا
3 - ہوتے ہیں -
4 - قومیں رہتی ہیں
5 - تھا - اسیطرح ...

میں عزیز مصر (حضرت) یوسف علیہ السلام کو شریک کرتا تھا۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام رموز سلطنت اور امور جہانداری سے پورے پورے واقف ہو گئے تھے۔ یہی معنی اور مطلب اس جملہ کا کہ

وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۔ الآیہ ۔

حضرت یوسفؑ کو چاہ برد کرتے وقت ان کی عمر سترہ برس تھی۔

(حضرت) یوسف علیہ کی عمر حسب تصریح توراۃ جب اسکو بھائیوں نے گڑھے میں ڈالا تھا (اس وقت) سترہ سال کی تھی ۔ اور عزیز مصر اس کی تربیت میں کوشش کرتا رہا۔ جب ان کی عمر بیس سال کی ہوئی اور عزیز مصر کو ان کی دانشمندی کا یقین آتا گیا اسقدر امور سلطنت ان کے سپرد کرتا گیا۔ اسلئے کہ عزیز مصر کو اجتماعی فوائد پر نظر تھی نہ کہ اپنے خاندانی فوائد پر والله غالب علی امرہ الآیہ ۔

اسماء صفات الٰہی کی ابتداء وانتہاء کسی کو معلوم نہیں مگر اس کی تجلی ہر ہر زمانے میں نئی شان سے ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

اس آیت شریفہ کا مطلب یہ کہ ہر ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ قدوس کے اسماء وصفات کا نیا نیا ظہور ہوتا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۔ ایک ایک اسم یا صفت الٰہی کے شانوں کی ابتداء یا انتہا کسی فرد مخلوق کے علم میں نہیں آسکتی۔ مخلوق سمجھدار علم والی کو وہ شان سمجھ میں آسکتی ہے۔ جس شان اور تجلی میں وہ پیدا ہوئی ہیں اور جس شان اور تجلی کے دورہ میں علم اور عقل والی مخلوق پیدا ہوتی ہے اس شان اور تجلی کی اگرچہ انتہا نہیں ہوتی مگر اس ایک شان اور تجلی کے[1] نئی نئی شان ہر ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہتے[2]۔ یعنی جسطرح زمانہ آگے بڑھتا جائیگا۔ اسطرح نئی نئی شان اور تجلی الٰہی کا ظہور ہوتا جائیگا۔

انسانی تاریخ کا صحیح سے پہلا انقلاب حضرت نوحؑ کے زمانہ میں واقع ہوا تھا۔ اس سے قبل تاریخ خاموش ہے۔

انسانوں میں جس قدر انقلابات ذہنی یا اقتصادی زمانہ ماضی میں واقع ہوئے اس کی سرگزشت جملاً قرآن حکیم نے بیان فرمائی ہے۔ پہلا بڑا انقلاب جو انسانوں پر گزر چکا ہے وہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں واقع ہوا تھا۔ اس سے قبل کا احوال تاریخ نہیں بتا سکتی ۔

۱ ۔ کی

۲ ۔ ہوتی رہتی ہے ۔

نوح علیہ السلام کے زمانہ سے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک صابی تہذیب و تمدن رہا ہے
اس صابی دور کے بانی حضرت نوح علیہ السلام تھے یا ادریس علیہ السلام۔
اس صابی دور میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے وقت رُخ سورج چاند ستاروں کیطرف
کیا جاتا تھا۔ اور ان ستاروں کو قبلہ سمجھا جاتا تھا جیسے حنفی دور میں بیت اللہ جو
مکہ مکرمہ میں ہے یا مسجد اقصیٰ جسکو بیت المقدس کہا جاتا ہے، جو کہ فلسطین
میں جبل قدس پر ہے۔ جس کو یوروشلم بھی کہا جاتا ہے۔ عبادت کرتے وقت
ان پاک گھروں کی طرف رُخ کیا جاتا ہے۔

ستارہ پرستی اور پیشوایان مذہب۔

صابی تہذیب و تمدن میں اہم درجہ توحید الٰہی۔ عدل و انصاف و احسان کا تھا۔ اور
کبائر گناہوں سے پرہیز ضروری تھا۔ پھر پیشوایان۔ موبدان اور برھمنان مذہب نے اس کا
سبب اور علت اس رُخ کر دیا کہ ان ستاروں کی طرف عبادت کرنے کے وقت رُخ
کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ اور انمیں کیا خاصیت رکھی ہوئی ہے۔ سورج چاند
میں بعض خاصیتیں تو ایسی ہیں کہ ہر آدمی کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ مگر یہ پیشوایان مذہب
ستاروں کی خاصیتیں تلاش کرنے کیلئے باریک سے باریک موشگافیاں کرنے لگے۔ جس
سے علم نجوم پیدا ہوا اور ان کو بعض ایسے تجربات پیدا ہوئے کہ ان ستاروں کے بعض
اجتماعات کے اثر سے زمین میں انقلاب واقع ہوتے ہیں اور بعض اجتماعات ایسے بھی
ہیں جس میں سعادت اور نحوست پیدا ہوتی ہے اگر ان ستاروں کے سعید اجتماع میں
کوئی آدمی پیدا ہوتا ہے تو وہ آدمی بڑے بخت والا اور مقرب الٰہی ہوتا ہے۔
انہوں نے ستاروں کے سعید وقت کی شکلیں پتھر کی تراشیں اور اسی طرح نحوست
کے وقت کی شکلیں تیار کیں۔ اور بڑے بخت والا تو بادشاہ ہوتا ہے تو بادشاہ کی
مورت۔ بنائی۔ اب ستاروں کی جگہ ان کی مورتوں کی پرستش کرنے لگے اور سب

صنم پرستی میں اوّل درجہ بادشاہ کو ملا اور نیابت پیشوایان مذھب کو ملی۔

مورتوں سے اوپر بادشاہ کی مورت کو رکھا گیا اور بادشاہ کو خدائی درجہ دیا گیا اور پیشوایان مذھب و دھرم ان کے نائب ہوئے۔ اب بادشاہوں کو خداوند سمجھکر ان کی پرستش کرنے لگے اور عدالت و انصاف کا کوئی سوال نہ رہا۔ اور پیشوایان مذھب معصوم سمجھے گئے۔

بادشاہ اور پیشوا ملکر انسانوں (کی) لوٹ کھسوٹ شروع کردی[1]

صنم پرستی کی لوٹ کھسوٹ اور موجودہ پیروں اور مجاوروں کی لوٹ کھسوٹ میں مماثلت۔

جیسے اس موجودہ زمانے میں پیروں کی حالت ہے اور قبروں کے مجاوروں کی حالت ہے اس سے صد حصہ زیادہ ابتر حالت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی یاد ترک ہوگئی۔

ایسے پر آشوب زمانہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام بابل میں جو بتوں کی پرستش کا مرکز تھا آذر کے گھر پیدا ہوتے ہیں اور صابی مذھب جو غلطیوں کا ایک انبار تھا اس کی اصلاح کیلئے کمر کس[2] کے کھڑے ہوتے ہیں۔ عبادت کے وقت ستاروں کی طرف منہ کرنے سے منع کرتے ہیں۔

حضرت ابراھیم ؑ کا صابی مذھب کی اصلاح پر کمر بستہ ہونا۔ اور اس کا ردّ عمل۔

بادشاہ نمرود کی مورت اور نمرود کی عورت نمروت کی مورت کو توڑ پھوڑ کر رکھدیا اور باقی مورتوں کی سخت توہین کی۔ اب بادشاہ سے لیکر ایک غریب آدمی تک انکے دشمن ہوگئے۔ انکو آگ میں جلانے کی تدبیر کی مگر اسمیں کامیاب نہوئے۔

اب اسکو اپنے ملک سے نکال دیا۔

حضرت ابراھیم ؑ کی ھجرت اور حنفی تحریک کی اشاعت کی سعی۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فلسطین کے بیابان میں ڈیرہ ڈالکر اپنی تعلیم دینی شروع کی، بڑے بیٹے (حضرت) اسماعیل علیہ السلام کو عرب کا بیابان دیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنا گدی نشین بنایا۔ ان بیٹوں نے[3] حضرت ابراھیم علیہ السلام کی انقلابی تحریک کو بڑی وسعت دی۔ اب (حضرت) یعقوب علیہ السلام کی نوبت آئی انہوں نے تحریک حنیفیت کو چار چاند لگادیئے۔ یہ تحریک عالمگیر وسعت اختیار کرنے لگی۔

۱۔ بادشاہ اور پیشواؤں نے ملکر انسانوں کی لوٹ کھسوٹ شروع کردی۔
۲۔ کمربستہ ہوتے ہیں
۳۔ انہوں نے

ضمنی دور کا فاتح حضرت ابراھیم علیہ السلام تھا۔ اس نے نئی شان الٰہی[1] کیلئے انسانیت کو تیار کرنے کیلئے زمین کو ہموار کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں ابراھیمی تحریک کو نیا شان[1] عطا فرمایا تھا اور ابراھیمی تہذیب و تمدن کو شہنشاہی درجہ دینا مقصود تھا اس لئے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو پیدا کیا تاکہ جارحۃ الملکین کر دین ابراھیمی کو سلطنت کے درجہ پر پہنچائے۔ اس ارادہ الٰہی کے پہلے روک ٹوک کرنے والے[2] حضرت یوسف عا کے بھائی تھے دوم درجہ پر امراء طبقہ مصر کے مرد اور عورتیں متفقہ طور پر کوشش کرتے ہیں کہ (حضرت) یوسف ع اپنی کوشش میں ناکامیاب[3] ہوجائے

سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ امر الٰہی ہمیشہ غالب رہتا ہے اور رکاوٹ ڈالنے والے مغلوب ہوکر نیست و نابود ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر اور ارادہ ہمیشہ غالب ہوتا ہے جو لوگ شان الٰہی کے ظہور میں رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ بے علم اور جاہل ہوتے ہیں۔ آخر مغلوب ہوجاتے ہیں اور دوسری بار مدینہ منورہ میں یہود سرمایہ پرست اور منافقین رکاوٹیں ڈال رہے تھے قریش کے اقتدار پسندی کے تو آپ[4] اپنی جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے مگر وہاں بھی منافقین اور یہود ان کی مخالفت کرتے رہے اور جب یہود اور منافقین اپنی تمام طاقت اور سرمایہ داری کا زور مخالفت میں خرچ کر چکے اور تمام عرب کو جمع کر کے مدینہ پر حملہ کر دیا مگر جماعت اسلامیہ کو نقصان نہ پہنچا سکے تو اس وقت یعنی جنگ احزاب اور (جنگ خندق) سے یہود اور منافقین کا زور ٹوٹ گیا۔ اسلامیہ جماعت کا سارے عرب پر اقتدار ہوگیا۔

۱۔ نئی شان
۲۔ رکاوٹ ڈالنے والے
۳۔ ناکام

امر الٰہی حنفی تحریک کو غالب کرنا چاہتا تھا اسلئے تدبیر الٰہی نے حضرت یوسفؑ کو مصر پہنچایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مشرق وسطیٰ میں مصر ہی ایک متمدن اور مہذب علاقہ تھا مگر اس ملک مصر میں ایسی بری عادتیں بھی تھیں جن کے جراثیم اور علاقوں کو تباہ کر رہے تھے۔ اس کا علاج اللہ تعالیٰ کو اس طرح منظور تھا کہ تہذیب حنفی ابراہیمی کو اس پر غالب کر دیا جائے۔ اس لئے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو تدبیر الٰہی نے مصر میں بڑی تمکین اور اقتدار عطا کیا۔ مگر مصر کا عیاش اور ظالم طبقہ مرد خواہ عورتیں (حضرت) یوسف علیہ السلام کی، اصلاحات کی مخالفت کرنے لگے۔ آخر ان کو جیل اور زندان میں ڈالدیا تھا۔ جس طرح اسکے بھائیوں نے اسکو گڑھے میں مارنے اور موت کے منہ دینے کیلئے ڈالدیا تھا اسی طرح (حضرت) یوسف علیہ السلام کو عیاش اور ظالم طبقہ امراء نے ہمیشہ کیلئے جیل اور زندان میں ڈالدیا مگر امر الٰہی اور شان الٰہی غالب رہا۔

مصر کے عیاش اور ظالم طبقہ کی مخالفت اور (حضرت) یوسفؑ کا زندان میں ڈالا جانا۔

امر الٰہی کا غالب ہونا اور آپؑ کا جیل سے آزاد ہونا ۔۔۔ اور مصر کا بادشاہ بن جانا۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قید اور جیل سے نکالکر ملک مصر کی شہنشاہت عطا کی اور اس نے قحط سالی سے مصریوں کو بچایا۔ اور اسی قحط سالی کے ایام میں اسکے بھائی بھی نادم اور پشیمان ہو کر (حضرت) یوسف علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور امام مانتے ہیں

واللہ غالب علی امرہٖ کا پورا پورا ظہور ہوا۔

قصہ یوسفؑ آنحضرت صلعم کی زندگی پر منطبق ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری پر پورا پورا منطبق ہوتا ہے۔ پہلے پہلے قریش کی مخالفت (اپنے بھائیوں کی مخالفت) سے ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اہل مدینہ منورہ نے اس کو اپنا مختار الکل بنادیا مگر یہود اور منافقین سرمایہ پرست ان کے مخالف بن گئے۔ سرمایہ پرستی کی بنیاد سود خوری سے آتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سود خوری کو حرام قرار دیا۔ اسلیئے

اس کے مخالف بن گئے یہانتک کہ سارے عرب کو جمع کر کے مدینہ پر حملہ کر دیا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ جو تین ہزار تھے خندق (میں) محصور ہو گئے
یعنی جیسے (حضرت) یوسف علیہ السلام زنداں کی چار دیواری میں محصور ہو گئے تھے۔ آخرکار
اللہ تعالیٰ کا امر غالب رہا۔ خندق کا محاصرہ ٹوٹ گیا
اور اسی سال حدیبیہ کی صلح پر گویا مکہ بھی فتح ہو گیا اور سارے عرب میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلطنت کا اعلان ہو گیا۔ یہی مطلب ہے سورہ یوسف کا۔

فصل

ملک مصر کا بیان اور اس ملک کی تہذیب کا ذکر

مصر کی جغرافیائی اور تہذیبی حالت کا ذکر۔

براعظم افریقہ میں ملک مصر واقع ہے۔ شمال مشرق افریقہ میں ملک مصر واقع ہوا ہے اس کے حدود طبعیہ[1] یہ ہیں

مصر کے شمال میں بحر ابیض متوسطیہ یعنی بحیرہ روم

مشرق میں بحر احمر اور بلاد عرب و شام

جنوب میں بلاد نوبیہ

مغرب میں بلاد طرابلس اور بربر

بلحاظ طبعی مصر اس وادی کا نام ہے جس کے مشرق میں جبال عرب اور مغرب میں جبال لیبیا کا سلسلہ واقع ہے۔ مصر کی مردم شماری ۱۹۱۵ء میں ایک کروڑ بیس لاکھ تھی۔ سب مسلمان ہیں ۱/۱۵ اجنبی لوگوں کا تھا۔ مصر کی زیر کاشت اراضی تقریباً ۵ ملین ایکڑ ہے۔ ملک مصر اپنے قدیم تمدن اور ترقی علمیہ کے لحاظ سے مشہور ترین ممالک میں سے ہے۔ یہاں کے تین اہرام (منارے) اپنی قدامت کے اعتبار سے زمانہ تاریخ سے بھی پیشتر کے ہیں۔ سب سے بلند اہرام (منارے) کی بلندی ۴۵۰ فٹ اور نیچے کا دور ۷۵۰ فٹ اور اوپر کی چوٹی ۳۵ فٹ اور کل رقبہ اڑتالیس لاکھ ایک ہزار گز مربع ہے اور ابوالہول کا بت اس ملک مصر میں ہے جو دنیا کے سب بتوں سے ڈھانچے میں بڑا اور زمانہ کے لحاظ سے سب سے پرانا ہے۔ اس بت کا جسم شیر کا چہرہ عورت کا بنایا گیا ہے اور اس کا قد پنجے سے لیکر دم تک ۱۸۷ فٹ بلند ہے اور سر کی بلندی ۶۶ فٹ اور کان ۴ ۵ فٹ اور ناک ۷ ۶ فٹ کی ہے اور باعتبار حسن کے خوبصورت اور موزوں اور مناسب اعضاء کے ہے۔ زمانہ قدیم میں اس کی پرستش کیجاتی تھی۔

[1] حدود اربعہ

مگر اسلام نے آکر اس کو بے رواج کر دیا[1]۔ اب عجائبات میں سے شمار کیا جاتا ہے
مصر کی زیادہ شہرت دریائے نیل سے ہے اور دریائے نیل ایشیا یورپ اور افریقہ کے سب
دریاؤں سے زیادہ لمبا بہنے والا ہے۔ اس کا بہاؤ طول میں تقریباً ۶۵۰۰ کلومیٹر
ہے اور دریائے نیل افریقہ کی تین جھیلوں کے پانی سے ملکر بنتا ہے۔ دریائے نیل
جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے۔ دریائے نیل کا پانی میٹھا خوشگوار[2] ہے
دریائے نیل کا پانی عموماً ۱۸ جون کو چڑھتا ہے اور کناروں پر سیاہ مٹی ڈال دیتا ہے
جسکو مصری لوگ طمی بولتے ہیں۔ یہ مٹی زمین کے لئے کھاد کا کام دیتی ہے۔
پھر ۲۱ ستمبر سے گھٹنے لگتا ہے

عہد قدیم میں دریائے نیل کا تقدس اور غلط رسوم۔

دریائے نیل کو، عہد قدیم میں مقدس دیوتا سمجھا کرتے تھے اور اس کی پوجا کرتے
تھے جیسے ہندوستان میں گنگا کی ہندو لوگ کرتے ہیں اور ایک دوشیزہ لڑکی کو سال
بسال دلہن بناکر دریائے نیل میں غرق کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی قربانی دیئے
کے سوا دریائے نیل جوش نہیں مارتا۔ اور طغیانی[3] نہیں کرتا۔

جب مصر مسلمانوں نے فتح کیا تو اسلامی گورنر نے لوگوں کو اس رسم بد سے منع کر دیا
اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سال اگست تک دریائے نیل میں افزونی کے آثار نمودار ہوئے
تب رعایا نے واویلا مچا دیا تو گورنر نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضؓ کو اطلاع دی
حضرت امیر المومنین نے والئی مصر کو لکھا کہ ایک خط دریائے نیل کے نام پر روانہ کیا
جاتا ہے۔ اس خط کو جس جگہ دریائے نیل میں لڑکی کی قربانی کرتے تھے۔ اس جگہ
یہ خط دریائے نیل میں ڈال دینا۔ حضرت عمر رضؓ کا فرمان دریائے نیل۔ کیطرف یہ تھا

۱۔ اس رواج کو ختم کر دیا۔
۲۔
۳۔ طغیانی یعنی باڑھ

امیر المومنین حضرت عمرؓ کا خط دریائے نیل کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم   من عبداللہ امیر المومنین عمر بن الخطاب الی نیل مصر اما بعد ۔ فان کنت تجری من قبلک فلا تجر وان کان اللہ الواحد القہار ھو الذی تجریک فنسأل الواحد القہار ان یجریک

یعنی اے نیل مصر اگر تو اپنی طرف سے چلتا ہے تو مت چل اور خشک ہوجا اور اگر تجھکو اللہ واحد القہار چلاتا ہے توہم اس واحد قہار سے سوال کرتے ہیں کہ تم کو چلاتا رہیگا۔

اس فرمان کے ڈالتے ہی دریائے نیل میں طغیانی شروع ہوگئی پھر کبھی عہد خلافت راشدہ میں پانی کی کمی محسوس نہ ہوئی ۔

مصر کا عجائب گھر اور فرعون کی لاش ۔

مصر میں عجائب خانہ ہے ۔ اسمیں پرانے زمانے کی اشیاء رکھی ہوئی ہیں جو زمین کھود کر نکالی جاتی ہیں ۔ کھدائی کرنے والوں کو ایک قبر دستیاب ہوئی اسکو کھود کر دیکھا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کی لاش ممی شدہ برامد ہوئی ۔ جسے یورپ کے جملہ فلاسفروں نے مان لیا ہے کہ یہی عہد موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کی لاش ہے ۔ اس کو عجائب خانہ میں رکھا گیا ہے ۔

اس سے قرآن حکیم کی صداقت منکرین الٰہی پر حجت بن جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کو غرق ہوتے وقت آگاہ کردیا گیا تھا کہ وہ غرق ہوگا اور پھر اس کی لاش ساحل پر پھینک دیجائیگی وہ آئندہ نسلوں کیلئے عبرت بنیگی ۔

فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ یونس ۱۰ : ۹۲

یہ حقیقت بائبل نے ظاہر نہ کی تھی ۔ قرآن حکیم کے اعلان کے تیرہ صدیاں گزر جانے پر وہ لاش ملی اور قرآن مجید کی خبر اپنے ظاہری لفظوں میں پوری ہوئی

مصر کی معاشرت اور تہذیب

مصر اور سوڈان کا علاقہ آب و ہوا کے لحاظ سے خوشگوار ہے اور صحت اور تندرستی بخش ہے۔ خصوصاً عورتوں کی طبع وہاں تندرست رہتی ہے۔ حسن و جمال میں گرد و نواح کے باقی علاقوں سے قدرے فائق ہے۔ مصر چونکہ افریقہ میں واقع ہے طبائع میں شگفتگی اور عیاشی زیادہ نمایاں ہے۔ زمانہ قدیم سے مصر اپنی عیاشی میں مشہور ہے۔ مصری عورتوں کی طبع چونکہ تندرست رہتی ہے اس لیئے ان کی حرکات سکنات اور معاشرت بہت آزادانہ واقع ہوئی ہے۔ خصوصاً شہری عورتیں فارغ البالی کی وجہ سے بہت ناز نخرے میں زندگی گزارتی ہیں۔ اور مردوں پر غالب رہتی ہیں۔ مصر میں علم و ہنر اور تہذیب تاریخ کے زمانہ سے پیشتر معلوم ہوتے ہیں۔

ملک مصر کا وسیع علاقہ دریائے نیل کے کناروں پر آباد ہے۔ جیسے سندھ کا کاشتکار ملک ہے ویسے ہی مصر ہے۔ کپاس اور اجناس اناج اسمیں بہت پیدا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یہاں کے لوگوں کو کافی وقت فراغت کا نصیب ہوتا ہے جسمیں یہ لوگ علم اور ہنر حاصل کر سکتے ہیں اور غور و فکر کر سکتے ہیں۔ اسواسطے یہاں تہذیب و تمدن پرانی ہے۔ مگر اس کے گرد و نواح میں وحشی قومیں آباد ہیں۔ جنپر قابو رکھنا انکیلئے ضروری ہے۔ اگر وحشی قوموں کو لگام میں نہ رکھا جائے تو آئے دن حملہ کر کے مصر کو لوٹ تاخت و تاراج کر دیتے ہیں۔ مصری لوگ جنگجو نہیں بلکہ آرام طلب ہیں۔ اسلیئے گرد و نواح میں رہنے والی وحشی قوموں کو حکمت عملی سے رام اور تابع رکھتے ہیں۔

ادھر ملک فلسطین اور شام (حضرت ابراہیم حضرت اسحاق حضرت یعقوب علیہم السلام کی جولان گاہ تھا) یہاں کے لوگ گو اتنے مہذب اور متمدن نہ تھے مگر پھر بھی ان کو کافی حد تک یہ

بزرگ بیدار اور تیار کر چکے تھے۔

چونکہ مصر تہذیب اور تمدن میں مشرق قریب یا مشرق وسطیٰ کا امام اور پیشوا تھا اور اسمیں ظلم اور بری عادتیں تھیں۔ ان برائیوں کے بدجراثیم فلسطین میں جو مصر کے قریب ہے حملہ کر دیتے تھے۔ مردوں اور عورتوں میں اس کے بدخصائل اپنا اثر ڈالتے رہتے تھے۔ اسلئے حکمت الٰہی اور تدبیر خداوندی نے، ان ملکوں پر رحم کی نگاہ فرمائی اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کو مصر میں اقتدار دیا تاکہ مصر میں اصلاح ہو جس سے باقی اقوام بھی اصلاح پذیر ہو جائیں

مصر تہذیب و تمدن میں مشرق وسطیٰ کا امام تھا اسلئے اس میں موجود بدرسوم کے اثرات فلسطین کو متاثر کرتے تھے۔

حکمت الٰہی نے ان ممالک پر رحم فرماتے ہوئے حضرت یوسفؑ کو اقتدار دیکر ان اقوام کی اصلاح پر مامور فرمادیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے تقریباً ایک صدی قبل بابل کے بادشاہوں نے مصر پر فوج کشی کرکے وہاں اپنا موروثی گورنر مقرر کیا تھا۔ وہ گورنر سامی النسل تھا جس کو عبرانی زبان میں ہکسیک سوس (چرواہے بادشاہ کہا جاتا ہے) یعنی عربی نسل کا گورنر تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ایک صدی قبل بابل کے بادشاہوں نے مصر پر قبضہ کرکے موروثی حکومت قائم کرلی تھی

اب سامی النسل فرعون کا دور شروع ہوا۔ قبطی فرعونوں کی سلطنت ختم ہوگئی تھی۔ ان کے شہزادے دربدر اور   میں پریشان پھرتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا فرعون مصر ریان بن ولید تھا جو سامی النسل تھا جسکو یورپین مؤرخ ای پونس (   ) لکھتے ہیں۔ سامی نسل خاندان کا ہفتدہم بادشاہ جو رائی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ مصر کے بادشاہ کو فرعون مصر کہا جاتا ہے۔ اسکا وزیر اعظم جسکو قرآن حکیم نے عزیز مصر کہا ہے بھی سامی النسل تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے فرعون کا نام ریان بن ولید تھا۔

تورات میں اس عزیز مصر کا نام فوطیفار بتلایا گیا ہے۔ بادشاہ مصر (فرعون) اور اس کا وزیر نیک دل آدمی تھے۔ ان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم نے اثر کیا تھا۔

تورات میں عزیز مصر کا نام فوطیفار تھا جو کہ نیک دل تھا۔ بادشاہ اور وزیر دونوں پر حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم کا اثر تھا

سامی نسل بادشاہوں نے اولاد کُشی کی بدرسم موقوف کردی تھی اور باقی رسوم اکثر قائم تھیں - تورات لکھنے والے ہر ایک آدمی کا نام ونسب وغیرہ لکھنے میں بڑی فراخدلی (دکھاتے ہیں) اس لئے عزیز مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا - اسکا نام فوطیفار بتایا ہے - مگر اس کی ملکہ جس کے پاس یوسف علیہ السلام کو سپرد کیا تھا اس کا نام نہ تورات میں ہے اور نہ قرآن حکیم میں ذکر کیا گیا ہے اور نہ اس ملکہ کا نسب تورات میں مذکور ہے - البتہ قرآن حکیم نے اشارۃً بتلایا ہے کہ وہ لونڈی تھی - اور اس ملکہ (   ) کا نام نہ کسی قول صحابہ سے یا تابعین یا تبع تابعین جو کہ آئمہ مجتہدین کا زمانہ ہے بسند صحیح معلوم ہوتا ہے. چھٹی صدی ہجری کے ناول نویسوں نے اسکا نام زلیخا یا راعیل رکھکر اپنے ناول لکھے ہیں اور عشق و عیاشی کی داستان بنائی ہے - یہ سب لغو اور کذب ہے.

تورات میں عزیز مصر کا نام فوطیفار مذکور ہے مگر اس کی ملکہ کا نام نہ تورات میں ہے اور نہ قرآن میں

زلیخا یا راعیل کا نام چھٹی صدی ہجری کے ناول نویسوں کی اختراع ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

یوسف علیہ السلام کو جب بادشاہ مصر نے قید سے نکال کر خود مختار بنایا تھا اسی وقت بادشاہِ مصر نے اپنے مرشد جسکا نام تورات میں "فوطی فرع" لکھا ہے - جو اون میں رہتا تھا اون مصر میں ایک قصبہ یا محلہ ہے - اس کی لڑکی آسناتھ کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کردیا تھا - اس نکاح میں عزیز مصر اور اس کی ملکہ بھی حاضر تھے - اس لڑکی آسناتھ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے پیدا ہوئے - بڑے کا نام افرائیم رکھا اور دوسرے بیٹے کا نام منسّی رکھا - ناول نویسوں نے جو لکھا ہے کہ زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام نے نکاح کیا بالکل لغو اور جھوٹ ہے - یاد رکھنا چاہیے قاعدہ[1] کلیہ ہے الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیّبات للطیّبین والطیّبون للطیّبات -

حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی بادشاہ مصر کے مرشد "فوطی فرع" کی بیٹی آسناتھ سے ہوئی جس سے آپ کے دو بیٹے افرائیم اور منسّی ہوئے۔

عزیز مصر کی ملکہ سے یوسف علیہ السلام کا نکاح بھی ناول نویسوں کا ایک کذب اور بہتان ہے -

۱- قانون

ملکہ عزیز مصر جب قرآن میں مذکور ہے ایک فاحشہ عورت ہے اور پھر لونڈی ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے عزتی کی کوشش کر رہی ہے۔

بادشاہ پھر (حضرت) یوسف علیہ السلام کی حیات میں فوت ہو چکا تھا اسوقت یوسف علیہ السلام ہی ملکِ مصر کا خود مختار بادشاہ ہوا۔ (حضرت) یوسف علیہ السلام اپنی وفات کے وقت جس جماعت بنی اسرائیل کو وارث بنا گیا تھا۔ انہوں نے اقتدار پسندی کے نشہ اور خمار میں (حضرت) یوسف علیہ السلام کی اصلاحات ترک کر دیں اور عیش پسندی میں غرق ہو گئے۔ چونکہ بنی اسرائیل میں تعلیم کم تھی اور قبطی حساب کتاب میں فائق تھے۔ اس لئے عام عہدے اُن کے ہاتھ میں آ گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے یوسف علیہ السلام کی اصلاحات ترک کر کے عیش پسندی شروع کر دی اور اقتدار سے محروم ہو کر غلام بنا دیئے گئے

بنی اسرائیل کے عوام۔ احبار و رھبان نے اپنے بادشاہوں سے ناراض ہو کر کنارہ کشی اختیار کر لی کیونکہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کی سنت اور طریقۂ جہاں بانی کو ترک کر دیا تھا، اور پھر زمینیں اپنے اصلی مالکوں کو واپس کر دی تھیں۔

بنی اسرائیل کے عوام۔ احبار اور رھبان کی جہانبانی اور سنت یوسفی سے کنارہ کشی نے انہیں ذلت اور پستی کے گہرے گڑھے میں پہنچا دیا

تھوڑے عرصہ میں قبطیوں نے زور پکڑ کر مصر پر حملہ کر دیا تھا اور قبطی بادشاہوں کی اولاد جو بربر اور لیبیا میں آوارہ پھر رہی تھی مصر پر قابض ہو گئی اور بنی اسرائیل محکوم اور غلام بنا دیئے گئے۔ سب پرانی بد رسموں کو جاری کیا۔ بنی اسرائیل سے زمین اور جائیدادیں چھین لی گئیں اور ان کے بچے بھی ذبح ہونے لگے اور بنی اسرائیل کو مصر میں رکھکر اُنسے اینٹیں پکانا اور بیگار لینی شروع کر دی۔ کاش بنی اسرائیل میں انقلابی ذہنیت ہوتی تو اتنی سختی اُنپر حکومت نہ کرتی۔ مگر مذہبی جماعت تھی تقدیر پر راضی ہو گئی۔ تدبیر جو تقدیر سے پھوٹ کر نکلتی ہے اسکو بالکلیہ ترک کر دیا۔ یہ قانون کلیہ ہے کہ۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم ظہور میں آیا۔ والظلام عوذ۔ الرعد ۱۳ : ۱۱

قبطیوں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے مصر پر حملہ کر کے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا اور ان پر سابقہ مظالم جاری کر دیئے۔

تدبیر تقدیر سے پھوٹ کر نکلتی ہے۔ اس کو اختیار کرنا کامیابی اور ترک کر دینا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

۱۔ لکھنے پڑھنے میں کمی تھی

قرآن حکیم میں تاریخی قصے بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب سے انہیں عبرت حاصل کی جائے

قرآن حکیم کے[1] تاریخی بیان میں حکمت

قرآن حکیم میں جو تاریخی قصے مذکور ہیں۔ ان میں گزشتہ قوموں کی تہذیب و تمدن کا ذکر بھی کر دیا گیا اور جن اسباب سے وہ قومیں غارت اور برباد ہوئیں وہ دلائل بھی درج ہیں۔ اس کے علاوہ ان قصوں میں احکام بھی ہیں اور انسان کیلئے عبرت کا درس بھی ہے۔ غارت ہونے والی قوموں میں ایک مشترک بات یہ تھی کہ انمیں شرک تھا یعنی غیر اللہ کو جہان کی تدبیر کا مالک سمجھتی تھیں اور ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتی تھیں۔ کوئی سورج چاند ستاروں سے، کوئی دریاؤں سے، کوئی اولیاء اللہ اور قبروں سے، کوئی انبیاء سے۔ اور انکی پرستش بھی کرتی تھیں۔ ان کے بت بنا کر ان کے آگے سجدہ کرتے، نیازیں مانتے تھے اور اولیاء اور انبیاء کی قبروں پر جاکر اُنسے ایسی دعائیں مانگتے تھے جن کا تعلق فقط اللہ تعالیٰ سے تھا۔ انپر قربانیاں کرتے تھے اور ان کی درگاہوں پر سجدہ کرتے تھے یعنی انکو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے تھے۔ پھر اپنے بادشاہوں۔ امیروں اور پیشوایان مذاہب کو خدا کا درجہ دیتے تھے۔

قوموں کی تباہی میں شرک قدر مشترک رہی ہے۔: شرک عقل کو اندھا کر کے تدبیر الٰہی سے غافل کر دیتا ہے

شرک عقل کو اندھا کر دیتا ہے اسلئے ان کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا اور تدبیر الٰہی سے غافل ہو گئیں اور دوسری[2] یہ بات سب میں مشترک تھی کہ اقتدار پرستی میں غرق تھے اور غرباء پر ظلم و ستم جائز سمجھتے تھے اور عدل[3] و انصاف اور رحمدلی کو ترک کر دیا تھا

قوموں کی تباہی میں شرک کے علاوہ۔ اقتدار پرستی، سرمایہ پرستی، نسب پرستی کے زعم میں جزاء و سزا سے انکار اور ظلم و ستم شامل ہیں جن کیوجہ سے عقل مسخ ہو جاتی ہے اور فطرت انسانی تباہ ہو جاتی ہے اسلئے فطرت انسانی کو تباہی اور بگاڑ سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ ایسی سوسائٹی کو تباہ کر دیتا ہے

تیسری یہ بات سب میں مشترک تھی کہ سرمایہ پرست تھے۔ سرمایہ پرستی کے باعث غرباء پر ہر قسم کا ظلم اور بے انصافی ان کے نزدیک عین عدالت و انصاف تھا۔

چوتھی بات یہ کہ اعمال کی جزاء و سزا کے منکر تھے۔ انکو یقین تھا کہ ہمارے باپ دادا یا پیشوا ہمیں سزا سے بچا لیں گے۔ اس موہوم امید کے باعث اعمال صالحہ کو بالکل ترک کر دیا اور فسق و فجور میں غرق ہو گئے ان کی عقل مسخ ہو گئی اور انکی فطرت انسانی تباہ ہو گئی بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو گئی اسلئے ایسی سوسائٹی کو اللہ تعالیٰ تباہ کر دیا کرتا ہے تاکہ آئندہ نسلوں کی فطرت نہ بگڑے

۱۔ اور جن جن اسباب
۲۔ سرشار تھے
۳۔ عدالت

قوم نوح میں غرباء پر علم و ہنر کے دروازے بند تھے اور غرباء کو کاشتکار و مزدور غلام سمجھے جاتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جو وسط ایشیاء میں تھی۔ پہلے مذکورہ بالا اسباب[1] کے علاوہ انمیں خاص بات یہ تھی کہ غرباء پر علم و ہنر کے دروازے بند تھے۔ غرباء کاشتکار اور مزدور ہمیشہ کیلئے غلام سمجھے جاتے تھے ان کی خرید و فروخت درست تھی۔ اس کی مثال ہندوستان میں راجاؤں کی حکومت میں شودروں کی سی تھی یہی حالت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں فرعون کی تھی۔

قوم عاد کی یہ عادت تھی کہ لوٹ مار کے مال سے بڑی بڑی عمارتیں اور محلات بناتے تھے اور پہاڑوں پر اپنی یادگاریں تعمیر کرتے تھے۔

قوم عاد میں خاص بات یہ تھی کہ غیر ملکوں کے کاشتکاروں سے حملہ کرکے غلات اور چارپایہ مال لوٹ لیتے تھے۔ پھر احقاف یعنی ریگستانی علاقہ میں بڑے بڑے محلات بناتے اور ان پر نقش و نگار کرتے۔ ایسی پختہ عمارتیں بناتے جو ہمیشہ قائم دائم رہیں۔ جیسے آجکل عمارتیں سیمنٹ سے بنائی جاتی ہیں۔

جس قوم یا ملک پر حملہ کرتے اگر انکے باشندے گرفتار کر لیتے تو سب کے سب کو قتل کر دیتے تھے نہ عورت اور بوڑھے پر رحم کرتے نہ چھوٹے بچے پر رحم کرتے۔ پہاڑوں پر اپنی یادگار میں بڑے بڑے مینار بناتے تھے تمام ایشیاء میں خون کے دریا بہا دیتے تھے۔ اسکی مثال چھٹی صدی ہجری میں چنگیز اور ہلاکو نے پیش کی تھی۔

قوم ثمود کے لوگوں کا پیشہ لوٹ مار اور غارتگری تھا اور وہ بھی غرباء پر ظلم کرتے تھے۔ غریبوں کو کھیتوں میں مال چرانے کی ممانعت تھی۔

قوم ثمود وادی القریٰ میں رہتی تھی جو کہ حجاز کا علاقہ ہے۔ لوٹ مار غارت گری ان کا پیشہ تھا جیسا کہ بیابانی اور پہاڑی لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ ان کی خاص بات یہ تھی کہ غرباء کو چارپایہ مال رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اگر کوئی رکھ بھی لیتا تو چراگاہوں میں اسکے مال کو چرنے کی اجازت نہ تھی۔ پہاڑوں کو چیر کر ان کے اندر عمارتیں بناتے۔ بتوں کے نام پر جانور آزاد کرتے۔ وہ جس کھیت میں چرتے تو کاشتکار کو حکم تھا کہ اس کو چرنے دو مت مارو۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کے سمجھانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ انکا زیادہ تشدد اسی پر تھا کہ غریبوں کے مال مویشی کو پانی پلانے نہیں دیتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بت پرستی عروج پر تھی اور تمام امور بشمول امور مملکت میں مجاوروں کا دخل تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بابل بڑا ترقی یافتہ تھا۔ بتوں کی پرستش زوروں پر تھی۔ سب کام کاج بتوں کے مجاوروں کے ہاتھ میں تھے۔ شادی بیاہ اور کھیتی باڑی جسطرح مجاور حکم دیتے لوگ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حکومت کے کاروبار میں مجاوروں کا دخل تھا۔ مجاوروں نے بتوں کے بڑے قصے کہانیاں، معجزے اور کرامات بنا رکھے تھے۔ اگر کوئی شخص مجاوروں کے پاس کوئی مصیبت دور کرانے

[1] پہلے ذکر شدہ اسباب

مجاوروں کے عجیب وغریب ہتھکنڈے۔

تو بڑا مجاور جا کر بڑے بت بعل ہوکر نمرود اور اس کی عورت عزوت کے نام پر بنایا گیا تھا۔ وہ بت دو چہرے رکھتا تھا ایک طرف مرد کا اور دوسری طرف عورت کا۔ کان دونوں کے جدا جدا نہ تھے بلکہ ایک انسانی کان شکل تھے) کے کان میں عرض کرتا تھا۔ پھر اپنا کان ان کے منہ پر لگا کر کھڑا رہتا تھا۔ پھر اس حاجتمند سے آکر کہتا کہ آپ کو یہ حکم ملا ہے۔ نذرانے کے طعام بھی پہلے بتوں کے آگے رکھتے اور تھوڑی دیر تک بت خانہ کا دروازہ بند کر لیتے پھر دروازہ کھول کر دیکھتے۔ اگر طعام سے یا زرنقد سے کچھ بتوں نے کھا لیا تو وہ نذر نیاز مقبول سمجھی جاتی تھی۔

عوام کی غلط روش میں حکام کا حصہ مقرر ہو جائے تو غلط کاری ترقی کر جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد آذر بڑا مجاور تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھر کے بھید راز معلوم تھے انہوں نے دیکھا کہ کیسے عجیب مکر وفریب اور بیہودگی سے کام ہو رہا ہے۔ اسلئے انہوں نے سخت مخالفت کی۔ مجاوروں کی اس لوٹ مار میں بادشاہ کا حصہ مقرر تھا اسلئے بڑے پیمانے پر یہ لوٹ کھسوٹ ترقی کر گئی تھی۔ اس کا انسداد ضروری تھا۔ اس حکمت الٰہی کے سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور انکو فطرت سلیمہ عطا ہوئی تھی اور بڑے مجاور کے گھر پیدا ہوئے۔

قوم لوطؑ کا غلط طرز عمل۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جو مشرق   میں تھی اس کی خاص عادت یہ تھی کہ اولاد پیدا کرنے مخصوص اوقات میں عورتوں سے جماع کرتے تھے اور شہوت کیلئے غلام رکھتے۔ پھر مجلس میں بلکہ اہل محفل کے روبرو ان غلاموں سے جو لواطت کرتا وہ بڑا بہادر سمجھا جاتا۔ قافلوں کو شہر کی طرف مال لے جانے   کی اجازت نہیں دیتے تھے اور (مال) خود خرید کر کے آگے لے جاتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی خاص عادت یہ تھی کہ پیمانہ اور وزن دینے اور لینے کیلئے جدا جدا تھے اور پھر غرباء کے مال کی قیمت کم مقرر کر رکھی تھی اور اپنا مال قیمت بڑھا چڑھا کر فروخت کرتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر میں آزادی نسواں حد سے زیادہ تھی۔ پولیس کے اختیارات اتنے زیادہ تھے کہ وہ کسی بھی باعزت کو پکڑ کر جیل بھیج دیتی اور سیفٹی ایکٹ کے مشابہ قانون موجود تھے

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کی تہذیب (میں) آزادی نسواں حد سے گزر چکی تھی اور اُمراء طبقہ کے ظلم سے لوگ تنگ آچکے تھے۔ اور انہیں ایسے قانون بھی تھے جیسے آجکل سیفٹی ایکٹ ہے۔ ماتحت اس میں آزاد تھے۔ کسی بڑے آدمی کو خواہ کتنا ہی عزت والا ہو پولیس اس کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیتی تھی اور مجسٹریٹ سے تفتیش[1] کا وقت لیکر اس کو جیل میں رکھ دیتی تھی اور وقت طلب کرتی اور بیچارہ مظلوم ساری عمر جیل میں گزار دیتا تھا۔ اسی نمونے کا قانون ہم نے بھی ۱۹۲۸ء میں جب کابل گئے تھے۔ افغانستان میں دیکھا تھا۔ پھر بادشاہ یا وزراء کو اسمیں دخل دینے کا حق نہ تھا۔ پولیس جو چاہتی کرتی تھی۔ ایسے قوانین کوتوال شہر اور سپرنٹنڈنٹ کے ہاتھ میں ہوتے تھے جو گرد و نواح میں خود مختار ہوتے تھے۔

مصر کے امراء کی طرز بود و باش اور آزادی نسواں -

مصر کے امراء کی شہر سے باہر رہنے کی عادت تھی۔ ان کی بڑی بڑی کوٹھیاں اور محلات ہوتے تھے اور مکانوں میں ہوا کیلئے بہت سی کھڑکیاں اور دروازے ہوتے تھے اور محلات کے ارد گرد فصیل ہوتی تھی۔ فصیل کے گرد گرد باغ ہوتے تھے اور بڑے دروازے پر پھولوں کے پودے لگائے جاتے تھے اور ہر ہر عورت کیلئے الگ الگ محلات بنوائے تھے۔ امیروں کی یہ عادت تھی کہ جب آتے تو پہلے اطلاع کر دیتے اور جب آتے تو محلات کے بڑے دروازے پر پائیں گلزار میں ٹھہر جاتے۔ سب غلام اور کنیزیں بلکہ بیگمات تک وہاں حاضر باشی کا ادب بجالاتے تھے اور غلاموں کو خصی کرنے کا رواج بھی مصر نے ایجاد کیا تھا۔ دعوتوں میں کھانا میزوں پر رکھکر چھری کانٹوں سے کھاتے تھے یہ سب کچھ امراء طبقہ کو نصیب ہوتا تھا۔

دعوتوں اور محفلوں میں امراء طبقہ کے مرد اپنی اپنی خوبصورت لونڈیاں لاتے تھے جو کہ نیم برہنہ ہوتیں اسی طرح امراء طبقہ کی عورتیں اپنی محفلوں میں اپنے خوبصورت نوجوان غلام[2] لاتی تھیں۔ جس امیر زادی کے پاس ایسا خوبصورت نوجوان غلام یار اور معشوق نہ ہوتا اسکو بے[3] سمجھا جاتا تھا۔ پھر

ذوق

۱۔ جستجو
۲۔ معشوق
۳۔ مذاق

دعوتوں اور محفلوں میں شراب وکباب کی فراوانی اور بھباث ہوتی تھی۔ نیم برہنہ محفل رقص وسرود ہوتی تھی

مصر میں جیلوں کی حالت

اگر ان امیر زادیوں کے قبضہ میں کوئی سلیم فطرت نوجوان غلام ہوتا جو ان کے بےحیائی کے کاموں سے نفرت کرتا تو اس کو جیل خانہ میں بھیج دیا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ عورتوں کے جذبات کی قدر دانی نہیں کرتا تھا۔ یہ بےحیائی روز بروز بڑھ رہی تھی اور خوابوں کی تعبیر کا بڑا چرچا تھا۔ اگر کوئی خواب دیکھتا جب تک تعبیر نہ سُن لیتا۔ پریشان رہتا۔ اس سے بہت سی) بداعتقادیاں پیدا ہوگئیں تھیں۔ جیلوں کے اندر کھانے اور علاج کا بندوبست تھا۔ جہمیں ملاقاتیں بھی ہوسکتی تھیں۔ گویا جیلوں کے اندر بھی شخصی آزادی تامّ تھی۔

مطلب یہ ہے کہ پرائیویٹ زندگی میں کسی کو کسیطرح دخل دینے کا حق نہ تھا۔ جیسے باہر پرائیویٹ زندگی کی آزادی تھی ویسے ہی قیدخانوں اور جیلوں میں آزادی تھی۔ قرآن حکیم میں غور کرنے والے طلبہ بہت سے نتیجے نکال سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے تاریخی بیان فطرت کا آئینہ ہیں۔

قرآن مجید کے تاریخی بیان فطرت کے آئینہ دار ہیں ان میں جھوٹ فریب نہیں

آیت نمبر ۲۲

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ترجمہ :۔ اور جب وہ اپنی قوت کو پہنچ گیا تو ہم نے اس کو حکم اور علم دیا اور ایسا ہی بدلہ ہم نیکی کرنیوالوں کو دیتے ہیں۔

سن بلوغ میں اختلاف کیونکہ ممالک کی آب وہوا کا اختلاف ہے۔

تشریح : اَشُدَّ شدت سے مشتق ہے اسکا معنی قوت ہے بَلَغَ اَشُدَّہٗ کا معنی ہوا اپنی جوانی اور قوت کو پہنچ گیا۔ سعید بن جبیر جو کہ تابعی ہیں جوانی کے متعلق ۱۸ سال بتاتے ہیں اور ضحاک بیس سال فرماتے ہیں ان کے اقوال کو اکثر مفسرین نے ترجیح دی ہے۔ عرب شام اور افریقہ میں لڑکا ۱۶ سال سے لیکر بیس سال تک پوری قوت اور جوانی پر پہنچ جاتا ہے اگرچہ قرآن حکیم اور صحیح حدیث نے سن بلوغ مقرر نہیں کیا۔ کیونکہ اسلام بین الاقوامی مذہب ہے۔ ہر ملک کا سن بلوغ وہاں کی آب وہوا پر

رکھتا ہے روس اور انتہائی شمال میں لڑکا تیس سال میں جاکر بالغ ہوتا ہے اور صحرائے افریقہ میں ۱۲ سال میں بالغ ہو جاتا ہے اور ہندوستان میں ۱۵-۱۶ سال میں لڑکا بالغ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لڑکی کا بلوغ ہے۔

حکماً وعلماً کا ایک مفہوم یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حکمت اور فراست کے ساتھ حکومت عطا ہوئی۔

حُکماً وعلماً سے مراد حکمت اور فراست اور دانشمندی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام پر علم اور معرفت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ علم الٰہی کا خزانہ حظیرۃ القدس ہے جہاں جماعت ملاء اعلیٰ کا مرکز ہے وہاں تک حضرت یوسف علیہ السلام کی رسائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں ہو چکی تھی۔ اب جوانی میں اسکو حکومت حکمت اور فراست کے ساتھ عطا ہوئی۔

قومی اور بین الاقوامی نبوتیں۔

بعض محققین کی رائے ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ نبوت چالیس سال کے بعد ملتی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کو چھوٹی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ ایسی نبوتیں بین الاقوامی نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کو کسی خاص قوم یا ملک کو تیار کرنے کیلئے مامور کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی بھی یہی رائے ہے۔ اپنی کتاب "خیر کثیر" میں تصریح فرماتے ہیں بڑی نبوتیں جو بین الاقوامی اور ساری انسانیت کیلئے ہوتی ہیں وہ بڑی عمر میں ملتی ہیں۔ وہ انبیاء ابتدائی قومی مدارج قبل از نبوت طے کر لیتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حکومت اور بادشاہی کی دو اقسام۔
① عاقلانہ عادلانہ حکومت۔
② جاہلانہ ظالمانہ حکومت

حکومت اور بادشاہی دو قسم کی ہوتی ہے پہلی اعلیٰ اور رحمت الٰہی کی حکومت وہ ہوتی ہے جو حکمران جماعت حکیمانہ طبع رکھتے ہوئے علم وفراست اور دانشمندی کے ساتھ حکومت کو چلاتے ہیں اور رعیت کی خیر خواہی سے ان کا دل معمور ہوتا ہے۔ خود غرضی اور اقارب پرستی کا انہیں شائبہ تک نہیں ہوتا۔ مجسم ایثار اور قربانی ہوتے ہیں اور دوسری قسم کی حکومت جابرانہ ظالمہ ہوتی ہے اسمیں بادشاہ خود مختار ہوتا ہے بیشتر اور ارکان دولت سب کے سب دولتمند زر پرست و رجعت پسند (ری ایکشنری) ہوتے ہیں۔ رعیت کی خیر خواہی کے بجائے اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے کی تدابیر سوچتے رہتے ہیں۔

یہاں آیت شریفہ میں تصریح کی جاتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حکومت پہلی قسم کی عطا ہوئی تھی کیونکہ حضرت یوسف

صالح جماعت کے ہاتھ اللہ تعالیٰ اسلئے حکومت دیتا ہے کہ وہ انسانیت کیلئے نمونہ ہو اور انسانی سوسائٹی اسپر چلکر کامیاب رہے۔

جماعت محسنین کا ایک فرد تھے اور محسنین جماعت کے ہاتھ اللہ تعالیٰ حکومت دیدیتا ہے جو آئندہ نسلوں کیلئے صراط مستقیم و راہ عمل ہو۔ اور انسانیت کیلئے نمونہ ہو اور انسانی سوسائٹی اسپر چلکر کامیاب رہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام محسنین جماعت کے ایک رکن تھے اسلئے انکو حکمت والی حکومت اور علم باعمل سے اللہ تعالیٰ نے نوازا۔ گویا ایک حکیم جو بالطبع علم و عمل کا مجسمہ ہو اسی کو ایک ہی وقت میں اسکی استعداد کے مطابق حکومت اور حکمت و علم عطا ہوتا ہے۔ گزشتہ اوراق میں بیان ہوا تھا کہ حکمت دو قسم کی ہوتی ہے ایک حکمت عملی دوسری حکمت نظری و عملی۔ اس جگہ حکمت سے مراد حکمت عملی ہے یعنی تدبیر منزل سے لیکر شہنشاہی چلانے کی عملی تدبیر ایسی ظاہر ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر نے اپنی وزارت اعلیٰ سپرد کردی

حکمت کی دو اقسام
۱۔ حکمت عملی
۲۔ حکمت نظری۔

مشکوٰۃ شریف میں پہلی حدیث میں احسان کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں فرماتے ہیں کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک[1] یعنی اللہ تعالیٰ قدوس کا ایسا عبد ہوکر رہتے رہو کہ اپنی حرکات۔ سکنات اور ارادت اور کام کرتے وقت روح کے مرکزی نقطہ کا دھیان اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم پر مرتکز رہے جو حظیرۃ القدس میں ہے۔ اسکی رضامندی اور ناراضگی کو دیکھتے رہو۔ حسب منشا رضامندی الہیٰ کام کرتے رہو یہ مقام صدیقین کا ہے۔ دوسرا درجہ اگر تم میں یہ استعداد نہیں ہے تو ہمیشہ یہی پختہ اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ مقام ابرار کا ہے۔

احسان کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی تمام حرکات و سکنات اور ارادات میں روح کے مرکزی نقطہ کا دھیان تجلی اعظم پر مرتکز رکھے جو کہ حظیرۃ القدس میں ہے

صدیقین اور ابرار کا ایک مفہوم

تشریح: اب ایت ولما بلغ اشدہٗ آلایہ کی تشریح کرتے ہیں۔

توراۃ میں تصریح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب بھائیوں نے گڑھے میں ڈالا تو اسوقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر ۱۷ سترہ سال تھی۔ اسکے بعد مصر میں عزیز مصر جسکا نام فوطیفار ہے وہ وزیر اعظم تھا ان کے پاس تدبیر الہیٰ نے پہنچایا۔ وہ ان کا رشد اور سلامتی طبع اور عقلمندی دیکھکر انکی عزت سے پرورش اور تربیت کرنے لگا۔

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۱۱ مجتبائی دہلی۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے تمام ذاتی امور اور امور سلطنت میں مشیر خاص بنا لیا۔

اور اس کو اپنا عزیز ترین بیٹا منتخب کیا۔ گھر اور خاندان میں بھی اس رائے کا اظہار کیا کہ یہ لڑکا بڑا عقلمند ہے سلطنت کے کاموں میں ہمیں فائدہ دیگا۔ آزمائش کے بعد اگر اسمیں سلطنت کے کاموں کا فائدہ معلوم ہوا تو اس کو بیٹا بناؤنگا اس لئے اسکو عزت و آبرو سے رکھو۔ اس کے بعد اسکو محفلوں اور بڑی بڑی سیاسی کانفرنسوں میں شریک کرتا رہا اور سلطنت کے مشکل مسائل میں اسسے رائے لیتا رہا۔

عزیز مصر کو یقین ہوگیا کہ یہ لڑکا بڑا عقلمند ہے۔ تورات پیدائش باب ۳۹ فقرہ نمبر ا تا نمبر ۶۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں فوطیفار مصری جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوداروں کا سردار تھا، نے خریدا

حضرت یوسف علیہ السلام کی برکت اور حسن تدبیر کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا نزول شروع ہوگیا اور نمایاں ترقی ہوئی۔

اور خداوند یوسف کے ساتھ تھا اور وہ اقبالمند ہوا اور اپنے مصری آقا کے گھر رہتا تھا اور اس کے آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور جس کام کو وہ ہاتھ لگاتا ہے۔ خداوند اسمیں اسے اقبالمند کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اس کی نظر میں مقبول ٹھہرا اور وہی (مصری آقا) اسکی خدمت کرتا تھا اور اُس نے اسے اپنا کار مختار بنا کر اپنا سب کچھ اُسے سونپ دیا اور جب اُس نے گھر اور سارے مال کا مختار بنایا تو خداوند نے (عزیز مصر) کے گھر میں (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کی خاطر برکت بخشی اور اس کی سب چیزوں پر جو گھر اور کھیت میں تھیں خداوند کی برکت ہونے لگی اور اُس نے اپنا سب کچھ حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور سوائے روٹی کے جسے وہ کھا لیتا تھا اُسے اپنی کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔"

تورات کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کی آزمائش کرتا رہا اور بڑے بڑے امور سلطنت میں اس سے مشورہ لیتا رہا۔ جو مشورہ حضرت یوسف علیہ السلام دیتے تھے اسمیں برکت اور رعیت کی اصلاح ہوتی تھی اور امراء اور ارکان دولت سب کے سب حضرت یوسف علیہ السلام سے خوش اور راضی ہوتے گئے اور عزیز مصر کی ذاتی ملکیت حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام سے بڑھتی گئی اور پیداوار میں نمایاں برکت ہوگئی۔ اس سے عزیز مصر بہت خوش ہوا اور سمجھ لیا کہ جیسے

حضرت یوسف علیہ السلام عقل و تدبیر اور حسن انتظام میں اعلیٰ قابلیت رکھتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہے۔ اس کے طفیل سب کاروبار اور مشوروں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور رعیت بھی راضی اور خوش ہے۔ جتنا کام اس کے سپرد کرتا تھا وہ کام خوش اسلوبی سے سرانجام ہوجاتا تھا۔ اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام کا مرتبہ بڑھتا گیا حتیٰ کہ اپنے گھر کا مختار الکل بنادیا۔ جس سے اس کے گھر میں برکت ہوئی۔ غلاموں اور لونڈیوں میں جتنی فضول خرچیاں۔ انتشار اور پراگندگی تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام سے ہر ایک غلام یا لونڈی اپنے اپنے فرائض سرانجام دینے لگے اور حرکات و سکنات میں سلیقہ دار ہوگئے۔ سب نے فضول باتوں اور بے حیائی کے کاموں کو ترک کردیا ادب احترام سے رہنے لگے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ پیدا ہوگیا۔ چونکہ عزیز مصر "حنیف طریقہ" حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریق کی طرف مائل تھا۔ اس منظر کو دیکھکر خوشی کے مارے پھولا نہ سماتا تھا اور اپنا بیٹا بنالیا اور امور سلطنت میں اس کو شریک کرلیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسب منشا و مشورہ امور سلطنت چلانے لگا۔ معلوم ہوکہ سب کاروبار۔ وزراء اور حکام وزیر اعظم کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اسمیں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام سے جسقدر خرابیاں بے تدبیریاں۔ رشوت ستانی اور ظلم و جبر تھا۔ دور ہوگیا۔ امور سلطنت اندرونی و بیرونی عمدہ طریق سے چلنے لگا۔ عزیز مصر کی تعریف ہونے لگی۔ بادشاہ بھی عزیز کی حسن تدابیر سے خوش ہوگیا۔ یہ سب کچھ حضرت یوسف علیہ السلام کے طفیل تھا۔ عزیز مصر کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت جگہ پکڑ گئی۔ اس کی محبت سے مدہوش ہوگیا۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال تھا کہ سب بیٹوں سے منہ موڑ کر تمام تر توجہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف پھیر دی تھی اور اس کی تعلیم اور تکمیل کو پیش نظر رکھا تھا۔ جب عزیز مصر نے دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پوری جوانی اور طاقت کو پہنچ گیا اور ملکی معاملات کو خوب سمجھ لیا ہے۔ امراء۔ ارکان دولت اور بادشاہ کی نظروں میں اس کی کارگزاری

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی فراست و اہلیت سے امور سلطنت کو اس خوبی سے سرانجام دیا کہ عوام و خواص اور بادشاہ کی نظروں میں مقبول ہوگئے

عزیز مصر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریق "حنیف" کی طرف مائل تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے حسن تدبیر سے تمام خرابیوں۔ رشوت اور ظلم کو ختم کرکے عمدہ انتظام حکومت چلایا۔

پسندیدہ ہے تو وزارت کے تمام کاروبار اور گھر - ذاتی ملکیت اور خاندانی معاملات[1] اُنکے سپرد کر کے آرام سے زندگی بسر کرنے لگا - یہ معنی تورات کی عبارت کا ہے اور قرآن حکیم بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بیس اکیس سال کی عمر میں قدم رکھا تو عزیز مصر نے وزارت اُسی کے سپرد کر دی تھی -

یہ بات تو قرآن حکیم سے ثابت ہوتی ہے کہ عزیز مصر کی بہت سی عورتیں تھیں اور اس کی چہیتی ملکہ جس کے گھر حضرت یوسف علیہ السلام کو پرورش کے لئے رکھا تھا - وہ بھی اُس کی نازنین اور پیاری رانی تھی - اگرچہ اصل میں لونڈی تھی -

ہماری رائے ہے کہ ان سب بیگمات سے عزیز مصر کے بیٹے ہوگئے مگر انہیں جہانداری کی لیاقت مفقود ہوگی اور عزیز مصر محب وطن تھا اور مصر کا خیر خواہ تھا - اسلئے وزارت حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دی تھی کیونکہ آپ بڑے عقلمند - علم والے - خدا ترس اور رموز سلطنت کو جانتے تھے -

نااہل لوگوں کے سپرد حکومت کر دی جائے تو تباہ ہو جاتی ہے -

تاریخ کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں - حضرت طالوت رضی اللہ عنہ نے جب عمالقہ قوم کو شکست دی تھی تو بنی اسرائیل کی سلطنت حضرت داؤد علیہ السلام کے سپرد کر دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مرض الموت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کیلئے امام مقرر فرمایا تھا - سلطنت غلامان دہلی کی تاریخ دیکھو -[2]

2

حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا شکل میں ہو بہو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مثیل تھا مگر نالائق تھا تو سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور عالمگیر مرحوم کا جانشین نالائق تھا تو بر اعظم ہندوستان کی سات سو سالہ اسلامی سلطنت نیست و نابود ہوگئی - جن بادشاہوں نے لیاقت دیکھکر حکومت کا وارث بنایا - آجتک ان کی ثنا اور تعریف چلی آتی ہے اور ان کی حکومتیں مدت تک قائم رہیں - اس رائے کو تسلیم کرنے سے آیت نمبر ۲۳

تجربہ کار اور اہل لوگ حکمران بن جائیں تو مستحکم حکومت قائم رہتی ہے -

[1] خاندان کے کاروبار

[2] بخاری ج ۱ صفحہ ۱۸۲

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا الآیہ کا ربط اس آیت وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ سے

اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ تمام بیگمات عزیز مصر ناراض ہوجاتیں اور اس کو سمجھاتی ہونگی کہ

تیرے اس فعل سے ہمارا خاندان تباہ و برباد ہوجائیگا۔

جب دیکھتی ہیں کہ وہ اپنے ارادے سے نہیں ہٹتا تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے ھٹانے

مارنے اور قید کرنے کیلئے منصوبے اور خفیہ تدبیر اور مکر شروع کر دیتی ہیں۔

اگر کوئی طالب علم اس رائے کو ماننے سے انکار کرے تو انکو ضرور ربط ڈھونڈنے کیلئے سوچ

کرنا چاہیے کہ آیت نمبر ۲۴ کا ربط آیت نمبر ۲۳ سے کیا ہے۔

گویا حضرت یوسف علیہ السلام تین سال کے قریب اس بڑی بیگم کے پاس رہے اور پرورش پاکر جوانی کو پہنچ

چکے ہیں۔ اسوقت حضرت یوسف علیہ السلام پر کیوں دست دراز نہیں کرتی اور جب حضرت یوسف

علیہ السلام وزارت کا عہدہ سنبھالنے لگے تو اس وقت منصوبہ اور مکر کے جال کیوں ڈالنے لگی ہے۔ اگر

بالفرض عشق کی آگ تھی تو پہلے بھڑک اٹھتی اور آیت نمبر ۲۲ کے بعد آیت نمبر ۲۴ ہوتی اور فیصلہ[1]

دیتے وقت بھی عزیز مصر نے ظاہر کر دیا کہ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ[2] ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے مارنے

اور قید کرنے میں تمام بیگمات شریک ہو تھا۔

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ[3] وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ[4]

حضرت یوسف علیہ السلام کو گڑھے میں ڈالنے کا بھائیوں نے جب پختہ عزم کیا تھا۔ اسوقت

الہام ہوا تھا کہ تم کام کے آدمی ہو تم سے بڑا کام لیا جائیگا اور پھر مصر میں پہنچ کر انکو یقین ہوگیا

کہ اللہ تعالی کا ارادہ ہے کہ مصر میں تہذیب و تمدن اور مذھب حنیفی کو سلطنت کے درجہ پر پہنچاؤں

تو منشاء ایزدی کو سمجھ کر اصلاح مصر کی تدابیر میں اسقدر منہمک ہوگئے کہ انسے اپنے عزیز و اقارب بھی بھول گئے

ا۔ جج منٹ (Judgment)

۲۸:۱۲ ۔۲
۳۷:۱۲ ۔۳
۵۔ نیز دیکھیے ۷۶:۱۲

آپ کو یہ معلوم تھا کہ مصری سلطنت بنی اسرائیل کو حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی جماعت سے
خوف رہتا تھا کہ کہیں یہ جماعت حنفیہ مصر پر حملہ کرکے ہماری تہذیب کو برباد نہ کر دیں۔ اسلئے بھی
حضرت یوسف علیہ السلام نے جو بڑے عقلمند مُدبّر تھے فلسطین سے رہ و رسم پیدا کرنا ترک کر دیا
البتہ وہ جماعت جسکا مذہبی تعلق حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ ان کو اپنے گرد جمع کرنے لگے
مگر وہ بھی اس تدبیر سے کہ ان کو پتہ نہ چلے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام یا ان کے خاندان سے تعلق
رکھتے ہیں۔ سلطنت کے کاموں میں ایسے لوگوں کو جگہ دیتے تھے اور ان کی حتی الوسع عزت افزائی
ان کی تعلیم و تکمیل میں کوشاں رہے۔ اور معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا تابعدار عموماً
غرباء طبقہ ہوتا ہے۔ کیونکہ امراء اور زر پرست طبقہ کی فطرت میں بسبب فسق و فجور اور غرباء
حاجتمندوں کے حالات سے بے اعتنائی اور بے پرواہی کرنے سے فتور آجاتا ہے اور غرباء کی فطرت
سلیمہ رہتی ہے۔ مصر میں غرباء پر بہت ظلم روا رکھا جاتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر میں اصلاحات

سلطنت کے لئے قانون بنانے والے بڑے عقلمند اور مُدبّر لوگ ہوتے ہیں۔ رعایا کی
خیر خواہی، سلطنت کی بہبود اور ترقی پر ان کی نظر ہوتی ہے مگر چلانے والا امراء اور زر پرست
طبقہ ہوتا ہے یا ایسے افسر ہوتے ہیں جن کی تعلیمی حالت دولت مندانہ ہوتی ہے۔ کالجوں اور سکولوں
میں انکی پرورش امیرانہ ہوتی ہے۔ ایسی جماعت کے ہاتھ میں جب قانون آتا ہے تو اسمیں بہت سے
بے اعتدالیاں کرتے ہیں اور خود قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ اگرچہ انکو سکولوں، کالجوں میں قانون کی
پابندی سکھائی جاتی ہے۔ مگر کالجوں اور سکولوں میں انکی پرورش امیرانہ ہوتی ہے۔ اسلئے انمیں اقتدار

قانون کی پابندی کے لئے خدا خوفی اور حب الوطنی لازمی ہیں

پرستی اور زر پرستی مستقر ہو جاتی ہے۔ اسلئے اقتدار ہاتھ آنے کے بعد انمیں قانون کی پابندی کی وقعت
نہیں رہتی۔ قانون کی پابندی کیلئے خداوند تعالیٰ کا خوف ہونا ضروری ہے اور دوسرا حب الوطنی۔

مذہب کے پابند اساتذہ کی تعلیم سے طلبہ کے دلوں میں خوف خدا اور ایثار و قربانی کے جذبہ سے سرشار ارکان دولت کے عمل سے قوم میں جذبۂ حب الوطنی پیدا ہوگا

چونکہ سکولوں کالجوں میں ان امور کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ اسلئے آفیسر ظاہرداری کے طور پر قانون کے پابند نظر آئیں گے مگر اندرونی طور پر انہیں قانون کی پابندی کی وقعت نہیں ہوتی۔ خداوند تعالیٰ کا خوف تب دل میں پیدا ہوجاتا ہے جب پروفیسر استاد مذہب کے پابند ہوں اور حب الوطنی تب پیدا ہوتی ہے جب ارکان دولت میں ایثار و قربانی کا مادہ ہو۔

عقلمند لوگ قانون بناتے ہیں مگر اس پر عمل درآمد کرانے والے عملہ کی غلط کاریوں کیوجہ سے اسکی روح ختم ہوجاتی ہے اور فائدے کی بجائے نقصان کا باعث ہوتا ہے

یعنی رسم و رواج کا قانون بنایا جاتا ہیں

سوسائٹی کا قانون بنانیوالے عقلمند ہوتے ہیں مگر چلانے والا امیر طبقہ ہوتا ہے۔ اسلئے اسمیں بہت غلطیاں پیدا ہوتی ہیں اور بہت سی غلط شرحیں اسمیں داخل ہوجاتی ہیں۔ مثلاً سوسائٹی میں قانون بنایا گیا کہ مصیبت زدہ کی امداد کیلئے برادری پر واجب ہے کہ جمع ہو کر اس کی مدد کریں۔ اب کسی آدمی کا عزیز فوت ہوگیا ہے۔ برادری جمع ہو کر اس کو امداد نہیں دیتی بلکہ اُلٹا اسکا گھر تباہ ہوجاتا ہے۔ اسیطرح نکاح شادی وغیرہ میں ہوتا ہے۔

مُصلحین و مصلحین کے دو طبقے

اس حالت کو دیکھکر مصلحین پیدا ہوتے ہیں اور اصلاح کرنیوالے دو قسم کے ہوتے ہیں۔

پہلا طبقہ اصلاح کرنیوالا ایسا ہوتا ہے کہ سلطنت کے اندر گھُس کر اس کی اصلاح کرتا ہے اور قانون کو درست نمونے پر چلاتا ہے یا قوانین میں جو کچھ غلطیاں داخل ہوچکی ہیں ان کو دور کرتے ہیں اور خود بھی رائج الوقت قانون کے پابند ہوتے ہیں۔ ایسے مصلحین تشدد سے کام نہیں لیتے خود اتنا ہی کام کرسکتے ہیں جتنا ان کو قانون نے اختیار دیا ہے یا جتنا انکی عملی حد میں ہو۔ مگر ایسے صالح آدمیوں کی مخالفت اُمراء اور ظالم طبقہ نت نئے طریقوں سے کرتا رہتا ہے۔ یا تو اس کے ہاتھ میں ایسے کام دئیے جاتے ہیں جہاں کہ وہ عملی اصلاح نہ کرسکے یا انکو ایسا علاقہ دیا جاتا ہے جہاں کی فضا ان کے خیالات کے مطابق اور سازگار نہ ہو۔ اگر ایسے مصلح لوگوں میں سے کسی کو اچھا عہدہ مل گیا جیسے وزیر اعظم بن گیا تو اُمراء اور ظالم طبقہ اُسے بدنام کرنے کیلئے بڑے بڑے منصوبے تیار کرتے ہیں۔ اور تھوڑی سی فروگزاشت کو بڑھا چڑھا کر اس کو بدنام کرتے ہیں۔ اسکی عزت و وقار ختم کردیتے ہیں یا اُسے

یا انہیں جھوٹا مقدمہ چلا کر قید کر دیتے ہیں یا جان سے مار ڈالتے ہیں تاہم ایسے مصلح لوگ کافی اصلاح کر جاتے ہیں جو دوسروں کیلئے لائحہ عمل بن جاتا ہے اور مظلوم رعایا کو بڑی حد تک بیدار کر دیتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مددگار رہتا ہے (اسلئے) آخرکار ایسے مخلص مصلحین کامیاب ہو کر فتحیاب ہوتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام اور مومن آل فرعون اسی قسم کے تھے۔

مصلحین کا دوسرا طبقہ انقلابی ہوتا ہے جو انقلاب کے ذریعہ اپنا پروگرام رائج کرتا ہے۔

دوسرا طبقہ مصلحین انقلابی ہوتا ہے۔ ظالم حکومت میں انقلاب کر کے پھر اصلاح کرتے ہیں ایسے انقلابی مصلحین ایک نیا پروگرام تیار کرتے ہیں اور اس پروگرام کے اصولوں کی عوام اور عقلمندوں میں اشاعت کرتے ہیں۔ اگرچہ اپنا سارا پروگرام نہیں بتاتے مگر اس پروگرام کے ابتدائی اصول لوگوں کے آگے پیش کرتے ہیں۔ جیسے ان کی جماعت اس پر عمل کرتی جاتی ہے ویسا ہی ان کو بڑھاتے جاتے ہیں اور اس کی جماعت میں یقین بڑھتا جاتا ہے کہ ہم آگے بڑھ رہے ہیں اور کامیابی کا انکو یقین ہو جاتا ہے

مصلحین کے خلاف رجعت پسندوں کا رویہ۔

ایسے انقلابی مصلحین کا نصب العین اور آئیڈیل عالمگیر اصلاحی پروگرام ہوتا ہے۔ اسلئے حکومتیں ان کے مخالف ہو جاتی ہیں۔ اور رجعت پسند (ری ایکشنری) لوگوں کو بھڑکا کر ان کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں اور سخت مخالفت کرتے ہیں۔ ایسے انقلابی مصلح سامی قوموں میں پہلے پہلے حضرت موسیٰؑ نظر آتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب عزیز مصر نے اپنے گھر اور ذاتی ملکیت کا مختار بنایا تو بیگمات غلاموں اور لونڈیوں میں ایسا عمدہ نظام پیدا کیا جس سے گھر عمدہ طریقہ اور سلیقہ سے چلنے لگے۔ عزیز مصر کا سارا خاندان خوش ہو گیا۔ اسیطرح کھیتوں میں کام کرنیوالے غلاموں کیطرح مظلوم تھے اور ہر وقت بیگار میں حیوانوں کی طرح پھنسے رہتے تھے۔ انکو مناسب کاموں پر لگایا اور آمدنی سے مناسب حصہ دینا شروع کیا تو وہ خوشی سے کام کرنے لگے۔ کاشتکاروں کے آرام و سکون کیلئے مکانات بنوائے۔ اس وجہ سے کاشتکار خوش ہو کر زیادہ کام کرنے لگے تاکہ زیادہ پیداوار سے ان کو زیادہ حصہ ملے اور خوش ہو گئے

حضرت یوسف علیہ السلام جب تین سال بعد وزارت کے عہدے پر فائز ہوئے تو آہستہ آہستہ مصر سے بد رسمیں اور ظلم کو نکالنا شروع کیا۔ پہلے پہلے آزادیٔ نسواں جو حد سے گزر کر بے حیائی تک پہنچ گئی تھی اس پر بندشیں ڈالنا شروع کیں۔ پہلے عزیز مصر کے خاندان کی بیگمات پر اور پھر عام اُمراء کی بیگمات پر۔ جس سے عورتیں ناراض ہونے لگیں اصلاح کاشتکار اور مزدور طبقہ جن پر امراء اور حکام زیادتیاں کرتے تھے۔ ان زیادتیوں کو دور کرنے کیلئے قوانین بنانا شروع کیے۔ جس سے غرباء طبقہ بیدار ہو کر اپنی خودداری محسوس کرنے لگا۔ اور غلامی کی زنجیروں سے انکو رہائی ہوئی۔ بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی زمینوں میں کاشتکاروں کے حقوق کیلئے قوانین بنانے شروع کیے۔ بیرونی تاجروں کیلئے تجارت کے راستے کھول دیئے۔ عام لوگوں کو تجارت اور دکانداری کی اجازت دیدی۔ پہلے تجارت سرمایہ داروں کے ہاتھ میں تھی حتیٰ کہ چھوٹی دکانداری بھی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اس سے صنعت وحرفت اور تجارت بڑھنے لگی اور مصر کے باشندے خوشحال ہونے لگے۔ عزیز مصر اور بادشاہ مصر اس انتظام سے راضی اور خوش ہو گئے اور امراء اور سرمایہ دار طبقہ ناراض ہونے لگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا دلی ارادہ اور مقصد یہ تھا کہ زمینداری۔ جاگیرداری اور سرمایہ پرستی کی بیخ بنیاد سے اکھاڑ ڈالنے۔ سرمایہ شکن پروگرام بنانا چاہتے تھے جیسا کہ انہوں نے قحط سالی کے ایام میں سب زمین۔ مکانات اور سرمایہ داروں کے تمام اسباب وآلات حرفت خرید لیئے تھے اور قحط کے رفع ہو جانے کے بعد کاشتکاروں پر زمینوں کو تقسیم کر دیا تھا اور رہائشی مکانات بھی غرباء پر تقسیم کر دیئے تھے انہوں کو اپنی زمین دیں جتنی وہ خود کاشت کریں اور تجارت۔ صنعت وحرفت جو سرمایہ داروں یا سود خور طبقہ کے ہاتھ میں آگئی تھی ان کے قبضہ سے نکالکر قومی بنا دی تھی۔ مگر امراء۔ سرمایہ دار اور سود خور طبقہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ارادوں سے غافل نہ تھا اور سمجھ لیا تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ وہ سب اس کے دشمن ہونے لگے۔ یہی اسباب تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مخالفت کا ذریعہ ڈھونڈنے لگے اور اس کو وزارت سے ہٹانے کے منصوبے تیار کرنے لگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا پروگرام سرمایہ شکن تھا۔ رعایا میں عدالت و مساوات کرنا چاہتے تھے۔ اونچ نیچ کی بنیاد پر قائم طبقات ختم کرنا چاہتے تھے۔ اُمراء طبقہ کے مردوں اور عورتوں کو انسانیت کے درجہ پر لانا چاہتے تھے۔ فاحشات و منکرات کا سدباب اُن کے پیش نظر تھا۔ آپ نے اس کام کی ابتداء اپنی وزارت کے زمانہ میں شروع کی مگر انکی وزارت عارضی تھی۔ اسلئے مصری امراء انکے دشمن بن گئے اور انکو جیل میں بند کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے سب کام تدبیر الٰہی کے ماتحت ہو رہے تھے اور تدبیر الٰہی اسکی ممد و معاون تھی جیل سے نکالکر بادشاہ مصر بنایا گیا اور مصر کو قحط سالی نے گھیر لیا۔ اسیطرح آسانی سے اپنا پروگرام عمل میں لانے کا موقع مل گیا۔

تورات پیدائش باب ۴۷ ورس نمبر ۱۳ کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے: اور اس سارے ملک میں کھانے کو کچھ نہ رہا۔ کیونکہ کال ایسا سخت تھا کہ ملک مصر اور کنعان دونوں کال کے سبب سے تباہ ہو گئے تھے جتنا روپیہ ملک مصر اور ملک کنعان میں تھا وہ سب حضرت یوسفؑ نے جمع کر لیا۔ اس کے بدلے لوگ غلہ خریدتے تھے اور سب روپیہ اس نے فرعون کے محل میں پہنچا دیا۔ جب سارا روپیہ ختم ہو گیا تو مصری آکر یوسف علیہ السلام سے کہنے لگے ہمکو اناج دو کیونکہ روپیہ تو ہمارے پاس نہیں رہا۔ ہم تیرے ہوتے ہوئے کیوں مریں۔ یوسفؑ نے کہا اگر روپیہ نہیں ہے تو اپنا چوپایہ مال دو اور میں تمہارے چوپایوں کے بدلے تمکو اناج دونگا۔ سو وہ اپنے چوپائے یوسفؑ کے پاس لانے لگے اور یوسف (---) چوپایوں کے بدلے انکو اناج دینے لگا۔ اور پورے سال بھر اُن کو اُن کے چوپایوں کے بدلے اناج دیتے رہا جب یہ سارا سال گزر گیا تو وہ دوسرے سال اُس کے پاس آکر کہنے لگے کہ ہم اپنے خداوند سے کچھ نہیں چھپاتے کہ ہمارا سارا روپیہ خرچ ہو چکا ہے اور ہمارے چوپایوں کے گلوں کا مالک بھی ہمارا خداوند ہو گیا اور ہمارا خداوند دیکھ چکا ہے کہ ہمارے جسم اور ہماری زمین کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ پس ایسا کیوں ہو کہ تیرے دیکھتے

ہوئے ہم مر جائیں اور ہماری زمین بھی اور ہمکو بیج دے تاکہ ہم ہلاک نہ ہوں بلکہ زندہ رہیں اور ملک بھی ویران نہ ہو۔ یوسف نے ساری زمین فرعون کے نام خرید لی کیونکہ کال سے تنگ آکر مصریوں میں سے ہر شخص نے اپنا کھیت بیچ ڈالا سو ساری زمین فرعون کی ہو گئی اور مصر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جو لوگ رہتے تھے انکو اُسنے شہروں میں لبسایا۔ ۲۱ ورس تک

جب قحط سالی کے سات سال گزر گئے اس کے بعد خوشحالی کا سال شروع ہوا تو سب مصریوں کو بلا کر حضرت یوسف علیہ السلام حکم دیتے ہیں۔ پیدائش باب ۴۷ ورس ۲۳۔

غلے کے عوض مصریوں نے تمام مال اور زمین بیچ دیں۔ پھر حضرت یوسف نے کھیتی کیلئے کاشتکاروں کو زمین دیں۔

تب یوسف نے وہاں کے لوگوں سے کہا دیکھو میں نے آج کے دن تم کو اور تمہاری زمینوں کو فرعون کے نام پر خرید لیا ہے۔ سو تم اپنے لئے یہاں سے بیج لو اور کھیت بو ڈالو اور فصل پر پانچواں حصہ فرعون کو دینا اور باقی چار تمہارے رہے تاکہ کھیتی کیلئے بیج کے بھی کام آئیں اور تمہارے گھر کے آدمیوں اور بال بچوں کے کھانے کو بھی ہوں۔ انہوں نے (مصریوں نے) کہا کہ تو نے ہماری جان بچائی ہے ہم پر ہمارے خداوند کے کرم کی نظر رہے۔ ہم فرعون کے غلام رہیں گے۔ ورس ۲۵ تک

جب حضرت یوسف علیہ السلام قید سے نکلے تو مصر کے مختار الکل بنے اور بادشاہ نے ساری بادشاہی حضرت یوسف[۱۴] کے سپرد کر دی تھی۔ بادشاہ فقط روٹی کھانے کے سوا ملک میں کوئی دخل نہ دیتا تھا۔

خوشحالی کے وقت اناج کو ذخیرہ کر دیا تاکہ بوقت ضرورت کام آ سکے۔

خوشحالی کے پہلے سال میں نے انہوں نے آبادی کا یہ بندوبست کیا تھا جو کہ تورات کتاب پیدائش باب ۴۱ ورس نمبر ۴۶ اُسنے (یوسف علیہ السلام) فرعون کے پاس سے رخصت ہو کر سارے ملک کا دورہ کیا اور ارزانی کے سات برسوں میں افراط سے فصل ہوئی اور وہ لگاتار ساتوں برس ہر قسم کی خورش جو ملک مصر میں پیدا ہوتی تھی جمع کر کے شہروں میں اس کا ذخیرہ کرتا گیا۔ ہر شہر کے چاروں طرف کی خورش وہ اُسی شہر میں رکھتا گیا اور یوسف نے غلہ (غذا) سمندر کی ریت کی مانند نہایت کثرت سے ذخیرہ کیا۔ یہاں تک کہ حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا کیونکہ وہ بے حساب تھا
ورس نمبر ۴۹ تک

حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی سپرد شدہ وزارت کیوقت اپنے نمونہ کی جماعت تیار کرنے میں بھی تساہل سے کام نہیں لیتے ہونگے جیسے کہ ہر انقلابی مصلح اپنے پروگرام کو چلانے کیلئے اپنی ہم خیال جماعت تیار کرتا رہتا ہے۔ اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو یقیناً معلوم تھا کہ بغیر جماعت کے اتنا بڑا انقلاب پیدا نہیں ہو سکتا۔

فطرت سلیم موجود ہو تو تھوڑی سی کوشش سے جماعت تیار ہو جاتی ہے جو کہ اصلاحی پروگرام کو نافذ کرے

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام کی تبلیغ سے غرباء طبقہ مانوس تھا (معرمیں) اور اب حضرت یوسف علیہ السلام کو اس ملت اور تہذیب میں دیکھکر وہ ان کے اردگرد جمع ہونے لگے اور جماعت میں بھی پروپیگنڈہ کرنے لگے۔ غرباء جماعت انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کو زیادہ قبول کرتی ہے کیونکہ ان کی فطرت سلیم ہوتی ہے۔ خصوصاً اب قلمدان وزارت انکے ہاتھ میں تھا۔ اسلئے مظلوم کاشتکار اور مزدور طبقہ سے اپنے لئے جماعت منتخب کرنے لگا۔ اس لئے اُمراء طبقہ میں گھبراہٹ پیدا ہونا فطری امر تھا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غرباء طبقہ کا اجتماع دیکھکر قریش کے سرداروں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی تھی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جماعت کے ذریعہ اپنا پروگرام چلانا چاہتے تھے ویسے ہی حضرت یوسف علیہ السلام اپنی جماعت کے ذریعہ اصلاحات نافذ کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ۱۳ سال کے عرصہ میں مکی اور مدنی جماعت تیار کرلی وہی مرکزی جماعت تھی جیسے قرآن حکیم میں ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت کے فضائل۔

والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان[1] اور انکے حق میں ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اس جماعت نے چار دانگ عالم میں اسلام کو تمام ادیان اور حکومتوں پر غالب کیا۔

میری ناقص رائے میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام وزارت کے عہدے پر تیرہ سال سے زیادہ عرصہ تک رہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ادھر عزیز مصر نے انکو وزارت سنبھالنے کو دی ہو اور ادھر عورتیں اور اُمراء

[1] توبہ ۹: ۱۰۰

طبقہ بھڑک اُٹھے۔ عقل مند انقلابی مصلح آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہیں۔ جیسے شکاری اپنے شکار کو غفلت میں دیکھ کر آگے بڑھتا ہے یا شکار کے آگے گھاس دانہ ڈالتا ہے تاکہ شکار محسوس کرے کہ اس کو ہمارے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا پروگرام وہی تھا جسکو انہوں نے بادشاہ فرعون مصر کا مختار الکل ہونے کے ایام میں چلایا تا مدت الحیاۃ اُسے چلاتے رہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس برس کی عمر پائی تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے قید سے رہائی پا کر زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ اپنی جماعت جو وزارت کے وقت بنائی پھر قید خانہ میں بھی اپنے لئے قیدیوں سے بھی جماعت تیار کی۔ اسی جماعت کے ذریعہ سے مصر میں اصلاحات شروع کر دیں۔ کام کرنے والی اُنکی جماعت جن کے دل میں خوف خدا تھا بڑی ایمانداری سے سپرد شدہ کام کرنے لگی۔

قحط سالی کے پہلے سال تمام امراء۔ دولتمندوں اور اہل کاروں کو حکم دیا تھا کہ ہر ایک آدمی جا کر کھیتوں میں کام کرے شہروں سے سب کو نکال کر آبادی کے کام میں لگا دیا۔ جب پیداوار ہوئی اس کو خوشوں سمیت ذخیرہ کرتے گئے اور لوگوں کا راشن مقرر کر دیا تھا۔ خوشوں میں سے اتنا اناج نکالا جاتا تھا جس قدر راشن کے کام آئے اب عقلمند خدا ترس جماعت جو حضرت یوسف علیہ السلام نے تیار کی تھی نہ ہوتی تو یہ عظیم الشان کام حسن انتظام سے سات سال خوشحالی اور سات سال قحط سالی کے کیسے چل سکتا تھا۔ چور بازاری اور اقربا پرستی کی گرم بازاری رہتی۔ ملک مصر وسیع آبادی رکھتا تھا۔ اس میں بہت سے بڑے بڑے شہر آباد تھے اور بے شمار گاؤں و بستیاں تھیں۔ سب میں راشن کا کام حسن انتظام سے چلانا کہ کسی قسم کی خیانت نہ ہو خدا ترس جماعت کے بغیر کبھی نہ چل سکتا۔ ایسی جماعت انبیاء علیہم السلام تیار کرتے ہیں۔ وہ جو کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی کیلئے کرتے ہیں۔ اگر ہمارے زمانہ جیسے پروفیسر یا آفیسر ہوتے جو اجرت پر کام کرتے ہیں۔ فی الجملہ قانون کے پابند ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کا نصب العین زر پرستی ہوتی ہے اور خوف خدا۔ حب الوطنی اعد

ایثار و قربانی سے اُنکا قلب خالی ہوتا ہے ۔ اسلئے رعایت کی ہمدردی انکی دل میں خس برابر نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ ۔ اگر کوئی خدا سے ڈرنے والا ۔ تقویٰ ۔ عدالت و مساوات کا دلدادہ ہوتا ہے تو اُس کو کوئی اچھا کام سپرد بھی نہیں ہوتا اور اس کو بدنام کرنے کے منصوبے تیار کئے جاتے ہیں

الحاصل ۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیل جانے سے پہلے اور جیل میں اپنی جماعت تیار کرتے رہے ۔ جب کام کرنے کا موقع ملا تو ان کو ہی کام میں لگا دیا ۔۔۔

امراء طبقہ کے مرد اور عورتیں کھیتی باڑی کے کام پر لگا دیئے گئے تو ناز نخرے ۔ دعوتیں ۔ جلسے اور پارکوں وغیرہ میں جلوہ نمائی کا وقت بھی ہاتھ سے چلا گیا اور اُمراء بھی کاشتکاروں کی مانند کام کرنے لگے تو وہ بھی ظلم اور دست درازی کا موقعہ کھو بیٹھے

بغیر اجرت کے کام کرنے والے افسر اور حکام مخلص ۔ محب وطن اور خدا ترس ہوں تو بدعنوانی اور برائی کوسوں دور بھاگ جاتی ہے

امیر خدا ترس اور بغیر کسی اُجرت کے کام کرنے والے تھے تو فرشتے ۔ رعایت اور اقرباء پروری کوسوں دور چلی گئی حضرت یوسف علیہ السلام کی جماعت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت پر قیاس کرو للہ فی اللہ کام کرتے ہیں اگر اُجرت ملتی ہے تو ناراض ہو جاتے ہیں ۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر حکومت چلاتے ہیں ہمارے زمانہ کے حکومت چلانے والے پیٹ میں مہنا چربی ڈال کر کام کرتے ہیں ۔ حضرت

معیشت میں تنگی کے ایام میں معاشی منصوبہ بندی یوں کی گئی کہ سب املاک قومی قرار دے دیئے گئے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام ہر ہر شہر اور بستی کے قریب اناج ذخیرہ کرتے گئے اور جب قحط سالی کے ایام شروع ہوئے تو غریبوں کو مفت اور امیروں کو قیمت پر اناج دینا شروع کیا ۔ امیروں کی زمینیں اور جو پایہ مال سب کے سب بیت المال کے سپرد ہو گئے اور سب املاک ۔ جائیدادیں اور مکانات قومی ہو گئے ۔

معیشت میں فراخی کے ایام میں بقدر ما یحتاج ملکیت واپس دی گئی

آخر کار اُمراء و غرباء مرد عورتیں بیت المال یعنی قومی ملکیت میں آ گئے ۔# پھر جب قحط سالی رفع ہوتی ہے تو امیروں کو غریبوں کے طبقہ میں لا کر ہر ایک کو مکان اتنا دیا گیا جس میں وہ رہ سکے اور اسلئے غریبوں اور کاشتکاروں پر مکانات تقسیم کئے گئے یعنی مکانات ۔ زمینیں اور جائیدادیں سب وقف ہو گئیں ہر ایک کو بقدر ما یحتاج دیا گیا ۔

یعنی نیا پیرا گراف بنا کر شروع ہونا رہا ۔

جب عزیز مصر نے عہدہ وزارت حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کیا تھا تو اُسے اُمراء (مردوں کا خواہ عورتوں کی) بے اعتدالیوں کا علم تھا۔ کاشتکاروں۔ مزدوروں اور غرباء پر مظالم دیکھ چکا تھا۔ اُس نے عزم بالجزم کر لیا کہ بیماری کو بیخ بنیاد سے اُکھاڑ دیا جائے۔ جتنے سال عہدہ وزارت پر رہے آہستہ آہستہ اس مرض کا علاج کرتا رہا اور غرباء طبقہ کو بیدار کر دیا اور غرباء نے محسوس کیا کہ طاقت کے خزانے ہمارے ہی اندر ہیں۔ اُمراء طبقہ محسوس کرنے لگا اقتدار ہمارے ہاتھوں سے چھینا جا رہا ہے۔ عورتیں جو بڑی حساس ہوتی ہیں۔ انہیں احساس ہونے لگا کہ اگر اقتدار حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں رہا تو جس راہ پر اس کا انتظام چل رہا ہے اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمیں گھر کی چار دیواری میں بند کر دیا جائیگا۔ امراء طبقہ کے مرد عورتیں سوچنے لگے اور آپس میں خفیہ تدبیریں سوچنے لگے کہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو وزارت عظمیٰ کے عہدے سے ہٹایا جائے۔

جب کوئی مصلح اصلاح احوال کی کوشش کرتا ہے تو بدعنوان عناصر اُسے بدنام کرنے۔ برطرف کرنے اور قتل کرنے کے منصوبے بنانا شروع کر دیتے ہیں۔

انہیں معلوم تھا کہ عزیز مصر اور بادشاہ (فرعون) مصر دونوں نیک دل اور رعیت کے خیر خواہ ہیں پھر مذہبی آدمی ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام سے مصر روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی مذہبی۔ متقی اور خُدا ترس آدمی ہیں۔ اسلئے عزیز مصر اور بادشاہ مصر فرعون دونوں حضرت یوسف علیہ السلام میں حسن اعتقاد رکھتے ہیں۔ اُسے کبھی وزارت سے نہیں ہٹائیں گے اسلئے کوئی ایسی تدبیر سوچنی چاہیے جس سے حضرت یوسف علیہ السلام بدنام ہو جائے اور اس کا مذہبی پول کھل جائے اور غرباء بھی اس سے بدظن ہو جائیں۔ محفلوں میں اور سر بازار اُس کی بدنامی کا تذکرہ ہوگا جس سے عزیز مصر اور فرعون مصر کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں گے کہ

ع زبانِ خلق نقارہ خدا است - پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا ہٹانا آسان ہو جائیگا۔ پھر دوسری خفیہ تدبیر ایسی کر دی جائے کی جس سے اسکو قتل کر دیا جائیگا یا بیکار بنا دیا جائیگا یا کم از کم اُسے تمام عمر زندان میں ہمیشہ کیلئے قید کر دیا جائیگا۔

اصلاحی پروگرام سے روکنے کیلئے ترغیب و ترہیب کا حربہ ۔۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصلاحی پروگرام سے ہٹانے کیلئے سردارانِ قریش نے یہ تدبیر سوچی تھی کہ سب مل کر ابوطالب کی مجلس میں بلا کر یہ پیشکش کرتے ہیں کہ ہم آپؐ کو اپنی خوبصورت لڑکیاں پیش کرتے ہیں کہ اُن سے شادی کر لیں اور اپنا پروگرام چھوڑ دیں ۔ اگر آپؐ کو سارے عرب کی سرداری کی خواہش ہے تو ہم آپؐ کو اپنا بادشاہ مقرر کرتے ہیں مگر اپنا یہ پروگرام جو انٹرنیشنل بین الاقوامی ہے ۔ ایک تو اسی کو ترک کر دو دوسرا ہمارے مذہبی رسم و رواج پر طعن و تشنیع نہ کرو ۔ ہماری طرح بت پرستی کرتے رہو ۔ اگر آپؐ کی بت پرستی سے طبعاً نفرت ہے تو جیسے زید بن نفیل یا اُمیہ بن صلت یا ورقہ بن نوفل خاموش رہتے ہیں ۔ اس طرح تم بھی خاموش رہو ۔ یا عبدالمطلب کی طرح رہو وہ بھی لات و عزیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے مگر لات و عزیٰ کی عبادت سے لوگوں کو منع بھی نہ کرتے تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنکی یہ بات سن کر اُنکی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ پھر قریش کے سرداروں نے ابوطالب پر زور ڈالا کہ اُسکو ہمارے ہاتھ میں دیدو تاکہ اسکو قتل کریں ۔

جب ابوطالب نے اُنکی درخواست رد کر دی تب سرداروں نے ابوطالب کو حکم دیا کہ ہمارے شہر مکہ سے نکل جاؤ ۔ ابوطالب تمام بنو ھاشم کو ساتھ لیکر مکہ مکرمہ کے قریب جسے آجکل شعب ابی طالب کہا جاتا ہے ۔ اسمیں چلے گئے اور قریش نے کھانا پینا ، نکاح شادی اور تمام تعلق سے لوگوں کو منع کر دیا تھا تاکہ بنی ھاشم تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے سپرد کر دینگے

(حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایک)

اس شعب میں ابوطالب نے قصیدہ بنایا جسکا ایک شعر یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں ۔

؎ وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل بخاری شریف ۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نورانی چہرہ والے ہیں جن کے رُخ مبارک کی برکت سے برسات طلب کی جاتی ہے ۔ یتیموں کی پرورش کرنے والا اور بیوہ عورتوں کو سنبھالنے والا ہے ۔ [1]

[1] پورے قصیدے کیلئے دیکھئے ....

حضرت یوسف علیہ السلام کو راستہ چلنے (قافلہ) والوں نے گڑھے سے نکالا - انہوں نے عزیز مصر کے ہاتھ بیچ دیا - یہ مرد خدا ترس تھا - حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکر اپنی ملکہ یعنی بڑی رانی کو تاکید کرتا ہے کہ اس کی پرورش شہزادوں کی طرح کرو - یہ ہمیں امور سلطنت میں فائدہ دیگا - یہ اسلئے کہا کہ بادشاہوں اور وزیروں کے ہاں سونے چاندی کی قدر نہیں ہوتی - ان کے ہاں کارآمد انسانوں کی قدر و منزلت ہوتی ہے -

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام میں رشد - بزرگی اور عقلمندی کے آثار معلوم کئے - اسلئے کہا ہے کہ ہمیں امور سلطنت میں نفع دیگا اور شاید میں اسے بیٹا بنا لوں اور وزارت کا کام اس کے سپرد کردوں - جب حضرت یوسف علیہ السلام میں اعلیٰ عقل اور دانشمندی دیکھی تو وزارت اس کے سپرد کردی اسلئے قرآن حکیم فرماتا ہے

دریائے نیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکالا جانا -

فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا

اور تورات میں بھی اس کی تصریح موجود ہے

اسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی دریائے نیل سے آل فرعون نے نکالا اور اپنے ہاں پرورش کرنے لگے اس باب میں کہ دریائے نیل سے پہلے کس نے نکالا تھا - تورات باب خروج میں ہے کہ فرعون کی لڑکی اپنی سہیلیوں کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہی تھی اس نے ٹوکرا دیکھا اور سہیلیوں سے کہا اس کو ہمارے پاس لاؤ اور قرآن حکیم یوں فرماتا ہے

قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا الآیہ [1]

یعنی فرعون کی عورت یہ کہتی ہے کہ یہ لڑکا میرے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا - اس کو قتل مت کرو امید ہے کہ یہ لڑکا ہمیں سلطنت کے کاموں میں نفع دیگا - پھر ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں گے یعنی سلطنت کا وارث ہوگا -

۱ - ہمکو

[1] القرآن المجید - 28 : 9

عام مفسرین کی تقریر یہ ہے کہ دریائے نیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی عورت (ملکہ) نے نکالکر اپنا بیٹا بنایا۔ یہی عورت اُسی فرعون کی ملکہ اور منکوحہ ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مقابلہ کرتے ہیں حتیٰ کہ فرعون غرق ہوگیا۔ اور قرآن حکیم کے سیاق و سباق سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

بعض مفسرین محققین کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس عورت نے نکالا تھا وہ فرعون کی بیٹی تھی۔ وہ مفسرین فرماتے ہیں کہ فرعون دو ہیں ایک وہ فرعون جس کی یہ عورت لڑکی تھی دوسرا فرعون وہ جسکے ساتھ آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام مقابلہ کرتے ہیں۔ اس لڑکی کے باپ پہلے فرعون کی اولاد ذکور اس لڑکی کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اسلئے باپ سے کہہ رہی ہے کہ اس کو ہم متبنیٰ (بیٹا) بنالیں گے۔ اسوقت اس لڑکی کا نکاح نہ ہوا تھا کیونکہ برص کی بیماری میں مبتلا تھی۔ یہ لڑکی ہر وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی گود میں لئے پھرتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے شفایاب ہوگئی پھر شفایاب ہونے کے بعد اس کا نکاح چچازاد لڑکے سے اس کے باپ (فرعون) نے کر دیا۔ وہ لڑکا اسی فرعون کے بھائی کا بیٹا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام لڑکی کے باپ کے متبنیٰ تھے۔ سلطنت کے قانون کے مطابق فرعون کی وفات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی سلطنت کے وارث بنتے۔ اس لڑکی کا شوہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رقیب بن گیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل یا قید کرنے کے حیلے تلاش کر رہا تھا۔ یہ لڑکی اور اس کا والد (فرعون) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے والہانہ محبت وعشق رکھتے تھے۔ اس فرعون نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہوگیا ہے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نائب الملکوت کی حیثیت وسے اختیارات سپرد کر دئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلطنت کی بنیاد عدالت و انصاف و مساوات پر رکھی اور ظالموں کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ راشی افسروں کیطرح سلطنت کے افسران خفیہ خفیہ ظلم کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت بھیس بدل کر تفتیش کرتے۔ ایک بار فرعون کے پرائیویٹ سیکرٹری کو دیکھا کہ ایک مسکین پر ظلم کر رہا ہے

اس کو دھکا دینے کیلئے طمانچہ مارا وہ لاغر آدمی شاید بیمار ہو کر مر گیا - اور یہ راز بھی کھل گیا - اب لڑکی کے شوہر کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رقیب تھا حیلہ ہاتھ آ گیا اور اپنی خاص جماعت وفد (ڈیپوٹیشن) کے طور پر لیکر فرعون کے پاس پہنچا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خون ناحق کے بدلے قصاص لیا جائے - حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خبر سنکر مدین (عرب کے بیابان) کی طرف بھاگ گئے اور وہاں تیبرو (شعیبؑ) کی بیٹی سے نکاح کر کے دس سال وہاں رہے مگر اپنی سوری جماعت سے غافل نہ رہے - جیسے انقلابی مصلح ظالمانہ حکومت کے باہر بیٹھ کر اندورن ملک سازباز[1] کرتے رہتے ہیں -

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ (یہ وہی یثرب ہے جہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے تھے) میں رہکر مکہ مکرمہ میں اپنی جماعت تیار کرتے رہے - حضرت موسیٰ علیہ السلام یثرب میں ہی تھے کہ فرعون مر گیا اس کا وارث اس لڑکی کا شوہر ہوا اور ملک کا بادشاہ بنا - یہ بڑا سرکش ظالم تھا اور لادینی حاکم تھا - اس نے سلطنت کی زمام اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اپنی الوہیت کا دعویٰ کیا اور مندروں سے دیوتاؤں کی مورتوں کو نکالکر اپنی مورت تراش کرا کر رکھدی اور اس کی پرستش کا حکم دیا اور بنی اسرائیل کا سخت دشمن تھا - اس نے اپنی مورت کی پرستش کیلئے جتنا بھی جبر کیا مگر انہوں نے توکل علی اللہ کر کے دین حنیف کو ترک نہ کیا - اسلئے ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں اور انہیں اشٹیس بنانے پر مجبور کر دیا - ملک کے کاشتکاروں پر زیادہ لگان لگا کر ملک کو مفلس بنا دیا - اس سبب سے رعایا قبطی ہوں سبطی (بنی اسرائیل) کو فیصلہ کرنا پڑا کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس بلایا جائے - یہی معنیٰ ہے سلطان مبین کا - اس تقریر سے تورات خروج باب ۲ درس ۱۲ کا بیان تورات خروج باب نمبر ۲ درس ۱۹ کے بیان اور خروج باب ۲ درس ۵-۶-۷ کے بیان کی تاویل ہو جاتی ہے -

یاد رکھنا چاہیے کہ اس لڑکی کا شوہر فرعون بھی لاولد تھا - اس فرعون کے حکم سے مندروں سے دیوتاؤں کی مورتیں نکالنے پر مذہبی جماعت بھی ناراض تھی - شاید گزشتہ فرعون اپنے آپ کو الوہیت کا درجہ نہیں دیتے تھے - اسلئے

[1] - سازشیں -

قرآن حکیم نے اس کی الوصیت کی تردید کی ہے -

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نائب الحکومت کے زمانہ میں اپنی جماعت تیار کرنے لگے - ہر عقلمند جانتا ہے کہ جماعت بنانے میں انہوں نے کوئی فرق نہ رکھا ہوگا - قبطیوں سے ہمدردی رکھی جیسے عقلمند مصلح انقلابی کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور اہل اللہ تو ہزار ہا درجہ بڑھکر انسانیت کے خیرخواہ ہوتے ہیں اور انسانوں کو مساوات کی تعلیم دینے کیلئے آتے ہیں - اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ" ہ - یعنی چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام محسنین جماعت میں سے تھے اسلئے انکو ہم نے حکومت چلانے کیلئے حکمت اور علم دیا تاکہ مخلوق میں احسان کا طریقہ جاری کریں - اور فرعون کے عہد میں ہونے والے ظلم اور تشدد کو دور کریں حضرت موسیٰ علیہ السلام پوری جوانی پر پہنچتا ہے تو کاروبار حکومت اس کے سپرد کرتے ہیں - پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عدالت - مساوات اور احسان سے کاروبار سلطنت چلانا شروع کیا - جس سے دبے ہوئے غرباء طبقے کو بڑی امیدیں ہو گئی تھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام جیسی حکومت کا دور دوبارہ نظر آنے لگا -

بنی اسرائیل کے دبے ہوئے طبقہ کے آہستہ آہستہ بند کھلنے لگے - کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہوتے ہوئے کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکتا تھا - اور ظالموں کے ہاتھ بند ہو چکے تھے - بوڑھا فرعون اچھے اطوار - عدالت و انصاف سے کام کرتا دیکھکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خوش تھا - اس لئے اس نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا اس بوڑھے فرعون کی ایک بیٹی ایک تھی - اس نے اپنا چچا زاد بھائی کے نکاح میں دیدی تھی - وہ اور زر پرست مرد قارون جو اپنے آپ کو اسرائیلی مذہب کا داعی سمجھتا تھا - مگر زر پرست سود خوار تھا ھامان اور باقی افسران حکومت حضرت موسیٰ کی طرز حکومت سے ناراض اور نالاں تھے اور بوڑھے فرعون کا داماد پہلے تو اپنے آپ کو سلطنت کا وارث سمجھتا تھا - اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رقیب اور دشمن ہو گیا - کیونکہ اگر بوڑھا فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں مر جاتا تو لامحالہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی

وارث بنتے۔ اسلئے یہ رقیب اور باقی حاشیہ نشین اور امراء طبقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہٹانے کیلئے خفیہ تدبیریں سوچنے لگے۔ اتفاقاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک بڑا امیر آدمی جو کہ پرائیویٹ سیکرٹری کے عہدے پر تھا قتل ہو گیا۔ وہ ظالم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت (شیعہ) کے آدمیوں پر ظلم کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبع میں کچھ تشدد بھی تھا یا جیسے انقلابی لوگ ظالموں کو ڈرانے کیلئے ایک ظالم کو قتل کر دیتے ہیں تاکہ دوسرے ظلم سے باز آجائیں۔ شاید انہوں نے ایسا ہی کیا ہو مگر قتل کسی اسلحہ سے نہ تھا۔ تھپڑ مارنے سے وہ ظالم مر گیا۔ یہ جرم خفیف تھا کیونکہ عمداً نہ تھا۔ اب فرعون کے داماد اور باقی اُمراء نے اسے بڑھا چڑھا کر عوام کے جذبات کو بھڑکایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بہت پروپیگنڈہ کیا اور بوڑھے فرعون کے دربار میں آکر عرض کیا کہ آپ عوام پر اپنا انصاف اور عدالت ثابت کرنے کیلئے اپنے منتخب بیٹے حبس دوام میں رکھو یا قتل کرو کہ اس نے ایک امیر کو قتل کر دیا ہے اور عوام میں اس کا بڑا اثر پیدا ہوا ہے۔ اس بوڑھے فرعون کو ایسے مشورے دے رہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیرخواہوں میں سے بھی دربار میں کچھ کمی نہ تھی۔ کسی نے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی اور وہ مصر سے نکل کر مدیان (بیابان عرب) میں چلے گئے اور وہاں رہنے لگے۔ انہوں نے یترو جنہیں حضرت شعیب علیہ السلام بھی کہتے ہیں۔ [1] کی لڑکی سے نکاح کیا۔ یثرب انکی آباد شدہ بستی تھی جسے اب مدینہ منورہ کہتے ہیں دس سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پر بکریاں چراتے رہے اور یثرب سے مکہ مکرمہ حج کرنے کیلئے بھی جاتے تھے اور ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے تھے۔

حسن اتفاق دیکھئے حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں رہکر اسلام کو چار چاند لگائے اور ایسی مرحومہ و معصومہ جماعت تیار کی جس کی مثال گزشتہ و موجودہ تاریخ پیش نہیں کر سکتی وامت مرحومہ و معصوم آجتک اسلام کو ترقی دے رہی ہے اور دیتی رہیگی

[1] اقبال مرحوم کا ایک شعر ہے:۔
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

امت کے حق میں ہے فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۔ التین ۹۵: ۶

اس کے بعد آپؐ عالم بالا ۔ ملاء اعلیٰ کی طرف چلے گئے ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم علیہم

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکاشفہ میں دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ سے احرام باندھ رہے ہیں - عالم مثال جو سینما الہی ہے - اسمیں حال ماضی و مستقبل ایک درجہ پر دکھائی دیتے ہیں وہاں نہ ماضی ہے نہ حال نہ مستقبل -

عالم مثال میں واقعات بلا تخصیص زمان ایک ہی درجہ پر دکھائے جاتے ہیں اینی ماضی حال اور استقبال نہیں ہوتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بیابان میں رہتے ہوئے اپنی جماعت اور مصری رعایا سے غافل نہ تھے بلکہ بیرون ملک بیٹھ کر اپنی جماعت میں انقلابی اصلاحی نظریئے کا پروپیگنڈہ کراتے رہے.

انقلابی مصلح بیرون ملک بیٹھ کر اپنی جماعت کے ذریعے اپنے پروگرام کی تشہیر کراتا رہتا ہے

تورات خروج باب نمبر ۲ ورس نمبر ۲۳ میں ہے کہ ایک مدت کے بعد یوں ہوا کہ مصر کا بادشاہ مر گیا اور بنی اسرائیل اپنی غلامی کے سبب سے آہیں بھرنے لگے اور روئے - اُن کا رونا جو انکی غلامی کے باعث تھا خدا تک پہنچا

اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنایا تھا وہ مر گیا اور اس کا داماد جو سخت ظالم تھا سلطنت کا وارث بنکر فرعون مصر ہوا اور بنی اسرائیل پر سخت ظلم کرنے لگا - اسطرح کاشتکاروں اور غرباء پر بھی ظلم کا دروازہ کھول دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت مدیان (یثرب) میں اپنے خُسر یترو کی بکریاں چرا رہے تھے مگر مصری رعایا کی اصلاح سے غافل نہ تھے تورات خروج باب نمبر ۴ ورس نمبر ۱۹ "اور خداوند نے مدیان میں موسیٰ سے کہا کہ مصر کو لوٹ جا کیونکہ وہ سب جو تیری جان کے خواہاں تھے مر گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یثرب میں بکریاں چراتے تھے

ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ تیرے دشمن اب مغلوب ہو گئے ہیں یعنی دوسرے فرعون کے ظلم سے قبطی و سبطی غرباء تنگ آ گئے تھے ۔ بوڑھا فرعون قدرے نرم دل تھا - اس کا داماد بڑا ظالم بے انصاف اور فضول خرچ[1] تھا اور رعایا کو بہت ذلیل کرتا تھا - ان سے انٹیں بنوا کر اپنے اور اُمراء کے محلات تیار کرواتا تھا

ملکی حالات سازگار ہونے پر انقلابی ملک واپس آ کر اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔

۱ - مبذر

ظلم وستم اور ناانصافی حد سے بڑھ جائے تو عوام انقلاب پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

اُن کے ظلم وستم سے سبطی بچ سکتے تھے نہ قبطی۔ اسلئے غرباء طبقہ میں آہستہ آہستہ حضرت موسٰی علیہ السلام کا چرچا ہونے لگا اور یہ خواہش دن بدن بڑھنے لگی کہ حضرت موسٰی علیہ السلام ضرور واپس آجائیں۔ انہیں خفیہ پیغامات روانہ کرنے لگے۔ غرباء طبقہ نے حضرت موسٰی علیہ السلام کی امداد کرنیکا عزم صمیم کر لیا تمام مظلوم رعایا حضرت موسٰی علیہ السلام کا انتظار کرتی تھی۔ رعایا کا دلی ارادہ تھا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے آنے پر سلطنت میں انقلاب کر کے حضرت موسٰی علیہ السلام کو تخت کا وارث بنایا جائے اور عقل مند مصلحین کا طبقہ جو مصر میں تھا۔ انکی تمنا بھی یہی تھی کہ حضرت موسٰی علیہ السلام واپس آجائیں تو کچھ نہ کچھ اصلاح ہو جائیگی۔

حضرت موسٰی علیہ السلام بیابان میں رہکر اپنا اصلاحی پروگرام تیار کر کے واپس مصر آتے ہیں۔ عقلمند مصلحین اور ساری رعایا حضرت موسٰی علیہ السلام سے ملکر فرعون کے دربار میں گھس آتے ہیں سورہ حٰم المومن (سورہ غافر) پڑھو اور اسمیں غور اور تدبر کرنا چاہیے کہ اسمیں ہے۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ○[1] نعبہ ظاہر یہ ہے کہ تمام مصری رعایا اس کے ساتھ ہے اور دربار میں اسکے خیرخواہ موجود ہیں اور دربار میں بھی حضرت موسٰی علیہ السلام درباریوں سے خطاب کرتے ہیں اور فرعون کو بے عقل ٹھہراتے ہیں کہ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ○[2] کہ اے درباریو خدا سے ڈرو اور فرعون نالائق کو چھوڑ دو کہ وہ خطاب کے سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں رکھتا۔

حضرت موسٰی علیہ السلام حضرت یوسف کے طریقہ کے مجدد ہیں۔

مطلب یہ ہے حضرت موسٰی علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے طریقہ کے مجدد ہیں مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لکھا ہوا پروگرام نہ تھا۔ اسلئے ان کے مرنے کے بعد سلطنت تھوڑے عرصہ میں تباہ ہوگئی اور حضرت موسٰی علیہ السلام کے پاس لکھا ہوا پروگرام تھا جو آئیندہ نسلوں کیلئے طریقہ عمل ہو سکتا تھا۔

اب درباریوں اور فرعون کے قبیلہ میں سے ایک وزیر اٹھ کر حضرت موسٰی علیہ السلام کی مدد کرتا ہے اور

[1] القرآن الحکیم 40: 23
[2] " 40: 27

وہ مومن فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ [1]

ترجمہ - اے درباریو - اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس کھلی باتیں (ظاہر احکام) لیکر آیا مگر تم ان چیزوں سے جو وہ تمہارے پاس لیکر آیا دھوکے میں رہے یہانتک کہ وہ مر گیا (دل سے قبول نہ کیا) اس کے بعد تم کہنے لگے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی رسول (انقلابی نبی) نہیں بھیجے گا اس طرح اللہ تعالیٰ بھٹکاتا ہے اسکو جو بدخرچ اور شک کرنیوالے ہوتے ہیں۔

اقتصادی پروگرام جسمیں طبقات کا خاتمہ۔ مساوات کا قیام ہو وہ پروگرام فطری ہوتا ہے

اس آیت کا مطلب ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے طبقات کی بنیاد اکھیڑ کر مساوات قائم کی تھی۔ تو تم امراء طبقہ اسمیں شک کرتے تھے کہ یہ مساوات اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے۔ اور تم سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو امیر پیدا کرتا ہے اور بعض کو مفلس۔ اسواسطے حضرت یوسف علیہ السلام کا اقتصادی پروگرام فطرت کے خلاف ہے مگر جب حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہوگئے تو تم نے اپنی جائیدادیں اور زمینیں اور مکانات اپنے قبضہ میں لے آئے اور غریبوں پر ظلم کرنے لگے اور تمہیں یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ آفت الٰہی تھا اور یقین کرلیا کہ آئندہ کوئی مصلح انقلاب بڑا رسول پیدا نہ ہوگا اور تم بدخرچ ہو ملکی پیداوار کو غرباء کے فائدہ اور نفع رسانی کیلئے خرچ نہیں کرتے اپنی ذاتی اغراض پر خرچ کر رہے ہو اور انتقام الٰہی سے بے خوف ہوگئے ہو۔ اسلئے تم گمراہ ہو اور تم جیسے لوگ ہمیشہ یہی گمان کرتے رہتے ہیں کہ اب کوئی انقلاب کرنے والا پیدا نہ ہوگا اب دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام آگئے ہیں۔ انکے ہاتھوں اور انکے پروگرام سے تم تباہ ہوجاؤگے۔

قرآن دستور حیات اور تا قیامت محفوظ دستور الٰہی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پروگرام لکھی ہوئی کتاب تھی جس کی بنیاد پر بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں اور آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن پر ایسی کتاب نازل ہوئی جسکی حفاظت کا ذمہ

[1] القرآن الحکیم ۴۰ : 34

اسلامی قانون ہی عالمگیر ہے

خود خداوند تعالیٰ نے لیا اور اس کے پروگرام پر بین الاقوامی حکومتیں پیدا ہوئیں۔ ہمیشہ اسلامی قانون پر قائم اسلامی حکومتیں ابدالآباد تک قائم ہوتی رہینگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ ہماری رائے ہے کہ تیس سال فرعون کے پاس رہے اور جوان ہونیکے بعد اس کی حکومت چلاتے رہے یعنی دس سال مصر میں نائب الحکومت رہے اور دس سال مدیان (حجاز یثرب میں) گزارے۔ جب چالیس برس کے ہوئے تو کوہ طور پر وادی طویٰ (جو مقدس تھی) میں نبوت ملی۔

اولیاء اللہ سے نسبت کا برکات

وادی طویٰ کے مقدس ہونے کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل سے ہجرت کر کے مصر جارہے تھے تو اس وادی میں جو کہ سرسبز تھی چند ماہ سکونت اختیار کی تھی۔ اُن کے ساتھ اُنکے چوپائے بھی تھے اور کچھ تابعدار جماعت بھی تھی اور بی بی سارہ بھی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے یہ مقدس لوگ تھے یہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔ اولیاء اللہ کی عبادت کی جگہیں مقدس ہو جاتی ہیں۔ جن جگہوں کو اولیاء اللہ سے نسبت ہوتی ہے۔ اس جگہ وارد ہونے سے انکا قلب منور ہو جاتا ہے۔

شعر:

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَى   أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَا

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي   وَلَكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

اب پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ شروع کرتے ہیں۔ وہ عزیز مصر کے نائب ہو کر کافی عرصہ تک وزارت کا کام کرتے رہے۔ اور ملک میں اصلاح کرتے رہے۔ اُمراء طبقہ کو راہ راست[1] پر لانے کی کوششیں کرتے رہے اور آزادی نسواں پر بندش ڈالتے رہے۔ غرباء طبقہ کو بیدار کر دیا اور ظالمانہ رسم و رواج کو دور کرتے رہے۔

چونکہ اُمراء طبقہ کی فریاد نہ عزیز مصر سنتے تھے اور نہ شاہ مصر۔ اسیطرح عورتوں کا حال تھا۔

1۔ اسلام میں لانے

اسلیئے دونوں ملکر حضرت یوسف علیہ السلام کو بدنام کرنے کی خفیہ تدبیریں سوچتے ہیں کہ ان پر ایسا الزام لگا دیا جائے جس سے ان کے تقدس کو ضرب لگے اور عزیز مصر کے دل میں شک پیدا ہو جائے امیر طبقہ کی تمام عورتیں اس خفیہ تدبیر میں شریک ہوکر ملکہ عزیز مصر کو (جو کہ عزیز مصر کی پیاری رانی تھی) آگے کرتی ہیں کہ اس کام کو تو ہی سرانجام دے سکتی ہے۔ ان عورتوں کو یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس منکر فعل سے انکار کریں گے۔ اگر بالفرض یہ گناہ میں ملوث ہو گئے تو اُن کا ہٹانا آسان ہو جائیگا اگر انکار پر اصرار کریں ان کو پکڑ کر شور کرو تاکہ لوگ جمع ہو جائیں اور ان پر الزام ثابت ہو جائے اور اُسے سمجھاتی ہیں کہ معاملہ ایسے وقت کرو جب عزیز مصر بھی موجود ہو تاکہ وہ مغضوب الغضب ہو کر اس کو قتل یا حبس دوام کی سزا دیدے یا اس کو بداخلاق غلام کی سزا کا حکم کرے۔ یعنی نابینا اور خصی کرڈالے۔ یہ عذاب الیم ہے۔

آگے ملکہ مصر کے پھسلانے کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلاتی ہے اور اُن سے منکر کام طلب کرتی ہے۔ عام ناول نویسوں اور قصہ گو راویوں نے اسے عشق پر محمول کیا ہے کہ عزیز مصر کی پیاری ملکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت پر عاشق تھی انہیں اپنے عالیشان محل میں لے جاتی ہے اور دروازے بند کر کے پھسلاتی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام اس منکر فعل سے انکار کرکے بھاگتے ہیں۔ آپ کا پیرہن چاک کرتی ہے۔ آگے عزیز مصر مل جاتا ہے ان کے ہاں فریاد کرتی ہے کہ اس غلام کو سزا دو کہ تیرے اہل سے ارادۂ بد سے گستاخی کرتا ہے۔ یہ ناول نویسوں کا بیان ہے مگر یہ ناول نویس یہ نہیں بتاتے کہ دن کا وقت تھا یا رات تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امیروں اور نوابوں کے گھر کنیزوں، غلاموں اور خادموں سے بھرپور ہوتے ہیں اور تخلیہ کے تین اوقات ہیں جس طرح قرآن حکیم میں سورۂ نور میں ذکر ہے۔ ۱۔ قبل صبح ۲۔ بعد عشاء ۳۔ دوپہر۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ نوابوں اور بادشاہوں کی منکوحہ عورتیں بہت ہوتی ہیں اور جس عورت کے محل میں

ا۔ خرابی
۲۔ ہو جاتی ہے

آنا چاہتے ہیں اسکو پہلے اطلاع کر دیتے ہیں اور وقت مقرر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ پرانے نواب یا بادشاہ اپنی پرائیویٹ زندگی میں اور بود و باش میں اپنی نوابیت اور حکومت کو ملحوظ رکھتے تھے اور قرآن حکیم سے ثابت ہوتا ہے کہ عزیز مصر کی منکوحہ عورتیں اسی رانی کے علاوہ اور بھی تھیں تو وہ عزیز مصر کیسے بے وقت گھر میں گھس آتا ہے۔

ان سب سوالوں کا جواب قرآن مجید میں موجود ہے مگر ناول نویسوں کو عشقیہ کہانی بیان کرتے وقت قرآن حکیم میں غور کرنے کا موقع نہیں ملتا اور سُنی سنائی باتوں کو رنگ دینے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور قرآن حکیم کی حکمت کی طرف ان کا دھیان نہیں رہتا۔ دیوانہ بکار خود ھشیار۔

یاد رکھنا چاہیے حسب تصریح تورات حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال تک عمر پائی اور ۱۷ سال حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں تربیت پاتے رہے اور کامل ہو گئے ۱۳ سال سے زیادہ عرصہ عزیز مصر کے نائب وزیر رہے اور سات سال زندان میں رہے۔ تقریباً چالیس سال کی عمر میں مصر کے مختار الکل بنے اور ریان بن ولید (فرعون مصر) کے مرنے کے بعد خود بادشاہ بنے۔

توریت کے بارے میں تحقیقی بات

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ موجودہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک ہزار سال بعد لکھی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لکھے ہوئے احکام عشرہ (دس احکام) تھے جو سورہ بنی اسرائیل میں مذکور ہیں۔ باقی باتیں اور احکام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھے لاوی کی اولاد جو شریعت کی حفاظت پر مامور تھی زبانی یاد رکھتے آئے۔ اس وقت لکھے ہوئے احکام کو توراۃ کہا جاتا تھا۔

احادیث ۲۰۰ھ میں جمع ہونا شروع ہوئیں

جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں ساتویں سن ہجری میں جمع ہونے لگیں اور قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مکتوب اور محفوظ تھا یعنی جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی لکھے پڑھے صحابی کو بلا کر لکھوا دیتے تھے اور صحابہ اپنے سینے

میں یاد اور حفظ کر لیتے ۔ ان سب لکھے ہوئے اوراق کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مصحف میں جمع کرادیا تھا اور حضرت عثمان رضی نے اس سے بہت سے نسخے نقل کرا کر ساری سلطنت میں اشاعت فرمائی موجودہ تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک ہزار سال بعد لکھی گئی ۔ لکھنے والے کون تھے راوی کون تھے یعنی کیسے شخص تھے ۔ ان کا حافظہ اور راست گوئی کسقدر معتبر تھی ۔ اس کا ذکر تورات لکھنے والوں نے نہیں کیا ۔ اسلئے تورات میں بہت سے غلط بیان درج ہو چکے ہیں ۔

محدثین نے روایت کی تصدیق وسند کے سلسلہ میں "علم جرح وتعدیل" کے نام سے ایسا تحقیقی کارنامہ سرانجام دیا کہ ہم آج بھی صحیح ۔ ضعیف اور موضوع حدیث کو پہچان سکتے ہیں ۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث لکھنے والے محدثین رح اپنے استاذ اور استاذ الاستاذ تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نام بنام لکھ دیتے ہیں پھر ہر ایک روایت کرنے والے کے احوال بھی بیان کر دیئے ۔ اس علم کا نام "علم جرح وتعدیل" رکھ دیا ہے ۔ اس تحقیق سے ہم آج بھی صحیح ۔ ضعیف اور موضوع حدیث کو پہچان سکتے ہیں ۔ یہ خاصیت حاملین علم اُمت اسلامیہ ہے ۔ کسی دوسری امت میں اس کا نام ونشان نہیں مل سکتا ۔

حاصل مطلب :۔ تورات کے اعداد وشمار پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے بلکہ تدبر اور عقل سے کام لینا چاہیے

آیت نمبر ۲۳ ۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۔

ترجمہ ۔ اس عورت نے جس کے گھر میں وہ (یوسف ؑ) رہتا تھا ۔ اس کے مضبوط دل کو پھسلانا (ہٹانا چاہا) اور دروازے بند کر دیئے ۔ کہنے لگی کہ جلدی کرو کہا اُس نے (یوسف ؑ نے) کہ خدا کی پناہ وہ (عزیز مصر) میرا آقا ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا ۔ وہ لوگ کبھی بھلائی نہیں پاتے جو کہ بے انصاف ہوں ۔

تشریح ۔ الفاظ کے معنی راود یُراوِدُ مُراوَدةً وَرِیاءً وَ رِوادًا ۔ اس کے معنی ہیں

چکر لگانا۔ راودہ۔ اس سے فریب کھیلا۔ راودتہ عن نفسہ۔ اس سے فریب سے فعل منکر چاہا اور پھسلاوت میں لگی رہی۔ غلقت الابواب۔ دروازوں کو بند کیا کیونکہ بہت تھے۔ مغلاق اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے دروازہ بند کیا جائے۔ کڑا کنڈا۔ چٹخنیاں۔ یعنی اس عورت نے دروازے بند کر دیئے اور تالے نہیں لگائے اور کڑے کنڈے اور چٹخنیاں بھی نہیں لگائیں۔ حقیقت لک یہ هیت لک اسم فعل ہے اس کا معنی ہے شتابی کر۔ معاذ اللّٰہ مصدر میمی ہے یہ مفعول مطلق یعنی اعوذ باللّٰہ معاذاً یعنی اللّٰہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔ التی هو فی بیتها کا جملہ اسلئے زیادہ کر دیا گیا کہ احتراز ہو عزیز مصر کی دوسری عورتوں سے۔ یعنی یہ مکر و فریب کرنے والی عزیز مصر کی وہ عورت ہے جس کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام رہتے تھے نہ کہ عزیز مصر کی دوسری عورت۔ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عزیز مصر کی اور منکوحہ عورتیں بھی تھیں۔

ایک طالب علم جو شرح جامی پڑھ رہا ہو اس جملہ سے استنباط کر سکتا ہے کہ عزیز مصر کی بہت سی عورتیں تھیں۔ فضلاً عن اذکیاء الطلباء بالادب العربیہ۔

اور جملہ التی هو فی بیتها کا دوسرا فائدہ یہ۔ استنباط ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس عورت کے تحت اقتدار میں نہ تھے نہ وہ عورت ان پر کسی طرح کا حکم چلا سکتی تھی بلکہ فقط حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائش ان کے گھر میں تھی اور وہ اپنے کاروبار میں آزاد و خود مختار تھے۔ اب یہ کہنا کہ عزیز مصر کی فقط ایک عورت تھی غلط ہے۔

حضرت شیخ الہند کا ترجمہ۔ حضرت شیخ الہند مولانا و استاذنا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ فرماتے ہیں (ترجمہ قرآن حکیم) میں جملہ هیت لک کا معنی شتابی کر۔ کر کے وقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ بہت تنگ وقت تھا اور خلوت کا وقت دراز نہ تھا اور جملہ قدت قمیصه سے موسم بھی استنباط ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام قمیص میں تھے اور اس پر کوٹ اور گرم چوغہ نہ تھا یعنی گرمی کا موسم تھا اور جملہ الفیا سیدها لدی الباب سے

ملکہ عزیز مصر دراصل لونڈی تھی

تصریح ہوتی ہے کہ یہ عورت دراصل لونڈی ہے۔ اپنی حسن صورت اور ناز نیاز سے ملکہ کے درجہ پر پہنچ گئی تھی اگر شریف زادی ہوتی تو قرآن حکیم فرماتا الفیا زوجھا کیونکہ زوجیت میں مساوات ہوتی ہے یعنی عزیز مصر کے مساوی عزت، شرف اور حریت میں ہوتی۔ بلکہ یہ لونڈی تھی اور لفظ الفیا سیدھُما بھی نہیں لایا گیا اس لئے کہ اس لفظ سے ابہام ہوتا تھا کہ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام بیٹا بنایا گیا ہے مگر عزیز مصر اس کو غلام سمجھتا تھا۔ اسلئے سَیِّدھُما تثنیہ کا ضمیر نہیں لایا گیا تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شرافت، عزت اور حریت میں فرق نہ آجائے۔ اس لفظ سَیِّدھا سے اس عورت کا حسب و نسب بیان کرنا مقصود ہے اب الفاظ کی شرح ختم کرکے اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی حیثیت اور ذمہ داریوں کا احساس ہو چکا تھا اسلئے انہوں نے اصلاح مصر کا کام شروع کردیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ میں اس وزارت اور اقتدار سے مصر میں اصلاح کروں۔ اور ملک مصر کو دین حنیف کا مرکز بناؤں۔ اور جو بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اسمیں تھا کہ من وراء اسحاق یعقوب یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو ایک متمدن سلطنت عطا ہوگی۔ اس کا مصداق میں (یوسفؑ) ہوں۔ اسلئے مصر میں اصلاح کی تدبیریں سوچنے لگے اور بدرسوم کو دور کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ تاکہ مصر بیماری سے نجات پاکر تندرستی میں قدم رکھے۔ سب سے زیادہ بُری رسم عورتوں کی آزادی تھی۔ ملک مصر کے سنٹر اور مرکز میں اُمراء طبقہ رہتا تھا[1]۔ اس طبقہ میں رفاھیت بالغہ آچکی تھی اور معلوم ہے کہ شراب کے نشہ سے بھی بدتر رفاھیت بالغہ ہوتی ہے۔ جس قوم یا ملک کے مرکز میں رفاھیت بالغہ آجاتی ہے۔ تو اُمراء طبقہ ہر طرح کے آرام و آسائش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور عیش و آسائش اور لہو و لعب کی چیزیں مہیا کرنے میں اپنی ساری توجہ اور ہمت صرف کر دیتے ہیں۔ اپنے عبادت خانوں کے قریب ہوٹل اور سینما اور کلب کو بھی ضروری چیز سمجھتے ہیں یعنی جسقدر توجہ الی اللہ پیدا ہوا ہے اسکو دور کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ خوف خدا دل میں جگہ نہ پکڑلے۔ اُمراء طبقہ زمانہ ماضی و حال ہمیشہ ایسی عادات کے خوگر رہے ہیں اور رہینگے۔ تاریخ قدیم بھی یہی خبر دیتی ہے اور

رفاھیت بالغہ نشۂ شراب سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ اس سے ایک طبقہ عیش و عشرت کا شکار ہو جاتا ہے

1- بستا تھا۔

قرآن حکیم میں یہی ارشاد فرماتا ہے ۔ جیسے زمانہ حال میں اُمراء طبقے کی توجہ کلب اور سینما ۔ پارک اور کھیل کود کی طرف زیادہ مبذول ہے ویسے ہی قدیم زمانہ میں تھی ۔ یہ عادت اُمراء طبقے کی ہوتی ہے جو مرکز میں رہتے ہیں۔ اس بدعادت کو ورزش کا نام دیتے ہیں ۔ مذہب کے پابند اہل اللہ اور متقی لوگوں نماز کی زیادہ رکعتیں اور زیادہ سجدے ہوتے ہیں یعنی کثرت صوم و صلوٰۃ کرتے ہیں ۔ جب اُمراء طبقہ (جو مرکز میں رہتے ہیں) کی توجہ لہو و لعب کی طرف مرکوز[1] ہوجاتی ہے تو انکی بیگمات کی ساری توجہ کلب ۔ سینما ۔ کھیل کود ۔ زینت و تفاخر کی طرف مبذول اور راغب ہوجاتی ہے ۔ حتیٰ کہ ایکٹریس بننا زیادہ تر محبوب مشغلہ ہوتا ہے یہ ان کی ناموری کی انتہا ہوتی ہے ۔ کلبوں ۔ پارکوں میں اجنبی مردوں سے ملنا اور ناچ گھانوں میں اجنبی مردوں سے ملکر ناچنا اور سینما میں جانا ان کی عورتوں کی تہذیب میں شمار کیا جاتا ہے ۔ یہ معنی ہے اس جملہ کا کہ عورتوں کو مردوں کے درزش بدوش کام کرنا چاہیے ۔ دراصل دوش بدوش کام کرنیوالی عورتیں مزدوروں اور کاشتکاروں کی ہوتی ہیں ۔ وہ عورتیں اپنے اپنے مردوں کے ساتھ کاشتکاری اور مزدوری میں دن بھر شریک ہوتی ہیں اور گھر آکر کھانا پکانے ۔ گھر کے انتظام اور بچوں کی پرورش میں مشغول ہوجاتی ہیں ۔ رات کو آرام سے سوجاتی ہیں صبح سویرے اٹھکر کھانے پکانے کے کام میں لگ جاتی ہیں اور پھر مردوں کے ساتھ ساتھ دن میں کاشتکاری اور مزدوری میں کام کرتی ہیں ۔ انکو لہو و لعب زینت و تفاخر کا وقت نہیں ملتا۔

اُمراء طبقہ کی عورتوں اور بیگمات کے پاس کھانے پکانے ۔ بچوں کی پرورش اور گھر کے انتظام کیلئے بہت سی نوکرانیاں ہوتی ہیں اور انہیں فراغت کا بہت وقت مل جاتا ہے ۔ انہیں کھیل کود لہو و لعب کے سوا اور کیا کام ہے ۔ انہیں ہمیشہ غرق ہوتی ہیں ۔

عورت کی شرعی حیثیت

مصر کے مرکز میں بڑے تاجر ۔ اُمراء اور بڑے افسر رہتے تھے انکی اور انکی بیگمات کا تہذیب و تمدن ایسا ہی تھا جو بیان ہوچکا ہے ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا دلی مقصد تھا کہ غرباء اور کاشتکاروں کی اقتصادی حالت کو بلند کردیا جائے تاکہ حریت اور انسانیت کے درجہ پر پہنچ جائیں ۔ اُمراء طبقہ سے اور جاگیرداری

۱ ۔ معروف

سے اقتدار، زر پرستی اور عیاشی دور کر کے انسانیت کے درجہ پر لا کر سب کو حنیفیہ ملت کی تہذیب و تمدن کی تعلیم دی جائے اور سب لوگوں کو جماعت الٰہیہ بنایا جائے۔ اور آزادئ صنف نازک جو حد سے گزر کر صنف شیطانیہ بن چکی ہیں انہیں درجہ نسوانیت پر لا کر انمیں خوف و خشیت واحد قہار پیدا کردی جائے۔ گھر کی چار دیواری ان کیلئے اچھا مسکن بن جائے۔ انسانی نوع میں عورت مردوں سے نازک ترین صنف ہے۔ اور قدرت خداوندی نے انسان کے اعضاء میں سے نازک سے نازک عضو قلب اور جگر اور پھیپھڑے پیدا کیئے ہیں توان اعضاء کو پسلیوں کے مضبوط ہڈیوں اور باریک پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ اسی پر عورتوں کا قیاس کرنا چاہیے اور عورت کیلئے پہلا مضبوط قلعہ اس کا مرد اور خاوند ہے دوسرا باریک پردہ گھر کی چار دیواری ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے زمانہ وزارت میں اسی مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتے تھے آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے اپنے پروگرام کو بڑھا رہے تھے۔ اُمراء طبقہ خواہ مرد ہو یا عورت محسوس کر رہا تھا کہ اس پروگرام سے ہمارا انتہائی درجہ کیا ہوگا؟ عزیز مصر اپنی ضد سے نہیں ہٹتا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے کام میں دخل اندازی نہیں کرتا۔ کیونکہ عزیز مصر اور فرعون مصر نیک دل تھے وہ دونوں حضرت یوسف کے پروگرام کو پسند کرتے تھے۔

اُمراء طبقہ اور آزادی کی دلدادہ عورتیں ملکر حضرت یوسف علیہ السلام کے مٹانے کی خفیہ سازشیں بنانے کے درپے ہوگئے۔ اسی خفیہ سازش، تدبیر اور مکر و فریب کیلئے ملکہ عزیز مصر کو منتخب کرتے ہیں جس گھر حضرت یوسف علیہ السلام رہتے تھے۔ یہ ملکہ چونکہ لونڈی تھی اس خفیہ مکر کا سرغنہ بننا قبول کر لیا وہ خود اپنے آپ کو آزادئ نسواں کیلئے قربان کرنا چاہتی ہے۔ جیسے اوار وطن مذہب و ملت کی آزادی کیلئے خود کو قربان کر دیتے ہیں اور سولی پر سوار ہو کر خوش ہوتے ہیں اور خود کو شہید سمجھتے ہیں اپنی سچی محبت وطن اور ملت، مذہب پیش کرتے ہیں۔ اس سے بڑھکر کوئی گواہی نہیں ہوسکتی۔

شہادت کا مفہوم۔
دین و وطن کے لئے جان دے دینا۔

عورتوں کا مکر حضرت یوسفؑ کو اقتدار سے الگ کرنے کی سازش تھی

آیت نمبر ۲۳ سے لیکر آخر آیت نمبر ۵۰ تک ناول نویسوں نے ملکہ عزیز مصر کی عشقیہ داستان بنایا ہے ہمیں صاحب الکتاب خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کرنا ضروری ہے کہ آیا ملکہ عزیز مصر اور باقی عورتیں عشق کی آگ میں سوختہ ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہیں یا اُنہیں وزارت کے عہدے سے ہٹا کر جیل میں بٹھا کر بیکار کرنا چاہتی ہیں اور ان کی جگہ کم لیاقت والے کو لانا چاہتی ہیں ۔

جب ہم نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھان بین کی تو جواب ملا کہ ان عورتوں کا دلی مقصد تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام وزارت پر نہ رہے۔ بلکہ عزیز مصر کے خاندان میں بھی نہ رہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الموت کے بیان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار نماز کے وقت آپؐ بسبب مرض بے ہوش تھے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ جماعت نے نماز پڑھی ہے۔ سب مستورات نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کو حکم کرو کہ وہ امام ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ہم سب نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نرم دل ہیں۔ آپکی جگہ کھڑے ہونگے تو بہت گریہ کرینگے۔ (حضرت) عمرؓ کو حکم کریں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ہماری بات کہنے سے پہلے آپؐ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ پھر جب ہوش میں آئے تو پوچھا کیا لوگوں نے نماز پڑھی ہے مستورات نے عرض کیا کہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کو حکم کرو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر مستورات نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ نرم دل ہیں (حضرت) عمرؓ کو حکم دیں کہ نماز پڑھائیں۔ آپؐ پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب تیسری بار ہوش میں آئے پھر پوچھا اور اہل بیت نے وہی عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ ہو کر فرمایا اِنَّكُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ[1] - او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

[1] مروا ابا بکر ان یصلی بالناس ۔ بخاری ج۱ صفحہ ۱۸۲

یعنی بے شک وہی عورتیں ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے مرتبہ سے ہٹاتی تھیں یعنی جیسے مصری عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے مرتبہ سے ہٹا کر انہیں بے کار کیا تھا۔ تمہارا بھی یہی ارادہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے درجہ سے ہٹاتی ہو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ ہے کہ مصری عورتوں کا اس کے سوا اور کوئی ارادہ نہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مختار الکل کے مرتبہ سے ہٹائیں اور بدنام کریں۔

یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ اگر کوئی عقلمند مصلح کسی بڑے درجہ سلطنت پر پہنچ جائے اور اصلاح کا کام بھی شروع کرے اور ساتھ ہی ساتھ وہ مصلح مذہب کا پابند متقی مخلص بندہ اللہ تعالیٰ مقدس کا بھی ہو تو مخالفین۔ معاندین۔ حاسدین اسکے تقدس پر ضرب لگاتے اور اس کے تقدس کو پاش پاش کرنے کیلئے سازشیں تیار کر کے اسکو بدنام کرتے ہیں یا اُسے ہم خیال بنانے کی خفیہ تدبیریں سوچتے ہیں۔

اب بیگمات مصر کی آزادی پر جب بندشیں پڑنے لگیں تو اپنی آزادی برقرار رکھنے کیلئے تدبیر سوچ کر کام میں لا رہی ہیں۔ اب بیگمات اور خصوصاً ملکہ عزیز کو یقین تھا حضرت یوسف علیہ السلام مقدس آدمی ہے گناہ میں ملوث ہونے والا نہیں۔ مگر ایک بار کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ شاید ملوث ہو جائے پھر دوسری منزل پر اسکو ہم خیال بنانا یا ہٹانا آسان ہوگا اور اگر اپنے تقدس پر مضبوط رہا تو اُسے پکڑ کر واویلا کیا جائے۔ جس سے ضرور بدنام ہو جائیگا جیسا کہ توراۃ میں ہے توراۃ پیدائش باب نمبر ۳۹ ورس نمبر ۱۱۔ ایک دن یوں ہوا کہ وہ (یوسف) اپنا کام کرنے کیلئے گھر میں گیا اور گھر کے آدمیوں میں سے کوئی بھی اندر نہ تھا۔ تب اس عورت نے اسکا پیرہن پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ وہ (یوسف) اپنا پیرہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا تو اس نے (عورت نے) اپنے گھر کے آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ دیکھو وہ (عزیز) ایک عبری کو ہم سے مذاق کرنے کیلئے ہمارے پاس لے آیا ہے۔ یہ مجھ سے ہم بستر ہونے کو اندر گھس آیا اور میں بلند آواز سے چلانے لگی۔ جب اُس نے

دیکھا کہ میں زور زور سے چلا رہی ہوں تو اپنا پیرہن میرے پاس چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا ورس ۱۴ تک
توراۃ لکھنے والوں نے صحیح واقعات نہیں لکھے اور قرآن حکیم نے صحیح واقعات احسن طریقہ سے بیان فرمائے
ہیں - مگر توراۃ سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ اس عورت نے جتنا حضرت یوسف علیہ السلام کو بدنام کر سکتی تھی کیا۔

اس سازش کو پورا پورا ذہن نشین کرنے کیلئے چند نوٹ قلمبند کرتے ہیں تاکہ حقیقت آشکارا ہو جائے

نمبر۱ پرانے امیروں کے محلات بڑے خوشنما ہوتے تھے اور محل کے اردگرد فصیل یا قلعہ ہوتا تھا اور فصیل
کے اردگرد باغ ہوتا تھا۔ فصیل کا بڑا دروازہ (پھاٹک) ایک ہوتا تھا۔ اس بڑے دروازے سے متصل باہر
پودوں اور پھولوں کا چمن ہوتا تھا۔ اسمیں کرسیاں رکھی ہوتی تھیں۔ جب باہر سے امیر آتا تھا تو ذرا
آسائش کیلئے اسی بڑے دروازے کے گلشن میں بیٹھ جاتا تھا۔ یہاں اس کی سلامی کیلئے محل کے خدام
غلام اور لونڈیاں حاضر باشی ہوتی تھیں اور بیگم بھی وہاں آکر خادموں اور لونڈیوں کی کارگزاری عرض
کر دیتی تھی۔

نمبر۲ محل بڑے خوشنما ہوتے تھے اور ان محلات میں بہت سی کھڑکیاں اور بڑے دروازے ہوتے تھے۔
دروازوں پر ریشمی پردے لگے ہوتے تھے۔ جیسے آجکل امیروں کی کوٹھیاں ہوتی ہیں تاکہ ہوا کی آمد و رفت
گھر کے اندر رہے۔ اور تعفن نہ ہو جائے

نمبر۳۔ بڑے امیروں اور نوابوں کے پاس بہت سی لونڈیاں اور غلام ہوتے تھے۔ حبشی غلاموں اور لونڈیاں
کے سپرد سخت کام ہوتے تھے اور خوبصورت لونڈیاں گانے بجانے پر مامور ہوتی تھیں۔ خوبصورت غلام ہر وقت
پٹکہ کمر بند لگائے ہوئے محل میں حاضر رہتے تھے۔

نمبر۴۔ عزیز مصر کی چونکہ بہت سی بیگمات تھیں۔ اگرچہ ملکہ وہ تھی جس کے گھر یا کوٹھی پر حضرت
یوسف علیہ السلام کی بود و باش تھی۔ اسلئے نوبت بنوبت ہر ایک بیگم کے گھر شب باشی کرتے تھے جس بیگم
کی نوبت ہوتی تھی اُس کو آنے کے وقت کی اطلاع کر دیتا تھا تاکہ مکان کو آراستہ و صاف رکھیں اور

حسب منشاء کھانے پکانے کا بندوبست کریں

بفرہ امیروں اور نوابوں کی عورتیں بہت ہوتی ہیں۔ انہیں سے ملکہ کا خطاب ایک کو دیتے ہیں

بلکہ امیروں اور نوابوں میں آج تک یہ رسم و قانون جاری ہے اگر زر خرید غلام ان کے ساتھ بدارادے سے نحش حرکت کرے تو اس غلام کی آنکھیں نکال ڈالتے ہیں اور اس کے خصیے کاٹ کر اسکو اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں۔ تاکہ اوروں کو عبرت ہو یا اُسے ہمیشہ کیلئے قید حبس میں ڈال دیتے ہیں

اب آیت کریمہ کا مطلب بیان ہوتا ہے۔

توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اسی عورت کے خلوت خانے خود بخود گئے تھے مگر قرآن حکیم فرماتا ہے کہ اس عورت نے پیار اور محبت سے تھوڑے وقفہ کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے خلوت خانہ میں طلب کیا۔ یہی معنی ہے مراودۃ کا اور حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ اس عورت کو ماں کے برابر سمجھتے تھے بے خوف وخطر اپنے ضروری کام ترک کرکے جریدہ اور اکیلا اسکے خلوت خانہ میں چلے گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کمرہ بھی اس محل میں تھا اور عزیز مصر کے تشریف لانے کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی۔ اسلئے اسی عورت نے غلاموں اور لونڈیوں کو حکم دیا کہ بڑے دروازے اور پھاٹک پر (۵۰) حاضر رہو۔ یہ عورت بھی اپنی حاضری دینے کیلئے زینت اور ہار سنگار کرنے کیلئے خلوت خانہ میں دروازے بند کرکے کھڑی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے داخل ہوتے ہی وہ دروازہ بھی بند کرلیا اور نیم سربستہ تھی۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عزیز مصر کے تشریف لانے کا وقت آٹھ بجے صبح یا ۵ بجے شام ہو سکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اندر جاکے سرنگوں ہوگیا اور اسے خیال ہوگا کہ شاید کسی زینت کی چیز کو ڈھونڈنے کیلئے مجھے طلب کیا ہوگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سادہ لباس میں تھے۔ اس سے آگے انہیں کوئی شک وشبہ نہ تھا کہ ایسے منکر فعل کیلئے یہ عورت مجھے طلب کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

(۵۰) ظالم ٹاکر

اگر شک وشبہ ہوتا تو خلوت خانہ میں جب دروازے بھی بند کر رکھے تھے ہرگز داخل نہ ہوتے یا اپنے
ساتھ اپنے باڈی گارڈ غلاموں میں سے کسی کو اپنے ساتھ لاتے۔ مگر متقی خوف خدا رکھنے والوں کی
طرح شک وشبہ کی ان کے قلب میں جگہ بھی نہ تھی۔ اُن کا قلب خشیۃ الٰہی سے معمور تھا۔ جب حضرت
یوسف علیہ السلام اُس کے پاس جاکر کھڑے ہوگئے تو ناگاہ اس عورت نے حکم کیا کہ شتابی کرکے میری
شہوت کی آگ بجھادو اور میرے ہم بستر ہوجاؤ اور شتابی کرو کہ وقت بہت تھوڑا ہے اور عربی کلمہ
هَلُمَّ کا معنی ہے شتابی میرے پاس آجاؤ اور کلمہ هَيْتَ لَكَ زیادہ شتابی اور جلدی سے یہ کام
کرو۔ ایسے نادری حکم سے حضرت یوسف علیہ السلام حیران ہوکر اور تمام قوت ارادی جمع کرکے فرماتے ہیں
کہ مَعَاذَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ قدوس کی پناہ میں آتا ہوں اور اسی کی پناہ اور نگہبانی کو اپنا محفوظ قلعہ
بنالیتا ہوں۔

ولایت صغریٰ سے مراد سلطان الاذکار کا کھل جانا ہے

انبیاء اور صدیقین جو ملاء اعلیٰ کے ممبر ہوتے ہیں یا وہ اولیاء کرام جن پر سلطان الاذکار کھل جاتا ہے
اُس کو امام ربانی قدس سرہٗ ولایت صغریٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر ان کی حرمت تلبیہ سے لیبا لفظ
منہ پر آجائے تو سارے ملاء اعلیٰ میں غلغلہ مچ جاتا ہے اور خاص رحمت الٰہی فوراً نازل ہوجاتی ہے اور
وہ محفوظ اور معصوم ہوجاتا ہے اگر اس کے مخالف اور دشمن میں خس کے برابر بھی فطرت انسانی
موجود ہوتی ہے تو وہ بھی بد ارادوں سے باز آجاتا ہے۔ مگر صد افسوس اس عورت میں
فطرت انسانی خس کے برابر بھی نہ تھی۔ اگر ہوتی تو صدیقہ کے درجہ پر پہنچ جاتی یا اس بد ارادہ
کو ترک کردیتی۔ جن سعادتمند لوگوں کو ایسے اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنے کا موقع اللہ تعالیٰ
قدوس اپنے فضل ورحمت خاص سے عنایت فرماتا ہے۔ انکو انکی تاثیر شریعت کا علم ہوتا ہے۔
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ تندرستاں را نباشد درد ریش۔ جز بہ ہمدرداں نگویم درد خویش
گفتن از زنبور بے حاصل بود   باکسے در عمر خود نا خوردہ نیش۔

شعر: وعند هبوب الناشرات على الحمى　　تميل غصون البان لا الحجر الصلدُ -

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ایک مٹھی ریگ کی اپنی ہمت قلبیہ سے قریش کے لشکر پر ماری - قریش کے لشکر پر گرد و غبار چھا گیا اور آسمان سے ملائکہ فوج در فوج اسلامی لشکر کی امداد کیلئے نازل ہو گئے -

حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک چور کو قطب وقت بنا دینے والا عمل

بغداد میں احمد اعرج بڑا رہزن ڈاکو اور چور تھا ایک سرا جرم میں دیکھا کہ چراغ جل رہا تھا اور اسمیں کوئی آدمی نہ تھا - چوری کے ارادے سے داخل ہو کر ایک غالیچے کو لپیٹنے لگا اور دوسرا پیر مرد اندر داخل ہو کر دوسرا غالیچہ لپیٹنے لگا - اس نے پیر مرد سے پوچھا تو کون ہے کہا کہ میں بھی تجھ جیسا چور ہوں - احمد اعرج نے کہا تجھے آدھا نہیں دونگا - اس پیر مرد نے فرمایا جتنا دوگے لے لونگا - پھر پیر مرد نے کہا اس مکان کے قریب گھر خالی ہے وہاں چاول پکے رکھے ہیں - تیرے لئے لے آتا ہوں - شاید تم بھوکے ہو گے - پھر وہ پیر مرد اس کے پاس چاول دودھ سمیت لادیا - پھر احمد اعرج نے کہا کہ بوجھ اٹھاؤ - دونوں نے اپنے اپنے غالیچے اٹھا کر بغداد سے باہر پھینک دئیے - اس پیر مرد نے کہا کہ یہ مکان میرا تھا اور میرا نام جنید ہے - اگر آپ کو دوسری بار ضرورت پڑے بلا خوف آ جانا جو کچھ پڑا ہو لیجانا اور حضرت جنید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ذکر اذکار میں مشغول ہو گیا یہ حضرت جنید بغدادی کا بڑا خلیفہ شمار ہوتا ہے - چند لحظہ کی صحبت سے اسکی حالت بدل گئی -

عزیز مصر کی حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید کرتے ہی اسکی حالت میں تبدیلی آ گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی صحبت میں اتنا مدہوش ہو گیا کہ تمام کاروبار وزارت اس کے سپرد کر دیا اور اس کی ملکہ کا حال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لقاء الہی اور خشیۃ الہی اور احسان کے درجہ سے بھی گرانا چاہتی ہے اور ہمیشہ کیلئے ذلیل کرنا چاہتی ہے - مگر فاللہ خیر حافظا و ھو ارحم الرحمین اور اس کا دل پتھر سے بھی سخت تھا - چونکہ یہ عورت سخت سیاہ قلب تھی - حضرت یوسف علیہ السلام کی ہمت قلبی اور قوت ارادی

قدر شناسی کا انداز دوسرں کا شکر ادا کرنا ہو تعلیم تی ہے۔ بندوں کی شکر گزاری خدا کی شکر گزاری کا راستہ ہموار کرتی ہے اور بندوں کی ناشکری خدا کی ناشکری کا موجب کرا دیتی ہے

اور معاذ اللہ کا لفظ جو ایٹم بم کے گولے سے بھی زیادہ موثر تھا۔ کچھ اثر نہ کیا۔ تو اس کو معاشرتی اور معقول طریقہ سے سمجھاتے ہیں کہ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ۔ تیرے خاوند اور شوہر نے مجھے تربیت دی اور میرا مرتبہ اور درجہ بلند کر کے مجھے اچھے خوب اور احسن مقام پر کھڑا کر دیا اور سب کچھ میرے سپرد کر دیا اب اس کے گھر میں ایسی بد خیانت نہیں کر سکتا تورات پیدائش باب نمبر ۳۹ ورس نمبر ۸ لیکن اُس نے انکار کیا اور اپنے آقا کی بیوی سے کہا کہ دیکھو میرے آقا کو خبر بھی نہیں اور اُس نے کوئی چیز تیرے سوا مجھ سے باز نہیں رکھی۔ کیونکہ تو اس کی بیوی ہے سو بھلا میں ایسی بد عہدی کیوں کروں اور خدا کا گنہگار بنوں۔ ورس نمبر ۱۰ تک۔

تورات کا یہ وعظ اس مختصر جملہ میں قرآن حکیم نے ادا کر دیا کہ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ۔ یعنی عزیز مصر کے مجھ پر بڑے بڑے احسان ہیں۔ ان احسانوں کو بھلا میں کیسے فراموش کر سکتا ہوں اور اس کی شکر گزاری کو عین فرض سمجھتا ہوں اور اس کے احسانوں کا نقشہ ہمیشہ میرے روبرو رہتا ہے

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔

شریف طبع انسان کسی کا احساس (احسان) فراموش نہیں کر سکتا۔ جو شخص انسان کا احسان فراموش کرنے کی عادت رکھتا ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ قدوس کا احسان بھی فراموش کر کے نافرمانی کے راستہ پر دوڑنے لگیگا۔

حکایت:-

جدہ شریف میں ایک بڑا امیر کبیر ہے۔ جدہ شہر کے اکثر مکان اس کے ہیں۔ اسکا نام عمر نصیف ہے۔ راقم الحروف ایک بار اس کا مہمان تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد اکثر اوقات شہر کے معزز لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ چائے اور قہوہ کا دور دورہ (ہوتا) تھا۔ اس کے مکان کے سامنے ایک بڑا مکان نظر آرہا تھا۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے تو

محمد نصیف نے کہا کہ فلاں شخص کا ہے اور دوسرے نے کہا کہ اس نے اتنی رقم[1] میں فروخت کر دیا ہے محمد نصیف نے فرمایا کہ میں نے پھر خرید کر اس کے نام کر دیا ہے تو حاضرین مجلس آفرین آفرین کہنے لگے۔ محمد نصیف نے کہا کہ اگر اس شخص کا دادا میرے دادے نصیف کو اپنی لڑکی نکاح میں دیکر[2] نصیف کو دولتمند نہ کرتا تو لکان النصیف واللہ اعلم دالدستغاء یعنی نصیف مانشکی اور بہشتی رہتا اگر اس کو ان کا دادا دولتمند نہ کرتا اور اپنی لڑکی نکاح کر کے نہ دیتا۔ یہ کارنامے ہیں شریف طبع انسانوں کے۔ ہمارے زمانے کے پیرزادوں پر افسوس اور ماتم کرنا چاہیے کہ مریدوں نے اپنی جائیدادیں دیکر انہیں دولتمند بنایا۔ اب جائیداد دینے والے مریدوں کی اولاد کی خبر گیری تو نہیں کرتے بلکہ اپنی زمین میں ان کو کاشتکار بھی نہیں رکھ سکتے۔ اس ناشکری کی سزا ان کو ضرور ملکر رہیگی۔ واللہ سریع الحساب۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سیاہ قلب عورت کو یہ وعظ فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا کہ دیکھو تم ایک زر خرید لونڈی تھی۔ تم پر عزیز مصر کا کتنا بڑا احسان ہے کہ تم کو لونڈی کے درجہ سے نکالکر ملکہ کے مسند پر بٹھلا دیا ہے۔ تم اس کا احسان کیوں فراموش کرتی ہو۔ یہ بڑی ناشکری ہے۔ اور ناشکری کر کے خیانت اور بدکاری کی سزا سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اور تم ملکہ کے درجہ پر پہنچ کر ایسا ظلم کیوں کرتی ہو اور ظالم ہمیشہ ناکام[3] رہتے ہیں اگر خیانت کرتے تھی پر رہوگی تو ملکہ کے درجہ سے گر جاؤ گی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں۔ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ قدوس کی رحمت اور کرم کا بہت امیدوار ہوں۔ اور وزارت کیا چیز ہے مصر کا بادشاہ بننے کا خواہاں ہوں۔ اب بھی وزارت کی حالت میں اپنی وسعت اور طاقت کے موافق قانون کے اندر رہکر ظلم کو دور کر رہا ہوں اور فاحشات و منکرات پر بندشیں ڈال رہا ہوں اور جیسا کہ میری تمنا ہے

۱۔ اتنی اتنی گینیوں
۲۔ نکاح کرکے
۳۔ ناکامیاب

عمل سے عاری انسان کے بلند ارادے اثر سے خالی رہتے ہیں۔ صاحب کردار لوگوں کی باتوں میں اثر ہوتا ہے اور وہی کامیاب رہتے ہیں۔

اور ارادے ہیں۔ اگر میں ملکہ مصر کا مختار الکل ہوا تو ظلم کی بیخ بنیاد اکھاڑ دونگا اور منکرات و فواحش کی رسومات کو نیست و نابود کر دونگا۔ اگر فی الحال میں عزیز مصر (جو میرا آقا ہے) پر ظلم کروں تو پھر ظالمانہ رسمیں لگا لیتے ہیں کیسے کامیاب ہو سکتا ہوں اور بلند درجہ پر پہنچنے میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہوں اور اگر[1] ظالم بنونگا تو سزا سے فلاح و نجات کا کوئی راستہ حاصل نہ کر سکونگا اور ہمیشہ کی بدبختی اور سزا کا مستحق ہو جاؤنگا۔ یہ آخری وعظ بھی سیاہ قلب عورت کو بیان کیا۔ گویا اس عورت کو فرما رہے ہیں کہ تم لونڈی کے درجہ سے نکلکر ملکہ کے درجہ پر آگئی ہو اور آئندہ بھی) تیرا خیال اور ارادہ ہے کہ میں ہمیشہ ملکہ رہوں اور عزیز مصر کی پیاری بیوی اور سب عورتوں سے میری عزت و آبرو زیادہ ہو اور ترقی پر رہے۔ اگر تو عزیز مصر کے پس غائبانہ ایسی فحش حرکت کریگی جو کہ خلاف فطرت ہے اور کبھی چھپ بھی نہیں سکتی اور صریح ظلم ہے تو تم کبھی اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوگی اور نہ ہی دنیاوی عذاب سے فلاح و رستگاری حاصل کر سکوگی۔

فاحشات و منکرات کبھی چھپ نہیں سکتے۔ زنا بڑا قبیح فعل اور گناہ کبیرہ ہے۔ یہ معاشرہ کو بگاڑ دیتا ہے اور انسانیت پر ظلم عظیم ہے۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ کا ضمیر اللہ کے لفظ کی طرف راجع ہوتا ہے جو معاذ اللہ میں موجود ہے۔ مگر میری ناقص رائے میں ہے کہ عزیز مصر کی طرف راجع ہے جو دونوں (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور ملکہ عزیز مصر) کے ذہن میں ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس عورت سیاہ قلب پر چونکہ ذرہ بھر بھی خوف خدا موجود نہ تھا۔ اسلئے اس کو عزیز مصر کے احسان اور خوف جتلایا جاتا ہے۔ جیسے عادی چور کو کہا جاتا ہے کہ پولیس سے ڈرو۔ کیونکہ اسے خوف خدا ہوتا تو چوری بھی نہ کرتا مگر ان کو پولیس کا خوف مسلط ہوتا ہے۔ اسلئے اس کو پولیس سے ڈرایا جاتا ہے۔ شاید اس عورت کی عصمت ملکہ بننے سے پہلے محفوظ نہ ہو اور در پردہ زنا کا فعل کیا جاتا رہا ہو)۔ مگر اس کی بدبو سے لوگ آگاہ ہو جاتے ہیں۔ زنا فحش فعل ہے۔ اس سے سوسائٹی بگڑ جاتی ہے اور (یہ فعل بد) انسانی سوسائٹی پر بڑا ظلم ہے۔ اس سے قتل

[1] جب

اور بڑے بڑے گناہ صادر ہوتے ہیں - ادنی فہم کے لوگوں اور بچوں کو کسی فعل سے منع کرتے
وقت کہو کہ یہ ظلم ہے اور ظلم نہ کرو تو ان کی فطرت اس ارادے سے باز آجاتی ہے -

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قوت ارادی اور ہمت سے اثر ڈالا اور پھر
سوسائٹی کے حقوق اور احسان سے اسکا دل نرم کیا مگر وہ سیاہ - پتھر دل عورت اپنے فریب
اور تدبیر سے باز نہیں آتی جیسے مثل مشہور ہے کہ

بیگم عزیز مصر کا اس خفیہ تدبیر کیلئے ایسے وقت کا انتخاب کہ جب عزیز مصر محل میں موجود ہو گا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے تقدس کو پامال کرنے کی بیگمات مصر کی "سازش" کو پورا کر رہی تھی -

ع باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ - نہ رود میخ آھنی در سنگ

اس سنگدل عورت پر حضرت یوسف علیہ السلام کے اس وعظ اور قوت ارادی نے اثر نہ کیا
بلکہ پہلے سے زیادہ بے شرمی کے ارادہ پر مضبوط ہوگئی اور کیسی فحش عورت کیوں نہ ہو کم از کم
امیر کے گھرانے میں رہتے ہوئے ایسے کھلم کھلا الفاظ اور حرکات استعمال نہیں کر سکتی - فطری
نسوانی شرم وحیا دامن گیر ہو جاتی ہے - مگر اس عورت میں نہ شرم وحیا تھی نہ خوف وخشیت الہی -
نہ حضرت یوسف علیہ السلام سے ذرہ بھر محبت وعزت تھی - بلکہ وہ کام جس پر اس کو بیگمات
مصر نے لگایا تھا - محکم ارادے سے سرانجام دینا چاہتی تھی یعنی اس کا ارادہ تھا کہ حضرت
یوسف علیہ السلام کے تقدس کے پردے کو پاش پاش کردے - یا اس کو اپنے خاندان سے بدنام
کر کے نکال دے اور ایسے نازک وقت میں جب کہ عزیز مصر بڑے دروازے اور پھاٹک کے
پائین گلشن میں آگئے ہیں - غلاموں اور لونڈیوں کو اس عورت نے استقبال کیلئے
بھیج دیا ہے اور خود بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو لیکر حاضر ہونا چاہتی ہے - عقل مند آدمی
سمجھ سکتا ہے کہ اس صورت (حالات) کا اصلی مقصد کیا تھا - اور پھر خیال اور غور کرنا چاہیے کہ حضرت یوسف
علیہ السلام اگرچہ غیر شادی شدہ نوجوان اور بھرپور طاقت والے ہیں مگر اس عورت کو ان کے
تقدس اور پرہیزگاری کا پورا پورا علم ویقین ہے - اگر اس عورت کے دل میں فریب نہ ہوتا

مدت تک بیگم عزیز کے گھر رہتے ہوئے اس سے پہلے ایسی خواہش کا اظہار کرنا دوسری دلیل ہے کہ یہ سازش ہے عرف حضرت یوسف علیہ السلام کے تقدس کو مجروح کرکے بدنام کرنے اور سلطنت سے نکالنے کیلئے تھی

تو ہرگز ہرگز حضرت یوسف علیہ السلام سے ایسی خواہش طلب نہ کر سکتی تھی۔ پھر خیال کرو کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت مدت تک اس کے گھر میں رہتے ہیں۔ اب جبکہ وہ عزیز مصر کے مختار الکل بنتے ہیں تب ان سے منکر فعل کی بڑے زور دار الفاظ سے خواہش کرتی ہے۔ اس سے پہلے ایسی خواہش کیوں پیش نہیں کرتی۔ ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دل میں قبولیت کا مادہ نہ ہو تو موثر ترین وعظ بھی موثر ثابت نہیں ہو سکتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا وعظ پوری ہمت اور قوت ارادی سے ایٹم بم کی مانند[1] موثر تھا۔ مگر اس عورت کے لوہے کو نرم نہ کر سکا بلکہ یہ عورت گرسنہ گرگ کی مانند حضرت یوسف علیہ السلام کے تقدس کو پھاڑنے کیلئے تیز دندان ہوجاتی ہے۔

آیت نمبر ۲۴۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝

ترجمہ۔ البتہ اس عورت نے پوری ہمت سے اسکا قصد کیا۔ اور وہ بھی قصد کر لیتا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی۔ یوں ہی ہوا تاکہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور بےحیائی۔ البتہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا۔

لفظ هَمَّتْ کی لغوی اور ادبی تحقیق

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ پر جملہ ختم ہو جاتا ہے یہی فیصلہ ہے ابن حزم کا اور امام فخر الدین رازی اسکو ترجیح دیتے ہیں۔ علم ادب عربی کے قوانین میں مسلّم یہ[2] ہے کہ ولقد همت بہ کے اوّل جملہ قسم محذوف ہوتا ہے۔ اصل کلام یوں ہے۔ وَاللّٰهِ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس نے پوری ہمت اور طاقت سے کام کیا۔ هَمّ کے لفظ کا معنی لغت کے اعتبار سے بڑی طاقت اور ارادے سے کسی کام کی طرف توجہ کرنا اور اس کی انجام دہی کے سب اسباب اپنے ہاتھ اور قبضہ میں کر لینا۔ اور قرآن حکیم میں یہ لفظ متعدد جگہ وارد ہوا ہے اور موارد استعمال میں اصلی معنی ہر ایک کلمہ کا معلوم ہو سکتا ہے۔ [a]

۱۔ مرجب
۲۔ مسلّم ایدی قانونی

[a] قرآن کریم میں لفظ هَمَّ دو جگہ آیا ہے ایک بار ۵: ۱۱ میں اور دوسری بار ۱۲: ۲۴ میں
اور لفظ هَمَّتْ چار جگہ آیا ہے ایک بار ۳: ۱۲۲، دوسری بار ۴: ۱۱۳، تیسری بار ۱۲: ۲۴ اور چوتھی بار ۵: ۱۱ میں
اور لفظ هَمُّوْا دو جگہ آیا ہے ایک بار ۹: ۱۳ اور دوسری بار ۹: ۷۴ میں
اور اَهَمَّتْهُمْ ایک جگہ آیا ہے یعنی ۳: ۱۵۴ میں۔

چنانچہ سورہ حٰمٓ المومن میں ہے ۔ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ[1] ۔
مفسرین اس کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں کہ تھمت وحرصت کل امۃ برسولہا لیجعلوا اخیذا او قتیلا یعنی ہر امت نے اپنے نبی اور رسول کے مارنے میں بڑے حرص سے بختہ ارادہ کر لیا تھا تاکہ اس کو اسیر بنائیں یا قتل کریں ۔ اور سورت توبہ میں ہے وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ[2] یعنی ان کفار نے دارالندوہ میں پورے اہتمام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالنے کی تدبیر سوچی تھی اور سورت توبہ میں دوسری جگہ ہے وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا[3] یعنی ان منافقوں نے پورے اہتمام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ تبوک میں ایک ایک نازک ترین پہاڑی چڑھائی سے گرانے کی تدبیر سوچی تھی ۔ مگر کامیاب نہ ہوئی ۔ ان موارد استعمال سے ھَمَّتْ کا معنی خوب طرح ذھن نشین ہو سکتا ہے ۔ فقط ارادہ اور قصد نہ تھا ۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وعظ سے اس سیاہ قلب عورت کا لوھا سخت گرم ہو کر اس کے جلانے کا اہتمام کیا ۔ ایسا اسکو تنگ پکڑا کہ راہ نجات اور خلاصی نہ رکھی ۔ جیسے مرغ کے گلے میں دام پڑتا ہے اگر زور لگاتا ہے تو اس کا سر تن سے جدا ہوتا ہے اگر آرام کرتا ہے تو شکاری کا لقمہ بنتا ہے ۔

جیسے قریش نے دارالندوہ میں خفیہ سازشی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کر کے نوجوانوں کو اسلحہ دیکر رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابگاہ پر مسلط کر دیا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خوابگاہ میں تھے ۔ اللہ تعالیٰ قدوس نے ان قاتلوں پر ایسی غفلت طاری کی کہ آپ دروازہ سے نکل کر باہر چلے گئے ۔ اس سے معنی ھَمَّتْ بِہٖ کا سمجھنا چاہیے ۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ مفسرین محققین راسخین فی العلم کا یہی قول ہے ۔

[1] اس سورت کو سورۃ غافر بھی کہتے ہیں ۔ یہ آیت اس سورت کی آیت نمبر 5 ہے ۔ سورت کا صفحہ نمبر 40 ہے ۔

[2] ۹: ۱۳

[3] ۹: ۷۴

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ کا جملہ جُدا ہے اس کا جملہ وَهَمَّ بِهَا لولا سے تعلق نہیں ہے۔

اب ہم اس کے بعد جملہ وَهَمَّ بِهَا لولا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کا بیان شروع کرتے ہیں

علم عربی کی گرامر یعنی صرف نحو یا علم ترکیب کے دو سکول ہیں۔ ایک بصرہ کا سکول

اور بصرہ ایران کی کلید ہے۔ دوسرا کوفہ کا سکول۔ اس کوفی سکول کے پروفیسر ادب عربی

کے الفاظ کے استعمال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں کیونکہ عرب کے قریب ہیں۔ اب

بصری سکول والے کہتے ہیں کہ لَوْلَا جو شرط کا لفظ ہے اس کا جواب لولا سے پہلے

نہیں آتا۔ کیونکہ اس کی مثال نہیں ملتی کہ هَمَّ بِهَا کو لَوْلَا سے متصل کریں اور کوفی سکول والے

کہتے ہیں کہ ایسے حروف کا جواب کبھی اوّل بھی آجاتا ہے۔ جیسے سورہ قصص میں ہے اِنْ كَادَتْ

لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَا اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا[1] اور کبھی محذوف ہوتا ہے جیسے سورت نور میں ہے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[2] اب ہماری بھی یہی ہے کہ جملہ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا الآیہ

جُدا جملہ ہے۔

میری ناقص رائے میں ہے کہ وَهَمَّ بِهَا کے لفظ هَمَّ کا، وہی معنی اور مطلب نہیں ہے

جو کہ هَمَّتْ بِهٖ میں ہے۔ جیسا

اَلَا لَا يَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَيْنَا فَنَجْهَلُ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِيْنَا

عربی علم ادب کے ماہر طلبہ اس سے واقف ہیں۔ اب اس هَمَّ بِهَا میں الباء للسببية

لا للالصاق (یعنی با سبب بتلانے کیلئے لایا گیا ہے۔ یعنی اس جملہ میں با سببیت کا ہے

الصاق کیلئے نہیں)

(اور هَمَّ کا معنی غم۔ پریشانی اور ہمت ہارنے اور غم میں مبتلا ہو کر بے ہوش ہو جانے کے ہیں۔

پس ہم هَمَّ بِهَا کا معنی یوں کریں گے کہ اس عورت کے حملہ کے سبب سے حضرت یوسف علیہ السلام

غمناک ہو جاتے اگر اس کو اپنے آقا کے احسان کا نقشہ سامنے نہ آجاتا۔ حساس طبع

[1] 10 : 28

[2] 10 : 24

غم کا اثر ہمت پر

انسان پر جب غم حملہ کرتا ہے تو ہمت سے کام نہیں کر سکتا۔ اسلئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے
لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ۔

هَمَّ بِهَا کا ایک مفہوم باہمت رہنا

هَمَّ بِهَا کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس عورت کی زبردستی اور تحکم کے سبب سے غم اور
پریشانی میں غرق ہو جاتے اور بے ہوش ہو جاتے یا غم اور پریشانی سے وہاں گر پڑتے اور اس عورت کو
پکڑنے کا موقع مل جاتا حضرت یوسف علیہ السلام جیسے گڑھے میں ڈالنے کے وقت اطمینان اور
سکون قلب سے تھے اسی طرح اس موقع پر بھی وہ ویسے ہی مضبوط اور باہمت رہے۔

خیر و شر کا باہمی ردِ عمل

حضرت مولانا سندھی قدس سرہ تفسیر سورہ یوسف میں فرماتے ہیں کہ مجرم جسقدر جرم میں ترقی کرتا
رہتا ہے ۔ اسی قدر اس کے بالمقابل نیک آدمی نیکی میں بڑھتا جاتا ہے ۔ یہ ری ایکشن قدرتی قاعدہ ہے
یعنی اگر کسی محلے میں بدباطن آدمی اور نیک طبع آدمی موجود ہونگے ۔ جسقدر بدطینت آدمی کی رفتار تیز
ہوگی اسیقدر سلیم الفطرت انسان اعلیٰ اخلاق کی طرف ترقی کرتا چلا جائیگا۔ جب یہ عورت اپنے
برے ارادہ میں ترقی کر گئی ۔ اس کے بالمقابل یوسف علیہ السلام سست رفتار نہ رہے ۔ جنگ جیسے نازک

جنگ میں اسلحہ اور جائے پناہ مقدمہ بازی میں سچی دستاویز اور گواہی غم و ہم سے بچانے میں مفید ثابت ہوتے ہیں

موقع پر ایسے لوگ قتل اور اسیر ہو جاتے ہیں جن کے پاس جنگی اسلحہ و ہتھیار نہ ہوں اور جائے پناہ
بھی نہ ہو۔ اسیطرح مقدمہ بازی میں سچا آدمی تب مغلوب ہوتا ہے جب اس کے پاس بھی دستاویز اور
اور سچے گواہ نہ ہوں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام سچے تھے اور انکے پاس سچی دستاویز تھی ۔ اسلئے
اس کے دل میں عورت سے کوئی غم اور ہم نہ ہوا ۔ اگر ان کے پاس سچی سند نہ ہوتی یعنی سچی
سند و حجت و برہان نہ دیکھتا تو ضرور اس هَمّ و غم اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ۔

برہان یا حجت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ ایسی دلیل یا دستاویز جس سے مخالف پر غلبہ حاصل ہو اور بالکل روشن ہو ادنیٰ فہم والا انسان بھی قبول کرنے میں تردد نہ کرے اور تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔

بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۔ حجت اس دلیل یا دستاویز کو کہا جاتا ہے ۔ جس سے مخالف پر غلبہ حاصل
ہو اور برہان ایسی دلیل کو کہا جاتا ہے جو بالکل روشن ہو ۔ ادنیٰ فہم والا انسان بھی اس کو قبول کرنے
تردد نہ کرے اور تمام شک و شبہات اس سے دور ہو جائیں ۔ مخالف انسان بھی اس سے بالکل مغلوب

ہوجائے اور سب دعوے چھوڑ کر دستبردار ہوجائے۔

اب سوال یہ ہے کہ کون سا بُرھان تھا اور دوسرا سوال ہے کہ یہاں رَبّ سے کس ہستی کی طرف اشارہ ہے۔ عام مفسرینؒ جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی ارادہ کر لیا تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ ولیسا ہی انہوں نے بُرھانَ رَبِّہٖ سے یہ مراد لیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس نے صورت دیکھی یا کہتے ہیں اس سے مراد نبوت ہے یا کہتے ہیں کہ اس نے جبرائیل علیہ السلام کی صورت دیکھی۔ یا کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کی آیت لکھی ہوئی دیوار پر دیکھی۔ یا کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر ایسا پر مارا جس سے اس کی شہوت کا تقاضہ انگشتوں سے نکل گئی۔ مگر یہ روایت سند صحیح سے ثابت نہیں ہوتی جس پر یقین کا دارومدار ہوتا ہے۔ اور دوسرا فساق کو بھی کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ باوجودیکہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھا۔ تو ایسے وقت میں بچ نہ سکتے تھے اگر ایسے وقت بُرھان ان کی دستگیری نہ کرتی۔ اگر ایسے برھان ہماری بھی دستگیری کریں تو ہم بھی بچ جائیں گے مگر قرآن حکیم میں انسان کو تعلیم دی جارہی ہے کہ انسان میں فطرت سلیمہ موجود ہے کہ اپنی والدہ ایسی خلاف فطرت حرکت کا خیال کوئی سلیم فطرت مرد نہیں کر سکتا۔ اور قرآن حکیم صحیح فطرت کی تعلیم دیتا ہے۔ ہر ایک قصہ اور بات کو عجوبہ پر محمول کرنے کی عادت ہمارے علماء میں پڑ گئی ہے۔

اسلئے سارے انبیاء علیہم السلام کے کارنامے جو کہ فطرت سلیمہ کو بیدار کرنے کیلئے ہوتے ہیں ہمارے وعظ گو انہیں ایک ایک معجزہ یا کرامت کا تذکرہ کر دیتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم اخلاق دینے والے معلم اپنی جماعت کو اعلیٰ اخلاق سکھانے کیلئے ایسے بزرگوں کی صحبت کی ترغیب دیتے ہیں۔ جن میں اعلیٰ اخلاق عملاً موجود ہوں۔ جب اعلیٰ خُلق متعلمین کی فطرت بن جائیں تو اُن کو بداخلاق لوگوں کا نمونہ بھی دکھاتے ہیں تاکہ انہیں تمیز اور آگاہی⁽¹⁾ پیدا ہوجائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کا تجربہ تو معلوم تھا۔ اب انہیں بداخلاق

> بُرھانَ رَبِّہٖ کی تفسیر کے بارے میں عام مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔

> انبیاء علیہم السلام کے کارنامے "فطرت سلیمہ" کو بیدار کرنے کیلئے ہوتے ہیں۔

(1) CONSCIOUSNESS.

بداخلاق لوگوں کا تجربہ بھی دکھایا گیا ۔ تاکہ اس بد خلقی کا استیصال اور بیخ کنی ضروری سمجھیں
اور ان کی صحبت سے حذر کریں - اور پرہیز کرنا ضروری سمجھیں -

برہان ربہ کا ایک مفہوم عزیز مصر کے احسان کا نقشہ

اسلئے ہماری ناقص رائے میں ہے کہ بُرْهَانَ رَبِّهٖ سے مراد عزیز مصر کے احسان کا نقشہ
ان کے سامنے آگیا - شریف طبع انسان کسی شخص کا ادنی درجے کا احسان بھی فراموش نہیں کر سکتا
چہ جائیکہ وہ معلم اخلاق ہو - حضرت یوسف علیہ السلام شریف کریم ابن شریف کریم ابن شریف کریم ابن شریف کریم علیہم السلام تھے[1]
وراثۃً انہیں شرافت اور بزرگی ملی - اپنی نسبی بزرگی بشرافت اور حسبی بزرگی اور شرافت سے
بخوبی واقف تھے کہ ان کے بزرگ سب کے سب معلم اعلیٰ اخلاق تھے - اور پھر خود بھی معلم
اخلاق ہیں - ان سے بداخلاقی اور احسان فراموشی کی توقع بھی نہیں ہوسکتی اور عزیز مصر کے
احسانوں کا نقشہ سامنے تھا اور ان احسانوں کو برائی العین دیکھ رہے تھے - اس سبب سے
ان کا قلب مضبوط اور ارادہ قوی تھا کہ ایسے فعل کا ان میں وہم بھی نہ آیا - میری رائے میں
وہ جملہ جو تورات میں مذکور ہے کہ "اس عورت نے اس کا پیراہن پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر
ہو جاؤ اور وہ (یوسفؑ) اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا" - غلط ہے

تورات کی اس عبارت سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بے بسی اور عاجزی کی حالت
میں پیراہن چھوڑ کر بھاگے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام پر اتنا غم واندوہ طاری ہوگیا اور لاچار
ہوگئے کہ اپنا پیراہن اس کو اتار دیا اور آپ باہر نکل گئے -
اس آیت شریف میں وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ سے تورات کی اس عبارت کو
رد کرنا مقصود ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نہ اس عورت سے خوفزدہ ہوئے نہ اپنا پیراہن اس

[1] حضرت یوسفؑ بن حضرت یعقوبؑ بن حضرت اسحاقؑ بن حضرت ابراہیمؑ

کے ہاتھ میں چھوڑا بلکہ اس کا ارادہ عصمت مضبوط رہا کیونکہ ان پر عزیز مصر کے احسانات ایسے روشن اور واضح تھے جس سے گویا وہ عزیز مصر کو دیکھ رہے تھے اور اپنے عہدۂ وزارت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اتنا بڑا آفیسر اس نالائق عورت سے کیسے ڈرتا ہے ہرگز نہیں ڈر سکتا نہ اپنے تن کا پیرہن اس کو اتارنے دیتا ہے۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ قرآن حکیم تورات میں مذکور غلط قصے۔ کہانیوں اور باتوں کو رد کرتا ہے اور صحیح واقعات بیان کرتا ہے

قرآن حکیم کے بارے میں ایک یورپین مورخ کے ریمارکس

ایک منصف مزاج یورپین مؤرخ نے قرآن حکیم پر کیا خوب ریمارکس دیئے ہیں کہ قرآن حکیم نے صحیح واقعات تورات کے سب بیان کر دیئے ہیں اور باقی جو کچھ تورات میں بچا ہے وہ ایسا ہے کہ اس کو دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ ریمارک کسی زمانے میں اخبار الوکیل میں شائع ہوا تھا [1]

یہ تحقیق راقم الحروف [2] کی ہے اب آگے مولانا سندھی کا مضمون بیان ہوتا ہے یعنی تنزلاً اگر ہم مان لیں کہ برہان ربہ سے اور ھم بھا سے وہی مراد ہے جو عام مفسرین بتاتے ہیں تو ہم اسکی توجیہ اور تاویل کرکے یہ نتیجہ نکالتے ہیں اور قرآن حکیم کی اصطلاح میں اکثر تاویل کا معنی نتیجہ ہوتا ہے۔ مثلاً یوم یأتی تاویلہ یعنی میری اس تعلیم کا جس دن نتیجہ نکلیگا یعنی ہم کو غلبہ حاصل ہوگا تو تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ اُلٹا اس دن تم عذاب اور شکست میں مبتلا ہوگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اعلیٰ خاندان سے ہیں جن کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کے وارث حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں یہ سب بزرگ اپنے اندر اعلیٰ تخیل رکھتے ہیں۔ یہ اعلیٰ تخیل حضرت یوسف علیہ السلام کے دماغ میں محفوظ ہے اور اعلیٰ مقاصد ان کے پیش نظر ہیں۔ ہر ایک انسان اپنے اخلاق کا خود محافظ ہے اور خود

[1] اخبار الوکیل - مطبوعہ ـــــ ، شمارہ ـــــ ، سال ـــ ،
اس یورپین مورخ کا نام تھا ....

[2] مولانا انصاری

فیصلہ کر سکتا ہے کہ اُسے فلاں کام کرنا چاہیے یا نہ کرنا چاہیے - اخلاق کا مادہ انسانی فطرت سلیمہ میں موجود ہوتا ہے - اُسے ترقی دینے کیلئے کوشش کرنی چاہیے اور بیرونی بداخلاقی کے دباؤ میں اُسے نہ آنا چاہیے - مجبوری کے وقت اللہ تعالیٰ قدوس سے عاجزی کر کے اسی کی پناہ میں آجائے

اخلاق کا مادہ انسانی فطرت سلیمہ میں موجود ہوتا ہے۔ اُسے ترقی دینے کیلئے کوشش کی ضرورت ہوتی ہے

اخلاق کی حفاظت کا یہ عمدہ طریقہ ہے - یہ بداخلاق عورت تمام شرم وحیا عزت وآبرو کو بالائے طاق رکھکر حضرت یوسف علیہ السلام کو پُھسلاتی ہے اور اہتمام سے دروازے بند کر کے ننگی حالت اور ننگے الفاظ سے اُن پر تحکم کے زور سے دباؤ ڈالتی ہے مگر حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ قدوس کی پناہ ڈھونڈتے ہیں اور کہتے ہیں یا اللہ میں عاجز ہوں تو مجھے پناہ دے پھر اسی عورت کو عزیز مصر کے احسان بتلاتے ہیں کہ ایسے محسن کے گھر میں خیانت کرنا بڑا ظلم ہے اور ظالم کبھی ترقی نہیں کر سکتا - غرض حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ عورت جو بداخلاقی کی تعلیم دے رہی ہے اس سے حضرت یوسف علیہ السلام بچتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ بداخلاقی ظلم ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ انسان کا دماغ اس قدر خراب ہو جائے کہ ظلم کو اچھا سمجھے - انسان میں جب تک انسانیت موجود ہے وہ ظلم کو کبھی اچھا نہیں سمجھیگا - اگر کسی انسان کو بداخلاقی سے روکا جائے اور وہ

اخلاق کی حفاظت کا عمدہ طریقہ خدا کی پناہ میں آجانا ہے

بداخلاقی ظلم ہے جب تک انسان میں انسانیت باقی رہتی ہے وہ ظلم کو اچھا نہیں سمجھتا

باز نہ آئے بلکہ بدستور کرتا رہے - اسکا صحیح علاج یہی ہے کہ اس برائی کو ظلم سے ملحق کر دیا جائے اُسے سمجھایا جائے کہ بداخلاقی ظلم ہے اور فطرت انسانی میں ظلم سے تنفر امانت رکھا گیا ہے - اسلئے انسانی دماغ خود سمجھ لیتا ہے کہ بدخلقی ظلم ہے اور مجھے اس کے نزدیک نہیں جانا چاہیے جن لوگوں نے بداخلاقی سے روکنے اور اچھے اخلاق پیدا کرنے کیلئے اس کے سوا اور قوانین قرار دیئے ہیں وہ لوگ درحقیقت اپنی بات اور لوگوں کو نہیں سمجھا سکتے اور لطف یہ ہے کہ وہ توقع رکھتے ہیں کہ لوگ ان کے قوانین کے پابند ہو جائیں - اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے ان قوانین نے انسانی سوسائٹی کو برباد کر دیا ہے اور ان کے یہ قوانین جن پر انسان عمل

فطرت انسانی میں ظلم سے نفرت امانتاً موجود ہوتی ہے اسلئے انسانی دماغ بدخلقی کو محسوس کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے

اخلاق حمیدہ پیدا کرنے کا یہی بہترین اصول ہے -

انسان کو بات سمجھائے بغیر اس کو عمل کرانے کی کوشش کرنا درحقیقت اس پر بوجھ ڈالنا ہے۔ بات کی حکمت سمجھ میں آجائے تو خودبخود طبیعت عمل پر مائل ہو جاتی ہے۔

نہیں کر سکتا حقیقت میں انسانیت پر ناجائز دباؤ اور بوجھ ہیں۔ جب انسان کو کوئی بات سمجھائی نہیں جا سکتی تو اس بات پر عمل کرنے کا زور دینا درحقیقت اس پر بوجھ ڈالنا ہے انسان کی عقل خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ یہ کام غلط ہے یا صحیح۔

بعض اوقات عقل کا فیصلہ انسان کے جذبات کو روکنے کیلئے کافی نہیں ہوتا۔ یعنی بعض اوقات ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے جذبات کو روک نہیں سکتا حالانکہ عقل اسے مشورہ دیتی ہے کہ یہ بدخلقی ہے مگر اس کے باوجود جذبات کا ہیجان نہیں رکتا۔ اس کے ہیجان کا آخری درجہ یہ ہے کہ کام کا ہونا شروع ہو جائے۔ جیسے ایک بندوق ہے اسمیں گولی بھردی جائے مگر گولی چلانے سے پہلے اس آدمی نے اپنا ہاتھ روک لیا اور گولی نہ چلائی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے فعل سرزد نہ ہوا۔ اسیطرح جب جذبات میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور تمام بدن میں اس کا اثر نمودار ہوگا اور پھر وہ اثر آخری درجہ تک آجائے اور آدمی عین اس وقت سنبھل جائے تو وہ گناہ سرزد نہیں سمجھا جائیگا۔

گناہ سرزد ہونے پر ہی گناہ لکھا جاتا ہے اگر اس سے قبل ہی ہاتھ روک لیا جائے تو گناہ نہیں لکھا جاتا

فرشتے اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کیونکہ ان کے اندر جذبات کا ہیجان ہی نہیں ہے اسی واسطے وہ خاک سمجھیں ؟۔

ہیجانی کیفیت میں انسانی عقل مغلوب ہو جاتی ہے اور جذبات کو دبانے سے قاصر رہتی ہے

اب جب یہ حالت ہے کہ انسان میں جذبات کا ہیجان پیدا ہو گیا اور تمام بدن میں اس کا اثر پیدا ہو گیا تو اس وقت عقل مغلوب ہو جاتی ہے کیونکہ وہ جذبات کو دبانے سے قاصر ہے۔ اس وقت انسان کے اندر سے ایک مخفی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام تصوف کی اصطلاح میں لطیفہ سرّیہ رکھا گیا ہے۔ یہ لطیفہ سرّیہ ہر ایک انسان کے اندر موجود ہے۔ جیسے

لطیفہ سرّیہ کی حقیقت :

انسان مادی اشیاء کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اسیطرح یہ لطیفہ روح کیلئے آنکھوں کا کام دیتا ہے۔ اس سے غیر مادی اشیاء کو دیکھ سکتا ہے۔ یعنی عالم مثال کے واقعات یا

لطیفہ سریہ کی قوت سے ظلم کا بھیانک انجام آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے تو انسانی جذبات سرد ہو جاتے ہیں اور ظلم و بد اخلاقی سے بچ جاتا ہے انسان

یا ملائکہ یا بزرگوں کی ارواح کو اس لطیفہ کے سبب سے خواب میں یا بیداری میں مشاہدہ کر سکتا ہے جب جذبات کے هیجان کو عقل روکنے سے قاصر ہو گئی یعنی پہلے اسے عقل نے سمجھایا مگر وہ نہ سمجھ سکا اسی واسطے اب لطیفہ سریہ کی قوت نے اسکی آنکھوں کے سامنے اس ظلم کا نہایت بھیانک منظر پیش کر دیا اور اس نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتا ہے اور اس ظلم (بد اخلاقی) سے ہٹ جاتا ہے لطیفہ سریہ چونکہ انسانی روح کی آنکھ تھی۔ اس سے اس بد اخلاقی (ظلم) کا نتیجہ بر نظر جا پڑتی ہے۔ جذبات کے هیجان پر پانی پڑ جاتا ہے اور جذبات سرد ہو جاتے ہیں

لطیفہ سریہ کے ذریعے سمجھانے کے دو درجے ہیں
۱۔ ادنی درجہ
۲۔ اعلی درجہ

لطیفہ سریہ کے ذریعے سمجھانے کے دو طریقے ہیں ۱۔ ایک ادنی ۲۔ دوسرا اعلی۔ ادنی درجہ یہ ہے کہ محسن کے احسانوں کا نقشہ اس کے سامنے لا کھڑا کر دیتا ہے یا اپنے باپ دادا کی شرافت کا نقشہ ان کے سامنے آجاتا ہے یا استاد اور مرشد کی محبت کا اثر اندر سے پھوٹ نکلتا ہے۔ ایسے امور سے عقل میں ایک قسم کا غلبہ ظہور میں آجاتا ہے اور جذبات مغلوب ہو جاتے ہیں یا کسی اور شریف النفس آدمی کے دل میں وہاں پہنچنے کا خیال آجاتا ہے یا کسی حیوان کو وہاں پہنچا یا جاتا ہے۔ غرض کہ یہ سب حسب فطرت سلیمہ کے قانون کے اندر ہوتے ہیں

۲۔ دوسرا درجہ اعلی ہے۔ تصوف کے قوانین کے مطابق اگر کسی اہل اللہ سے تصفیہ لطائف ستہ یعنی چھ لطیفوں کے تصفیہ کی مشق سیکھی جاوے۔ چھ لطیفے یہ ہیں ۱۔ نَفسی۔ ۲ قَلبی ۳۔ رُوحی ۴۔ سِرّی۔ ۵ خَفی ۶۔ اَخفیٰ۔ ان لطائف کے تصفیہ کی مشق اہل اللہ اپنے اپنے مذاق کے موافق سکھاتے ہیں اور بڑے جذبہ والے اہل اللہ کی صحبت سے آہستہ آہستہ ان لطائف کا تصفیہ ہو جاتا ہے بشرطیکہ سالک صاحب استعداد ہو۔ ورنہ اہل اللہ کو ذکر اذکار اور شغل اشتغال کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ سب حسب استعداد سالک پر موقوف ہے۔

بلا مشقت فقط توجہ سے اکثر اہل اللہ قدیماً و حدیثاً تصفیہ نہیں کراتے۔ کیونکہ اکثر سالک اس کی قدر نہیں کرتے۔ جب سالک ذکر اذکار کی مشق یہاں تک کر لیتے ہیں کہ مرشد کی محبت ان پر غالب آجاتی ہے تو پھر توجہ کر کے یکدم اس کو بڑھا دیتے ہیں بشرطیکہ مرشد میں قوت ارادی کامل ہو اور اہل جذبہ میں سے ہو۔[1]

عربی ذہنیت کے مطابق تصفیہ لطائف کا دستور۔

جبتک مسلمانوں کی عربی ذہنیت تھی اور قرآن حکیم کے معانی سے زیادہ تعلق تھا اور ان کی زبان بھی عربی رہی اور دفتری زبان بھی عربی رہی۔ اسی زمانہ میں تصفیہ لطائف کا اور دستور تھا اور مراقبہ کا دستور یہ تھا کہ اہل اللہ سالک کو کسی آیت قرآنی کی تعلیم دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اس آیت کے مطالب اور معانی کو سامنے حاضر کر کے اپنی تمام دماغی قوت کو اس پر جمع کرو۔ مثلاً آیت إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یا نحن اقرب الیہ من حبل الورید یا ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر وغیرہ۔ اسطرح کے جملے سکھاتے تھے تاکہ سالک پر محویت طاری ہو جائے اور مرشد سے نسبت پیدا ہو جائے۔

غیر عربی ذہنیت کے مطابق متاخرین اہل اللہ کا تصفیہ لطائف کا طریقہ۔

جب مسلمانوں میں ایرانی یا تورانی ذہنیت آگئی تو متاخرین اہل اللہ نے فلسفۂ لطائف پر غور کر کے ایک اور طریقہ نکالا جو کہ پہلے طریقے سے آسان اور سہل تھا۔ پہلے طریقہ میں شریعت پر عمل کرنا اور ہر ایک کام میں نیت و اخلاص۔ تقویٰ و طہارت اوّل سبق تھا اس کے بعد مراقبہ کی تعلیم دیتے تھے۔ احیاء العلوم[2] پرانے طریقہ کی کتاب ہے۔

نئے طریقۂ تصوف کے امام شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس سرہٗ اور شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ جیسے بزرگ ہیں۔ انہوں نے تصفیہ لطائف کو مقدم رکھا جس سے محبت الٰہی اور خوف و خشیت الٰہی شعلہ مار کر پھوٹ نکلے۔ جس سے شریعت پر عمل کرنا فطرت بن جاتی ہے اور سالک کا ضمیر[3] بیدار ہو جاتا ہے

ا۔ سے

[2] یہ امام غزالی کی تصنیف ہے۔ اس کا ترجمہ اردو میں مذاق العارفین کے نام سے چار جلدوں میں نو لکشور پریس لکھنؤ سے ... اور Revival of Religious Sciences کے نام سے انگریزی میں اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

اسی کیطرف ایک شاعر نے اشارہ کیا ہے۔[1]

ے صنما رہ قلندری ار بما نمائی - کہ دراز دور دیدم رہ و رسم پارسائی

تصور شیخ (شغل برزخ) کو علماء نے ممنوع قرار دیا کیونکہ کم عقل سالک شیخ کو حاضر و ناظر سمجھنے لگے اور بت پرستی کے قریب ہو گئے۔

پہلے یہ بزرگ سالک کو ذکر کی تعلیم دیکر اس پر قوت ارادی سے توجہ کرتے ہیں۔ جس سے اس کے قلب پر اثر پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اس کو تاکید کرتے ہیں کہ اس صحبت کو یاد رکھو یعنی ایسا سمجھو کہ میں مرشد کے حضور میں ہوں تاکہ یہ لذت بھول نہ جائے تصور شیخ کے شغل کا نام برزخ رکھا گیا۔ اس سے بہت جلد ترقی ہونے لگی مگر ساتھ ہی ساتھ کم عقل سالک شرک میں جا پڑے یعنی شیخ کو حاضر و ناظر سمجھنے لگے اور اذکار سے اس شغل برزخ کو زیادہ اہم سمجھنے لگے اور بت پرستی کے قریب ہو گئے۔ علماء راسخین فی العلم نے اس شغل برزخ پر رد لکھنا شروع کیا اور ممنوع قرار دیا۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس سرہ نے اس کی اصلاح کر دی۔ آپ سالک کے قلب پر اپنی انگلیوں کے اشارے سے لفظ اللہ لکھدیتے تھے یا لفظ اللہ ان کو کاغذ پر لکھ دیتے۔ حسب استعداد سالک پھر اس مجلس کی یادگیری کی تاکید بھی فرماتے۔ اس اصلاح کو اہل علم نے تسلیم کر لیا۔ اسمیں دونوں مشقیں اور ریاضتیں آجاتی تھیں۔ اسم جلالہ کی مشق اور تصور شیخ یعنی شغل برزخ کی مشق۔ اس مشق سے تصفیہ لطائف اور رابطہ شیخ نہایت سہل طریقے سے ترقی کرتا رہتا تھا۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس سرہ نے اصلاح فرمائی جسے اہل علم نے تسلیم کر لیا۔ اس مشق سے تصفیہ لطائف اور رابطہ شیخ نہایت سہل طریقے سے ترقی کرتا رہتا تھا

دہرمشق

حدیث میں آتا ہے۔ صحابہ میں سے ایک نے روایت فرمائی[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاندنی رات میں سرخ ازار اور چادر پہنے ہوئے نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں چمک رہی تھیں اب بھی میں اس کو دیکھ رہا ہوں وہ صحابی اتنا فرما کر رونے لگے یعنی اس صحبت کی تاثیر یاد آگئی۔ بس تصور شیخ یہ ہے تاکہ اس تاثیر سے غفلت نہ ہو او کما قال الراوی

۱- حدیث فرمائی

لہ حافظ شیراز۔ دیوان ـــ صفحہ ـــ

سے ـــ ـــ باب ـــ صفحہ ـــ مطبوعہ ـــ

سال سنہ۔

اب ہر ایک لطیفہ یعنی قلبی و روحی کے کمال تصفیہ کے بعد درجہ لطیفہ سریہ کا آتا ہے جب لطیفہ سریہ اپنی کمالیت کو پہنچ جاتا ہے ۔ اس طریقہ سے مرشد کی صورت خود بخود آجاتی ہے اور اس کی صورت سالک کے سامنے خود بخود آجاتی ہے تو یہ کوئی بری بات نہیں ۔ نہ کسی عالم نے نہ کسی فقیہ نے اُسے بُرا سمجھا ہے ۔ ہاں فقط فقہا نے اس بات سے منع کیا ہے کہ مرشد کی صورت کو اپنی ہمت اور قوت ارادے سے نماز میں حاضر نہ کرے ۔ کیونکہ نماز (صلوٰۃ) اسلئے قائم کی گئی ہے کہ اسمیں فقط توجہ الی اللہ ہونا ضروری ہے اور جو تسبیحات ۔ تکبیرات اور قرأت قرآن نماز میں پڑھی جاتی ہے ۔ اپنی تمام ہمت سے اس پر غور کرے اور صوفیائے کرام تو یہانتک تشدد کرتے ہیں کہ نماز میں ٹکٹکی باندھ کر بیت اللہ کو بھی نہ دیکھتا رہے کہ اس فعل سے خشوع خضوع الی اللہ میں کمی آجاتی ہے فقط تکبیروں کے وقت قبلہ پر نظر کر کے نماز شروع کرنا چاہیے ۔ پھر اللہ تعالیٰ تقدس کے اسماء وصفات میں اور معانی قرآن حکیم اور تسبیحات میں غرق ہو جائے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے شبرهان کے بارے علماء کی رائے ۔

علماء کی بڑی جماعت اس کے جواز کی ابتک قائل ہے[1] ۔ علماء کی جماعت اسی آیت کو دلیل اور شہادت کے طور پر پیش کرکے[2] کہتے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا برھان یہی تھا کہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل دیکھی اگرچہ کسی سند صحیح سے یہ بات ثابت نہیں مگر عام مفسرین نے ، یہی لکھا ہے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے برھان کے بارے مولانا لغاری کی رائے ۔

ہماری رائے ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لطیفہ سریہ کی اصلاح اور کمالیت حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں ہو چکی تھی # ۔ جب لطیفہ سریہ اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو سالکین کو کبھی تو ملاء اعلیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ تقدس کی تجلی نظر آکر اُنکا[3] کوئی مشکل مسئلہ حل کر دیتی ہے ۔ اور کبھی انکے مرشد کی صورت میں انکو سبق دیا جاتا ہے اور کبھی ان کو عالم مثال کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اور جب ایسے شخص پر کوئی مصیبت

۱ ۔ ہیں
۲ ۔ کرتے ہیں
۳ ۔ انکو
۴ ۔ وسکو

آجاتی ہے تو اس لطیفہ سریہ کے ذریعہ اسکو[1] فلاحی کی راہ سمجھا دی جاتی ہے[2] ۔ یا کوئی[3] بزرگ انسان یا ملائکہ میں سے ان کو نظر آجاتا ہے اور اس مصیبت سے بچنے کی تدبیر بتلا دیتا ہے تو اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو اس ابتلاء اور امتحان کی نازک گھڑی میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی تصویر جو محبت کے طور ان کے قلب میں چھپی ہوئی تھی ظاہر ہوگئی ہوگی تو کوئی تعجب کی بات نہیں یا کوئی آواز اندر سے پھوٹ نکلی ہو تو بھی بعید از قیاس نہیں ہے۔ یا حظیرۃ القدس سے کوئی ملک نمودار ہوگیا ہو تو بھی فطرت کی بات ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے ہمارا تعلق تصوف سے چولی دامن کا ہے اور اکثر لوگ تصوف سے ناآشنا ہوتے ہیں اور تصوف سے فطرت انسانی تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اگر تصوف کو شریعت سے جُدا کر دیا جائے تو اعلیٰ اخلاق کے نمونے اور مشق جو اصلی اسلام کی حقیقت ہے اور روح ہے اس سے ہم خالی دست ہو جاتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ تصوف سکھانے والے راسخین فی العلم ہونے چاہییں تاکہ لطائف کے مشاہدات سے غلطی میں) نہ پڑ جائیں کیونکہ بعض لطائف کے مشاہدات خواب کی مانند ہوتے ہیں اسکی صحیح تعبیر راسخین فی العلم کر سکتے ہیں

تصوف کو شریعت سے جُدا نہیں کیا جا سکتا ورنہ اسلام کی اصل حقیقت اور روح سے خالی دست رہ جائیں گے

لطائف کے مشاہدات

انسان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات پر قابو پالے اور کمال یہ قابو پانا خواہ لطیفہ سریہ کے ادنیٰ درجہ کے ذریعے ہو خواہ اعلیٰ درجہ کے ذریعہ۔ اسیطرح قابو پانے والا انسان کامل ہے[۱] انسان سے کسی قسم کی غلطی سرزد نہ ہو یہ ناممکن ہے۔ انسان حسب مدارج ضرور غلطی کرلیگا مگر اس کے ساتھ ہی وہ اگر اپنے جذبات پر غالب آجائے تو اس کا نام "انسانیت" ہے۔ اگر انسان غلطی میں مبتلا ہونے لگا تھا مگر اس سے بچ گیا یا غلطی کرلی مگر بعد میں سنبھل گیا اور اس غلطی کا رنگ اپنے اندر ہضم نہ کر گیا اور اس سے رنگین نہ ہوا اور اس غلطی سے اسکو کراہت آنے لگی تو اُسے "تائب" کہتے ہیں۔

"انسانیت" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات پر قابو پالے

"تائب" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ غلطی کے بعد اُسے غلطی کا احساس ہو جائے اور اُسے غلطی سے کراہت آنے لگے۔

۱۔ اسکو
۲۔ سمجھا دیا جاتا ہے
۳۔ کسی

حاکم کی صفات

ایک حاکم کیلئے صحیح طور پر حکم کرنا جب ہی ممکن ہے کہ وہ اپنے محکوم لوگوں کو اپنی اولاد کی مانند سمجھے اور کسی جرم کے پیدا ہونے اور اس کے آخر تک انجام پذیر ہونے تک تمام حالات کا مطالعہ کر چکا ہو اور اس جرم کے سرزد ہونے میں شروع سے لیکر آخر تک جتنی کیفیتیں انسان پر گزرتی ہیں۔ ان تمام سے آشنا ہو۔ اس کے بعد وہ حاکم مجرم کو صحیح سزا دے سکتا ہے۔ جس درجہ کا جرم ہوگا اسی درجے کی صحیح سزا دیگا۔ اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو پورا اور ٹھیک حاکم بنانے کیلئے اب تجربہ میں ڈالا جا رہا ہے۔

صحیح تربیت کے چند اصول
۱۔ سوسائٹی کے قوانین کا احترام
۲۔ ظلم اور چوری سے بچنا
۳۔ تقویٰ، خوفِ خدا۔

صحیح تربیت کیلئے ضروری ہے کہ اپنی اولاد یا ماتحت کو پہلے یہ تلقین کرنی چاہیے کہ سوسائٹی کے جو قوانین ہیں۔ انکی[1] خلاف ورزی نہ کرو اور جس سوسائٹی میں تم رہتے ہو اسمیں ایسا جرم نہ کرو جس سے تم بدنام ہو جاؤ۔ اس کے بعد دوسرے درجہ پر یہ سکھلاؤ کہ چوری مت کرو کیونکہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے یا ظلم نہ کرو وغیرہ۔ تو بہترین انسان بن سکتا ہے۔

یہ خیال غلط ہے کہ اب بنی نوع انسان میں جرم بڑھ رہے ہیں۔ یہ صریح غلطی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ انسان فطرتِ انسانی پر پیدا ہوتے ہیں۔ اگر انکی صحیح تربیت کی جائے تو انمیں اعلیٰ اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ معلم اخلاق اور فنِ اخلاق بمطابق ہمارے ہاں انسان راسخین فی العلم صوفیاء کرام ہیں۔ انہوں نے اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ ہمارے ہاں اسلام میں اخلاقی درجہ قائم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام راسخین فی العلم نے اپنے لیٹریچر میں قائم کیا ہے وہ اخلاق کی بحث کلمت یا شعر یا ملفوظات میں کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہی تھا کہ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھا جاتا۔ اور انکے احوال و اقوال کا باریک بینی اور تدبر سے مطالعہ کیا جاتا مگر بدقسمتی سے ایسے فلاسفروں کے اقوال پڑھے جاتے ہیں کہ اگر

۱۔ اس کی

ان کی پرائیویٹ زندگی دیکھی جاتی ہے تو سراسر اخلاق سے عاری ہیں - ہم لوگ اصل مرض کی طرف توجہ نہیں کرتے اور علاج سوچتے ہیں -

ہمارا خیال ہے اگر کالج کے طلبہ کو کتاب "اخبار الاخیار" شیخ عبدالحق مرحوم اور انفاس العارفین مصنفہ شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ وغیرہ مطالعہ کے لیئے دی جائیں[1] اور پروفیسروں کو بھی سمجھایا جائے کہ اپنے لیکچروں میں کبھی کبھی اولیاء اللہ کے اخلاق بیان کردیں تو طلبہ بہت بااخلاق پیدا ہونگے -

لطیفہ خفی اور اخفیٰ پر بحث

یہاں تک بحث لطیفہ سریہ کی تھی - اب لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفیٰ کا تھوڑا سا بیان کرتے ہیں - اکثر مطلوبہ مقامات تصوف لطیفہ سریہ کی کمالیت پر پہنچنے سے حاصل ہوجاتے ہیں اور لطیفہ خفی اور اخفیٰ کا پورا پورا انکشاف بعض اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے وہ اہل اللہ أئمہ طرقِ تصوف ہوتے ہیں اور ایسے لوگ قطب الارشاد سمجھے جاتے ہیں - ان دو لطائف سے تنزلِ ذات اور شیونِ صفات انپر منکشف ہوجاتے ہیں - ایسے لوگوں میں سے امام ربانی شیخ احمد سرھندی قدس سرہٗ تھے اور ان کے اتباع میں خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ اور شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ قدس سرھما تھے - اس درجہ پر پہنچنے کے بعد اگر وہ راسخین فی العلم ہوتے ہیں تو رموز ذات وصفات الٰہی اور شیون الٰہی پر بحث کرتے ہیں بشرطیکہ اعلیٰ استعداد والی جماعت ان کے اردگرد جمع ہوجائے (واللہ ھو الموفق) اور دوسری صورت میں خاموش رہتے ہیں (تم کلام الامام السندی قدس سرہٗ)

قرآنی اصطلاح اَلسُّوْء کا ایک مفہوم

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ = برے کام ، بری عادت ، غیبی آفت (جسمانی و روحانی) کا نام سوء ہے -

[1] - دیا جائے

قرآنی اصطلاح الفحشاء کا مفہوم

سوسائٹی میں بے حیائی اور بدخلقی کا نام فحاشی[1] ہے - انسان فطرت سلیمہ کا مالک ہے۔ اسمیں اپنے محسن کی عزت وحرمت اور محبت امانتاً رکھی ہوئی ہے اور ظلم کو اپنے اوپر برداشت نہیں کر سکتا- اسیطرح دوسرے پر ظلم روا نہیں رکھتا - چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اسلئے سوسائٹی میں عزت سے رہنا چاہتا ہے- اسلئے بدنامی سے پرہیز کرتا ہے اور بے حیائی کو پسند نہیں کرتا تاکہ سوسائٹی میں اس کی عزت قائم رہے - انسان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ سوسائٹی پر سرداری حاصل کرے اور لوگ اس سے دل سے محبت کریں۔ یہ سب کچھ تب حاصل ہوتا ہے جب انسان نیک نامی سے رہے - نیک نامی کے زائل ہونے سے سوسائٹی میں اس کا وقار نہیں رہتا - سوسائٹی پر حکومت کرنے کیلئے اعلیٰ اخلاق ہونے ضروری ہیں

انبیاء علیہم السلام سوسائٹی سے ظلم- بداخلاقی- سرمایہ پرستی کو ختم کرکے تقویٰ- عدالت- طہارت- سماحت وسخاوت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں

انبیاء علیہم السلام ہمیشہ انقلابی ہوتے ہیں- انکی خواہش ہوتی ہے کہ ظالم اور سرمایہ پرست حکومت جس بد اخلاقی میں گرفتار ہوتے ہیں اور انسانیت اس سے مجروح ہوتی ہے - اسمیں ایسا انقلاب کیا جائے جس سے ظلم کی بیخ بنیاد اکھاڑ دی جائے اور عدالت- تقویٰ اور خشیت الٰہی سوسائٹی میں پیدا ہو جائے اور بد اخلاقی کی جگہ تقویٰ- طہارت- سماحت وسخاوت جاگزین ہو جائے . انبیاء کی جماعت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک ایک عظیم الشان انقلاب برپا کرنے والی جماعت ہے - ان کے آنے سے پہلے دنیا ایک ایسے طریقہ پر جاری تھی جس سے کاشتکار اور مزدور طبقہ ظلم کے شکنجے میں روز بروز جکڑتا چلا جاتا تھا- غرباء طبقہ جو کہ سوسائٹی کی بیخ وبنیاد ہے۔ پست ہو کر اس پر مردنی چھا رہی تھی - یہ حضرات اس نظام کو بدلنا چاہتے تھے-

انقلاب کی ناکامی کی ایک وجہ

انقلابی امام کیلئے یہ بہت ضروری ہے کہ انقلاب کا جو آخری نقطہ متور ہے اس پر سختی سے عمل کرے اور کوئی طاقت اسے اس نقطہ سے ہٹا نہ سکے- اگر اسمیں ذرا سی کمی محسوس کیگئی تو سارا انقلاب فیل ہو جائیگا

ایجنٹس

اس واسطے ایک انقلابی امام کیلئے لازم اور ضروری ہے کہ وہ اخلاقی حالت میں ایک خاص بلند درجہ کی استقامت رکھتا ہو اور جس چیز کو وہ اپنے لئے لازم قرار دے اس سے پھر ہٹ نہیں سکتا۔

انبیاء علیہم السلام اپنی تعلیم اخلاق کی درستگی پر زیادہ زور دیتے ہیں اسکا سبب اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ سوسائٹی یا انسانی نوع میں انقلاب پیدا کرنا اخلاق کے بغیر ناممکن ہے اسواسطے انبیاء علیہم السلام درحقیقت خود بہترین کورس اور مکمل نمونہ ہوتے ہیں۔ اخلاق کو کمزور کرنیوالی صرف طبعی خواہشیں ہوتی ہیں۔ انسانی اخلاق پر اگر بیرونی دشمن حملہ کر سکتا ہے تو وہ صرف اسطرح کر سکتا ہے کہ اس کے قوائے شہوانی کے ذریعہ حملہ کریگا۔ اسطرح اس کی اندرونی حرکتوں کو جنبش دیگا۔ اسی جنبش کا نام ابلیس ہے۔ وہی انسان ہی ہوتا ہے وہ باہر سے حملہ کرکے اس کے اخلاق برباد کرتا ہے جیسے یہ عورت عزیز مصر تھی۔ اور جو قوتیں اندر سے حملہ کریں اور اخلاق کو برباد کریں وہ چھپا ہوا دشمن شیاطین الجن ہوتے ہیں اگرچہ سارا مفہوم ابلیس کا اس میں نہیں آتا مگر سمجھنے کیلئے ایک ٹکڑے دھے کے طور پر اس کی مثال دی گئی ہے۔

نوع انسانی میں اخلاق کے بغیر انقلاب پیدا کرنا ناممکن ہے اسلئے انبیاء علیہم السلام خود مکمل اور بہترین نمونہ اخلاق ہوتے ہیں

طبعی خواہشات انسانی اخلاق کو کمزور کرتی ہیں اور بیرونی دشمن انسانی اخلاق پر قوت شہوانی کے ذریعہ حملہ کرتا ہے۔ اور اندرونی حرکتوں کو جنبش دیتا ہے۔ اسی جنبش کا نام ابلیس ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب اخلاقی امتحان میں کامیاب ہوگئے تو یہ اخلاقی امام بن سکتے ہیں۔ اپنے جذبات پر قابو پانے کی بہترین مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے زیادہ ہرگز نہیں مل سکتی۔ وہ عورت گھر کی مالکہ اور امیر کی بیوی ہے اور حضرت یوسف ع اگرچہ نائب وزیر ہیں مگر یہ عورت اس کو اپنا غلام تصور کرتی ہے۔ ان سے تحکم اور تمام سامان مہیا کرنے سے انکی شہوانی قوت کو بھڑکاتی ہے۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام باوجود جوانی اور مجرد ہونے کے بچ کر کامیاب ہو جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ قدوس کا فضل اور احسان ہے وَاِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ہ حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی برائی اور بے حیائی کا الزام نہ آیا

اپنے جذبات پر قابو پانے کی بہترین مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

اسلیئے کہ یہ ہمارے مخصوص غلاموں میں سے تھے ایسے مخصوص غلام جو ہمارے کام کرنے کیلئے خالص کر دیئے جاتے ہیں۔ غرض اس حملہ میں مبتلا یا گیا۔# یہ واقعہ اس مطلب کیلئے پیدا کیا گیا تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جرم کی ابتداء سے انتہا تک جن کیفیتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کا صحیح علم ہو جائے۔ یہ غلط خیال ہے کہ انسان کو ایسے واقعات سے اور باتوں سے جاہل رکھکر تربیت دینے سے بھی اخلاق والا آدمی بن جائیگا۔ بلکہ جاہل رکھنے سے اُسے بہترین آدمی نہیں بنا سکتے اس کی ہزاروں مثالیں ہمارے روبرو موجود ہیں۔ انسان کو ایسے واقعات سے جاہل رکھکر جسقدر تربیت دی جاتی ہے وہ سب ملمع ہوتی ہے۔ جب اسمیں جذبات کا ہیجان ہوتا ہے سب کی سب تربیت برباد ہو جاتی ہے اور وہ تربیت جذبات کے ہیجان کے وقت تنکے کے برابر بھی اثر نہیں رکھتی۔ نالائق لوگوں نے اس سے جاہل رکھنے کا نام تقویٰ رکھا ہے۔

واقعہ بہ ارشاد میں حکمت جرم کی ابتداء و انتہاء کی تمام کیفیات کا علم دینا

جو شخص کسی بری بات سے ملوث نہ ہو اور خود اپنی فطرت سلیمہ سے سیکھ جائے وہ بیشک بہترین آدمی ہے۔ حدیث میں آتا ہے سعادت مند آدمی وہ ہے کہ دوسرے کی غلطی دیکھکر نصیحت پکڑے (حاصل کرے)۔ یہ اوّل نمبر کا انسان ہے اور دوسرے درجہ کا آدمی وہ ہے جو غلطی کا ارتکاب کرکے پھر سنبھل جائے اور یہ بھی بہترین آدمی ہے۔ مگر جس آدمی نے کچھ بھی نہ دیکھا وہ خاک سمجھیگا اور عِبَادِنَا کا خطاب اللہ تعالیٰ قدوس کا سب سے پیارا اور بڑا خطاب ہے۔ جیسے سورۃ ص میں ہے۔ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ الآیہ [1] ۳۸:۴۵ اور سورت بنی اسرائیل میں ہے سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ الآیہ [2] بنی اسرائیل ۱۵:۱

سعادتمند آدمی وہ ہے جو دوسرا کی غلطی سے عبرت حاصل کرے۔ غلطی کرکے سنبھل جانے والا انسان دوسرے درجہ کا ہے۔

اخلاص کا معنی ہے کسی چیز کو دوسری چیز کی آمیزش سے پاک اور صاف کرنا۔ اس جگہ مراد ہے دل کو غیر اللہ سے خالی کرنا۔ جیسے أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ [3] یاد رکھو کہ خدا کی شان ہے کہ

اخلاص کا ایک مفہوم دل کو غیر اللہ سے خالی کر دینا

[1] ص ۳۸:۴۵
[2] بنی اسرائیل ۱۵:۱
[3] زمر ۳۹:۳

حسن عمل کی ایک تعریف یہ ہے کہ وہ اخلص و اصوب ہو۔ اخلص کا مطلب یہ ہے کہ خالص خدا کیلئے ہو اور اصوب یعنی سنت نبویہ کے مطابق ہو۔

مالی عبادت جیسے نذر نیاز قربانی اور بدنی عبادت جیسے نماز روزہ خالص اللہ قدوس کیلئے ہونی چاہیے خواجہ فضیل بن عباس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "حسن عمل وہ ہے جو اخلص و اصوب ہو اور فرمایا کہ اگر عمل خالص ہو مگر اصوب نہ ہو تب بھی مقبول نہ ہوگا اگر اصوب ہوا اور خالص نہ ہوا تب بھی مقبول نہ ہوگا پھر بتایا کہ خالص کے معنی ہیں کہ صرف خدا کیلئے ہو اور اصوب کے معنی یہ ہے کہ سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کے مطابق ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کامل الاخلاص تھے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امرأۃ العزیز کے واقعہ میں ان سے کوئی ایسی حرکت صادر نہیں ہوئی جو ان کے منصب عالیہ کے ذرا بھی خلاف ہو اور اللہ تعالیٰ و قدوس نے واقعہ کے اختتام پر "من عبادنا المخلصین" کے الفاظ فرما دینے سے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی بے گناہی و بے لوثی کو بہترین دلائل سے واضح فرما دیا اور اس معاملہ میں ان کی برأت فرمائی اور ان کے اخلاص عمل کی بھی تعریف فرمائی

المختصر جیسے "غیابات الجب" میں حضرت یوسف علیہ السلام مستقل مزاج رہے اور اپنے آئندہ پروگرام کی تکمیل کے بارے میں سوچ رہے تھے اور بھائیوں کو بے شعور سمجھ کر اپنی مستقل مزاجی پر قائم رہے۔ اسطرح اس عورت کے واقعہ سے کچھ نہ گھبرائے۔ اپنی مستقل مزاجی پر قائم رہے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ و قدوس نے جس کام کیلئے منتخب کیا تھا۔ اس ارادہ پر مضبوط رہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوگئے[1] تو اب وہ اخلاقی انقلاب کے امام ہونگے۔ اس واسطے یہ ضروری ہے کہ ان کی یہ خوبی سوسائٹی میں مشتہر کر دی جائے۔ حضرت یوسف[ع] خود تو یہ مشتہری نہ کر سکتے تھے اور نہ ہی وہ عورت ان کی پاکدامنی بیان کر سکتی ہے۔ اسلئے کہ اُسے اپنی بدنامی کا ڈر ہے۔ اب قدرت ایسے سامان پیدا کرتی ہے کہ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کو شہرت دے۔ اب آئندہ آنے والی آیت کو پڑھو!۔

۱ - نکل آئے۔

آیت نمبر ۲۵ ۔ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۔ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

ترجمہ :۔ اور دونوں دوڑے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اُسکا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند کو دروازے کے پاس ۔ وہ عورت بولی اور کچھ نہیں سزا ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر سے بُرائی مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک ۔

تشریح :۔ استباق دو شخصوں کا ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور نکل جانے کے قصد سے دوڑنا ۔

قال الامام البغوی فی تفسیرہ (واستبقا الباب) وذالک ان یوسف لما رأی البرھان قام مبادراً الی الباب ھارباً وتبعتہ المرأۃ لتمسک الباب حتی لا یخرج یوسف فسبق یوسف وادرکتہ المرأۃ فتعلقت بقمیصہ من خلفہ فجذبتہ الیھا حتی لا یخرج ثم قال فی تفسیر قولہ تعالیٰ والفیا سیدھا لدا الباب) ای وجدا زوج المرأۃ عند الباب جالساً ۔

الباب ۔ دروازہ ۔ آیت کے اس فقرہ میں الباب کا کلمہ دوبارہ لایا گیا ہے اور کلمات قرآن حکیم میں استیناف علمِ بلاغت کی رو سے زیادہ ضروری ہے بہ نسبت تکرار کے اگر دونوں الباب کو ایک سمجھا جائے تو عبارت یوں ہوتی کہ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَيْهِ ۔ مگر یہاں فرمایا گیا کہ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ تو یہ دوسرا بڑا دروازہ معلوم ہوتا ہے ۔ ایک پہلا وہ دروازہ محل مکان اور کوٹھی کا ۔ جس کے چھوٹے بڑے سب دروازے اس عورت نے بند کر دیئے تھے

امیروں کے محلات کے گرد بڑی فصیل ہوتی ہے اس کا خط ایک بڑا دروازہ یا پھاٹک ہوتا ہے
اور فصیل کے ارد گرد[1] باغ ہوتے ہیں اور فصیل کے بڑے دروازے پر بائیں گلشن ہوتی ہے
نوابوں اور امیروں کی عادت ہوتی ہے جب باہر سے آتے ہیں تو بڑے دروازے پر ذرا توقف
کرتے ہیں - محلات کے ملازم اور لونڈیاں وہاں استقبال کیلئے حاضر ہوتے ہیں - کچھ آرام کر کے
پھر محلات میں تشریف لے جاتے ہیں - مہذب انسانوں کی یہی اخلاقی عادت ہوتی ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے مدینہ منورہ تشریف لاتے تھے تو اول مسجد نبوی میں بیٹھ
جاتے تھے اور جماعت وہاں ملاقات کیلئے حاضر ہو جاتی تھی کافی توقف کے بعد اہل بیت کے پاس
تشریف لے جاتے تھے اور ایسی طرح عام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمائش کرتے کہ جب
باہر سے آؤ یا سفر سے واپس آؤ تو دروازہ پر توقف کرو تاکہ گھر کے آدمی سنبھل جائیں -

قَدَّ اور قَطَّ میں لغوی فرق

لدی الباب سے فصیل کا دھی دروازہ مراد لینا زیادہ انسب ہے # - قَدَّتْ قَدَّ کہتے
ہیں طول میں چیرنا اور قَطَّ کہتے ہیں عرض میں چیرنا - قَدَّتْ کے کلمہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ اس عورت نے مکان کے دروازہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو گردن سے پکڑا -
چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام تیزی سے دروازہ کھول کر نکلنے لگے تو اس عورت کا ہاتھ قمیص
کے گردن اور گلے میں پڑ گیا اور قمیص طول میں چیرتی گئی - اور چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام

اَلْفَیَا کا مفہوم

کی پیٹھ تھی اسلئے پیٹھ سے چیرتی گئی - اَلْفَیَا کا معنی ہے وَجَدَا - وَجَدَ کا معنی ہے
کسی مقصد کو پانا - اس عورت کا مقصد تھا کہ عزیز کے پاس جائے اور فریاد کرے - اور حضرت
یوسف علیہ السلام کا مقصد تھا کہ عزیز کے پاس جائیں تاکہ اُن کی عصمت محفوظ رہے -
سَیِّدَھَا کا کلمہ لانے کا مقصود اور مطلب یہ ہے کہ اس عورت کا حسب ونسب معلوم ہو جائے

[1] گرداگرد

کیونکہ اگر شریف زادی ہوتی تو محل کے دروازہ پر جب حضرت یوسف علیہ السلام کو پکڑنے کیلئے دوڑی اور ان کی قمیص پکڑ کر پھاڑی تھی تو وہاں ٹھہر جاتی اور فصیل کے بڑے دروازے تک حضرت یوسف[۱] کے پیچھے نہ دوڑتی - مگر چونکہ لونڈی تھی - اپنا اصل ظاہر کیا اور دوسرا یہ تماشا اور کھیل اس نے اس مطلب کی بنا پر رچایا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس عہدے اور خاندان سے نکالے یہ مقصد جب برآمد ہوتا جب کہ وہ عزیز مصر کے پاس جاکر فریاد کرے - اور استغاثہ کرے اور اس[۲] معلوم تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کبھی بھی استغاثہ نہ کریگا کیونکہ شریف انسان پردہ پوش ہوتے ہیں۔

جن قصہ گو لوگوں نے اس عورت کو شریف زادی بنانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے سب غلط ہے - اگر شریف زادی ہوتی تو اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادت فرماتا - وَأَلْفَيَا زَوْجَهَا - زوج کے لفظ سے ہمسری اور برابری معلوم ہوتی ہے کہ جیسے عزیز مصر شریف النسب والحسب تھا - یہ عورت بھی ایسی شریفۃ النسب والحسب ہے مگر الف یہ ہے کہ سَيِّدَهُمَا بھی نہیں آیا تو کہ[۳] یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ اگرچہ حضرت یوسف[۲] کو عزیز مصر نے بیٹا بناکر اپنا نائب اور قائم مقام بنایا ہے مگر وہ اس کو غلام سمجھتا تھا اس ابہام کو رفع کرنے کیلئے سَيِّدَهُمَا تثنیہ کا ضمیر نہیں لایا گیا - اب اس تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ یہ عورت دراصل لونڈی تھی مگر اپنے حسن وجمال اور عجز و نیاز سے کہ لونڈیوں کی عادت ہوتی ہے - عزیز مصر کو موہ لیا تھا اور ملکہ کے درجہ پر پہنچ گئی تھی - مگر ساتھ ہی ساتھ عزیز مصر اس کو لونڈی بھی تصور کرتا تھا - عزیز مصر کے اس تصور کو ظاہر کرنے کیلئے قرآن حکیم میں سَيِّدَهَا کا کلمہ لایا گیا ہے -

أَن يُسْجَنَ سے مطلب ہے ہمیشہ کیلئے زندان (قید) میں رکھا جائے یعنی یہ شخص نہ خاندان میں نہ شہر میں رہنے کا مستحق ہے أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ - ایسا دردناک عذاب جس سے دوسرے غلام عبرت پذیر ہوں اور شہری بھی دہشت زدہ ہوں - زمانہ قدیم سے مستبد حاکموں اور نوابوں میں یہ قانون رائج ہے اور موجودہ زمانہ میں بھی اس کی مثالیں

بیگم عزیز کے حسب ونسب کے بارے مولانا الغاری کی رائے - اور اس کی دلیل -

۱- پھرا
۲ ان کو
۳ کیونکہ

ہمارے سامنے[1] موجود ہیں کہ اگر زرخرید غلام یا بے کس نوکر امیر خاندان کی عورت سے بدارادہ کی بنا پر فحش حرکت کرے تو اُس کی آنکھیں نکال ڈالتے ہیں اور خصیتے کاٹ ڈالتے ہیں۔ عذاب الیم سے اس طرف اشارہ کررہی ہے۔ پھر ایسے شخص کو اپنی غلامی یا نوکری سے نکالکر شہر بدر کرتے ہیں نعوذ باللہ من ذالک)۔ یہ عورت کتنی سخت سیاہ اور سنگدل تھی کہ ایسی سزاؤں کا لقمہ اپنے مرکو دیتی ہے، عقلمندوں کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس عورت کے دلمیں حضرت یوسف علیہ السلام کی وقعت ۔ وقار اور محبت خس برابر بھی نہ تھی اور لفظ بِأَهْلِكَ سُوْءٌ سے عزیز مصر کو مغلوب الغضب کرنے کیلئے یہ عورت استعمال کرتی ہے تاکہ اس کا غضب بھڑک اُٹھے اور صفائی کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو مہلت نہ دے کیونکہ بیوی کی بے عزتی مرد کی بے عزتی اور بے آبروئی ہے اور بیوی کی بے عزتی کو مرد کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلئے اس کو عزیز مصر تباہی ہوئی سزا دیدے۔ اس ارادے کو پورا کرنے کیلئے عزیز مصر کو سزا کے درجے بتلاتی ہے۔

تجربے سے معلوم ہے کہ بہت سے اعلیٰ اخلاق یا بداخلاقی کے واقعات گھروں میں ہوتے ہیں مگر ظاہر نہیں ہوتے اور حضرت یوسف علیہ السلام بڑے اعلیٰ اخلاق والے تھے اور سوسائٹی میں اخلاقی انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اسلئے قدرت کو ان کی نیک نامی اور امانت کا شہرہ دینا مقصود تھا۔ اسلئے واقعہ کا رُخ اسطرف کردیا کہ یہ واقعہ چھپا نہ رہے۔ ان لوگوں کے اخلاقی واقعات چھپے رہتے ہیں جو سوسائٹی میں اخلاقی انقلاب نہیں کرنا چاہتے بلکہ سوسائٹی سے الگ بیٹھ کر بااخلاق رہنا چاہتے ہیں نہ ان کی اخلاقی اقتصادی حالت کی اصلاح کرتے ہیں نہ ان کی معاشرت میں انقلاب کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اسلئے ان کے نقش قدم پر سوسائٹی نہیں چل سکتی اور ان کے اخلاقی واقعات کو قدرت مشتہر نہیں کرتی۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ نیک نامی اور امانت یوں مشتہر ہوتی ہے کہ جب یہ عورت حد سے زیادہ بے شرم ہوکر جیسے توراۃ کے فقرہ سے مستنبط ہوتا ہے کہ پیرہن اتروانے کا قصد کیا تو یہاں زیادہ ٹھہرنا خلاف مصلحت سمجھکر حضرت یوسف علیہ السلام محل کے دروازے کی طرف بھاگے یہ عورت بھی انہیں پکڑنے اور بدنام کرنے کیلئے اُن کے پیچھے بھاگی مگر حضرت یوسف علیہ السلام مرتا فن

[1] - روبرو

اور ہلکے جسم والے تھے ۔ اس عورت سے بہت آگے نکل کر دروازہ کھولنے لگے تو یہ عورت یہاں پہنچ گئی
اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کو گردن کی جگہ سے پیچھے سے پکڑ کر کھینچنے لگی اور حضرت یوسف ؑ
چونکہ طاقتور تھے قمیض کے کھینچنے سے نہیں رکے بلکہ مکان کے دروازے سے باہر نکل گئے اور
پیرہن پیچھے سے چرتا گیا اور دوڑ کر بڑے دروازے (فصیل کے) پر جہاں عزیز مصر تشریف
لائے تھے پہنچ گئے ۔ مگر اس عورت نے شرم وحیا کو بالائی طاق رکھکر ویسے نیم برہنہ حضرت
یوسف علیہ السلام کے پیچھے بھاگتی ہوئی فصیل کے بڑے دروازہ پر پہنچ گئی اور دونوں کے
ارادے بڑے دروازہ پر پہنچنے کے مختلف تھے ۔ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے دروازے پر
دوڑے تاکہ اپنی عصمت بچائیں اور وہ عورت ان کے پیچھے اسلئے دوڑی تاکہ انہیں بدنام
کرکے اپنے خاندان سے نکالکر رسوا کرے ۔ دونوں نے دوڑنے کے مقصد کو پا لیا ۔ اب
اس عورت نے آتے ہی فریاد کی کہ اے عزیز مصر جس[1] نے تیرے اہل (یعنی پیاری بیوی جسے
تم نے ملکہ کا خطاب دیا ہے) بدارادے کی نیت سے بدترین حرکت کرے ۔ اس کی کیا سزا ہے؟
میری خواہش ہے کہ ایسے شخص کو (عمر قید)[2] دی جائے
[تاکہ دوسرے غلاموں کیلئے درس عبرت ہو اور تیرے الفاظ
ناموس عزت کو چار چاند لگ جائیں ۔ ایسے الفاظ ۔ تقریر اور لیکچر سے عزیز کو مغلوب الغضب بنا کر فی الفور
سزا دینے کا مطالبہ کرتی ہے ۔ عزیز مصر چونکہ جہاندیدہ ۔ صاحب تدبیر اور حلم وحوصلہ والا تھا وہ
اس عورت کی چالاکی میں نہ پھنسا اور غور کرنے لگا ۔ عزیز مصر کا یہ فعل حاکموں اور مجسٹریٹوں
کیلئے درس عبرت ہے ۔

حکام اور ججوں کیلئے لازم ہے کہ فیصلہ کرتے وقت تدبر اور حلم و حوصلے سے کام لیں اور جذباتی اشتعال سے مشتعل ہو کر کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں جس سے ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا رہے۔

ے بتندی سبک دست بردن بہ تیغ ۔ نشاید کہ آید کسی وی دریغ ۔

غصے سے مغلوب الغضب ہو کر سزا نہ دینی چاہیے بلکہ حوصلہ اور تدبر کرنا ضروری ہے اور اکثر
چھوٹے حاکم ۔ مجسٹریٹ اور آفیسر اپنی پوزیشن قائم رکھنے کیلئے اور اپنا رعب برقرار رکھنے کی
خاطر بلا تدبیر سزا دیدیتے ہیں جس سے ان کا [3] ان کو ملامت کرتا رہتا ہے۔
حتیٰ کہ انکا ضمیر نہیں رہتا ۔ اور خونخوار درندے بن جاتے ہیں۔

۱ ۔ جس نے
۲ جسم جیل
۳ ۔ حذف کیا گیا

CONSCIENCE —

ان کے حق میں قرآن حکیم فرماتا ہے کہ وَقَدْ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ [1] یعنی ایسے لوگ حکومت کرنے کے لائق نہیں ہوتے اور ہمیشہ ناکام [1] رہتے ہیں

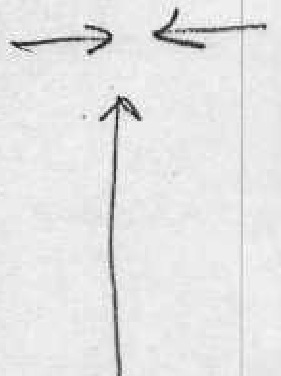
حاصل مطلب : اس عورت کا اصلی مقصد اس آیت میں بیان کردیا گیا کہ اس عورت کا مقصد تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو رسوا کرکے خاندان سے نکالا جائے۔ اس کے سوا اور کوئی مطلب نہ تھا اور تدبیر الٰہی کا منشاء تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی امانت و دیانت شہرۂ آفاق ہو۔

تدبیر الٰہی سے حضرت یوسف علیہ السلام کی امانت و دیانت شہرۂ آفاق ہوگئی۔ اور بیگم عزیز مصر کے کا ارادہ اور منشاء خاک میں مل گیا۔

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام توحید الٰہی کو تدبیر الٰہی مشتہر کرنے کیلئے مخالفین کے پروپیگنڈے سے شہرت دیتی تھی۔ مخالفین رؤساء مکہ مکرمہ لوگوں میں پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لات و عزیٰ وغیرہ کی عبادت ترک کرنے کیلئے یوں لیکچر کرتے ہیں۔ پھر لوگوں کو آیات قرآنی پڑھ کر سناتے تھے۔ اور عرب ایسا فصیح کلام سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے مشتاق ہو کر خدمت میں حاضر ہوتے اور ان میں سے سلیم الفطرت حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔

عربوں کے مخالفانہ پروپیگنڈے سے کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت میں اضافہ ہوا اور سلیم الفطرت لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے

عرب لوگوں کی فطرت تھی کہ جب کسی کا اعلیٰ درجہ کا قصیدہ یا نصیحت آمیز شعر سنتے تو اسے جاکر دیکھتے کہ قصیدہ میں تو بڑی حکمت بیان کرتا ہے اس کے اپنے اخلاق کیا ہیں۔ اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوتے تو آپ [2] انہیں مجسم اخلاق معلوم ہوتے۔ اسطرح مخالفین کے پروپیگنڈہ سے کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ عرب میں مشہور ہونے لگا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك ورفعنا لك ذكرك



اس سورت کی حقیقت سمجھنے کیلئے دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی میں سمجھداروں کی کثرت ہوتی ہے جیسے سالم اعضاء کے انسان بہت پیدا ہوتے ہیں اور ناقص کم پیدا ہوتے ہیں اور سمجھداروں میں فطرت سلیمہ پر چلنے کا جذبہ اور اقتصادی و معاشرتی امور کی سمجھ پائی جاتی ہے) [2] اگر عقلمند انقلابی اصلاحی اخلاق کا داعی پیدا ہو جائے اور سمجھدار طبقہ کو ایک سوسائٹی میں جمع کرے اور انہیں ترقی کا جذبہ پیدا کرے۔ معاشی اور معاشرتی معاملات کی اصلاح کیلئے

۱۔ ناکامیاب
۲۔ موجود ہوتا ہے



ان کی کمیٹی بنائے اور یہ مصلح اپنا درجہ مساوی رکھے اور انہیں اعلیٰ اخلاق رکھنے کی دعوت دیتا رہے اور کسی طرح اپنا مخصوص درجہ قائم نہ کرے تو لامحالہ یہ سمجھدار طبقہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہیگا۔ ایسے انقلابی مصلح کو قرآنی اصطلاح میں "داعی" کہا جاتا ہے#۔ اور سورت حٰم فصلت میں اس کے فرائض منصبی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

اسلام کے پہلے دور میں یہ فرض حافظ قرآن کے سپرد ہوتا تھا۔ سوسائٹی میں جو زیادہ قرآن حکیم جانتا تھا وہ داعی ہو کر قبیلہ کے سمجھدار لوگوں کو جمع کر کے ایک مجلس یا کمیٹی بنا کر متحد کر دیتا تھا۔ اسیطرح دوسرے قبیلہ میں دوسرا داعی ہوتا تھا۔ اسیطرح ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے اتحاد کر کے اعلیٰ نظریہ پر جمع ہو جاتے تھے ان کا نام جماعت اسلامیہ تھا۔ پھر وہ جماعت مرکز سے متصل ہو جاتی تھی۔ اس طریقہ پر حکومت کی بنیاد رکھی گئی تھی اور اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک داعی کا درجہ مسلمانوں میں قائم رہا۔ اسلامی حکومت بڑھتی رہی اور اعلیٰ اسلامی اخلاق اور غور و تدبر قائم رہا۔ جب سے مسلمانوں سے داعی کا درجہ گم ہو گیا اور فقہاء نے اس درجہ کے قائم کرنے سے غفلت برتی۔ اب ان کو سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآنی تعلیم سے حکومت کیسے پیدا ہوتی ہے۔ اب بھی مسلمانوں میں یہ طاقت موجود ہے مگر اہل علم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہر جگہ اہل علم میں یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ سوسائٹی میں اپنا درجہ بلند رکھنا چاہتے ہیں اور اپنے خیالات اور نظریات پر سوسائٹی کو چلانا چاہتے ہیں اور مشورہ کی پروا نہیں کرتے اور یہ علماء جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاشرتی حالت میں جماعت کے برابر رہتے تھے اور کوئی کام بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ داعی کا درجہ رکھتے ہوئے فرماتے ہیں ۱۰ اس طریقہ پر اسلامی حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اب یوں سمجھو کہ پروپیگنڈہ کرنا سیاست کیلئے ضروری امر ہے۔ عقلمند داعی یا پروپیگنڈہ کرنے والا ایک لاکھ سپاہیوں کے مقابلہ کے لشکر کو شکست دے سکتا ہے۔ یہی دراصل وَرَابِطُوا ۔ کی حقیقی تفسیر ہے کہ مخالف کی سرحد پر بیٹھ کر مقابلہ کے لئے جماعت تیار کرنا۔

اب ہمارے علماء اپنے ارد گرد مسلمانوں میں ایسی جماعت بندی نہیں کرتے کہ اگر ظالمانہ حکومت یا حکومت فاسقہ

داعی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ سمجھدار طبقہ میں اجتماع پیدا کر کے ترقی کا جذبہ پیدا کرے۔ معاشی معاشرتی اور اخلاقی معاملات کی اصلاح کیلئے انہی لوگوں کی کمیٹی بنائے اور اپنا درجہ مساوی رکھے تاکہ معاشرہ ترقی کرتا رہے۔

داعی کے فرائض قرآن کریم کی سورۃ حٰم فصلت میں بیان ہوئے ہیں

صحیح اخلاق اور فطرت سلیم کے مطابق کئے جانے والا پروپیگنڈا سیاست اسلام کے لئے لازمی امر ہے

ورابطوا کا صحیح مفہوم

۱۔ پایہ

حزب اختلاف کی اہمیت

کوئی غیر شرعی حکم نافذ کرنا چاہے تو یہ جماعت اس حکم کی انحرافی کرنے کیلئے اپنی جان تک قربان کر سکے۔

سید پیر رشید الدین جھنڈا والا سندھ میں ایسی جماعت پیدا کرنے کی کوشش میں تھے۔ پہلے اپنی جماعت کی اقتصادی حالت کی اصلاح کو مقدم رکھتے ہوئے ان سے عہد لیتے تھے کہ کسی حاکم کا غیر شرعی حکم تسلیم نہ کریں۔ ہم کو (یعنی مولانا عبیداللہ سندھی) کو بھی اسمیں شرکت کی دعوت دی مگر مجھے سمجھ نہ آئی۔ جب میں روس یعنی ماسکو میں پہنچا تو آنکھ کھل گئی کہ بعینہٖ اس طریقہ پر روسی قوم استبدادی پنجہ سے آزاد ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ مگر افسوس کہ اسمیں غیر فطری طریقہ یعنی لادینیت کو فطری بنانا چاہتے تھے اور میں نے ان کے لیڈروں کو صاف الفاظ میں کہا کہ اس غیر فطری دھن میں لگ کر آپ شکست کھا جاؤ گے۔ انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ یہ غلطی ہم میں ہے۔ مگر کوئی مذہب بھی نہیں ملتا جس میں سرمایہ شکن پروگرام ہو ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ اخلاق کا مخزن بھی ہو۔

سید پیر رشید الدین پیر جھنڈا کا طریقِ اصلاح و تربیت فطری اور قابلِ مثال تھا

مولانا (عبیداللہ سندھی) فرماتے ہیں کہ میں نے بتایا کہ وہ پروگرام قرآنی ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کوئی اسلامی ریاست بھی ہے جسمیں آپ کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل درآمد ہو تو ہم جا کر اس ریاست کا مطالعہ کر کے اس کو اپنے ملک میں جاری کریں۔ میں نے نفی میں جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ فقط تخیل ہے جس کا وجود مفقود ہے تو تخیل پر ہم اپنے پروگرام کو نہیں چھوڑ سکتے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس وقت پیر سید رشید الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عملی کاروائی یاد آ گئی کہ افسوس کہ پیر صاحب کے پروگرام میں شریک ہو جاتا اور سندھ کے ایک ٹکڑے میں پر عملی کارنامہ جاری کرتے تو آج روسی قوم مسلمان ہو جاتی [انا للہ وانا الیہ راجعون]

حضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی روسی لیڈروں سے ملاقات کے وقت ان کی جماعت کی تعریف کی

۲۔ دوسری بات۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت ملی تو عرض کیا۔

۱۔ رب اشرح لی صدری ۲۔ ویسر لی امری ۳۔ واحلل عقدۃ من لسانی یفقھو قولی ۴۔ واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری

جنکا مطلب ہے۔ میرا سینہ کھول یعنی مجھ میں سمجھ آ جائے کہ یہ کام میری طاقت میں ہے اور میں اس کو سرانجام کر سکوں گا ۲۔ میرے لئے مشکل کام کو آسان بنا دے جسمیں

سورۃ طٰہٰ ۲۰: ۲۵-۳۲

بہت مشفقت پیش نہ آئے ؎۱ میری زبان پر ایسے الفاظ اور کلمات القا کرتے رہو جس سے
میرے سینے کا مطلب پورا پورا مخاطب سمجھ جائے اور اس کی حکمت اور فقہ اس کو حاصل ہو جائے
؎۲ - اس بار نبوت سے میری کمر ٹوٹتی ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرا شریک میرے ساتھ کر
پھر اس دوسرے شخص کی تعیین فرماتے ہیں کہ میرا بھائی ھارون ہو -

تعلیم کے تین مدارج
۱ - علم کتاب یعنی پڑھنا پڑھانا
۲ - حکمت
۳ - تزکیۂ نفس

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ حرا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مشکل
بار نبوت رکھا گیا کہ - ۱ - آپ نوع انسانی کو پڑھائیں - یعنی لکھی ہوئی کتاب کو پڑھیں بعد
اسکا مطلب سمجھیں یہ معنی ہے قرأت کا - اگر الفاظ پڑھ گیا اور مطلب نہ سمجھ سکا تو
اس کو قرأۃ یعنی پڑھنا نہیں کہا جاتا - یہ پرائمری تعلیم کا درجہ ہے ؎۲ دوسرا درجہ جو شریف
انسان سمجھائے وہ بھی سکھلاؤ کہ انسان اچھے مضامین اور مطالب اپنی قلم سے لکھ سکے
۳ - درجہ جو سب سے اعلیٰ ہے - اس پر انسان کو پہنچاؤ یعنی نئے نئے علوم جو پہلے انسان
کو معلوم نہ تھے اور وہ علوم انسان کو بہترین بنانے کیلئے ضروری ہیں - اختراع کریں یعنی جہانگیری
اور جہانداری - عدل و انصاف و احسان کے معلم بن جائیں اور ان کی مخزن علم (حظیرۃ القدس)
تک رسائی ہو اور وہاں تک پہنچ جائیں - یہ معنی ہے علم الانسان مالم یعلم - حظیرۃ القدس
سے علوم بارش کی طرح برس رہے ہیں اور مبادی ہر ایک علم کے انسانی فطرت میں ودیعت رکھی
ہوئی ہے اور جب ان مبادیات سے تفصیلی تشریح طلب کرنے کا فکر فردا جس کو دامن گیر ہوگا
تب حظیرۃ القدس سے اس کو امداد ملنی شروع ہو جائیگی مگر اس کیلئے شرط ہے کہ پرانے
تجربہ نوشتہ اس سے واقف ہو - یہ درجہ علّمؐ بالقلم کا ہے - مثلاً ایک عقلمند صاحب علم
کو ہوائی جہاز بنانے کا فکر دامن گیر ہو اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ ایک تیر زور سے کمان
میں کھینچ کر مارتے ہیں یا ڈھیلا زور سے پھینکتے ہیں وہ ہوا کو چیرتا ہوا چلا جاتا ہے -
اگر اس تیر یا ڈھیلے میں ایسی طاقت پیدا کی جائے جو اس کو آگے بڑھاتی جائے تو بہت
مسافت طے کر لیگا اور یہ بھی معلوم ہے کہ زمین کے قریب ہوا کثیف ہے اس کثیف ہوا میں
ایک من کا وزن ایک سیر سے زیادہ ہے اگر اس ایک من   وزن کو لطیف ہوا میں پہنچا

پہنچا دیا جائے تو جتنی ھوالطیف ہوگی اتنا من کا وزن کم ہوگا۔ ان دو مبادیات پر
صاحب فکر صحیح غور و فکر کرے اور اس ذکر میں مستغرق ہو تو حظیرۃ القدس سے اس کی تکمیل
کے اسباب برسنے لگتے ہیں۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے دن کی وحی میں حکم ہوتا ہے کہ نوع انسانی کی
تکمیل اور اس کی حرکت کو تعلیم کے ذریعہ محکم اور قائم کرنا چاہیے یہ بہت بڑا بوجھ تھا۔ مگر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آسانی کیلئے دربار الٰہی میں کچھ عرض کیا اور ہمت سے کام کرنا شروع
کردیا تو اللہ تعالیٰ قدوس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمل کے خطاب سے سرفراز فرمایا

مزمل کا ایک مفہوم

اور مزمل عرب اس اونٹ کو کہتے ہیں کہ جتنا بوجھ اس پر رکھا جائے اپنی جگالی میں
مشغول رہے اور شور و شغب نہ کرے۔ اور پھر اٹھے تو جوانمردی سے اٹھے اور سنگلاخ زمین
پر چلتے وقت ایسا محسوس ہو کہ گویا نرم راستے پر چل رہا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ تم پر
بڑا بھاری بوجھ رکھا گیا۔ آپ نے اس بار گراں کو گراں نہ محسوس کیا اور بڑی محنت
اور اعلیٰ ہمت سے اٹھا لیا۔ اور پھر اسی سورت مزمل میں اوقات بھی بتا دیئے گئے
کہ کام کتنے گھنٹے کرنا چاہیے یعنی مزدور کتنے گھنٹے کام کرے اور دوسرا بوجھ جہاد اور
انفاق مال اور جان کی قربانی بھی زیادہ کردی گئی

یاد رکھنا چاہیے کہ سورت نون - المزمل اور المدثر اوائلی سورتیں ہیں۔ اس کے
بعد سورت الم نشرح نازل ہوئی اور آخر تک پروگرام بتایا گیا اللہ تعالیٰ قدوس نے اپنا
احسان بھی بتایا کہ دیکھو اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
استدعا کی الھم رب شرح لی صدری۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کو جو کام سپرد ہوا
ایک آدمی کی طاقت سے سرانجام ہونا ناممکن تھا۔ اس کیلئے بڑی جماعت چاہیے اور اجتماعی کام
بغیر جماعت کے ناممکن ہوتا ہے۔ اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ میرا سینہ کھول یعنی سینہ میں
کوئی شک و شبہ پیدا نہ ہو اور ہر وقت بڑے قوی کام کرنے کیلئے تیار رہیں۔ اور ارادہ قوی
رہے اور سمجھ جاؤں کہ یہ کام میری طاقت سے زیادہ نہیں اور میری طاقت وسیع ہے تاکہ میں ہمت سے کام کروں

وَلْيَتَّزِلِی اُمْرِی ۔ لیعنی اعلیٰ استعداد کے لوگ میرے قریب قریب جمع ہو جائیں اور حکمت کی بات کو سمجھیں تاکہ میرا کام آسان ہو جائے کیونکہ میرے سپرد جو کام ہوا ہے انفرادی نہیں اجتماعی ہے اسی کا ثمر نوع انسانی کو پہنچے گا ۔ اسلئے میرے ارد گرد عقلمند طبقہ جمع ہو جائے ۔

۳۔ واحلل عقدۃً مِنْ لسانی یفقھو قولی ۔ لیعنی آپ نے عرض کیا کہ یا اللہ نئے فن کا مجھکو استاد بنایا ہے مگر مخاطب اس کی اصطلاحات سے ناواقف ہیں اس لئے جب میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہوں تو ایسے کلمات و الفاظ میری زبان پر القاء فرما جس سے مخاطبین حسب استعداد اس کی حکمت اور فقہ سے واقف ہو جائیں لیعنی نئے فن کا استاد جب مخاطبین کو اپنے فن سے آشنا کرنا چاہتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ مخاطب کی معلومات میں سے جو چیز اس کے فن کے مناسب ہے وہ اختیار کر کے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے ۔ مخاطب کی معلومات کے ذریعہ ان کو سمجھاتا ہے مثلاً ایک نئے فن کا استاد ہے مگر شاگرد ریاضی دان ہیں تو اس نئے فن کا استاد ریاضی کے ایک مسئلہ کو لیکر لیکچر دیگا اور فن ریاضی کے مسئلہ کے ذریعہ اپنے فن سے آشنا کرنا شروع کریگا۔ اسلئے ہر معلم اخلاق کیلئے ضروری ہے کہ سوسائٹی کی ذہنیت کا پورا پورا مطالعہ کرے پھر انکی معلومات اور ذہنیت سے بات سمجھائے تاکہ ان کی سمجھ میں آجائے اور ایسا نہ ہو کہ ان کی معلومات اور سوسائٹی کی ذہنیت کے درمیان بڑا اختلاف ہے اس سے کوئی گرہ اور پیچیدگی نہ پڑ جائے ۔# اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کامل لیکچرار تھے ۔ ان کی زبان میں گرہ نہ تھی بلکہ کلیم اللہ تھے ۔ یہ گرہ کی بات اسرائیلیات سے ہے اور غلط ہے یہاں گرہ کھولنے سے فصیح کلمات مراد ہیں ۔ کلمات آواز پر گرہ لگانے سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً عمر کا لفظ ہے ایک گرہ آواز پر عین لگانی پڑی اور دوسری میم پر تیسری راء پر ۔ یہی گرہ کلام پاک میں مراد ہے ۔

عقدۂ لسان کا ایک مفہوم

قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے والقیت علیک محبۃً منی لیعنی تجھ کو ایسے رنگ میں پیدا کیا ۔ جو شخص تجھ کو دیکھیگا تجھ سے محبت کرنے لگ جائیگا ۔ انبیاء علیہم السلام ایسے رنگ الٰہی میں رنگین ہوتے ہیں بلکہ اولیاء کرام کا بھی ایسا رنگ ہوتا ہے

* مولانا کا یہ مفہوم ماہرین لسانیات (Phonetics) کے لئے ایک اور سائنٹفک راہ کھولتا ہے جس پر مزید تحقیق اور جستجو کی طرف اشارہ ہے ۔

اور پھر بیان ہوتا ہے وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ یعنی میرے روبرو تیری پرورش ہوتی رہے یعنی والدہ ماجدہ دودھ پلاتی اور شاہی خاندان میں پرورش ہوتی اور کسی قسم کا گزند تجھکو نہیں پہنچا کیونکہ میری نگاہ تجھ پر تھی یعنی تجھ کو اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتا اور تیری والدہ کی شفقت اور محبت ایک طرف اور دوسرے فرعون اور ان کی بیوی تم پر محبت کرنے والے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی حرکت جس سے فرعون یا اس کی عورت ناراض ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صادر نہیں ہوئی یہ سب قصے کہانیاں غلط ہیں۔ اس غلطی کا منشاء اسرائیلیات کے قصے اور قرآن میں عدم تدبر کے نتیجہ ہیں۔

۴۔ واجعل لی وزیرا من اھلی آلایہ۔ یہ اجتماعی نبوت بڑا بوجھ ہے اس بوجھ سے میری کمر جھک جائیگی۔ اس بوجھ کو کم کرنے کیلئے میرے اہل سے آدمی عطا کر دے اور پھر اس کو میرے شریک بناؤ اور وہ ھارون ہو۔ میرے اہل ہونے کے سبب سے بڑی ہمدردی اور محبت سے بوجھ ہلکا کرنے میں کوشاں رہیگا اور جوائنٹ سیکرٹری کا کام دیتا رہیگا۔ یہ دعا اس لئے بھی تھی کہ بڑے معجزے دکھانے والے نبی کو لوگ خدا بنا لیتے ہیں۔ جب میرا بھائی بھی نبوت میں شریک ہوگا تو لوگوں میں غلط فہمی کا امکان نہ رہیگا۔ نبوت کو انفرادی شکل رکھنے سے اس غلطی کا احتمال تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام حضرت زکریا کی دعا کا نتیجہ تھے مگر عیسائیوں نے اس سے چشم پوشی کر لی اور یحییٰ علیہ السلام سے جو نبوت میں ان کے شریک تھے اس سے بھی چشم پوشی کرکے ان کو انفرادی شکل میں لاکر خدا بنا دیا۔

اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی سے اسیطرح بچایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نتیجہ دعائے ابراھیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام فرمایا اور دوسرا فرمایا کہ تم اعلان کرتے رہو کہ میں ابراھیمی ملت کو زندہ کرنے کیلئے آیا ہوں اور اس کا متبع ہوں اور اس کے اسوۂ حسنہ پر چلتا ہوں اور پیغمبروں کی جتنی جماعت گزری ہے میں بھی اس کا ایک فرد ہوں۔ اور قریش کی سوسائٹی کا ایک ممبر ہوں۔

اب سورہ الم نشرح کا مختصر بیان کرتا ہوں کہ امتنان اور احسان جتانے کیلئے اللہ تعالیٰ قدوس فرماتا ہے کہ کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔ اور پوری پوری سمجھ بھی عطا کر دی کوئی مسئلہ تیرے آگے مشکل نہ رہا اور تیری ہمت اتنی عالی اور بلند کر دی کہ نوع انسانی کی تہذیب اور تکمیل کے راستے ذھن میں آ گئے اور آپ سمجھنے لگے کہ نبوت کے کام کی سرانجامی میری وسعت و طاقت کے اندر ہے اور یہ کوئی مشکل کام نہیں

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بار نبوت کے اٹھانے کیلئے ایک مددگار طلب کیا اور آپ نے اس بارے میں کوئی استدعا نہیں کی مگر پہلے ہی دن بی بی خدیجہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جیسے آپ کے ساتھی اور مددگار پیدا کر دئیے اور تھوڑے عرصے میں ان حضرات کی کوشش اور سعی بلیغ سے حضرت عثمان رضہ حضرت طلحہ رضہ اور حضرت زبیر رضہ عنہم اس بوجھ اٹھانے اور پروپیگنڈہ کرنے کیلئے بڑی ہمت سے شریک ہو گئے بلکہ ہر ہر قبیلہ اور خاندان قریش سے اعلیٰ عقلمند شریک کار ہم نے بنا دئیے اور تیری کمر سے بوجھ کو ہلکا کر دیا گیا اور اسطرح طاقتور اور زوردار جماعت بنتی گئی۔ یہ سب احسان الٰہی تھا یہ معنی ہے وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔ کا ۹۴ : ۲

۳۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۹۴ : ۴ اللہ تعالیٰ قدوس نے قرآن حکیم کے متعلق فرمایا ہے کہ هَٰذَا ذِكْرٌ لَكَ وَلِقَوْمِكَ [2] عرب اقوام کا مذاق اسطرح تھا اگر کوئی شاعر اپنا فصیح قصیدہ بناتا اپنی بہادری یا سخاوت کا اس میں ذکر کرتا۔ اپنے اعلیٰ تخیلات۔ حکمت عملی و علمی کا بیان اس میں کرتا تھا۔ تو وہ قصیدہ عرب میں شہرت[1] اختیار کر لیتا تھا۔ پھر اس شاعر کے دیکھنے کیلئے سمجھدار لوگ دور دراز سفر کر کے اس کی کیفیت نفسانی معلوم کرنے کیلئے اس کے پاس حاضر ہوتے اگر وہ شاعر اپنی بہادری اور حکمت جو شعر میں بیان فرمائی تھی ویسا ہی ان کو مجسم بہادری و سخاوت اور حکمت محسوس کرتے تو اس قصیدہ کی ایک نقل بیت اللہ پر لٹکا دیتے تھے تاکہ قوم کیلئے ایک طرح کا سبق اور درس ہو۔ جب قرآن حکیم (جو اعلیٰ اخلاق کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا عملی پروگرام رکھتا تھا نازل ہونا شروع ہوا تو اسمیں لطافت و فصاحت۔ نازک خیالی بھی اعلیٰ و ابلغ تھی تو یہ کلام عرب میں بجلی

ا۔ اشاعت پذیر اختیار کر لیا۔ [2] زخرف ۴۳ : ۴۴

کی طرح اپنی چمک دمک سے (شہرت حاصل کرنے لگا)[1] اور باقی قصیدے اس کے سامنے ماند پڑ گئے اور باذوق
اور حکیم الطبع لوگ جنکی عرب میں کثرت تھی (ان کے نزدیک) ان قصائد کا درجہ کم ہو گیا اور قرآن حکیم کا
درجہ باعتبار حکمت اور فلسفہ و اخلاق اور سادگی الفاظ بلند ہو گیا اور قصائد کے یاد کرنے کو چھوڑ کر
مجلسوں اور کانفرنسوں میں اس کا تذکرہ شروع ہو گیا اور پھر ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
دیکھنے کا اشتیاق بڑھتا گیا[2] - جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپکو مجسم اخلاق
محسوس کرتے جسمیں محبت الٰہی جوش مار رہی ہو اور سیرت و صورت میں ممتاز من الخلائق معلوم
کرتے اور ان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اور وقار جاگزین ہو جاتا
اب اس آیت کا معنی یوں ہو گا کہ تیری وقعت اور وقار بڑھانے کیلئے ایسے فصیح الفاظ اور
کلمات والا کلام نازل کیا گیا - جسمیں اعلیٰ درجہ کی حکمت کے ساتھ لطافت اور سادگی بھی ہو
اور باقی قصائد عربیہ سے ارفع اور بلند مقام رکھتا ہو - جس سے عرب سوسائٹی متاثر ہو کر
تیری ملاقات کے شوق میں تیری طرف کھنچتی چلی آئے - تاکہ آپ کو قبائل میں گشت کرنے
کی ضرورت نہ پڑے -

۷ـ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ یسر لی امری - اگرچہ آپ نے اس بارے میں
استدعا ونہ کی مگر فطری طریقہ اختیار فرمایا کہ تبلیغ و اشاعت اسلام کیلئے محنت و مشقت کرتے
رہے اور جتنی تکالیف در پیش آئیں ان کو صبر سے برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ نبوت کے آٹھویں
سال ایک بڑی بھاری مستقل مزاج جماعت تیار ہو گئی اور قریش نے اسی جماعت کے وجود کو تسلیم
کر لیا اور خوف زدہ ہو گئی اور لڑائی کیلئے تیار نہ ہوئے - یہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا کی پہلی تفسیر ہے
اسکے بعد مدینہ منورہ میں بھی آپ کو کوشش کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ محنت اور مشقت بڑی بڑی
آسانیوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے - اسلئے آئندہ بھی کامیابی کیلئے تکالیف برداشت کرتے رہو -
مثلاً ایک جماعت کو یقین ہو گیا کہ اس اونچے برفانی پہاڑ یا بحر ظلمات کے پیچھے بڑے سرسبز علاقے موجود
ہیں مگر راستہ پر خطر ہے - ہر منزل پر موت تیار کھڑی نظر آ رہی ہے جیسے عرب شاعر کہتا ہے -

۱- شائع ہونے لگی
۲- ترقی کرتا گیا

ــه كيف الوصول الى سُعادَ ودُونَها   قُلَلُ الجبالِ ودُونَهُنَّ حُتوفُ

[یعنی اپنی محبوبہ سُعاد نامی کی محبت مجھے اپنی طرف کشش کر رہی ہے مگر بڑے بڑے پہاڑوں کی چوٹیاں جن پر چڑھنا بڑا مشکل ہے میرے آگے دیوار باندھ کر کھڑے ہوئے ہیں پھر اس کے آگے موتیں منہ پھاڑ کر میرا انتظار کر رہی ہیں] اگر وہ جماعت ایسے خطرات کو دیکھتے ہوئے ہمت سے کام کرنا شروع کرے اور اس ابتلاء اور امتحان میں کامیاب ہو جائے جس سے نوع انسانی کا فائدہ تھا تو ایک قسم کی انکو راحت بھی ملی اور جماعت کی ہمت بھی بڑھ گئی اگرچہ اس سفر میں چند قیمتی جانیں انکو نذر دینی پڑیں مگر انہیں آگے بڑھنے کی ہمت پیدا ہو گئی - اس کے بعد پھر ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کامیابی نوع انسانی کیلئے تھوڑی ہے - اس علاقہ سے ماورائی دوسرے علاقہ کا ان کو یقین آجاتا ہے کہ موجود ہے مگر اس کا راستہ پہلے علاقہ سے بھی زیادہ پرخطر ہے اور اس تک پہنچنے سے قبل قربانی کرنی پڑے گی مگر وہ جماعت ہمت نہیں ہارتی اور آگے بڑھنا شروع کر دیتی ہے - حتیٰ کہ کامیاب ہو جاتی ہے - پھر اگر اس کو تیسری بار سب سے زیادہ خطرات پیش آئیں گے تو کبھی ہمت نہ ہارے گی - یہ فطرت انسانی ہے اسکی طرف اللہ تعالیٰ قدوس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کی رہنمائی فرما رہے ہیں - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا نظریہ اور مطمح نظر اور آئیڈیل اور قریش کا مطمح نظر دونوں ایک طرح کے تھے - کہ یہود اور نصاریٰ ملت ابراہیمی کی اشاعت میں ناکام[1] ہوئے ہیں اور کسریٰ و قیصر کی ظالمانہ حکومتیں عدالت - مساوات اور حریت قائم کرنے میں ناکام[2] ہوئی ہیں - اب عرب کو چاہیے کہ قریش کے ماتحت ہو کر اتحاد قائم کر کے نوع انسانی میں عدالت - مساوات اور حریت طریقۂ حنیفیہ پر قائم کریں - اور نوع انسانی کے قائد بنیں - مگر دونوں کا پروگرام مختلف تھا - قریش نے عرب کو متحد کرنے کا طریقہ یہ سوچا تھا کہ ہر ایک قبیلہ کا بت بیت اللہ (جو کہ قریش کی سیادت میں تھا) میں نصب کر دیا اور بڑے زور شور سے عرب قبائل میں پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ سب قبائل کے نمائندے موسم حج میں جمع ہو کر اپنے اپنے بتوں کی ضرور عبادت کریں اور اس کو اتحاد بزیر سایہ قریش سمجھتے تھے - اور اتحاد کے بعد جاہلانہ حملہ کر کے

قریش نے عربوں کو متحد کرنے کا طریقہ یہ سوچا کہ بیت اللہ میں ہر قبیلے کا بت نصب کر دیا اور موسم حج میں اپنے بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کے پاس مہذب پروگرام نہ تھا

۱ - ناکامیاب
۲ - ناکامیاب

ــه " قصیدہ بانت سعاد " مصنف کعب بن زہیر ،
مطبوعہ ـــــ سال ـــــ ، ص نمبر ـــــ

قیصر و کسریٰ کی سلطنت پر قبضہ کرلیں گے۔ مگر مہذب پروگرام ان کے پاس نہ تھا اور اس کوشش سے کافی اتحاد پیدا کر چکے تھے اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں بھی مانگتے تھے کہ یا اللہ آپ نے جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ ان کی اولاد میں ایک بڑا نبی پیدا کروں گا جو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو مہذب کر کے انہیں دین حنیف کی تعلیم دیکر اقوام عالم پر ان کو سردار بنائیگا - اب ہم کو عطا کر - ہم اس کی اتباع کر کے اقوام عالم پر سرداری کریں یہ استعداد ہم میں موجود ہے - غرض قریش میں استعداد تھی اور عملی جدو جہد کر رہے تھے مگر ان کے پاس صحیح پروگرام نہ تھا۔

قریش کے پاس عرب کو متحد رکھنے کی استعداد تھی - وہ اس کیلئے جدوجہد بھی کر رہے تھے مگر ان کے پاس صحیح پروگرام نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علمی اور عملی صحیح اصول اور فطرت کے قوانین پر مبنی پروگرام تھا - قریش کا عقلمند طبقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گیا اور تبلیغ شروع کردی اگرچہ اس راہ میں بڑی تکلیفیں پیش آئیں اور قیمتی جانیں تلف ہوئیں مگر مکہ مکرمہ میں ایک بڑی سرفروش عقلمند جماعت تیار ہوگئی اور بہت سے قبائل اس پروگرام میں شامل ہونے لگے - آخر نبوت کے دسویں سال مدینہ منورہ مرکز اسلام شروع ہونے لگا - تیرھویں سال نبوت میں مدینہ منورہ مکمل طور پر مرکز اسلام بن گیا چونکہ جماعت انقلابیہ مسلمہ کا مطمح نظر و نصب العین عالمگیر انقلاب تھا اور قیصریت اور کسرائیت کو صفحہ ہستی سے مٹانا مقصود تھا توحید الٰہی جلالہ قائم کرنا اور نوع انسانی میں تقویٰ اور خشیت الٰہی پیدا کرنا منظور تھا اس لیئے اس سورت میں فرمان الٰہی نازل ہوا کہ "فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ" - یعنی آپ اور آپکی جماعت اتنی جدوجہد کرتی رہے تاکہ تمام خطۂ اور جزیرہ عرب آپ کی سیادت کے ماتحت آجائے اور آپ اور آپکی جماعت عرب کے کام سے فارغ ہو جائیں تو رس و رنت نوع انسانی کی نجات کیلئے سب سے بھاری مشغلہ لازم کرلیں اور قیصریت اور کسرائیت کو مٹانے کی تیاری شروع کردیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علمی و عملی صحیح اصول اور قانون فطرت پر مبنی پروگرام تھا - اسلئے قریش کا عقلمند طبقہ آپ کے ساتھ شامل ہو گیا

جب صلح حدیبیہ ہوئی تو قریش عرب کی قیادت و سیادت سے دستبردار ہوگئے اور پولیٹکل طاقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیم کرلی - اور عرب کی سیادت و قیادت آپؐ کے سپرد کردی اور عرب کے اندرونی و بیرونی معاملات کی (مطلق العنان) ڈکٹیٹر مسلمہ جماعت بن گئی - اندرونی خطرات اور

"صلح حدیبیہ" میں قریش نے عرب کی سیادت و قیادت آپؐ کے سپرد کردی

اور مشکلات سے فراغت ہوگئی یہ فتح مبین تھی اور عظیم الشان سیاسی[1] کامیابی تھی۔ آپؐ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے ۲۵ بڑے بادشاہوں (جو بیرون عرب تھے) بیک وقت بڑے سخت الفاظ میں الٹی میٹم (امسن عرب) اپنے قاصدوں کے ہاتھ لکھکر روانہ کردیا۔ اور الفاظ یہ کہ اسلم تسلم وان تولیت فعلیک ثم الیریسیین[1] یعنی میری تابعداری قبول کرلو اگر تم نے میری اطاعت قبول کرلی تو تمہاری سلطنت اور قوم سلامت رہ سکتی ہے اور میری تلوار سے بچ سکتی ہے اگر تم نے انکار کیا تو تمہارے ظلم کو دور کرنے کیلئے جو تم کاشتکاروں اور غریبوں پر کررہے ہو، مجاہدین اسلام وہاں پہنچ کر تم سے سلطنت چھین لیں گے اور قرآن کا حکیمانہ پروگرام جاری کردیں گے۔ چونکہ آپ اور آپ کی جماعت بڑے بوجھ اُٹھانے۔ مشقت۔ مشکلات اور خطرناک راستہ طے کرنے کی عادی تھی۔ اسلئے ان کو کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اسلئے یہ بڑی جنگ کا اعلان خوشی سے برداشت کرلیا۔ اور بیرون عرب بادشاہوں کو بھی معلوم ہوگیا کہ عرب میں بڑی پولیٹکل طاقت والی مہذب اور متمدن حکومت قائم ہوگئی ہے اور عرب کو زیر کرنا آسان بھی نہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی حیات مبارکہ میں تبوک پر لشکر کشی کرنا اپنی جماعت کیلئے سنگ میل ثابت ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں تبوک پر جو سرحد قیصر سے ملحق تھا لشکر کشی کرکے اپنی جماعت کیلئے عملی راستہ بتادیا۔ اس بڑی جنگ اور مشقت کے بعد فتوحات حاصل ہوگئیں۔ شاید جماعت دنیاوی عیش و عشرت میں نہ پھنس جائے اور پھر قیصریت اور کسرایت کی زماھیت بالغہ اختیار نہ کریں اسلئے فرمایا کہ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ قدوس کی رضامندی کیلئے کام کریں اور اپنے ذاتی اغراض اور ہوا و ہوس کے کام کی طرف راغب نہ ہوجائیں۔ اسمیں لطیف اشارہ بھی ہے کہ جب بیرونی سلطنتوں سے جہاد شروع ہوجائے تو آپ کے سپرد شدہ کام کو اپنے اختتام کے درجہ پر پہنچا دیا۔ اب آپ کی جماعت یہ کام کرتی رہے گی اور آپ اللہ تعالیٰ قدوس کی طرف چلے آئیں۔

الغرض۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور امانت و دیانت کا پروپیگنڈہ مصری سوسائٹی میں یوں ہوا کہ وہ سیاہ قلب عورت بیگم عزیز مصر دربار میں جو قلعہ کے دروازہ کے بائیں گلشن میں تشریف لائے ہوئے تھے اور سارے محل کے غلام اور لونڈیاں وہاں استقبال کیلئے حاضر ہوئے تھے۔

[1] پولیٹیکل۔ [1] حضور اکرمؐ کے سیاسی وثیقہ جات (خطوط) ڈاکٹر حمید اللہ۔

ایسے بڑے مجمع میں نیم برہنہ مگر زیب و زینت سے آراستہ پیراستہ بڑی بے حیائی اور چالاکی سے عزیز مصر کے روبرو ہو کر استغاثہ کرتی ہے اور مجمع سن رہا ہے۔ عزیز اور حاضرین مجلس کو متاثر کرنے کیلئے پرزور لفظوں سے مرعوب کر کے سزا کا آخری درجہ بتاتی ہے۔ مگر ایسے نازک موقعہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کو خاموش رہنا نامناسب تھا۔ انبیاء علیہم السلام ترک اسباب کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ اُن کی تعلیم یہ ہے کہ اپنی حفاظت کیلئے جس قدر تمہارے پاس سامان یا حجت ہو اس کو کام میں لاؤ۔ قرآن حکیم کا اعلان ہے کہ وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ یعنی جتنی تم میں قوت ہے اپنے بچاؤ کیلئے تیار رکھو۔

ترک اسباب نہیں بلکہ اسباب کو بروئے کار لانا تعلیم انبیاء رہی ہے

حضرت یوسف علیہ السلام مدعی علیہ نہیں بنتے کہ اپنی صفائی میں استدلال یا گواہ پیش کریں بلکہ خود مدعی بنتے ہیں اور عزیز مصر کو جو مجسٹریٹ ہیں اپنا دعویٰ پیش کرتے ہیں اور فیصلہ چاہتے ہیں۔

یہ معتد مہاد استغاثہ زنا بالجبر کا ہے۔ اسمیں قرائن سے استدلال کیا جاتا ہے اور اسمیں ایک شاہد اور گواہ سے بھی تعزیر دی جاسکتی ہے اگرچہ حد یعنی آخری سزا یعنی سخت سے سخت سزا بغیر چار عینی شاہدوں کے نہیں دی جاسکتی۔ اسلئے یہ عورت اپنے استغاثہ میں تعزیرات کے درجے بتاتی ہے نہ کہ رجم یا قتل کا اشارہ کرتی ہے اور دوسرا اسی عورت کا استغاثہ ہے کہ مجرم نے فقط ارتکاب جرم کے ارادہ سے حملہ کیا ہے مگر فعل بر منصۂ وجود میں نہیں آیا۔ اب یہاں حضرت یوسف علیہ السلام مستغیث ..... اور فرماتے ہیں کہ اسی عورت نے ارتکاب جرم کے ارادہ سے مجھ پر حملہ کیا ہے۔

زنا مستوجب تعزیر کے الزام میں شہادت نصاب شہادت کے علاوہ ہو سکتی ہے اور قرائن سے بھی جرم ثابت ہو سکتا ہے یا رد ہو سکتا ہے

شوہر و زن کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان

آیت نمبر ۲۶۔ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

آیت نمبر ۲۷۔ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ

ترجمہ:۔ یوسفؑ بولا اسی نے خواہش بد مجھ سے کی جس سے میں اپنا جی (دل) بھی نہ تھام سکوں اور گواہی دی ایک مرد نے عورت کے لوگوں میں سے۔ اگر ہے کرتا اس کا آگے سے پھٹا ہوا

تو عورت سچ کہتی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے اور اگر کرتا اُسکا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو

یہ عورت جھوٹ بولتی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے۔

شہادت کا مفہوم

تشریح :۔ شَہِدَ شَاہِدٌ ۔ شہادت کا معنی ہے اظہار حقیقت۔ اسلئے گواہ کو بھی شاھد کہا جاتا ہے اور اظہار حقیقت کرنے کیلئے پہلے حقیقت الامر تک پہنچنے کیلئے ضروری ہے کہ اگر اس امر اور کام کی حقیقت معلوم کرنے کا ذریعہ آنکھیں ہیں تو پوری طرح اس کام کی حقیقت کو آنکھوں سے معلوم کرکے پھر اظہار کرے۔ اگر اس کی حقیقت معلوم کرنے کا ذریعہ کان ہیں تو اس کلام کو سن کر اسکا معنی اور مفہوم سمجھ لے اور پھر اظہار کرے۔ اگر وہ حقیقت عقلی ہے تو اپنے عقل خداداد سے اسکو اچھی طرح سمجھ لے اور اسمیں ظن وخیال اور شک وتخمین کو مت ملائے اور اس حقیقت پر اس کو یقین اور اطمینان قلب بھی حاصل ہو جائے ایسا یقین کہ تشکیک اور تشکک سے زائل نہ ہوسکے تب اس کا اظہار کرے۔ یعنی علم کے تین راستے ہیں جس سے علم۔ یقین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے

حصول علم کے تین ذرائع
۱۔ آنکھ ۔۲۔ کان
۳۔عقل۔

۱۔ علم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ آنکھ ہے ۔ ۲۔ دوسرا کان ہے ۳۔تیسرا عقل ہے ۔علم حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ عقل ہے۔ اس کی ہر جگہ ضرورت پڑتی ہے اور حواس ظاہری کبھی غلطی کرتے ہیں جیسے بیمار کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے اور کبھی آنکھیں بھی غلطی کرتی ہیں کہ مشرق کو مغرب سمجھنے لگ جاتی ہیں کیونکہ یہ آلات ہیں حسِ مشترک کے۔ جب حسِ مشترک میں فتور آجاتا ہے تو آنکھ ۔ کان اور باقی حسیات میں بھی فتور آجاتا ہے ۔ مگر عقل اپنی حالت پر قائم رہتی ہے اور اگر عقل اپنی حالت پر قائم ہے تو سمجھ لیتی ہے کہ آلات احساس غلطی کر رہے ہیں۔

شہادت اور گواہی دینے کیلئے یہ تین ذریعہ علم ضروری ہیں اور قاضی یا جج یا مجسٹریٹ ضرور اس سے پوچھیگا کہ کس ذریعہ سے تم کو علم حاصل ہوا یہی معنی ہے اس آیت کا کہ ۔

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ [1] بنی اسرائیل ۱۷ : ۳۶

یعنی جس بات پر تم کو علم اور یقین نہیں اُسکے پیچھے مت لگ کیونکہ علم آنکھ ۔کان اور عقل سے حاصل کیا جاتا ہے ۔ اگر علم (حاصل کرنے) کے یہ آلات تیرے پاس ٹھیک طور پر موجود نہیں

[1] ۳۶:۱۷

شہید کا مفہوم

تو شہادت اور گواہی کا بار مت اُٹھاؤ کہ قاضی اور مجسٹریٹ کے سامنے اُن سے سوال کیا جائیگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی برتری کے ارادہ سے اور اس کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کیلئے اپنی عزیز ترین جان اور روح قربان کر دیتا ہے اسکو بھی شہید کہا جاتا ہے یعنی اپنے عقیدہ اور ایمان کی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی گواہی پیش کر دی ہے۔

بیگم عزیز کے معاملے میں گواہی دینے والا مرد اس عورت کا قریبی رشتہ دار اور عزیز مصر کا معتمد معلوم ہوتا ہے۔

شَہِدَ شَاہِدٌ مِّنْ اَہْلِہَا - اس فقرہ پر زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے ۱- یہ مرد ہے ۲- عزیز مصر کا معتمد علیہ ہے - ۳- اور من اھلھا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد اس عورت کا قریبی رشتہ دار ہے اور غلام ہے جیسے یہ عورت باوجود لونڈی ہونے کے تمام بیگمات عزیز مصر سے ممتاز درجہ پر تھی - اسیطرح یہ مرد اس عورت کا قریبی رشتہ دار ہونے کے سبب سب غلاموں اور لونڈیوں سے ممتاز درجہ رکھتا تھا اور معتمد علیہ تھا اور کلمہ شَہِدَ سے شَاہِدٌ کا کلمہ زیادہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد شہادت دینے والا عینی گواہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ مرد عزیز مصر کا مصاحب تھا یعنی حاضر باش تھا - امیروں اور نوابوں کے محلات کے دروازے[1] اور کھڑکیاں[2] شیشے کے ہوتے ہیں۔ شیشہ سازی کی صنعت بہت قدیم ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب عزیز مصر نے اس عورت کے محلات میں جانے کا اعلان کیا تھا تو یہ اعلان اس عورت کے محل میں پہنچ چکا تھا تو اس مرد مصاحب اور حاضر باش کو ضروری تھا کہ تمام غلاموں اور لونڈیوں کو اپنی اپنی وردی میں استقبال کرنے کیلئے تیار کرے اور اس مرد مصاحب نے ان کو تیاری کا حکم دیکر محل کو دیکھا کہ سب دروازے بند ہیں اور شیشوں سے نظر کی تو یہ عورت حضرت یوسف علیہ السلام سے ارتکاب جرم کی کوشش کر رہی تھی - پردہ پوشی کے خیال سے وہ وہاں سے ہٹ گیا اور پائیں گلشن میں چلا گیا اور تمام غلام خدام اور لونڈیاں اپنی اپنی وردی میں ملبوس ہو کر وہاں حاضر ہو گئے اور عزیز مصر بھی پہنچ گیا - اس کے بعد یہ عورت بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے پیچھے دوڑتی ہوئی حاضر ہو کر استغاثہ کرتی ہے - تو شَہِدَ شَاہِدٌ سے عینی شاہد اور شاہدہ کرنے والا مراد ہو سکتا ہے نہ کہ ظن اور تخمین سے بیان کرنے والا۔ اور اگر

۱- در
۲- دروازے

اس شاہد کی شہادت ظن اور تخمینے سے ہوتی تو عبارت یوں ہوتی کہ قال قائلٌ مِنْ اَھْلِھَا ۔ اور یہاں اس موقعہ پر قرآن حکیم بڑے زوردار الفاظ میں یعنی۔ شَہِدَ شَاہِدٌ فرماتا ہے ۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ شہادت دینے والا مرد عزیز مصر کا مصاحب تھا ۔ اصطلاح میں مصاحب اس غلام یا نوکر کو کہا جاتا ہے جو امیر کی خدمت خاص میں حاضری کا کام دیتا رہے اور خاص خدمت سرانجام دیتا رہے اور پرائیویٹ کاموں کی سرانجامی کرتا رہے ۔ پرانے زمانے میں ایسے مصاحب غلام ہوتے تھے (۔۔۔)

اب قصہ یوں ہے کہ اگر یہ عورت استغاثہ کرکے تعزیرات کے انواع بیان نہ کرتی تو حضرت یوسف علیہ السلام اس کی پردہ پوشی کرتے اور انبیاء علیہم السلام اور شرفاء لوگ پردہ پوشی ہوتے ہیں مگر اس نازک موقعہ پر پردہ پوشی کرنا خلاف مصلحت تھا ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے استغاثہ کے طور پر فرمایا کہ اس عورت نے ارتکاب جرم کرنے کیلئے مجھ پر حملہ کیا ۔ عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت اور امانت کا حق الیقین تھا اور ان سے اُس کی بے پناہ محبت اور پیار تھا ایسے ہی صبغۃ اللہ میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رنگین ہوتے ہیں اور جس شخص میں ذرہ بھر بھی فطرت سلیمہ موجود ہوگی ان سے محبت کرنے لگ جاتا ہے اور جو فاقد الفطرۃ اور حاسد ہے اُن کا دشمن بن جاتا ہے

شعر ۔ حَسن ز بصرہ بِلال از حَبش صُہَیب از رُوم ۔ ز خاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ الدعاء وحب یبلغنی الی حبک

یہ عورت عزیز مصر کو مغلوب الغضب بنانے کیلئے مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِکَ سُوْءً بولتی ہوئی سزا کی انواع بیان کرتی ہے تو عزیز مصر حیران رہ جاتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں اس عورت نے برارادہ سے مجھ پر حملہ کیا ہے ۔ یہ ایک بڑے اہل اللہ پیغمبر کا قول تھا ۔ یا ایٹم بم تھا کہ آپ کے تمام غصہ اور غضب کی آگ کو سرد کر دیا اور بجھا دیا ۔ اس کی جگہ حلم اور حوصلہ آگیا اور عزیز مصر اپنی معلومات پر غور کرنے لگا اور اس کو یاد آگیا کہ کئی بیگمات مجھ سے کہتی تھیں کہ تیرے بیٹے ہیں اور عزیز و اقارب میں بہت سے نوجوان ہیں تم نے

(۔۔۔) حلقہ بگوش غلام کہا جاتا تھا ۔

ان سب کو چھوڑ کر عبرانی غلام کو اپنا مختار الکل بنایا - تیری یہ حرکت مصلحت آمیز نہیں اور اس سے ہمارا خاندان تباہ ہو جائیگا - اسی لئے مصلحت یہ ہے کہ اپنے خاندان کے کسی نوجوان کو اپنا مختار الکل بنانا چاہیے اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی اصلاحات اور کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں کہ وہ آزادی نسواں (جو کہ بے حیائی کے سب منازل طے کرنے کے میدان بنانا چاہتی ہے) کو ختم کرنا چاہتا ہے اور اس آزادی پر بندش ڈال رہا ہے جس سے مصر کی سب عورتیں حضرت یوسف کو اس عہدہ پر ایک لحظہ بھی ٹھہرانا نہیں چاہتی - اُن کے گرانے (نکلوانے) کی سازشیں سُن رکھا پھر زیادہ غور کیا تو یاد آگیا کہ امراء اور جاگیردار طبقہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اصلاحات کا مخالف ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام جبر اور ظلم و تشدد پر بندشیں ڈال رہے ہیں اور کاشتکار اور غرباء طبقہ کو بیدار کر رہے ہیں - اسلئے آزادی پسند عورتیں اور امراء و جاگیردار طبقہ اُن کے خلاف سازشیں اور خفیہ تدبیریں کر رہے ہیں - ایسی سوچ بچار کے بعد اس کو دیگر قرائن سے بھی معلوم ہو گیا کہ حقیقت - صداقت اور امانت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پلڑا بھاری ہے کیونکہ اگر ان کا مقصود شہوت رانی ہوتی تو بہت سی لونڈیاں باجمال و جوانی ہر وقت ان کی ماتحتی میں رہتی ہیں اُن سے اپنا مطلب پورا کر لیتا اور بدنامی بھی نہ ہوتی ایسی حکومت کے ہوتے ہوئے جہانتک میری معلومات کا احاطہ ہے یہ پورا پورا معصوم - پاکباز اور صاحب عصمت و عفت رہے ہیں ان سے کوئی نامناسب حرکت سرزد نہیں ہوئی - بلکہ دربار کی لونڈیوں اور دیگر عورتوں کو اپنی ماں اور بہنیں تصور کرتے رہے ہیں اور اس عورت کا اپنی والدہ سے بھی زیادہ احترام کرتے ہیں اور مجھے اپنا باپ تصور کرتے ہیں - جب حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ حالت ہے تو وہ صداقت و امانت کا مجسمہ ہیں - اس کے بعد پھر اس عورت کے قرائن کی طرف غور کرتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس عورت کو حضرت یوسف علیہ السلام سے عشق و محبت ہوتی تو اس کام کیلئے بہت ہی فراغت کے وقت اس کو مل سکتے تھے ایسے وقت پر جب میں اعلان کر چکا ہوں کہ میں آنے والا ہوں اور میرا مصاحب خاص تیار رہنے کیلئے آتا ہے ایسے نازک موقعہ پر اس عورت پر شہوت کا بھوت کیسے سوار ہو سکتا ہے - ہو نہ ہو یہ کوئی سازش ہے -

پھر حضرت یوسف علیہ السلام اور اس عورت پر نظر ڈالتا ہے کہ زنا بالجبر کے آثار کس پر موجود ہیں
حضرت یوسف علیہ السلام شلوار کے نیچے تبنی اور سر پر عمامہ یا کلاہ موجود تھا اور گلے میں پیرہن پہنا ہوا تھا۔ مگر
مگر یہ عورت خاص مجلس کا نیم برہنہ لباس پہنے زیب و زینت سے آراستہ ہے۔ تشدد کا کوئی نشان اس پر معلوم
نہیں ہوتا۔ پھر عزیز مصر اس خاص مصاحب کی طرف نگاہ کرتا ہے جو خادموں اور لونڈیوں کو استقبال کیلئے تیار
رہنے کا حکم دینے آیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت و برأت پر عینی شاہد۔

حضرت یوسف علیہ السلام با اخلاق مجسمہ شرافت تھے اور خاندان عزیز مصر اور اس کے خدام سے ہمیشہ
حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کیلئے کوشاں رہتے تھے کسی کو ناراضگی کا موقع
نہ دیتے تھے اور ان کی دینی و دنیاوی عزت کو بڑھاتے تھے۔ شریف لوگ اپنے خاندان کے لوگوں
سے ایسا ہی سلوک کرتے رہتے ہیں اور جب خاندان میں کوئی آدمی اپنے ہی خاندان کے آدمی کے ساتھ
بد ارادے سے بے حیائی کا کام کرنا شروع کرتا ہے تو خاندانی عورتیں تاڑ جاتی ہیں اور اشارۃً اپنے
مردوں کی اسکا تذکرہ بھی کر دیتی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے خاندان کے بڑے ممبر ہیں
سب سے مروت۔ اخلاق اور احسان سے پیش آتے ہیں۔ ہر ایک کے گلے میں ان کے احسان کا طوق تھا
جب یہ عورت ایسے شریف انسان کو بدنام کرنے کی خفیہ تدبیر کر رہی تھی تو شریف عورتیں یا لونڈیاں اس
سے بے خبر نہ تھیں۔ جب اُنھے وقت صور کیا ہوگا تو شریف عورتوں نے اپنے مردوں کی بھی اشارۃً کہدیا ہوگا اور
یہ مصاحب بھی خاندان عزیز کا بڑا خادم اور محافظ ہے۔ اس عورت کے سارے منصوبے سے پوری طرح
باخبر ہے اور جب استقبال کیلئے خدام کو تیار کرنے آیا تھا اور محل کے سب دروازے بند دیکھے تھے تو
دروازہ کے شیشوں سے جھانک کر یہ تماشا بھی دیکھ لیا تھا۔

جب عزیز مصر اپنی معلومات اور قرائن سے بات کی تہ تک پہنچا تو مصاحب خاص نے عرض کیا کہ میرے
پاس پوری پوری عینی شہادت موجود ہے اور شہادت کے الفاظ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو مستغیث بناتا
ہے۔ یعنی ان پر تشدد ہوا ہے۔ اور اس تشدد کے آثار ان پر موجود ہیں اور غیر جانبدار ہو کر عزیز مصر کی توجہ
حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی طرف مبذول کراتا ہے۔ صداقت اور کذب کا دار و مدار قمیص کو بتاتا ہے
جیسے سورہ ختم مومن میں ذکر ہے کہ خاندان فرعون میں سے ایک بڑا عہدیدار دربار میں سے اٹھ کر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امداد کرتا ہے اور ان کے مدعا کو دربار فرعون کے آگے وضاحت سے بیان کرتا ہے حتیٰ کہ فرعون لاجواب ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسیطرح اس مصاحب خاص کو جو عورت کا رشتہ دار تھا اللہ تعالیٰ قدوس نے سچی گواہی کیلئے کھڑا کر دیا اور وہ گواہ بڑا عقلمند معلوم ہوتا ہے۔ مقدمہ اور استغاثہ بھی دو بڑے خاندانی ممبروں کی پرائیویٹ زندگی کے متعلق جاری ہے اسلئے جانبداری سے پرہیز کرتا ہے اور دونوں کے استغاثہ کو قائم رکھتا ہے مگر ادائے شہادت کے کلمات سے حضرت یوسف علیہ السلام کو حقیقی مستغیث ٹھہراتا ہے کیونکہ زنا بالجبر میں تشدد کے نشانات دیکھے جاتے ہیں۔# جب استغاثہ دونوں طرف سے (یعنی مرد۔ عورت) ہو تو جس کے جسم یا کپڑوں پر تشدد کے آثار موجود ہوں وہی مستغیث ٹھہرتا ہے۔ اس عورت کے کپڑوں اور جسم پر تشدد کا کوئی اثر نہ تھا۔ اور حضرت یوسفؑ کے کپڑوں پر تشدد کے آثار موجود تھے۔ اسلئے عورت کا رشتہ دار مرد حضرت یوسف علیہ السلام کو مدعی اور مستغیث ٹھہرا کر اپنی عینی شہادت ایسے الفاظ میں بیان کرتا ہے جس سے عزیز مصر کی ساری توجہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف پھیر دیتا ہے اور بار بار قمیص کے لفظوں کو دُہراتا ہے اور بار بار صداقت اور کذب جانبین کو دُہراتا ہے تاکہ عزیز مصر کے غصہ اور غضب کا جوش سرد ہو اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی جانچ پڑتال کرے۔ چونکہ معاملہ خانگی ہے طول نہ پکڑے اور جلدی فیصلہ ہو جائے تاکہ خاندان کی فضاحت و خواری نہ ہو۔ اب وہ شاہد اور گواہ کہتا ہے کہ جناب عالی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو دیکھو اگر قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے کیونکہ ایسے نازک وقت میں جب یہ عورت اپنی زیب و زینت کرنے کیلئے محل کے دروازے بند کرکے آرائش میں مشغول تھی اور آپ کے استقبال کیلئے تیار ہو رہی تھی اسی وقت اس مرد (یوسفؑ) نے اس پر حملہ کیا ہو گا اور تشدد کرنے لگا ہو گا اور اس عورت نے اپنی عصمت بچانے کیلئے اس کے گریبان کو پکڑ کر دھکا دیا ہو گا اور یہ مرد رسوائی کے خوف سے بھاگا ہو گا اور قمیص گریبان سے آگے کی طرف سے پھٹ[1] گئی ہو گی اور یہ مرد دوڑ کر آپ تک حضور میں آیا ہو گا تو یہ عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس مرد کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہو گی تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نازک موقعہ پر اس عورت نے اس کو بلایا ہو گا جب یہ عورت اس کو پھسلانے لگی ہو گی

فوجداری مقدمات میں جب دونوں جانب سے استغاثہ جات دائر ہوں تو جج کیسے معلوم کرے کہ کون حق پر ہے یا کس نے پہل کی یا کس کی زیادتی ہے۔ ایسے مواقع پر قرائن کی شہادت کی اہمیت

۱۔ چیری گئی ہو گی

تو یہ مرد بھاگ نکلا ہوگا اور یہ عورت اس کو واپس لانے کیلئے اس کی قمیض کو گردن سے پکڑا ہوگا اور
قمیض پیچھے سے پھٹ گئی ہوگی اور پھر کہا کہ میرے پاس قرائنی مبنی شہادت اور گواہی موجود ہے اور
اپنے پورے عقل و دانش اور علم و فہم سے شہادت دیتا ہوں میرے اس بیان سے آپ کو سب کچھ معلوم ہو گیا
ہے باقی ذاتی دشمنی اور موافقت کی خبر آپ کو ہوگی

عزیز مصر کے علم میں بہت سے قرائن موجود تھے جن سے حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت
امانت اور عفت و عصمت معلوم ہوتی تھی - اور اس عورت کی دشمنی اور بغض جو دوستی کے پردہ میں
مستور تھا وہ بھی عزیز مصر کو معلوم تھا - پھر اس نازک موقعہ کو دھیان میں رکھتے ہوئے حضرت یوسف
کی قمیض پر تحقیقی حقیقت کی نگر سے نظر ڈالتے ہیں

اسی شاہد کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ شیر خوار بچہ تھا یہ روایت اسرائیلیات
میں سے ہے اور غیر طبعی ہے - قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہد اور گواہ مرد تھا اور اس عورت
کا رشتہ دار تھا - کلام کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عزیز مصر کا مصاحب اور معتمد تھا -
اور بڑا ہوشیار تھا - دوسرا وہ تین بچے جو شیر خوارگی میں بولے تھے وہ صحیحین میں مذکور ہیں انیں
اس بچے کا ذکر نہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی شہادت دیتا ہے - مگر عوفی راوی سے تفسیر
معالم التنزیل میں روایت ہے کہ وہ پنگھوڑے کا بچہ تھا مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
کے باقی شاگرد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ مرد اور مصاحب تھا

ہم مانتے ہیں کہ تمام غیر طبعی چیزیں اللہ تعالیٰ قدوس کی قدرت میں ہیں اسواسطے
اس بچے کا بولنا جو کہ غیر طبعی واقعہ ہے ممکن العمل ہو سکتا ہے - آج بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ
بندے اپنی روحانی قوتی میں ہیجان پیدا کرکے پتھر سے آواز نکلوا سکتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام
اللہ تعالیٰ قدوس کے برگزیدہ پاک اور مقدس بندے تھے اور روحانیت کے اعلیٰ منازل پر فائز تھے -
ان کی روحانی قوت سے بچہ تو کیا - زمین و آسمان اور اس کے مابین جو اشیاء ہیں - ان کے تقدس
کی شہادت دے سکتے ہیں - اس سے انکار کی گنجائش ہرگز نہیں ہو سکتی -
چونکہ یہ واقعہ غیر طبعی ہے اسلئے راسخین فی العلم مفسرین کی ایک بڑی جماعت اس کا انکار کرتی ہے

تین شیر خوار بچوں کا بولنا صحیح سند سے ثابت ہے جنمیں حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق بچہ شامل نہیں ہے بلکہ وہ مرد اور بیگم عزیز مصر کا رشتہ دار تھا -

کیونکہ یہ امر سند صحیح سے ثابت نہیں ہو سکتا - اسلئے انکار نہیں کرتے کہ بچے کا بولنا ناممکن ہے بلکہ تین شیر خوار بچوں کا بولنا صحیح سند سے صحیحین میں موجود ہے مگر قرآن حکیم کی تفسیر میں ضعیف اقوال کو نہیں لانا چاہیے اور الفاظ پر غور کرتے ہوئے صرف اصل مقصود کی طرف توجہ کرنی چاہیے - بال کی کھال اتارنا موشگافیاں کرنا اور ہر بات پر غیر طبعی واقعہ لانا بنی اسرائیل کی عادت تھی جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت مبارکہ یہ تھی

غیر طبعی واقعات لانا اور موشگافیاں کرنا بنی اسرائیل کی عادت تھی

کہ اصل مقصود کی طرف توجہ کرتے تھے مثلاً توراۃ اور قرآن حکیم دونوں میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ موجود ہے اور دونوں میں موجود ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک شجر کھانے سے منع کیا گیا - اب دیکھو کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہو کہ وہ کونسا درخت تھا - کیونکہ اس شجر کی تعیین سے کوئی فائدہ مقصود نہ تھا اور بنی اسرائیل حسب عادت اس کی تعیین پر زور لگاتے ہیں اور جب مسلمانوں کی توجہ بڑے بڑے کاموں سے ہٹ گئی جیسے جہاد اور اصلاح انسانیت تو اس وقت ایسی غیر طبعی موشگافیاں کرنے لگے اور عجیب وغریب قصے تراشی کر کے قرآن حکیم کی تفسیر میں داخل کر دیئے گئے انا للہ وانا الیہ راجعون - اسلئے قرآن حکیم کی حکمت سے مسلمان اکثر نا آشنا ہو گئے اور عقلمند لوگوں کو ان کی تفسیریں پڑھنے سے ملال آنے لگا -

جب مسلمان جہاد اور اصلاح انسانیت جیسے عظیم کاموں سے غافل ہوئے تو ایسی غیر طبعی موشگافیاں کرنے لگے اور عجیب وغریب قصے قرآن حکیم کی تفسیر میں داخل کر دیئے گئے -

یاد رکھنا چاہیے شریف انسان اپنے خاندان کی غلطی کا اظہار کرنے کیلئے ایسا طریقہ بیان اختیار کرتے ہیں جس سے اظہار حقیقت بھی مقصود ہو اور کسی کو گراں بھی معلوم نہ ہو اس لئے اس شاہد نے دریافت حقیقت کا راستہ بطور قرینہ بیان کیا - اللہ تعالیٰ نے قدرتاً ہمیں تعلیم دینے اور قرائن سے حقیقت دریافت کرنے کا طریقہ سمجھایا کہ جب حقیقت مستور ہو تب

شریف انسان اظہار حقیقت کیلئے ایسا طریق بیان اپناتے ہیں جس سے اظہار حقیقت بھی ہو اور کسی کو گراں بھی معلوم نہ ہو

قرائن کا استعمال کیا جا سکتا ہے اور فقدان شہادت اصلیہ کے وقت قرائن صحیحہ اور قیاسات قریبہ بھی شہادت کا کام دے جاتی ہیں - جن فقہاء کے اور علماء نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلوں[1] کو پڑھا ہے اور جن فقہاء کی نظر قاضی فقیہ کعب ازدی اور قاضی فقیہ شریح ابن الحارث کندی اور قاضی فقیہ ایاس بن معاویہ مزنی اور قاضی فقیہ

شہادت اصلیہ جب مستور ہو تو قرائن صحیحہ اور قیاسات قریبہ بھی شہادت کا کام دے جاتے ہیں

۱ - فیصلات -

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے فیصلہ جات تک پہنچتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ آئمہ اسلام نے کس عمدگی سے اس اصول کو استعمال کیا ہے اور فراست صادقہ کی سہولیت سے حقیقت اصلیہ کا انکشاف کس عمدگی سے کیا ہے۔ رحمہم اللہ علیہم وجزاہم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء واسکنہم بجوار الجنۃ الماوی

(وَاللّٰہُ ھُوَ الْمُوَفِّقُ)

آیت نمبر ۲۸۔ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَہٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّہٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ۝

ترجمہ۔ پھر جب دیکھا عزیز مصر نے کرتا (حضرت) یوسف ؑ کا پیچھے سے پھٹا ہوا۔ کہا بیشک یہ خفیہ سازش تم سب عورتوں کی ہے۔ بیشک تمہاری خفیہ تدبیر بڑی ہے۔

لفظ کید کا ایک مفہوم یہ ہے کہ خفیہ فریب اور حیلہ جس سے دشمن شکست کھا جائے اور ایسی خفیہ تدبیر جو دشمن کو معلوم نہ ہو

تشریح: کید۔ خدیعہ اور مکر کے لفظوں کا ہم معنی ہے خفیہ فریب اور خفیہ حیلہ جس سے دشمن شکست کھا جائے اور ایسی خفیہ تدبیر کرنا جو دشمن کو معلوم نہ ہو۔ جنگی خفیہ چال کو بھی کید کہا جاتا ہے اور دوستی کے پردہ میں برا ارادے کو بھی کید کہا جاتا ہے۔ اس فقرے میں کید سے مراد مصر کی عورتوں کی وہ خفیہ تدبیر اور فریب ہے۔ جس سے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو رسوا اور بدنام کر کے انگلوان کے عہدہ سے معزول کرانا چاہتی ہیں۔

عزیز مصر کا قرائن سے حقیقت تک پہنچنا۔

حقیقت الامر تک پہنچنے کیلئے عزیز مصر کے پاس بہت سے قرائن تھے حضرت یوسف علیہ السلام دو سال تک عزیز مصر کی ذاتی ملکیت کے مختار رہے۔ عزیز نے حسن انتظام دیکھ کر دو سال کے بعد مختار الکل اور اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ وزارت کے عہدے پر رہتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہت مدت گزر چکی ہے۔ جس سے خاندان کی عورتوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب ہم ہمیشہ ایک عبرانی غلام کے سایہ میں رہیں گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام آزادیٔ نسواں پر بندشیں ڈالکر دینی و دنیاوی اصلاح کے قوانین بنا رہے تھے۔ امراء کی عورتیں بھی اپنی آزادی خطرے میں دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام سے ناراض تھیں اور آزادیٔ نسواں سے نوجوان امیرزادے جسقدر حظ چشمانی و لذت جسمانی اٹھا رہے تھے کم ہونے لگی تھی اور حسن کا بازار سرد پڑنے لگا تھا اسلئے وہ بھی کبیدہ خاطر اور ناراض تھے۔ یہ سب قصے عزیز مصر کے گوش گزار ہوتے رہتے تھے

امیروں کے خاص مصاحبوں کا یہی فرض منصبی ہوتا ہے کہ خاندان کے افراد اور خادموں کے ذاتی احوال سے قدرے انکو خبردار کرتے رہتے ہیں اور شہر اور ملک کے صحیح صحیح حالات و واقعات اُن کے آگے پیش کرتے رہتے ہیں - بعض اوقات ظاہری الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور بعض اوقات کسی آدمی یا جانور کا قصہ بنا کر ان کو سناتے ہیں - اگر امیر عقلمند اور صاحب فراست ہوتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ یہ قصہ میرے خاندان یا ملک کا ہے - یہ شاہد عزیز مصر کا خاص مصاحب اور غلام ہے اور بڑا عقلمند ہے - حضرت یوسف علیہ السلام سے عزیز مصر کو اپنے بیٹوں اور خاندان کے لوگوں سے زیادہ محبت تھی کیونکہ عزیز مصر حنیفی ملت ابراہیم علیہ السلام کا دلدادہ تھا - اس لئے اُسے حضرت یوسف علیہ السلام کے تمام اطوار اور اصلاحات زیادہ پسند آتے تھے - تو پھر مصاحب خاص کو ضروری ہے کہ تمام احوال حضرت یوسف علیہ السلام کو تنقید کی نگاہ سے جانچ پڑتال کرتا رہے اور پھر اپنے آقا کو اس سے واقف کرتا رہے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے بغض و حسد رکھنے والے لوگوں (خواہ خاندان کے خواہ شہر یا ملک کے لوگ ہوں) کے بارے میں کہ جو اُن کی معزولی اور بدنامی کیلئے خفیہ تدبیریں کرتے رہتے ہوں اُن کے حالات سے باخبر ہو کر مناسب وقت پر عزیز مصر کو متنبہ کرتا رہے - غرض اس مصاحب سے کوئی امر مخفی نہ تھا - اور یہی خاص سبب تھا جس کی بناء پر اس غلام کو اپنا عزیز مصر نے خاص مصاحب بنایا ہوا تھا -

اس مصاحب خاص کا بیان اللہ تعالیٰ قدوس قرآن حکیم میں لفظ بلفظ شہادت سے بیان فرماتا ہے تو اس مصاحب خاص کا بیان اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ وہ اپنے عقل و ہوش سے عینی شہادت میں میں بیان کرتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض دیکھو اس قمیض کے پھٹنے کا میں نے مشاہدہ کیا ہے آپ بھی اس کو دیکھیں تو سچ اور جھوٹ آپ پر واضح ہو جائیگا - جب عزیز مصر قمیض کو دیکھتا ہے تو اُس پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت و امانت عزیز مصر کے قلب میں جتنی مخفی تھی وہ جوش مار کر ظاہر ہو جاتی ہے - ہم تو یوں کہیں گے کہ قمیض نے فریاد کی کہ میں مظلوم ہوں اور مجھ پر سخت تشدد ہوا ہے اور قمیض کے بیان حال سے حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت و عفت و امانت ظاہر ہو گئی بلکہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ قمیض کے بیان قالی سے ظاہر ہو گئی - جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے خون آلودہ قمیض باپ (حضرت یعقوبؑ) کے پیش کر کے کہا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو

حضرت یوسف کی تین قمیصیں اور ان کی کرامات۔

۱۔ والد کو تسلی ملی
۲۔ عفت وعصمت۔ صداقت و امانت و دیانت پر گواہی
۳۔ والد کی آنکھوں کی بینائی کا بحال ہونا۔

کو بھیڑیا کھا گیا اور قمیص نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو تسلی دی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ بھیڑیا کھا گیا ہے اور نہ ہی انہیں قتل کیا گیا ہے بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ قدوس آپ کو کچھ وقت[1] کے بعد ملاقات کرائیگا اسی لیئے آپ نے فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ اور قرآن حکیم میں زیادہ غور کرنے سے اسطرح معلوم ہوتا ہے یہ پہلی کرامت تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص نے اُنکے بھائیوں کا جھوٹ ظاہر کیا اور تسلی بھی دی۔ اب یہ دوسری قمیص ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت وامانت کا اظہار کرتی ہے اور بیگم عزیز مصر کا جھوٹ بہتان۔ مکروفریب اور خفیہ تدبیر اور سازش ظاہر کرتی ہے اور قمیص خود شہادت دیتی ہے۔ اب اسی عورت کا جھوٹ دو عینی شاہدوں سے ثابت ہو گیا اور دونوں شاہد عادل ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت۔ امانت۔ عفت وعصمت ان دونوں شاہدوں نے ثابت کر دی۔ دونوں شاہدوں میں سے قمیص معتمد علیہ اور بڑا سچا عادل شاہد ہے۔

مولانا لغاری قمیص کی شہادت تعالی تسلیم کرتے ہیں۔

میں نے قمیص کی تعالی شہادت تسلیم کی ہے

اولیائے کرام کی کرامتیں برحق ہیں

اے بھائیو! اس پر تعجب مت کرنا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی کرامت کے تیسری قمیص پیغمبر کی کرامت تو خود قرآن تسلیم کرتا ہے کہ اپنی خوشبو کو سینکڑوں میل دور سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچادیتی ہیں اور پھر منہ پر ڈالنے سے وہ بینا بالبصیرت ہوجاتے ہیں۔ ایسی ہزارہا کرامتیں اہل اللہ سے ظاہر ہوتی ہیں یہ کرامات تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہیں۔ اس میں انکار کی گنجائش بھی نہیں۔

قوم ثمود کی سرکشی اور ظلم اور غلط عقائد۔

قوم ثمود بڑی ظالم تھی غرباء کے چوپایہ مال کو پانی نہیں پینے دیتے تھے اور بہت سی بدرسمیں اور عیوب[2] انہیں تھے۔ اپنے دیوتاؤں کے نام پر اونٹنیاں اور اونٹ کھلے عام چھوڑ دیتے تھے اور غریبوں کے کھیت اور زراعت تباہ کراتے تھے۔ قوم ثمود بڑی سرکش تھی۔ اللہ تعالیٰ کو خالق زمین وآسمان مانتے تھے مگر ان کا عقیدہ تھا کہ رزق کی تدبیر اللہ تعالیٰ نے دیوتاؤں کے سپرد کر رکھی ہے۔ ان دیوتاؤں کی سفارش کے بغیر کسی کی دعا وحاجت براری نہیں کرتا۔ اس لئے وہ قوم اللہ تعالیٰ کی توحید سے منہ موڑ کر دیوتاؤں اور ان کے نام پر نذر کیئے ہوئے جانوروں کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام ان میں نبی مرسل ہوئے۔ انہوں نے اس سرکش قوم کو ظلم اور غیر اللہ کی عبادت سے سخت منع فرمایا

۱۔ چند روز
۲۔ معائب

اور قوم سے کہا کہ دیکھو میں ایک ناقہ (اونٹنی) پر ہاتھ رکھکر اللہ تعالیٰ کی نذر کرتا ہوں۔ تمہارا چوپایہ مال اُس کو دیکھکر بھاگ جائیگا۔ جب حضرت صالح علیہ السلام نے ایک معمولی ناقہ مجمع کے روبرو اللہ کی نذر کی تو امیروں کا چوپایہ مال اس کو دیکھکر بھاگ جاتا تھا اور غریبوں کا چوپایہ مال اس کے اردگرد رہتا تھا اور غرباء کے چوپایہ مال کی رکھوالی رہتی تھی۔ اور جب پانی پر آتی تھی تو امراء کا چوپایہ مال مویشی اس کو دیکھکر بھاگ جاتے تھے اور غرباء کے مویشی اس کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ حضرت صالح ؑ کے ہاتھ کا معجزہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا کا سانپ بن جانا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس لکڑی کو ہاتھ میں رکھتے تھے ضرورت کے وقت وہ اژدھا بن جاتا تھا یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی برکت تھا کہ بے جان میں جان آجاتی تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں مٹھی بھر ریگ دشمن کے لشکر پر پھینک دی جس سے دشمن کا لشکر نابینا اور مغلوب ہوگیا۔

حضور اکرم ؐ کا معجزہ جنگ بدر میں مٹھی بھر ریت دشمن کے لشکر کی طرف پھینکنا اور غلبہ حاصل کرنا

اسیطرح ہزارہا کرامتیں اولیاء اللہ سے صادر ہوتی رہتی ہیں۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نے قالی شہادت دی جسکو نعقط عزیز مصر نے سُنا ہوگا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سفر بیت المقدس اور آپکی اونٹنی کا بات کرنا۔

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں لشکر اسلام نے بیت المقدس کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ کئی ماہ جاری رہا ایک دن قیامت کا پادری (یہ ایک عہدہ بنی اسرائیل میں تھا) قلعہ پر چڑھا اور لشکر اسلام کے جرنیلوں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگ اس قلعہ کو فتح نہیں کرسکتے فتح کرنیوالے کا حلیہ ایسا ہے وہ حلیہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ لشکر اسلام کے سردار نے اس واقعہ کی اطلاع دربار خلافت میں لکھ کر بھیجی اور دربار میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ (جو وزیر تھے ؓ) نے مشورہ دیا کہ امیر المومنین کا وہاں جانا ضروری ہے۔ سب نے اتفاق رائے سے یہی مصلحت سمجھی تو پھر امیر المومنین ؓ نے وہاں جانے کی تیاری کی۔ اپنے ساتھ فقط اپنے غلام کو لیکر اپنی ناقہ یعنی اونٹنی پر بیابان عرب کو قطع کرنے کیلئے تیار ہوئے اور باری باری سے سواری کرتے کبھی غلام سوار ہوتا اور امیر المومنین پیادہ مہار پکڑ کر چلتے اور کبھی آپ سوار ہوتے اور غلام مہار پکڑتا۔ اس سواری پر کھانے پینے کا تمام سامان وغیرہ تھا۔ ایسے ہی سافت طے کرتے ہوئے بیت المقدس کے قلعہ تک پہنچ گئے۔ قلعہ پر پہنچنے کے وقت غلام کی سواری کی باری تھی اور امیر المومنین حضرت عمر ؓ مہار پکڑے ہوئے قلعہ کے سامنے نمودار ہوئے۔

لشکر اسلام نے دیکھکر نعرۂ تکبیر بلند کیا ۔ قیامت کا پادری قلعہ پر چڑھکر نظارہ دیکھنے آیا ۔ لشکر اسلام نے قیامت کے پادری کو بتایا کہ یہ امیر المومنین ہیں ۔ مگر ان کے بتانے سے پہلے اسی اونٹ یا اونٹنی کے منہ سے پادری نے سنا کہ اب تمہاری حکومت اور اقتدار کا خاتمہ ہے اور تمہاری (بنی اسرائیل) قیامت ہے ۔ اس سواری سے آواز سننے کے بعد قیامت کا پادری بولا کہ یہ منحوس گھڑی ہم پر آنے والی تھی اور یہی نشانی ہماری کتب میں اور سینہ بسینہ آرہی تھی کہ مشرق یعنی عرب سے ایک مرد آئیگا اس کی سواری ہم سے کلام کریگی ۔ اسی وقت تمہارے مذہب اور حکومت کا خاتمہ ہوگا پھر اس قیامت کے پادری نے قلعہ کے دروازے کھولنے کا حکم دیا اور بیت المقدس ۔ مقدس ہاتھوں سے صلح سے فتح ہوا[55] قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ

اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ[56]

دابۃ الارض سے کلام کرنے والی آیت کا ایک مفہوم ناقۂ عمرؓ کا کلام کرنا ۔

جس وقت ہمارا حکم اور حکومت انپر (بنی اسرائیل) واقع ہوگا تو ان کیلئے نکالیں گے ایک جانور زمین (عرب سے) سے وہ جانور ان سے باتیں کریگا اور کلام کریگا ۔ وہ جانور ان سے کہے گا کہ اب ہمیشہ کیلئے بنی اسرائیل کا اقتدار ختم ہوگیا ۔ یہی ہے وہ دابۃ الارض ۔ کلام کرنے والا جس کی پیش گوئی بنی اسرائیل کے پاس تھی اور یہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سواری تھی جس سے قیامت پادری نے کلام سنی ۔ یہی تاویل ہے اس آیت کی جس کو امام سندھی قدس سرہٗ نے بیان فرمایا ہے اور علامہ امام موسیٰ جار اللہ نے اپنی تفسیر حروف مقطعات[57] میں بیان فرمائی اور پھر امام سندھی قدس سرہٗ کو داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ واللّٰہ درّ ملک علی الحق المبین پھر علامہ امام موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں باقی اسی آیت کی ایسی تاویلیں ہیں کہ جس کی طرف عقلمند راسخ فی العلم توجہ نہیں کر سکتا اور فرماتے ہیں یہی تاویل صحیح ہے اس آیت کریمہ کی ۔

اب میرے عزیز بھائی جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی سواری نے بنی اسرائیل سے باتیں کیں اور احکام سنا سکتی ہے تو کیا حضرت یوسف علیہ السلام جو ایک صدیق پیغمبر ہیں ان کی قمیض نے سچی شاہدی اپنے کلام سے کی ہو تو تعجب کی بات نہیں ۔ پھر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نیل کے نام وہ تحریر آمیز خط یاد کرو کہ کیسے دریائے نیل ڈر کر خدا سے دعائیں مانگتا رہا کہ یا الٰہی

[55] تفسیر حروف اوائل السور

[56] النمل ۲۷ : ۸۲

مجھے ہمیشہ بھرپور ڈر رکھو مبادا کہ خلافت راشدہ مجھ پر ناراض نہ ہو جائے اور میرا ستیاناس نہ ہو جائے
غرض ہر ایک چیز اولیاء اللہ سے محبت کرتی ہے اور ان کی ناراضگی سے ڈرتی ہے - ہمارے زمانے میں موجود
اہل اللہ سے بہت سی کرامتیں اس راقم الحروف کے مشاہدہ میں آئی ہیں - ان کرامات کے استقصاء
تحریر کرنے سے قلم کی زبان عاجز ہے - مشتے از خروارے بیان کرتا ہوں کہ اس راقم الحروف نے سیدنا
خواجہ حسن جان سرہندی نقشبندی قدس سرہ کی ایک ادنیٰ ترین خدمت سرانجام دی تھی اور آپ
نے اپنی وفات کے بعد ایک علمی عقدہ جو مجھے پیش آیا تھا خواب میں آکر اس عقدے کا حل بیان
فرمایا - رحمۃ اللہ علیہ جزاہ اللہ عنی خیر الجزاء اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت پیر رشید الدین جھنڈے
والے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درخت سے جو کھانے کے قابل نہ تھا پتے توڑے - اس درخت
نے آواز دی کہ میں تیرے لئے پیدا ہوا ہوں - اب ان پتوں کو کیا کروگے لیعنی ناراضگی سے کہا -
میں نے وہ پتے کھا لئے تب وہ درخت خوش ہو گیا -

حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق بھرچونڈی والے قدس سرہ سے ایک بے دین ملنگ
نے سوال کیا کہ اپنا یہ پیرھن مجھے اُتار کر دے دو جیسے ملنگوں کی عادت ہوتی ہے - جب بہت منت
کی تو آپ نے اپنا پیرھن اُتار دیا - یہ لیکر چلا گیا - کچھ دیر کے بعد وہ ملنگ واپس آکر
کہنے لگا کہ یہ پیرھن کہ رہا ہے کہ میں اہل اللہ کا ہوں اور تمہارے کام کا نہیں - اب مہربانی فرما کر اس
کو واپس قبول کرو - جماعت میں سے ایک شخص نے اس کو ایک روپیہ دیکر پیرھن لے لیا -

اے بھائیو! سن لیا کہ اہل اللہ سے کپڑے اور درخت کلام کرتے ہیں - اب اس قصہ کو ہم یہاں ختم کرتے ہیں
اس کے علاوہ ہم مسلمانوں کو یقین ہے کہ قیامت کے دن ہاتھ پاؤں اور چمڑے گواہی دیں گے
موجودہ زمانے میں چمڑے کی شاہدی زیادہ مقبول ہے - اسلئے دستاویزوں وغیرہ پر انگلیوں کے
نشانات لگائے جاتے ہیں اور چوروں کے سراغ کیلئے ان کے پاؤں کے چمڑے کے نشانات گواہ ہوتے
ہیں - اس سے پہچان ہوتی ہے - فونوں میں آواز بند کئے جاتے ہیں ریڈیو میں دور دراز تک آواز
پہنچائی جاتی ہے - آواز جو ایک قسم کی ہوا ہے اس سے پہچان ہوتی ہے کہ فلاں کی آواز ہے اور
لاسلکی اللاٹی سے دور دراز علاقہ سے فوٹو بھیجے جاتے ہیں - وغیرہ وغیرہ -

1 - الحاح

حاصل کلام :- حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت - عصمت و امانت عزیز مصر کو معلوم ہو جاتی ہے ۔
شاہدوں سے اور بہت سے قرائن صحیحہ سے استدلال لیکر فتویٰ اور (Judgement) دیتے ہیں کہ
اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ - ثابت ہوا کہ یہ امر یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو بدنام کر کے سزا
دلوانا فقط تیرا منصوبہ - خفیہ فریب اور جعل سازی نہیں بلکہ مصر کی تمام آزادی پسند عورتوں کی
ملی بھگت سے یہ منصوبہ بنایا گیا ہے - اس منصوبہ میں تم اکیلی نہیں ہو یہ بڑی سازش تیری
عقل کی اختراع نہیں - تیری عقل اور فہم کا مجھے تجربہ ہے - حضرت یوسف علیہ السلام جیسے معتبر معزز
صداقت اور امانت کے مجسمہ پر تیری کیا جرأت ہو سکتی تھی کہ ایسی فحش بدنامی کا منصوبہ
تیار کرے - یہ بالکل صحیح ہے کہ مصر کی پر فریب مکار عورتوں نے یہ جعل سازی تیار کی ہے اور تو بھی
اس میں شریک تھی اور پھر اس منصوبہ کی تکمیل اور سرانجام کرنے کی ذمہ داری کا بوجھ تیرے سر پر رکھا
اور تو نے اس کو قبول کر لیا - پھر عزیز مصر اپنی عورت کو فرماتے ہیں کہ انہی مکار مصری عورتوں نے
تمکو سمجھایا اور تیار کیا کہ یہ تماشا ایسے وقت کرو جب میرے آنے کا وقت ہو - تم سب عورتیں
جانتی تھیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام جو عصمت و عفت و امانت کا مجسمہ ہیں کبھی بھی گناہ کبیرہ
کے مرتکب نہیں ہو سکتے - اس لئے انہوں نے تجھ کو اس کا سرغنہ بنایا اور کہا ہوگا - ایسے خاص موقعہ
پر حضرت یوسف علیہ السلام کو اندرون محل بلا کر - اس کو پکڑ کر واویلا مچایا تا کہ اہل خانہ اور میں اندر
آ کر یہ حالت دیکھکر مغلوب الغضب ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دوں - یہی مطلب ہے
اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ - یعنی اس سازش کی تکمیل مکار عورتیں تیرے ہاتھوں سے کرانا چاہتی تھیں
کیونکہ تو میری پیاری بیوی اور ملکہ ہے اگر کوئی شخص تیری بے عزتی اور بے حرمتی کرنے کے ارادہ سے
حرکت فاحشہ کرے گا تو ضرور بضرور میں مغلوب الغضب ہو کر اس کو قتل کروں کیونکہ ایسی بے عزتی کو
(شوہر زن) دیکھکر بے تاب اور بے ہوش ہو جاتا ہے - دیکھو یہ تمہارا منصوبہ قتل کس درجے کا کید اور
مکر و فریب ہے - اس سے بڑا مکر و فریب کوئی انسان اپنے دشمن سے نہیں کر سکتا جیسا تم مکار مصری
عورتوں نے کیا ہے یہ مکر اور کید عظیم تھا مگر اللہ تعالیٰ قدوس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی حفاظت
فرمائی اور مجھے بھی حوصلہ دیا حتیٰ کہ تمہاری تمام سازشیں معلوم کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو بری، پاک اور مقدس سمجھکر

فیصلہ صادر کیا ہے۔ یہ معنی اور مطلب ہے ان دو فقروں کا۔ انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم الآیہ
ان جملوں کا یہ ہرگز ہرگز مطلب نہیں کہ تمام عورتیں مکار ہوتی ہیں اور سب عورتیں بڑے بڑے مکر وفریب کرتی ہیں ۔ یہ دو جملے ایسے ہیں جیسے کسی خاص مقدمہ میں مجرم کو سزا دیتے وقت کہدے کہ تم پنجابی یا سندھی بڑے ڈاکو اور رہزن ہوتے ہو۔ اس سے یہ مراد لینا کہ سب کے سب پنجابیوں یا سندھیوں کو چور کہہ رہے ہیں اور ڈاکو کہہ رہے ہیں ۔ کوئی بھی عقلمند یہ نہیں سمجھیگا کہ سب کو ملزم بنا رہا ہے ۔

شاعر اور افسانہ گو لوگوں نے ان جملوں سے بسبب عدم تدبر فی القرآن یہ سمجھ رکھا ہے کہ سب عورتیں مکار ہوتی ہیں اور بے وفا ہوتی ہیں ۔ یہ شاعر و افسانہ گو لوگ سب عورتوں کی مذمت کرتے وقت اسی جملہ کو پڑھتے ہیں کہ ان کیدکن عظیم ۔ اور پھر کہتے ہیں کہ سب عورتیں شیطان سے زیادہ مکار ہوتی ہیں اور اپنے دعوی کے اثبات کیلئے پڑھتے ہیں ان کید الشیطٰن کان ضعیفاً ۔

قرآن کریم میں عورتوں کی حیثیت اور انکے مقام و مراتب کا ذکر

یہ ادنی فہم کے لوگ ہیں ۔ سوسائٹی کے حالات سے ناواقف ہیں ورنہ سوسائٹی میں جیسے مردوں میں صدیق، شہید اور صالحین کثرت سے موجود ہوتے ہیں ویسے ہی عورتیں بھی صدیقہ ۔ شہیدہ اور صالحہ ہمیشہ موجود ہوتی ہیں اور قرآن مجید نے تو عورتوں کو مردوں کے برابر لا کھڑا کیا ہے

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ آلآیہ (احزاب ۳۳ : ۲۵

ترجمہ :- البتہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں اور عابد مردوں اور عابدہ عورتوں اور صادق مردوں اور صادقہ عورتوں اور صابر مردوں اور صابرہ عورتوں اور خاشع مردوں اور خاشعہ عورتوں اور صدقہ دینے والے مردوں اور صدقہ دینے والی عورتوں اور روزہ دار مردوں اور روزہ دار عورتوں اور اپنے ستر کی حفاظت کرنے والے مردوں اور اپنے ستر کی حفاظت کرنے والی عورتوں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم مقرر کر رکھا ہے ۔ اھ

اور پھر خاص عورتوں کی قرآن حکیم نے تعریف فرمائی ۔ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ[1] ترجمہ : نیک بیبیاں فرمانبرداری کرنے والی اور جان و مال کی حفاظت خفظ الہی سے کرنے والی ہیں ۔

[1] النساء ۴ : ۳۴

عورت فطرۃً مجسمۂ حیاء وفا پیدا ہوتی ہے۔ بے حیائی اور بے وفائی کی تحریک کی ابتداء ہمیشہ مردوں کی شروع ہوتی ہے

اس لیئے ہر ایک شریف مرد کو چاہیے کہ اپنی شریک زندگی (بیوی) پر خاصکر اور عام مستورات پر عام طرح اچھا گمان رکھے اور شریف سمجھے اور ہرگز ہرگز کسی پر بدگمانی نہیں کرنا چاہیے اور مسلمان ایماندار پر ضروری ہے کہ حسب فرمان الٰہی مذکورہ بالا پر یقین رکھکر عورت ذات پر شک اور بدگمانی نہ کرے۔ اور مسلمہ مستورات کے شرف کو فراموش نہ کرے اور جھوٹے فرضی قصے بہار دانش۔ الف لیلیٰ۔ ناولکا کے پڑھ کر اپنی فطرت سلیمہ کو خراب نہ کرے۔ عورت فطرۃً مجسمہ حیاء وفا پیدا ہوتی ہے۔ بے حیائی اور بے وفائی کی تحریک کی ابتداء مردوں سے شروع ہوتی ہے۔ سوسائٹی میں تجربہ کرکے ہر جگہ یہی مشاہدہ بھی ہوتا ہے اِلّا ماشاءاللہ فاللّٰہ خیرٌ حافظاً وھوارحم الرّٰحمین۔

عشق مجازی و حقیقی میں فرق نیت و اخلاص کا ہوتا ہے۔ ایک میں خواہشات نفسانی و شیطنت کو غلبہ ہوتا ہے اور دوسرے میں سراپا سپردگی پیش نظر ہوتی ہے

لطیفہ :۔ دو بدا خلاق شخص آپسمیں باتیں کر رہے تھے۔ انمیں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ دوست مجھے کوئی تدبیر بتاؤ کہ میں اپنی معشوقہ کا دیدار کرونگا میری معشوقہ بڑی امیرزادی بادقار دیداجیاء ہے۔ ایک بار میں اُسے دیکھکر عاشق ہوا ہوں دوبارہ دیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ اسنے جواب دیا کہ اسکی اولاد ہے۔ عاشق نے اثبات میں جواب دیا۔ اسنے اس کو صلاح دی کہ جاکر اس کی اولاد کی بے طمع خدمت کرو وہ تمہارے ساتھ بے حجاب ہوکر صحبت کرنگی پھر تم جتنا دیدار چاہو کرتے رہو۔ ان کے قریب ایک سالک صوفی باصفا باحیا بیٹھا سن رہا تھا وہ سنتے ہی نعرۂ تکبیر بلند کرکے رونے لگا اور وجد میں آگیا۔ وہ صوفی سالک بار بار وجد میں کہتا تھا۔ میں نے سمجھ لیا۔ میں نے سمجھ لیا اور جب وہ سالک صوفی آرام و سکون میں آیا تو لوگوں نے پوچھا آپ نے کیا مطلب سمجھا تو اس نے جواب میں فرمایا کہ جسکو دیدار حق تعالیٰ کا شوق ہو اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قدوس کی مخلوقات کی بے طمع اور رضا اور خوشنودئ الٰہی کیلئے خدمت کرتا رہے تو ضرور حق تعالیٰ قدوس اُسے اپنا مشاہدہ کرائے گا۔ اگر کسی شخص کو دیدار رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب ہو تو آپؐ کی سنت پر چلنے والے لوگوں سے صحبت کرے اور ان کی خدمت کرے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے ضرور مشرف ہوگا۔ اور وہ سالک صوفی کہنے لگا کہ میں نے سمجھا ہے اور اس پر عمل کرونگا۔

اے میرے عزیز بھائی خداوند تعالیٰ کے خاص بندے باہوش - بداخلاق لوگوں کی باتوں سے بھی عبرت پذیر ہوتے ہیں -

مولانا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

نہ گویند از سر بازیچہ حرفے — کہ ازاں پندے نگیرد صاحب ہوشی
اگر صد باب حکمت پیش نادان — بخوانند آیدش بازیچہ در گوش

یعنی جاہلوں نادانوں کے آگے اگر حکمت - عقل اور نصیحت آمیز وعظ کرتے رہو تو اس کی طرف متوجہ نہ ہوں گے - اسلئے وعظ کو لوگ تمسخر آمیز لطیفے لکھدیتے ہیں تو ان کو نادان لوگ یاد رکھتے ہیں - مگر عقل مند - دانا - باہوش لوگ بے عقلوں کے تمسخر آمیز قصوں سے بڑی نصیحتیں اور عبرتیں حاصل کرتے ہیں -

اب اس عورت عزیز مصر کے قصہ سے ہمیں یہ عبرت کا سبق لینا چاہیے کہ بداخلاق - غیر مہذب لوگ اصلاح کرنے والوں کے دشمن بن جاتے ہیں اور ان کو بدنام کرنے کے منصوبے اور سازشیں تیار کرتے رہتے ہیں - اگر یہ بداخلاق لوگ ایک بار شکست کھا جاتے ہیں تو بھی مصلحین مہذبین کو بدنام کرنے اور ان کو گرانے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور باز نہیں آتے اور عقلمند النفلابی مصلحین بھی ہمت نہیں ہارتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی نیک نیتی کو کامیاب بناتا ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عزیز مصر نے جو یہ فتویٰ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْم دیا ہے یہ خاص سازش کرنے والی عورتوں کے متعلق ہے - اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ عورت ذات کیلئے فتویٰ دیا ہے - بلکہ خاص موقع اور مقام کے متعلق بیان ہوا ہے - اِنَّہٗ مِن کَیْدِکُنَّ سے اشارہ ہے کہ اس منصوبہ میں مصر کی اور میرے خاندان کی سب عورتیں شریک ہیں - سب نے ملکر یہ منصوبہ بنایا ہے اور اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْم " کے جملہ میں عزیز مصر فرما رہے ہیں کہ ان سب عورتوں نے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کیلئے تم کو منتخب کیا ہے تاکہ میں مغلوب الغضب ہو جاؤں یہ تم سب کی خفیہ سازش کتنی عظیم ہے -

بداخلاق اور غیر مہذب لوگ ہمیشہ مصلحین کے دشمن بن جاتے ہیں انہیں بدنام کرنے اور ناکام بنانے میں کوشاں رہتے ہیں مگر مصلحین اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ثابت قدمی سے کوشش کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

آیت نمبر ۲۹ - يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَـٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝

ترجمہ: اے یوسف جانے دو اس ذکر کو - اور اے عورت بخشواؤ اپنا گناہ ۔ بے شک تو ہی گنہگار تھی

تشریح :- اب عزیز مصر کی ظاہری باطنی آنکھوں میں حضرت یوسف علیہ السلام معزز ہو جاتے ہیں اور ان کی امانت دیانت کو چار چاند لگ جاتے ہیں - اُن کی عزت وعفت وامانت خاندان عزیز اور سوسائٹی میں مشہور ہو جاتی ہے۔

اسیطرح قریش مکہ مکرمہ جتنی تدبیریں سوچتے ہیں کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ووقار- عقل وتجربہ کو ضرب کاری لگے اتنا ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم عرب سوسائٹی میں مقبول معزز اور امین ہوتے جاتے تھے - قریش کے پروپیگنڈہ کا الٹا اثر پڑتا تھا - اور قریش کی سازشیں ناکام ہوتی رہتی تھیں ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلانیہ تبلیغ اور قریش مکہ کا طرز عمل -

نبوت کے تیسرے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی تو قریش نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہو گیا ہے - اس لئے ایک شخص جسکا نام ضماد تھا اور قوم اَزدِ شنو میں سے تھا - عرب کے مجنونوں کو اس کے پاس لے جاتے وہ کلام اور جنتر منتر اُن پر پڑھتا تھا اس لئے ضماد کو قریش نے طلب کیا اور حکم دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر ان پر اپنا منتر پڑھو -

کلام الٰہی کی آیات سن کر ضماد کا ایمان لانا -

ضماد کہتے ہیں کہ میں نے جاکر کہا - اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہو جاؤ کہ آپ پر منتر پڑھوں آپ سے یہ مرض جنون دور ہو جائیگا آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر ان الفاظ میں گفتگو کی جاجی اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِيْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ الی آخرہٖ - میں نے عرض کیا یا حضرت دوبارہ سہ بارہ پڑھیں[1] - میں یہ کلمات سن کر ایمان لایا اور بیعت کی اور کہتے ہیں کہ در اصل میں جنون کی بیماری میں مبتلا تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے شفایاب ہو گیا او کما قال -

ا- پڑھو

طفیل بن عمرو الدوسی کا مکہ میں وارد ہو کر قریش کا مہمان بننا - اور قریش کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے منع کرنا -

۲- طفیل بن عمرو الدوسی اپنے قبیلے کا سردار تھا اور بڑا فصیح البیان شاعر تھا کہتا ہے کہ جب ہجرت سے آٹھویں سال جب حضرت عمرو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہما جیسے بڑے بڑے عقل مند حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور مسلم جماعت طاقتور ہو گئی تب قریش نے بھی ہر طرح مقابلہ کرنیکا تہیہ کر لیا تھا اور مکہ مکرمہ جو امن کی جگہ تھی فتنہ و شر کا مرکز بن گیا تھا - طفیل بن عمرو الدوسی کہتے ہیں کہ محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب کی امانت و دیانت اور حکمت و دانائی کی شہرت عرب میں عام تھی - اسلئے میں اس مخالفت اور انقلاب کے اسباب جانچنے کیلئے مکہ مکرمہ میں وارد ہوا اور عمرہ کا احرام باندھکر مکہ مکرمہ میں سرداران قریش کا مہمان بنا اور اپنے آنے کی غرض وغایت ان کے سامنے بیان کی - انہوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز ہرگز ملاقات مت کرو کہ وہ ایسا مجنون ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ان سے ملاقات کرتا ہے تو وہ بھی مجنون ہو جاتا ہے اور اپنی قوم کا دشمن بن جاتا ہے اور قوم اس کی دشمن بن جاتی ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا یعنی ملاقات کا خیال ترک کر دیا اور سرداران قریش سے کہا کہ صبح سویرے بیت اللہ کا طواف کر کے واپس چلا جاؤنگا - انہوں نے کہا کہ صبح سویرے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن حکیم کی تلاوت سنکر طفیل بن عمرو الدوسی کا اسلام قبول کرنا

محمد - صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں آکر نماز پڑھتے ہیں مبادا آپ ان سے کوئی بات سن کر دیوانے نہ ہو جاؤ - میں نے کہا کپاس لاؤ - میں کانوں میں روئی ٹھونس کر جلد طواف کر کے چلا آؤنگا - میں نے طواف کرنا شروع کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بلند آواز سے قرآن حکیم پڑھ رہے تھے - میں نے خیال کیا کہ میں قبیلے کا سردار ہوں اور عقلمند حکیم اور شاعر ہوں مجھے یہ کلام سننا چاہیے - کانوں سے کپاس نکال کر قریب ہو کر سنا اور کلام اللہ پر گرویدہ ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت دل میں جاگزین ہو گئی - حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز پڑھ کر چلے گئے میں بیت اللہ کے طواف وسعی صفا و مروہ سے فارغ ہو کر خدمت اقدس میں پہنچکر بالمشافہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اپنی قوم کو اسلام پر لانے کیلئے کرامت کی التجا کی - آپؐ نے فرمایا کہ آپ کو نشانی مل جائیگی - جب میرے قبیلہ نے سنا کہ میں آنے والا ہوں تو میرے استقبال کیلئے ایک پہاڑ کی بلندی پر جمع ہو گئے - رات کا وقت تھا - انہوں نے میرے چابک میں دیکھا کہ نور کا ایک بڑا قندیل معلق تھا - پھر میں نے گھر آکر اپنی والدہ ماجدہ اور شریک حیات (بیوی) کو اسلام سکھایا اور تبلیغ اسلام

کو اپنا مقصد حیات بنایا۔

اے میرے عزیز بھائی اسپلح اور بہت سے قصے ہیں کہ سرداران قریش جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے تھے اتنا ہی اثر اس کے الٹ ہوتا تھا اور قبائل عرب میں اسلام بڑھتا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق و امانت کی زیادہ تشہیر ہوتی جاتی تھی۔ ؎ دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست۔

- مِنَ الْخَاطِئِيْنَ - یہ من القوم الخاطئین جیسے پہلے آیا ہے من الصادقین اسی من القوم الصادقین۔

یعنی تم خطا کار جماعت میں سے ہو۔ خطا کا معنی گناہ بھی ہے اور غلطی بھی ہے یعنی اے عورت تو گنہگار جماعت میں سے یا تو نے تیر مارا مگر نشانہ پر نہ لگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر بدنامی کا تیر مارا مگر خطا ہو گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام امانت صداقت دیانت وعفت میں زیادہ مشہور ہوئے۔ اس کلمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس خفیہ تدبیر اور سازش میں مرد بھی شامل ہیں۔

عزیز مصر اب بڑی التجا سے حضرت یوسف علیہ السلام سے استدعا کرتے ہیں کہ اس امر کو جانے دو اور کسی سے اس کا تذکرہ مت کرو اپنے پاک دل سے غم وغصہ نکال ڈالو اور آئندہ بھی حسب سابق اس عورت کو اپنی والدہ ماجدہ تصور کرتے رہو مگر ساتھ ہی ساتھ اس سے حذر کرنا اور بے خوف ہو کر میل ملاقات نہ کرنا۔ یہ عورت ناگن ہے کہیں دوسری بار آپ کو ڈس نہ لے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو ایسی تعیمینی کرتے ہوئے اس عورت کو خطاب کرتے ہیں کہ اے عورت تم نے بڑی خطا اور گناہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قدوس کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے تو نے میرے خاندان کی بدنامی کی ہے اور تیرا گناہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو معصیت میں ڈالنے بدنام کرنے اور معصوم کو سزا دلوانے کی کوشش کی ہے۔ تیرے یہ گناہ سب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ بخشوانے کی کوشش کرو اس کی بارگاہ میں نادم ہو کر خالص توبہ کرو اللہ تعالیٰ تیرا گناہ معاف کرے گا اور مجھ سے معافی طلب کرو اور حضرت یوسف علیہ السلام سے درخواست کرو کہ وہ بھی تمہیں معاف کریں اور عزیز کہتے ہیں کہ اے عورت تیرا تعلق بدکار گنہگار جماعت (مرد یا عورتوں) سے ہے۔

آئندہ ان سے اپنا تعلق مت رکھو اور ایسے سب تعلق توڑ ڈالو ۔ پھر وہ عورت عزیز کے پاؤں پکڑ
کر معافی مانگتی ہے اور نہایت عجز و نیاز سے حضرت یوسف علیہ السلام سے معافی کی درخواست کرتی ہے
اور دونوں (یوسف ع ۔ عزیز مصر) چونکہ متحمل مزاج رکھتے ہیں تھے اور اعلیٰ اخلاق والے تھے جنہوں
نے درگزر کر کے معاف کر دیا اور توبہ تائب ہو گئی ۔ اللہ تعالیٰ قدوس سے ان دونوں کے روبرو
گریہ و زاری کے ساتھ گناہ کی معافی مانگی اور پختہ وعدہ کیا کہ بدکار جماعت سے آئندہ
ہرگز ہرگز تعلق نہ رکھوں گی ۔ عزیز مصر چونکہ بھلے مانس اور اصلاح پسند تھا ۔ اس عورت کو اصلاح
پذیر سمجھ کر کچھ عتاب نہ فرمایا ۔ کیونکہ خانگی معاملہ تھا اسلئے معاملہ کو رفع دفع کر دیا ۔
چونکہ یہ عورت دراصل لونڈی تھی اور اس کا رشتہ دار عزیز مصر کا مصاحب تھا اور اس
نے بھی اس کے خلاف شہادت دی تھی تو بے قہر درویش بر جان درویش سے
زہر کا گھونٹ پیکر فیصلہ قبول کر لیا ۔ اسلئے کہ اس کا کوئی عزیز و اقارب نہ تھا جس کے پاس جا کر اپنا
دکھ سنائے اور واویلا مچائے ۔ اگر کسی بڑے خاندان کی ہوتی تو ضرور ان کے پاس جا کر واویلا مچاتی کیونکہ اس
عورت نے اپنی خفیہ سازش سے باز آنے کا ارادہ ترک نہ کیا تھا ویسے ہی یہ فیصلہ قبول کر لیا تھا اور اپنی
ناکامی کی خبر مصر کی مکار عورتوں کو روانہ کرتی ہے ۔ اس مکر و فریب اور خفیہ تدبیر کی سرغنہ دراصل پانچ
عورتیں تھیں ۔ ۱ ۔ ایک بادشاہ کے اہل خانہ کے نگہبان خاص الخواص لشکر شاہی کے سپرنٹنڈنٹ کی عورت تھی
۲ ۔ صاحب الدواب یعنی لشکر شاہی کے گھوڑوں اونٹوں وغیرہ کے نگہبان اور تربیت دینے والے آفیسر
کی عورت تھی ۔ ۳ ۔ خباز یعنی بادشاہ اور ولی کے خاندان کے طعام و خوراک کا بندوبست کرنے والے
آفیسر کی عورت تھی ۔ ۴ ۔ ساقی یعنی شراب (پلانے والے) تیار کرنے والے آفیسر کی عورت تھی اور
۵ پانچویں سپرنٹنڈنٹ جیل (حوالات) کی عورت تھی اور عزیز مصر کی عورت کو انہی پانچ عورتوں نے خفیہ سازش
سکھا پڑھا کر پختہ کر کے متعین کیا تھا ۔ ایسا ہی امام بغوی کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے ۔ شاید چند دوسری
عورتیں بھی ہوں ۔ پھر امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب یہ عورت ناکامیاب ہوتی ہے تو اپنے
راز کی اطلاع ان عورتوں کو دیتی ہے ۔ اَفْشَتْ اِلَيْهِنَّ سِرَّهَا وَاسْتَكْتَمَتْهُنَّ فَافْشَيْنَ
سِرَّهَا ۔ یعنی اس نے اپنا راز ان عورتوں کے پاس بیان کیا اور ان سے التجا کی کہ میری اس ناکامی کو چھپانا اور

مکر و فریب اور خفیہ سازش میں بیگم عزیز مصر کی شریک کار پانچ عورتیں تھیں ۔

اور کسی سے آگے بیان مت کرنا۔ مگر انہوں نے اس واقعہ کو راز میں رکھنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اس کو ایک درجہ کی کامیابی سمجھ کر شمار کر کے اُمراء کی عورتیں میں اس کی خوب اشاعت کی اور اس سے بلند پایہ سازش تیار کرنے میں مشغول ہوگئیں۔

اب آگے دوسری سازش شروع کرتی ہیں۔ وہ ایسی سازش ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس سے بچ نہ سکے اور اپنے عہدے سے معزول ہو جائے۔ اب یاد رکھنے کی بات ہے کہ عموماً عورتیں باحیا و سلیم الفطرت ہوتی ہیں۔ بڑی مہمات اور جھگڑوں سے اجتناب کرتی رہتی ہیں فتنہ و فساد میں پڑنا اس صنف نازک کی طبع برداشت نہیں کرتی مگر جب قوم اور ملت کی آزادی خطرہ میں پڑ جاتی ہے اور مردوں میں اسکا احساس گم ہو جاتا ہے۔ تب عوام الناس میں احساس پیدا کرنیکا طریقہ انقلابی مصلحین یہ سوچتے ہیں کہ اس صنف نازک میں احساس پیدا کر دیا جائے اور آگے بڑھایا جائے کیونکہ عورتیں فطرۃً اثر قبول کرنے والی ہوتی ہیں پھر اس صنف نازک سے ایک حساس گروپ میں اپنا پروپیگنڈہ کر کے جرأت وہمت پیدا کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ تمہارے آگے بڑھنے سے عوام الناس میں احساس پیدا ہوگا اور ملک و ملت غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو جائیگا

عورتیں فطرۃً جلد اثر قبول کرنے والی ہوتی ہیں اور حساس ہوتی ہیں۔ سیاسی لوگ اپنے پروپیگنڈے سے متاثر کر کے انہیں میدان عمل میں لاتے ہیں

تاریخ کے صفحات میں اس صنف نازک کے کارنامے موجود ہیں۔ آزادی فرانس کا سہرا عورتوں کے سر ہے۔ ہندوستان میں تحریک آزادی کے زمانے میں جو دور صنف نازک نے پارٹ ادا کیا ہے اُسے بُھلایا نہیں جا سکتا۔ پرامن ستیاگرہ ( ) جس طریقہ سے اس صنف نازک نے کی تھی ہر عقل مند حساس ذہن میں موجود ہے۔ قرون اولی کی مسلمات مومنات کے کارنامے جو تاریخ کے صفحات میں ثبت ہیں دیکھکر عقل دنگ [1] رہ جاتی ہے۔

قرون اولی کی عورتوں کے کارناموں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے عقل دنگ رہ جاتی ہے

اس قصہ میں دراصل اُمراء طبقہ اور نواب زادگان کے اُکسانے سے مصری عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو وزارت کے عہدہ سے ہٹانے کیلئے میدان عمل میں آگئی تھیں۔ اس طبقہ کے لوگوں نے زیادہ تر عزیز مصر کی عورت کو عزت دلائی اور باقی عورتوں کو بھی سمجھا بجھا کر تیار کیا ہے کہ تم عورتوں کی آزادی سلب کرانے کیلئے عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وزارت کا عہدہ سونپا ہے۔

قصہ یوسف علیہ السلام دراصل اُمراء نواب زادگان کے اُکسانے پر مصری عورتوں نے اپنے ذمہ لیا تھا

1۔ حیران

اگر تم استقلال کے ساتھ اپنی بدنام کرتی رہو گی تو ہم مرد تمہاری امداد کما حقہٗ کریں گے اور ہمت کریں۔ جب عزیز مصر کی عورت ناکام ہوئی تو انہوں نے سمجھایا ہوگا کہ یہ بھی ایک منزل تھی اب اس سے آگے بڑھو تو عزیز مصر بھی دوسری بار حضرت یوسف علیہ السلام کی حمایت سے دستبردار ہو جائیگا پھر مکر و فریب کا دوسرا جال ڈالتی ہیں۔

زنانِ مصر کی دوسری سازش = آیت نمبر ۳۵ - وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

ترجمہ: اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اسکے جی سے البتہ فریفتہ ہو گیا اس کا دل اس کی محبت میں ہم تو دیکھتی ہیں اس کو صریح خطا پر۔

تشریح = امراء - دولتمند طبقہ اور خصوصاً دارالسلطنت میں رہنے والے لوگ موجودہ زمانہ میں اپنی اپنی میٹنگوں، محفلوں اور ڈنر پارٹیوں سے اپنی عزت و ناموس کو چار چاند لگاتے ہیں۔ یہ پارٹیاں کبھی کسی بڑے ہال میں کبھی کسی بڑے ہوٹل میں ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ تفریح کیلئے مجلس اور محفلیں باغوں میں اور ندی کے کنارے پر منعقد کرتے ہیں۔ زمانہ حاضرہ میں کبھی کبھی بیوی بچوں سمیت سینما دیکھتے ہیں یا کسی کلب میں چلے جاتے ہیں۔ وہاں کھیلتے ہیں۔ شراب کباب اور گانے بجانے سے حظ اُٹھاتے ہیں اسطرح اپنے قیمتی اوقات کو لہو و لعب میں برباد کرتے ہیں لیکن اگر عقلمند سوسائٹی کے ہمدرد لوگ (معاشرے) کی بہی خواہی اور خیر خواہی کیلئے کوئی میٹنگ بلا کر دولتمندوں کو بلاتے ہیں تو ایسی میٹنگوں اور مجلسوں میں وہ حاضر نہیں ہوتے۔ اس ڈر سے کہ کہیں ہم سے چندہ نہ مانگیں یا کسی فنڈ کیلئے ہم سے امداد نہ کریں۔ دولتمند رفاہیت بالغہ کے انسانوں کی قدیمانہ حدیثاً یہی فطرت واقع ہوئی ہے۔

چونکہ مصر بڑا ترقی یافتہ علاقہ تھا۔ اُمراء - جاگیردار اور بڑے بڑے تاجر پیشہ لوگوں اور بڑے بڑے افسروں کا اسمیں اجتماع تھا اسلئے وہاں تفریح کیلئے محفلیں منعقد کی جاتی تھیں۔ اُس (گزشتہ) زمانے میں مرد اور عورتیں اپنی اپنی جُدا جُدا محفلیں منعقد کرتے تھے۔ جب بیگم عزیز اپنے منصوبہ میں ناکامیاب ہوئی تو عورتوں کی محفل میں نہیں جاتی تھی اور شرم کے مارے کسی بڑی ڈنر پارٹی

مصری عورتوں کا اپنی محفلوں میں بیگم عزیز مصر کے واقعہ کا تذکرہ کرنا اور بیگم عزیز پر طعن و تشنیع کرنا۔

میں شامل نہیں ہوتی تھی۔ مصر کی امیرزادیاں ہر ہفتہ یا کم از کم ہر مہینے میں اپنی تفریح کیلئے بڑی بڑی محفلیں اور پارٹیاں تیار کر کے اپنی ہم مشرب عورتوں کو بلاتی تھیں اور خوب دعوت۔ گانے بجانے ناچ۔ شراب کباب سے حظ اٹھاتی تھیں اور بیچاری مصیبت زدہ بیگم عزیز باوجود دعوت ملنے کے مجلس میں حاضر نہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ نسواں کی عادت ہے مجلسوں میں بیگم عزیز کا قصہ چھیڑ کر اسی پر ملامت اور تشنیع کی بوچھاڑ شروع کر دیتی تھیں اور طرح طرح کے الفاظ سے اس کی عزت و آبرو پہ نکتہ چینی کرتی تھیں۔

بیگم عزیز انتقام کی آگ میں سلگ رہی تھی اور مناسب موقع کی تاڑ میں تھی۔

اسیطرح ہر محفل میں نکتہ چینی ہوتی تھی اور بیگم عزیز ان سب حالات کو سنکر غمگین ہوتی تھی۔ اور انتقام لینے کیلئے بے تاب تھی۔ جیسے ریچھ کو زدوکوب کر کے چھوڑ دیا جائے تو انتقام لینے کیلئے بے تاب ہوتا ہے۔ اور چاہتی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان عورتوں سے انتقام ضرور لینا چاہیے مگر دو امر مانع تھے اسلئے عجلت اور جلدبازی سے احتراز کرتی تھی۔

ایک امر مانع یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جو صدمہ پہنچا یا تھا اس کی تلافی ہو جائے تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے کہ اب بیگم عزیز بڑی پارسا اور خدا پرست ہو گئی ہے۔ اور اپنی غلطی سے توبہ تائب ہو گئی ہے اسیطرح بیگم عزیز (جو بڑی چالاک اور پُرفن تھی) حضرت یوسف علیہ السلام کو اطمینان دلانے کی خاطر ان سے رجوع الی اللہ کا طریقہ سیکھنا شروع کیا اور والدہ ماجدہ کی طرح پھر پیار محبت کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ دو سال کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو اطمینان ہو جاتا ہے اور آپ کے پاک دل سے ظنون اور شکوک کی جگہ نیک ظن پیدا ہو گیا۔ اب بیگم عزیز کو عورتوں کے شبہات اور ظنون دفع کرنے کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔

جس مقدمہ کا فیصلہ ہو جائے اس کی کاروائی پبلک کی ملکیت ہو جاتی ہے اور اس کی اشاعت جرم نہیں ہوتا۔

جو مقدمہ اور استغاثہ مجسٹریٹ کے پاس پہنچ جائے پھر گواہوں سے اس کا فیصلہ ہو جائے تو اس کی کاروائی پبلک کی ملکیت ہو جاتی ہے اور اخبارات اور عام انجمنوں (محفلوں) میں اس کی شہرت کرنا کوئی جرم نہیں۔ اس پر رائے زنی کا حق ہر ایک آدمی کو ہوتا ہے۔ بیگم عزیز مصر کا استغاثہ اور اس کی تمام کاروائی اور فیصلہ پر نکتہ چینی کا حق ہر ایک مصری باشندہ کو حاصل تھا اسلئے خواتین بیگم عزیز پر نکتہ چینی کرتی ہیں۔

قَالَ نِسْوَةٌ۔ قال فعل مذکر کا صیغہ ہے مگر چونکہ اس کا فاعل ظاہر ہے۔ اگرچہ مونث ہے اور مونث غیر حقیقی ہے اسلئے مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے۔ ایسا عربی گرامر میں درست ہے ~~نسوۃ جمع ہے~~ امراۃٌ کی واحد ہے اسکا تثنیہ امراتان ہے مگر امراۃ سے جمع نہیں آتی۔

کیلئے

جمع نِسْوَۃٌ یا نِسْوَانٌ نِسَاءٌ آتے ہیں۔ المدینۃ اس شہر کو کہتے ہیں جس شہر میں انسانوں کی بڑی آبادی ہو یا جہاں قلعہ ہو۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مصر کے بڑے شہر سے کچھ فاصلے پر اُمراء طبقہ نے اپنا شہر بسایا تھا اس کی عمارتیں بڑی زیب و زینت والی تھیں۔ انہوں نے اس شہر کا نام عین الشمس رکھا تھا۔ یہاں وہی مراد ہے واللہ اعلم بالصواب۔

قدیم مصر سے کچھ فاصلے پر اُمراء طبقہ نے ایک خوبصورت شہر آباد کیا تھا۔ جس میں بڑی عالیشان عمارتیں تھی۔ اس کا نام عین الشمس رکھا تھا۔

مُرَاوَدَۃٌ کا معنی ہے پھسلانا اور فریب بازی کرنا۔ فتیٰ کا معنی ہے نوجوان۔ بہادر مرد اور اس لفظ کی مونث فتاۃ یعنی نوجوان طاقتور لڑکی۔ قرآن حکیم میں ہے۔ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

اس آیت کی تشریح یوں ہے کہ اُمراء طبقہ چاہتا ہے کہ ہماری نوجوان لڑکی کا رشتۂ نکاح کسی امیر طبقہ سے ہو جائے۔ اسی ارادہ سے ان کے نکاح میں تامل کرتے رہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ انہیں غیرت دلانے کیلئے فرماتا ہے اگر تمہاری نوجوان طاقتور لڑکیاں نکاح کا ارادہ رکھتی ہوں (ان اردن تحصنا) تو ان کے نکاح میں اسلئے تامل نہ کرو کہ تمہارے پاس جہیز نہیں یا کوئی نوجوان دولتمند مرد اقرباء میں نہیں ملتا یا تمہاری قوم کا آدمی نہیں۔ اگر تم ان کی خواہش نکاح کو دیکھتے ہوئے تامل کروگے تو تم انکو زنا پر مجبور کر رہے ہو اور تم پر زنا کا الزام آجائیگا۔

اسیطرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی دیندار مرد تم سے تمہاری لڑکی کے نکاح کی خواستگاری کرے تو اس سے نکاح کردو ورنہ زمین پر فتنہ عریض وسیع ہو جائیگا او کما قال۔ یہ حدیث اس آیت کی تشریح ہے اور جن لوگوں نے فَتَیٰتِکُم سے لونڈیاں مراد لی ہیں اور اس کے اثبات کیلئے ضعیف حدیث لائے ہیں وہ آیات سے سیاق وسباق کے لحاظ سے) غیر مناسب ہے کیونکہ سیاق وسباق میں نکاح کرنے پر زور دیا جارہا ہے کہ بیوہ عورتوں اور صالح غلام اور لونڈیوں کا نکاح کرو اور کسی مرد یا عورت حرہ ہو یا لونڈی یا غلام یا مرد آزاد کسی کو مجرد نہ رہنے دو تاکہ تم صالحین جماعت میں سے یہ مرض زنا جڑ سے اکھڑ جائے۔ اگر بالفرض کسی مرد یا عورت کو نکاح کرنے کیلئے کوئی عورت یا مرد میسر نہیں ہوتا تو پاکدامنی کی کوشش کرتا رہے۔ اور اگر کوئی غلام یا لونڈی باعزت ہے اور نہیں چاہتے کہ ہماری اولاد بھی غلامی کی زنجیروں

میں جکڑی رہے - اس ارادہ سے نکاح کرنے سے متنفر ہیں تو ان کو آزاد کردو یا کم از کم ان کو مکاتب کردو
حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی فرمایا اور یہی مذہب (مسلک) امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کا ہے
اس بیان کے بعد مسلمانوں کو اپنی نوجوان طاقتور لڑکیوں کے نکاح کیلئے سخت فرمان دیا گیا - کیونکہ عرب
شرفاء کو غیرت اجازت نہ دیتی تھی کہ ہم اپنے برابر کے لوگوں کے سوا کسی ادنیٰ درجہ کے آدمی کو اپنی لڑکی
بیاہ کر دیویں - جیسے کہ آجکل کے امراء شرفاء کی عادت ہے - غرض اس آیت میں تَحَصُّنً کا معنی
نکاح ہے - نوجوان طاقتور لڑکیوں کے نکاح کی خواہش ان کی حرکات و سکنات سے معلوم ہو جاتی ہے
اگر حیا و شرم جو فطرۃً عورتوں میں ودیعت ہے - اس کے باعث زبان سے بیان نہ کرتی ہوں -
اب فتیٰ اور فتاۃ کا حقیقی معنی نوجوان طاقت والا اور نوجوان طاقت والی عورت ہے مگر
مجازاً اس غلام اور لونڈی کو بھی کہا جاتا ہے - قرآن حکیم میں جہاں تک ہو سکے حقیقی معنی مراد لیا
جائے - علماء راسخین فی العلم رحمہم اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے -

عرب سوسائٹی میں یہ اصطلاح تھی کہ جس زرخرید غلام سے ادنیٰ درجہ کی خدمت
لیتے تھے یا ادنیٰ درجہ پر رکھتے تھے اسکو "عبد" کہا جاتا تھا اور جب اس غلام کو اپنی سوسائٹی میں
ملا لیتے تھے تو اس وقت اس کو عبد یا غلام نہیں کہتے تھے بلکہ فتیٰ کہتے تھے اگر لونڈی ہوتی تو
اس کو فتاۃ کہتے - اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وہ اپنی تمام خدمات رفیق کے طور پر پیش کرتا ہے
اب اسقدر دوست بن جاتا ہے کہ حکم کے ذریعہ نہیں بلکہ دوستانہ طور پر اپنی خدمات سرانجام دیتا رہتا ہے
اور مصری عورتیں جانتی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر نے اپنی سوسائٹی میں ملا کر اپنا ہمو
رفیق کار بنایا ہے اور اپنا بیٹا بنا کر وزارت کے عہدے کا مختار الکل بنا دیا ہے وہ غلام یا
عبد نہیں رہا بلکہ حر اور شریف بہادر نوجوان ہے - اور اپنے جذبات پر بڑی طاقت رکھنے والا ہے
پھر رفیق ہمدرد ہے - قوانین انسانیت و شرافت کے مطابق امراۃ العزیز کی خدمت گزاری اور دلجوئی
میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا - اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو فتیٰ کے لفظ سے تعبیر کرتی ہیں -
عرب و عجم کی عام سوسائٹی میں بڑے گھروں کے غلام اور خادم لوگ گھروں کے اندر چلے جاتے ہیں - اس کی وجہ
یہ ہے کہ گھر کی خادمہ عورتیں گھر سے باہر کے تمام کام نہیں کر سکیں - اسلئے باہر کے کام خادم لوگوں کے سپرد ہوتے ہیں

اور وہ خادم لوگ خاندان کی عورتوں کے سامنے بے دھڑک آتے جاتے ہیں۔ ایسے خادموں یا غلاموں کو عرب فتیٰ کے لفظ سے پکارتے تھے۔ اور شریف زادیوں کا شرف اتنا بلند ہوتا ہے کہ کسی خادم یا غلام کی مجال نہیں ہوتی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات اس قاعدے کے خلاف واقعات رونما ہوتے ہیں مگر ان استثنائی واقعات کی بنا پر سوسائٹی کے فطری قاعدوں کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور نہ سوسائٹی اس فطری طریقے کے بغیر رہ سکتی ہے۔ ہر ملک و ملت میں انسانی سوسائٹی کا یہی فطری طریقہ ہے کہ اپنے اقارب اور خادم لوگ گھر کے اندر آتے جاتے ہیں اور یہی احسن طریقہ ہے خواہ مخواہ کی بدگمانی اور شک سے انسانی سوسائٹی ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔ اس شک سے اجتماعیت کی جگہ انفرادیت زور پکڑتی ہے۔ ہر ایک انسان دوسرے انسان پر شک و شبہ کرنے لگتا ہے جس سے همدردی مفقود ہو جاتی ہے اور بدویت میں جا گرتا ہے

مسئلہ حجاب و پردہ
شان نزول آیات پردہ
حالات و زمانہ
کی تبدیلی کا لحاظ

قریش کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت شریف اور باعزت تھے۔ ان کی عورتیں بھی شرافت میں بلند درجہ رکھتی تھیں۔ مکہ مکرمہ سادات قریش کا مسکن تھا۔ اور وہی سردار تھے تو وہاں پردہ یا حجاب کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ نیشنل سوسائٹی تھی۔ آپس میں سب قریش و اقارب تھے۔ ان کے خدام اور غلام بے دھڑک ان کے گھروں میں آتے جاتے تھے۔ جب وہی قریش مسلمان ہوئے اور هجرت کر کے مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً کو اپنا مسکن بنایا اور انصار سے قریشیوں کا نسبی والعلم بھی تھا اور انصار کی جماعت بھی بلند پایہ شرافت رکھتی تھی۔ اسلئے ابتداء میں پردہ و حجاب کی ضرورت نظر نہیں آتی تھی۔ مگر جب مدینہ منورہ دارالسلطنت کے درجہ پر پہنچ گیا۔ اطراف و جوانب سے اجنبی لوگوں نے مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن اور وطن بنانا شروع کیا اور مدینہ منورہ انٹرنیشنل سوسائٹی کا درجہ حاصل کرنے لگا تو اشراف قریش و انصار کو حجاب کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور سورت نور میں حجاب کا حکم نازل ہوا۔

اساسی اصول مکہ معظمہ میں
نازل ہوئے۔ ثانوی اصول
مدینہ منورہ میں نازل ہوئے

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ سب کے سب اساسی اصول مکہ مکرمہ میں نازل ہوئے تھے حجاب کا حکم مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ یہ دلیل ہے کہ یہ دوم درجہ کا حکم رکھتا ہے یعنی مخصوص حالات میں

قانون بناتے وقت سوسائٹی کے تمام حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

یہ ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اساسی اصولوں پر نہایت سختی مسلمانوں کو پابند بناتی تھی اگر یہ مسئلہ حجاب ضروریات دین سے ہوتا تو یمن۔ عراق اور مصر و ایران وغیرہ کو حجاب کے پابند کرنے کے سوا ان کو مسلمان بھی نہ کرتے۔ آجتک کاشتکار اور مزدور طبقہ کو کسی اسلامی سیاسی ماہر راسخ فی العلم نے حجاب کا پابند بنانے کیلئے سختی روا نہیں رکھی۔ دوم درجہ کے علماء نے پردے پر زیادہ زور دیکر مسلمانوں کو مشکلات میں ڈال دیا ہے۔ قانون بنانے کیلئے ضروری ہے کہ سوسائٹی کے تمام حالات کو پیش نظر رکھا جائے۔ گھر میں بیٹھ کر قانون بنانا اور سوسائٹی کو اس کا پابند بنانا عقل سے خالی لوگوں کا کام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی مرد اور عورت کے اختلاط سے بچ نہیں سکتی اور بچنا قطعاً ناممکن ہے۔ اس سے تعلیم و تعلّم اور تہذیب اخلاق کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی علاج نہیں کہ مرد اور عورت اپنی اپنی ذمہ داری کو اپنی اپنی جگہ خود محسوس کریں۔ قرآن حکیم کا بھی یہی حکم ہے اور اسی کی دعوت دیتا ہے۔ سورۃ نور میں ہے کہ مرد اپنی نگاہ نیچے رکھیں اور اسیطرح عورتیں بھی اپنی نگاہ نیچے رکھیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ چونکہ سوسائٹی مرد اور عورت کے اختلاط کے بغیر رہ نہیں سکتی اسواسطے دونوں کو ہدایت کردی کہ دونوں اپنی اپنی جگہ ذمہ داری سے رہیں تاکہ سوسائٹی میں کسی قسم کی بدنامی کا موقع پیدا نہ ہو اور اسکے ساتھ ساتھ ہی ساتھ حکم دیا گیا کہ اگر سوسائٹی میں کسی کی بدچلنی کا علم ہو جائے تو اسے سخت سزا مثل رجم وغیرہ دی جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اس کا اثر سوسائٹی پر آئیگا۔ اگر وہ چوری چھپے کریں تو اس کے متعلق اسلامی قانون کسی قسم کی کوئی گرفت نہیں کرسکتا۔[1]

اسلامی معاشرتی قانون کے خلاف وضع کیے گئے قوانین ریاکاری پر مبنی ہیں۔

اس اسلامی معاشرتی قانون کے خلاف جتنے طریقے دوم درجہ کے علماء نے مذہب کے نام پر جاری کیے ہیں وہ سب ریاکاری پر مبنی ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ہم نے ان کے طریقوں کو اسلئے ریاکاری پر محمول کیا ہے کہ ان طریقوں کے بانیوں کے گھروں میں جہاں تک میرا تجربہ ہے دیوروں سے بالکل پردہ نہیں کیا جاتا حالانکہ اس کے متعلق بھی سخت حکم وارد ہے۔ لیکن وہ علماء اور مسلمان مطلقاً عمل نہیں کرتے حقیقت یہ ہے کہ جہاں ایک قوم اور ایک سوسائٹی ہو وہاں سخت قواعد بنانا خلاف عقل ہے کیونکہ قوم اور سوسائٹی

[1] دنیا کا کوئی اور قانون بھی علم ہوئے بغیر کسی جرم کی گرفت نہیں کرسکتا۔ ایسا معاملہ اللہ کے سپرد ہوتا ہے چاہے یہیں کسی شکل میں سزا دے دے چاہے آخرت پر مؤخر کردے تاہم مجرم کو ضرور سمجھ آجاتی ہے کہ یہ سزا اُسے اپنے کرتوت کی بنا پر ملی ہے [حافظ احمد خان]

کا ہر ایک فرد اپنی قوم کی عورتوں کا ادب ولحاظ رکھتا ہے۔ البتہ انٹرنیشنل شہروں میں جہاں نہ ایک قوم ہوتی ہے نہ ہم خیال اور نہ اچھی سوسائٹی ہوتی ہے وہاں شرافت کیلئے حجاب کرنا احسن طریقہ ہے اور بعض اوقات ضروری بن جاتا ہے۔ ہر قوم وملت کی سوسائٹی میں یہی دستور العمل دیکھنے میں آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل بیت مطہرات کیلئے پردہ کا حکم نازل ہوا اور مسلمانوں میں اختلاف ہے کہ آیا یہ سخت پردے کا حکم تمام امت کیلئے ہے یا نہیں۔ مگر اسمیں کسی کو شک وشبہ نہیں کہ اہل بیت کیلئے وہ پردہ لازمی تھا مگر ایسی حالت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ہاں غلام آتے جاتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی اجازت دیتے ہیں اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ سورۃ نور سے استدلال لیتے ہیں اور مذہب حنفیہ کے آئمہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عربوں نے ممالک کو فتح کیا تو انہوں نے کسی کو غلام نہیں بنایا اور عام رعایا کی آزادی برقرار رکھی اور جنگی قیدیوں کو بعد از فتح اور استقرار حکومت اسلامیہ یا تو احسان کرکے آزاد کر دیا یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔ یہی حکم قرآن حکیم کا تھا اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس پر عمل ہوتا رہا مگر جب جنگوں کا سلسلہ دراز ہو گیا تو جنگی قیدیوں کو مستقل غلام بنا لیا گیا۔ یہ کاروائی بنو امیہ کی سلطنت میں ہوئی۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ جب قیدی مسلمان ہو جائے تو اُسے آزاد کر دیا جائے یا مکاتب کر دیا جائے۔ یہی مذہب امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور اس کی تائید امام ابو بکر جصاص رازی حنفی نے اپنی تفسیر میں کی۔ اور آئمہ مذہب حنفیہ نے جب دیکھا کہ امیر لوگ ان غلاموں کو جو آزاد ہو چکے ہیں اور اسلامی حریت سے واقف ہو چکے ہیں بلکہ بعض تو بڑے بڑے عورت ہو چکے ہیں تب بھی ان کو آزاد نہیں کیا جاتا۔ تب علماء احناف نے حکم دیا کہ ان غلاموں کو اپنے گھروں میں بے دھڑک مت آنے دیا جائے کیونکہ عربوں اور عجمیوں کی اختلاط سے پہلی روح (یعنی جب غلام مسلمان ہو گئے تھے تو قرآن حکیم کے حکم کے موجب انکو آزاد یا مکاتب کر دیا جاتا) فنا ہو گئی۔ ادھر ان تمام احکام سے مسلمان قیدی واقف ہو چکے تھے کہ اسلام ان کو آزادی دیتا ہے اور سوسائٹی میں مساوی درجہ پر رکھتا ہے اسلئے وہ مسلمان قیدی اپنا درجہ گھر کی بیگم سے کم نہیں رکھتے تھے اور بیگم یا مالکہ کے تحکمانہ لہجے کو برداشت نہیں کرتے تھے۔

اسلئے فقہاء نے پہلی ذہنیت یعنی غلاموں کو بے دھڑک گھر میں آنے جانے والی ذہنیت کو تبدیل کرنے پر مجبور ہوئے - امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ سے خادمہ عورتیں مراد لیتے ہیں مگر یہ تفسیر دوسری صدی میں شروع ہوئی - اگرچہ پہلے دور میں بھی ایسے عالم گزرے ہیں کہ وہ بھی عموماً غلاموں کو گھروں میں آنے جانے کی اجازت نہیں دیتے مگر ہم اس کو دلیل نہیں پکڑ سکتے -
جب فقہاء آئمہ احناف نے دیکھا کہ مسلمانوں میں پہلی روح فنا ہو گئی ہے اور ادھر مسلمان تیزیوں میں بیداری آچکی ہے اور خطرات نے منہ دکھانا شروع کر دیا ہے تو انہوں نے غلاموں کو گھر کے اندر آنے جانے کی ممانعت کردی - انکا مطلب یہ تھا کہ جب تم نے لوگوں کو ہمیشہ کیلئے غلام بنا لیا ہے تو اب دروازہ سے لیکر گھر کے اندر تک مالک مرد گھر کے کام خود کریں تاکہ انہیں غلاموں کی قدر معلوم ہو - اس مصلحت کی غرض سے فقہاء احناف نے اس کی بندش کردی -
حقیقت یہ ہے کہ مصر سے لیکر تمام ایشائی ممالک میں فقہ حنفیہ کا زور تھا - اسلئے اُمراء طبقہ کیلئے یہ مشکل تھا کہ اپنے گھروں کے اندر مرد خدام کے بجائے خود کام کریں - اس واسطے انسانیت کے ایک طبقہ کو انہوں نے مخنث بنانا شروع کیا - ایرانی یا ایشیائی لوگ مخنث بننے کی ذلت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اس واسطے ایک ادنی درجہ کے طبقہ کو حبش سے پکڑ کر مخنث بنانا شروع کر دیا
امیر امان اللہ خان والئی افغانستان کی والدہ (علیا حضرت) کی جو سب سے بڑی خادمہ عورت تھی وہ مردانہ لباس پہن کر بازار میں اشیائے ضرورت کی خرید و فروخت کیلئے جاتی تھی اور اُسے کوئی پہچان نہ سکتا تھا - امیر امان اللہ خان نے ایک دفعہ اشتہار دیا تھا کہ جو آدمی اپنی رضا و رغبت سے مخنث بننا چاہیگا اُسے انعام و اکرام دیا جائیگا - اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو گھر کیلئے خادم کی ضرورت تھی - یہ واقعہ امیر امان اللہ خان کے انقلاب سے چھ ماہ قبل کا ہے -
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گھر میں بیٹھ کر مذہب کے نام سے قانون بنا دینا معمولی بات نہیں ہے اسلئے پہلے سوسائٹی میں کافی تجربہ کرنا چاہیے - مسلمانوں کے چند علماء نے گھر میں بیٹھ کر مذہب کے نام پر قانون بناتے وقت سوسائٹی کے حالات سے آنکھیں بند کرلی ہیں - اسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس قانون نے

مسلمانوں کو مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔

شغاف کا ایک مفہوم

مولانا امام سندھی کی تقریر اور تحقیق تفسیر المقام المحمود سورۃ نور میں دیکھنا چاہیے۔
قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا - شغاف عین معجم یعنی نقطہ کے ساتھ اس رقیق اور نرم پردہ کو کہتے ہیں جو قلب کے ارد گرد ہے اور قلب میں سخت گرمی ہوتی ہے - اس رقیق پردہ کو پھیپھڑے پھیلا رہے ہیں تاکہ قلب کی گرمی معتدل رہے - اگر کسی حادثہ سے اس پردہ پر قلب کی گرمی مستولی ہوگئی تو پھر انسان کے قلب میں سخت دھڑکن پیدا ہو جاتی ہے اور انسان دیوانہ ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حب قلبی نے امرأۃ العزیز کے پردۂ قلب کو گرم کر دیا ہے اور وہ دیوانہ ہو گئی ہے۔ بعض قرأت میں شعفها حبا آیا ہے یعنی عین مہملہ بے نقطہ سے بعض قاریوں نے پڑھا ہے - شعاف اس جرب اور خارش کو کہتے ہیں جو اونٹوں کو لگتی ہے اس میں سخت گرمی ہوتی ہے اور اونٹ لاغر ہو جاتا ہے تو پھر معنی یوں ہوگا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حب کی گرمی نے امرأۃ العزیز کو لاغر کر دیا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ مصری عورتیں طعنے کے طور پر کہہ رہی ہیں کہ امیرزادہ مردوں خواہ عورتوں کیلئے کوئی عیب کی بات نہیں کہ اپنی نوجوان نوکر عورت یا اپنے نوجوان نوکر مرد کو (شہوت جسم کیلئے) پھسلائیں اور ورغلائیں مگر یہ سخت عیب ہے کہ اپنے نوجوان مرد نوکر پر عاشق اور فریفتہ ہو کر دیوانہ بن جائیں - یہ طریقہ عورتوں کیلئے گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ مصری عورتیں قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا پر زور دے رہی ہیں اور اصل شہوت رانی اور زنا کو عیب شمار نہیں کرتیں - اس لئے تاکید سے کہہ رہی ہیں کہ امرأۃ العزیز شہوت حیوانی پوری کرنے کا طریقہ گم کر بیٹھی ہے اور نادان ہے اگر وہ نوجوان نوکر (حضرت یوسفؑ) انکار کرتا تو اس کو جیل میں بھیج دیتی یا اپنے خاندان سے نکال دیتی- عزیز مصر کے پاس معاملہ لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ - مصری امیرزادیوں کو مصری قانون کے مطابق اختیار ہے کہ اپنے غلاموں اور نوکروں کو جیل بھیج دیں یا خاندان سے نکال دیں یا ان کو سخت عذاب دیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ آجکل بھی مستبد امراء طبقہ میں یہی طریقہ رائج ہے۔ یہ فقرہ اور جملہ ویسا ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کہہ رہے تھے کہ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ یعنی اپنی جمعیت و عصبیت پر زور دے رہے تھے کہ اپنے بیٹوں سے محبت کرنا کوئی عیب شمار نہیں کیا جاتا

کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے۔ مگر جب بڑے بیٹوں کی زبردست۔ طاقتور اور ذمہ دار جماعت موجود ہو
تو انہیں[1] نظر انداز کرکے ایک ناتجربہ کار نابالغ لڑکے کو آگے کرنا اور خاندان میں اس کی عزت بڑھانا
گمراہی ہے کیونکہ اس سے خاندان برباد ہو جائیگا۔ اسی طرح یہ شہر کی عورتیں کہہ رہی ہیں کہ اپنے نوکر
پر عاشق اور فریفتہ ہونے سے استقلال و استبداد (عورتوں کا) خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ جس درجہ
اور عزت پر امرأۃ العزیز ہیں اگر ہم ہوتیں اور اس نوکر کو کسی مجلس میں بلاتیں تو اسے سیدھا کر
دیتیں۔ ان کی یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی کیا مجال ہے کہ پھر خاندان میں رہے۔ یا تو (حضرت
یوسف علیہ السلام جو نوکر کے درجہ کا آدمی ہے ملکہ عزیز کی بات مان لیگا یا خود بخود خاندان اور
نوکری سے نکل جائیگا۔

حاصل کلام: شہر کی عورتوں نے بڑا مکر و فریب تیار کر رکھا ہے۔ اس آیت شریفہ میں انکے
مکر و فریب کی طرف اشارہ ہے اور امرأۃ العزیز نے ان عورتوں کے کلام سے سمجھ لیا کہ حضرت یوسف[2]
کو پھسلانے کا دام انہوں نے تیار کر رکھا ہے۔ اور مثل مشہور ہے گونگوں کے اشارے گونگے سمجھتے ہیں اور چوروں کی
باتوں اور اشاروں کو چور ہی سمجھتے ہیں۔

میان عاشق و معشوق رمزیست   کراماً کاتبین را هم خبر نیست

الحاصل: مصر کی عورتوں میں امرأۃ العزیز کا قصہ مشہور ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر سوسائٹی میں
اشراف اور صالح لوگ بھی ہوتے ہیں اور بداخلاق بھی ہوتے ہیں مگر ہمیشہ اشراف اور صالح لوگوں کی
کثرت ہوتی ہے۔ اور ایسا گمان کرنا کہ فلاں فلاں ملک انسانیت سے گر گئے ہیں بالکل بیہودہ
اور لغو ہے کیونکہ اولیاء کرام اور علماء ربانی کی اصطلاح کے مطابق انسانیت کی نگہبان جماعت ملاء اعلیٰ
ہے یہ جماعت ملاء اعلیٰ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کرتی رہتی ہے کہ انسانیت تہذیب و تمدن
میں ترقی کرتی رہے۔ شعر

ملاء اعلیٰ کی جماعت انسانیت کی نگہبان ہے اور انسانیت کی تہذیبی و تمدنی ترقی کیلئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاگو رہتی ہے۔

اگر شاذ و نادر ایسی سوسائٹی پیدا ہو جاتی ہے جو انسانیت سے کٹ کر حیوانیت کی طرف جھک جائے تو
ملاء اعلیٰ کی جماعت اللہ تعالیٰ قدوس کی بارگاہ میں دعائیں مانگتی ہے کہ اس بداخلاق سوسائٹی کو فنا کر
دیا جائے پھر ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جس سے اس قوم پر عذاب الٰہی آجاتا ہے کہ ہمیشہ کیلئے نیست و نابود

انسانیت سے کٹ کر حیوانیت کی طرف جھک جانے والی سوسائٹی کی تباہی کیلئے بھی ملاء اعلیٰ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور عذاب الٰہی انہیں نیست و نابود کر دیتا ہے

ا۔ ان کو

ہو جاتی ہے تو آسمان و زمین کے باشندے پکار اٹھتے ہیں کہ الحمد للہ رب العالمین ۔

جس سوسائٹی میں اعلیٰ استعداد کے لوگ موجود ہوں اور انسانیت کی تکمیل کی خواہش رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کے اسباب پیدا کر دیتا ہے پھر انبیاء علیہم السلام یا ان کے وارثین بھیج دیتا ہے ۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ جس سوسائٹی میں اعلیٰ استعداد ہوتی ہے اور اس کے مرکز میں انسانیت کی تکمیل کی خواہش رکھنے والے آدمی موجود ہوں مگر چند سرمایہ پرستوں یا استبداد پرستوں - رجعت پسندوں کا قبضہ ہوتا ہے - اس کی اصلاح کیلئے اور ان رجعت پسندوں کو ہٹانے کیلئے انبیاء علیہم السلام یا ان کے وارثین راسخ فی العلم اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور اعلیٰ استعداد والے لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں - پھر اس جماعت کے ذریعہ ان ری ایکشنریوں (رجعت پسندوں) کو ہٹا کر انسانیت کی تکمیل کرائی جاتی ہے ۔

نعمت خداوندی کی قدر نہ کی جائے تو وہ چھین کر مستحق لوگوں تک پہنچائی جاتی ہے ۔

مصر میں بھی اعلیٰ استعداد کے لوگ (عورتوں مردوں میں) موجود تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام ان کی جماعت بنانے کا کام کر رہے تھے اور یہ جماعت روز بروز ترقی کر رہی تھی جیسا کہ معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی اتباع کرنے والے اول اول غرباء ہوتے ہیں - کیونکہ افراد زر پرست طبقہ جستور اپنی خداداد استعداد کو ظلم تعدی اور فسق و فجور میں تلف کرتے رہتے ہیں وہ تمام اچھی استعداد ان ظالموں سے نکل کر غرباء میں جمع ہو جاتی ہے - اسلئے غرباء طبقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع کے کلام کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے ۔

نااہل لوگ جب نعمتوں کو سنبھال نہیں سکتے تو یہ امانت خداوندی اہل لوگوں کو منتقل ہو جاتی ہے

یہی فلسفہ شیخ العارفین امام ابن عربی قدس سرہ اپنی کتاب فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ میں بیان فرماتے ہیں - مثلاً ایک دولتمند نے بہت سا روپیہ جمع کیا اس کا بیٹا ناخلف نالائق تھا اس دولت کو اڑانے اور تلف کرنے میں مشغول ہو گیا - سب دولت چلی گئی اور خود مفلس ہو گیا اب ظاہر بین لوگ کہیں گے کہ یہ دولت تلف ہو گئی مگر عقلمند سمجھتے ہیں کہ وہ دولت پراگندہ ہو کر نچلے طبقہ میں چلی گئی - پھر اس کو نچلے طبقہ میں ڈھونڈنا چاہیے - اسلئے سائنس دان کہتے ہیں کہ مادہ کا ذرہ بھی تلف نہیں ہوتا بلکہ دوسری صورت اختیار کر لیتا ہے - مثلاً اگر ایک کامل ولی صاحب نسبت کے صاحبزادگان اپنی غفلت کے سبب سے نسبت گم کر بیٹھیں تو وہ نسبت ان کی جماعت کے کسی فرد میں جگہ تلاش کر کے مستقر ہو جاتی ہے ۔

صاحب نسبت ولی کامل کی اولاد نااہل ہو تو یہ نسبت جماعت کے کسی دوسرے فرد میں مستقر ہو جاتی ہے

حاصل مطلب یہ ہے کہ مصر کی عورتیں جنہوں نے بیگم عزیز کے متعلق پروپیگنڈہ کیا وہ سب کی سب

بُری[1] نہ تھیں بلکہ انہیں شرافت و عفت کا مجسمہ شریف زادیاں بھی تھیں جو حضرت یوسف علیہ السلام سے حسن ظن رکھتی تھیں وہ تو حیرت و تعجب سے ایسے کلمات کہہ رہی تھیں اور ایسی شریف زادیوں کی کثرت تھی۔ مگر جیسا کہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے ہے کہ اصل پروپیگنڈہ کرنے والی بدمعاش عورتیں تھیں جنہیں حضرت یوسف علیہم السلام کی اصلاح پسند نہ تھی اور ان کا یہ پروپیگنڈہ دوہری سازش تھی۔ اب سارا مصر اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوتا ہے اور ہر گھر اور مجلس میں بیگم عزیز پر نکتہ چینی ہوتی ہے۔ عفت مآب شریف زادیاں حیرت سے انگشت بدندان ہیں کہ اتنے بڑے درجے کی بیگم ایسی نامعقول حرکت کرتی ہے جس سے تمام شریف زادیوں کو بدنام کیا ہے اس کا سبب کیا ہے!۔

مکار اور فریب باز عورتوں کا مقصد تھا کہ کسی طرح یہ ناتجربہ کار بھولی بھالی شریف زادیاں ہمارے پروپیگنڈے کے ذریعے ہماری کسی محفل و مجلس میں شریک ہو جائیں تو ہم حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف بڑا محاذ بنا سکتی ہیں۔ اور ان کے خلاف منصوبہ تیار کر سکتی ہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی بہت محتاط رہتے تھے کہ اَلْمُؤْمِنُ لَا يُلْدَغُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ اسی بنا پر جب بیگم عزیز انہیں بلاتی ہے تو وہ باقاعدہ باوردی گارڈ لیکر ساتھ جاتے ہیں۔ اور یونہی بے دھڑک ان کے پاس نہیں جاتے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی اس روش اور طریقہ سے مکار اور آزادی پسند عورتوں کو اپنے منصوبہ میں کامیابی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ اسلئے بیگم عزیز سے اپنے محلات میں دعوت دینے کا انتظام کرواتی ہیں۔

آیت نمبر ۳۱۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝

ترجمہ: پھر جب سُنی اُس خفیہ تدبیر ان کی. بلا بھیجا ان کو اور تیار کیا ان کے واسطے ایک مجلس اور دی ہر ایک کے ہاتھ میں چھری اور بولی یوسف[2] نکل آ ان کے سامنے پھر جب دیکھا انہوں نے اس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں

۱۔ بدمعاش

خدا کی پناہ نہیں یہ شخص آدمی بلکہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے ۔

تشریح :- بِمَكْرِهِنَّ ۔ مکر کا معنی خفیہ فریب اور خفیہ سازش۔ خفیہ جنگی چال کو بھی مکر کہا جاتا ہے
قرآن حکیم میں حتی المقدور الفاظ کو اپنے حقیقی معنوں پر محمول[1] کرنا چاہیئے - اگر ان عورتوں کا مقولہ
بیان کرنا تھا تو عبارت ہوتی فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَا يَقُولُهُنَّ اور اس فقرہ میں بِمَكْرِهِنَّ آیا ہے
اکثر مفسرین نے مکر کا معنی یہاں غیبت اور گلہ کیا ہے مکر کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ حقیقت کو الٹ
پلٹ کر دینا اور اخفاء اور ضرر دونوں میں مکر ہوتا ہے اور غیبت کرنے والا بھی بُری طرح بیان
کرتا ہے اور حقیقت کو چھپاتا ہے ۔ اصل اور حقیقت قصہ کی تو یہ تھی کہ نہ بیگم عزیز کو کوئی عشق
اور محبت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی نہ ہی حیوانی شہوت پوری کرنے کیلئے انہیں اندرون محل
لے گئی تھی بلکہ بیگم عزیز کا مقصود یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے خاندان سے نکالے اور
عہدۂ وزارت سے اس کو معزول کرائے اور بدنامی کا داغ ان پر لگائے ۔ یہ مصر کی عورتیں اس
حقیقت کو الٹ پلٹ کر کہہ رہی ہیں کہ بیگم عزیز اپنے نوجوان نوکر پر عاشق اور فریفتہ ہوگئی
اور دیوانہ ہوگئی ہے - اپنی عزت وآبرو کا خیال بھی نہیں رکھتی اپنے آپ کو اور شریف زادیوں کو
بدنام کردیا ہے - اس غیبت سے بیگم عزیز مصر ناراض ہو جاتی ہے اور انہیں بلاتی ہے - اس دعوت
سے بیگم عزیز کا اصل مقصد یہ تھا کہ میں ان کو بھی بدنام کراؤں اور ایسا حیلہ تراشوں جس سے یہ
عورتیں بھی بدنام ہو جائیں ۔

ے صوفی و خم شکست و مست سرشی ۔۔۔ سِنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ -

بیگم عزیز مصر اس غیبت کا بدلہ لینا چاہتی ہے - میری رائے میں مفسرین نے مکر سے مراد غیبت
لی ہے - اس کی یہی تاویل ہے - واللہ اعلم بالصواب -

اگر مکر کا حقیقی معنی مراد لیا جائے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے کا ارادہ۔
تو اس کی تعریف یوں کرنی پڑیگی کہ اس خانگی قصہ بیگم عزیز کی شہرت کرنیوالی مکار عورتیں تمام پردہ دار
عفت مآب عورتوں میں شہرت کرتی پھرتی تھیں تاکہ جب یہ قصہ سارے شہر میں مشہور ہو جائیگا تو عزیز مصر
اپنی عورت کی عزت بچانے کیلئے کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کریگا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو انکے عہدہ سے برطرف کریگا

[1] حمل کرنا

یا بیگم عزیز کوئی دوسری تدبیر کرے جس سے اس کی عزت بچ جائے - ان مکار عورتوں کا اصل مقصد یہی تھا کہ کسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی عزت کو نقصان پہنچائیں - مگر بیگم عزیز کی عورت کا مقصد تھا کہ ان عورتوں کو اکٹھا کرکے دہشت زدہ کرے تاکہ وہ غیبت کرنے سے باز آجائیں

واللہ اعلم بالصواب والمقام مقام التدبر -

احتمال ہے کہ آزادی پسند مکار عورتوں نے بیگم عزیز کو سمجھایا ہو کہ دعوت کرو اور دعوت میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بلواؤ - جب عورتوں کی مجلس میں اندر آجائیگا تو پھر ہم واویلا مچائیں گی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہمارے اندر گھس کر ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے - جس سے حضرت یوسف ؑ بدنام ہو جائیگا - پھر ہر ایک آدمی یہی خیال کرے گا کہ پہلے بھی ایسا قصد کیا ہوگا اور تم (بیگم عزیز) کو بے قصور سمجھا جائیگا - توراۃ میں بیگم عزیز کا واویلا مچانا مذکور ہے - شاید اسی دوسرے قصہ کا احوال ہو واللہ اعلم بالصواب -

جب بیگم عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مطمئن پایا اور یقین کر لیا کہ ان کے دل سے شکوک وشبہات رفع ہو گئے ہیں اور مجھے پارسا سمجھنے لگا ہے تو شاید حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کہا ہوگا کہ آپ جیسے مردوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں جس سے مردوں میں اصلاح ہو گئی ہے اسی طرح اگر عورتوں کو بھی کبھی کبھی وعظ ونصیحت کرتے رہو تو عورتیں بھی آپ کا وعظ ونصیحت سنکر صالحات بن جائیں اور خانگی معاملات مہذب ہو جائیں اور ان میں شرک وبدعت کی جگہ انابت اور رجوع الی اللہ جگہ پکڑے - آپ کی صحبت کی تاثیر اور کلمات طیبات سے عورتوں کا دل متاثر ہوگا اور وہ خدا پرست بن جائیں گی - چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تعلیم وتبلیغ کا زیادہ شغف تھا - ایسے الفاظ سنکر شاید میلان ظاہر کیا ہوگا اور بیگم عزیز کو انتقام لینے کا موقع مل جاتا ہے - ایسے حالت میں شہر کی امیر زادیوں کو دعوت دیکر بلاتی ہے .

أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ یعنی سب خاندانی اور شرفاء کی عورتوں کو اپنی دعوت میں بلوایا -

وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً - یعنی قالین[1] بچھا کر ہر ایک کیلئے گاؤ تکیہ تیار کیا تاکہ تکیوں پر ٹیک لگا کر کھانا کھائیں - جیسے آجکل ڈنر پارٹیوں میں ہر ایک کیلئے علیحدہ علیحدہ کرسی ہوتی ہے پھر میز پر

۱۔ گلم غالیچہ

کھانا چُنا جاتا ہے - پرانے زمانے میں گاؤ تکیہ ہوتے تھے - عرب میں اب تک یہی رسم ہے - مگر عکرمہ تابعی
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "متکاً" سے ایسی اشیاء خوردنی مراد ہیں جو چھری سے کاٹ کر کھائی جائیں جیسے
پختہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے - ڈبل روٹی - فروٹ اور میوہ جات - اس کا مطلب ہے کہ "متکاً"
سے تکیہ مراد نہیں لیا - "سکیناً" کا معنی ہے چھری - آجکل چھری کانٹے سے کھانے کا رواج عام ہے -
گزشتہ زمانہ میں کانٹا نہ تھا - اور خمیری روٹی جو عام مصر کی خوراک تھی چھری سے کاٹ کر لقمہ بنایا جاتا تھا
خمیر روٹی کو ایک ہاتھ میں دبا کر چھری سے کاٹا جاتا تھا - ذراسی بے احتیاطی سے چھری ہاتھ پر پھر جاتی تھی
یورپین نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کانٹا تیار کیا اب کانٹے سے دبایا جاتا ہے - جب
یہ امیر زادیاں خمیری روٹی کاٹ کر لقمے بنا کر بڑے ناز اور فخر سے کھا رہی تھیں تو اِمرأۃ العزیز نے
حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ "اُخرُج عَلَیہِنَّ" تو [1] لفظ خرج کا صلہ جب علیٰ ہو تو اس میں
حملہ یا فخر یا اپنی عزت کا رعب دوسروں پر بٹھانے کا معنی مضمر ہوتا ہے - جیسے قارون کے قصہ
میں ہے فَخَرَجَ عَلٰی قَومِہٖ فِی زِینَتِہٖ ط جس کا معنی ہے کہ اپنی قوم پر رعب داب
بٹھانے کیلئے اپنی تمام زیب و زینت سے نکلا تاکہ مرعوب ہو جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع
ترک کر دیں - نعوذ باللہ من ذالک الفخر - واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکٰفرون (الصف ۸:۶۱)
اس کلمہ اور کلام کو سمجھنے کیلئے عام مفسرین کی رائے پر یوں بیان کرنا پڑیگا کہ محفل اور مجلس کی
جگہ سے کچھ فاصلے پر جہاں طعام وغیرہ تیار ہو رہا تھا اور خانساماں اُسے تقسیم کر رہے تھے - اس طعام کا کے
نگران اعلیٰ حضرت یوسف علیہ السلام تھے - اور وہی منتظم اعلیٰ تھے - جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے کہ
جب کسی مجلس اور محفل میں جمع ہو جائیں (خصوصاً ایسی دعوت میں جہاں ہر قسم کا فرحت کا سامان ہو اور
کھانے سے ذرا قبل شراب اور خمر سے اشتہاء بڑھائی گئی ہو) تو عورتوں کی ایسی مجلس میں بڑا شور و غل ہوتا ہے
تو امرأۃ العزیز حضرت یوسف کو حکم دیتی ہے کہ انہیں خاموش کرائیں - عام مفسرین کی یہی تقریر ہے مگر
محققین مفسرین ایسی تقریر کو رکیک سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام وزارت کے درجہ پر فائز ہیں -
اس لئے ان کے شایان شان نہیں کہ وہ خانساموں کے امیر بن کر دعوت کا انتظام کریں - وہ شاہی دماغ رکھتے
تھے اور امرأۃ العزیز سے میل جول [1] رکھنے سے پرہیز کرتے تھے کہ لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین
اگر کسی کام کیلئے یہ عورت بلاتی ہوگی تو بھی باحتیاط اس سے ملتے ہونگے اور اپنے ساتھ باڈی گارڈ بھی رکھتے ہونگے

[1] اس آیت اخرج علیہن سے طالب علم - قاری حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ خوب
غور و فکر کیا جائے - اسے سرسری طور پر نہ پڑھا جائے - کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام امرأۃ العزیز
کے غلام نہ تھے بلکہ وزارت کا سارا کام ان کے سپرد تھا - پھر انہیں کس طرح امرأۃ العزیز حکم کر سکتی ہے جبکہ
ایک بار اس عورت سے زخم کھا چکے ہوں -

[1] ا - خلاء ملاء

اسلئے امرأۃ العزیز کے بلانے کا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ وعظ کیلئے بلایا ہو گا اور ساتھ تاکید کرتی ہے کہ فوجی لباس میں اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ حشمت و تمکنت سے ان عورتوں پر خروج کرو تاکہ یہ عورتیں آپ کا وعظ سنیں اور آداب ملحوظ رکھیں ۔ انسانی فطرت ہے کہ حاکم انسان کا وعظ زیادہ موثر ہوتا ہے اور سامعین بھی اُسے غور سے سنتے ہیں ۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی وزارت کے محل اور مقام پر اپنے کام میں مشغول تھے وہاں سے انہیں اس بہانے سے بُلا لائی کہ ذرا ان کو فہمائش کرو کہ آرام و سکون سے رہیں اور شور و غل نہ کریں اور بہنے دین کی تبلیغ کریں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی شاہانہ فوجی وردی میں اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ اندر مجلس عورت میں آجاتے ہیں ۔ عام امراء زادیوں اور شریف زادیوں کو ایسے ہولناک منظر کو دیکھکر دہشت زدہ ہونا بعید از قیاس نہ تھا ۔ یہ خیال غلط ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بیگم عزیز نے کسی کونہ میں چھپا رکھا تھا تاکہ بوقت ضرورت ان کے حسن کا نظارہ عورتوں کو دکھلائیں ایسے ناٹک کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام ہرگز تیار نہ ہو سکتے تھے ۔ کہ لا طاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق ۔ اسلئے یقیناً اپنی تعلیم و تبلیغ کے بہانہ سے بلوایا گیا ہوگا ۔ انبیاء عظام ۔ اولیاء کرام اور راسخین فی العلم علماء کا مقصد زندگی لوگوں کی تعلیم و تزکیہ نفس ۔ اخلاق حسنہ اور تعلق باللہ ہی ہوتا ہے ۔ اپنے فرائض منصبی بڑے اہتمام سے اور بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہتے ہیں ۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی پوزیشن قائم رکھتے ہیں ۔ جہاں کہیں موقع ملا اپنا فرض منصبی ادا کرنے کیلئے تبلیغ شروع کر دیتے ہیں جیسے قیدیوں نے خواب کی تعبیر پوچھی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع کو غنیمت سمجھ کر اپنی تبلیغ شروع کر دی ۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداران قریش نے (جو سب کے سب مخالف اور معاند تھے) بلوایا تو آپؐ تبلیغ کیلئے حاضر ہو گئے کہ شاید کسی کو ہدایت ہو جائے ۔ جب آپ ان کی مجلس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیئے ۔ تاریخ ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱ ۔

انبیاء علیہم السلام ۔ اولیاء عظام اور علماء کرام کا مقصد زندگی لوگوں کی تعلیم ۔ تزکیہ نفس اخلاق حسنہ اور تعلق باللہ ہوتا ہے ۔

مصلحین اپنے پروگرام کی ترویج و اشاعت کیلئے مخالفین اور غیر مہذب لوگوں کے پاس جاکر تبلیغ کرتے ہیں ۔

میرے دل میں یقین ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اس غیر مہذب مجلس میں اک طب داب سے جانے کا مقصد تعلیم ۔ تبلیغ اور تزکیہ نفس تھا جیسے ایک عید کے موقع پر عورتوں کی صف بہت دور تھی

آپؐ کی آواز اور کلام عورتوں نے کما حقہٗ نہ سنا اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خطبہ اور وعظ پورا کرکے عورتوں کی صف میں تشریف لائے اور انہیں اپنے ارشادات سے مستفید فرمایا۔ [1]
بیگم عزیز جو بہت بڑی مکار تھی۔ تبلیغ اور تزکیہ نفس کے بہانے حضرت یوسف علیہ السلام کو عورتوں پر خروج کا حکم دیتی ہے۔ بیگم عزیز کو معلوم تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تبلیغ اور تزکیہ کا بڑا شغف ہے۔ وہ حکم ملتے ہی حاضر ہو جائیں گے
فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ ۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اچانک[1] اپنی فوجی وردی اور باڈی گارڈ کے ساتھ ایسے وقت کہ جب عورتیں کھانے اور مذاق میں معروف ہمیتن[؟] داخل ہوتے ہیں ان عورتوں نے دیکھتے ہی انہیں بڑا باوقار۔ عزت و آبرو والا۔ صاحب تقویٰ و طہارت اجمیل اللہ پایا۔

بالائے سرش زھوشمندی میتافت ستارہ بلندی

خصوصاً پردہ دار عورتوں نے ایسا باوقار متحمل مزاج بزرگ کبھی دیکھا ہی نہ تھا تو وہ حیران اور ششدر رہ گیئں۔ وہ فقط جمال یوسفی سے دھشت زدہ نہیں ہوئیں بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شاہی حشمت اور دبدبہ سے دھشت زدہ ہوگیئں کیونکہ وہ فوجی وردی میں ملبوس تھے اور ساتھ فوجی وردی میں باڈی گارڈ تھے۔ یہ عورتیں بھی نشۂ خمر سے قدرے مخمور و نیم بیدار تھیں۔ ایسی حالت دیکھکر انپر دھشت طاری[2] ہوگئی۔
عام مفسرین نے اَكْبَرْنَهٗ کا یہی معنی مراد لیا ہے مگر امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اَكْبَرْنَهٗ کا معنی حِضْنَ (لیتے ہیں) یعنی ان عورتوں کو (یوسفؑ کے دیکھنے سے) حیض شروع ہو گیا
عرب کہتے ہیں اکبرت المرءۃ جب عورت کو پہلا حیض آجائے تو عورتیں اپنے حیض کی حالت کو عجیب عجیب الفاظ سے ظاہر کرتی ہیں۔ کبھی کہتی ہیں مجھے پاؤں سے کپڑے ہیں یا اُس کے ہاتھ پاؤں سرد ہیں وغیرہ وغیرہ۔
مگر امام بیضاوی کا خیال ہے کہ بڑے خوبصورت بانکے نوجوان کو جس کا حُسن حدِ انسانی سے زیادہ تھا دیکھکر شدت شہوت کے باعث حیض جاری ہوگیا جیسے طاقتور نر گھوڑے کے پاس گھوڑی کو باندھنے سے پیشاب جاری ہو جاتا ہے۔ اور میرے خیال میں ہے کہ جیسے بہت بڑی خوشخبری سننے سے

1۔ ناگہانی طور
(…) بجلی کی طرح کڑکتا ہوا۔
2۔ مستولی ہوگئی۔

[1] تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل امام المحققین وعمدۃ المدققین قاضی ناصر الدین ابی سعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی (م ۶۹۱ھ) مطبوعہ مصر ص ۲۲۴ ج اوّل

بعض عورتوں کو حیض آجاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بی بی سارہ صدیقہ کے بطن سے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری ملائکہ نے دی (تو یہ خبر سنکر) خوشی کے مارے بی بی سارہ صدیقہ کو حیض جاری ہوگیا تھا۔ اسلئے بعض مفسرین نے فَضَحِكَتْ کا معنی حَاضَتْ کیا ہے اور اسطرح فَصَكَّتْ وَجْهَهَا کا معنی بھی حیض جاری ہوگیا اسلئے اپنے منہ پر ہاتھ مارا۔ اسطرح بعض اوقات سخت دہشت سے حیض جاری ہوجاتا ہے جیسے سخت دہشت سے عورت کا حمل گر جاتا ہے تو ان مستورات مدعوات کو حیض جاری ہوگیا ہو تو بعید از قیاس نہیں ہے۔ اگر پیشاب نکل گیا ہو تو بھی بعید از قیاس نہیں۔

وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۔ اس دعوت میں بیگم عزیز کی ہم مشرب مکار اور منصوبہ ساز عورتیں شریک تھیں مگر کثرت ایسی ناتجربہ کار۔ پردہ دار امیرزادیوں کی تھی۔ پھر نشۂ شراب میں مست آپس میں مذاق کر رہی تھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے آنے کی اطلاع بھی نہ تھی جب عین خمیری اولی یا فروٹ یا روسٹ کاٹنے میں مشغول تھیں اچانک ایک باوقار ہستی قیمتی[1] شاہانہ لباس میں ملبوس۔ عصائے سلطنت در دست اور شمشیر در کمر اور باڈی گارڈ پیچھے صف بستہ نمودار ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کیلئے اولیاء کرام جب تبلیغ اور احکام الہی کیلئے قیام کرتے ہیں تو اس وقت اپنی خودی سے نکلکر ردائی عظمت خداوندی میں ملبوس ہوتے ہیں[2]۔ جیسے لوہا آگ میں آگ بن جاتا ہے

نازپروردہ صنف نازک۔ وحدت خیالی اور یکسوئی کے کوچے سے نابلد اور دوئی کے دام میں گرفتار تھیں وہ صاحب جمال و کمال کو دیکھکر ششدر رہ گئیں۔ ایک طرف کھانے کیلئے چھری چلا رہی تھیں اور آنکھیں (نگاہیں) حضرت یوسف علیہ السلام پر لگی ہوئی تھیں اور دہشت و ہیبت سے دل دھڑکا جس کے سبب سے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور ساتھ ہی ساتھ شور و غل بھی مچا دیا جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ معمولی بات پر غل مچا دیتی ہیں حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۔ محلس کا سارا ہال اس آواز سے گونج اٹھا کہ ہم اللہ کی پاکی اور تنزیہہ بیان کرتی ہیں جس نے ایسی پاک مخلوق پیدا کی۔ یہ شخص ہرگز انسان نہیں بلکہ یہ برگزیدہ فرشتہ ہے یا دیوتا ہے یعنی پوجنے اور عبادت کے لائق ہے مصری لوگوں کی عادات

[1] اِنَّ اَوْلِيَائِىْ تَحْتَ قُبَائِىْ (دبیز) ۔

ایسی تھیں جیسے ہندوستانی لوگ دیوتاؤں کی عبادت کرتے تھے کہ ان کی عبادت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ یہی فرشتے اللہ تعالیٰ کے وکیل وزیر ہیں زمین و آسمان کی تدبیر رزق حیات و ممات یا نیک بختی اور بدبختی اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کر دی ہے اور ان فرشتوں کی عجیب و غریب صورتیں بنا کر عبادت کرتے تھے۔

میری ناقص رائے میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اندر آتے ہی مکار عورتوں نے یہ آواز بلند کیا ہوگا۔ اسی ڈر سے کہ مبادا حضرت یوسف علیہ السلام حسب عادت وعظ و نصیحت شروع کر دیں۔ پھر یہ سب عورتیں گیت گانے لگ گئی ہونگی۔ یہی عادت اور رسم بڑے بڑے جلسوں میں دیکھی جاتی ہے کہ ایک شخص کے نعرہ بلند کرنے سے ساری محفل نعرہ بلند کرنے لگ جاتی ہے۔ مکار عورتوں سے حیلہ سازی سے نعرہ بلند کیا ہوگا اور عصمت مآب شریف زادیاں امیرزادیاں دل سے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف میں رطب اللسان ہوئیں کیونکہ اتنی عزت و حسن و جلال و جمال والا انسان انہوں نے نہ دیکھا تھا۔ منصوبہ ساز عورتوں کا تو اکثر اوقات بیگم عزیز کے پاس آنا جانا تھا۔ اور دوسرا امر یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام عہدہ وزارت پر متمکن تھے کسی کونے یا گوشے میں چھپے ہوئے نہ تھے۔ عام مصری لوگ مرد عورتیں انہیں دیکھ سکتی تھیں مگر پردہ دار عورتوں کو دیکھنا نصیب نہ تھا۔ انہوں نے آج اس جلسں میں دیکھا اور ششدر رہ گیئں اور ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ چونکہ جلسں میں اکثر ناتجربہ کار عورتیں تھیں واللاکثر حکم الکل دیا گیا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ یہ عورتیں کہہ رہی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام بشر نہیں بلکہ بڑی عزت والا فرشتہ ہے۔ اتنا جلال اور رعب انسان ذات میں نہیں ہوتا۔ یہ بات اس بنا پر کہہ رہی ہیں کہ انہوں نے ایسا با اخلاق حمیدہ با حسن سیرت و صورت پُر جلال و ہیبت انسان نہ دیکھا تھا اور نہ سُنا تھا۔ اگرچہ دو تین سو سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں مصر میں وارد ہوئے تھے مگر تھوڑا عرصہ رہ کر واپس چلے گئے تھے ورنہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں کے برابر کیا قرب اور عزت کی رو سے ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں۔ یہ عورتیں مشرکات تھیں اور انہیں کمالات بشریہ کا علم نہ تھا۔ ان نادان عورتوں کو کیا خبر کہ بہت سے ایسے پیچیدہ مسائل ہوتے ہیں جنمیں ملاء اعلیٰ کے ملائک عظام

انبیاء علیہم السلام قرب و عزت میں فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں۔

کوئی فیصلہ صادر نہیں کرسکتے ۔ انبیاء علیہم السلام حظیرۃ القدس میں پہنچکر ان کا حل بتا دیتے ہیں جیسے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نماز تہجد میں تھا قدرے اونگھ آگئی میں نے اللہ تعالیٰ تقدس کو احسن صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا محمد فیما یختصم الملاء اعلیٰ ۔ پھر آخر حدیث میں ہے کہ میں نے بتایا یعنی حضور ملاء اعلیٰ کے ملائکہ عظام کو میں نے بتایا اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ [1]

تنبیہ ۔

ان دو واقعات میں مصر کی ترقی اور تہذیب وتمدن کا مفصل ذکر ہوا ہے ان معاشرت لٹریچر اور کلچر کا بھی اشارہ ہے ۔ خصوصاً تنازعات کے فیصلہ کرنے ۔ شاہد وگواہ پیش کرنے اور قرائن سے حقیقت حال کی تہ تک پہنچنے کا دستور بھی ان کے پاس تھا پہلے قصہ بیگم عزیز میں استغاثہ اور عزیز مصر جو مجسٹریٹ ہیں اسکے ضمن میں مجسٹریٹ کے آداب اس کے حوصلے اور تدبر کی تعلیم دی گئی ہے ۔ مجسٹریٹ اعلیٰ یعنی ہائی کورٹ کے جج کی شخصی عزت پر حملہ ہوتا ہے مگر وہ مغلوب الغضب ہوکر مجرم کو سزا نہیں دیتا بلکہ ہر گوشہ تحقیق پر نظر دوڑاتا ہے حتیٰ کہ حقیقت پر مطلع ہوجاتا ہے ۔ بیگم عزیز مصر استغاثہ پیش کرتے وقت سنگین جرم ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر مجسٹریٹ جو بڑے حوصلے اور تدبر والا تھا حقیقت معلوم کرنے کے بعد جب کہ کوئی جرم معلوم نہیں ہوتا تو خانگی ضد اور حسد پر محمول کرکے دونوں کو حسب حال نصیحت کرتا ہے قصۂ بیگم عزیز میں حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت اور بہتان باندھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے بہتان باندھا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغلوب الغضب نہ ہوئے بڑے حوصلہ اور تدبر سے حقیقت حال اور بہتان کی حقیقت کی تفتیش کرتے رہے ۔ ہر طرح سے حضرت عائشہ صدیقہ کی معصومیت ثابت ہوتی رہی حتیٰ کہ صدیقہ معصومہ کی عصمت اور برأت سورہ نور میں وحی الٰہی کے بیان سے محکم اور مضبوط طور پر ثابت ہوئی اور امت کو تعلیم دی گئی کہ جیسے مردوں میں صدیقین ۔ شہدا اور صالحین ہوتے ہیں ویسے ہی عورتیں صدیقات ۔ صالحات ۔ اور قانتات ہوتی ہیں اور بہتانوں سے متاثر نہ ہونا چاہیے اور اپنی

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب ذکر الملاء الاعلیٰ مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ص ۱۳ ج اول مطبوعہ سالنٹہ ئل ۔   ۔ مرشتہ

شریک زندگی صالحہ عورت پر سوءِ ظن سے دل کو پاک رکھنا چاہیے ۔ کیونکہ اجتماعیات میں ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں کہ شیاطین بداخلاق لوگ سوسائٹی میں بداخلاقی کی اشاعت کا یہی طریقہ سوچتے ہیں کہ صالحین مردوں اور صالحات عورتوں پر بہتان تراشی کرکے لوگوں کو بداخلا قی پر ابھارتے ہیں ۔

میری ناقص رائے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت و برأت کا تعین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سورہ یوسف سے معلوم ہوگیا تھا اور اسطرح ہر عقلمند سورہ یوسف سے سوسائٹی کے تمام واقعات معلوم کرسکتا ہے

۲۔ دوسرے واقعہ کا ماحصل یہ ہے کہ اس انجمن اور دعوت میں حضرت یوسف علیہ السلام داخل ہوتے ہیں اور نازک مزاج عورتیں مرعوب ہوکر ہاتھ کاٹ ڈالتی ہیں اور امراء طبقہ حضرت یوسف علیہ السلام پر ناراض ہوجاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کیا حق تھا کہ مجلس گھس کر مرعوب کرکے انہیں بدنام کیا اب سوسائٹی میں رہنے کا اسے کوئی حق نہیں اسے قید کیا جائے ۔ اگر غور کیا جائے تو یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے کہ آپ نماز میں قرآن پڑھتے تھے تو بہت روتے تھے اور ان کی آہ سے کباب بریاں کی سی خوشبو آتی تھی اور مکہ مکرمہ کے بچے اور عورتیں تماشا دیکھنے کیلئے جمع ہوجاتے تھے اور متاثر ہوکر مسلمان بھی ہوجاتے تھے ۔ سرداران قریش مرعوب ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رض کو اپنی مجلس دارالندوہ میں بلاکر کہا کہ آپ اخلاق حمیدہ رکھتے ہیں ۔ غرباء یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتے ہو اسلئے ہم آپ کی عزت کرتے ہیں مگر آپ نماز میں بلند آواز سے قرآن مت پڑھیں کیونکہ آپ کے بلند آواز سے قرآن پڑھنے سے ہماری عورتیں اور بچے فتنے میں پڑجاتے ہیں اسلئے یا تو قرآن مجید آہستہ پڑھو یا ہمارے شہر سے نکل جاؤ ۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آہستہ پڑھنے سے انکار کیا تو قریش نے انہیں شہر نکالی کا حکم صادر کیا ۔ آپ رض شہر سے باہر نکل گئے اور ارادہ کیا کہ صحراؤں میں پھرتا رہونگا اور قرآن حکیم کا مطالعہ کرتا رہونگا ۔ مکہ سے چند میل باہر آپ کو ایک بدو سردار ملا جس کا نام الدغنہ تھا ۔ اس نے پوچھا کہ اے ابوبکر رض کہاں جارہے ہو آپ نے فرمایا کہ قریش نے مجھے شہر نکالی دی ہے ۔ اب صحرائے عرب

میں چھوڑوں گا اور حق جل شانہٗ کی عبادت کروں گا - اس سردار نے کہا کہ قریش کی عقل ماری گئی ہے کہ آپ جیسے شخص کو انہوں نے نکالا ہے - آپ تو مکہ مکرمہ کی زینت ہیں - آپ مسکینوں بیواؤں - یتیموں اور نیک کاموں پر خرچ کرنے والے ہیں - واپس چلیں میں قریش کو سمجھاؤنگا - آپ اس سردار کے ساتھ واپس مکہ مکرمہ اس ارادہ سے آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہونگا - کیونکہ آپ کی رگ رگ میں عشق رسول رچا ہوا تھا - اس سردار نے قریش سے گفتگو کی - انہوں نے کہا کہ ہم ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی عزت کرتے ہیں مگر ان سے کہو کہ نماز گھر میں پڑھیں - آپ اس پر راضی ہوگئے - تھوڑے عرصے کے بعد آپ نے اپنے گھر کے صحن باہر مسجد بنوا کر اسمیں بحالت سابقہ نماز شروع کی - قریش نے اس سردار ابودغنہ کو بلوایا اور کہا کہ اس سے کہو کہ اپنے گھر نماز پڑھے - آپ نے انکار کیا تو اس سردار نے آپ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر قریش سے کہا کہ یہ شخص میری بات نہیں مانتا - اب میں اس کی ضمانت سے دستبردار ہوتا ہوں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کافر کی ضمانت میں نہیں رہنا چاہتا میرے لئے اللہ تعالیٰ قدوس کی ضمانت (کفالت) کافی ہے -

اب جیسے اُمراء طبقہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سوسائٹی میں نہیں رہنے دیتا ویسے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قریش نے اسلئے نکالا تھا کہ ہماری عورتیں اور بچے فتنہ (اسلام) میں داخل ہو جاتے ہیں -

۳ - قرآن حکیم میں دونوں واقعات کا ذکر ہے مگر دونوں واقعات کے درمیان بہت مدت واقع ہے -

جب عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے گھر اور ذاتی ملکیت کا مختار الکل مقرر کیا تھا - ان کے حسن انتظام و خدمات کا ہر فرد خاندان معترف تھا پھر جب اپنی وزارت کے کاروبار میں شریک کر کے انکی عقل و تدبیر کا امتحان لیا تو عزیز مصر کو یقین ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے مدبر ہیں - رموز سلطنت کے ماہر ذکی اور حکیم ہیں - سلطنت کے پیچیدہ مسائل کو اپنے عقل سے حل کر لیتے ہیں باایں ہمہ اوصاف وہ

وہ متقی پرہیزگار غریبوں کے حامی یتیموں کے مددگار، خزن عدالت والصاف ظلم اور ظالموں کو اکناف عالم سے دور کرنے والے ہیں۔ ہر وقت اپنا دھیان اللہ تعالیٰ قدوس کیطرف رکھنے والا حنیفی مذھب اور دھرم کے پیروکار ہیں۔ اسی مذھب حنیفی کی طرف عزیز مصر اور بادشاہ مصر بھی مائل تھے ایسے اوصاف دیکھکر عزیز مصر نے عہدہ وزارت کا مختار الکل بنا دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے متبنیٰ تھے۔ ان سے خاندان عزیز اور ارکین سلطنت سب کے سب راضی اور خوش ہوگئے

طبعاً اور تجربتہً یہ بات معلوم ہے جب ایک شخص نوکر درجہ کا آدمی ہو اور اس کے ہاتھ میں امور سلطنت اور زمام اقتدار ہو خواہ وہ کیسا ہی عادل اور رعیت کا خیر خواہ کیوں نہ ہو جب وہ بہت مدت اپنے درجہ پر رہے تو بعض اغراض پرستوں میں تھوڑی تھوڑی ناراضگی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اغراض پرست اس کے حسن انتظام پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں اور اسکے اوصاف حمیدہ کو غلط رنگ دیکر اشاعت کرتے رہتے ہیں۔ جیسے جیسے مدت گزرتی جاتی ہے اغراض پرست اپنا جُدا گروپ بناکر اُسے گرانا چاہتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے حنفی مذھب کی اشاعت بھی ساتھ ساتھ کرتے تھے اور کفر و شرک کو ختم کرنا چاہتے تھے بدرسوم اور بدتہذیبی و بداخلاقی پر بندشیں عائد کر رہے تھے۔ اور اپنی مذہبی حنفی جماعت کو اجتماع میں نمایاں درجہ دینے لگے تھے اور ان کے پیروکار اپنے مذہب کی اشاعت میں کوشاں تھے۔ اگرچہ ان کے اتباع غرباء تھے۔ ان اسباب سے حضرت یوسف علیہ السلام کے مخالف معاند اغراض پرست اور بداخلاق لوگوں کا ناراض ہونا طبعی امر تھا۔ عزیز مصر اور بادشاہ مصر کے پاس شکایت کرنے سے شنوائی نہ ہوئی تو انقلاب کیلئے تجویزیں اور سازشیں شروع کرتے ہیں۔ خصوصاً جب دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے عہدہ پر مستقل اور مستبد ہوتے جاتے ہیں اسلئے اسمیں بڑی مدت اور عرصہ ہونا چاہیے

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور پر اشاعت کرتے رہتے تھے۔ جب پانچویں سال نبوت جماعت بڑھ گئی تو قریش نے اسلامیہ جماعت پر تشدد شروع کر دیا اور قریش کے تشدد نے قبائل عرب میں اُلٹا اثر پیدا کیا۔ بہت سے قبائل جیسے اسلم۔ غفار

مزینہ اور جھینہ اور یمن کے بہت سے قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے - جب نبوت کے آٹھویں سال حضرت عمر فاروق رضؓ اور دوسرے عقلمند صحابہ کی مشاورت سے سب مسلمان اکٹھے ہو کر اجتماع کے ساتھ بیت اللہ میں نماز ادا کرنے گئے تو قریش کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور تمام جماعت کو اکٹھا کر کے مقابلہ شروع کر دیا اور کہنے لگے "نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِر" - یعنی ہم بڑی جماعت ایکدوسرے کے مددگار ہو کر سرزمین حجاز سے اسلامیہ جماعت کو نکال دیں گے -

اسلئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ بیگم عزیز مصر کی پہلی سازش حضرت یوسف علیہ السلام کے عہدۂ وزارت کے آٹھویں سال ہونی چاہیے اور دعوت اور جلسۂ صنف نازک عہدۂ وزارت کے دسویں سال ہونا چاہیے کیونکہ ایسے بڑے منصوبے ایک دن یا ایک سال میں انجام پذیر نہیں ہو سکتے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے رہا ہونے اور بادشاہی پر پہنچنے کیلئے بھی بڑا عرصہ ہونا چاہیے واللہ اعلم

> زر پرست طبقہ ہمیشہ اصلاحی تحریکوں کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ رہا ہے - اور عوام کو خفیہ طور پر ابھارتا اور جوش دلاتا ہے اور خود تماشا دیکھتا ہے

اسی زمانہ کے زر پرست مصری اُمراء طبقہ کی ذہنیت اور طبعی حالت سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ زر پرست دولتمند طبقہ ہمیشہ حکومت کا غلام ہوتا ہے - کسی انقلابی تحریک میں شامل نہیں ہوتا اگرچہ وہ انقلابی تحریک ان کے حق میں مفید کیوں نہ ہو اور ادنیٰ طبقہ کو خفیہ طور پر ابھارتا اور جوش دلاتا رہتا ہے اور تماشا دیکھتا ہے - خصوصاً جب اُمراء زر پرست طبقہ زمیندار جاگیردار یا تاجر پیشہ ہوں اور کبھی صف جنگ میں شامل نہ ہوئے ہوں - ایسے لوگ اپنے بچاؤ اور ذلیل حیات پر قناعت کرتے رہتے ہیں -

> نوجوان طبقہ میں جوش ہوتا ہے اور ادنیٰ طبقہ میں عقل و ہوش ہوتا ہے اسلئے وہ انقلابی تحریکوں میں شامل ہو جاتے ہیں -

نوجوان طبقہ میں چونکہ جوش ہوتا ہے اور ادنیٰ طبقہ میں عقل و ہوش ہوتا ہے اسلئے انقلابی تحریکات میں شامل ہو جاتے ہیں - یہ حالت زر پرست اُمراء - زمینداروں اور جاگیرداروں کی ہے - اس لئے انہوں نے صنف نازک کو ابھارا اور جوش دلا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے کا طریقہ سمجھا دیا تھا - اُمراء طبقہ جو رفاہیت بالغہ میں پھنسا ہوا تھا - غلامی کی چادر اوڑھ[1] کر بیٹھ گئے - زر پرست اُمراء کا طریقہ ہے کہ جب فتح کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور فتح قریب ہوتی ہے تو فاتحین کی پہلی صف میں اپنا نام لکھواتے ہیں

عرب کی حالت خصوصاً قریش کی طبعی عادت اس کے برعکس تھی وہ بہادر تھے اور رفاہیت بالغہ میں پھنسے ہوئے نہ تھے - پہاڑی باشندے تھے - شجاعت اور سخاوت ان کی فطرت میں

۱- پہن کر

کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کی عورتیں بھی عفت و عصمت کی پتلیاں تھیں۔ تجارت اسلئے کرتے تھے کہ ایام حج میں حاجیوں کو روٹی کھلائیں اور خدمت کریں۔ مظلوم طبقہ کی حمایت میں جان قربان کرنا اور حق کی حمایت کرنا اپنے اوپر لازم سمجھتے تھے۔ ہمارے زر پرست اُمراء کیطرح نہ تھے ہمارے پاکستانی یا ہندوستانی زر پرست اُمراء جب حج کو جاتے ہیں تو واپس آکر لاف گزاف مارتے ہیں کہ ہم نے حج بھی ادا کیا اور اتنی اتنی رقم بھی بچا کر لائے۔ ان اللہ کے بندوں کے دل پر قساوت کا حجاب پڑا ہوا ہے۔ یہ دو مسجدیں یعنی بیت اللہ اور مسجد نبوی ہم مسلمانوں کی ہیں۔ وہاں کے باشندے ان کو آباد کر کے بیٹھے ہیں۔ ان کا نان و نفقہ ہم پر واجب ہے۔ مگر اپنی اپنی مساجد کے ملاؤں اور پیروں کو خوب موٹا تازہ رکھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۲: ۱۵۶

بیت اللہ اور مسجد نبوی کے مکینوں کا نان نفقہ ہم پر واجب ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہماری مساجد کو آباد کر رکھا ہے

حاصل کلام قریش اور باقی عرب کی حالت ان زر پرست سرداروں کے برعکس تھی وہ خود اپنے زعم باطل میں اپنے رسم و رواج کو حق سمجھتے تھے۔ اسلئے مخالفت کے میدان اور جنگ کے میدان میں حاضر ہونا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے اور اپنی صنف نازک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کی مخالفت میں بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

اس تمہید کے لیے عرض ہے کہ جب ہال اس نعرہ سے گونج اٹھا تو عزیز مصر کی بیگم اس خوف سے شاید کہ یوسف علیہ السلام اپنا وعظ اور تبلیغ شروع کر دیں گے اور مبادا کہ یہ عورتیں متاثر ہو کر حلقۂ مذہب حنیفی میں داخل ہو جائیں۔ انہیں خاموش کرنے کیلئے بلند آواز میں تقریر کرنا شروع کر دی۔ اپنی جادوگری سے ان بیگمات کو اپنی طرف مائل کیا اور اپنی بداخلاقی کی مدد کرنے کیلئے اپنا ہم مشرب بناتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے۔

بیگم عزیز نے محفل کو اپنی طرف متوجہ کر لیا مبادا کہ حضرت یوسفؑ کا اصلاحی پروگرام ان عورتوں کو متاثر نہ کر دے

آیت نمبر ۳۲ = قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَىٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَ لَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ عورت بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھکو اس کے واسطے۔ ہاں قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں نے اس کو پھسلایا۔ میں نے لینا چاہا تھا جی سے کام۔ پھر اس نے تھام

دکھلادو بچتا ہی رہا - اور بے شک اگر نہ کریگا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو ضرور قید میں ڈالا جائیگا - پھر ہوگا بے عزت -

تشریح :- حضرت یوسف علیہ السلام اس غیر مہذب مجلس میں اپنے اعلی مقاصد کیلئے اندر آتے ہیں اور عورتوں نے شور وغل مچادیا کہ یہ بڑی عزت و آبرو والا فرشتہ ہے۔ اس شور وغل سے حضرت یوسف علیہ السلام کو امید ہوئی ہوگی کہ میرے وعظ ونصیحت کا اثر ان پر پڑیگا -

انجمنوں اور محفلوں کا مسلم قاعدہ ہے کہ استقبالی کمیٹی کا بڑا ممبر حاضرین مجلس کو صدر مجلس کا تعارف کراتا ہے - پھر صدر صاحب سے استدعا کرتے ہیں کہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں - اس جگہ استقبالیہ کمیٹی کا بڑا ممبر بیگم عزیز تھی - جب شور وغل ختم ہوا تو بیگم عزیز اپنی تقریر سے حاضرین مجلس کو اپنا ہم نوا اور مددگار بنانے کیلئے بولتی ہے کہ اے حاضرات مجلس اور میری بہنو! یہ وہی خوبصورت متقی جوان ہے جس کے عشق میں مبتلا ہو کر اسے پھسلایا مگر اس نے اپنی پرہیزگاری اور نشہ اقتدار وزارت کے باعث نسوانی جذبات کی قدر نہ کرتے ہوئے انکار ہی کر دیا - الٹا مجھے ذلیل اور رسوا کیا -

اے حاضرات انجمن - باوجودیکہ تم میری ہم مشرب تھیں - پھر تم نے مجھے ملامت کا ہدف بنایا اب جب اس پُرجلال وہیبت نوجوان کو دیکھا تو اس کی ہیبت سے مرعوب ہو کر ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور ملک کریم اور دیوتا عظیم کا شور مچادیا - اب میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ ہم رند مشرب عورتیں جو بڑی عزت دار ہیں - ایک خوبصورت پُرجلال وہیبت اور صاحب اقتدار پر نظر ڈالتی ہیں تو ان پر فدا ہونا کیا کوئی عیب کی بات ہے - ہرگز نہیں -

ع زاہدار با ما نشیند بر فشاند دست را محتسب گر می خورد معذور دارد مست را -

میں نے اسے اپنا ہم مشرب بنانے اور دام میں لانے کیلئے پُرفریب حیلے بنائے مگر اس نے چادر عصمت میں چھپکر اپنے آپ کو بچایا اسی سبب سے میرا مرد عزیز مصر مجھ پر ناراض ہوا اور میں بھی ناکام ہو کر رسوائی خلق ہوئی - پھر بیگم عزیز بلند آواز سے پکار کر کہتی ہے کہ اگر اس شخص نے میرے جذبات کی قدر نہ کی اور جس کام کا میں حکم دیتی ہوں وہ کام نہیں کریگا تو اسے ضرور بالضرور قید

اور حبس دوام میں رکھا جائیگا

تنبیہ :-

مفسرین کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ "ولیکوناً من الصاغرین" کا معنی ہے کہ جیل میں بے عزت
ہوکر رہیگا اور بعض راسخین فی العلم فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب ہے کہ جیل سے نجات پانے
کے بعد واپس آئیگا تو نہ خاندان میں کوئی عزت کریگا اور نہ معززین شہر اس کی عزت کریں گے
اسلئے کسی اعلیٰ مرتبہ اور عہدہ پر نہ پہنچ سکیگا -

اب بیگم عزیز مصر تقریر کر کے محفل پر استفسارانہ نظر ڈالتی ہے کہ کیا یہ تدبیر اچھی ہے؟
تو سب عورتیں اشارہ وکنایہ سے اور بعض سکوت سے کہ السکوت من الرضاء اس تدبیر کو پسند
کرتی ہیں اور اجازت دیتی کہ انہیں ضرور جیل میں ڈالا جائے کیونکہ اس کی آزادی بڑی خطرناک ہے۔
اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اشاروں کنایوں سے سمجھایا کہ یہ سب بیگمات کہہ رہی ہیں کہ تم پر
بیگم عزیز کی اطاعت واجب ہے۔ جب آپ نے بیگم صاحبہ کی خاطر تواضع کی تو ہم بھی حاضر خدمت ہونگی
اور آپ کی زندگی پر مسرت گزریگی۔

کسی رحمدل اور نرم دل عورت نے بھی بیگم عزیز سے رحم کی درخواست نہیں کی وہ عورتیں جو حضرت یوسف ؑ
کو ملک کریم اور دیوتا کہہ رہی تھیں

ع زنہار از قرین بد زنہار وقنا ربنا عذاب النار نعوذ باللہ من قرین السوء

معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی عورت بیگم عزیز کو اس تشدد سے منع کرتی تو قرآن حکیم میں ضرور
اس کا ذکر ہوتا اور ہمیشہ کیلئے اس کی نیک نامی ہوتی رہتی - اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا پر
غور کیا جائے تو قرآن حکیم سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ان سب حاضرات الجنن اس ورغلانے
کے عمل میں شریک کار تھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا سے مترشح ہوتا ہے کہ ایک عورت نہیں
انہیں اپنی طرف متوجہ کرتی تھی

میرے عزیز بھائی - قرآن حکیم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرد یا عورت کے نیک کام پر پردہ
نہیں ڈالا بلکہ ان کے نیک اعتقاد اور نیک کام کی تعریف وتوصیف فرمائی -

سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ نیکی کرنیوالوں کے مقبول عمل کو دوام بخشا جاتا ہے اور آنے والی نسلوں کیلئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے

مثال ۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق نیک مشورہ دیا
تو قرآن حکیم نے اس کا بیان کر دیا اور عمران کی عورت نے جب حاملہ تھی اپنے پیٹ والی بچی / بچہ کیلئے
نیک کام سرانجام دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تو قرآن حکیم میں اس کی تعریف و توصیف موجود ہے اور
امرأۃ الفرعون ایک بچہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) للّٰہ فی اللّٰہ پانی سے نکالکر اس کی پرورش کرتی ہے
قرآن مجید اس کو صدیقات کا مرتبہ دیکر ذکر فرماتا ہے ۔ ایک فاحشہ عورت ایک پیاسے
کتے کو پانی پلاتی ہے ۔ اس کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان الفاظ سے مذکور ہے
فشکر اللّٰہ وغفر لہا او کما قال یعنی اللہ تعالیٰ قدر اس ادنی سی مخلوق کی خدمت کی قدر
فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ قدردان ہے ۔ اور اس کے گناہ معاف کر کے صالحات کے ساتھ منسلک کر دیا
اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ایک نبی کی خدمت کیلئے دو چار قدم اٹھاتی ہے اور فرعون کی
عورت کو نیک مشورہ دیا تھا ۔ اس کا ذکر خیر قرآن حکیم میں موجود ہے

جب ان ہاتھ کٹی ہوئی عورتوں کو بادشاہ مصر نے بلوا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق
پوچھا ۔ ان کے منہ سے دو چار کلمات برأت و عصمت یوسف ؑ کے متعلق نکلے تو اس کا ذکر بھی قرآن
حکیم نے خاص طور پر کر دیا ۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں ۔

نیک بخت کی صحبت سے نیکی اور غلط کاروں کی صحبت سے گناہ اور غلط کاری کا سبق حاصل ہوتا ہے اور بدنامی ہوتی ہے

اور مسلمات صالحات صحابیات کے ذکر خیر سے احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں آجتک
ان کا ذکر خیر زبان زد خلق ہے ۔ اور تاریخ ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہے ۔ کاش
اگر ایک عورت بھی حاضرات انجمن میں سے صالحہ ہوتی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی حمایت میں
دو چار کلمات بیان کرتی تو اس کا ذکر خیر اس جگہ قرآن حکیم میں ضرور بالضرور ہوتا مگر
بیگم عزیز کا جادو ان پر چڑھ گیا اگرچہ انمیں عفیفہ بھی تھیں مگر بجائے حضرت یوسف علیہ السلام کی
کی حمایت کے بیگم عزیز کی حمایت و مدد کرنے لگیں تو دنیا و جہان میں ابد تک رسوا ہو گئیں
دنیا پرست ہوا و ہوس کے بندوں کی صحبت کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نیک نامی کی جگہ بدنامی
ہوتی ہے ۔ تقویٰ اور خوف خدا صفحۂ دل سے مٹ جاتا ہے اور کانشنس (Conscience) اور ضمیر گم
ہو جاتا ہے اور مشاہدہ اور تجربہ یہی ہے کہ مہذب اور اچھے انسان ظالم امیروں کی صحبت میں بیٹھکر

ان کا ظلم و ستم دیکھکر کوئی کلمۂ خیر و نصیحت زبان پر نہیں لاسکتے الٹا مظلوموں کو سمجھاتے ہیں کہ اپنے سردار
کی اطاعت کرو اور اس کے ظلم و تشدد کو برداشت کرو۔ اگر ان حاضرات مجلسی عورتوں نے حضرت یوسف ؑ
کو اطاعت شعاری کا سبق دیا ہو تو بعید از قیاس نہیں۔

میرے عزیز بھائیو! ان دو واقعات کو گہرے غور و تدبر سے پڑھو کہ قرآن حکیم انسانی سوسائٹی
کو کیا عبرت کا سبق دے رہا ہے۔ اور اقتدار پرست حکام کی ذہنیت کا تار پود کیسا کھول کر بیان
کر رہا ہے۔ آزادئ نسواں کے حامیوں کو کیا کہہ رہا ہے اور پروفیسروں اور معلمین تہذیب و اخلاق
جنہیں خداوند قدوس کا خوف نہیں وہ طالب علموں میں کیا تہذیب و اخلاق پیدا کر سکتے ہیں۔ اب
ہر ایک عقلمند کو ان دو واقعات پر غور کرنا فرض ہے کہ سوسائٹی کی اصلاح کس طرح اور کس بنیاد
پر کرنا ضروری ہے۔ انسانی سوسائٹی تین درجوں پر منقسم ہو سکتی ہے۔

سوسائٹی کو تین درجوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
۱۔ غرباء و مزدور
۲۔ متوسط طبقہ
۳۔ امراء جاگیردار۔ تاجر بڑے افسران

۱۔ پہلا درجہ غرباء اور مزدوروں کا ہے جو روزانہ کما کر کھاتے ہیں
۲۔ دوسرا درجہ متوسط درجہ کے لوگوں کا ہے جو تھوڑی بہت کاشتکاری اپنی زمین پر یا دکانداری
یا صنعت و حرفت یا نوکری پیشہ سے گزران کرتے ہیں۔
۳۔ تیسرا طبقہ۔ امیروں۔ تاجروں۔ جاگیرداروں اور بڑے افسروں کا ہوتا ہے۔ مگر یہ تینوں
طبقے ایک دوسرے کی اعانت و معاونت کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے۔ ہر ایک طبقہ اپنے حسب حال
شرافت و صنعت کا دلدادہ ہوتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو سوسائٹی کا مرکزی نقطہ جس پر
سوسائٹی کا دائرہ تیار ہوتا ہے وہ مرد و عورت کا خلوص دل سے معاہدہ اتحاد تا حیات ہے جس
کو عرف عام میں نکاح کہا جاتا ہے۔ یہ وہی نقطہ ہے جس پر سوسائٹی کا دائرہ چل رہا ہے۔ اب اس
دائرہ کے دو قوسین جن سے مل کر دائرہ بنتا ہے۔ اگر ایک قوس میں خلل پڑ گیا تو دائرہ نہیں بنیگا
نکاح میں دو امر ضروری ہیں ۱۔ مرد و عورت کا آپس میں محبت و اتحاد وارد ہو۔ ۲۔ دوسرا امر
ایک دوسرے پر مرحمت و شفقت کا اتنا جذبہ ہو جتنا بچے پر اسکی والدہ کا ہوتا ہے۔

نکاح کیلئے دو امور کا ہونا ضروری ہے۔
۱۔ مرد و عورت کا آپسمیں محبت و اتحاد
۲۔ ایکدوسرے کیلئے جذبۂ رحمت و شفقت۔

اگر دونوں امور میں کسی طرف سے کمی واقع ہوئی تو وہ خاندان تباہ ہو جاتا ہے اگر مرد یا عورت
کی طرف سے بے التفاتی ہوگی تو محبت اور رحمت کی کشش میں کمی کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔

مذہبی تعلیم پر عمل کرنے سے ازدواجی زندگی کامیاب اور خوشگوار رہتی ہے اور بے التفاتی پیدا نہیں ہوتی۔

تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ یہ بے التفاتی اولاً مردوں میں پیدا ہوتی ہے اور عورتوں میں بھی بے التفاتی کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے مگر ایشیائی عورتوں میں کم اور یورپین عورتوں میں زیادہ جب تک مرد عورت میں مذہبی اور دھرمی جذبات موجود ہوتے ہیں تو بے التفاتی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ تمام مذاہب اور دھرموں کی اصولی کتابوں میں نکاح کے مسئلہ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں مرد وزن کے تعلقات بیان کرتے ہوئے ہر جگہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر پیدا کرنے کیلئے نہایت احسن پیرایہ پر بیان کیا گیا ہے اور ہر جگہ ان تعلقات کے بیان میں واتقوا اللہ فرمایا گیا ہے اور دونوں کے آپسمیں ارتباط قائم رہنے کے آداب وطریقے بتلائے گئے ہیں۔

سوسائٹی کی بربادی کا ایک سبب نکاح کے ادارے کی نگرانی نہ کرنا۔

"فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ" یعنی صالحہ عورتوں کی یہ نشانی ہے کہ وہ مرد کی اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ ساتھ اللہ کی بارگاہ میں نیاز کرنے والی ہوتی ہیں جس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا بندوبست فرمایا ہے یعنی نکاح کے ذریعے ان کے چھپے ہوئے جذبات کی حفاظت کی ہے وہ بھی اپنے چھپے ہوئے جذبات کی اس طریقہ سے حفاظت کرتی ہیں اور سورہ الطلاق میں سوسائٹی پر یہ بار ڈالا گیا ہے کہ نازک ازدواجی رشتہ کی نگہبانی کرتی رہے۔ اگر انہوں نے غفلت برتی تو وہ سوسائٹی برباد ہوجائیگی

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ الایات الی اخر سورہ۔ (الطلاق ۶۵: ۸)

احکام الٰہی سے بغاوت وسرکشی انسانی سوسائٹی کے لئے عذاب ہے جس سے سوسائٹی غیر فطری طریقوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی موت مرجاتی ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ازدواجی حقوق مفصلًا بیان فرمائے۔ ان احکام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پیغمبروں نے عملی طریقہ سکھایا۔ بہت سی سوسائٹیوں نے اس علمی وعملی طریقے سے سرکشی کی اور خلاف ورزی کرنے کیلئے مرد اور عورت کو پرائیویٹ زندگی میں خود مختار چھوڑ دیا اور بے حساب بدچلنیوں کا شکار ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ قدوس فرماتے ہیں کہ ہم نے اس سوسائٹی سے سخت حساب لیا۔ انکی گھریلو زندگی ان کیلئے وبال جان بن گئی اس خود مختاری کے سبب سے ان کے

اخراجات بڑھ گئے اور مرد و عورت منکرات و بدتہذیبی کا شکار ہو کر ساری سوسائٹی کو عذاب کو عذاب الہی میں مبتلا کر دیا۔ پھر آگے آیات میں فرماتا ہے۔ اے عقل مند لوگو! سوسائٹی کی بربادی سے سبق حاصل کرو اور قانونِ انسانی کے پابند رہو۔

آزادیٔ نسواں کے علمبرداروں کو یورپ و دیگر آزادی پسند ممالک سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

جن لوگوں نے آزادیٔ نسواں کی حمایت میں تقریر و تحریر کی ہیں آج یورپ کے حال سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور نہ مصر کی حالتِ حاضرہ کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کیلئے تو شاہ فاروق کا اپنا تحریری بیان (اپنی منکوحہ فریدہ کی طلاق کے متعلق) پڑھکر نادم ہونا چاہیے اور زوجہ مصر کا حال جو ان دو واقعات میں بیان ہوا ہے زیرِ مطالعہ ہونا چاہیے۔ وہی عورتیں ایک برگزیدہ نبی کو ملک کریم کہتی ہیں اور بیگم عزیز کی تھوڑی سی (تقریر سے)[2] سے متاثر ہو کر اپنی خبثِ باطنی اور پلید ہوس میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ آزاد منش صنفِ نازک جب اجنبی مردوں سے اختلاط کرتی ہے انکا بھی یہی حال ہوتا ہے فاعتبروا یا اولی الالباب

عرب بت پرستی کے باوجود اپنے آپ کو دینِ حنیف کا پیشوا سمجھتے تھے

عرب کی سوسائٹی کے مرکز میں بڑی استعداد تھی۔ صحیح اور سچی بات کو قبول کر لیتے تھے اور جہانداری و جہانگیری کی بڑی استعداد موجود تھی۔ بت پرستی میں مبتلا تھے اس لئے اوہام پرستی کی مرض میں مبتلا تھے۔ بت پرستی کے باوجود اپنے آپکو حنیفی ملت کا پیشوا بھی سمجھتے تھے۔ اسلئے انکو ملت حنیفہ کے اوصاف سمجھانے کیلئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تاکہ عرب کی مرکزی سوسائٹی ملت حنیفہ سہلۃ بیضاء کو سمجھیں اور امام اور پیشوائے خلق بنیں۔

اسیطرح شام اور فلسطین کی مرکزی سوسائٹی مصر تھا۔ حضرت ابراھیم و اسحاق و

حضرت یوسف علیہ السلام کو مبعوث کرنے اور مصر میں لانے کی علت و غایت یہ تھی کہ ظلم و ستم اور بدعنوانی کا خاتمہ کریں

یعقوب علیہم السلام کی جدوجہد سے مصر میں ملت حنیفہ کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی تھی۔ مگر امراء طبقہ کے ظلم و ستم اور پرائیوٹ زندگی کی بدعنوانیوں اور آزادیٔ نسواں کے بڑے بڑے جرائیم سے عقلمند اور سمجھدار طبقہ نالاں تھا۔ اس بدعنوانی اور بدجرائیم دور کرنے کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں لایا گیا اور بڑے عہدوں پر رکھا گیا تاکہ مصر ابراھیمی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے مبعوث ہونے کی یہ علت و غایت تھی

۱۔ الکمانیہ ۱

۲۔ جنبشِ شہرت سے

ان دو واقعات میں اُمراء طبقہ کی بد تہذیبی بیان کی گئی ہے ۔ ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جب ان کی عورتیں اسقدر بے حیا و بد تہذیب تھیں تو مردوں کا حقر یا میٹر اس سے کئی گنا زیادہ بدتر ہوگا اپنی بے حیائی اور بد تہذیبی علی رؤس الاشہاد بیان کرنا ان کی تہذیب میں شمار ہوتا تھا ۔

جیسے قوم لوط علیہ السلام پر کر شرق اردن د جو مرے پڑوس میں ہے) کی تھی ۔ حسب عادت فعل منکر بھری مجلس میں (بیان) کرنا اپنی تہذیب شمار کرتی تھی ۔ اور بے حمیت اور بہادری سمجھا جاتا تھا یا جیسے نیم برہنہ یا برہنہ عورت یورپ میں عام مجالس میں ڈانس کرتی ہے اور ڈانس میں اجنبی مرد عورتیں مل کر ڈانس کرتے ہیں ۔

بدمعاش بداخلاق لوگوں کی عادت ہے کہ جب کسی سے شہوانی محبت کرتے ہیں تو پہلے پہل معشوق کے معبود اس کی تعریف کرتے ہیں جب ایسی باتوں سے وہ دام میں نہیں آتا تو قتل ہو جانے کی دھمکی (خودکشی) دیتے ہیں اگر پھر بھی سیدھا نہ ہو تو اسے سزا دینے کی دھمکی دیتے ہیں ۔ اسی بنا پر بیگم عزیز اور حافرات انجمن حضرت یوسف علیہ السلام کو قید اور جیل کی دھمکی دیتی ہیں ۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں اینجا ہمیشہ باد بدست است دام او

اگر بالغرض ہم مان بھی لیں کہ ان عورتوں کو حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت تھی تو کیا وہ ایسی محبت تھی جیسا انبیاء علیہم السلام سے اولیاء کرام کی جماعت کو ہر قلعے یا جیسے والدین کو اپنے بچہ سے ہوتی ہے یا جیسے نوکروں اور رفیدموں کو اپنے آقا سے ہوتی ہے ۔ جیسے با اخلاق شاگردوں کو اپنے استاد و مربی سے محبت ہوتی ہے یا جیسے کسی زرخرید کو اپنے پرورش کرنے والے مالک سے ہوتی ہے ۔ یا جیسے شریف عورت کو اپنے خاوند سے ہوتی ہے ۔ ظاہر ہے محبت کی ان اقسام سے یہ عورتیں خالی تھیں ۔ اگر انہیں محبت اور عشق فطرت سلیمہ کی تکمیل کیلئے ہوتا جیسے ام سلیم والدہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کو تھا ۔ یا ام معبد خزاعیہ جن کے پاس سفر ہجرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے تھے

جمال حسن پیغمبر کجا داند اتواتش بہ پرس از ام معبد را کہ صد شرح و بیان دارد ۔

قصہ : ایک پابند صوم و صلواۃ شخص نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ میرے ہاں ایک خدا رسیدہ صوفی

صوفی بزرگ بیمان ہوا۔ ایک رات کی صحبت سے میری حالت پاکیزہ ہوگئی۔ محبت الٰہی طاری ہوگئی اور نماز میں بڑی لذت آنے لگی۔ مگر بدقسمتی سے صبح اٹھکر ایک بے دین ملنگ کے پاس جا بیٹھا جو عاشقانہ راگ گا رہا تھا۔ جب اس کی صحبت سے اٹھا تو وہ اثر جاتا رہا۔ اب رو رہا ہوں۔ بہت سے بزرگوں کے پاس گیا اور شکایت کی۔ سب نے یہ فرمایا کہ اتنی بڑی نعمت ملی اس کی آپنے قدر نہ کی۔ اب بغیر مشقت کے ملنا مشکل ہے اور اس کا کہنا تھا کہ مجھ سے مشقت ہو نہیں سکتی اسلئے میں لاعلاج ہو گیا۔

ان بیگمات مصر نے ایک پیغمبر خدا کو ذلیل کرنے کا تہیہ کرلیا اور اہل اللہ کی قدر نہ کی تو ان کے مہذب ہونے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ ابوجہل اور عقبہ بن معیط اور امیہ بن خلف کیطرح دنیا و آخرت کے عذاب کے مستحق ہوگئے یا ابولہب اور اس کی بیوی کی طرح ہمیشہ کیلئے بدنام ہوگئے۔ ان دو واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کبھی دائرہ تہذیب و ایمان میں آنے کی مستحق نہیں ہو سکیں۔ ہر ایک مہذب انسان ان پر لعنت کی بوچھاڑ کرتا رہیگا۔ اب یہاں سے ثابت ہوا کہ بیگم عزیز بڑی خبیثہ تھی۔ کبھی کسی خدا رسیدہ بزرگ کی زوجہ بننے کی لیاقت نہیں رکھتی تھی فطرت کا اٹل قاعدہ ہے۔ الخبیثات للخبیثین و الطیبات للطیبین [1]

> نعمت خداوندی کی ناقدری سے نعمت چھن جاتی ہے اور انسان کو ہمیشہ کیلئے ناکامی و خسران کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

باقی رہا ناول یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا تو اس کے متعلق سب راسخین فی العلم کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ قصہ مصنوعی ہے اس میں حقیقت اور صداقت کی بو بھی نہیں ہے۔

> یوسف و زلیخا ناول ایک فرضی قصہ ہے اسمیں ذرہ بھر حقیقت نہیں ہے۔

راقم الحروف نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ عارف جامی قدس سرہ اپنے مرشد خواجہ عبید اللہ الاحرار قدس سرہ سے عشق و محبت کا قصہ بیان کرنا چاہتے تھے۔ اسلئے اس پیرایہ میں چند ابواب کتاب یوسف زلیخا کے مہذب پیرایہ میں بیان کئے تھے تا قصہ بازغہ تک مگر ان کے شاگردوں نے پورا ناول بنا کر شائع کیا۔ اسمیں بدتہذیبی کی داد دی۔ نعوذ باللہ من ذالک اور پھر عارف جامی قدس سرہ نے "تحفۃ الاحرار" میں زلیخا کے خوابوں کی تعبیر کرتے ہیں یعنی اپنے مرشد کی محبتوں کو بیان کرتے ہیں ان کا قلبی مقصود تھا اور بس۔ طبعی صورت پر مفتون ہونا سلوک (راہ ولایت) میں بے کار اور بے فائدہ امر ہے اور مرشد کے روحانی رنگ میں رنگین ہونا مقصود ہوتا ہے۔

[1] النور ۲۶:۲۴

اس سے سالک ولایت کا راستہ طے کرسکتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ عارف کامل اپنے جذبات پر ایسا مسلط ہوتا ہے جیسے انجن ڈرائیور اپنی مشین پر کنٹرول رکھتا ہے۔ ایک سالک جبتک صورت الٰہی یعنی تجلی الٰہی میں فنا ہو کر تجلی اعظم (جو حظیرۃ القدس میں قائم ہے) سے پورا پورا رنگین ہوکر متخلق باخلاق اللہ یعنی باسماء اللہ ہو جاتا ہے جسے اصطلاح صوفیاء کرام میں بقاء باللہ کہتے ہیں جب یہ مقام مل جائے تو عارف کامل بنتا ہے وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ۔ اکثر سالک مقامات میں رہ جاتے ہیں۔

اگر یالہ ہر قطرہ در شدے چو خر مہرہ بازار ازو پر شد۔

اس عارف کامل پر صورت الٰہی سوار ہوتی ہے اور وہ اس کا جارحہ ہوتا ہے

ے بوحنیفہ وزبان شان شبیہ لوح وقلم

انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ اور مقام اولیاء کرام سے ہزار ہا درجہ برتر ہے۔ حدیث
إِذَا قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ لِسَانِ نَبِيِّهِ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ۝ فَقَالُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ
اوکما قال۔ اشارہ اسطرف ہے۔

مشہور مقولہ ہے تو کودکی جواں مرداں را بر خود قیاس مکن ۔ اور بمقامیکہ رسیدی نرسد هیچ نبی کو بھی یاد رکھنا چاہیے۔

حاصل کلام حضرت یوسف علیہ السلام مجمع البحرین تھے یعنی صدیقیت جو کسبیت سے تعلق رکھتی ہے اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی تھی اور نبوت جو وھبی عطیہ ہے اس سے بھی سرفراز ہوئے۔ ایسے شخص کو بہ زبان بعض ناقصات عقل ودین شہوت حیوانی کے دام میں پھانسنا چاہتی ہیں اور بصورت انکار جیل کی دھمکی دیتی ہیں۔ ان ناز پروردہ بیگمات کو یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیل کے ڈر سے رام ہو جائیں گے سے اپنے عہدہ وزارت سے چمٹے رہیں گے۔ ہر ایک شخص اپنی حالت پر دوسرے کو قیاس کرتا ہے۔ ان بیگمات کو جیل بئس المثوی والمقام نظر آرہی تھی۔ مگر القدلبی مردان خدا تو جیل کیا پھانسی کے پھندے کو آزادی کا دروازہ سمجھتے ہیں

ے بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن ۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

بیگم عزیز لَیُسْجَنَنَّ ہُما کے لفظ سے دھمکی دیتی ہے۔ اس لفظ لَیُسْجَنَنَّ پر غور کرنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر بڑے احسان جتاتی ہے۔ لَیُسْجَنَنَّ صیغہ مجہول مؤکد بتاکید
نون ثقیلہ ہے یعنی مصر کے سب لوگ (مرد عورتیں) حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں ڈالنے کا
تہیہ کر چکے ہیں مگر ایک میں ہوں کہ اس عذاب سے بچا رکھا ہے میں نے اس کو خاندان کا ممبر
بنایا اور میرے ہی مشورے سے اسے عہدۂ وزارت ملا ہے۔ ہمارے خاندان کے لوگ یا مصر کے
دیگر باشندے ان کی تہذیب و تمدن کے خلاف ہیں اگر میں اس سے دستبردار ہو جاؤں تو
لوگ ان کو قید میں ڈال دیں گے اور ان کے عزت و عصمت کے عزفد کی کچھ پرواہ نہ کریں گے
کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام غرباء طبقہ کو امراء کے مساوی کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور
آزادئ نسواں کے بدترین دشمن ہیں۔ اگر اس نے میری مراد پوری نہ کی اور میرے حسب منشاء
کام نہ کیا تو میں اس کی حفاظت و حمایت سے دستبردار ہو جاؤں گی پھر دیکھنا کہ کیسے (...)
جیل میں جاتا ہے۔ بیگم عزیز یہ تو کہہ رہی ہے مگر اس نے پہلی بار بھی جیل میں ڈلوانے کی
کوشش کی تھی اور ناکام ہوئی اس کا ذکر نہیں کرتی۔

بیگم عزیز مصر بھرے اجلاس میں اپنی بے حیائی کا مظاہرہ کر کے کہہ رہی ہے کہ غلاموں سے کام
لینا مقصود ہوتا ہے۔ اسلئے نوکر و غلام حکم عدولی نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر یورپین مرد و عورت
اپنے نوکروں سے ہر خدمت لے سکتے ہیں مگر ان سے عشق بازی و محبت نہیں رکھتے۔ اسلئے یہ کہنا
پڑے گا کہ ان بیگمات کو حضرت یوسف علیہ السلام سے کوئی عشق و محبت نہ تھی نہ کوئی وقعت و وقار
ان کے دل میں تھا۔ اگر گہری (عمیق) نظر سے دیکھا جائے تو یہی مشاہدہ ہوگا کہ آج بھی یورپ کی ہائی
سوسائٹی میں جذبات کو پورا کرنا کوئی جرم نہیں نہ ہی عیب خیال کیا جاتا ہے۔ ہاں ان کے
ہاں زنا بالجبر جرم میں داخل ہے۔

پہلو دوسرا
ہم نے اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بیگم عزیز خواہ مم عورتیں (حاضرات محفل)
ان کا اصلی مقصود یہ ہرگز نہ تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام پر عاشق تھیں یا انپر فریفتہ تھیں۔
بلکہ ان سب کا اصلی مقصد اور دلی مطلب یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بسبب عفت و عصمت و تقویٰ

و پرہیزگاری کے عزیز مصر اور بادشاہ مصر یا عوام الناس میں مقبول ہو کر عہدۂ وزارت پر فائز ہوئے ہیں۔ ان کی عفت و عصمت پر ضرب لگا کر عہدہ وزارت اور منصب عزت سے ہٹایا جائے اس کی دلیل اور حجت و برہان ہمارے پاس وہ حدیث ہے جس کے متعلق ہم نے پیشتر اشارہ کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْتُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ یعنی جیسے مصر کی عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو منصب امامت سے ہٹانا چاہتی ہیں تم بھی ویسا ہی کام کرنا چاہتی ہو۔ اگرچہ ازواج مطہرات کا مقصد و منشاء ہٹانے کا نہ تھا مگر قرون اولیٰ و عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں امامت خمس صلوٰۃ وہی شخص کرتا تھا جو کہ حاکم ہو اور اگر حاکم اپنی حاضری میں نمازوں میں امام نہ ہو تو عوام کو ظن غالب ہو جاتا تھا کہ اب یہ شخص معزول ہو گیا ہے اور جو امامت کرتا ہے وہی حاکم ہے۔

حضور سرور کائنات کی نظر بڑی دور رس تھی وہ جانتے تھے کہ اگرچہ ابوبکر صدیق رضی نماز میں بہت روتے ہیں مگر جہاں دین اللہ میں سختی اور بہادری کی ضرورت ہو تو وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پایہ کا کوئی دوسرا آدمی نہیں ہو سکتا اور اجتماعیات میں اساسی اصولوں اور فروعی (بائی لاز) کے بڑے ماہر تھے اور اساسی اصولوں کو تمدن میں چلانا اور فروعی (بائی لاز) کو تبدیلئ وقت یا اقوام عالم کی ذہنیت کے موافق پیش کرنا بڑا مشکل کام ہے اسمیں حضرت ابوبکر الصدیق خلیفۃ الرسول کے منصب پر فائز ہو سکتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اساسی اصول اور فروعی بائی لاز میں چنداں فرق اور امتیاز نظر نہ آتا تھا۔ عملی طور پر مجتمع نظر آرہے تھے اور اخلاقی حیثیت سے (یعنی اصلاح اخلاق کا دارومدار تعلق باللہ پر ہے) نماز کی امامت سب سے اہم ہے۔ مگر حکومت کا اجتماعیات میں سیاست قائم کرنا مالیات پر منحصر ہے اور مالیات کے محصلین اور مجاہدین کے ضروری اخراجات کی کفیل حکومت ہوتی ہے۔ نماز کے سوا اخلاق کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور زکوٰۃ کے سوا حکومت قائم نہیں رہ سکتی یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اس لطیف نکتہ کو سمجھنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

نماز کے بغیر اصلاح اخلاق ممکن نہیں اور مالیات (نظام زکوٰۃ) کے بغیر حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ یعنی اخلاقیات و مالیات قیام حکومت کے دو اہم ستون ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے بہت سے قبائل نے زکوٰۃ (یعنی مالی ٹیکس) دینے سے انکار کر دیا اور نجد میں مسلیمہ کذاب جس نے عہد رسالت میں دعویٰ نبوت کیا تھا اور جسے سلطنت روما مالی امداد دیتی تھی اس نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاسوسوں نے مرض الموت میں اطلاع دی تھی کہ روما کی سلطنت نے اب اس نوخیز سلطنت اسلامیہ پر حملہ کرنے کیلئے لشکر جرار تیار کر کے سرحد بلقاء پر پیش قدمی شروع کر دی ہے آپؐ نے اسامہ بن زیدؓ کو امیر لشکر بنا کر لشکر اسلام کو حکم دیا تھا کہ رومی فوجوں کا سرحد پر جا کر مقابلہ کریں : اپنے دست مبارک سے لواء (علم) اسلامی باندھ کر اسامہ بن زیدؓ کو حکم دیا تھا کہ تیس ہزار فوج لیکر مقابلہ کیلئے سرحد پر روانہ ہو جاؤ اور

فساد کی اصل وجوہ معلوم کر کے اس کی بیخ کنی کرنا ضروری ہے۔ فتنہ کو صرف فرو کرنے سے مکمل امن امان نہیں ہو سکتا۔

ایک انقلابی مبصر غور سے حقیقت پر نظر کرتا ہے تو اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ عرب قبائل کی بغاوت اور مسلیمہ کذاب کا ارادۂ حملہ اور ادھر رومی فوجوں کا اجتماع اور ارادۂ حملہ ایک ہی وقت میں ہوتا ہے - اسکی کیا اصلیت تھی - اصلی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایرانی سلطنت اپنے اندرونی جھگڑوں میں پھنسی ہوئی تھی مگر سلطنت روماء بیدار تھی اور اس اسلامی سلطنت کے ارادے سے غافل نہ تھی۔ سلطنت روماء کے جاسوس اسلام کا لبادہ اوڑھ کر قبائل عرب میں پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیں اور مسلیمہ کذاب کو مالی امداد دیکر تیار کر رہی تھی کہ نجد کا علاقہ (جو آباد علاقہ ہے) یہی سلطنت کا مرکز ہو سکتا ہے اور حجاز (جو ایک غیر آباد علاقہ ہے) سلطنت کا مرکز نہیں بن سکتا اور نہ قبائل عرب اس پر اجتماع کر سکتے ہیں اسلئے مناسب موقع پر حجازی حکومت کو تباہ کرنا آسان ہے اور روماء کی فوج آپ کی مدد کیلئے تیار ہے یعنی مسلیمہ کذاب کی نبوت عیسائی سلطنت کی ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز تھی اور سلطنت روماء کی مالی امداد سے اس کا بغاوت تھا۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

بیرونی طاقتیں اور حکومتیں ریاست کے اندر اپنے ایجنٹ بھیج کر پروپیگنڈہ کے ذریعے رائے عامہ میں انتشار پیدا کر کے مطلوبہ نتائج حاصل کرتے ہیں۔
یہ ایک ایسا حربہ ہے جو جنگ سے زیادہ خطرناک ہے

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسول منتخب ہوئے اور ایکایک ناگہانی بغاوت پھوٹ پڑی تو صحابہ کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

اطاعت رسول مسلمانوں کی دینی و دنیاوی ضروریات و حاجات کی کفیل رہیگی۔ اور اس سے انحراف تباہی و بربادی ہوگی۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے التجا کی کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو رومیوں کی مقابلہ کیلئے روانہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس لشکر کو اندرونی بغاوت دبانے کیلئے بھیجنا چاہیے اور جو قبائل نماز پڑھتے ہیں اور زکواۃ دینے سے انکار کرتے ہیں ان سے بھی لڑنا نہیں چاہیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس جھنڈے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہے اور جس مقصد کیلئے لشکر روانہ کرنا چاہتے تھے۔ میں اس لشکر اور جھنڈے کو دوسرے مقاصد کیلئے استعمال نہیں کرسکتا جو قبائل زکواۃ دینے سے انکار کرتے ہیں میں ان سے لڑونگا۔ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی زکواۃ فرض ہے میری حیات میں جو شخص فرض کا منکر ہوگا اس سے لڑتا رہونگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طعنہ دیا کہ جبار فی الجاهلية وخوار فی الاسلام یعنی جاہلیت میں آپ بڑے سخت اور اپنے ارادہ پر محکم رہتے تھے اور اسلام میں آکر بزدل ہوگئے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ ساری شورش کا منبع سلطنت روما ہے اگر اسلامی لشکر روما کی سلطنت کا ڈٹ کر مقابلہ کر لیا تو یہ اندرونی سازشیں خود بخود دب جائیں گی

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا لشکر روانہ ہوا اور سلطنت روما کو شکست فاش دی اور بہت سا مال غنیمت لیکر واپس مدینہ منورہ پہنچا تب حضرت خالد بن ولید رض کو لشکر دیکر قبائل کی بغاوت کو دبانے کیلئے روانہ کردیا۔ باغی قبائل کو جب خبر ملی کہ اسلامی فوجوں نے رومیوں کے لشکر پر فتح حاصل کرلی ہے تو ان کے حوصلے پست ہوگئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر توبہ کرلی اور آئندہ اطاعت شعاری کا عہد کیا۔ پھر مسلیمہ کذاب کے لشکر کو بھی شکست فاش ہوئی اور مسلیمہ کذاب مارا گیا اور اندرونی بغاوتیں فرو ہوگئیں اور اسلامی ریاست (مدینہ منورہ) بیرونی حملوں سے مامون و محفوظ ہوگئی۔ پھر آپ رض نے حکم دیا کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر حملہ کیا جائے اور سرحدوں کی طرف اسلامی لشکر بھیجنا شروع کردیا۔

غور کا مقام ہے کہ ایسے نازک وقت میں سوائے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی اور ہستی نہ تھی جس نے اسلام کو سخت صدمات سے بچایا ہو اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو اپنی قوت ارادیہ سے مضبوط کردیا ہو اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زکواۃ جو کہ فریضہ اسلام اور شعائر اللہ ہے

قانون کے استعمال میں کوتاہی اور استثناء سے لاقانونیت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اس میں مداہنت کرتے تو اسلامی فرائض میں مداہنت کا دروازہ کھل جاتا۔ جیسے پطرس حواری حضرت مسیح علیہ السلام کے قائم مقام تھے جب پال حواری نے انسے کہا کہ ختنہ ترک کرنے کی اجازت دیں تاکہ بت پرست آسانی سے مسیحی دین میں داخل ہوسکیں اور برنابا حواری کہہ رہا تھا کہ ختنہ شریعت موسوی میں فرض ہے اس کو مت چھوڑنا مگر پطرس نے پال کے کہنے پر ختنہ موقوف کیا تو اس کا نتیجہ نکلا کہ ہر ایک پوپ ہر ایک حکم شریعت کو منسوخ کرتا چلا گیا حتیٰ کہ خنزیر کو حلال کر دیا گیا اور مسیح علیہ السلام کے بت بنا کر سجدہ کرنے لگے اور پھر مسیح علیہ السلام کو خدائی درجہ دیتے چلے حتیٰ کہ شریعت موسوی میں جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیکر ذبح کرنا ترک کر دیا۔

ملت اسلامیہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسے کاموں سے منع کر دیا کہ کسی ہستی کو لائق نہیں کہ اسلامی فریضہ کو ترک کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد یہ تھا کہ اسلام کو تمام مذاہب پر غالب کر دیا جائے یہ مطلب تب حاصل ہوسکتا تھا کہ قیصر وکسریٰ کی سلطنت کو برباد کیا جائے اور اس ارادہ کی تکمیل کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الموت کی حالت میں قیصر کی سرکوبی کیلئے لشکر تیار کیا تھا اور اس کی تکمیل صحابہ کرام رض کا اولین فرض تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی قوت عملی سے صحابہ پر یہ امر واضح کر دیا کہ یہ تمہارا اولین فرض ہے اور بغاوت فرو کرنا دوم درجہ کا کام ہے۔ اسلئے آپ نے فرمایا کہ اِنَّكُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ مروا ابابکر فلیصل بالناس۔ الحدیث [1]

اجتماعی اخلاق کی بنیاد مساوی تقسیم دولت اور معاشی مساوات پر ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کی بعثت کا اصلی مقصد یہی تھا کہ مصر کو بدکاری اور بدتہذیبی کے جراثیم سے پاک کیا جائے اور ظلم اور نا انصافی کو ختم کر کے مصری باشندگان کو بااخلاق بنایا جائے اور ان کو تعلق باللہ کی تعلیم دی جائے تاکہ یہ لوگ پیشوائے خلق بنیں۔ اجتماعی اخلاق کی بیخ بنیاد مساوی تقسیم دولت اور معاش پر ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام معاشی مساوات کا پروگرام رکھتے تھے۔

[1] ـــ ـ ...

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا امام اور خلیفۃ الرسول منتخب کر کے اسلام کو سب ادیان پر غالب کر دیا لیکن مصری باشندوں نے ملکہ عزیز مصر اور باقی عورتوں کو ورغلا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے منصب سے ہٹا دیا اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے۔

تنبیہ :۔ آداب امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بڑا ادب ہے کہ سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کسی خلیفہ یا بادشاہ کو خلیفۃ الرسول کا لقب نہیں دیا بلکہ امیر المومنین کا خطاب کافی سمجھا گیا ہے۔

انقلابی جماعت کے ہاں ارتداد اور ارتجاع کفر سے بدتر ہیں۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے دو رستے رکھے گئے۔ ایک راستہ جیل کا اور دوسرا راستہ معصیۃ اللہ کا۔ جیسے ہر انقلابی مصلح کے آگے دو راستے رکھے جاتے ہیں۔ ایک ظالمانہ سلطنت کے آگے سرخم کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا اور دوسرا پھانسی اور جیل۔ جن لوگوں کو قوم اور ملت کی درماندگی کا احساس ہوتا ہے اور ظلم اور تعدی کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تو قوم و ملت کو سبق دینے کیلئے پھانسی کو چوم کر قبول کر لیتے ہیں اور پھانسی کے پھندے کو آزادی کا راستہ سمجھ لیتے ہیں اور جیل کو ایک سکول سمجھ کر اسمیں خوشی سے چلے جاتے ہیں اور جیل میں جا کر مظلوم قیدیوں میں سے جماعت تیار کر لیتے ہیں۔ انقلابی جماعت شاہی تخت پر سرفرازی کا راستہ بھی جیل کو ہی سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں ارتداد اور ارتجاع کفر سے بدتر ہوتا ہے۔ اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام تخت شاہی پر متمکن ہونے کیلئے جیل کو پسند فرماتے ہیں اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ صنف نازک کی لیڈر ملکہ عزیز مصر اور دست بریدہ عورتوں کی جماعت اپنے عیب چھپانے کیلئے ضرور ایسی تدبیریں شروع کریں گی جن سے حضرت یوسف علیہ السلام کی عزت اور تقویٰ پر ضرب لگے اور آئندہ مکر و فریب کے ایسے دام بچھائیں گی جن سے یا تو میں پھنس جاؤں یا بدنام کر کے جیل میں بھجوا دیں گی اسلئے دعا مانگتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھکر حیران ہو کر

اپنے ہاتھ بھی کاٹتی ہیں اور انہیں بڑا بزرگ سمجھ کر کہتی ہیں کہ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ" ۔ پھر ملکہ عزیز مصر کے دام میں آ کر جیل کی دھمکی کیسے دے سکتی ہیں ۔

جواب ۔ حسن صورت پر متحیر ہو جانا اور پھر اپنا ہاتھ کاٹ دینا عقلمند آدمی تسلیم نہیں کر سکتا میرا اعتقاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوع انسانی میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے ایک بار آپ کا قبرستان سے گزر ہوا ۔ ایک عورت کو دیکھا کہ اپنے بچے کی قبر پر رو رہی تھی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر کرو ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا تو اس عورت نے کہا کہ اے بدوی تم کو میرے غم اور صدر درد کی کیا خبر ۔ آپ وہاں سے چلے گئے ۔ کسی نے اس عورت کو بتایا کہ یہ شخص خود حضور سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو پھر اس کے دل میں دہشت آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ پر آ کر معذرت کرنے لگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ

قصہ ۔ ایک ولی اللہ نے جنید بغدادی قدس سرہ پر اعتراض کیا کہ جنید اوصاف الٰہی میں غرق ہیں اور ہم ذات الٰہی میں فنا ہیں ۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا چہ شد ہیچ نیست ۔ اس بزرگ کو خبر ہوئی وہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اوصاف الٰہی اس پر منکشف ہوئے ۔ وہ دہشت سے بے تاب ہو کر فوت ہو گیا ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی گنوار نے بادشاہ کو شکار کرنے کی حالت میں دیکھا تو اس پر سلطنت کا رعب نہیں پڑتا ۔

اسی طرح اگر یہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو معمولی حالت میں دیکھتیں تو ان پر ان کی عظمت کی دہشت نہ پڑتی اور ہاتھ نہ کاٹتیں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام بارادہ تبلیغ حق شاہانہ لباس میں نمودار ہوئے ۔ یہ عورتیں اپنے نشے اور خوشی میں مخمور تھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام بڑے خوبصورت تھے ۔ طہارت و تقویٰ کے ساتھ روحانی حشمت اور رعب (جیسے اہل اللہ میں موجود ہوتا ہے) تھا ۔ شاہی لباس اور باڈی گارڈ کے تجمل سے ظہور فرمایا تو جیسے جواباز یا شراب خور بدمعاش ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ڈر جاتے ہیں ۔ ویسے ہی ان عورتوں

کا حال ہوا۔ اسلئے اہل اللہ فرماتے ہیں کہ جب تبلیغ کے کام پر جاؤ تو اپنے تجمل اور وقار سے جانا چاہیے

بے زَیِّنْ ثِیَابَکَ مَا اسْتَطَعْتَ فَاِنَّہٗ ۔ زَیْنُ الرِّجَالِ بِھَا تُعَزُّ وَتُکَرَّمُ

یعنی جس مجلس میں جاؤ لباس فاخرہ کر کے جاؤ اس سے مردوں کی زینت ہوتی ہے اور مخلوق میں عزت و احترام لباس سے ہوتا ہے سمجھدار عقلمند کیلئے اتنا لکھنا کافی ہے۔

آیت نمبر ۳۳ - قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَھُنَّ اَصْبُ اِلَیْھِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰھِلِیْنَ ۔

ترجمہ۔ یوسف بولا اے میرے رب مجھکو قید پسند ہے اس بات سے جسکی طرف مجھکو بلاتی ہیں۔ اگر تو دفع نہ کریگا مجھ سے انکا فریب تو مائل ہو جائنگا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا بے عقل جاہل

تشریح - قدرتی طور پر عام مشاہدہ اور تجربہ ہے جہاں اہل اللہ ولی کامل رہتے ہیں۔ ان کے اردگرد دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک جماعت ولی کامل کے معتقد ہوتے ہیں روحانی فیوضات حاصل کرنے کے ارادہ سے اپنی جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور دوسرا فریق بسبب حسد یا مالی فائدہ نہ پہنچنے سے اس عارف کامل سے دل میں کدورت رکھتا ہے جتنی قدر معتقدین روحانی فیوض سے مالا مال ہوتے جاتے ہیں تو منکرین انسے بڑھکر سیاہ قلبی میں زیادتی کرتے جاتے ہیں۔ اگر دور دراز کا رہنے والا سالک اعتقادمندی کا زاد سفر لیکر عارف کامل کی خدمت میں آتا ہے۔ اگر راستہ میں معتقدین جماعت کا سالک مل گیا اور امن و امان سے عارف کامل کی خدمت میں پہنچ جاتا ہے تو فیوض کی بارش سے مستفید ہو جاتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے کوئی منکر آدمی انکو مل جائے تو دو چار مصنوعی عیوب یا واقعات اس سالک کو سنائے تو پھر اگر اس سالک کے قلب میں بیٹھ گئے تو استفادہ کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی منکرین اور ابلیس شیطان ہوتے ہیں۔ چور ڈاکو ظاہری معیشت تباہ کرتے ہوتے ہیں اور یہ منکرین قلبی دولت کو تباہ کر دیتے ہیں

مثال - حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے سُنا ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جنکا تذکرہ ہم یہود و نصاریٰ سے سنتے تھے مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے ہیں - میں نے اپنے بھائی کو یہ کہکر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا کہ پیغمبرؐ سے ملے اور اُن کی حقیقت سے مجھے آگاہ کریگا - میرا بھائی مکہ مکرمہ گیا اور پھر واپس آگیا - اس نے مجھے خبر دی کہ وہ بڑے اچھے بزرگ اور نیک آدمی ہیں اور نیک اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں - میں نے اپنے بھائی کی حالت کو دیکھا تو اسمیں رُشد کے آثار نظر نہ آئے - میں نے سوچا کہ بڑے اولعزم نبی سے ملکر اسمیں رشد و فیض کے آثار کیوں ظاہر نہیں ہوئے - میں نے اپنی تسلی کی خاطر بھائی سے کہا کہ اپنی بکریاں سنبھالو میں جتک اس پیغمبر کی حقیقت سے آگاہ نہ ہونگا واپس نہ آؤں گا - میرے بھائی نے نصیحت[1] کی کہ اس پیغمبر کی تفتیش کسی سے نہ کرنا ورنہ ناکام[2] ہو جاؤ گے - میں مکہ مکرمہ میں آیا میرا زاد سفر ختم ہو گیا - چالیس دن تک میں زمزم کا پانی پی کر بیت اللہ کے سایہ میں بیٹھا رہتا کسی کے آگے اپنے مقصد کا اظہار نہ کیا کرتا تھا - اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے باہر کم نکلتے تھے - قریش کے ظلم و تعدی مسلمانوں پر حد سے تجاوز کر چکے تھے - ایک بار حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ بیت اللہ میں آئے اور طواف کیا اور مجھے دیکھکر کہنے لگے تو مسافر معلوم ہوتا ہے کیا تو نے روٹی کھائی ہے - میں نے عرض کیا نہیں کھائی پھر مجھے روٹی کھلائی نہ مجھ سے کوئی حال پوچھا نہ میں نے کوئی بات بتائی پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی گھر لے گئے اور روٹی کھلائی - میں نے ایسا سمجھا کہ یہ عارف کامل ہیں تیسری بار میں نے اپنا احوال بیان کیا - آپ نے فرمایا تم کامیاب ہو گئے ہو میں بھی مسلمان ہوا - پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وساطت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور روحانی برکات سے مالا مال ہو گیا - آگے یہ قصہ طویل ہے -

مخالفین کے علاقہ میں اور خطرے کے وقت احتیاط لازم ہے - بغیر تحقیق کے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے -

دوسری مثال = اُمیّہ بن ابی الصلت ثقفی عرب کا مشہور شاعر تھا اور طائف میں رہتا تھا اُس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور با اخلاق صوفیانہ مزاج رکھتا تھا - اُس نے عیسائی راہبوں سے سُنا تھا کہ مکہ مکرمہ میں قریش کے بلند پایہ قبیلہ سے وہ پیغمبر پیدا ہونے والا ہے جس کے ہم یہود و نصاریٰ منتظر ہیں - جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور

۱ - وصیت
۲ - ناکامیاب

اور اُمَیّہ بن ابی الصلت شام کے سفر سے واپس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اسوقت قریش سے کہا کہ یہ سچے پیغمبر ہیں ان کی اتباع کرو۔ قریش نے کہا تم اتباع کیوں نہیں کرتے اس نے کہا شام جاتا ہے راھبوں سے تفتیش کر کے اتباع کرونگا۔ پھر وہ ملک شام چلا گیا۔ بہت مدت کے بعد طائف واپس آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے اور بدر کی جنگ بھی گزر چکی تھی۔ اب امیہ بن ابی الصلت نے بارادہ اسلام مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔ جب قریش کو خبر ہوئی کہ اسلام لانے کیلئے جا رہا ہے تو قریش بدر کے قریب اس سے جا کر ملے اور اُسے ورغلایا اور جماعت مسلمین پر طرح طرح کی تہمتیں لگائیں۔ آخر قریش نے اُسے غیرت دلائی کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کیلئے چلے ہو حالانکہ اس نے تیرے ماموں کے بیٹوں عتبہ و شیبہ بن ربیعہ کو جنگ بدر میں قتل کر دیا ہے۔ اسطرح اُسے غیرت دلاتے رہے حتیٰ کہ وہ واپس طائف لے آئے۔ وہ طائف آتے ہی بیمار ہو گیا اور کفر کی حالت میں مرا اسی امیہ بن ابی الصلت کے بارے حق میں (جب آپؐ نے اسکے شعر سنے تو) فرمایا کہ اس کی زبان مسلمان تھی اور دل کافر تھا۔ یہی صحبت کا اثر ہے۔

اہل اللہ کی مجالس میں بیٹھنے کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اپنے دل سے تمام وسوسے اور پراگندہ خیالات کو نکال کر کامل توجہ اور حضورِ قلب سے بیٹھے تا کہ انوار کی بارش سے مستفید ہو سکے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ اہل اللہ کی مجلس میں بیٹھنے کا سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ اپنے دل میں وساوس اور پریشان خیالات کو جگہ نہ دے۔ ہمت سے عارف کامل کی طرف متوجہ رہے

؎ دل نگہدارید اے بے حاصلاں در حضور حضرت صاحبدلاں

کیونکہ عارف کامل اپنی ہمت سے فیوض کی بارش سالک اور اہل مجلس کے قلب پر برساتے رہتے ہیں۔ اگر دل اور قلب سودائی پر نکتہ پریشان خیالی کا لگا ہو تو اس کے اندر ایک قطرہ بھی فیض الٰہی کا نہیں پہنچ سکتا اور حدیث شریف میں ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ یعنی عارف کامل اللہ تعالیٰ کے عطا شدہ نور سے دیکھتا ہے۔ اسلئے اس کی مجلس میں پراگندہ خیالوں سے قلب کو صاف رکھو۔ کیونکہ جو وساوس تمہارے دل پر آتے ہیں وہ اس کو پڑھ رہا ہے جو شکوک تمہاری سنٹرل فکر پر منڈلا رہے ہیں اُس کو عارف دیکھ رہا ہے۔

-- اسد احمدی جاعت
-- رکیس

سادہ دل نوآموز عورتوں نے جب عارف کامل نبی اللہ کو (جکے سر پر تاج شاہانہ تھا اور ہیبت ورحمت حقانی کا مجسمہ تھا) دیکھا تو دہشت زدہ ہوکر ہاتھ کاٹ دیئے اور رحمت الٰہی کا کرشمہ دیکھکر مَا هٰذَا بَشَرًا پکار اٹھیں اور ملکیت کے انوار کی تجلی دیکھکر ملکٌ کریم کا غلغلہ بلند کرنے لگیں مگر ان کی میر مجلس بد طینت سیاہ قلب تھی اور اسی کی صحبت سے متاثر تھیں (یعنی بیگم عزیز جو کہ مجسمہ بداخلاقی تھی) اسی کی تقریر اور بداخلاقی کے بیان سے ان بیگمات کے دلوں میں بداخلاقی کے جراثیم نشو ونما پانے لگے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملکیت کے انوار کا اثر مدھم پڑنے لگا۔ بیگم عزیز کی صحبت اور لیکچر نے ان کے قلب پر اندھیرے اور ظلمت کا پردہ ڈال دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملکیت ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام انہیں فقط حسین وبہادر نوجوان نظر آنے لگے جو ان کی ہوا وہوس کو ٹھنڈا کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی خیالات کے جراثیم ان کے اندر دوڑنے لگے۔ حضرت یوسف علیہ السلام عارف کامل نبی اللہ ان کے دلی خیالات کے حروف کو پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ۔

بیگم عزیز کے حالات سے یہ عورتیں سمجھ گئیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام عورتوں کے جذبات کو ٹھکراتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ دنیاوی عزت وآبرو پر مست ہیں۔ جیل کی آگ میں ڈالنے سے ان کا لوہا گرم ہوگا اور فولاد نرم ہو جائیگا پھر ہم جسطرح چاہیں گی توڑ مروڑ کر سکیں گی اس میں لچک اور نرمی پیدا ہو جائیگی۔ ان سب عورتوں نے دلمیں یہ رائے پسند کی۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام دعا میں ان سب عورتوں کو شامل کرتے ہیں۔ یہ عورتیں قید اور جیل کو بدتر جگہ سمجھتی تھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر اور تخت شاہی اور ناجنس آدمیوں کی صحبت کو جیل سے بدتر سمجھتے تھے کہ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ۔

پائے در زنجیر پیش دوستان   بہ کہ با بیگانگان در بوستان

جن لوگوں نے حیات کا کچھ حصہ جیل میں گزارا ہے۔ انہیں بخوبی علم ہے کہ آزادانہ دیکھنا یا

بات کرنا۔ اُٹھنا بیٹھنا ممنوع ہوتا ہے۔ کسی سے بات کرنا ہو تو اجازت طلب کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کھانا پینا بقدر بقائے زندگی دیا جاتا ہے اور مقررہ مفوضہ کام مقررہ وقت کے اندر سرانجام دینا ضروری ہوتا ہے اور کوئی کام انسپکٹر کی اجازت کے بغیر سزا کے لائق ہوتا ہے یہ سب خاصیتیں جیل کی ہیں۔

مومن احکام شریعت کے خلاف ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتا۔ احکام شریعت کی پابندی سے دنیا جیل کی مانند ہو جاتی ہے۔ جیسے جیل کے اندر رہنے والوں پر جیل کے قواعد کے مطابق رہنا پڑتا ہے

مومن بھی کوئی کام یا حرکت شریعت کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا شرع کی اجازت کے بغیر نہ دیکھ سکتا ہے نہ کسب کر سکتا ہے نہ کھا پی سکتا ہے۔ اگر ایسا مومن پھر کسی عارف کامل سے تزکیۂ نفس سیکھنے کیلئے تعلق باللہ کا راستہ تلاش کرنے کے لئے جاتا ہے تو وہ عارف کامل اُسے بتاتا ہے کہ ایک سانس بھی ذکر اللہ کے بغیر ضائع نہ کیا جائے اگر سانس اندر جائے تو اللہ کے اسم سے جائے اگر باہر آئے تو بھی اللہ کے اسم کی یادگیری ہو اور ہاتھ پاؤں۔ آنکھ کان حتیٰ کہ جسم کی رگوں کی تحریک بھی ذکر الٰہی کے بغیر نہ ہونا چاہیے اور پھر انسانی سوسائٹی میں بھی عام انسانوں کی طرح معاش کیلئے جدوجہد کرنا ضروری ہے

ع درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای — باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

یعنی دنیا کے کاموں میں دنیا داروں کی طرح رہو پھر دنیا و مافیہا سے نہ دلچسپی رکھو اور نہ محبت۔ مال و اولاد کو امانت الٰہی سمجھو اور ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو۔ یعنی جتنا انسان کامل الایمان ہوتا ہے اتنا ہی اس پر بندش زیادہ ہوتی ہے اور اپنے آپ کو محبوس سمجھتا ہے۔ مگر بے سمجھ بے ایمان بالکل دنیا کو بہشت کا باغ سمجھتا ہے اپنی مرضی سے کھاتا پیتا ہے لہو و لعب میں زندگی گزارتا ہے نہ احکام الٰہی کا ڈر ہے نہ سوسائٹی سے شرم ہوتا ہے۔ یہی قدرے مختصر معنیٰ ہے "الدنیا سجن المومن" کا۔ اس کی تفصیل عارف کامل کی مجلس میں رہنے سے سمجھ میں آتی ہے۔

بے ایمان آدمی پر چونکہ احکام شریعت کا پابند نہیں ہوتا وہ اپنی زندگی لہو و لعب میں گزارتا ہے نہ اُسے احکام الٰہی کا ڈر ہوتا ہے نہ سوسائٹی سے شرم ہوتا ہے اس لئے دنیا اُسے باغ بہشت نظر آتی ہے۔

حاصل کلام جیسے شرعی احکام ایک عالم دین سے انسان حاصل کر سکتا ہے ویسے ہی ایمان بالیوم الآخر سوائے عارف کامل کی صحبت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ عارف کامل کی صحبت سے ایمان بالیوم الآخر کی حقیقت منکشف ہوتی ہے اور مومن کو دنیا جیل نظر آتی ہے۔ جسطرح فنون حرب ایک سپاہی استاد سے سیکھ سکتا ہے اور اس کی مشق سے ماہر[1] ہو جاتا ہے۔ مگر لڑائی کے

۱۔ رنگین

کے میدان میں ان فنون اور رشتوں کے راز ان پر منکشف ہوجاتے ہیں اور حقیقت معلوم
ہوجاتی ہے - اسیطرح ان بندشوں کے راز قبر و حشر میں منکشف ہوجائیں گے -

حضرت یوسف علیہ السلام مصر اور ان کے ارد گرد ممالک کے لئے مبعوث تھے اور وادی مصر
جسے دریائے نیل سیراب کرتا ہے - مرکزی حیثیت کی حامل ہے - اور مصر کے ارد گرد رہنے والے لوگ
تہذیب و تمدن میں مصری لوگوں کے تابع تھے - مصر کے لوگوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان
کے جانشین حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق علیہم السلام اپنی تہذیب و تمدن اور مذہب کی تبلیغ
برابر جاری رکھتے آئے - یہاں تک کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایک زوجہ مصری تھیں اور
حضرت اسحاق علیہ السلام کی تبلیغ کا مرکز مصر کے پڑوس میں تھا - ان دونوں بزرگوں کی اولاد
کے تعلقات تجارت مصر کے ساتھ تھے اور تجارت کے ساتھ ساتھ ملت حنیفی کے خیالات
کا اثر مصر پر پڑتا رہتا تھا - حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں مصر ملت ابراہیم حنیف
علیہ السلام کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو چکی تھی - اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام
کو وہاں بھیجا گیا تھا - استعدادیں بہت مدت کی سرگرم کوششوں کے بعد پیدا ہوتی ہیں جیسے
چھوٹے بچوں کو متواتر کئی سال کی کوشش سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے
پھر بڑے پروفیسر کی بات سمجھتے ہیں -

تقریباً تین سو سال کی کوشش کا یہ نتیجہ تھا کہ مصر میں ملت و مذہب ابراہیم علیہ السلام
مقبول ہونے لگا - اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو وہاں مبعوث کیا گیا - حضرت یوسف ؑ
کو تدبیر الٰہی نے جاتے ہی بڑے مرتبہ پر پہنچایا - اخلاق تو اعلیٰ تھے ہی اعلیٰ مرتبے پر
پہنچنے کے سبب سے تبلیغی مشکلات بھی حل ہوگئیں - غربا ان کے ارد گرد جمع ہوگئے
سمجھدار طبقہ اور عقلمند طبقہ ان کی تعلیمات کی طرف مائل اور راغب ہوگیا - اور دولتمند
(Capitalists) اگرچہ ان کے اخلاق اور حسن انتظام کے قائل تھے مگر ذاتی اور
مالی نقصان کی وجہ سے ان کے مخالف ہوگئے کیونکہ ان کی استبدادی حالت کو ضرب لگی
کیونکہ کاشتکار اور مزدور طبقہ بیدار ہوگیا تھا اور ان کے حقوق کے محافظ حضرت یوسف علیہ السلام تھے

انپر تشدد کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ مصری لوگوں میں معاشی ترقی اور انابت الی اللہ کے جذبات تھے مگر دولتمند طبقہ کی بے راہ روی رکاوٹ ڈال رہی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصری لوگوں کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوئے تھے جیسے فی زمانہ مشاہدہ و تجربہ ہے کہ دولتمند طبقہ ظاہراً حکومت پر نکتہ چینی کرنا پسند نہیں کرتا کسی بڑے افسر عامل سے ظاہری مخالفت نہیں کرتے مگر عوام کو ان کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اہم نظریات۔
۱۔ توحید۔ تعلق باللہ
۲۔ مزدوروں اور کاشتکاروں کی معاشی حالت کی بہتری
۳۔ زمینداروں۔ جاگیرداروں اور حکومت سے ظالمانہ و جابرانہ طریقے موقوف کرانا۔
۴۔ عیاشانہ طریقے بند کرانا

حضرت یوسف کا نظریہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور دولتمند (Capitalist) طبقہ کا کچھ احوال بھی لکھ آئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا سب سے اہم نظریہ توحید اور تعلق باللہ تھا اور دوسرا نظریہ یہ تھا کہ کاشتکار اور مزدور طبقہ کی معاشی حالت بہتر ہو جائے تیسرا نظریہ یہ تھا کہ زمینداروں۔ جاگیرداروں اور حکومت سے ظالمانہ و جابرانہ طریقے موقوف کیئے جائیں۔

چوتھا نظریہ عیاشانہ طریقے جو دولتمند طبقہ (مردوں عورتوں) میں رائج تھے ان کو بند کرنا۔ اور انسانیت و شریفانہ زندگی کے اصولوں پر دنیاوی زندگی بسر کرانا۔ ان نظریات اور اصولوں کی مخالفت دولتمند طبقہ نے شروع کر دی تھی۔ عورتوں کے حالات اور آزادانہ عیاشیانہ زندگی کا نمونہ قرآن حکیم نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اسی پر مردوں کی حالت کا قیاس کرنا چاہیے غور کرنا چاہیے کہ اعلیٰ خاندان کی عورتوں کے اخلاق جب انتہا درجہ کے پست اور گندے ہیں تو مردوں کی اخلاقی حالت اس سے بدتر ہوگی۔ نہ اپنی عزت و آبرو کا خیال ہے نہ کسی نیک و صالح انسان کی ان کے دل میں وقعت ہے۔ ایسے بداخلاق لوگوں کے زمرہ میں رہنا اعلیٰ اخلاق کے انسان کیلئے جیل سے بھی بدتر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان کے ارادوں کے حروف پڑھکر یہ دعا مانگتے ہیں کہ ایسے منصب اور مرتبہ سے جیل جانا محبوب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو یقین ہے کہ جب ان فاحشہ عورتوں کے جذبات کو ضرب لگی ہے یہ خاموش ہرگز نہ بیٹھیں گی کوئی دوسرا بہتان تراش کر مجھے رسوا کریں گی۔ اگر میں منصب اور مرتبے سے چمٹا رہونگا تو ضرور بالضرور ان سے مصالحت کرنی پڑیگی۔ ان سے نرم باتیں کرنا پڑینگی یا مجلسوں میں آنا جانا پڑیگا اور مداہنت فی دین اللہ کا مرتکب بن جاؤنگا جو کہ انبیاء علیہم السلام کے منصب سے بہت گری ہوئی حالت ہے

حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ میں مصر میں اصلاحات کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔ کسی نبی یا رسول کو جس قوم یا ملک کیلئے مبعوث ہوا ہو اس قوم و ملک کو تنگدل ہوکر چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔ جیسے حکومت کسی افسر کو ایک علاقہ میں اصلاحات کیلئے بھیجتی ہے تو اس افسر پر واجب ہوتا ہے کہ وہ مفوضہ ڈیوٹی محبت سے سرانجام دے اُسے چھوڑ کر بھاگ نہ جائے ورنہ حکومت اُسے نالائق سمجھ کر سخت سزا کا مستحق قرار دیگی۔ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم سے تنگ دل ہوکر چھوڑ گئے تو ان پر عتاب نازل ہوگیا۔

آزمائش کے وقت صبر و تحمل سے استقامت کی راہ اختیار کرنے کے بجائے راہ فرار اختیار کرنے انسان دنیاوی و اخروی سزا کا مستوجب ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نہیں چاہتے کہ ملک مصر کو چھوڑ دوں بلکہ زندگی بھر مجھے یہاں رہنا ہے اور مصری قوم کی اصلاح کرنا ہے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اولین مقصد اصلاح قریش و اہل حجاز تھا۔ ان کے ذریعے باقی اقوام و ممالک میں تبلیغ اسلام و اقوام کی اصلاح ہوسکتی تھی۔ ایک جماعت کو اعلیٰ تعلیم دیکر پھر ان کے ذریعہ تعلیم پھیلانا مقصود ہوتا ہے۔ اسلئے آپ نے ہجرت بھی فرمائی تو مدینہ منورہ (جو حجاز کا دوسرے نمبر کا مرکز تھا) کیطرف کی۔ حجاز میں اولین اور اعلیٰ مرکز مکہ مکرمہ تھا۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب کے سب رشتہ دار تھے اور مدینہ منورہ بھی مادری سلسلہ کے خویش و اقارب کا تھا۔

یگانگی مذہب و ملت کے ساتھ ساتھ عصبیت بڑی کارآمد یگانگی ہوتی ہے۔ فقط یہی نسبی عصبیت تھی جو کہ جب سرداران قریش نے تمام بنی ہاشم سے قطع تعلق کرنا چاہا تو ابوطالب نے اٹھکر شعب ابی طالب میں محصور ہونا پسند کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند پہنچانا منظور نہیں کیا تھا

یگانگی مذہب و ملت کے ساتھ عصبیت نسبی۔ بڑی کارآمد یگانگی ہوتی ہے

حضرت یوسف علیہ السلام بڑے وزیر کے قائم مقام ہیں اور دولتمند طبقہ سے ہر وقت میل جول رہتا ہے۔ اسطرح انہوں نے دولتمند مردوں و عورتوں کی ذہنیت کا اندازہ کرلیا کہ اب ان کے دل رس زہرہ اور منصب سے تنگ ہوگئے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی گرویدہ غرباء کی جماعت ہوتی ہے۔ غرباء کی جماعت دو قسم کی تھی ایک وہ جو کاشتکار اور مزدور طبقہ تھا جو آپ کی تعلیم سے متاثر ہوگئے تھے اور دوسری جماعت وہ تھی جنہیں دولتمند طبقہ نے ناراض ہوکر جیل میں ٹھونس دیا۔

مخلص لیڈر میسر ہو تو مظلوم جماعت ظالم جماعت کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کر سکتی ہے

اب آپ جیل میں جا کر اعلیٰ استعداد کے لوگوں کی جماعت تیار کرنا چاہتے ہیں (جو پہلے ہی جیل میں ہیں) مظلوم جماعت ظالم جماعت کا خوب مقابلہ کر سکتی ہے بشرطیکہ انہیں کوئی تعلیم دینے والا لیڈر پیدا ہو جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام دنیاوی منصب کے ساتھ ساتھ تبلیغی کام بھی کرتے رہتے تھے اب ایسا موقع فراغت چاہتے ہیں کہ دنیاوی کاموں سے فراغت ہو اور آزادانہ طور پر فقط مذہب اور ملت حنیفیہ کی تبلیغ بھی کرتے رہیں - اس دنیاوی مخمصہ کو ترک کر کے یاد خدا بھی کریں۔ - جب ہر ایک انقلابی تحریک چلاتے چلاتے کچھ وقت کیلئے اپنی جماعت سے الگ علیحدہ ہو جاتا ہے کہ میرے بعد میری جماعت میری بتائی ہوئی تدبیر اور راہ عمل پر محکم ارادے سے کام کرتی ہے یا نہیں دوسرا اسلئے کہ ایک مرحلہ طے کرنے کے بعد آئندہ کیا پروگرام بنانا چاہتے ہیں جس سے انقلابی تحریک عالمگیر ہو جائے۔ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کو چھوڑ نہیں سکتے اور علیحدہ بھی ہونا چاہتے ہیں تو ایسا مقام منتخب کرتے ہیں جہاں تبلیغ کا کام بھی ہوتا رہے - اسلئے ان کی نگاہ جیل پر پڑی کہ غور و خوض کیلئے خوب مقام ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ - امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ - امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما جیلوں میں جا کر خدمت اسلام کرتے رہے۔ آج ملت اسلامیہ ان کی خدمات کی معترف اور شکر گزار ہے۔

دولتمند[1] طبقہ کی اصلاح سے اب حضرت یوسف علیہ السلام نا اُمید ہو چکے تھے اور انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ یہ طبقہ وعظ و نصیحت سے متاثر نہیں ہوتا اور بد معاشیوں سے باز نہیں آتا جب تک دولت ان کے ہاتھ میں ہے کوئی اصلاح ان پر اثر نہیں کریگی کسی عذاب الٰہی کا انہیں انتظار کرنا چاہیے - اور ان سے کنارہ کش ہو جانا چاہیے - قریش کے دولتمند طبقہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہبی و معاشرتی اصلاح سے انکار کر کے قتل کرنے کی تیاری کی تو آپؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ان پر پہلا عذاب الٰہی جنگ بدر کی صورت میں نازل ہوا اس کے بعد سخت قحط سالی پڑ گئی - ابو سفیان اور صفوان بن امیہ کو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بنا کر روانہ کیا۔ آپؐ نے دعا فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برسات ہوئی اور دوسرا

قریش پر نبی کو قتل کرنے کی سعی اور آپؐ کو ہجرت کرنے پر مجبور کرنے کا پہلا عذاب الٰہی جنگ بدر کی صورت میں نازل ہوا۔

[1] دولتمند

آپؐ نے بہت سا اناج ۔ سونا ۔ چاندی اور کپڑے عنایت فرمائے کہ غرباء مکہ پر تقسیم کریں گویا کہ قریش گوناں گوں مصائب میں مبتلا رہے آخر فتح مکہ کے روز مسلمان ہو کر مصیبتوں سے نجات حاصل کی ۔ یہی حال مصر کے امراء طبقہ کا تھا ۔ اسی مضمون کو (امراء طبقہ کی نافرمانی اور انبیاء علیہم السلام کو تکلیف دینا) قرآن حکیم نے جابجا انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں دہرایا ہے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام جیل کی تنہائی اسلئے چاہتے ہیں کہ ان امراء کی اصلاح کیلئے ایک نیا پروگرام تیار کیا جائے اور انمیں موجود خامیوں کا مطالعہ کیا جائے ۔ امراء طبقہ میں چند بڑی بڑی خامیاں یہ تھیں ۔ ۱ ۔ مصری حکماء (عقلمندوں) نے جہانداری و سلطنت کیلئے جو قوانین بنائے تھے ۔ سرکاری افسران ان پر عمل نہ کرتے تھے ۔ حکومت کا ہر ایک نوکر مستبد تھا اور اس پر کسی کی باز پرس نہ تھی ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی وزارت کے زمانہ میں بہت اصلاح کی مگر چونکہ ان (بحیثیت حکومت) کے دل میں خوف خدا نہ تھا اسلئے رشوت کی گرم بازاری تھی ۔ اور ظلم و لعوی کا طریقہ نہیں چھوڑتے تھے ۔ وزیر اعظم میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ بیک قلم ان سب نوکروں کو نکال کر اپنی تیار کردہ جماعت سے منتخب کرے جو خدا پرست اور عدالت شعار ہوں اور وہ کام کو احسن طریقے سے چلائیں ۔ یہ بڑا انقلاب ہے ۔ اسکے لئے ساری سلطنت میں انقلاب کرنا پڑتا ہے اور وزیر اعظم استبدادی اور شخصی حکومتوں میں ایک نوکر کا درجہ رکھتا ہے ۔ مصری حکومت میں مانا کہ اچھے قوانین تھے مگر پھر بھی شخصی اور خاندانی حکومت تھی ۔ امیروں اور دولتمندوں کا ملک تھا ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر میں عصبیت نہ تھی ۔ اتباع سب کے سب غرباء تھے ۔ اتنا بڑا انقلاب ان کے بس سے باہر تھا ۔ یہ تو سلطنت رانی میں خامی تھی ۔

قانون پر عمل درآمد کرانے والے حکام و اہلکار جب قانون شکنی کرنے لگیں تو ملک میں لاقانونیت رشوت اور ظلم و ستم کا بازار گرم ہو جاتا ہے ۔ جو پر امن معاشرے کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور مضبوط حکومتیں خس و خاشاک کیطرح بہہ جاتی ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ میں آبائی اور مدینہ منورہ میں مادری عصبیت تھی اور بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حجاز میں کوئی ایسا قبیلہ نہ تھا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتۂ قرابت نہ ہو بلکہ تمام بلاد عرب میں کچھ نہ کچھ رشتۂ قرابت تھا ۔ اتحاد مذہبی کے ساتھ ساتھ

ملکی و قومی عصبیت بڑی کارآمد چیز ہے۔

ابن خلدون کے نظریہ کے مطابق کسی قوم کی سلطنت عصبیت کے بغیر نہ قائم ہوتی ہے اور نہ استقلال پذیر ہوتی ہے۔ جمہوری حکومت بیشک عصبیت کے بغیر چل سکتی ہے مگر جمہوری سلطنت میں کوئی اساسی قانون نہیں ہوتا۔ ممبروں کی ذہنیت پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر ممبر مصلح ہیں تو سلطنت میں اصلاح ہوگی ورنہ نہیں۔ اگر نو منتخب ممبروں کی ذہنیت ظالمہ ہے تو حکومت بھی ظالم ہوگی اگر ممبر دیندار ہیں تو سلطنت مذہبی ہوگی۔ اگر ممبر دنیادار زرپرست ری اکثریت ہوں گے تو سلطنت لادینی ہوگی۔

دوسری بڑی خامی یہ تھی کہ تمام ملک زمینداروں اور جاگیرداروں کے قبضہ میں تھا اور بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار بڑے عہدوں کے مالک ہوتے تھے۔ وہی مجسٹریٹ ہوتے تھے۔ سب بڑے بڑے عہدے موروثی ہوتے تھے۔ یہ زرپرست اُمراء ایکطرف تو زمین پر قبضہ کرکے زمین پر کام کرنے والے کاشتکاروں کو غلام بناکر زمین پر خداوند بن بیٹھے تھے۔ زمین کی پیدائش پر کتاب مقدس تورات زنبیل وید یا گیتا وغیرہ کے مطابق اللہ تعالیٰ قدوس فرماتا ہے کہ زمین کا فرش پر بسنے والے پر وقف ہے اور وقف عام سے بقدر ما یحتاج ہر ایک کو ملنا چاہیے۔ مثلاً مسجد وقف عام ہے ہر ایک نمازی کو اپنے بیٹھنے کی جگہ سے زیادہ قبضہ کرنا ناجائز ہے بشہری زمین پر ہر ایک باشندہ کو اپنے رہنے کیلئے جگہ ملنی چاہیے اور کاشتکار کو کھیتی کیلئے بقدر ضرورت اراضی ملنی چاہیے اور بڑی بڑی اراضی پر جن متغلبین نے قبضہ کر رکھا ہے۔ ان فرعونوں ہامانوں اور زرپرست قارونوں کو برباد کرنا [illegible] منشائی ایزدی ہے۔ اسکو پورا کرنے کیلئے انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع جارحہ الٰہی بن کر تکمیل کے درجہ تک پہنچاتے ہیں۔ (یہی مضمون سورہ حٰم مومن کا ہے)

دوسرے طرف اُمراء طبقہ رفاہیت بالغہ کا شکار ہو گیا تھا اور رفاہیت بالغہ کا نشہ شراب کے نشہ سے ہزار درجہ بدتر ہے۔ اور عقل انسانی اور خُلق کا دشمن ہے۔ اُن کے کھانے اور لباس پر ہزاروں روپے خرچ ہوتے۔ ایک وقت کے کھانے پر ہزار روپیہ خرچ نہ ہو تو خود کو مفلس قلاش سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کو پارٹیاں دینے پر لاکھوں روپے خرچ کرتے تھے [اور جبکی مگر کا پیٹ]

ابن خلدون کے نظریہ کے مطابق عصبیت کے بغیر کسی قوم کی حکومت نہ قائم ہوتی ہے اور نہ استقلال پذیر ہوتی ہے

جمہوریت ممبروں کی ذہنیت پر موقوف ہوتی ہے۔ اس کا کوئی اساسی قانون نہیں ہوتا ممبر دیندار ہوں تو سلطنت مذہبی ہوتی ہے اور اگر زرپرست اور ظالم ہوں تو سلطنت ظالمانہ اور لادینی ہوگی۔

زمین وقف عام ہے۔ اس فرش الٰہی سے ہر ایک شہری کو رہنے کیلئے گھر ملنا چاہیے اور کاشتکار کو بقدر ضرورت زمین ملنی چاہیے۔

فرش الٰہی پر ناجائز قابضین فرعون قارون صفت زرپرستوں کو برباد کرنا منشاء الٰہی ہے

رفاہیت بالغہ کا نشہ شراب کے نشہ سے ہزار درجہ بدتر ہے جو عقل اور خلق انسانی کا دشمن ہے

(۱) قرآن پاک میں ارشاد الٰہی ہے ان الارض للہ۔ [ ]

گھوڑوں کے طبیلے بھرے رہتے تھے اور ان کی خوراک و زیبائش پر لاکھوں روپے خرچ کرتے تھے بڑے بڑے محلات بناتے اور گانے بجانے والی خوبصورت لونڈیاں دن رات موجود رہتی تھیں طرح طرح کے نشے اور شراب موجود رہتے تھے۔ حکومت کے عہدوں کیلئے آپسمیں سوقابت رہتی تھی افسر اور عملدار بڑی بڑی تنخواہیں لیتے تھے اور حکومت کا کچھ کام نہ کرتے تھے۔ میرے عزیز بھائی موجودہ حکومت کے کارندوں، عملداروں اور آفیسروں کو اگر غور سے دیکھو تو تمہیں گزشتہ عہد کا نمونہ نظر آئیگا نہ انہیں ایمان ہے نہ حب الوطنی - پولیس کا تمام عملہ تنخواہ تو لیتا ہے مگر نگہبانی کا نام تک نہیں۔ اسی طرح سررشتۂ تعلیم اپنے آگے لڑکے لیکر بیٹھے ہیں تعلیم کا نام ونشان نہیں علی ھذا القیاس - بڑے آفیسر سے لیکر ادنی ملازم تک تنخواہ کیلئے داویلا مچا رہے ہیں اس حالت کو ۱۰۰ سے ضرب دو تو حضری اُمراء کا حال ذھن نشین ہو جائیگا۔ یہ احوال مردوں کا تھا جو خود کو تہذیب یافتہ اور شریف شمار کرتے تھے اور ان اُمراء طبقہ کی عورتوں کا تھوڑا سا حال قرآن حکیم نے بیان فرمایا ہے کہ شہوت و جذبات کی وادی میں ایسی پھنسی ہوئی اور غرق تھیں کہ انکو نکالنا سخت دشوار تھا - آزاد منش تھیں کسی مذہب یا سوسائٹی کا بندھن انہیں ناگوار تھا اور مردوں سے بڑھکر رفاھیت بالغہ اور لہو ولعب میں گرفتار تھیں خدا پرست نیکو کاروں کو پھسلانے اور گناہوں کی طرف مائل کرنے کیلئے نت نئے مکر وحیلے تیار کرتی تھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ اُمراء طبقہ کی اصلاح کا فقط ایک طریقہ ہے کہ انسے جاگیریں اور زمینیں - بڑی بڑی تجارت کی منڈیاں اور بڑے بڑے عہدے چھین لئے جائیں اور ان سے مزدوری و کاشتکاری کا کام لیا جائے اور اس طبقہ کو اتنا مفلس کر دیا جائے کہ ان کے دل سے دولتمندی کا غرور نکل جائے پھر یہ طبقہ اپنے آپ کو انسان سمجھیگا اور انسانیت کی راہ پر آکر اصلاح قبول کرلیگا اور حنیفی ملت واشاعت میں رکاوٹ ڈالنے کی بجائے حنیفی ملت کا رکن بنکر یوسف علیہ السلام کا دست وبازو بن جائیگا۔ مصر ابراھیمی ملت کا مرکز تھا اسلیئے ان اُمراء طبقہ کی طاقت توڑنے کا نیا پروگرام سوچنے کی فراغت

کا وقت تلاش کرنا تھا اور غرباء کے حال کا جائزہ و معائنہ کر چکے تھے اور انہیں حریت اور آزادی
کا جذبہ پیدا کر چکے تھے مگر وہ غرباء جو امیروں کے ظلم کا شکار ہو کر جیلوں اور تاریک کوٹھڑیوں
میں بند تھے ان کے حالات سے واقف ہونے کیلئے ضروری ہے کہ کچھ مدت جیل میں جا کر گزاریں
ان سے میل جول رکھنے سے اُمراء کے مظالم کی داستان ان کی زبانی معلوم کریں اور ان
مظلوموں سے اپنی جماعت تیار کریں - جیل خانوں میں بیشک بعض مجرم ہوتے ہیں مگر جرم
کن مجبوریوں اور اسباب سے سرزد ہوتے ہیں - ان مجبوریوں اور اسباب کو دور کرنے کیلئے
ضروری ہے کہ ایک حکیم فلاسفر ان مجرموں سے ہم جلیس ہو کر ان کو صحیح راستہ بتائے اور
ان کے اخلاق کی اصلاح کرے - اور ملک میں ایسے قوانین رائج کرے کہ ہر شخص کو
اپنی معیشت اور اپنی اخلاقی حالت میں کوئی مجبوری پیش نہ آئے - اس زمانہ میں
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپیل کا دروازہ بند تھا - یا موجودہ زمانہ کی مثل اس کیلئے بڑی
دولت اور وکیل کی ضرورت تھی اور موجودہ زمانے کی مثل مجسٹریٹ اُمراء کی سفارشات
پر کاربند ہونگے کیونکہ شخصی سلطنت تھی - ملت ابراہیمی میں قانون ہے کہ مجسٹریٹ
جوابدار اور ملزم کا طرفدار ہونا چاہیے کیونکہ اصل انسان پاک ہوتا ہے - شاہد اور پولیس
اُسے ملزم ثابت کرنا چاہتی ہے - حاکم اور مجسٹریٹ حریت کا حامی ہوتا ہے -
انقلابیوں کی طرح حضرت یوسف علیہ السلام اپنا پروگرام تیزی سے چلا رہے تھے
اور اپنے پروگرام سے ایک انچ ہٹنا کفر کے برابر سمجھتے تھے - اُمراء اور آسائش پسند
اس پر چل نہیں سکتے - جیسے اُمراء طبقہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے
تھے کہ نرمی کرو، ہم بھی آپ سے نرم سلوک کریں گے مگر اللہ تعالیٰ قدوس کے دربار سے حکم ملا
کہ نرمی کرنے کی یہ لوگ اسلئے درخواست کرتے ہیں کہ آپ کو جھوٹا ثابت کریں حکم آیا
کہ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ - کیونکہ نرمی سے کام کرنے
کیلئے بڑا زمانہ درکار ہوتا ہے - جس سے تحریک سست ہو کر برباد ہو جاتی ہے - اب حضرت یوسف علیہ السلام
جیسے انقلابی تحریک تیزی سے چلا رہے تھے ہیں اس کا آخر نتیجہ یہ ہوگا کہ اُمراء طبقہ مل کر

كُلُّ مُسْلِمٍ عُدُولٌ - نیز محض
الزام لگنے سے آدمی مجرم ثابت
نہیں ہوتا - جب تک بینہ
قائم نہ ہو جائے -

ضمیمہ تحریک اسلامی کے مخالف اپنے
حجت کو مؤثر کرنے کیلئے ایک خفیہ
نرم روی کا استعمال کر کے اس
تحریک کو سست و برباد کرنا چاہتے
ہیں - جس سے بچنا چاہیے

اس کو قتل کر دے گا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمراء قریش نے قتل کرنے کا عزم بالجزم کر لیا تھا
اب جب اُمراء طبقہ کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل کی دھمکی دی تو فوراً آپ
پر روشن ہو گیا کہ یہ خدا کی مرضی کے مطابق ہے اور اسمیں میرے لئے بہت فوائد ہیں ایک
تو یہی تاریخی تجربہ ہے کہ انقلابی مردان خدا جیل سے ایسا راستہ تیار کرتے ہیں جس سے
سلطنت کے تخت پر وہ متمکن ہو جاتے ہیں۔ انقلابی لیڈر کے جیل جانے کے بعد قوم
کا جذبہ بھڑک اُٹھتا ہے اور انقلاب کر دیتے ہیں اور لبا اوقات اللہ تعالیٰ کیطرف سے
ایسے واقعات ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ جس سے اس انقلابی لیڈر کو جیل سے نکالنے پر مجبور
ہو جاتی ہے پھر ملک اور سلطنت کی زمام اختیار اس کے سپرد کرتی ہے۔ جب سلطنت میں
انقلاب آجائے اسوقت (اگر دولتمند نازپروردہ طبقہ جنہوں نے قوم کی ترقی اور حریت کیلئے
کبھی سخت تکالیف کا سامنا نہ کیا ہو) برسر اقتدار آجائے تو کبھی انقلاب زدہ سلطنت
کو صحیح معنوں میں نہیں چلا سکتے یا مستعفی ہو جاتے ہیں یا قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ
تاریخی قاعدہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو بڑے انقلاب کے بڑے پروگرام کو جیل میں تیار کرنے کا خیال
اسلئے آیا کہ انہیں معلوم تھا کہ مجھے جس کام کیلئے مصر کی طرف مبعوث کیا گیا ہے وہ کام تدبیر
الٰہی سے منصہ وجود و شہود میں آجائیگا اور بھی بہت سے فوائد ہیں جو غور و فوض سے معلوم
ہو جائیں گے۔ اس سبب سے حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عاجزی سے درخواست کرتے
ہیں کہ ان عورتوں کے مکر و حیلوں کو مجھ سے دور کر دو۔ اگرچہ جیل میں رہنے سے
ان کا مکر و حیلہ مجھ سے دور ہو سکتا ہے تو جیل ہی مجھکو زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ اگر میں
مصر میں کسی جگہ رہونگا تو یہ گروہ مجھے اپنی مجالس میں بلائے گا۔ اگر جاؤنگا تو یہ بدحالی
و بدچالی دیکھنی پڑے گی اگر انکار کروں گا تو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑیگا اور
جیل مجھے اسلئے محبوب ہے کہ وہاں مظلوم قیدیوں کی اصلاح کرونگا اور اپنا آئندہ پروگرام
تیار کرونگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ کی رحمت میں بڑی اُمید ہے کہ وہ ایسی تدبیر کریگا

جس سے میں قید سے چھوٹ کر تخت شاہی پر فائز ہو جاؤں گا جیسے اندھیرے کنوئیں سے اللہ تعالیٰ نے نکالکر وزارت کے درجہ پر پہنچایا ۔

انبیاء علیہم السلام کو اپنی کامیابی کا یقین ہوتا ہے انہیں مایوسی ذرہ بھر نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ جس قوم اور ملک میں نبی مبعوث فرماتا ہے وہ نبی جبتک اپنا تفویض شدہ کام پورا نہ کرلے نہ فوت ہوتا ہے اور نہ کوئی قوم اسے قتل کرسکتی ہے ایسے نبیوں کی کامیابی یقینی ہوتی ہے اور (بعض) نبی مجدد کے درجہ پر ہوتے ہیں وہ کبھی کبھی ناکام[1] بھی ہو جاتے ہیں ۔ اوّل درجہ والے انبیاء کو نبی و رسول کہا جاتا ہے اور دوسرے درجہ والے نبی کو فقط نبی کہا جاتا ہے ۔ ہم نے اس تقریر میں لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ اصلاح مصر کیلئے مبعوث ہوئے تھے اسلئے مصر سے باہر جانا انہیں پسند نہ تھا اور اگر مصر میں وزارت پر یا وزارت چھوڑ کر رہتے تو ان عورتوں کے مکر و فریب سے نہ بچ سکتے تھے ۔ چار و ناچار یہ عورتیں اپنی مجالس میں گھسیٹ لاتیں کہ یہ آزاد منش عورتوں کی عادت ہے ۔

اب یہاں ایک مشہور واقعہ بیان کرتا ہوں جو فرانس کی تاریخ میں مشہور ہے ۔

۔ ایک مسلمان لڑکا ارمنی بہت ہی خوبصورت تھا ۔ اس کا نام رضا شیر خان تھا چونکہ نہایت خوبصورت تھا اور پھر اس کی والدہ مسکین تھی ۔ چوروں بردہ فروشوں نے ڈاکہ ڈالکر رضا شیر خان اور اس کی والدہ کو پکڑ کر عراق میں فروخت کردیا ۔ ایک مصری تاجر اُسے عراق سے خرید کر مصر لایا ۔ جب نیپولین فرمانروائے فرانس نے مصر پر قبضہ کیا تو اس تاجر نے نیپولین کو دیدیا ۔ چونکہ رضا شیر خان بہت خوبصورت با اخلاق نوجوان تھا نیپولین کو بہت پسند آیا ۔ وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا ۔ رضا شیر خان بڑا عقلمند تھا ۔ نیپولین اُسے فرانس لے گیا ۔ فرانس میں آزادئ نسواں تمام یورپ سے زیادہ ہے ۔ جب نیپولین اُسے کسی کام سے بھیجتا تھا تو عورتیں اس پر ہجوم کرکے اکٹھی ہو جاتی تھیں رضا شیر خان مسلمان پارسا تھا ۔ ان کی طرف کم التفات کرتا تھا ۔ آخر پیرس کی امیر زادیاں اور بڑے طبقہ کی شریف زادیاں وفد بنا کر نیپولین کے پاس گئیں کہ رضا شیر خان سے کہو کہ ہماری مجلسوں میں آیا کرے اور ہماری دعوتیں قبول کرتا رہے ۔ یہ رضا شیر خان پارسا ہے اور تقویٰ کے

[1] ۔ ناکامیاب

کے خلاف ہم کوئی حرکت نہیں کریں گی۔ ہم فعلاً اُس کی خداداد خوبصورتی سے محظوظ ہونا چاہتی ہیں اور دیدار کرنا چاہتی ہیں۔ نپولین نے ان عورتوں کی استدعا قبول کر کے رضا شیر خان کو حکم دیا کہ ان کی مجالس میں جاتے رہو۔ رضا شیر خان اپنے حالات میں لکھتا ہے کہ مجھے ان کی مجالس میں جانا پڑتا تھا کیونکہ میں غلام تھا اگرچہ روحانی اذیت اور تکلیف ہوتی تھی۔ جبتک میں ان کی مجلس میں رہتا تھا تو یہ عورتیں مجھے دیکھتی رہتی تھیں۔ کھانے وغیرہ کی طرف ان کا کوئی خیال نہ رہتا تھا۔ رضا شیر خان پیرس میں فوت ہو گیا۔ اس کی قبر مشہور ہے۔# اگر حضرت یوسف علیہ السلام ناراضگی کا اظہار کر کے جیل میں جانا پسند نہ کرتے تو ان کا بھی حال رضا شیر خان کی طرح ہوتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان عورتوں سے اپنی نفرت کا اظہار کیا اور جیل جانا پسند فرمایا۔ ان عورتوں نے سمجھا کہ ہم نے اُسے سخت بے عزت کیا ہے۔ اور ہمارے جذبات کو ٹھکرا دیا ہے تو وہ بھی ناراض ہو گئیں ایک دوسرے میں ضد اور دشمنی کی آگ نے دیوار بنا دی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں

وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ۔

ترجمہ۔ اگر تو ان عورتوں کے مکر و فریب کو مجھ سے دور نہ کر دے گا تو میں ادھر مائل ہو جاؤں گا۔ پھر جاہلوں کا ایک فرد بن جاؤں گا۔

جاہل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان جسمیں استعداد علم و عمل ہو مگر اُسے ضائع کر دے یا صاحب علم و عمل ہو کر علم کے اقتضاء کے خلاف عمل کرے

جاہل اُسے کہا جاتا ہے جسمیں استعداد علم و عمل ہو مگر اپنی خداداد علمی و عملی استعداد کو ضائع کر دے۔ مگر درخت یا بہائم کو جاہل نہیں کہا جاتا۔ اگر کوئی انسان اپنی استعداد کے مطابق صاحب علم و عمل ہو کر علم کے اقتضاء کے خلاف کام کرے تو وہ جاہلوں کی جماعت سے شمار کیا جاتا ہے۔ #علم کی حقیقی اقتضاء یہ ہے کہ کثرت کو وحدت میں منسلک کرے اور کثرت کا منبع دریافت کر کے اسی منبع کی طرف متوجہ رہے اسی منبع کے اقتضاء کو اپنا نصب العین اور آئیڈیل بنائے اور کثرت کی طرف توجہ کم کرے جیسے ایک آفیسر گورنمنٹ کیطرف متوجہ رہتا ہے اور اس کے قوانین پر عمل کرتا ہے اپنی آفیسری کو گورنمنٹ کے ساتھ منسلک رکھتا ہے اور رعایا کو جو کہ کثرت ہے اسکو منبع کی وحدت میں لانا

علم کی حقیقی اقتضاء مولانا لغاریؒ کی نظر میں

مسئلہ وحدت الوجود کی ایک تشریح

اور پیروزنا چاہتا ہے یعنی رعایا کے ذہنی وعملی انتشار کو وحدانی صورت دیکر حکومت کا جزو بنانا ہے
وحدت الوجود کا مسئلہ اسیطرح سمجھو۔ جو آمیز با علم والا اپنے آپ کو کثرت کے اقتضاء
میں گم کر بیٹھا وہ جاہل ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائیگا کہ وہ رجعت پسندری
ایکسٹری ہے۔ منبع میں نمو اور ارتقاء ہوتا ہے پرانی حالت کو فنا کرتا جاتا ہے۔ فنا پذیر
پر دل لگانا اور اس کی طرف توجہ کرنا عارف کامل کے ہاں جہالت ہے۔ یہی حضرت یوسفؑ
فرما رہے ہیں۔ فنا پذیر لذات میں مائل ہونا میرے لئے جہالت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام
کی دعا کا مطلب جیل طلب کرنا نہیں۔ اصلی اور حقیقی مطلب یہ ہے کہ ان عورتوں اور
اُمراء طبقہ کے مردوں سے خلاصی طلب کرتے ہیں۔ اس کا مطلب اعلاء کلمۃ الحق تھا

دعائے یوسفؑ اعلائے کلمۃ الحق کی طلب تھی

وزارت کے درجہ پر رہکر حسب استطاعت انہوں نے اعلیٰ درجہ کا فرض منصبی ادا کیا
اب صورت حال کا اقتضاء یہ ہے کہ اگر وہ اس منصب پر رہتے تو ان کا حال بھی
رضا شیر خان جیسا ہوتا۔ اب اس فتنہ سے بچنے کا طریقہ اور راستہ اللہ تعالیٰ سے
طلب کرتے ہیں اور جیل کو اَحبّ اسلئے فرمایا کہ عورتوں کی دھمکی کا جواب تھا۔
مقصود بالذات جیل نہ تھی۔ مقصود بالذات ان عورتوں کے مکر و فریب سے رہائی
طلب کرنا تھا یعنی یوں دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ ان عورتوں کے فتنہ سے بچا۔ اگر
اس فتنہ سے بچنے کی تدبیر جیل بھی ہو تو مجھے منظور ہے یعنی میرے لئے اچھی تدبیر بناؤ
حضرت یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی بھی یہی
تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام چند سال جیل میں رہیں اس کے بعد انہیں تخت شاہی دیا جائیگا
جیل میں رہکر مظلوم قیدیوں سے اپنی جماعت تیار کریں گے۔ اور بڑے انقلاب کیلئے نیا پروگرام
تیار کریں گے اور جیل کے اندر رہکر اپنی جماعت غرباء جو انہوں نے دور وزارت میں تیار کی تھی۔
اس سے بھی باخبر رہیں گے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین یا مدینہ میں رہکر اپنی جماعت جسمیں مصر کے
متبطی و سبطی غرباء شامل تھے۔ ان کے حالات سے غافل نہ تھے۔ جب اس جماعت میں انقلاب کی
ہمت آگئی تو پھر مصر میں واپس آگئے اور فرعون۔ ہامان و قارون سے مقابلہ کرنا شروع کر دیا تھا
مطلب یہ ہے کہ جب جماعت میں انقلاب کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے اسوقت لیڈر اور رہنما حاضر ہوکر

ان کی رہنمائی کرتا ہے اگر جماعت بے ہمت ہو تو لیڈر کامیاب نہیں ہوتا۔ جیسے مدینہ منورہ کی جماعت میں ہمت پیدا ہوگئی تھی اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ دس سال کے عرصہ میں اتنا بڑا انقلاب ہوگیا کہ تاریخ میں اس کا نشان نہیں ملتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے غرباء کاشتکاروں اور مزدوروں میں بیداری وحریت پیدا کی اور انہیں انسانیت کے صحیح اصولوں پر چلنا سکھایا اب ظالم امراء و غرباء میں کشمکش جاری ہوگئی اور حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے دیکھتے رہیں گے ان کی کشمکش جب نازک مرحلہ پر آجائیگی تو انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالی ایسی تدبیر پیدا کردیگا جس سے میں آزاد ہوکر ان کی رہنمائی کرونگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام وزارت کو ایک نوکری کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ نوکر آدمی بڑا انقلاب نہیں کرسکتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں آزاد اور بڑے وزیر کے مقتبنی اور عالم مقام تھے۔ مصر کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوئے اور مصر میں ابراھیمی حنیفی ملت قائم کرنا چاہتے تھے اور مصریوں کی کایا پلٹنا چاہتے تھے۔ یہ سب کچھ ہے مگر جو انہوں نے عالم ملکوت کا مشاہدہ دیکھا تھا اس سے سمجھ گئے تھے کہ اصلی اصلاح اور تربیت اپنے بھائیوں کی کرنی ہے تاکہ وہ آیندہ چل کر میری اس تحریک کو چلاتے رہیں اور میری تربیت سے وہ ستارے بن کر اقوام عالم کی رہنمائی کریں اور میری تحریک کو اپنے لئے فخر سمجھتے رہیں اور اس کی قیادت کریں۔ اور یہ بھائی بسبب عصبیت میرے دست و بازو بنیں۔

نوکر آدمی بڑا انقلاب نہیں کرسکتا۔

انبیاء علیہم السلام نہ قومیت مٹاتے ہیں نہ قومی عصبیت کو مغلوب کرتے ہیں بلکہ انہیں جو بدرسوم اور مذموم فخر پیدا ہوگیا ہوتا ہے اس کو مٹاتے ہیں۔ عصبیت زبان اور قرابت سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک زائل ہوگئی تو مساوات مذہبی تب کام آتی ہے جب جمہور علم و دانش سے بہرہ ور ہوجائیں۔ حکیم امام ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب کے مراکز جیسے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ وغیرہ میں غیر عرب قبضہ کرگئے ہیں اور انمیں عصبیت مفقود ہوچکی ہے۔ اسلئے وہ عرب میں امام مہدی کے پیدا ہونے کا منکر ہے۔ قریش مکہ کی سیادت عرب قبائل کو مسلم تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش سے قرابت تھی۔

عصبیت زبان اور قرابت سے پیدا ہوتی ہے

Language
L
L

اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین بعثت قریش کیلئے سعادت تھی کہ اُنکی وساطت سے اسلامی تحریک کو عالمگیر کرنا منظور تھا۔ آپؐ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تاکہ ملوکی کی طاقت سے انکا غرور توڑ کر انہیں اصلاح کریں۔ پھر یہ قریش اقوام عالم میں اشاعت اسلام کریں گے چونکہ انہیں قرابت اور عصبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اسلیئے اسلام کو اپنا مذہب و سعادت سمجھکر اشاعت کرتے رہیں گے اور ہوا بھی یہی کہ قریش ہی وارث اور خلیفے بنے۔ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس بغداد میں اور بنی فاطمہ مصر میں اپنی اپنی حکومت میں خدمت اسلام کرتے رہے جوکہ پانچسو سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ جب عرب سے ان کی عصبیت مفقود ہو چکی تو اُنکی حکومتوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

یہی تدبیر حضرت یوسف علیہ السلام کی تھی کہ مصر کا بادشاہ بنکر اپنے بھائیوں کی اصلاح کریں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا بادشاہ بنکر قریش کی اصلاح فرمائی۔ تخت شاہی پر پہنچنے کا راستہ ڈھونڈنا مقصود تھا تاکہ پہلے مصر والوں کی اصلاح کریں اسکے بعد بھائی آجائیں گے تو ان کی بھی اصلاح ہو جائیگی۔ بھائیوں کا غرور ٹوٹ جائیگا پھر صحیح پروگرام پر عمل کرتے رہیں گے اسلیئے انہیں مصر سے باہر جانا یا آرام کی زندگی بسر کرنا منظور نہ تھا اور اُمراء مغرور طبقہ بھی محکوم ہو کر اصلاح پذیر ہو جائیگا۔ اور عورتوں کے مکر و فریب سے بچ کر نیا پروگرام سوچیں گے۔ قید میں جانے سے عورتیں مایوس ہو جائیں گی اور اُنہیں بھلا دیں گی۔ انبیاء علیہم السلام قطب الارشاد اللہ تعالیٰ کی مرضی دیکھکر دعا مانگتے ہیں

انبیاء علیہم السلام اور قطب الارشاد کے مرتبے پر فائز لوگوں کی دعا بھی رضائے الٰہی کے تحت ہوتی ہے۔

برصغیر کی تاریخ بتاتی ہے کہ امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کو جہانگیر نے قلعہ گوالیار میں قید کیا تھا۔ مگر اس کا بیٹا شاہجہاں اور اس کا پوتا اورنگزیب عالمگیر امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے پروگرام پر کار بند نظر آتے ہیں اور اورنگزیب عالمگیر امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے بیٹے کا مرید اور فیض یافتہ ہے۔

آیت نمبر ۳۴ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

ترجمہ :۔ سو قبول کرلی اس کی دعا اُس کے رب نے۔ پھر دفع کیا اُن سے ان کے فریب - البتہ وہی سننے والا و حالات کو جاننے والا ہے -

تشریح :۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا مطلب تھا کہ ان عورتوں سے رہائی ملے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عاجز بندوں کی دعائیں اللہ سنتا ہے اور سب حالات سے باخبر ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت علو شان سے کرنے والا ہے - یہی راستہ اخلاص جو انہوں نے طلب کیا ہے یہی راستہ علم الٰہی میں اُن کے حق میں اچھا نتیجہ پیدا کرنے والا تھا. اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی -

مصر بڑا مہذب و متمدن ملک تھا - ہر ایک کو شخصی (پرائیویٹ) آزادی حاصل تھی اور جیلوں میں شخصی آزادی قائم تھی - مہذب سلطنتیں قیدیوں کی اصلاح کرتی ہیں اور ان کی شخصی آزادی پر بندشیں نہیں ڈالتی . تعلیم و تعلم اور صحت کا خاص خیال رکھتی ہیں - امیر حبیب اللہ خان شہید والیٔ افغانستان نے یہ اصلاح فرمائی کہ قیدیوں کی محنت سے جو رقم وصول ہوتی قید خانہ کے خرچ سے جو کچھ بچتا تھا - انکے اہل و عیال کی طرف بھیج دیتے تھے تاکہ وہ بھوک نہ مریں اور بعض جیسے امیر امان اللہ خان نے حکم دیا تھا کہ جس کی قید سال سے زیادہ ہو وہ تین چار دن ہر ششماہی کے بعد قید سے علیحدہ ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہے تاکہ ان دونوں کے اخلاق نہ بگڑیں . حضرت یوسف علیہ السلام بڑی شخصیت کے مالک ہیں اگر وہ جیل میں جائیں گے تو ان کے منصب کے حسب حال ان کی شخصی آزادی برقرار رہیگی وہ نہ تو سیاسی قیدی تھے اور نہ کسی اخلاقی جرم کے باعث قید ہوئے تھے فقط مصلحت وقت متقاضی تھی کہ اہل مصر انہیں قید خانہ میں بٹھلائیں - ایسے شخص قید میں نظر بند ہوتے ہیں ایسے قیدیوں کی شخصی آزادی سلب نہیں کی جاتی اور نہ اُن سے کوئی مشقت کا کام لیا جاتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام اپنی تبلیغی پروگرام کی اشاعت کے ساتھ دنیاوی امور سلطنت کی اصلاح

مہذب و متمدن سلطنتیں قیدیوں کی تعلیم و صحت کا خیال رکھتی ہیں اور جیل میں قیدیوں کی شخصی آزادی سلب نہیں کرتیں. جیل میں قیدیوں کی اصلاح نہ ہو تو جیل کا مقصد فوت ہو جاتا ہے.

امیر حبیب اللہ کے دور میں افغانستان میں قیدیوں کی کمائی سے خرچہ کے بعد پس انداز رقم ان کے اہل خانہ کو بھیجی جاتی تھی -

اُمراء واہل حاجات کا بوجھ اُن کے سپرد تھا۔ ناقص استعداد والے انسانوں کا مجمع کا اثر پاکیزہ ارواح والے انسانوں کو ستاتا ہے۔ لامحالہ قدرے کدورت آجاتی ہے اور نزاکت ولطافت روحانی قدرے غبار آلودہ ہوجاتی ہے۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ
[لوگوں کی صحبت کے باعث میرے قلب پر ایک قسم کا غبار آجاتا ہے اسلئے دن میں سو بار استغفار کرکے اپنے قلب کو صاف کرتا ہوں]۔ حضرت یوسف علیہ السلام متواتر کئی سال سے اہل دنیا سے میل جول رکھنے کے باعث اب تخلیہ چاہتے ہیں۔ اپنی روحانیت اور قلب کو اتنا وسیع کرنا چاہتے ہیں کہ دنیاوی کام اس میں سمو جائیں اور روحانیت کے شیشہ پر غبار نہ آجائے یہ بات ریاضت سے حاصل ہوتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ انہیں ریاضت کا وقت میسر کرتا ہے اور جیل میں فقط مذہبی امور میں شاغل رہیں گے اور اپنے پروگرام کو وسیع بنائیں گے اور باقی وقت ذکر الہی اور قرب الہی میں مشغول ہونگے۔

فصل۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو امراء مصر قید میں ڈالتے ہیں۔

صحیح اصولوں پر عمل درآمد معاشرہ میں حکومت پیدا کرتا ہے

یاد رکھنا چاہیے کہ جب سوسائٹی اپنی ترقی کیلئے صحیح اصولوں پر عمل درآمد کرتی ہے تو ضرور یہ سوسائٹی سلطنت اور حکومت پیدا کرتی ہے۔ اس سوسائٹی کے سب سے زیادہ امین لوگ برسر حکومت آجاتے ہیں اور سوسائٹی بڑی خوشی سے انہیں اپنا امین سمجھکر ان کے مشورہ سے چلتی ہے۔ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام حسن انتظام سے سلطنت کو نیک نیتی سے چلاتے رہے ان کی شہرت کو شہرۂ آفاق بنانا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ پہلے عزیز مصر کی عورت نے انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئی۔ چونکہ یہ واقعہ خانگی تھا۔ اس کی اشاعت بڑے خاندانوں میں شہرت پذیر ہوئی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی امانت ودیانت۔ تقوی وطہارت کی شہرت محدود طبقہ میں ہوئی۔ اب دوسری بار جب ملکۂ عزیز نے بڑے پیمانے پر دعوت ومحفل کا انتظام کرکے عورتوں کو بلا یا۔ ظاہر ہے اس جماعت میں متوسط طبقہ اور بڑے خاندانوں کی عورتیں شریک ہوئیں۔ اس محفل میں ملکہ عزیز نے جو لیکچر اور تقریر کی ہر عورت نے سنا۔ جو بات دراز متوسط طبقہ میں

متوسط طبقہ میں جو راز آجائے تو وہ شہرت حاصل کر لیتا ہے اسیطرح اگر اعلیٰ اخلاق اور مذہب کے پیرو کار اس طبقہ کے لوگ ہوں تو وہ مذہب و اخلاق عالمگیر ہو جاتا ہے

آجائے وہ عالمگیر شہرت پذیر ہو جاتا ہے اور دبانے سے نہیں دب سکتا - اور یہی حال ہے اخلاق کا - جب متوسط طبقہ میں اعلیٰ اخلاق یا مذہب جاگزین ہو جائے تو عالمگیر ہو جاتا ہے - ادنیٰ طبقہ اس سے بڑا اثر پذیر ہوتا ہے اور اعلیٰ طبقہ اسی کی حکمت و فلسفہ بنانے میں مشغول ہو جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مدعو اور مطلوب یہ طبقہ ہوتا ہے - اس طبقہ کے عقل و ادراک کے موافق کلام کرتے ہیں - یہ ضرور ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کلام میں اعلیٰ حقیقت بھی جو حکیموں کیلئے مخصوص ہوتی ہے - اس کے اشارات بھی ہوتے ہیں جس سے انہیں اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور انہیں ذہنی و روحانی ترقی کے حقیقی راستے کھل جاتے ہیں مگر روئے سخن اوسط طبقہ کی طرف ہوتا ہے حاصل مطلب - جو بات اوسط طبقہ میں آجائے وہ زیادہ مشہور ہوتی ہے اور اگر اعلیٰ اخلاق

مذہبی رسوم کی پابندی سے سوسائٹی میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے اور انہیں ترک کرنے سے لادینیت اور انتشار مذہب و ملت کو برباد کر دیتا ہے -

ہو تو مضبوط تر ہو جاتا ہے - اس متوسط طبقہ کیلئے قانون بنائے جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام ان کیلئے مذہبی رسوم تیار کرتے ہیں - ان رسومات کے ذریعہ وہ حقیقت کے جویا ہوتے ہیں - رسوم کی پابندی پر بہت زور دیا جاتا ہے تاکہ سوسائٹی میں یکجہتی پیدا ہو جائے - رسوم کی پابندی کے بغیر لادینیت اور انتشار مذہب و ملت میں گھس کر سوسائٹی کو برباد کرتا ہے - جس سے سوسائٹی کا ہر فرد دوسرے سے جدا ہو جاتا ہے اسلئے رسوم کی پابندی ضروری ہوتی ہے

اس مجلس اور جشن میں عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے اور ملکہ عزیز کی بے حیائی کی سرگزشت بھی سنی اور اس کے آئندہ ارادوں سے واقف ہوئیں اور اس کی تقریر کی تاثیر بھی اپنے دلوں میں محسوس کی پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی استقامت اور غیر متزلزل ارادہ سے خبردار ہو گئیں - اب اس سے دو بڑے نتیجے نکلیں گے -

حاکم کا با اخلاق و امین ہونا رعایا کیلئے رحمت ہوتا ہے اور حکومت کیلئے استقلال کا باعث ہوتا ہے

۱- ایک حضرت یوسف علیہ السلام کی بزرگی، شرافت - امانت و پاکبازی کا شہرہ امیر و غریب گھروں سے نکل کر تمام شہروں اور دیہات میں پھیل جائیگا اور کسی شخص کو ان کی پاکدامنی - شرافت و امانت کے متعلق شک و شبہ نہ رہیگا - حضرت یوسف علیہ السلام کو آگے چل کر مصر کا بادشاہ بننا ہے اسواسطے پہلے سوسائٹی کو ان کے اخلاق سے آگاہ کر دیا جائے کہ وہ با اخلاق آدمی ہیں اور سوسائٹی کو اس کے متعلق پوری طرح علم ہو گیا - جو شخص انقلاب لا کر ڈکٹیٹر بننا چاہے اسکے لیئے

ضروری ہے کہ وہ بڑا پاکباز - امین اور سوسائٹی کے مسلمہ قواعد و قوانین کا پابند ہونے کے ساتھ ساتھ غرباء اور متوسط طبقہ کا ہمدرد ہو یعنی عام سوسائٹی اُسے امین اور اپنا ہمدرد سمجھے - جب سوسائٹی ترقی کریگی تو حکومت پیدا ہوگی - پھر عام سوسائٹی اسے اپنا ڈکٹیٹر منتخب کریگی - ایسا انقلابی آدمی چونکہ سوسائٹی کے عام حالات سے خبردار ہوتا ہے اسلئے پوری امانت و دیانت سے سوسائٹی کی بھلائی اور خیر خواہی کو اپنا نصب العین بنائے گا - انقلاب کی حالت میں امن و امان میں تزلزل آجاتا ہے اور انتشار پیدا ہوجاتا ہے ایسے ڈکٹیٹر کے باعث رعایا میں امن و سکون کی حالت پیدا ہو جاتی ہے

اگر انقلاب کے بعد حکومت ایسے لیڈروں کے ہاتھ آجائے جنہوں نے امیرانہ زندگی بسر کی ہو اور ان کا رہن سہن عام سوسائٹی سے بلند درجہ پر ہو - کبھی سوسائٹی کے دکھ سکھ کے اصل اسباب جاننے کا موقع نہ ملا ہو اور نہ عام سوسائٹی جیسے انمیں جذبات ہوں - اگر ایسے غیر انقلابی آدمی یا جماعت کے ہاتھ زمام اقتدار آجائے تو ڈکٹیٹر جماعت زر پرست دولتمندوں کو اپنے ارد گرد جمع کریگی اور لگان اور ٹیکسوں کی بھرمار سے رعیت کا کچومر نکال ڈالے گی اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرتی رہیگی پھر رعایا میں انتشار اور پراگندگی پیدا ہوجائیگی اور دوسرے انقلاب کیلئے زمین ہموار ہوجائیگی

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے تکلیفیں اٹھائیں اور غلامی کی حالت سے اُن کو سابقہ پڑا اور وزارت کی حالت میں انکی امانت و دیانت اور پاکبازی کا شہرہ ہوا - اب ایسی جیل کی سختی بھی آنے والی ہے - اسلئے جب وہ ڈکٹیٹر بنیں گے تو سوسائٹی کی بھلائی ان کا نصب العین ہوگا - نہ اپنی آسائش کیلئے بڑے بڑے محلات بنائیں گے اور نہ اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کیلئے رعایا سے زیادہ ٹیکس لیکر رعایا کی آسائش میں خلل ڈالیگا - سلطنت اور حکومت کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ رعایا پر بڑے بڑے لگان و ٹیکس لگا کر لشکر کی تیاری کی جائے - اس مدعا کے حصول کیلئے (حکومت) سلطنت[1] ۹۹ حصہ پیداوار کا رعیت سے وصول کرتی ہے اور ایک حصہ کاشتکار کو ملتا ہے مگر اسمیں سے بھی سلطنت چاہتی ہے کہ کچھ چھین لے -

نظریہ سلطنت اور نظریہ خلافت

قرآن حکیم میں سورۃ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں سلطنت کا نظریہ بتایا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ تم سلطان نہ بنو خلیفہ بنو - خلافت اور خلیفہ کا اصلی نصب العین رعیت کی آسائش ہے اسلئے رعیت کی نگہبانی کے کام رعیت کے سپرد کرتی ہے اور رعیت کو تیار

۱۔ سلطنت

کرتی ہے کہ ملک کی حدود کی نگہبانی کرتے رہیں وہی رعیت لشکر ہوتی ہے وہی پولیس کے فرائض
ادا کرتی ہے۔ اسلئے رعیت بڑے بڑے لگان اور ٹیکس وصول نہیں کرتی نہ درآمد برآمد پر بھاری ٹیکس
لگاتی ہے۔ فقط۔ زکواۃ۔ عشر یا خراج لیتی ہے وہ بھی رعیت کا افلاس دور کرنے کیلئے اور رعیت
میں جذبہ ایثار و قربانی۔ حب الوطنی۔ اخلاص عمل و خدا ترسی پیدا کرنا اس کا نصب العین ہوتا ہے
۲۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلیگا کہ یہ زخمی ہاتھ لیکر اپنے وارثوں سے شکایت کرینگی کہ ہم جشن اور
محفل میں کھانے میں مشغول تھیں۔ ناگہانی طور وزیر اعظم (حضرت یوسف علیہ السلام) ہتھیاروں سے
مسلح ہو کر اپنی پولیس کے ساتھ ہمیں ڈرانے دھمکانے کیلئے گھس آیا۔ ہمارے اوسان خطا ہو گئے
ڈر کے مارے چھریاں ہمارے ہاتھوں میں چلی گئیں۔ ہم اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ جیسا کہ
عورتوں کی عادت ہے کہ اپنی غلطی پر پردہ ڈال کر دوسرے کو ملزم قرار دیتی ہیں اور جھوٹ کے
طومار سنا کر اپنے وارثوں کو بھڑکاتی ہیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا ہوگا۔ ان کے وارث اُمراء
طبقہ کے لوگ تھے یہ قصہ سن کر سیخ پا ہو گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام سے
ناراض تو تھے ہی کیونکہ ان کے استبداد پر کاری ضرب لگ رہی تھی۔ اب اس واقعہ کے بعد
مغلوب الغضب ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف منصوبے تیار کرنے لگ گئی۔ چونکہ
ہاتھ کٹی ہوئی عورتیں اکثر اُمراء طبقہ سے تھیں اب اُمراء طبقہ اجتماعی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے
خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیتا ہے۔ اور ملکہ عزیز کے پہلے قصہ کو بھی اسی پر محمول کرنے لگے کہ واقعی
حضرت یوسف علیہ السلام خطاکار تھے۔ مگر عزیز نے اپنے متبنیٰ کو پاکدامن ثابت کرنے کیلئے اپنی
ملکہ کو ملزمہ بنایا تھا۔ اب تو ثابت ہو گیا کہ اس کی یہ عادت ہے کہ معصوم عورتوں میں
گھس کر انہیں بدنام کرتا ہے۔ اسلئے اُمراء طبقہ انتقام لینے پر تُل جاتا ہے اور بناوٹی شکایت
لیکر عزیز مصر کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور شاہی دربار میں شکایت کرتے ہیں۔ ارکان دولت اور
مصاحب شاہی بھی ان کے ہمدرد بن جاتے ہیں کیونکہ ایک اجنبی عبرانی غلام کی ماتحتی سے متنفر
تھے اور آزادیٔ نسواں پر حدود و قیود ڈالنے سے آزاد منش عورتیں ناراض تھیں۔ اب انہیں غصہ
نکالنے کا موقع مل گیا۔ عزیز مصر کی بیگمات۔ شاہی بیگمات سے جا کر شکایت کرتی ہیں اور امداد طلب کرتی
ہیں۔ اور دونوں فریق اُمراء طبقہ کے مرد و عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کی جان لینے پر تُل گئے۔

ا۔ حمل

اور عام بلوے کا خطرہ ہو گیا۔ عزیز مصر۔ شاہ مصر اور امراء اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ہمدرد تھے
اور ان سے حسن ظن رکھتے تھے مگر موجودہ شورش سے ملک میں انقلاب کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اسلئے
دربار شاہی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق مشورے ہوتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۵ - ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّى حِينٍ ○

ترجمہ: پھر ان لوگوں کی سمجھ میں آیا۔ بعد دیکھنے آیات (احکام ظاہر روشن) کے
کہ ضرور ضرور رکھیں اس کو قید میں کچھ وقت تک۔

آیات جمع ہے اس کا مفرد آیۃ ہے آیت کا لغوی معنی وہ نشانی ہوتی ہے
جو عام راستے پر لگائی جاتی ہے تاکہ چلنے والے مسافروں کو راستہ سے آگاہ کرے کہ راستہ فلاں
طرف جا رہا ہے۔ اور قرآن حکیم میں دلائل حقہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جسے منطقی
برہان کہتے ہیں۔ اور روشن احکام کو بھی آیت کہا جاتا ہے۔ ایسے احکام اور تاریخی واقعات
جس سے انسان کو بصیرت حاصل ہوتی ہے وہ بھی آیت کے معنی میں شامل ہیں۔
اس سے معلوم ہوا کہ آیت یا آیات سے وہ احکام مراد ہیں۔ جنکی مصلحت وحکمت
اور فوائد واضح طور پر بیان کئے گئے ہوں۔ اور انکی فطرت ان احکام کو قبول کرنے مجبور ہو
اور ان احکام کے ترک کرنے سے انسان قعر تنزل میں جا گرتا ہے اور پھر تاریخی بیانات سے
ثابت ہو گیا ہو کہ جس قوم نے ان احکام پر عمل کیا وہ قوم اوج ترقی پر پہنچ گئی یعنی اس قوم
کی ترقی کا دارومدار ان احکام اور اصولوں پر تھا اور جس قوم نے ان پر عمل نہ کیا وہ برباد ہو گئی
اور یہ بھی بتایا جائے کہ ان اصولوں اور احکام پر عمل کرنا سہل اور آسان ہے کیونکہ یہ انسانی
فطرت کا تقاضا ہے اور ان کے برخلاف عمل کرنے میں بڑی بڑی مشکلات پیش آتی ہیں
حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے احکام اور اصولوں کو قرآن حکیم کی اصطلاح میں آیت یا آیات سے تعبیر
کیا جاتا ہے جیسے مثلاً اپنی مشقت اور مزدوری کا مال حاصل کرنے میں عزت بھی ہے اور آسانی بھی
اور سوسائٹی بھی اس سے خوش ہوتی ہے۔ چوری کرنا سہل کام نہیں اس کے علاوہ بدنامی بھی اور حکومت اور

آیت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ
ایسے احکام واصول جنکے فوائد
اور مصلحت وحکمت واضح طور
پر بیان کئے گئے ہوں۔
فطرت انسانی کے مطابق ہوں
جسے فطرت انسانی کرنے پر
مجبور ہو اور ترک کرنے سے
متذبذب ہو۔

لفظ "ثُمَّ" کی تشریح۔

اور سوسائٹی اس پر ناراض ہوتی ہے علیٰ ھٰذالقیاس محرمات و منکرات ہیں۔
ثُمَّ کا کلمہ تراخی کا معنی دیتا ہے یعنی بہت مدت کے بعد یوں ہوا جیسے قرآن حکیم میں دوسری جگہ وارد ہے کہ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی جو شخص اپنا گھر چھوڑ کر اللہ اور رسول اللہ کی امداد کو نکلا پھر اس کے بعد موت نے آ پایا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔

حاصل مطلب۔ ثُمَّ کا کلمہ عطف کیلئے ہے مگر اسمیں تراخی کا معنی ہوتا ہے یعنی اس محفل اور جشن کے بعد دیر سے وہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کیا جائے ان کا قید سے باہر رہنا سوسائٹی کیلئے مضرت رساں ہے۔ ثُمَّ اور مِنْ بَعْدِ اور رَاَوُا الْاٰیٰتِ کے کلمات پر زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس جشن کے واقعہ کے بعد اپنی تحریک اصلاح کو تیز کر دیا تھا جیسا کہ ہر انقلابی مصلح وقت فرصت کو غنیمت سمجھتا ہے کہ الوقت سیف" اور فی التاخیر آفات" ۔ اپنے احکامات بتّیات جنہیں انسانی ذہنی وعملی اصلاحات مضمر تھیں سختی سے نافذ کرنا شروع کر دیا۔ مصری لوگوں کو سوچنے کا بہت موقعہ دیا تھا کیونکہ عہدہ وزارت پر رہکر نرمی سے ان کی اصلاح کرتے رہے۔ اب جشن کی حالت دیکھی تو ان پر منکشف ہو گیا کہ ان بدباطن بے حیاؤں پر جبتک سختی کا برتاو نہ کیا جائے۔ اصلاح پذیر نہ ہونگے اور نہ ہی انسانیت کا راستہ اختیار کریں گے۔ اصلاحات نافذ کرنے کیلئے اپنی تیار کردہ جماعت کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ مصر میں عہدے موروثی ہوتے تھے۔ اس لئے اصلاحات کی رفتار بہت سست تھی۔ امراء طبقہ کے لوگ جانتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے احکامات اور اصلاحات انسانی سوسائٹی کے لئے مفید اور ضروری ہیں مگر عملی صورت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب امراء طبقہ نے دیکھا کہ ہمارے اختیارات ہم سے چھینتے جا رہے ہیں اور غرباء طبقہ بیدار ہو کر آگے بڑھ رہا ہے اور ہمارے برابر یا ہم سے آگے بڑھنا چاہتا ہے تو ان کا پارہ اوپر چڑھ گیا تھا۔

جب عہدے موروثی ہو جائیں تو اصلاحات کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس جشن کے بعد اپنی انقلابی اصلاحات اور احکامات کو تیز کر دیا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ خطیرۃ القدس میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ ابراہیمی ملت اور دین ملک مصر میں بذریعہ یوسف علیہ السلام شاہی نظام اختیار کرے گا۔ گو انہیں گمان تھا تدریجاً تکمیل پذیر ہوگا مگر جشن میں عورتوں کی حالت دیکھی کہ امراء کے گھروں کی حالت نہایت ابتر ہے کیونکہ فطرت کا تقاضا ہے کہ بڑے منصب اور مرتبے والے آدمی سے باعزت طور پیش آنا چاہیے اور حیا کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے شرفاء عورتوں کی فطرت ہوتی ہے مگر ملکہ عزیز مصر اور باقی عورتیں جو خود کو خاندانی اور شریف سمجھتی تھیں۔ انکا حال دیکھ کر اپنی اصلاحات کی رفتار کو تیز تر کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آہستہ کام کرنے سے مخالفین کو مخالفت کیلئے کافی وقت مل جاتا ہے اور امراء طبقہ نے بھی اپنی مخالفت تیز کر دی۔ کچھ عرصہ تک تو امراء طبقہ اپنے آپکو متفق و متحد کرتا رہا اس کے بعد انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگائے کہ وہ عورتوں کے خانگی جشن میں گھسکر ان کی آزادی میں خلل ڈالکر اور دہشت زدہ کر کے بدنام کرتا رہتا ہے اسطرح وفد بنا کر وزیر اعظم مصر کی خدمت میں فریاد کرتے ہیں اور اسیطرح بادشاہ مصر سے انصاف طلب کرتے ہیں اور ملکہ عزیز مصر بھی اپنے خاندان میں ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے لگی جب رعایا میں زیادہ شورش ہو جائے تو حکام ارکان دولت رعایا کو خوش کرنے کیلئے اور انہیں مطمئن کرنے کیلئے ان کی مرضی کے مطابق حکم دیتے ہیں۔ عزیز مصر کو اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پناہ محبت تھی مگر ان سے رشتہ عصبیت کا نہ تھا اسلئے وہ اس بارے میں فیل ہو گئی۔

سرداران قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورغلانے کیلئے اپنی بیٹیاں پیش کیں اور سرداری کا لالچ دیا اور کہا کہ یہ سب چیزیں قبول کرو اور تحریک اسلامی سے دست کش ہو جاؤ یا ایسی نرمی اختیار کرو جس سے ہمارے نظام میں خلل نہ پڑے تو آپ نے صریحاً انکار کر دیا تھا اس کے بعد وہ لوگ مغلوب الغضب ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ آپ انہیں سمجھائیں۔

ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا کر کہا مگر آپؐ نے سخت لہجہ میں صریح انکار کر دیا تو قریش مکہ نے ابوطالب سے کہا کہ تم تو ہمارے دین پر ہو اگر یہ تمہاری درخواست رد کرتے ہیں تو انہیں ہمارے حوالے کردیں۔ ہم انہیں قتل کر دیں گے۔ ابوطالب نے فرمایا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہم تمام بنی ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے رہیں گے جبتک ہمارے بدن میں خون کا قطرہ ہوگا۔ آخر سرداران قریش نے ابوطالب سے کہا کہ ہمارے شہر سے چلے جاؤ۔ ابوطالب نے تمام بنی ہاشم کو اکٹھا کیا اور شعب ابی طالب میں چلے گئے۔ تین سال تک وہاں محصور رہے ابوطالب میں عصبیت تھی۔ اپنے خاندان میں سے کسی کو ذلت میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے اسی محصوری کی خبر جب قبائل عرب میں مشہور ہوئی تو وہ آکر تجسس احوال کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔ عرب قبائل میں صحیح اور سچی بات کو قبول کرنے اور اس پر مرتے دم تک قائم رہنے کی بڑی استعداد موجود تھی۔ اسلئے اس زمانہ میں بہت زیادہ اشاعت اسلام ہوئی اور بڑے بڑے قبائل کے سردار مسلمان ہو گئے۔

عام مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام حد درجہ خولصورت تھے اور عورتیں ان پر فدا[1] ہو جاتی تھیں۔ اپنی عزت بچانے کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید میں رکھا۔ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی۔ عصمت اور شرافت کا ان کو تجربہ تھا اور ان کی پاکدامنی کی شہرت عام تھی جیسے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ منورہ میں ایک انصاری نوجوان بہت خولصورت تھے اور عورتیں ان کی طرف تکتی تھیں تو آپؓ نے اسکو بصرہ یا کوفہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ عام مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کا یہی رجحان ہے مگر آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ اصل واقعہ کی حقیقت وہ ہے جو کہ ہماری ناقص رائے میں ہے۔

قولہ تعالیٰ حَتّٰى حِيْنٍ ترجمہ کچھ وقت تک۔ اس جملہ کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جبتک شورش بند ہو جائے اور شورش کرنے والے امراء طبقہ تھا۔ ان کی شورش چونکہ ذاتی اغراض کی بنا پر تھی اسلئے کبھی بند نہ ہوگی اور نہ حضرت یوسف علیہ السلام رہا ہونگے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وزارت کی بنیاد عدالت اور مساوات پر تھی اور امراء طبقہ

[1] ۔ مبتلا

لہ الفاروق ۔ [illegible]
مسند ابن عمر [illegible]
[illegible] [illegible]

اُن سے گھبراتا تھا۔ اگر یوں کہا جائے کہ جبتک عورتوں کی شورش بند ہو جائے اور عورتوں
کی شورش یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کی آزادانہ روش پر قیود ڈال رہے تھے اور
ان حسن نمائی پر سختی سے بندشیں ڈال رہے تھے اور ان کی عیاشانہ روش جسے وہ جان
سے زیادہ عزیز اور باعث فخر سمجھتی تھیں اُسے چھوڑنا ہرگز برداشت نہ تھا۔

آیت نمبر 36 وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ط قَالَ اَحَدُهُمَا اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِىْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ط نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ہ

ترجمہ:

اور داخل ہوئے اس کے ساتھ قید خانے میں دو جوان۔ کہنے لگا ان میں سے ایک کہ میں نچوڑتا ہوں شراب اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ پرندے کھاتے ہیں اس میں سے۔ بتلا ہم کو اس کی تعبیر، ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے جیل میں قیدیوں کا خواب کی تعبیر معلوم کرنا

مطلب:۔ مہذب سلطنتوں اور حکومتوں کا یہ طریقہ ہے کہ سیاسی قیدیوں کے مقدمہ کا جلد فیصلہ کر کے اور (Assessors) کو اپنا ہم خیال بنا کر[1] جلدی قید میں بھیج دیتے ہیں تاکہ لوگوں میں شورش نہ ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے معتقد اور اس کے پروگرام کے پیروکار[2] بہت تھے۔ اسلئے جلدی فیصلہ کر کے جیل بھیج دیا تاکہ شورش نہ ہو۔ اور مہذب سلطنت کا قاعدہ ہوتا ہے کہ سنٹرل جیل میں سب قیدی ہفتہ میں ایک مقررہ دن بھیجتے ہیں۔ اسطرح اُسی دن فیصلہ کیا اور جیل بھیج دیا۔ جیل داخل ہوتے وقت دو اور قیدی بھی تھے اور ان تینوں کو اکٹھا رکھا گیا[3]۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت و عادات دیکھکر یہ دونوں قیدی سمجھ گئے کہ یہ کوئی بزرگ آدمی ہے۔ ایک تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان قیدیوں کی بڑی خدمت کی اور دوسرے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ ایسے مشغول ہو گئے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ ایسے عمدہ اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق دیکھکر انہوں جو نیند میں خواب دیکھا تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بیان کرنے لگے۔ مشہور ہے کہ اپنا خواب کسی اچھے نیک بخت بزرگ آدمی کے آگے بیان کرنا چاہیے ورنہ اُلٹا اثر پڑتا ہے اور خواب کی تعبیر بھی کسی اچھے آدمی سے پوچھنی چاہیے۔ ہر ایک

۱۔ کرکے
۲۔ تابعدار
۳۔ رکھا گیا

کے آگے بیان نہ کرنا چاہیے۔

ہم تو یوں سمجھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی صحبت کے اثر اُن قیدیوں سے متعلق جو آئندہ فیصلہ ہونے والا تھا وہ ظاہر ہوگیا۔ یہ فقط حضرت یوسف علیہ السلام کی صحبت کا اثر تھا اسلیئے عقلمند استخارہ یا تو مسجد میں کرتے ہیں یا کسی اہل اللہ کی خدمت میں جا کر استخارہ کرتے ہیں تاکہ ان کی برکت سے ان کے دل صاف ہو جائیں اور آئندہ واقعات ظاہر ہو جائیں

مسجد میں یا کسی اہل اللہ کی خدمت میں جاکر استخارہ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ دل کی صفائی حاصل ہوتی ہے

انہوں نے یہ خواب دیکھا۔ ایک کہتا ہے کہ میں نے نیند میں یہ دیکھا کہ میں شراب بنا رہا ہوں اور میووں کا رس نکال کر شراب بناتا ہوں۔

اور دوسرے نے کہا کہ میں نیند میں دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اُسے کھا رہے ہیں تھے۔ ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے خوابوں کی تعبیر معلوم کی۔

ان دونوں قیدیوں کے مقدمے کا فیصلہ ابھی نہیں ہوا تھا بلکہ کورٹ میں زیر غور تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام پکے قیدی تھے۔ اُنہیں کسی فیصلے کا انتظار نہ تھا

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ دوسرے دو قیدیوں کو رکھنے کا مقصد؟

عام مفسرین لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ کا شراب پلانے والا تھا اور دوسرا خانساماں تھا جو روٹی تیار کرکے بادشاہ کی میز پر رکھتا تھا۔ دونوں نے متفق ہو کر یہ فیصلہ کیا بادشاہ کو زہر دیں۔ ساقی اپنے شراب میں زہر ڈال کر لایا اور خانساماں بادشاہ کے کھانے میں۔ جب روٹی اور شراب حاضر ہوئے اور بادشاہ میز پر بیٹھا تو ساقی نے کہا حضور کھانا مت کھانا اور خانسامہ نے عرض کیا کہ شراب مت پینا۔ بادشاہ کو شک پڑ گیا۔ دونوں کو فوراً جیل بھجوا دیا۔ جس دن حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں گئے تھے

اب عقلمندوں خصوصاً سیاسی لوگوں کو غور کرنا چاہیے کہ یہ دونوں اس روز بادشاہ کو مارنے کی تدبیر کرتے ہیں جس روز حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجنے کا فیصلہ ہوتا ہے اس کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے۔ مگر تعلق ضرور ہے۔ تو سمجھ داروں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ غور کرکے اس کے تعلق پر رائے زنی کریں اور سرسری طور

ہر اس جگہ نظر نہ کریں کیونکہ دنیا میں ہر ایک واقعہ کا دوسرے واقعات سے تعلق ہوتا ہے

آیت نمبر 37 -

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۔

ترجمہ :- بولا نہ آنے پائیگا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے - مگر بتا چکونگا تم کو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے - یہ علم کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے - میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں

مطلب :- مہذب سلطنتوں کا قاعدہ ہے کہ انسانی سہولتیں جیسے کھانا پینا - علاج معالجہ[1] ہر قیدیوں کو مہیا کرتی ہیں جیسے دوسری رعایا کو - اس میں بخل نہیں کرتے اور ہمیشہ انسانی سوسائٹی کے تمام حقوق سے محروم نہیں کرتے - انسانی سوسائٹی کا قاعدہ ہے کہ صبح کو ناشتہ کرتے ہیں دوپہر کو کھانا[2] کھاتے ہیں اور شام کو بھی کھانا[3] دیا جاتا ہے - مصر کی سلطنت بھی بڑی مہذب تھی ان حقوق سے قیدیوں کو محروم نہیں رکھتے تھے - صبح کے وقت اٹھ کر جب ان قیدیوں نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی اور ناشتے کا وقت بھی قریب تھا ناشتے کے بعد انسان کو ضروری کام کاج وغیرہ ہوتا ہے ادھر متوجہ ہو جاتا ہے اور کیا خبر کہ ناشتے کے بعد ان اخلاقی مجبوریوں کو شاید مجھ سے (حضرت یوسف علیہ السلام) جدا کر لیں - اسلئے اس تھوڑے سے وقت کو غنیمت جان کر اپنا پروگرام پیش کرتے ہیں - انبیاء علیہم السلام اپنا ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتے - اپنا پروگرام اور تبلیغ جتنے بھی تھوڑے عرصے میں ممکن ہو انسانوں کو بتا دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے خیالات کو تبدیل کر سکیں اور ہمارے (انبیاء کے) علم سے محروم نہ رہ جائیں حضرت یوسف علیہ السلام سے جس قدر ان قیدیوں کو صحبت میسر آئی - تو حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی ان کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے تھا اور وہ بھی اپنے خواب کی تعبیر سننے کیلئے بے تاب تھے -

قیدیوں کو جیل میں بنیادی انسانی ضروریات (کھانا پینا - علاج معالجہ) مہیا کرنا ہر مہذب سلطنت کا دستور رہا ہے -

انبیاء و صالحین قلیل وقت کو بھی غنیمت شمار کرتے ہوئے اپنا اصلاحی پروگرام پیش کرنے میں تاخیر نہیں کرتے تاکہ انسان انبیاء کے علوم سے محروم نہ رہ جائیں -

۱- دوا دارو
۲- روٹی
۳- روٹی

"توبہ" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اپنے گناہوں پر ندامت ہو اور آئندہ زندگی میں اپنی اصلاح کر لی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے سمجھا کہ اس انتظار کی گھڑی میں میری نصیحت بھی سُن لیں گے اور جب اپنے خواب کی تعبیر یاد آ گئی تو میری نصیحت بھی ضرور یاد آئیگی۔ اگر انہوں نے میری بات پر یقین کر لیا تو آخرت کے عذاب سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے اور اپنے گناہوں کا بھی توبہ بھی کر لیں گے۔ اور توبہ ہوتی ہے اپنے گناہوں پر ندامت کرنا۔ کسی کو سنانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہمارا یقین ہے کہ انہوں نے توبہ کر لی ہوگی کیونکہ اہل اللہ کا کہنا دل کے اندر چلا جاتا ہے اور پھر ایک نبی کی نصیحت اور ساتھ ہی نبی کی صحبت کا اثر بھی ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملانے سے ہم سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ضرور حضرت یوسف علیہ السلام کی نصیحت کا اثر قبول کر لیا ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اُنہیں تسلی دیتے ہیں کہ مجھے اس خواب کی تعبیر معلوم ہے ابھی ناشتے کا وقت قریب ہے۔ ناشتے کے آنے سے قبل آپ کو خواب کی تعبیر سنا دیتگے مگر اس سے پہلے تھوڑی سی فرصت میں میری نصیحت سن لو۔ میں اس مصری قوم کا دین اور ملت چھوڑ چکا ہوں کیونکہ یہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ آخرت کو مانتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے نظریئے (نصب العین)
۱۔ توحید
۲۔ ایمان بالآخرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے نظریئے "دو" تھے۔ اور ان پر اُن کے دین اور پروگرام کا دار و مدار تھا۔ ان دو قاعدوں کو بہت کوشش سے سمجھاتے ہیں اُس کے بعد اپنا عملی پروگرام بتاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا نصب العین یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھ کر اسی کی ہی عبادت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اور بندوں میں کوئی واسطہ نہ ٹھہرایا جائے۔ دعا مانگے تو ایسا سمجھے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں اور عبادت کرے تو بھی یہی سمجھے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں یا وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور اپنے اوپر اللہ کے سوا کسی کو "حاکم" نہ مانے۔ یہ سمجھے کہ اس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری پرورش کرنے والا ہے اور وسائل کو نظر انداز کر دے اور خالص اللہ کا بندہ ہو کر رہے۔

کسی کی غلامی کو برداشت نہ کرے اور دوسرا اعتقاد اور فکر یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنے
اعمال کا جوابدہ ہے۔ اس جہان کے بعد دوسرا جہان بھی ہے جسے آخرت کہا جاتا ہے۔
اُس میں ذرے ذرے کا حساب کتاب ہوگا۔ چھوٹا بڑا کوئی آدمی اس حساب کتاب سے
بچ نہیں سکتا۔ انسانیت کے جتنے کام اس کے سپرد ہیں امیں اگر پوری ذمہ داری سے
کام کیا تو نجات کا مستحق ہوگا۔ اگر اس نے غلطی کی تو زیر عقاب، عتاب وخطاب آئیگا

تسلسل حیات کا ماننا

ان دو اعتقادوں کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اللہ کو اپنے اوپر حاکم سمجھے اور فقط اللہ
کو الٰہ اور اپنا رب سمجھے۔

دوسرا تسلسل حیات کو ماننے یعنی انسان اس دنیا سے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے
اور اپنے رب کے آگے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جوابدہ ہوگا
یہ دو اعتقاد اگرچہ دیگر مذاہب میں کچھ تبدیلی کے ساتھ موجود ہیں مگر دیگر مذاہب میں
ان دو اعتقادوں پر ایسے حجاب ڈال دیئے گئے ہیں کہ مخصوص لوگوں کے سوا دوسرے جانتے ہی نہیں
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان حجابات کو دور کرکے ان اعتقادوں کو صاف اور روشن کر دیا کہ کسی
کو شک نہ گزر سکے۔

توحید باری تعالیٰ اور ایمان بالآخرت * ہر مذہب کے بنیادی عقیدوں میں شامل رہے ہیں، مگر ان پر ایسے حجابات ڈال دیئے گئے کہ مخصوص لوگوں کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔

اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام پہلے پہلے ان سے یہ کہدیتے ہیں کہ میں نے مصری قوم کے اعتقادات
کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ بت پرستی کرتے ہیں اور سورج چاند کی پرستش کرتے ہیں اور پانی کی
پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ اور اُن کو اپنا پالنے والا سمجھتے ہیں اور آخرت کو تو یہ مانتے ہی نہیں
اور اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کا جہان یہی ہے آئندہ کوئی جہان نہیں جہاں تمہارا حساب کتاب
ہوگا۔ سب لوگ دنیا کی حرص میں غرق ہیں اور دُنیا (دولت) حاصل کرنے کیلئے غرباء پر بہت
بڑے مظالم[۲] کرتے ہیں۔ اور اُن کا یہ اعتقاد پختہ ہو گیا ہے کہ ہم مر جائیں گے تو ہمارا قصہ
ختم ہو جائیگا۔ اس جہان میں خوشحالی[۳] نعمت و آسائش ان کا نصب العین ہے
اسلئے ان کے سب اخلاق برباد ہو چکے ہیں۔ ظلم کے سوا ان کو کچھ سوجھتا ہی نہیں
مذہبی رسوم فقط دکھانے کیلئے کرتے ہیں۔ یہ رجعت پسند لوگ ہیں۔ حضرت یوسف ؑ نے قیدیوں کو یہ پہلا سبق دیا

آخرت پر ایمان نہ لانے کے نتائج۔
۱۔ شرک۔
۲۔ بت پرستی
۳۔ دنیا کی حرص
۴۔ ظلم
۵۔ دنیاوی خوشحالی و آسائشوں کا حصول کو زندگی کا نصب العین بنانا
۶۔ مذہبی رسوم فقط دکھلاوا۔ یعنی ریاکاری ہے
۷۔ اخلاقی انحطاط
۸۔ رجعت پسندی

۱۔ پیغمبر۔
۲ ظلم
۳۔ خوشی گزران۔

نوٹ:۔ خدا تعالیٰ کے رسولوں نے توحید اور آخرت پر ایمان لانے کی تعلیم دیکر انسان کو شرک، بت پرستی، حرص، ہوا کی پیروی
اور اخلاقی گراوٹ سے بچایا جو سب انسانیت پر ظلم عظیم تھے اسلئے یہ رجعت پسندی تھی

آیت نمبر 38 - وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اِبْرَاہِیْمَ وَاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ ط مَا کَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ط ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ہ

ترجمہ : اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادا کا - ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی کو چیز کو - یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب پر لوگوں پر لیکن بہت لوگ احسان نہیں مانتے ۔

مطلب :-

مصر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے اثرات اور اس کی طبعی و جغرافیائی وجوہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان میں رہتے تھے ۔ جس کو آجکل شام یا سیریا (Syria) کہتے ہیں - شام کی سرحد مصر کی سرحد سے ملتی ہے ۔ عرب کا بیابان عدن اور بحرین سے لیکر شام تک کے علاقہ کے اکثر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کو قبول کر چکے تھے اور اکثر اس مذہب کے معتقد تھے ۔ عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے بیٹے سرداری کرتے تھے اور کنعان یعنی شام پر حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا بڑا اثر تھا ۔ کنعان یعنی شام پر حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام اور ان کے بیٹوں کی سوشل[1] حکومت تھی ۔ سب لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوب پہچانتے تھے کیونکہ یہ تینوں حضرات بڑی قوت والے تھے اور ان کا مذہب باقی اقوام عالم سے جدا تھا ۔ یہ بت پرست نہ تھے اور نہ ہی ستارہ پرست تھے ۔ اب سمجھو کہ سارے بیابان عرب اور شام پر جس کا اقتدار ہو تو افریقہ کے (ایک ٹکڑے مصر کے لوگ) انہیں کیسے نہ پہچان سکتے تھے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت یعقوب علیہ السلام تک اڑھائی تین سو سال سے یہ لوگ اپنے دین اور مذہب کی تبلیغ کر رہے تھے ۔ پھر صوفیانہ رنگ میں اپنی جماعت بڑھاتے رہتے ہیں ہندوستان اور ایران کی تجارت ان کے ملکوں سے گزرتی تھی ۔ تو شاہان مصر کو ان سے تعلق رکھنا ضروری تھا ۔ ہمارے خیال میں مصر کے لوگ جو خدا کے طالب ہوتے ہونگے وہ بھی اس سلسلہ میں داخل ہو گئے ہونگے

[1] Social سے مراد یہ ہے کہ ایسی حکومت جس میں خدا تعالیٰ کی حاکمیت ہو اور خدا کا رسول جو پیغام خدا سے سناتے اس پر ساری قوم کاربند اور عمل پیرا ہو اور خود حکومت عامۃ الناس کی خیر خواہی ۔ فلاح اور بہبود کے کام کرتی ہو اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ سارا معاشرہ کسی ایک حکمران ٹولے کا غلام

گزشتہ آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے اعتقاد کے دو بڑے جزو سمجھا دئے گئے اور کہہ دیا تھا کہ ہم نے ان مصریوں کی ملت کو چھوڑ دیا ہے۔ اب مصر کا رہنے والا آدمی یہ بات کہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کونسی ملت میں آپ داخل تھے۔ مصر کے اردگرد صرف دو ملتیں یعنی دین ہیں۔ ایک مصری ملت جو دیوتا پرست اور بادشاہ پرست ہیں بڑے خدا کے نیچے بادشاہ کو اپنا رب سمجھتے ہیں اور پھر پرستش کیلئے بادشاہ کے بت۔ سورج چاند وغیرہ کی پرستش کرتے رہتے تھے۔ اور دوسری ملت اور دین حضرت حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام کا تھا جس کے کنعان یعنی شام میں تابعدار بہت تھے تورات میں آتا ہے۔ کہ سرداران شام میں اگر لڑائی ہوتی تھی تو حضرت ابرھیم علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے آتے تھے۔ اور اگر کوئی نہ مانتا تو جو حق پر ہوتا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی مدد جماعت سے کرتے تھے۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات کا ذکر ہے۔ لیکن ان کے بعد ان کی جگہ پر ویسا ہی نبی بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا نبی بھی ویسا ہی بیٹھتا ہے تو خیال کریں ان کی تبلیغ سے کتنی جماعت بڑھ گئی ہوگی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے تعارف کرانے کی حکمت یہ تھی کہ یہ مصاحب بادشاہ تک یہ بات پہنچائیں جو کہ ان کے بزرگوں کا عقیدت مند تھا

اب حضرت یوسف علیہ السلام بتاتے ہیں میں اپنے باپ دادا کے دین پر ہوں اور پھر اپنے باپ دادا کا نام بتاتے ہیں۔ مصر کے لوگ ان کے آباؤاجداد سے خوب واقف تھے اور ان کی طاقت بھی انہیں معلوم تھی اور یہ بھی انہیں معلوم تھا کہ ایک روز یہ لوگ مصر پر قبضہ کریں گے اسلئے ان سے ڈرتے تھے۔ کیونکہ ان بزرگوں کی پیشین گوئی تھی کہ مصر ہمارے قبضے میں آجائیگا یا تو ہمارا دین قبول کرلیگا یا زبردستی سے قبضہ ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں بیٹھ کر بتا دیتے ہیں کہ میرے باپ دادا یہ ہیں۔ اور یہ دونوں قیدی بادشاہِ مصر کے مصاحب ہیں اور ہر وقت بادشاہ کے ساتھ رہتے ہیں ان کو اپنے باپ دادا کا نام بتانا اسلئے ضروری سمجھا کہ بادشاہ کو ان کے بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی۔ یہ توریت سے ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام نام بتا کر بادشاہ کو متوجہ کرتے ہیں

کہ ہم خدا پرست لوگ ہیں لڑائی سے کسی ملک کو اپنے قبضے میں نہیں لیتے - اصلاحات کے ذریعے ملک میں امن و امان پیدا کرتے ہیں مگر مجبوری[1] کے وقت - تنگ آمد بجنگ آمد -

حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے شایان شان نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو برابر سمجھیں - اور کسی بڑی ہستی کو خدا کے کاموں میں شریک نہیں سمجھتے یعنی برابر نہیں سمجھتے -

اسی آیت میں توحید پرستوں کے اماموں کے نام بتاتے ہیں - اور پھر بتاتے ہیں کہ توحید یہ نہیں کہ اللہ کو ایک مان کر اُس کے وکیل اور وزیر ثابت کیئے جائیں اور اپنی عجز و نیاز ان وکیلوں اور وزیروں کو پیش کی جائے اور سمجھا جائے کہ خدا کے وکیل اور وزیر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ملک کی تدبیر ان وکیلوں اور وزیروں کو سونپ رکھی ہے - عبادت اُسی کی کی جاتی ہے اور عجز و نیاز اُسی کے آگے کیا جاتا ہے اور راضی کرنے کیلئے منت سماجت اُسی کے آگے کی جاتی ہے جس کے ہاتھ میں اُس کام کی تدبیر ہو - جیسے پانی کیلئے انجینئر کے آگے عجز نیاز کی جائیگی اور درخواست بھی اُسی سے کی جائیگی - کیونکہ پانی کا انتظام اُسی کے ہاتھ میں ہے اور بڑے وزیر یا گورنر کے آگے پانی کیلئے عجز و نیاز نہ کی جاویگی اگرچہ انجینئر ان کے ماتحت[2] ہیں - اگر یہ وزیر یا گورنر سفارش بھی کرے تو انجینئر کو اختیار ہے کہ گورنر کی سفارش پر لکھ دیں کہ ان کو پانی بہت مل رہا ہے - اور خواہ مخواہ یہ بڑے افسروں کو تنگ کر رہا ہے اور گورنر بھی درخواست کرنے والے پر ناراض ہو جائیگا -

دنیاوی امور میں جس شخص کے پاس کسی کام کی تدبیر ہوتی ہے اُسی سے درخواست کی جاتی ہے - چونکہ دینی و دنیاوی تمام امور کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے اسلئے عبادت بھی اُسی کی ہی کی جائیگی -

تو مطلب یہ نکلا کہ جس افسر کے پاس یا شخص کے پاس کسی کام کی تدبیر ہو عجز و نیاز بھی اُسی کے آگے کیا جاتا ہے - اسلئے کہا جاتا ہے کہ عبادت اور تدبیر کا آپس میں لزوم عقلی ہے جس کے ہاتھ میں تدبیر ہے - اُسی کی عبادت کی جاتی ہے - تمام کاموں کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں - اسلئے عبادت بھی اُسی کی ہی کی جائیگی اگر ثابت کیا جائے کہ اللہ کے آگے وکیل اور وزیر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کام کی تدبیر سونپ رکھی ہے تو عبادت بھی ان کی کی جائیگی نہ کہ بڑے خدا کی یہی شرک ہے -

شرک کا ایک مفہوم ---

۱ - لاچاری
۲ - نوکر ہیں

شرک کے مہلک اثرات سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں انبیاء بھیجے -

اس شرک سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں (نبی) انبیاء بھیجے - تاکہ سمجھا دیں کہ زمین وآسمان اور جو کچھ اس میں ہے - سب کی تدبیریں اللہ کے ہاتھ میں ہیں - وہ تدبیریں کرتا رہتا ہے - کسی کو اپنے ملک کی تدبیر نہیں سونپی -

تمام مذاہب کے انبیاء اور عقلمند فلاسفر زمین وآسمان وما فیہما کا خالق ومالک صرف ایک اللہ کو مانتے ہیں جس کے ہاتھ میں تمام تدبیریں ہیں -

تمام مذاہب کے انبیاء سامی ہوں خواہ صابی اور عقلمند فلاسفر - ہر ملک - زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے - ان کا پیدا کرنیوالا صرف ایک خُدا ہے اور تمام تدبیریں بھی اُسی کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں -

غلط کار بادشاہوں اور مذہبی اقتدار کے لوگوں نے انبیاء کی تعلیمات کو بگاڑ دیا

شرک کے مہلکات

مگر غلط کار - ان کے تابعدار بادشاہ ہوں یا مذہبی اقتدار کے لوگ ہوں - ان کی تعلیم بگاڑنے کیلئے اور اپنا گروپ بنانے کیلئے ایک ہستی کو ایسا رُتبہ دے دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر اُس کے ہاتھ میں دے دی ہے جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کو سمجھا کہ تدبیر کا کام اُسی کے ہاتھ میں ہے - تو اس کی پرستش کرنے لگے - اسیطرح ایک گروپ نے سمجھا کہ کرشن جی کے ہاتھوں میں سب کاموں کی تدبیر ہے - تو وہ اس کی پرستش کرنے لگ گئے - یہ شرک ہے - اس سے سب انبیاء وفلاسفر منع کرتے ہیں اور اسی سبب سے یعنی شرک سے لوگوں میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوتی ہیں - لوگوں کے ذہن اور معاش کو بگاڑ دیتے ہیں -

دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کی قائل نہ ہو اور زمین وآسمان کا مالک وخالق صرف اللہ کو نہ سمجھتی ہو

اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام شرک سے منع کر رہے ہیں ورنہ مصری قوم بڑے خُدا کو مانتی تھی - بلکہ اس دنیا میں کوئی بھی ایسی قوم نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کو زمین وآسمان کا بنانیوالا نہ سمجھتی ہو حتی کہ آجکل کے لادینی لوگ جن کو کمیونسٹ کہا جاتا ہے وہ بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ زمین وآسمان کو بنانیوالا صرف اللہ ہی ہے - اگر اللہ تعالیٰ کو ایک نہ مانیں تو فلسفہ ناقص رہ جاتا ہے - جیسے مرکز کو نہ ماننے سے دائرہ کھینچا نہیں جاسکتا - مگر ان کی غلطی یہ ہے کہ ایک گروپ تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان اور ہستیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہماری تدبیر سونپ دی ہے[1] - تو جس کے ہاتھ میں تدبیر ہوتی ہے عبادت بھی اُسی کی کی جاتی ہے - یہ عقلی بات ہے -

۱- سپرد کردی ہے -

دوسرا گروپ ۔ آجکل کے لادینی کمیونسٹ یہ کہتے ہیں کہ ہر ہر کام میں ہر وقت اللہ تعالیٰ دخیل نہیں ۔ ہم اپنے کام آپ کرتے ہیں ۔ یہ لوگ اپنے بادشاہ کو خدا سمجھتے ہیں ۔ یہ سب شرک میں مبتلا ہیں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ تعلیم دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ توحید الٰہی کے سمجھانے والوں کا مرکز حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں

کمیونسٹ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام میں دخیل نہیں ۔ ہم اپنے کام خود کرتے ہیں مگر بادشاہ کو خدا سمجھتے ہیں اور شرک میں مبتلا ہیں

انہوں نے بڑی جانفشانی سے توحید الٰہی سمجھائی ہے ۔ یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر بھی اور ساری انسانی سوسائٹی پر بھی ۔ مگر غلط کار لوگ اس کی قدر نہیں کرتے ۔ انہیں چاہیے تھا کہ اس نظریئے پر رہ کر دنیا میں زندگی بسر کرتے ۔

"توحید الٰہی ساری دنیا پر اللہ کا فضل ہے مگر غلط کار لوگ اس کی بے قدری کرکے خود کو تباہی سے ہمکنار کرتے ہیں ۔

حضرت یوسف علیہ السلام اس وعظ میں شرک سے منع کرتے ہیں ۔ آنے والی آیت میں شرک کی تفسیر بیان کی گئی ہے ۔

آیت نمبر 39 يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

ترجمہ ۔ اے میرے قید خانے کے رفیقو! بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر ہیں یا اللہ اکیلا زبردست ۔

قدیم مصر کے لوگ بادشاہ ۔ وزیر ۔ آقا اور امیروں کو رب کہتے تھے اور شرک میں مبتلا تھے جسطرح "سندھی زبان کے لفظ "سائیں" کا معنی رب ہے جو کہ سنسکرت کا لفظ ہے ۔

مطلب ۔ ملک مصر میں بادشاہ کو رب کہتے تھے ۔ ہر ایک بڑے آدمی کو بھی رب کہتے تھے غلام اپنے آقا کو رب کہا کرتے تھے ۔ جسطرح سندھی زبان میں سائیں کہتے ہیں ۔ سندھی زبان سنسکرت سے نکلی ہوئی ہے ۔ سنسکرت میں اللہ تعالیٰ کا نام سائیں ہے یعنی میرا مالک ۔ سندھ میں بہت سے علماء ہو گزرے ہیں کہ لوگوں کو سائیں کہنے سے منع کرتے تھے کیونکہ سائیں نام ہے اللہ کا ۔

تو یہاں حضرت یوسف علیہ السلام سمجھا رہے ہیں کہ تم لوگ اپنے بادشاہ ۔ وزیر ۔ اپنے آقا اور امیروں کو رب کہتے ہو اور پھر اعتقاد بھی یہی رکھتے ہو کہ یہ لوگ ہمارے رزق اور معاش کی تدبیریں کرتے ہیں اور ان کے وسیلے سے ہمیں روزی ملتی ہے اور یہ دنیا میں ہمارے پالنے والے ہیں ۔ پھر دیوتاؤں کی پوجا پاٹ اور سورج چاند ستاروں)

اور پانی کی پوجا پاٹ بھی کرتے ہو اور ان میں تمہارا اعتقاد بھی ہے کہ یہ بھی رب یعنی پالنے والے ہیں۔ مصر کے لوگ تو دریائے نیل کی بھی پوجا کرتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ یہی رب پالنے والا ہے۔

حکمت و دلیل کے ساتھ تبلیغ کی جائے تو اس کا اثر ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ اے میرے دوستو! اے میرے کامریڈو کیا ایک اللہ جو سب کو پالتا ہے۔ دریائے نیل کو وہی پانی دیتا ہے تمہارے بادشاہوں اور امیروں کو بھی وہی پالنے والا ہے اور تمہارے دیوتاؤں کو بھی وہی پالنے والا ہے۔ اس کا بھی تم اعتقاد رکھتے ہو کہ اصل پالنے والا اللہ ہی ہے اور وہ زبردست بھی ہے۔ بڑی طاقت والا ہے تو پھر کیوں نہ تم صرف ایک اللہ کو اپنا رب سمجھو۔ بھلا اتنے رب اور خداؤں کی غلامی بہتر ہے جن کے اغراض اور مطالب مختلف ہیں اور آپس میں مخالف بھی ہیں۔ یہ بہت سارے یا صرف ایک اللہ زبردست جو کہ ظالموں کی کمر توڑ دینے والا ہے وہ بہتر ہے۔ تم نے جو یہ بہت سے رب بنا رکھے ہیں۔ یہ سب کے سب ظالم ہیں اور تمہارا اعتقاد ہے کہ ان ظالموں کو سزا دینے والا اور ان کی کمر توڑنے والا صرف ایک اللہ واحد قہار ہے تو عبادت اور نذر نیاز اسی کی کرنی چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام انہیں اسطرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہ سب شرک کی مذمت ہے۔

آیت نمبر ۴۰۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لئے ہیں۔ تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند۔ حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے۔ اس نے فرمایا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔ یہی راستہ ہے سیدھا مگر بہت لوگ جانتے نہیں۔

مطلب :- تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو اور معبود قرار دئیے ہیں ان کی کچھ حقیقت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور غلبے سے تمہارے ان معبودوں کو کچھ حصہ بانٹ نہیں دیا۔ اور نہ ہی کچھ اختیار دیا ہے۔ تم نے اپنی طرف سے یہ قرار دے رکھا ہے کہ کچھ اللہ کی قدرت اور غلبہ کا حصہ انہیں مرحمت ہے جیسے تم مخلوق ہو اور اللہ کی طاقت اور غلبہ کے ماتحت ہو اسی طرح وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کی طاقت اور غلبہ کے ماتحت ہیں۔ تم سے زیادہ انہیں کوئی طاقت اور غلبہ نہیں دیا۔ تم نے اپنے خیال سے یہ اعتقاد بنا رکھا ہے کہ انہیں طاقت اور غلبہ ہے۔ تم اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چل رہے ہو اور اس اعتقاد پر کبھی غور نہیں کیا کہ اعتقاد صحیح ہے یا غلط ہے۔ تمہارے باپ دادا نے جو یہ غلط اعتقاد پیدا کیا ہے۔ اس کیلئے کوئی عقلی سند یا کسی نبی یا فلاسفر کا قول بھی نہیں۔ اوھام اور خیالی باتوں پر اعتقاد رکھتے ہو۔

دعویٰ بغیر دلیل کے اور دلیل بغیر سند و روایت و درایت کے قابل قبول نہیں ہوتی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی بات بزرگوار اور لنظیر ایسے لوگوں کو سمجھا رہے ہیں جو عام طبقے کے لوگوں کے دلوں میں ہے۔ عام طبقہ کے لوگوں کا دماغ ایسا ہوتا ہے کہ بڑے آدمی اور خاندانی آدمی کی بات کو توجہ سے سُنتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی درمیانے طبقے کا ہوتا ہے اور سمجھاتا ہے اور وہی سمجھاتا ہے جو بڑا آدمی سمجھانا چاہتا ہے تو اس کی بات کو پورے غور سے نہیں سنتے اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ادنیٰ طبقے کے لوگوں میں عقل ہوتی نہیں۔ یہ دونوں قیدی بادشاہ کے مصاحب ہیں تو یہ بادشاہوں اور امیروں کی بات غور سے سنتے ہیں اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے خاندان کی عظمت بیان کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا خاندان بڑی عزت و عظمت والا تھا۔ اور یہ خاندان اگرچہ ملٹری کی طاقت نہ رکھتا تھا مگر سرِ نسل بادشاہ تھے۔ ان کے بہت سے مرید اور معتقد تھے

حضرت یوسف علیہ السلام کے خاندانی عظمت بیان کرنے کی حکمت یہ تھی کہ عام طبقے کے لوگ بڑے لوگوں اور بادشاہوں کی باتوں کو غور سے سنتے ہیں۔ درمیانہ طبقہ کے آدمی کی بات نہ توجہ سے سنتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں

ایران کی سرحد سے لیکر مصر کی سرحد تک سب لوگ اس خاندان کی عظمت کے معترف تھے اور بڑے بڑے بادشاہ بھی دینی حیثیت سے معتقد تھے۔ اور ان کی اندرونی طاقت سے ڈرتے تھے کہ اگر اپنے مریدوں کو اکٹھا کر کے حملہ کر دیں تو ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور بادشاہوں کے درباروں میں ان کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔ اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام پہلی بار کہتے ہیں کہ میں اس بڑے خاندان کا ممبر ہوں

جس کی عزت تمام اقوام میں مسلم ہے۔ ان کا مذہب و ملت سب مذاہب سے افضل و اعلیٰ ہے
اس کے مذہب کی عظمت بھی تمام عالم میں مُسلم ہے ان کی مذہبی اور سیاسی حالت یہ ہے کہ زبردستی سے
اپنی بات نہیں سمجھاتے بلکہ حکمت اور نرمی سے اپنی بات ذہن نشین کراتے ہیں۔ اسلئے اس
خاندان کی وقعت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ عام لوگ تو ملوکی کی طاقت والے بادشاہوں سے
خوف کھا کر ان کی بات مانتے ہیں۔ ہمارا خاندان بھی بادشاہ ہے مگر اپنے احکام نہایت عقلمندی
اور حکمت سے سمجھاتے ہیں۔ اس لئے اس خاندان کی جماعت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

حکمت و نرمی سے سمجھائی ہوئی بات کا اثر زیادہ اور دیرپا ہوتا ہے۔ یہ تبلیغ کا بہت اچھا طریقہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے خاندان کا علمی اور عملی پروگرام نہایت اچھے طریقے سے ان
ان مصاحبوں کو سمجھا دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ بڑے بڑے بادشاہوں کے آگے اس کا تذکرہ کریں
یہ تبلیغ کا بہت اچھا طریقہ ہے۔

عام طبقے کے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ بات کو پھیلاتے ہیں یعنی اس کا چرچا کرتے ہیں

مثال کے طور پر ایک ڈاکٹر چاہتا ہے کہ میرا چرچا[1] امراء اور دولتمند لوگوں میں عام ہو جائے
تو غرباء کا علاج نہایت محنت اور جانفشانی سے کرتا ہے۔ اور بڑی ہمدردی دکھاتا ہے۔
غریبوں سے اوّل تو دوا کی قیمت نہیں لیتا اور اگر لیتا ہے تو بہت کم قیمت لیتا ہے۔ یہ لوگ
جب صحت یاب ہو جاتے ہیں تو عام لوگوں میں اس ڈاکٹر کا چرچا کرتے ہیں حتیٰ کہ امراء
کے کانوں میں اس کا تذکرہ آجاتا ہے پھر امراء لوگ بھی ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں اور جس
عقیدے پر عام لوگ ہوتے ہیں وہی عقیدے امراء کے گھروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح
اس ڈاکٹر کی بڑی عزت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام عام ذھنیت کے آدمی
کو تبلیغ کر رہے ہیں تاکہ یہ جاکر بادشاہ کی خدمت میں اُن کی تعلیم کا پرچار[2] کریں ⁂

غیر اللہ کی عبادت کا فلسفہ کیسے پیدا ہوا۔

:- غیر اللہ کی عبادت کا فلسفہ کیسے پیدا ہوا :-

ستارہ پرستوں کی ایک جماعت نے دیکھا کہ زمین پر گرمی اور سردی سورج کی گردش
سے پیدا ہوتی ہے اور سمندروں پر سورج کی گرمی پڑنے سے بخارات بن کر ہوا میں جاتے ہیں۔ پھر
جب بخارات سرد ہوا میں جم جاتے ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہی سورج
تاثیر دینے والا ہے اور اس کے سبب سے ہمیں روزی ملتی ہے تو اس کی پرستش کرنا ضروری ہے۔

۱- پروپیگنڈہ
۲- پروپیگنڈہ۔

اسی بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام اپنا تمام پروگرام بتا دیتے ہیں۔

حاصل کلام: انبیاء علیہم السلام اپنی بات سمجھانے کیلئے زور زبردستی (جبر واکراہ) روا نہیں رکھتے۔ جو کچھ سمجھاتے ہیں۔ حکمت، علم، تدبر اور لطف سے سمجھاتے ہیں حتیٰ کہ ان کے اردگرد بڑی سوسائٹی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ سوسائٹی قانونی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جب قانونی شکل اختیار کر لی تو پھر قانون کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے۔ ان احکام کی پابندی سے پیچھے ہٹنا یا قانون شکنی کو پسند نہیں کیا جاتا۔ پھر اس نبی کی جماعت حکومت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ پھر اس کے تمام احکامات قانون کے تحت سمجھے جاتے ہیں۔ جب تک حکومت قائم نہیں ہوتی وہ اپنی بات سوسائٹی کو نرمی سے سمجھاتے ہیں اور جب حکومت قائم ہو جاتی ہے تو پھر زبردستی سے منوایا جاتا ہے ورنہ انتظام قائم نہیں رہتا۔

> انبیاء علیہم السلام اپنی بات سمجھانے کیلئے جبر واکراہ سے کام نہیں لیتے بلکہ حکمت، علم، تدبر اور لطف سے بات سمجھاتے ہیں۔

> انتظام حکومت چلانے اور قانون کی بالادستی قائم رکھنے کیلئے مجرموں اور قانون شکن لوگوں سے سختی کا برتاؤ کرنا ضروری ہے۔

حکیم لوگ پہلے اپنی بات حکمت اور فلسفہ جاننے والوں کو بتاتے ہیں اور اپنے اردگرد فلسفیانہ دماغ رکھنے والے لوگ جمع کر لیتے ہیں اور جب بڑی جماعت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ان کی حکومت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام: حکیم لوگ اعلیٰ طبقہ کے دماغ والے لوگوں کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور عام طبقے کے لوگوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

> حکیم لوگ فلسفیانہ دماغ رکھنے والے لوگوں کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور عام طبقہ کے لوگوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں

مثلاً فلسفہ دان اور ریاضی دان حکیم صرف ان لوگوں کو اپنی صحبت میں جمع کر لیتے ہیں جو ان علوم کے ماہر ہوں یا ان علوم کے سیکھنے کا شوق رکھتے ہوں اور عوام الناس کو خاطر میں نہیں لاتے۔

نبی اس طریقہ کے برخلاف ہوتے ہیں نبی سوسائٹی کے ہر طبقہ سے ملتے ہیں اور ہر قسم کی ذہنیت کے لوگوں کو اپنی بات سمجھاتے ہیں اور ان کو مطمئن کر دیتے ہیں۔ نبی سوسائٹی کے ہر ایک طبقہ کا خیال رکھتے ہیں اور ہر ایک طبقہ کو اس کی ذہنیت کے مطابق اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں اور اس کی ذہنیت کے مطابق اطمینان پیدا کر دیتے ہیں۔ نبی اپنے بلند نظریہ سے اتر کر سوسائٹی کے عام فائدے کی خاطر سوسائٹی کے حالات اور ذہنیت کے موافق باتیں کرتے ہیں۔ عالی دماغ لوگوں کو بلند نظریے بتاتے ہیں۔ ادنیٰ دماغ والوں کو وہی بات سمجھاتے ہیں جو ان کے دماغ میں آ سکے

> نبی کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی کے ہر طبقہ اور ہر قسم کی ذہنیت کے لوگوں کو اپنی بات سمجھاتے ہیں

> لوگوں کے ذہنی معیار کے مطابق اپنا نظریہ اور پروگرام پیش کرنا انبیاء کی سنت ہے اور یہی طریقہ "تعلیم وتربیت" کا بہترین اصول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑا بہادر اور کشتی باز رکانہ آیا اور کہا اگر تو سچا نبی ہے تو میرے ساتھ کشتی کر کے مجھے زیر کر دو تب تیری سچائی ماننے کیلئے تیار ہوں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے

کشتی لڑے اور دو تین بار اس کو شکست دی۔ تو وہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

نبی کی مثال یہ ہے جیسے ایک بڑا علم والا ماسٹر بچوں کو پڑھاتا ہے۔ پہلے جمع تفریق سکھاتا ہے جب بڑی کلاس میں جاتا ہے تو ریاضی کے بڑے بڑے نقطے اور رموز (قاعدے کلیے) سکھاتا ہے۔ اگر چھوٹے لڑکے لڑ پڑیں تو ان کی ذہنیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اگر بڑے لڑیں تو پھر حکومت کی نوع سے فیصلہ کرتا ہے
اب اس تقریر سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی بات ہر ایک طبقہ کو سمجھا[ئے] طبقہ کو جو اس کی حکمت کے ماہر ہوں۔

صحیح ہے اس بیان [illegible] احکیم خاص

بین الاقوامی نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ مذہب اور پروگرام ایسا ہو کہ دنیا بھر کی قومیں باوجود اختلاف ذہنیت۔ معاشرت۔ زبان اس کو قبول کر لیں۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پہلے بین الاقوامی نبی تھے۔ حضرت نوحؑ کی طرح کے بین الاقوامی نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ بین الاقوامی نبی کا معنی یہ ہے کہ اس کا مذہب اور پروگرام ایسا ہو کہ تمام دنیا بھر کی قومیں باوجود اختلاف ذہنیت۔ معاشرت اور زبان کے اس کو قبول کر کے اپنا لیں۔ ایسے نبی فقط دو ہو گزرے ہیں۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے مذہب کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک سامی اور دوسری حامی قومیں۔ سامی قومیں وہ ہیں جو عرب الیشیائے کوچک افریقہ۔ شام اور یورپ میں ہیں اور حامی قومیں وہ ہیں جو ایران ہندوستان چین اور ترک ہیں۔ ان دونوں قوموں کی ذہنیت جدا جدا ہے۔ حامی قوم کی ذہنیت کی بنیاد حکمت اور فلسفہ پر ہے جس چیز کا حکم دیا جائے اوّل اس کا فلسفہ اور حکمت سمجھا دی جائے تب مانیں گے

حامی قوموں کی ذہنیت کی بنیاد حکمت اور فلسفہ پر ہے۔ اور سامی قوموں کی ذہنیت یہ ہے کہ وہ کسی بڑے آدمی کی بات مانتی ہیں۔ حکمت اور فلسفہ کی طرف ان کی توجہ کم ہوتی ہے

سامی قوموں کی ذہنیت یہ ہے کہ کسی بڑے آدمی کی (جو اس قوم میں بڑا مسلّم ہو) بات کہہ دی جائے تو مانتے ہیں مثلاً ان سے کہا جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یا حضرت نوحؑ نے فرمایا تو وہ قبول کر لیتے ہیں۔ یا ایسا شخص جس سے کرامتیں اور معجزے ظاہر ہو جاویں یا جو پیشین گوئی کرے اور وہ پوری ہو جائے تب اس کی بات مان لیتے ہیں حکمت اور فلسفہ کی طرف ان کی توجہ کم ہوتی ہے۔ اگرچہ بڑے لوگوں کو وہ فلسفہ اور حکمت سمجھاتے ہیں اور اس سے ان کو سمجھ آجاتی ہے مگر عام لوگ ان کے معجزے وغیرہ دیکھ کر مان لیتے ہیں۔ نبوت میں بھی سامی اور حامی قومیں جدا جدا ہیں۔

صابی قوموں کے حکیم ریاضت سے اپنا باطن صاف کر لیتے ہیں۔ اللہ کا الہام ان پر الہام انطباعی ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے دل پہ نقش ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ میرے اندر یہ بات آگئی ہے یا میرا دل مجھے یوں کہہ رہا ہے اور اس سے آگے ان کو اسی بات کا خیال نہ تھا کہ ناگہانی طور پر اس کے دل پر نقش ہو گیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ پھر لوگوں کو اس طرف بلاتے ہیں۔ یہ ذہنیت صابی نبیوں کی ہے۔

سامی نبیوں کی روحانیت اعلیٰ ہوتی ہے۔ وہ ملاءِ اعلیٰ تک پہنچ جاتے ہیں وہاں سے ان کو حکم ملتا ہے کہ یہ بات لوگوں کو سمجھاؤ تو یہ سامی نبی پیدا ہوا۔ اگر ان کو حکم دیا گیا کہ یہ بات سمجھاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ بھی ان کو دیا گیا تو یہ نبی اولوالعزم ہوتے ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کو امداد کا وعدہ بھی دیا گیا ہے۔ اور صابی نبیوں کو امداد کا وعدہ نہیں ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ امداد دے دیتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام بین الاقوامی نبی تھے۔ ان کا پروگرام چلانے کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ سامی قوموں میں ان کا پروگرام زندہ رہا اور چلتا رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی جماعت صابی تھی۔ اس میں بھی اُن کا (نوح) پروگرام چلانے کیلئے انطباعی نبی پیدا ہوئے جو حکمت اور فلسفے سے اس پروگرام کو زندہ رکھتے آئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کے دو اصول تھے۔ ۱۔ ایمان باللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک مان کر اسی کی خالص عبادت کی جائے۔ دوسرا اصول۔ ایمان بالیوم الاخر (آخرت پر ایمان) تھا۔ یعنی دوسری زندگی میں انسان کو اپنے اعمال کی جزا سزا بھگتنی پڑیگی۔ تو اس لیے ان کو چاہیے کہ دنیاوی زندگی میں صالح اور نیک ہو کر رہیں۔ بداخلاقی اور ظلم سے پرہیز کریں۔

حضرت نوح علیہ السلام بین الاقوامی نبی تھے۔ آپ کی نبوت کے دو اصول تھے۔
۱۔ توحید۔ ایمان باللہ
۲۔ آخرت۔ ایمان بالیوم الآخرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اصول سامی قوموں میں رائج کیئے اور انہیں ہر طرح سے اطمینان دلایا۔ پھر ان کی اولاد میں نبوت سلسلہ بسلسلہ چلی آئی۔ اور صابی قوموں میں محققین علماء کی رائے ہے کہ کرشن وغیرہ حضرت نوح علیہ السلام کے اتباع میں سے تھے۔ جب ایک عقل مند ان کے

ان کے اعتقادات کی اچھی طرح تفتیش کرتا ہے [تو معلوم ہوتا ہے کہ] یہ صابی قومیں خدا کو ایک مانتی ہیں اور تقدیر کو بھی مانتی ہیں اور دوسرا جنم بھی مانتی ہیں۔ مگر اس کے بعد برہمن لوگوں نے اور شہوت پرست بادشاہوں نے ان کے دین کو بہت بگاڑا اور ان کی سوانح عمری کو بڑی خراب شکل میں پیش کیا تاکہ انہیں شہوت پرستی کا موقع مل جائے۔

حضرت مظہر جان جاناں "کرشن" کے نبی ہونے کے قائل تھے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ دہلوی اس بات کے قائل تھے کہ کرشن نبی تھا۔ یہ بات کلمات طیبات میں لکھی ہے[1]۔ حاصل کلام حضرت نوح علیہ السلام کی دو شاخیں ہو گئیں ایک سامی قوموں کی جماعت دوسری صابی قوموں کی جماعت۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بین الاقوامی ہے۔

اسیطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الاقوامی نبی تھے۔ ان کی جماعتیں بھی دو شاخوں میں تقسیم ہو گئیں ایک جماعت ملاسفروں کی جو ہر بات اور حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت اور فلسفے سے سمجھاتے ہیں اور نقل (حدیث) بھی ساتھ لاتے ہیں۔ وہ حنفیہ جماعت ہے۔ اسی حنفیہ جماعت نے مشرق میں لوگوں کو دین اسلام خوب سمجھایا۔ چونکہ مشرقی قومیں فلسفہ کی دلدادہ تھیں اسلئے انہوں نے حدیث لانے کے بعد اس کا فلسفہ بھی بیان کیا تو مشرقی قوموں نے اطمینان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

دوسری جماعت شافعیہ ہے جو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار[2] ہیں۔ وہ فقط حدیث یا قرآن کی سند لاکر لوگوں کو سمجھاتے ہیں۔ اس سے سامی قوموں کا اطمینان ہو جاتا ہے کیونکہ وہ فلسفہ کی دلدادہ نہیں ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ دادا کا ذکر کر کے تعلیم دیتے ہیں کیونکہ ان کی ذہنیت یہ ہے کہ بڑے آدمیوں کی تعلیم اچھی ہوتی ہے اور اعلیٰ ہوتی ہے۔ مصر کے لوگ بھی سامی قوم ہیں ان کو سمجھانے کیلئے فلسفے کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وعظ میں فلسفہ بھی بیان کر دیا ہے۔ تاکہ یہ دو عام آدمی جب کسی بڑے ملاسفر کے سامنے[3] یہ وعظ بیان کریں تو فلسفہ کی رو سے اس کا اطمینان ہو جائے۔ [واللہ اعلم بالصواب]

تبلیغ اسلام اور علماء کا رویہ

اب ہمارے علماء پر افسوس آتا ہے کہ وہ دوسری قوموں کے اصلی اعتقاد کی طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ جس قوم نے ہمارے نبی کو نبی نہ مانا اُسے کافر کہہ کر سمجھانا چھوڑ دیتے ہیں۔

۱۔ ہے
۲۔ تابعدار
۳۔ آگے

وعظ و نصیحت اور مناظرہ کیلئے مخاطب جماعت کے اعتقادات و نظریات کا جاننا لازمی ہے۔

اگر قرآن مجید میں غور کرتے تو یہود و نصاریٰ کو کسی اچھے طریقے وعظ کرتے - اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ جب تم مانتے ہو کہ تمہارے نبی نے تم کو وہی اعتقادات - عادات اور اعمال سکھائے ہیں جو ہم سمجھا رہے ہیں تو تمہیں چاہیے تھا جو ہمارے تمہارے درمیان متفق مسائل ہیں ان پر ہم اور تم عمل کریں - تم اصولی باتیں چھوڑ کر اپنے جاہل پیشواؤں کی تابعداری کرتے ہو - اسی طرح ہم بھی ہندوؤں سے کہتے کہ تمہارے اعتقادات اور ارشادات ایک ہی طرح ہیں تو شہوت پرست برہمنوں اور راجاؤں کی کیوں اتباع کرتے ہو اور پھر اپنے بزرگوں پر جھوٹے بہتان کیوں باندھتے ہو - جن بزرگوں پر جھوٹے بہتان باندھتے ہو انہیں مقدس بھی سمجھتے ہو - اسطرح ہم ہندوؤں کو سمجھاتے - اب یہ بات تاریخ سے ثابت ہو چکی ہے کہ صابی نبی جیسے کرشن وغیرہ ہیں - حضرت نوح علیہ السلام کے طریقے پر تھے - کسی قوم کا اصلی طریقہ جانچنے کیلئے یہی ہوتا ہے کہ ان کے سمجھدار لوگوں سے جو اعتقادات سنے جائیں - ان کے سمجھنے کی کوشش کی جائے

کسی قوم کا اصل طریقہ جانچنے کیلئے ان کے سمجھدار لوگوں سے اعتقادات سنکر ان کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے

پھر چاند میں دیکھا تو اس میں بھی تاثیر نظر آئی - اسی طرح کچھ اور ستاروں میں بھی تاثیریں نظر آئیں
پھر یہ سمجھا کہ قحط سالی یا خوشحالی کی تاثیریں ان ستاروں میں موجود ہیں - اس کے بعد یہ
ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بعض سیاروں میں سعادت اور بعض سیاروں میں نحوست
ہے - کیونکہ ستارے ہمیشہ گردش میں رہتے ہیں - جب یہ کسی خاص برج میں جمع ہو جائیں
تو سعادت ہوتی ہے اور اس وقت جو بچہ پیدا ہو ان سب سیاروں کی خاصیت اس میں
آجاتی ہے - پھر اس بچے کی پرستش شروع کر دیتے ہیں اور ستاروں کی انسانی یا حیوانی شکلیں
بنا کر ان کی پرستش کرنے لگے - یہ سلسلہ علم نجوم میں مسلّم ہے -
اس کے بعد یہی عقیدہ اور قوموں میں بھی بڑے زور و شور سے موجود ہے مگر کچھ شکل
بدلی ہوئی ہے - ستاروں کی جگہ فرشتے رکھ دیئے اور فرشتوں کی عبادت کرنے لگے - اس
کے بعد ان اولیاء اللہ کی جن کی فرشتوں سے روحانی نسبت ہوتی ہے - ان اولیاء اللہ
کو پوجنے لگ گئے - یہ مرض تمام مذہبی جماعتوں میں پیدا ہو گیا - یہودیوں نے اپنے نبیوں کی
قبروں کو پوجنا شروع کر دیا - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت نے حضرت مسیح علیہ السلام کو
خدا سمجھ کر اُن کی پرستش شروع کر دی - ہندوؤں میں سناتن دھرمی بھی عیسائیوں کی
طرح اپنے بزرگوں کی شکلیں بنا کر ان کو دیوتاؤں کے نام موسوم کر کے (دیوتا یعنی فرشتہ)
ان کی عبادت کرنے لگ گئے - جیسے رومن کیتھولک عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کا بت بنا کر
اسی کی پرستش کرتے ہیں - مسلمان بھی ان سے متاثر ہو کر اپنے بزرگوں کے مقبروں پر
جھک گئے - اللہ کا نام بھی بھول گیا - جب ایسی حالت ہو گئی تو پیروں گروؤں اور پادریوں
نے اسی کو خوب رواج دیا تاکہ قبروں کے مجاوروں - پیروں - برہمنوں اور پروہتوں کی روزی
کھل جائے اور عام آدمیوں کو یقین دلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی بات نہیں سنتا جب تک یہ لوگ
سفارش نہ کریں - مذہبی لوگوں نے جب یہ پروپیگنڈہ عام کر دیا اور جاہلوں کو اپنے دام میں پھنسا
لیا تو بادشاہوں کو موقع مل گیا کہ رعیت کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیں اور مذہبی
جماعتوں کی مدد سے عام لوگوں کے دلوں پر یہ اثر بٹھایا کہ بادشاہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے اور بادشاہ
ایک چھوٹا سا خدا ہوتا ہے - وہ جو حکم کرے سب کو ماننا چاہیئے ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے -

بت پرستی کو رواج دینے میں مذہبی جماعتوں اور بادشاہوں کا بڑا ہاتھ ہے -

جیسے قبروں کے مجاور یا بت کے پروہت یہی کہتے ہیں کہ ان بتوں اور قبروں پر کوئی چڑھاوا نہ چڑھائے تو اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ یہ چھوٹے خدا ہیں اصل ان کے دربار میں جاؤ پھر خدا تمہاری دعا یا آرزو پوری کریگا۔ اب اسی مذہبی جماعت کے اعتقادات سے بادشاہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بادشاہ اپنے آپ کو اتنا بلند کر دیتے ہیں۔ اپنے وزیروں۔ امیروں کو اتنا بلند کر دیتے ہیں کہ لوگ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہے۔ ان کی رضامندی کے سوا اللہ تعالیٰ کسی کی عبادت اور دعا قبول نہیں کرتا۔ اُمراء زرپرست۔ قارون صفت بھی لوگوں کو یہی سمجھاتے ہیں کہ اللہ ہم پر راضی ہوا تب تو ہم کو دولت دی۔ اسلئے تم ہماری خدمت کرنے سے عار نہ کرو۔ ہمارے پاؤں پڑو اور ہمارے آگے جھک کر سلام کرو۔

عیار لوگوں کی مکاری میں پیروں اور مجاوروں کا تعاون اور اس کی وجہ

بادشاہ ان کے وزیر۔ وکیل اور قارون صفت امیر اور بڑے زمیندار بڑے عقلمند ہوتے ہیں وہ عام لوگوں کے پیروں کی خدمت میں دو زانو ہو کر بیٹھتے ہیں[1] اور انہیں نذر نیاز دیتے ہیں اور جو لوگ کسی قبر کے معتقد ہوتے ہیں تو اس قبر پر جا کر نذر نیاز دیتے ہیں۔ جو لوگ بتوں کے معتقد ہوتے ہیں ان کے بتوں کے آگے کچھ رکھ دیتے ہیں۔ پھر یہ پیر۔ قبروں کے مجاور اور بتوں کے پروہت سب بادشاہ کی تعریف کرتے ہیں اور لوگوں کو سمجھاتے ہیں کہ یہ بادشاہ۔ امیر۔ وکیل یا زرپرست زمیندار بہت اچھا آدمی ہے۔ خدا کا مقبول آدمی ہے یہ پروپیگنڈہ یہ لوگ کرتے ہیں تو عوام بیچارے جو ان بتوں۔ قبروں وغیرہ کے معتقد ہوتے ہیں وہ بادشاہ وغیرہ کو بھی خدا کا درجہ دے دیتے ہیں۔ وہ جتنا بھی ظلم کریں سب کچھ مذہبی خیال کرکے برداشت کر لیتے ہیں

ملکی ذرائع معاش پر ایک خاص طبقے کا قبضہ ظلم کے مترادف ہے

اب حضرت یوسف علیہ السلام کی تقریر زرپرست بادشاہوں پر ہے۔ تو کہہ رہے ہیں کہ یہ حاکم نہیں۔ حاکم فقط اللہ کی ذات ہی ہے۔ ان بادشاہوں سے کیوں ڈرتے ہو۔ اُٹھو اور انقلاب کر دو۔ ان ظالم لوگوں نے تمام ذرائع معاش اپنے ہاتھ میں رکھکر تم لوگوں کو گدھا اور گھوڑا بنا دیا ہے۔ انسانیت سے گرا کر حیوانیت کا درجہ دے دیا ہے اور ان کے اُمراء۔ قبروں کے پیر۔ بتوں کے پروہت ہیں۔ ان کو بھی گرا دو تب جا کر تم انسان بنو گے۔

[1] ہوتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ جن کی تم غلامی کر رہے ہو۔ ان میں کچھ طاقت نہیں وہ تمہاری طاقت کے سبب سے حکومت کر رہے ہیں یا امارت کر رہے ہیں۔ ان میں کچھ غلبہ اور طاقت نہیں۔ جو کچھ ہو صرف تم ہی ہو۔ طاقت بھی تم میں اور غلبہ بھی تم میں۔ یہ بادشاہ ایک بت کی مثال ہے۔ اس کو ضرب لگاؤ گے تو گر پڑیگا۔ یہ ایک نام ہے۔ کسی کا بادشاہ۔ کسی کا وزیر اور کسی کا امیر تم نے رکھ دیا ہے۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ بادشاہی اور حکومت صرف اللہ ہی کی ہے اسی کے ہاتھ میں حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی جیسی فطرت بنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غلامی کے سوا کسی اور کی غلامی برداشت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غلامی کرو اور کسی دوسرے کی غلامی مت کرو۔ تمہاری فطرت بھی یہی چاہتی ہے۔ اللہ کی عبادت کرنا اور اسی کی غلامی میں رہنا یہی دین ہے۔ ہمیشہ رہنے والا اللہ ہے۔ یہ بادشاہ اور امیر آج زندہ ہیں کل مر جائیں گے تو ایسے انسانوں کی غلامی نہیں کرنا چاہیے۔ [1]

حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ ساری تقریر بتا رہی ہے کہ اپنا Idea و نصب العین ظاہر کر رہے ہیں کہ میں مصر میں اسلئے مبعوث ہوا ہوں کہ ظالم بادشاہوں اور زر پرست اُمراء کو برباد کروں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد اُن کے خلیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں وہ بھی اسلئے آئے تھے کہ فرعون صفت اور ھامان صفت۔ قارون صفت لوگوں کو برباد کریں۔ اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام آتے ہیں اور صاف بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ آسمانی بادشاہت کے نمونے کی بادشاہت نہیں چلاتے میں اُن کو برباد کرنے کیلئے آیا ہوں۔ اس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ان انبیاء کا جو کام ادھورا رہ گیا تھا۔ اُس کی تکمیل کرتے ہیں۔

تمام انبیاء دنیا سے شرک مٹانے کیلئے تشریف لائے

اس نظریہ کے اصل بانی حضرت ابراھیم علیہ السلام تھے۔ نمرود کی بادشاہی کے خلاف جہاد شروع کیا اور حضرت ابراھیم علیہ السلام سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ اُن کا نظریہ یہ تھا کہ تمام روئے زمین سے ظالم بادشاہوں اور زر پرست اُمراء کو برباد کریں۔ حضرت نوح علیہ السلام جیسے بڑے نظریے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ سب دین ایک ہے۔ تمام انبیاء ظالم بادشاہوں بت پرست۔ پیر پرست اور قبر پرستوں کو برباد کرنے کیلئے آئے ہیں۔ ان سب کا نظریہ ایک ہے

ا۔ حطیں

[1] قرآن کریم کی مصحفی ترتیب کے مطابق آخری سورت سورۃ الناس کے الفاظ بڑے اہم اور اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس

انسانوں کا رب ہے تو اللہ، انسانوں کا بادشاہ ہے تو اللہ، انسانوں کا الٰہ ہے تو اللہ

یہ سورہ حٰمٓ شوریٰ میں مفصل طور پر اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے ۔ اور ایسی حکومت بنائیں کہ غریب مسکین دولتمند اور بادشاہ ایک لائن پر ہوں ۔ لے یعنی ان سب میں مساوات ہو ایسی حکومت تب پیدا ہو سکتی ہے جب سب کا مشورہ برابر لیا جائے نہ کہ دولتمندوں سے مشورہ لیا جائے اور غریبوں کو پوچھا ہی نہ جائے

> انسانی فطرت ہے کہ وہ جزو سے کل اور واقعہ سے قاعدہ کلیہ بنا لیتا ہے

ان آیات اور اس وعظ میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنا نصب العین بیان کرتے ہیں و۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی نظر اور فکر ایسی بنائی ہے کہ ایک چیز یا واقعہ سے قاعدہ کلیہ بنا لیتا ہے مثلاً ایک شخص نے آم کے درخت کو دیکھا تو اس سے قاعدہ کلیہ بنا لیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس درخت کے پتے اور پھل اس کے مشابہ ہو تو یہ بھی آم کا درخت ہے اور ایک واقعہ دیکھ کر جیسے ایک مریض کو دیکھ کر کہ وہ کسی بڑی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا ہے ۔ اگر کسی دوسرے شخص کو ویسی ہی بیماری میں دیکھے گا تو فیصلہ کر لیگا کہ آخر یہ مر جائیگا تو ایک جزو سے قاعدہ کلیہ نکالا ۔ یہی انسان کی فطرت ہے ۔

اب ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے دو شخص اپنے خواب کی تعبیر پوچھتے ہیں تو اس تھوڑی سی فرصت کو غنیمت جان کر اپنا مقصد اور پروگرام سمجھاتے ہیں ۔ اس ایک واقعہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ساری سوانح عمری معلوم ہو جاتی ہے کہ جب عزیز مصر کے گھر میں تھے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہی کام کرتے ہونگے ۔ اور نہایت دانائی و عقلمندی سے اپنا پروگرام سمجھاتے رہے ہوں گے اور جب عزیز مصر بنے تو بھی ان کا مقصد عزیز مصر بننا نہ تھا بلکہ اپنے پروگرام کو تکمیل کے درجے تک پہنچانے کا ذریعہ سمجھ کر یہی پروگرام سمجھاتے ہوں گے ۔ اور ہمیں تجربے سے معلوم ہے کہ اہل اللہ نہایت عقلمندی سے اپنے پروگرام کی اشاعت کرتے ہیں اور چونکہ بڑے با اخلاق ہوتے ہیں تو بہت سے سمجھدار لوگ ان کے معتقد اور مرید بن جاتے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر میں بہت سے مرید اور معتقد ہو گئے ہوں گے ۔ اور ان کے پروگرام کو عملی صورت میں لانا چاہتے تھے اور اُمراء طبقہ ان سے ناراض تھا ۔ اسلئے انہیں قید میں ڈالا ۔ جیسے ان کے جانشین حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون ۔ ھامان اور قارون قید اور قتل کی دھمکی دیتے ہیں ۔ تو اب ظاہر ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سیاسی قیدی تھے نہ کہ اخلاقی قیدی ۔ اور انہیں

> اہل اللہ نہایت عقلمندی سے اپنے پروگرام کی اشاعت کرتے ہیں ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر سمجھدار لوگ ان کے معتقد اور مرید بن جاتے ہیں ۔ اس سے یہ اصول وضع ہوتا ہے کہ دین عقل اور اخلاق سے پھیلا ہے ۔

لے ۔۔۔۔ میں تو میں اسلئے مبعوث ہوا ہوں ۔

مطلب - لیڈر کے ختم ہو جانے (وفات پا جانے) کے بعد جماعت کمزور ہو جاتی ہے ۔

اس لیئے قید میں ڈالا گیا کہ ان کی جماعت روز بروز طاقتور ہوتی جا رہی تھی جیسے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تجویز سوچی گئی تھی کیونکہ آپؐ کے معتقد بڑھتے جاتے تھے - انہوں نے سمجھا کہ چونکہ جماعت کی بیخ و بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسلئے اگر ان کو قتل کر دیں گے تو ان کی جماعت کمزور ہوتی جائیگی - ایک جماعت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پروگرام خوف سے چھوڑ دیگی اور دوسری جماعت اس لئے چھوڑ دیگی کہ اب تک انقلابی پروگرام کامیاب نہیں ہوا تھا - جتنا ان کے ہاتھ میں ہوگا صرف اتنے (پروگرام) ہی کی اشاعت کرتے رہیں گے - آخر ختم ہو جائیں گے کیونکہ یہ پروگرام ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا ۔ انقلابی لیڈروں کی گرفتاری اور قتل کرنے کا راز بھی یہی ہے - کیونکہ وہ روز بروز نئی تجویزیں سوچ کر اپنے پیروکاروں[1] کو آگے بڑھاتے رہیں گے جیسے مثل مشہور ہے

ــ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی

اَلْکَلَامُ مَا قَلَّ وَدَلَّ

آیت نمبر ۴۱ ۔ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ۝

قیدیوں کے خواب کی تعبیر -

ترجمہ ۔ اے قید خانے کے رفیقو! ایک جو ہے تم دونوں میں سے سو پلائیگا اپنے خداوند کو شراب اور دوسرا جو ہے سو سولی دیا جائیگا ۔ پھر کھائیں گے پرندے اُس کے سر میں سے ۔ فیصلہ ہوا اُس کام کا جس کی تحقیق تم چاہتے تھے

مطلب ؛ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنی تبلیغ اور اپنا پروگرام مفصل طور پر انہیں سمجھا چکے اور حضرت یوسف علیہ السلام سمجھ چکے کہ میری تبلیغ اور پروگرام ان کے ذہن نشین ہو گیا ہے تو اب فارغ ہو کر ان کے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہیں کہ ایک جس نے دیکھا کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں وہ تو چھوٹ جائیگا اور جا کر اپنے پہلے کام پر مامور ہو جائیگا

[1] تابعداروں

اور اپنے سردار کو شراب پلاتا رہیگا کیونکہ مصری محاورے میں سردار۔ بادشاہ کو رب کہتے ہیں اسلئے یہاں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے رب کا لفظ استعمال کیا اور دوسرے سے کہا کہ تیرے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں سولی پر لٹکایا جائیگا اور بہت دن لٹکے رہوگے اور پرندے تمہارے سر کو نوچ نوچ کر کھاتے رہینگے یہ تمہارے دونوں کے خوابوں کی جدا جدا تعبیر ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو قیدیوں کے مقدمہ کے بارے الہامی طور پر اطلاع دی گئی تھی۔

ہمارے خیال میں جملہ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ۔ ان کے خوابوں کی تعبیر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو الہام کے طور پر معلوم ہو گیا تھا۔ جس وقت تعبیر کر رہے تھے حکومت ان کے مقدمے پر غور کر رہی تھی جس وقت آپ نے تعبیر ختم کی تو حکومت نے بھی یہی فیصلہ صادر کیا تھا۔ آخر میں ان دونوں کو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام کے طور سے سمجھا دیا ہے کہ تمہارے مقدمے کا فیصلہ اسیطرح ہو چکا ہے جیسے میں نے تعبیر کی ہے۔ تو یہ الہامی جملہ ہے جو ان دونوں قیدیوں کو بتا دیا کہ ابھی یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس فیصلے کی خبر مجھے الہامی طور دی گئی ہے

آیت نمبر ۴۲۔

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ٥۔

ترجمہ:۔ اور کہہ دیا یوسفؑ نے اُس کو جس کو گمان کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں۔ میرا ذکر کرنا اپنے خداوند کے پاس۔ سو بھلا دیا اُس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خداوند سے پھر رہا قید میں کئی برس۔

اچھے موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر اختیار کی کہ یہ ساقی میرا تذکرہ بادشاہ تک پہنچائے تاکہ اصل صورتحال واضح کرکے نجات حاصل کر سکوں

مطلب:۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قیدی کو جس کو بشارت دی تھی فرمایا کہ میرا ذکر بادشاہ کے ہاں کر دینا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی نجات کی تدبیر سوجھی اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ ادنی سے ادنی تدبیر کو نہیں چھوڑتے اور علل واسباب کو معطل نہیں کرتے۔ اس عالم شہادت میں عادۃ اللہ یہ ہے کہ علل واسباب کے راستے سے اللہ تعالیٰ کی عنایت اور رحم اور فتح

حاصل کرنا ضروری ہے جیسے ابر سے برسات ہوتی ہے - اب زور سے برس پڑا ہے یہ دُعا کا اثر ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی نجات کیلئے یہ تدبیر سوجھی اور اس قیدی کو کہہ دیا کہ میری یاد دہانی بادشاہ کے حضور میں کر دینا - یہ تو ظاہر ہے عزیز مصر کے حضرت یوسف علیہ السلام بیٹے (متبنیٰ) سمجھے جاتے تھے - اور وزارت کا کام سنبھالتے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کی رسائی اور شناسائی بادشاہ سے تھی - جب حضرت یوسف علیہ السلام کا نام بادشاہ سنیگا تو ان کے اوصاف حمیدہ - عقلمندی اور معاملہ فہمی کی قدر کر کے اُنہیں اپنے پاس بُلالیگا اور آزاد کردیگا اور اپنا مصاحب بنالیگا -

عقلمند لوگ موجودہ اسباب وسائل کام میں لاتے ہوئے مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے ہیں -

حضرت یوسف علیہ السلام کے مقدمہ کے بارے مولانا لغاری رح کی رائے

ہماری رائے میں حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ جھوٹا مقدمہ بنا کر امیروں نے اُسے قید کرادیا تھا - اور پولیٹیکل جرم میں جیل بھیج دیا تھا - اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر بادشاہ کے ہاں آجاتا تو ان امیروں - جاگیرداروں کی خیر نہ تھی اسلئے ساقی کو منع کرتے رہے کہ اس کو بھلادو - یا خود بخود ساقی ذکر کرنا بھول گیا - جب انسان ناز اور نعمت میں آجاتا ہے تو دکھ اور رنج : کو بھلادوں کو بھول جاتا ہے - تو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے مشفق اور ہمدرد کو بُھلا دیا -

حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

توراۃ میں آتا ہے کہ جیل کا افسر حضرت یوسف علیہ السلام پر مہربان ہوگیا اور جیل کے اندر کا کام حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو حضرت یوسف علیہ السلام قیدیوں سے بڑے ہمدرد اور مہربان تھے - سب کی ہمت بڑھاتے - تسکین اور تسلی دیتے رہتے تھے -

اب اس آیت کا دوسرا مطلب بیان کرنے سے پہلے چند باتیں بیان کی جاتی ہیں - ان پر غور کرنے سے اس آیت کا مطلب واضح ہو جائیگا - قرآن شریف میں آتا ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا - اس (آیت) کا مطلب یہ ہے کہ میرے احکام اور کتاب اللہ کو یاد کرتے رہو اور میری کتاب کے احکام لوگوں کو سناتے رہو - لفظ میں ہے مجھے یاد کرتے رہو اور مطلب ہے کہ میرے احکام کو پوری پوری طرح یاد کرتے رہو کبھی نہ بھلاؤ -

قرآن کی فصاحت و بلاغت کے چند نمونے

اگر بھلا دو گے تو میں تم کو بھلا دوں گا۔ پھر جہان میں خوار ہو جاؤ گے اور دوسری جگہ ہے کہ
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح ۹۴:۴) ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا ہے۔ یہاں ذکر سے مراد

ذکر کا ایک مفہوم — کتاب اللہ — احکام الٰہی۔

کتاب اللہ ہے۔ یعنی قرآن شریف کی آیات کو تمام قصیدوں اور شعروں سے بہت بلند کر دیا
فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے تمام کلاموں سے چوٹی کا کلام ہے۔ اقوام عرب اسے پڑھ کر
بہت خوش ہوتے تھے اور شاعروں نے شعر کہنا چھوڑ دیئے کیونکہ اس کلام کے مقابلے میں
وہ ہیچ ہوتے اور کچھ بھی قدر نہ رکھتے تھے۔ قصیدوں کے سبب سے شاعروں کے نام بلند
ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ فلاں شاعر نے یوں کہا۔ جب قرآن شریف نازل ہونے لگا تو
قرآن شریف فصاحت اور بلاغت کی رو سے اتنا بلند اور اعلیٰ درجے کا تھا کہ عرب کے
لوگ موافق ہوں خواہ مخالف۔ اس کلام کو پڑھ کر سب محظوظ ہوتے تھے تو اس سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی بلند ہوتا تھا۔ اور ایک آیت ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ حشر ۵۹:۱۹

ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ پھر اللہ نے بھلا دیا اُن کو
ان کے نفسوں سے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ انہوں نے احکام الٰہی بھلا دیئے اور اغراض دنیا میں لگ
گئے تو اُن کو اپنے نفسوں کی بھلائی بھی بھول گئی۔

اوپر بیان کردہ آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ
کے احکام یاد کرنا ہے اور اللہ کو بھلانا سے مراد اللہ کے احکام کو بھلانا ہے۔

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام اس قیدی سے کہہ رہے ہیں جو چھوٹنے والا تھا کہ
اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ ۔ تو اس کا مطلب ہم یوں لیں گے کہ حضرت
یوسف علیہ السلام اُس سے کہہ رہے ہیں۔ اس تبلیغ کا بادشاہ کے ہاں ذکر کرنا کیونکہ
بادشاہ عقل مند ہوتے ہیں (ممکن ہے) میری اس نصیحت سے فائدہ اُٹھائے اور دنیا و آخرت میں
کامیاب ہو جائے۔

انبیاء علیہم السلام اپنے پروگرام کو اپنی جان و مال عزت و آبرو پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد وحید پروگرام کی کامیابی ہوتا ہے

اعلیٰ سیاسی مقدمات میں سربراہ مملکت کی تحریری یا زبانی منظوری لازمی ہوتی ہے

پیغمبروں کو اپنی جان و مال اور عزت و آبرو سے زیادہ خیال اس بات کا ہوتا ہے کہ اُن کا پروگرام لوگ سمجھ جائیں سمجھ کر اس پر عمل کریں جس سے انسانی سوسائٹی کو فائدہ پہنچے - یہی خیال حضرت یوسف علیہ السلام کو دامن گیر تھا -

میرے خیال میں اُنہیں اپنی نجات کا راستہ ڈھونڈنا مقصود نہ تھا بلکہ احکام الٰہی کی تبلیغ کرنا مقصود تھی - اس ضمن میں شاید حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر بھی آجائے - یہ تو ظاہر ہے حضرت یوسف علیہ السلام وزارت کے درجہ تک پہنچ گئے تھے اور بڑے وزیر تھے - وزیروں کو قید کرنے کیلئے بادشاہ کے دستخط یا رضامندی ہونی چاہیے - کیا خبر اُن کے ہاں مقدمہ چلا ہو -

سیاسی[1] لوگوں کے مقدمے اور گواہ خفیہ جگہ پر لئے جاتے ہیں اور ملزم کی طرف سے ایک وکیل بھی بنا دیا جاتا ہے اور مقدمہ ان کی غیر حاضری میں چلا کر فیصلہ[2] دیا جاتا ہے پھر اگر باعزت ہوتا ہے تو بڑی عزت کے ساتھ قید میں ڈال دیا جاتا ہے[3] تاکہ لوگوں میں شورش نہ ہو - حضرت یوسف علیہ السلام سیاسی طور پر بھی بڑے با اثر تھے اور با اخلاق تھے پھر بڑے عہدے پر تھے - اگر ان پر ظاہر طور پر مقدمہ چلاتے تو ان کے معتقد جو بڑی تعداد میں تھے - مقدمہ میں بلوا کرا دیتے - اسلیئے خفیہ مقدمہ چلایا جس کی خبر نہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تھی اور نہ ہی ان کے معتقدین کو تھی - پھر بالا بالا اُنہیں قید خانے میں ڈال دیا - اس مقدمے کی خبر تو صرف بادشاہ اور اس کے مصاحبین کو تھی کسی اور کو ذرہ بھر خبر نہ تھی - تو اب حضرت یوسف علیہ السلام اُس چھوٹنے والے قیدی سے کہتے ہیں کہ میرا ذکر بادشاہ سے کر دینا - یہ معنی تو سیاسی لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا اسلیئے ضرور کہا جائیگا کہ اس قیدی کو سمجھایا کہ میری اس نصیحت کا ذکر بادشاہ سے کر دینا کہ اُن کا اصلی جُرم معلوم ہو جائے - بس اس سے زیادہ ہم نہیں سمجھ سکتے - شاید اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نجات کا رستہ کھل جاتا جیسے عام مفسرین کہتے ہیں اور نہ یہ معنیٰ ہے کہ میرا نام بادشاہ کو بتا دینا -

۱ - پولیٹیکل

۲ - فتویٰ -

۳ حضرت یوسف علیہ السلام ایک بہت بڑا سیاسی لیڈر تھا -

حاصل مطلب : حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے کہہ دیا کہ میری تبلیغ کسی مناسب وقت جب بادشاہ متوجہ ہو تو کر دینا - بادشاہوں اور امیروں کا قاعدہ ہے کہ فرصت کے وقت مصاحبین سے کہتے ہیں کہ کوئی عجیب واقعہ سناؤ - تو اس سے کہا کہ ایسے وقت نصیحت کر دینا - اب اسی قیدی سے نصیحت کرنا بھول گیا اور اس کے بھلانے کیلئے شیطانوں کی امداد ملتی رہی - اس جگہ شیطان سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈالنے کیلئے کوشش کی تھی - ایسا کوئی بڑا شیطان بادشاہ کے مصاحبوں میں تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی نصیحت بادشاہ کو سنانے سے روک رہا تھا اور وہ ہمیشہ اسی قیدی کو سمجھاتا رہا کہ اس کا ذکر بادشاہ کے ہاں مت کرنا شاید وہ دباؤ بھی ڈالتا ہو گا تو اس قیدی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نصیحت دل سے فراموش کر دی یا بھلا دی -

حکام بالا تک اصل حقائق پہنچ جائیں تو انصاف کی توقع کی جا سکتی ہے - مگر ظالم لوگ اور شیطان صفت حکام لوگوں کو حکام بالا تک پہنچنے نہیں دیتے

قرآن مجید کی آیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے اگر وہ قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کی نصیحت بادشاہ کے سامنے بیان کرتا تو اصل مقدمہ کی بادشاہ کو اطلاع ہو جاتی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نہ اخلاقی مجرم ہیں نہ سیاسی مجرم ہیں - بلکہ ایک مذہبی آدمی ہیں اور مصلح ہیں امیروں کے ظلم سے رعیت کو نجات دلانا چاہتے ہیں - سلطنت کے مخالف نہیں بلکہ خیر خواہ ہیں - امیروں کے ہاتھ سے ظلم بند کرانا چاہتے ہیں کیونکہ امیر لوگوں نے خدا بن کر لوگوں کو غلامی میں جکڑ دیا ہے - تو بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام سے خوش ہو جاتا - شیطانوں کو یہ بات پسند نہ تھی کہ ان کے عیش و عشرت میں خلل ڈالنے والے سے بادشاہ خوش ہو - چونکہ اس قیدی نے کبھی اس نصیحت کا ذکر ہی نہ کیا - اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام سات سال تک قید میں رہے

بضع سنین - بضع کے لفظ کا معنی چند سال ہے - بضع کا لفظ تین - پانچ اور سات کیلئے بولا جاتا ہے - اگر یہ عدد کسی دہائی پر لگائے جائیں تو بھی بضع کہا جاتا ہے جیسے بضع وعشرون - بضع وثلاثون - تو اکثر مفسرین نے بضع سے مراد سات سال لئے ہیں اور یہی صحیح ہے - کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کی پاداش اور سزا میں مصر پر

سات سال قحط نازل ہوا جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پروگرام کی تکمیل ہو گئی - یہی اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ نا امیدی کے وقت اللہ تعالیٰ پیغمبر کو امداد دیکر کامیاب بناتا ہے -

اگر وہ قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کا پیغام بادشاہ کو جا کر پہنچاتا اور وہ نصیحت (جو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمائی تھی) لفظ بلفظ بادشاہ کو سنا دیتا تو شاید حضرت یوسف علیہ السلام (کے مقدمہ) کی حقیقت بادشاہ کو معلوم ہو جاتی اور حضرت یعقوب علیہ السلام جو اپنے ملک کے سوشل بادشاہ تھے - اُنہیں خوش کرنے کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید سے آزاد کر کے اپنے باپ کے پاس بھیج دیتا - اور حضرت یوسف علیہ السلام کا پروگرام جس کیلئے وہ مصر بھیجے گئے تھے نامکمل اور ناقص رہ جاتا - یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ وہ بادشاہ کا وہ مصاحب (بڑا شیطان) جس نے قید کا یہ سارا منصوبہ بنایا تھا - اس قیدی پر زور دیتا رہا کہ تم اس کو بھلا دو اور بادشاہ کے آگے مت بیان کرو - اس شیطان آدمی کو اپنی فکر تھی کہ اگر بادشاہ تک بات پہنچ گئی تو اُس نے جو جھوٹا مقدمہ تیار کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرایا تھا - اس کا راز فاش ہو جائیگا اور بادشاہ اُسے اور اس کے ساتھ شامل دیگر "معززین" کو قید میں ڈال دے گا

ہمارے مفسرین نے قسم کھا رکھی ہے - جہاں شیطان کا لفظ آتا ہے وہاں وہ شیطان (ابلیس) مراد لیتے ہیں جو انسان کا خفیہ دشمن ہے - ہم مانتے ہیں کہ وہ خفیہ طاقتیں بھی موجود ہیں جنہیں ہم ملائکہ مانتے ہیں وہ اچھے الہام نیک لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں اور جنہیں ہم شیطان کہتے ہیں وہ بُرے الہامات بُرے لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے تو زمین پر شیطان[1] وہی بدمعاش لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں اصل شیطان کے وسوسے ڈالے ہوتے ہیں (۔۔۔)[2]

جس طرح زمین پر ملائکہ[2] اولیاء اللہ ہوتے ہیں - تو یہاں غور کرنا چاہیے کہ اس جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملے میں وہ شیطان کس کو الہام کرتا ہے - جس کو وہ بڑا شیطان الہام کریگا اس کو شیطان کہا جائیگا اور فلسفہ ملائکہ اور شیاطین پر غور کرنے والے لوگوں کے ہاں یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ شر اور خیر کے دو منبع ہونے چاہئیں - جو چیز اللہ تعالیٰ

---

[1] شیطان سے مراد یہاں شیطان صفت انسان ہیں -
[2] ملائکہ سے مراد یہاں ملائکہ صفت انسان ہیں -

۱ - نجات دیکر
۲ - تو زمین میں شیطان وہی لوگ ہوتے ہیں

کائنات کی ہر شے میں انسان کیلئے خیر ہی خیر ہے اور اس میں ذاتی شر نہیں شر نسبتی ہے - اگر اس کا استعمال خلاف فطرت ہو تو شر بن جاتا ہے

نے پیدا کی ہے وہ سب خیر ہی خیر ہے اور اس میں انسانوں کے بہت فائدے ہیں - شر نسبتی ہوتا ہے
مثلاً لوہا خیر ہی خیر ہے اور اس میں انسانوں کے بہت سے فائدے ہیں - اگر انسان کو اس
سے قتل کر دیا جائے تو وہی لوہا شر بن جاتا ہے - شیطانی قوت اپنی جگہ پر خیر ہی خیر ہے
اس میں کوئی شر نہیں کیونکہ وہ قوت حیوانی کاموں میں مدد دیتی ہے اور ملکی قوت
سے اس کی ٹکر ہو جائے تو شر بن جاتا ہے تو شر نسبتی ہوا نہ کہ حقیقی ہے

مثال کے طور پر شہوت ایک شیطانی قوت ہے - اور غصہ سے انسان دوسرے سے
لڑتا ہے یہ بھی شیطانی قوت ہے - مگر یہی شہوت جب اولاد پیدا کرنے میں استعمال
ہوتی ہے تو خیر ہی خیر ہے - اگر بے جا استعمال ہو تو شر ہے - اسی طرح اگر ناجائز فعل پر غصہ
آئے اور ظلم کو دور کرنے کیلئے لڑا جائے تو خیر ہے ورنہ فساد کی صورت میں شر ہے
تو مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملے میں شیطان کوئی آدمی ہی ہے جو اُس
قیدی کو منع کر رہا ہے کہ یہ بات مت کہنا اور اس بات کو بھلا دو - وہ شیطان آدمی
اس قیدی کو سمجھاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ نصیحت ایک انقلابی بات ہے
اگر تم بادشاہ کو بتاؤ گے تو بادشاہ کو یہ گمان پیدا ہوگا کہ تم بھی اسی انقلابی پارٹی
کے ممبر ہو جس سے وہ تم کو نقصان پہنچائے گا اور تم بھی قید میں چلے جاؤ گے

آیت نمبر 43 -

بادشاہ مصر کا درباریوں سے خواب بیان کرنا -

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ
وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ط يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ
إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ۝

ترجمہ : اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی
اُن کو کھاتی ہیں سات گائیں دُبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی - اے
دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے لگے -

relative ے
real ے

اسماء وصفات کا ایک مفہوم

جو کمالات کسی چیز کے اندر ہوں اُنہیں "اسم" اور اس سے باہر نکلنے والا اثر "وصف" کہلاتا ہے۔

مطلب: خواب میں جو کچھ دکھا دیا جاتا ہے اور نیند میں جو واقعات دکھائے جاتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہوتی ہے۔ اس کو کھول کر بیان کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات بے انتہا ہیں اور سب کمالات مکمل ہیں۔ کوئی اس میں نقص نہیں یعنی اس کی تکمیل کیلئے کسی چیز کا انتظار نہیں ہے۔ ہر ایک کمال اتنا وسیع ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں اور بڑی طاقت والا ہے۔ اس کی قدرت کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔

جو کمالات جس چیز کے اندر ہوں اُس کو اسم کہا جاتا ہے اور جو اس کا اثر باہر نکلے اس کو وصف کہا جاتا ہے۔ آگ کے اندر گرمی اور سورج کے اندر روشنی۔ یہ ان کے اسم ہیں اور جو آگ کی گرمی دوسری چیز کو گرم کرتی ہے اُس کو آگ کا وصف کہا جائیگا اور جو نور سورج سے باہر نکل کر جہان کو روشن کرتا ہے۔ یہ اس کا وصف ہے۔ اس قاعدے کو یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے سب کے سب کمالات کامل ہیں اور اس کی قدرت بھی نہایت کمال درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کمالات کے اثرات بھی ظاہر ہونگے۔ اپنے کمال قدرت سے چند کمالات کو ظاہر کرنا مقصود تھا تو ایک چیز پیدا کی جس کو صوفیاء کرام "شخص اکبر" کہتے ہیں۔

اصطلاح "شخص اکبر" کی تشریح۔

اسطرح بیان کرتے ہیں کہ تمام زمین۔ آسمان۔ ملک، فلک۔ عرش، کرسی سب کو ملا کر ایک شخص سمجھو۔ اس شخص کو شخص اکبر کہتے ہیں۔ وہ شخص اکبر کُن سے یا حکم سے پیدا ہوا ہے۔ اس کا پہلے مادہ کوئی نہ تھا۔ پھر اس پر تجلیات الٰہی پڑنے لگیں تاکہ یہ شخص اپنے کمال کو پہنچے۔ اس میں تغیر ہوتا رہا۔ کبھی وہ پانی کی شکل میں تھا پھر وہ عناصر لطیف میں تبدیل ہوا۔ اس پر قیاس کرو۔ اس میں سب قوتیں۔ عقلی، خیالی۔ وہمی پیدا ہوگئیں۔ تمام عقل جو اس جہان میں دیکھتے ہو وہ شخص اکبر کی قوت عقلیہ کے ٹکڑے ہیں اسیطرح قوت خیالی جو آسمان و زمین حیوانات اور انسانوں میں پھیلی ہوئی ہے وہ سب شخص اکبر کی قوت خیالیہ کے ٹکڑے ہیں # جو چیزیں شخص اکبر کی قوت عقلیہ سے پیدا ہوتی ہیں ان کو عالم ارواح کہا جاتا ہے اور جو چیزیں شخص اکبر کی قوت خیالی سے پیدا ہوتی ہیں اُن کو صوفیاء کرام عالم مثال کہتے ہیں

اصطلاح "عالم ارواح" اور "عالم مثال" کی تشریح۔

اصطلاح طبیعت الکل کی تشریح

قرآن مجید میں اسی کیلئے "سماء" کہا گیا ہے۔ اس عالم مثال کے سات طبقے ہیں ہر ایک طبقہ بڑا وسیع ہے اور شخص اکبر میں ایک طبیعت ہے۔ اسی کو "طبیعت الکل" کہا جاتا ہے۔ اس کی طبیعت کے تقاضے سے عالم عناصر پیدا ہوا۔ اس عالم عناصر کو عالم شہادت کہا جاتا ہے دوسرے لفظوں میں اسی کو دنیا جہان کہا جاتا ہے۔ شخص اکبر کی قوت عقلیہ سے جو عالم ارواح پیدا ہوتا ہے۔ اس کی کوئی شکل نہیں ہوتی اور جب وہ عالم مثال میں آتا ہے تو اس کی شکل شباہت۔ طول۔ عرض۔ عمق پیدا ہوجاتا ہے مگر مادہ نہیں ہوتا۔ جیسے ایک شخص کو قوت عقلی نے مجبور کیا کہ مکان ضرور ہونا چاہیے تو اس وقت اس کی کوئی شکل نہیں ہوتی پھر جب وہ مکان اس شخص کی خیالی قوت میں آتا ہے تو اس میں طول و عرض وغیرہ پیدا ہوجاتے ہیں۔ پھر اس شکل کو کاغذ پر بناتا ہے۔ اگر اس قوت خیالی کے برابر نہیں ہوتا تو اس کو مٹا کر دوسری شکل بناتا ہے جو اس کے خیال میں تھی۔ اس کے بعد کسی انجینئر کو دیتا ہے کہ وہ مکان بنوا دے۔ انیٹیں وغیرہ جمع کرتا ہے۔ انیٹیں وغیرہ کو عالم عناصر سمجھو اور اس کے آگے جو خیالی نقشہ اور کاغذ کا نقشہ ہے اس کو عالم مثال سمجھو۔

جس چیز کو اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے تو شخص اکبر کی قوت عقلی پر تجلی پڑتی ہے۔ اس کی روحانیت پیدا ہوجاتی ہے۔ زمین پر انبیاء علیہم السلام اور آسمان پر ملاءِ اعلیٰ بھانپ جاتے ہیں کہ اس چیز کی روحانیت پیدا ہوگئی ہے اور جب وہ چیز عالم مثال میں آگئی تو اس کو اولیاء کرام یا ملائک سمجھ جاتے ہیں کہ عالم عناصر میں یہ چیز پیدا ہونے والی ہے۔ پھر عالم مثال سے دوسرے طبقے میں آتی ہے۔ پھر تیسرے درجہ پر۔ اس طرح جن شخصوں میں عالم مثال کے جس درجے پر پہنچنے کی طاقت ہوتی ہے۔ ان کو وہ مثالی شکل نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ عالم مثال کے نچلے طبقے میں جس سے آگے عالم عناصر ہے۔ وہ چیز پہنچ جاتی ہے تو تیز طبع لوگوں یا جن کو اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس چیز کے بعض

اوصاف جو عالم عناصر کی چیزوں سے پائے جاتے ہیں۔ اس شکل میں اسکو دکھائی دیتے ہیں جیسے کسی نے دیکھا کہ میں خنزیر کا شکار کر رہا ہوں یا خنزیر کا گوشت کھا رہا ہوں تو عقلمند تعبیر کرنے والا سمجھ جائیگا کہ یہ ایسا کام کرنیوالا ہے جو تمام مذاہب میں ناجائز ہے۔ اسی طرح کی دیگر سب مثالیں ہیں۔ کوئی کسی مقدمہ میں پھنسا ہوا ہے تو جس زندہ یا مردہ شخص سے اُسے اعتقاد ہو تو اس کے ذہن میں اُس شخص کی شکل بن جائیگی تو اُس شکل سے اُس شخص کو تسلی دی جائیگی یا ڈرایا جائیگا۔

مصر پر قحط سالی حضرت یوسفؑ کے پروگرام نہ ماننے اور انہیں قید میں ڈالنے کی سزا کے طور آئی تھی جس سے نجات کی تدبیر خود انہوں نے بتائی۔

یہ خواب کی حقیقت ہے۔ اب بادشاہ کو ہمیشہ اپنے ملک کی خوشحالی کا خیال دامن گیر رہتا ہے۔ اور رعیت کی خوشحالی سے اُسے خوشی ہوتی ہے اور اس کی بدحالی سے ناخوشی ہوتی ہے۔ اسلئے بادشاہ مصر کی بھی یہی حالت تھی۔ اُسے نیند میں دکھایا گیا۔ خوشحالی موٹی گائیں کی اور قحط سالی کی شکل لاغر گائیں کی شکل میں دکھائی گئی اور دکھایا گیا کہ وہ لاغر گائیں موٹی گائیوں کو کھا رہی ہیں۔ دریائی زمینوں میں کاشتکاری بیلوں سے ہوتی ہے تو خوشحالی اور قحط سالی گائیوں کی صورت میں آئی۔ سات بالیاں سبز اور سات خشک اسلئے دکھائی گئیں کہ ان سے قحط سالی دور کرنے کی تجویز بتائی گئی۔ یہ اشارے تھے کہ بادشاہ اور اس کی رعیت سمجھ لیتی تو قحط سالی کی آفت سے بچ جائیں گے۔ قحط سالی کے یہ سات سال اسلئے نازل ہوئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا پروگرام قبول نہ کیا گیا تھا بلکہ انہیں قید میں ڈال دیا گیا تھا۔

انبیاء کے پروگرام سے روگردانی کرنے سے قحط سالی جیسے عذاب نازل ہوتے ہیں اور لوگوں کی معیشت تنگ ہوجاتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سال شعب ابی طالب میں قید کرنے اور پروگرام نہ ماننے کی سزا کے طور پر عرب پر تین سال قحط سالی کے آئے آپؐ ہی کی دعا سے قریش اور اہل عرب کو قحط سالی سے نجات حاصل ہوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے قریش نے مقاطعہ کیا تو ابوطالب سب بنی ہاشم کو لیکر شعب ابی طالب میں (جو آج تک اس نام سے مشہور ہے) جُدا ہو کر بیٹھ گئے اور قریش نے ان کے نکلنے کے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت نے تین سال قید میں گذارے۔ اس کی (پاداش) سزا میں قریش بلکہ تمام عرب پر تین سالی قحط سالی کے ایسے آئے کہ شریف لوگوں نے مردار کھائے اور ہڈیاں پیس پیس کر کھائیں آخرکار رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ قحط سالی دور ہونے کی دعا فرمائی۔ آپؐ کی دعا سے قحط سالی دور ہوگئی

حاصل کلام : حضرت یوسف علیہ السلام قید میں رہ کر مایوسی کی حالت پر پہنچ گئے۔ مایوسی اسلیئے ہوئی
کہ قید میں بیٹھے ہیں اور جو کام اُن کے سپرد تھا اس کی انجام دہی اور تکمیل کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی
وہ پروگرام کب پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ اُن کو بڑا غم تھا کیونکہ وہ خدا کا سپرد شدہ کام تھا۔
اُسے سرانجام دینا ضروری تھا۔ اپنی جان اور عزت کا کوئی خیال نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو منظور یہی تھا
کہ قید سے رہائی بھی ہو اور کسی کا احسان بھی اس پر نہ ہو بلکہ مجبور ہو کر مصر کے لوگ انہیں رہا
کر کے اپنا سردار بنائیں۔ اگر اُس قیدی کی وجہ سے رہائی ہوجاتی اور پھر بادشاہ بھی بن جاتے
تو ایک آدمی کا احسان ان کے گلے پڑجاتا اور ہمیشہ اپنا احسان جتلاتا رہتا۔ اسلیئے حضرت یوسفؑ
کی خلاصی کی ایسی تدبیر ہوئی کہ کسی کا احسان نہ ہو بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا احسان
ہو کہ انہوں نے اُن کی جان بچائی۔

اہل مصر پر حضرت یوسفؑ کا احسان تھا کہ انہوں قحط سالی سے بچنے کی تدبیر نکالی اور لوگوں کو اس کے اثرات سے بچالیا۔

مدینے کے لوگوں کو یہودی اقتصادی طور سے کھا رہے تھے۔ اُن سے سود در سود
قرض لینے سے اُن کی زمینیں اور آبروئیں برباد ہو رہی تھیں۔ مدینے کے لوگوں نے اپنی خوشی
سے اسلام لاکر اپنی بہبودی۔ خوشحالی اور عزت اس میں سمجھی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم
اور اُن کی جماعت کو مکے سے بُلا کر مدینہ منورہ میں آباد کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ
احسان تھا کہ انہوں نے مدینہ منورہ کو اپنا شہر بنایا (یہ اہل مدینہ کی التجا تھی)۔ مدینہ منورہ
دارالسلطنت بن گیا تو روئے زمین کے خزانے اور نیک لوگ وہاں آکر اکٹھے ہوگئے
ہمیشہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنا احسان انصار لوگوں کو جتلاتے تھے کہ ایک تو تم
میرے سبب سے گندے۔ غلیظ عقائد اور رسوم سے بچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور لوگوں
کے ظلم سے نجات دی اور اقوام عالم میں تمہاری سرداری اور فضیلت قیامت تک
قائم رہیگی اور آئیندہ تاریخوں میں تمہارے کارنامے جلی حروف میں لکھے جائیں گے۔

اہل مدینہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ کو اپنا شہر بنایا۔ روئے زمین کے خزانے (علمی و دنیاوی) اور نیک لوگ وہاں جمع ہوئے۔ وہ لوگ گندے عقائد و رسوم سے بچ گئے۔ اقوام عالم کی سرداری و فضیلت ملی اور ان کے کارنامے تاریخ میں ہمیشہ جلی حروف سے لکھے جائیں گے

اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی مصر کے لوگوں کو بدعادتوں۔ ظلم اور قحط
سالی سے نجات دلوائی اور حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ احسان ہمیشہ تاریخ میں مذکور رہیگا
اب بادشاہ خواب دیکھتا ہے کہ سات موٹی گائیں اس کو نظر آئیں اور سات لاغر

گائیں اسکو دکھائی گئیں - وہ لاغر گائیں موٹی گائیوں کو کھا رہی تھیں - سات بالیاں سبز اور سات
خشک اس کے پیش کی گئیں - اس کو دیکھنے سے ایک قسم کی وحشت اس کے دل میں آ گئی -
اس سے وہ سمجھ گیا کہ مصر میں کوئی آفت آنے والی ہے - اس کے قلب پر ایک قسم کا اثر پڑا
اس نے نیند سے بیدار ہو کر بڑے بڑے پیشواؤں اور عقل مندوں کو جمع کرنے کا حکم دیا - جب سب
لوگ جمع ہو گئے تو اس نے اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ اس کی تعبیر بتاؤ کہ یہ چیزیں مجھے
کیوں دکھائی دیں - اس کا مطلب (تعبیر) کیا ہے اور مجھ سے اللہ تعالیٰ کیا چاہتا ہے کہ میں
کیا کام کروں - تم بڑے پیشوا ہو مذہبی پیشوا ہو اور یہ دربار والے بڑے عقلمند وزراء ہیں
ان خوابوں کی تعبیر بتاؤ -

آیت نمبر 44 قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ

فرعون کا درباریوں سے اپنا خواب بیان کرنا اور تعبیر معلوم کرنا -

ترجمہ: بولے یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں -

مطلب: بادشاہ کی طبع میں اس خواب سے ایک قسم کی دہشت سی آ گئی تھی اور بے اطمینانی
اور پریشانی پیدا ہو گئی تھی - کھانے پینے اور سونے کی طرف اس کی توجہ ہی نہ ہوتی تھی - یہ
سب تدبیر الٰہی تھی - اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ مصر کے لوگ اس سے بچ جائیں اور اس کی تدبیر
سوچیں - جو تدبیر خواب میں بتائی گئی ہے - اس پر عمل درآمد کریں -

درباریوں کا تعبیر بتلانے سے معذرت کرنا اور اُسے صرف خیالی خواب بتلانا -

اب وہ دانشمند - پیشوا اسقدر لوگ یہ خواب سن کر کہتے ہیں کہ یہ پریشان خیالی ہے
یعنی تمہیں ہر وقت گائے پالنے کا خیال ہے اور آبادی کا خیال ہے کہ مصر میں آبادی (کھیتی باڑی) بہت
ہو اور جس سے کاشتکاری کی جاتی ہے وہ گائیں ہیں - مویشی پالنے اور نگہبانی کرنے کا خیال
ہمیشہ دامن گیر رہتا ہے - اسلئے آپ نے اپنے خیالات کو دیکھا ہے - انسان جس خیال میں
غرق ہو جاتا ہے وہی خیال نیند میں مجسم ہو کر نظر آتے ہیں - اسلئے اسکی کوئی حقیقت نہیں
اس خواب کی حقیقت فقط اتنی ہے کہ جس خیال میں آپ سوتے تھے وہی خیال نظر آیا ہے
یہ خیالی خواب ہے - اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے کیلئے نہیں دکھایا گیا - تمام درباری یہ
کہہ کر خاموش ہو گئے اور بادشاہ کی طبع میں اطمینان نہ آیا وہ دہشت جو اس خواب

دیکھنے سے پیدا ہوئی دفع نہ ہوئی تھی ۔ وہ حیران تھا اور سب کے منہ کی طرف دیکھتا تھا تو اُس وقت وہ قیدی جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس کے خواب کی تعبیر بتائی تھی وہ بھی دربار میں حاضر تھا ۔ اُس کو یاد آگیا اور کہنے لگا ۔

آیت نمبر 45:

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۝

ترجمہ: اور بولا وہ جو بچا تھا ان دونوں میں سے ۔ اور یاد آگیا اس کو مدت کے بعد میں بتلاؤں تم کو اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو ۔

قیدی کا تعبیر بتانے کیلئے دربار سے جیل جانے کا اجازت نامہ حاصل کرنا ۔

مطلب: وہ قیدی جو چھوٹ چکا تھا اور دربار میں موجود تھا ۔ جب درباریوں نے اس خواب کی کوئی حقیقت نہ بتائی بلکہ اس خواب کو ایک واہیات خواب سمجھ کر بادشاہ کے دل کو شکستہ کر دیا اور بادشاہ کی پریشانی اور بے اطمینانی بڑھ گئی اور مایوس ہو کر حیران ہو گیا کہ میں نے اتنا بڑا خواب دیکھا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت ہی کوئی نہیں تو اُس قیدی کو جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتائی تھی مدت کے بعد اسکو یاد کرنے کا موقع مل گیا ۔ اسلئے کہ بادشاہ پریشان تھا ۔ اُسے خوش کرنے کیلئے کہہ دیا اور کسی کا خوف دل میں نہ رکھا اور کہا کہ میں تم لوگوں کو (بادشاہ اور درباریوں کو) اس خواب کی تعبیر بتاتا ہوں بشرطیکہ مجھے قیدخانے میں جانے کی اجازت ہو ۔ اس جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کا نام نہیں لیتا کیونکہ اُسے خوف تھا امراء لوگ اُن کے مخالف ہیں مبادا کہ بادشاہ کو روک دیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر نہ پوچھی جائے ۔ کیونکہ وہ سیاسی قیدی ہے ۔ مبادا کہ کوئی خفیہ پیغام مصر میں رہنے والے کسی دوسرے انقلابی تک نہ پہنچا دے ۔ بادشاہ اور درباری پریشان تھے اسلئے فوراً اجازت نامہ لکھ کر دے دیا تو یہ قید خانے میں جاتا ہے ۔

آیت نمبر 46 -

يُوسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ :- جا کر کہا اے یوسف اے سچے ۔ حکم دے ہم کو اس خواب میں سات گائیں موٹی اُن کو کھائیں سات دُبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی تا کہ لے جاؤں میں لوگوں کے پاس ۔ شاید اُن کو معلوم ہو ۔

مطلب :- وہ بھاگتا ہوا جیل میں چلا گیا اور درباریوں کا دلیا لگا رہا اور سب منتظر تھے کہ خواب کی تعبیر کیا لاتا ہے اور کون ہے ایسا شخص جو جیل میں بیٹھا ہوا ہے اور ہم سب سے زیادہ عقلمند اور متدرس بنا ہے ۔ جیل میں تو سب بد اخلاق آدمی ہوتے ہیں درباریوں کو حیرانی تھی کہ دیکھیں خواب کی تعبیر کیا ہے ۔ اور بتانے والا کون ہے ۔ وہ جیل میں داخل ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کا نام پکار کر کہتا ہے اے صدیق ۔ "صدیق" اُسے کہتے ہیں کہ کسی وقت (ابھی اس کی) زبان پر جھوٹ نہ آیا ہو ۔ نہ اُس کے ہاتھوں اور دیگر اعضاء سے کوئی بے حیائی اور خلاف فطرت کام صادر ہوا ہو ۔ اور نہ ہی اُس کے (تلب پر برے) خیالات نے قبضہ کر رکھا ہو بلکہ اس کا دل اور روح بالکل منور ہو اور غیب سے اس کا خوب تعلق ہو ۔ غیبی خبریں دینے والا ہو ۔ سچے طریقوں پر چلانے والا ہو ۔ قانون فطرت پر خود بھی چلتا ہو اور دوسروں کو بھی چلاتا ہو ۔ نبوت کی استعداد والے کو "صدیق" کہا جاتا ہے ۔

"صدیق" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اُس کی زبان پر کبھی جھوٹ نہ آیا ہو اُس سے نہ خلاف فطرت کام صادر ہوا ہو نہ ہی اسکے قلب پر برے خیالات کا قبضہ ہو ۔ بلکہ اُسکا دل اور روح بالکل منور ہو ۔ غیب کی خبریں دینے والا ۔ فطرت پر چلنے اور چلانے والا ہو اور اس میں استعداد نبوت ہو ۔

حضرت یوسف علیہ السلام ایسے ہی تھے اور قیدی کو اُن کی نبوت کی خبر نہ تھی مگر اُن کی صحبت میں رہنے سے اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ صدیق ہے ۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ہمیشہ سچ پر چلنے والا ہو ۔ سچ کہنے والا ہو اور سچ کہنے سے کسی کا خوف اُس کے دل میں نہ ہو اُس کو صدیق لکھا جاتا ہے ۔ تو اُن کے پاس جا کر صدیق کے خطاب سے پکارتا ہے کہ ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ ۔ یہ نہیں بتایا کہ بادشاہ نے یہ خواب دیکھا ہے ۔ اس خواب کی

کی تعبیر کیا ہے - جو تعبیر آپ کرینگے وہ لیکر لوگوں کے پاس جاؤں تاکہ وہ حقیقت کو سمجھ جائیں وہ لوگ منتظر ہیں یہاں بھی لوگوں کا ذکر بہیم طور پر کرتا ہے اسلئے کہ اس کو جلدی جانا ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام متنبہ اور خبردار ہوگئے کہ ملک مصر پر آفت آنے والی ہے - چونکہ نبی مخلوق کے خیر خواہ ہوتے ہیں - ان کے دل میں دشمنی ہوتی ہی نہیں بلکہ جو دشمن اُن کو ایذا دے وہ اُسی وقت اس کو معاف کر دیتے ہیں

انبیاء کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ مخلوق خدا کے خیر خواہ ہوتے ہیں - ان کی کسی سے دشمنی نہیں ہوتی - بلکہ ایذا دینے والے دشمنوں کو بھی معاف فرما دیتے ہیں -

آیت نمبر 47 : قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ○

ترجمہ :- کہا تم کھیتی کرتے رہو سات برس جم کر سو جو کاٹو اس کو چھوڑ دو اُس کی بال میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ

قیدی کا خواب کی تعبیر کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں پہنچکر تعبیر معلوم کرنا -

مطلب :- اب وہ قیدی جو آزاد ہو کر بادشاہ کی خدمت میں گیا تھا اور بادشاہ کا مصاحب بن گیا تھا وہ ایک خواب کی تعبیر پوچھنے کیلئے آجاتا ہے - حضرت یوسف علیہ السلام اُس سے کوئی شکایت نہیں کرتے کہ تم اتنے دن کہاں تھے اور مجھے کیوں بھلا دیا بلکہ اس کا خواب سن کر سمجھ جاتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصر کے لوگوں کو خبردار کرنا ہے کہ قحط سالی آرہی ہے - اس سے پیشتر سات سال مہلت دی گئی ہے کہ ان سالوں میں اپنی زلیست[1] کا بندوبست کریں - حضرت یوسف اُسے فوراً بتاتے ہیں کہ جلدی جلدی جاؤ - ان سات سالوں کو غنیمت سمجھ کر سب کے سب لوگ کھیتی باڑی میں لگ جائیں اور فضول کاموں کو چھوڑ دو - مرد عورتیں - امیر غریب سب کے سب لوگ کھیتی باڑی میں لگ جائیں اور جانفشانی سے کھیتی کرتے رہو باقی دھندوں کو چھوڑ دو اور جو غلام اور نوکر ہوں سب کو کھیتی میں لگا دو - اور اے امیرو! محلات میں بیٹھنا اپنے اوپر حرام سمجھو اور اسیطرح تمہاری عورتیں محلات میں بیٹھ کر آزادانہ جشن اور کلبوں میں جانا چھوڑ کر کھیتی کو لگ جائیں - ان سات سالوں کے بعد جو آج سے شروع ہونے ہیں دوسرے سات سال آئیں گے جو کہ قحط سالی کے ہونگے - انمیں مصر میں کوئی چیز پیدا نہ ہوگی اور نہ اُس کے

[1] - حیاتی

> بُرے وقت کیلئے پس انداز کرنا اور مشکل وقت کیلئے منصوبہ بندی کرنا عقلمندوں کا شیوہ ہے

آس پاس - برآعظم افریقہ - کنعان اور عرب کے ممالک میں قحط سالی چھا جائیگی - فقط وہی اناج جو تم
نے ان سات سالوں میں جمع کر رکھا ہو گا۔ تمہارے اور ان ملکوں کے کام آئیگا اور اسی اناج کی
نگہبانی کی تجویز اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ سکھائی ہے کہ اناج کو ان کے خوشوں میں رکھو تاکہ اس کو
جراثیم (کیڑے) نہ کھا جائیں - خوشحالی کے ان سات سالوں میں کھانا پینا کم کر دو اور اناج پر
کنٹرول رکھو اور راشن کارڈ کے بغیر کسی کو نہ دو اور راشن بھی اتنا ہو کہ فقط تمہاری زندگی بچے

> قحط و آفات کی صورت میں جب تک پوری قوم سیسہ پلائی دیوار ثابت نہ ہو ان مشکلات پر قابو پانا ممکن نہیں ہوتا

امیر غریب شاہ و گدا کو ایک جتنا راشن دو - اگر اس طرح کرو گے تو تمہارے قحط سالی کے سات سال
خوشحالی کے ساتھ گزر جائیں گے - اگر تم نے اپنی پرانی حالت پر کھانا پینا جاری رکھا تو برباد ہو
جاؤ گے اور یہ اناج خوشحالی کے سات سالوں میں ہی ختم کر دو گے ... پھر قحط سالی کے
ایام میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا - میری بات کو مان کر کام کرو - یہاں حضرت یوسف علیہ السلام
یہ بھی نہیں پوچھتے کہ یہ خواب کس نے دیکھا ہے - پیغمبر بڑے رحمدل ہوتے ہیں -

[ایک بار اکبر بادشاہ نے اپنے دربار میں اپنے مسخرے مُلّا دو پیازے سے پوچھا کہ
نبی کون ہوتا ہے - اُس نے کہا نبی - اَلنَّبِیُّ خیر خواہِ دشمناں - واقعی سچ کہا کہ نبی دشمنوں
کے بھی بڑے خیر خواہ ہوتے ہیں]

آیت نمبر 48 ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ
إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ -

ترجمہ: پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس سختی کے کھا جائیں گے جو رکھا تم نے اُن کے واسطے
مگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے بیج کے واسطے -

> بہتر منصوبہ بندی ملک و قوم کی خوشحالی کی ضامن ہوتی ہے

مطلب: حضرت یوسف علیہ السلام بتاتے ہیں کہ اگر تم خوشحالی کے سات سالوں میں
نہایت جانفشانی سے زراعت کرتے رہے اور اس کی نگہبانی کر کے ذخیرہ کرتے رہے اور
ان میں سے بالکل تھوڑا کھانے کیلئے خرچ کرو گے تو آئندہ قحط سالی کے سات سالوں میں
تمہیں کام آئیگا - اور جو رکھا ہو گا وہ سب کا سب تم کھا جاؤ گے مگر بیج کیلئے ضرور رکھنا
تاکہ آئندہ کاشتکاری میں تمہیں کام آئے - کوئی ایسا عقلمند ہونا چاہیے کہ خوشحالی کے

سات سالوں میں لوگوں سے زبردستی کاشتکاری کرائے اور ان خوشحالی کے سات سالوں کیلئے کھانے کیلئے تھوڑا اناج دے اور بادشاہ۔ امیر غریب کسی کا لحاظ نہ رکھے۔ خوشحالی کے سالوں میں اناج کی برابر راشن بندی کرے۔ ہر ایک کو مساوی طور پر دے۔ تب جاکر اناج بچیگا اور پھر قحط سالی کے ایام میں ایسا کنٹرول رکھے کہ قحط سالی کے سات سال کام آئے اور بیج بھی جائے۔ ایسا انتظام جاکر فوراً کرو۔

آیت نمبر 49 ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ عَامٌ فِيْهِ فَلَمَّا يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ٥

ترجمہ: پھر آئیگا اس کے پیچھے ایک برس۔ اس میں برسے گا مینہ لوگوں پر اور اُس میں رس نچوڑیں گے

مطلب: حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قحط سالی کے سات برسوں کے بعد ملک میں برساتیں ہونگی۔ قحط سالی کے سات سال میں کوئی برسات نہ ہوگی اور دریائے نیل خشک ہو جائیگا۔ اس کا پانی کھیتی باڑی اور زراعت کے کچھ کام نہ آئیگا۔ دریائے نیل کے پاس جو میٹھے کنویں ہیں وہ بھی خشک ہو جائیں گے۔ سارے ملک کے لوگ اپنے مویشیوں سمیت مصر شہر میں آجائیں گے۔ جب قحط سالی کے سات سال ختم ہوں گے تو برساتیں ہونگی۔ زراعت ہوگی نیشکر بوؤ گے اس کا رس نکالو گے۔ اسیطرح انگور وغیرہ سے رس نکالو گے پھر اناج کی بھی افراط ہوگی۔ ایسی عقلمندی سے کام کرو کہ قحط سالی میں بیج خراب نہ ہو جائیں۔ یہاں بڑے عقلمندوں کی ضرورت ہے۔ ان کو جمع کرکے ایسی تدابیر اختیار کرو کہ جس سے تم بھی بچ جاؤ اور ارد گرد کے لوگ بھی بچ جائیں۔

یمن میں برآمد ہونے والی قبر اور اُس کی لاش سے ملنے والی تختی۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ قحط سالی اتنی بڑی تھی کہ اس کا اثر یمن تک جا پہنچا۔ اور ادھر قسطنطنیہ تک۔ آثار قدیمہ دریافت کرنے والی ایک جماعت یمن میں ایک جگہ کھدائی کررہی تھی وہاں ایک قبر ملی یہ سنہ 1800ء کا قصہ ہے۔ اس قبر میں ایک لاش پڑی تھی اور اس تختی عربی میں لکھا ہوا تھا۔ اس لاش کے آگے بہت سے ہیرے پڑے تھے۔ تختی پر لکھا ہوا تھا کہ میں فلاں ملکہ ہوں

میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف آدمی بھیجے اور اناج طلب کیا۔ انہوں نے دیر لگائی۔ نتیجہ یہ ہے
کہ میں اناج نہ ملنے کیوجہ سے بھوک سے مر رہی ہوں۔ مجھ پر رحم کرو۔
قحط سالی کے سات سال بڑے سخت تھے جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ اناج سوائے
مصر کے نہ ملتا تھا۔ اسیلئے سب لوگ مصر میں جمع ہو گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام قحط سالی سے ڈراتے ہیں
اور تدبیریں بتاتے ہیں کہ ایک چیز جو تقدیر میں ہونے والی ہے وہ ہو کر رہیگی مگر اللہ تعالیٰ اسنے حکم
کیا ہے کہ اس کی تدبیر بتادی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے سب کچھ سمجھا دیا۔
آیت نمبر 50۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ
رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي
بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ○
ترجمہ۔ اور کہا بادشاہ نے لے آؤ میرے پاس اس کو۔ پھر جب پہنچا اُس کے پاس
بھیجا ہوا آدمی۔ کہا لوٹ جا اپنے خداوند کے پاس اور پوچھ اُس سے کیا حقیقت ہے
ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے۔ میرا رب تو ان کا سب فریب
جانتا ہے۔
مطلب۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسی قیدی کو جو مصاحب بن گیا تھا اور حضرت
یوسف علیہ السلام نے اُس کو نصیحت کی تھی اور کہا تھا کہ بادشاہ کو یہ نصیحت کر دینا۔ اُسی قیدی
کو آزاد ہونے کے سات سال بعد موقع ملا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے ملے اور اس کا تذکرہ
بادشاہ سے کرے مگر وہ بھی مبہم طور سے۔ تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر
معلوم کر کے دربار میں جاتا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ سب حقیقتیں اور
تدبیریں بیان کرتا ہے۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام کا نام نہیں لیتا تو بادشاہ کو یہ فکر پیدا
ہوئی کہ جس شخص نے ایسی عمدہ تعبیر کی ہے اور پھر تدبیریں بیان کی ہیں جس سے ملک مصر قحط سالی
سے بچ جائے تو اُسے دیکھنا چاہیے۔ مصر کے لوگ خوابوں کی تعبیر پر بڑا اعتبار کرتے تھے۔

اور شاید بادشاہ کو تمام عمر اس خواب کے علاوہ کوئی خواب نظر نہیں آیا تھا۔ لوگ اپنے اپنے خواب بیان کرتے تھے اور ان کی تعبیریں دربار میں ہوتی تھیں اور اکثر صحیح نکلتی تھیں بادشاہ عمر بھر میں ایک خواب دیکھتا ہے اور درباری لوگ جو خوابوں کی تعبیریں کرتے تھے وہ سب جمع ہو کر اس خواب کی تعبیر نہیں بتاتے بلکہ کہتے ہیں کہ تمہارا دماغ پریشان خیالوں سے بھرا ہوا ہے۔ مگر جب اُسے اپنے خواب کی اتنی بڑی اہمیت والی بات سمجھا دی گئی تو اُس نے سمجھا کہ تعبیر بتانے والا کوئی بڑا بزرگ اور خدا رسیدہ ہے۔ جس کو آنے والے حالات کی خبر ہے۔ اُس کو دربار میں لاؤ تو میں روبرو اُس سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھوں اور تسلی کروں اور پھر لوگوں کو کام میں لگاؤں۔

حکام بالا کو چاہیے کہ خوشامدی لوگوں سے ہٹ کر کبھی کبھی دوسرے لوگوں سے بھی مشورہ کر لیا کریں۔ کیونکہ اکثر درباری خوشامدی سب اچھا ہے کی پالیسی پر چلتے ہوئے بادشاہ اور حکام کو اصل حقائق تک پہنچنے نہیں دیتے اور حالات بگڑ جاتے ہیں اور سیاسی ابتری اور بدنظمی پیدا ہو جاتی ہے

تو اب ایک بڑا معزز درباری جو کہ بادشاہ کا خاص وزیر اور مشیر تھا جو دوسرے بادشاہوں کے ہاں جا کر پیغام پہنچاتا تھا یعنی وزیر خارجہ تھا (Foreign Minister) اُس کو بھیجتا ہے کہ اُس قیدی کو قید سے نکال کر بڑی عزت و آبرو اور بڑی شان سے جو دربار کے لائق ہو لیکر دربار میں حاضر کر۔ وہ شاہی قاصد جاتا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جا کر پیغام دیتا ہے کہ آپ کو بادشاہ نے طلب کیا ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ مجھے جس جرم میں قید کیا گیا ہے اس کی تفتیش کی جائے کہ آیا میں اخلاقی مجرم ہوں یا سیاسی مجرم ہوں۔ اخلاقی صفائی کے لئے وہ عورتیں گواہ ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے تو آپ لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ میں اخلاقی مجرم نہیں ہوں۔ باقی اگر مجھ پر سیاسی جرم ثابت کریں تو میں مانتا ہوں کہ میں سیاسی مجرم ہوں کیونکہ سیاسی مجرم ہمیشہ اصلاح چاہتا ہے نہ کہ فساد اور بگاڑ کرنا چاہتا ہے۔

مشروط معافی سیاسی کیریکٹر کو تباہ کر دیتی ہے۔

/

عوام الناس میں امیروں نے یہ اشاعت کر رکھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اخلاقی جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔ دراصل ایسا نہیں۔ میں ملک میں اصلاح کرنا چاہتا تھا۔ ان امیروں اور عورتوں کو جو آزادی پسند تھیں۔ اُنہیں بُرا لگا اور مجھے قید کروا ڈالا۔ جیسا کہ عام سیاسی لوگوں پر اخلاقی (جرم) کی تہمت لگا کر قید کیا جاتا ہے ورنہ سیاسی لوگ بڑے بااخلاق ہوتے ہیں اور غریبوں کے ہمدرد ہوتے ہیں۔ امیروں کے

"غلط کار حکام کا یہ رویہ ہوتا ہے کہ وہ سیاسی لوگوں کو اخلاقی جرم میں ملوث کر کے جیل بھیجتے ہیں تاکہ عوام شورش نہ کریں۔"

مظالم بند کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے دراصل ان ظالم امیروں نے قید کر ڈالا ہے۔۔ اب بادشاہ کو چاہیے کہ ان عورتوں کو بلا کر پوچھے جنہوں نے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ وہ عورتیں آپ لوگوں کو بتا دیں گی کہ میں اخلاقی مجرم نہیں تھا۔ بس میں آپ سے یہی چاہتا ہوں۔ تاکہ میری امانت و دیانت سب لوگوں پہ ظاہر ہو جائے اور آئندہ بھی تم لوگوں کو میری امانت و دیانت پر کامل یقین ہو جائے۔

بادشاہ کا خواتین کو دربار میں بلا کر مقدمے کی از سر نو تفتیش کرنا تاکہ اصل حقائق سامنے آجائیں

اب بادشاہ اور دربار کو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے وزیر تھے اور امانت و دیانت والے تھے۔ ملک کے لئے اچھی تدبیریں سوچتے تھے۔ غریبوں کے ہمدرد تھے وہ قید میں بیٹھے ہیں۔ بادشاہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کہ ایسے امانت و دیانت والے ملک و سلطنت کے خیر خواہ کو ہم نے قید کر ڈالا ہے۔ اسلئے ہم پر یہ قحط سالی کی آفت نازل ہوتی ہے۔ اور پھر اتنا خیر خواہ ہے کہ قید میں بیٹھ کر بھی ملک اور رعیت کی خیر خواہی کر رہے ہیں۔ یہ تو بڑے عقل مند منتظم تھے۔ اس لئے بادشاہ دربار عام میں جشن میں شریک تمام عورتوں کو بلا کر حاضر کرتا ہے اور مقدمے کی نئے سرے سے تفتیش کرتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی عظمت۔

لو لبثت فی السجن طول ما لبث یوسف لاجبت الداعی [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنی مدت حضرت یوسف علیہ السلام نے قید میں گزارا اگر میں ہوتا تو قاصد کی بات مان لیتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے صابر تھے۔ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی عظمت اور اپنی پاکدامنی اور برأت کیلئے کوشش کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ عام لوگوں کی رائے ہے۔

محققین علماء کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کیلئے زیادہ ضروری کام تبلیغ کا ہے۔ اپنی جان و آبرو کا خیال نہیں رکھتے اور اپنی عمر کا ایک لمحہ بھی بغیر تبلیغ کے کٹھن سمجھتے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ لوگوں میں تبلیغ کرنا میرا فرض تھا میں فوراً قید سے باہر نکل کر اپنے دین اور پروگرام کی اشاعت کرتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی

[1] مشکواۃ شریف باب صفحہ

[1] لو لبثت فی السجن ما لبثت یوسف ثم اتانی الداعی لاجبته بخاری ج 9 باب التعبیر ص ۹۲۔

۱۔ ظلم۔
۲۔ دربار
۳۔ منٹ

انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ وہ زندگی کا ایک لمحہ ضائع کئے بغیر تبلیغ دین اور اشاعت پروگرام میں مصروف رہتے ہیں

برأت کیلئے چند دن اور بھی قید میں رہے اور مجھے یہ پسند ہیں۔ ہم لوگ انبیاء ہیں۔ ہمارا کام تبلیغ اور اشاعت احکام الٰہی ہے۔ اگر ایک آدمی سن کر اس پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جائے تو ہمارے لئے زمین بھر سونا چاندی اور بادشاہی ملنے سے بہتر ہے۔ اسیطرح سیاسی لوگ اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ یہ رائے دوسرے علماء کی ہے۔

آیت نمبر ۵۱۔ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۔

ترجمہ۔ کہا بادشاہ نے عورتوں کو۔ کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسفؑ کو اُس کے نفس کی حفاظت سے۔ بولیں حاشا اللہ ہم کو معلوم نہیں اُس کی برائی۔ بولی عورت عزیز کی۔ اب کھل گئی سچی بات۔ میں نے پھسلایا تھا اُس کو اُس کے جی سے اور وہ سچا ہے۔

مطلب:۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ تہمت لگا کر قید میں ڈالا تھا کہ عورتوں کو بے عزت کرتا ہے اور شریف زادیوں کو اپنی طرف بُلاتا ہے اور اُن سے طرح طرح کی حرکتیں کرتا ہے۔ جس سے وہ اپنی عصمت نہیں بچا سکتیں۔ ایک طرف تو حضرت یوسف علیہ السلام وزیر ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ ہاتھی کسی کی زراعت کو روندنے کی عادت رکھے تو اُس کو کون منع کر سکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھی ایک بڑے وزیر ہیں۔ ان کے پاس عیش و عشرت کے سامان بہت ہیں۔ ان پر شہوت سوار ہے۔ اُن کے خدام اور نوکر بہت ہیں۔ جن میں عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی۔ پھر جشن کراتا ہے اور عورتوں کو بلاتا ہے۔ ہیں ہماری عورتوں کی عصمت دری کرتے ہیں۔ مصری قوم کا آدمی نہیں۔ اسلئے مصری عورتوں کی کیا عزت کریگا۔ ایسی ایسی تہمتیں لگا کر ان کو قید میں ڈالا۔ یہ سب الزام پبلک میں مشہور کئے گئے تھے۔ لیکن ان کا مقدمہ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں جاکر معلوم ہوا کہ لوگوں میں ایسی تہمتوں کی اشاعت کی جارہی ہے۔ جیل میں تو نئے نئے قیدی آتے ہیں۔

تورات میں لکھا ہے کہ سپرنٹنڈنٹ جیل حضرت یوسف علیہ السلام کا معتقد اور مرید ہو گیا تھا ۔ اور قیدیوں (کے لئے) حضرت یوسف علیہ السلام ہی پروفیسر تھے ۔ قیدیوں کے کھانے پینے ۔ علاج معالجہ کیلئے حضرت یوسف[۱] کوشش کرتے تھے اور قیدیوں کے ساتھ نہایت ہمدردی سے پیش آتے تھے ۔ تو قیدیوں میں جا کر انہیں معلوم ہوا کہ عبد پر (یوسف[۲]) یہ تہمتیں لگائی گئی ہیں[۲]

حضرت یوسف علیہ السلام کو بہت غم اور غصہ اور غم ہوا ۔ (کیونکہ) ان کے مقدمہ میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں آیا تھا ۔ مقدمہ سیاسی تھا ۔ کہ یہ چاہتا ہے کہ امیروں غریبوں کو برابر کرے ۔ اور اپنی وزارت اسطرح چلاتے ہیں کہ غریبوں میں روز بروز ہمت و جرأت آتی جاتی ہے کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا ہو غریبوں سے زبردستی کام نہیں لے سکتا ۔ امیروں کی دہشت اور ہیبت غریبوں کے دلوں سے نکل گئی ہے ۔ نہ پولیس کی وقعت ہے نہ بڑے عہدیداروں کی عزت ہے ۔ مصری[۳] لوگوں کا مذہب اور دھرم بگاڑ رکھا ہے ۔ مقدمہ چلانے کیلئے یہ الزامات لگائے گئے تھے ۔ ان کے تمام احکام ایسے ہیں کہ ہمارے سوشل حالات کو بدل رہے ہیں اگر یہ وزارت کے اسی عہدے پر قائم رہے تو امیروں ۔ جاگیرداروں اور سرکاری افسروں کی کوئی عزت و آبرو نہ رہیگی ۔ مقدمہ اصل میں ان باتوں کیوجہ سے تھا اور آپ قید کئے گئے ۔ بادشاہ سے قید کرنے کی اجازت اسی بنا پر لی گئی تھی ۔ یہ عورتوں کا مسئلہ اُن کے قید ہو جانے کے بعد چھیڑ دیا ۔ تاکہ عوام جو حضرت یوسف علیہ السلام کے معتقد ہو گئے تھے اور اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے اُن سے بدظن ہو جائیں ۔ اسی طرح حکومتیں مہذب سیاسی لوگوں پر بداخلاقی کی تہمت لگا کر قید کرتے ہیں ۔ ہمارے سامنے مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی مثال موجود ہے ۔

ہمیں معلوم ہے کہ انہیں کراچی کا مقدمہ چلانے سے پیشتر کلکتہ میں رولٹ ایکٹ کی دفعات کے موجب مقدمہ چلا کر ۲ سال کی قید دے دی تھی ۔ پھر اس تلاش میں تھے کہ کوئی ایسا مقدمہ چلا کر ۲ سال اس کو (مزید) جیل کر دیں ۔ جس سے لوگوں کو معلوم ہو کہ مولانا محمد علی سرکاری ملازمین میں انتشار[۴] پیدا کرتے ہیں ۔ پولیس اور فوج کو ورغلاتے ہیں کہ سرکاری نوکری مت کرو ۔ اگر پولیس اور فوج نوکری چھوڑ دے تو لوگوں میں بدانتظامی پیدا ہو جائیگی اور لوگوں کے امن و امان میں خلل آئیگا ۔ یہ مقدمہ فقط پروپیگنڈہ تھا کہ مولانا محمد علی امن عامہ میں خلل ڈالتے ہیں

۱- پیر
۲- یہ تہمتیں ہیں ۔
۳- کے لئے سکھا تھے
۴- انچارج

حالانکہ مقدمہ چلاتے وقت اس مقدمہ کو ثابت ہی نہ کر سکے۔ سرکار (حکومت) کو یقین تھا کہ یہ لوگ اپیل نہیں کرینگے۔ کیونکہ یہ لوگ قطع تعلقاتی ( ) ہیں۔ جو حکم ملیگا اس پر اپیل نہیں کرینگے اگر مولانا اپیل کرتے تو سارا راز کھل جاتا اور حکومت کو ماننا پڑتا کہ رولٹ ایکٹ کے تحت سزا دی گئی تھی۔

اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام پر سیاسی مقدمہ چلا تھا اور شاید حضرت یوسف علیہ السلام کو معلوم بھی نہ ہو۔ خفیہ مقدمہ چلا کر اپنے جھوٹے موٹے گواہ پیش کر کے امراء نے جیل بھیجنے کا حکم[1] حاصل کر لیا تھا اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ یہ (نعوذ باللہ) بداخلاق تھے۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ سے استدعا کرتے ہیں کہ میرے خلاف کیئے گئے جھوٹے پروپیگنڈے کی حقیقت کیا ہے۔ یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام جشن منا کر عورتوں کو بدراہ کرنا چاہتا تھا۔ تو ان عورتوں سے پوچھو جو اس جشن میں موجود تھیں اور سب کو بلاؤ تو حقیقت معلوم ہو جائیگی۔

بادشاہ کو اب معلوم ہوا کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام تھیں جو میرے بڑے وزیر تھے۔ اور سیاسی مقدمہ کی وجہ سے ان کو قید میں ڈلوایا ہے اور لوگوں میں دوسرا پروپیگنڈہ کیا ہے حتیٰ کہ مجھے بھی ان سے بدظن کر دیا گیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام واقعی مصلح اور رعیت[2] اور سلطنت کے خیر خواہ تھے۔ ان کے سب احکامات رعایا کی ہمدردی کیلئے تھے۔ تو اب بادشاہ نے سب عورتوں کو بلوایا جو اس جشن میں شریک تھیں۔ جشن کی دعوت دینے والی بیگم عزیز مصر تھی۔ اس کو بھی ساتھ بلایا۔ فرمانے لگے تم نے حضرت یوسف علیہ السلام میں کیا نقص دیکھا تھا اور ان کی کیا بداخلاقی محسوس کی تھی۔ صاف صاف بتلاؤ۔ یہ مقدمہ دربار عام میں تھا جس میں عوام و خواص سب شریک تھے تاکہ ہر ایک شخص کو مقدمہ کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی تک جیل ہی میں تھے اور چاہتے تھے کہ ان کی عدم موجودگی[3] میں مقدمہ چلایا جائے۔ تاکہ لوگوں کو یہ موقع نہ ملے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی موجودگی میں عورتوں نے ڈر کے مارے حقیقت کو بیان نہیں کیا ہے۔ تو اب عورتیں آزاد ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا کسی طرح ان پر دباؤ نہیں۔ اب جو حقیقت بیان کرینگی وہ سچی ہوگی

1۔ فتویٰ
2۔ رعیت
3۔ پس پشت۔

بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا مقصد تھا - جب تم ایسی تدبیریں کرتی تھیں کہ جن سے حضرت یوسف علیہ السلام بدنام ہو جائیں کیا اس میں کوئی حقیقت بھی تھی ۔ تم عورتوں نے اس کو پھسلایا یا حضرت یوسف علیہ السلام خود پھسل گئے ۔ تو سب یک آواز ہو کر کہنے لگیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نہایت پاکباز ہیں - ان پر برائی کی کوئی تہمت نہیں - خدا سے پناہ مانگتی ہیں کہ کوئی انپر جھوٹی گواہی دے ۔ نہ ہم نے انہیں پھسلایا اور نہ وہ خود پھسلے ۔ بلکہ ہم نے انہیں انتہائی پاکباز[1] پایا - جب یہ لفظ ان عورتوں نے کہے تو بیگم عزیز ڈر گئی کہ مجھ پر تہمت ثابت ہوتی ہے تو شاید بادشاہ کے عتاب میں آجاؤں - کیونکہ اسی دعوت میں سب عورتوں کے روبرو بیگم عزیز نے کہا تھا کہ میں اس کو پھسلاتی ہوں اور یہ پاکباز رہنا چاہتے ہیں تو بیگم عزیز نے اٹھ کر بلند آواز سے کہا کہ اب سچی بات ظاہر ہو گئی ہے کہ میں نے اس کو پھسلانا چاہا مگر وہ پاکباز رہے ۔ وہ سچے ہیں اور یہ سارا پروپیگنڈہ جھوٹا ہے - اب اس دربار میں عزیز مصر بھی موجود تھا اور تمام وُزراء جن کی عورتیں دعوت میں شامل تھیں ۔ سب موجود تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے موافقین و مخالفین بھی حاضر تھے - دربار عام تھا اور کھلی عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا - تو اب سب کو یقین ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ تہمت جھوٹی ہے اور انہیں قید میں ڈالوانے کے اسباب کچھ اور تھے - جو سیاسی تہمت ہے وہ جیل بھجوانے والے لوگ ظاہر نہیں کر سکتے تھے - کیونکہ وہ اسباب بھی جھوٹے تھے - تو بادشاہ اور تمام دربار کو یقین ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بد اخلاقی اور سیاسی تہمتوں سے پاک ہیں وہ اس لائق نہ تھے کہ انھیں جیل میں بھیجا جائے بلکہ جو اصلاحات وہ کر رہے تھے وہ ہم لوگوں کے لئے مفید تھیں ۔

آیت نمبر 52 ذَالِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ -

آیت نمبر 53 - وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِي اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ط اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

---

1 - اعلیٰ شان پاکباز

ترجمہ :۔ یوسفؑ نے کہا یہ اسی واسطے کہ عزیز معلوم کر لیں کہ میں نے اس کی چوری نہیں کی چھپ کر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا ۔
اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو بیشک جی تو سکھلاتا ہے بُرائی ۔ مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے ۔ بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے

مطلب :۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قاصد کو کہا تھا کہ اپنے بادشاہ کی طرف واپس ہو جاؤ ۔ میرے اوپر کچھ لوگوں نے تہمتیں لگا رکھی ہیں تو میرے سردار یعنی عزیز مصر کو خوب معلوم ہے کہ عورتوں نے مجھ سے خفیہ تدبیریں کی تھیں اور مجھے رسوا کرنے یا قید میں ڈلوانے کیلئے یہ سب تدبیریں تھیں جو کہ میرے سردار عزیز مصر کو معلوم ہیں ۔ ابتک جو تہمتیں مجھ پر لگی ہیں جب تک ان کی صفائی نہ ہو جائے تب تک میں قید میں رہوں گا اور مجھے باہر آنے سے قید اچھی لگتی ہے اس حال میں کہ تہمتیں ویسی کی ویسی رہیں ۔ اور اپنے آقا یعنی شاہد عزیز مصر اور ان عورتوں کو بتاتے ہیں جنہوں نے ہاتھ کاٹے تھے اور بیگم عزیز کا نام تک نہیں لیتے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ماں سمجھی جاتی تھی ۔ تو ادب کیوجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام بیگم عزیز کا نام نہیں لیتے ۔ اور جب مقدمے کی تیاری ہوئی تو بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں عورتیں اس مجلس میں تھیں اور مجلس رچانے والی بیگم عزیز تھی ۔ جب سب حاضر ہوئیں تو بیگم عزیز مصر نے سارا قصہ کھول کر بیان کیا ۔ اس دربار میں عزیز مصر بھی موجود تھا ۔ وہ بطور گواہ کے پیش ہوا تھا ۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بادشاہ کا فرستادہ قاصد آیا تھا کہ بادشاہ نے آپ کو دربار میں بلایا ہے چلو ۔ تو آپ نے فرمایا تھا کہ بادشاہ سے کہو کہ جن عورتوں نے ہاتھ کاٹے تھے ان کو دربار میں بلوا کر تفتیش کرو کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں انکو تم نے اور تمہارے داروں نے قید میں بھیج دیا تھا اور ساتھ فرمایا کہ میرے خلاف تمام سازشیں ان عورتوں کی تھیں اور ان کی خفیہ تدبیر تھی ۔ ان عورتوں کی خفیہ تدبیروں سے میرے آقا یعنی عزیز مصر واقف اور خبردار ہے ۔ آگے یہ جملہ بھی یوسف علیہ السلام نے اس قاصد کو فرمایا کہ میری تفتیش کرانے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ میرے آقا یعنی عزیز مصر کے دل

میں یہ وسوسہ نہ رہے کہ میں نے اس کے گھر میں رہکر کوئی خیانت کی ہے - میں تو ان کے سب
کام امانت و دیانت داری سے انجام دیتا رہا - مطلب کہ ذالك ليعلم کی آیت کا ربط
آیت قال الملك ائتونی بہ کے ساتھ ہے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ جملہ
اسوقت کہا تھا جب کہ اپنے قاصد کو تفتیش مقدمہ اور الزام کے متعلق کہا تھا - اس وقت
اس کا سبب یہ تبایا تھا کہ مبادا میرے آقا کو میری طرف سے بدظن ہوں - میں اس کا ظن
دور کرنا چاہتا ہوں - ذالك ليعلم - یعنی سبب تفتیش کا یہ ہے اور بادشاہ
کی تفتیش کا بیان درمیان میں آ گیا ہے -
جیسے سورت ھود میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کے درمیان یہ آیت آگئی ہے
ام يقولون افتراه الآیہ ویسے ہی اِنَّ رَبِّی بکیدھن علیم اور
ذالك ليعلم کے درمیان بادشاہ کی تفتیش کا بیان آ گیا ہے - ہمارے خیال
میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ جملہ بھی قاصد کو کہا تھا کہ مجھکو اس مقدمہ کی
حقیقت کھولنے کی ضرورت اسلئے تھی کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے گھر میں
رہ کر کوئی خیانت نہیں کی اور امانت و دیانت سے اس کے گھر میں رہا اور وزارت کا کام
بھی امانت و دیانت سے کیا - نائب ہو کر کیا نہ کہ خود مختار ہو کر کیا -
میرا مقصود صرف یہ ہے کہ عزیز مصر کو تسلی ہو جائے کہ میں نہایت خلوص سے اس کے گھر میں رہا
اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتا اور خیانت کرنے والوں کی خفیہ تدبیروں
کو کامیاب نہیں بناتا - دوسرا مقصد یہ ہے کہ میں اس تہمت سے پاک ہو جاؤں - رہی
یہ بات کہ میں اپنے آپ کو اتنا پاکباز نہیں سمجھتا کہ مجھ میں خواہشات نفسانی کا نام
تک نہیں - انسان کا نفس تو ہمیشہ برائی کی طرف مائل رہتا ہے - مگر جن لوگوں پر اللہ تعالی
رحم کرے - وہ انبیاء و صدیقین کی جماعت ہے - اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے - اگر
کسی سے غلطی ہو بھی جائے اس کے بعد وہ توبہ کرے تو اس کو بھی اپنی خاص جماعت میں شامل کر لیتا ہے
اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اصل مقصد ان عورتوں کو دربار

میں بلوا کر بدنام کرنا نہ تھا نہ ہی دربار میں بلوا کر شہادت دلوانا منظور تھا۔ اُن کی غرض وغایت یہ تھی کہ شاید بادشاہ اپنے گھر میں بلوا کر جس میں عزیز مصر بھی موجود ہو۔ مقدمہ کی تفتیش کر لیگا۔ جس سے عزیز مصر کو اطمینان ہو جائے کہ میں نے اس کے گھر میں کوئی خیانت نہیں کی۔ یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام کو اسلئے سب سے زیادہ مقصود و مطلوب تھی کہ عزیز مصر میرے باپ کے مثل ہے۔ اس نے مجھ پر بڑے احسانات کئے ہیں۔ پہلے تو اس نے مجھے آزاد کیا اور پھر اپنا بیٹا بنا لیا۔ جس سے مصر کی ساری سوسائٹی مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

آیت نمبر 54 ۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۔

ترجمہ :۔ اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اُس کو میرے پاس میں خالص رکھوں اس کو اپنے کام میں۔ پھر جب بات چیت کی اس سے کہا واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بُرأت اور بیگم عزیز مصر کا اعتراف جرم ۔

مطلب :۔ جب بادشاہ نے سارا مقدمہ سُنا اور جوان عورتوں کی سرغنہ تھی وہ بیگم عزیز تھی ۔ اس نے صاف صاف کہدیا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ مجھکو انسے دشمنی تھی کیونکہ وہ آزادئ نسواں کا دشمن تھا ۔ اب جب مصر کے سر پر قحط سالی کی آفت آنے والی ہے تو اس وقت سب سے زیادہ اہم سوال حیات انسانی ہے ۔ اب ہماری زندگی خطرہ میں ہے ۔ اس لیئے اب آزادئ نسواں کا سوال ہے نہ[1] ۔

اور یوسف علیہ السلام ہمارے گھر میں رہ کر اور پھر وزارت پر پہنچکر مصر کے ملک کی اقتصادی[2] اصلاح کرتا رہا ۔ اب ہم عورتوں کو چاہیے بلکہ تمام مصری لوگوں (۔۔۔)[3] کو چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کے پیچھے لگ کر اپنے ملک مصر کو قحط کی آفت سے بچائیں اس لئے میں نے سچ سچ بتادیا کہ یوسف (علیہ السلام) مقدس آدمی ہے ۔ ہم نے خواہ مخواہ اس کو تکلیفیں اور ایذا دئیے ۔ اور قصہ کو لوگوں کی ذھینت پر یوں کہا جائیگا کہ اب سات سال کے بعد بیگم عزیز مصر بھی بوڑھی ہوگئی اور وہ شہوانی مستی کے اسباب ڈھیلے ہوچکے تھے ۔ ویسے بھی یوسف علیہ السلام کے ساتھ اُسے قلبی محبت نہ تھی وہ شہوانی عشق تھا ۔ اور یہ عشق اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک

۱ ۔ ہیں ۔
۲ ۔ مصر کی معاشی / اقتصادی اصلاح کرتا رہا ۔
۳ ۔ کے طبقہ حذوف کیا ہے ۔

وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار -

اس کے اسباب شباب قوی ہوں - جب اسباب ضعیف ہوجاتے ہیں - پیری آجائے تو پرانے شہوانی خیالات پر ندامت ہوتی ہے - اور بوڑھی عورتوں کو شہوانی خیال بالکل کم ہوجاتے ہیں - تو اب ملکۂ عزیز کو یوسف علیہ السلام میں کوئی طمع نہ تھی - اب بات صاف صاف کردی اور اس بات کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مجھکو اب یوسف علیہ السلام سے کوئی محبت نہیں اور نہ ہی عشق بازی کے خیالات تھے - اور یوسف علیہ السلام نے بھی صاف صاف کہدیا تھا کہ میں نے یہ تفتیش اسلئے کرائی کہ عزیز مصر کو جوکہ میرے باپ کی جگہ ہے اطمینان ہوجائے کہ میں نے اس کے گھر میں کوئی خیانت نہیں کی -

بادشاہ مصر کا یوسف عا کے حالات جاننا اور ان کو جیل سے نکالکر کاروبار مملکت میں مشیر بنانا -

جب یہ ساری باتیں صاف ہوگئیں اور بادشاہ کو معلوم ہوگیا کہ یوسف علیہ السلام بڑا خاندانی آدمی ہے اور اس خاندان کے سب لوگ متبرک اور مقدس ہوتے ہیں اور ملکی ضرورت بھی یہ تقاضا کرتی تھی کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کو اپنی خدمت میں رکھے تاکہ صلاح مشورہ سے آئندہ کے انتظامات ہوسکیں - اس لئے بادشاہ نے فرمایا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام مُتَبنّٰی بیٹا بنایا ہوا عزیز مصر کا تھا - اب دربار میں فرماتے ہیں کہ میں یوسف علیہ السلام کو خالص اپنے لیئے منتخب کرتا ہوں - اب اس میں کوئی عزیز کا دعوٰی نہ رہیگا اور نہ ہی کسی اور کا - میں اپنے لئے اسکو منتخب کرکے اپنے ہی کام میں لگاؤنگا - جاؤ اور اس کو قید سے نکال لاؤ تو یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اپنے سب بڑے بڑے درباریوں کو حکم دیا جنمیں شاید عزیز مصر بھی ہو - بڑی عزت اور آبرو سے اس کو جیل سے نکال کر شاہانہ شان سے میرے پاس لاؤ - پھر جب بادشاہ کے پاس یوسف علیہ السلام آگئے اور آئندہ

انتظامات کے نئے باتیں اور مشورے ہونے لگے اور گزشتہ تجربات یوسف علیہ السلام
نے بتائے اور جو اصلاحات مصر میں کرنا چاہتے تھے اس کے بھی تذکرے آ گئے
تو یوسف علیہ السلام کی وزارت کے ایام کی اصلاحات کو بادشاہ (رنے) پسندیدہ
نظر سے دیکھا اور درباری بھی متفق ہو کر کہنے لگے یہ بڑا لائق آدمی ہے جو
برتاؤ ہم نے ان سے کیا تھا وہ ہمارا غلط رویہ تھا۔

آیت نمبر 55 قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ

ترجمہ۔ یوسف علیہ السلام نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر۔ میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا۔

مطلب: اب قحط سالی کے سات سال آنے والے ہیں اور اس سے اوّل سات سال خوشحالی کے ہیں۔ اب خوشحالی کے سات سالوں میں ایسی تدبیریں سوچنی ہیں جس سے اناج وغیرہ بچ جائے جو قحط سالی کے سالوں میں کام آوے۔
یوسف علیہ السلام نے، کنعان میں اپنے باپ دادوں کے ہاں پرورش پائی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر یوسف علیہ السلام تک اس خاندان کی دولت اور ثروت کا دارومدار ریوڑ پر تھا اور ریوڑ کے چرانے میں عقلمندوں کیلئے ہر قسم کی تعلیم موجود ہوتی ہے۔ جس سے بڑی سلطنت بھی[1] چلائی جا سکتی ہے۔ مثلاً ریوڑ کی بہتری کیلئے ایسی تدبیریں اختیار کرنا جن سے ان کی پیداوار بہت بڑھے اور ریوڑ کی افزائش نسل کے ذرائع سوچنے اور دو تین سال کیلئے چارہ ذخیرہ کرنا اور اپنے اور جماعت کیلئے اناج محفوظ کرنا وغیرہ وغیرہ
(حضرت) یوسف علیہ السلام اس طرح کا انتظام کرنا اپنے خاندان سے سیکھ کر آئے تھے اور اس کے بعد مصر میں وزیر بن کر ان علمی تدابیر کو عملی جامہ پہنا چکے تھے یعنی وہ عملی تدبیریں تجربے کے نیچے آ چکی تھیں[2]۔
(حضرت) یوسف علیہ السلام کو یہ کام چلانا کوئی مشکل مسئلہ نہ تھا اور یوسف علیہ السلام مصری لوگوں کی ذہنیت سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے اور ان کی خود غرضیاں ان کو معلوم تھیں اور ہر ایک خاندانِ مصر کو وہ آزما چکے تھے کہ کوئی ایسا آدمی ان میں نظر نہ آتا تھا کہ جو آئندہ آنے والی مشکلات کو رفع کر سکے۔

ذمہ داری مطابق اہلیت لینی اور دینی چاہیئے۔ مستقبل کے لئے حال میں منصوبہ بندی ہونی چاہیئے۔ طلب و رسد کے معاشی اصول سامنے رکھنے چاہئیں اور کفایت شعاری کو اپنانا چاہیئے۔

1۔ اس سے موقوف ن و کوئی مسئلہ ن ب کوئی مشکل مسئلہ نہ تھا۔
2۔

مصر کے ریوڑ کو یوسف علیہ السلام نے خوب چروایا[1] تھا۔ ہر ایک شخص سے پوری پوری واقفیت حاصل کر چکے تھے۔ تو خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مالیات اور معاشیات کا صیغہ مجھ کو سپرد کردو[2]۔ میں علم کے ساتھ اس صیغہ کی نگہبانی کرونگا۔ مصر میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو کہ امانت اور علم کے ساتھ معاشیات کی نگہبانی کر سکے اور انسان کی حیاتی[3] کا دارومدار اور ان کے حیوانوں کی حیاتی[4] کا دارومدار معاشیات پر ہے۔ تو اقتصادیات (economics) کو ہر بادشاہ مقدم سمجھتا ہے اور اس اقتصادی علم کے حاصل کرنے کیلئے بڑے بڑے کالج بنائے جاتے ہیں۔ جس ملک میں علم اقتصادیات کے جاننے والے بہت ہوں تو وہ ملک خوشحال رہتا ہے۔ جو ملک اور قوم اس سے جاہل[5] ہوتے ہیں ـ وہ اپنی معاشیات کے خزانوں کو نہیں جانتے اور افلاس سے میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

اس لئے انبیاء علیہم السلام اس علم اقتصادیات کے بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں پڑھو تو آدھا قرآن مجید علم المعیشت سے بھرا ہوا ہے۔ اور اس کے عملی تجربے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ تو یوسف علیہ السلام انبیاء کے سلسلے کی ایک کڑی ہیں تو وہ اپنے باپ دادوں کے تجربے اور اپنے تجربے سے بہت کچھ واقف تھے۔ اس لئے یہ صیغہ معاشیات کا اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں اور بادشاہ سے اس صیغہ کو طلب کرتے ہیں۔[6]

یہاں سے معلوم ہوا کہ لائق آدمی کو چاہیے کہ بڑے سے بڑا عہدہ جسمیں اسکو تجربہ ہو اور اپنے اندر وہ دیانت اور امانت بھی سمجھتا ہے کوشش کر کے اس کو حاصل کرنا فرض ہے اگر نہ کریگا تو اپنے ملک اور ملت کا خائن شمار کیا جاویگا۔

ن و چروایا۔ ن ب چروایا پلایا

۱۔ ویلایا
۲۔ میرے سپرد کردو
۳۔ زندگی
۴۔ زندگی
۵۔ عاری

⑥ اپنے حلال مال میں بھی محروم المعیشت سائلوں اور منہ زبان والوں کا حق تسلیم کرنا۔

① انفاق میں اصل عفو (ضرورت سے زائد دیگر حاجتمندوں پر خرچ کر دینا)

[illegible]

نالائق اور ناتجربہ کار لوگوں کو ہٹانا قومی ذمہ داری ہے

سلطنت کے چلانے کیلئے عقلمندی اور تجربہ ضروری ہے - اگر نالائق اور ناتجربہ کار بڑے عہدوں پر قبضہ کرلیویں تو قوم کو چاہیے کہ انقلاب کردے - اگر انقلاب نہ کرسکی تو ملک اور ملت تباہ ہوجائیگی -

آیت نمبر حاصل کلام :-

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مالیات کا بڑا آفیسر مجھ کو بنادو اور میں بڑا عالم ہوں علم مالیات کا اور اس کو ترقی دینے کی تدبیریں مجھکو معلوم ہیں - اور اناج کی حفاظت کی تدبیریں ۱۴ سال تک کرنی یہ بھی مجھکو معلوم ہیں - میں اس کا خوب ماہر ہوں تو بادشاہ نے یہ مالیات کا محکمہ اس کے سپرد کردیا -

مصر کی حکومت کا مختار کل بننا اور شادی سورة توراۃ کی روشنی میں -

توراۃ میں پیدائش کے احوال میں باب ۴۱ میں آتا ہے - آیت ۴۱-۴۰-۳۹ میں ہے اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا چونکہ خدا نے تجھے یہ سب کچھ سمجھا دیا ہے - اس لیئے تیرے مانند دانشور اور عقلمند کوئی نہیں سو تو میرے گھر کا مختار ہوگا - اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلیگی - فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہونگا اور فرعون نے یوسف سے کہا کہ دیکھ میں تجھے سارے ملک مصر کا حاکم بناتا ہوں اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسفؑ کے ہاتھ میں پہنادی - آیت نمبر ۴۳ اور اس نے (فرعونؑ) اسے اپنے دوسرے رتھ میں سوار کراکر اس کے آگے آگے یہ منادی کروادی کہ گھٹنے ٹیکو اور اس نے اسے سارے ملک مصر کا حاکم بنادیا آیت ۴۴ اور فرعون نے یوسف سے کہا کہ میں فرعون ہوں اور تیرے حکم کے بغیر کوئی آدمی اس سارے ملک مصر میں اپنا ہاتھ یا پاؤں ہلانے نہ پائیگا اور اس نے (فرعونؑ) اون کے پجاری فوطیفرع کی بیٹی آسنیاتھ

کو اس سے بیاہ دیا۔ آیت نمبر 50 اور کال کے پہلے اون کے پجاری فوطیفرع کی بیٹی آسیناتھ کے یوسف سے دو بیٹے پیدا ہوئے اور یوسفؑ کے پہلوٹھے کا نام منسی رکھا اور دوسرے کا نام افرائیم رکھا اور پیدائش باب 48 میں ہے ?

آیت نمبر1 ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ کسی نے یوسف سے کہا کہ تیرا باپ بیمار ہے سو وہ اپنے دونوں بیٹوں منسی اور افرائیم کو ساتھ لیکر چلا آیت نمبر5 یعقوبؑ نے یوسفؑ سے کہا سو تیرے دونوں بیٹوں بیٹے جو ملک مصر میں میرے آنے سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ میرے ہیں لیعنی روبن اور شمعون کی طرح افرائیم اور منسی بھی میرے ہی ہونگے۔

اب یہاں سے صاف معلوم ہو گیا کہ قصہ گو ناول نویس لکھتے ہیں کہ عزیز مصر کی عورت کا نام زلیخا تھا۔ یہ نام نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ تورات میں تورات والے نام وغیرہ لکھنے میں بڑی فراخدلی دکھاتے ہیں۔ ان[1] نے بھی بیگم عزیز کا نام نہیں بتایا۔ واللہ اعلم یہ نام کہاں سے لے آئے ہیں۔

عزیز مصر کی ملکہ کا نام "زلیخا" غلط معلوم ہوتا ہے اس کی تصدیق نہ تورات سے ہوتی ہے اور نہ قرآن حکیم سے۔ یہ ناول نویسوں کا خیال ہے۔

پھر جس عورت سے بادشاہ مصر نے یوسف علیہ السلام کا نکاح کرا دیا تھا۔ اُس کا نام اور اُس کے باپ کا نام ظاہر طور پر رکھدیا۔ اور جو اس سے بیٹے پیدا ہوئے اُن کے نام بھی لکھ دیئے۔ اور یہ قصہ نویسوں کا کہنا کہ عزیز مصر کی عورت کا نام زلیخا تھا اور پھر اس سے یوسفؑ نے بادشاہ سمجھو جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ اللہ کے پیغمبروں پر جھوٹ مارتے ہیں اور خدا کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور ہر عقلمند شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک اتنا خدا کا مقدس پیغمبر اپنی ماں سے کیسے نکاح کر سکتا ہے اور اگر مان لیویں تو پھر وہ تہمت کہ یوسف علیہ السلام کو بھی اس سے کوئی تعلق تھا اور جس کی وجہ سے کہ جیل گیا تھا۔ تو پھر وہ سچی ہو جاتی اور دال میں بھی

ملکہ عزیز مصر سے حضرت یوسفؑ کے نکاح کا قصہ ناول نویسوں کی اختراع اور تہمت ہے اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔ اور انبیاء کی شان میں گستاخی ہے۔ ایسی معلوم ہوتے ہیں۔

[1] انہوں نے

کچھ کالا تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اور جب یوسف علیہ السلام کا نکاح اس ناقہ سے ہوا تھا تو عزیز مصر زندہ تھا۔ اس کے مرنے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ یوسف علیہ السلام کے ماتحت تھا۔ (یقیناً تھا؟)

یوسف علیہ السلام بڑے عقلمند اور مصلح اور ریفارمر تھے۔ اور پھر مقدس بھی تھے تو بادشاہ نے فرمایا کہ آج دن سے یوسف علیہ السلام تم ہمارے ہاں بڑی عزت والے ہو اور ثابت ہو گیا کہ آپ بڑے امین ہیں۔ سلطنت کا کام آپنے بڑی امانت سے چلایا جو ہم کو شک وشبہ تھا۔ کہ یہ انقلابی ہے وہ سب ہمارے دل (دلوں) سے اور ہمارے درباریوں کے دلوں سے دور ہو گئے ہیں۔ تم شاہی دربار میں ہمارے ہاں بڑی عزت والے ہو اور امانتی ہو جو تدبیر سوچو گے ہم سب اس پر عمل کرنے کیلئے تیار ہیں۔ آپ کی دیانت اور امانت پر ہم کو بالکل بڑا یقین ہے۔ اب سوچو اور تدبیر کرو کہ آئندہ جو سات سال کا قحط آنے والا ہے۔ اس سے کیسے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ جو تدبیریں اختیار کرو گے ہم سب آپ کے مددگار رہیں گے اور ان پر عمل کرنے کیلئے اپنے آپ کو اور ساری رعیت کو پابند رکھتے ہیں۔

جو برتا بل کو مخالفت و دشمنی سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ وقت آنے پر وہ اپنا لوہا منوالیتا ہے اور مخالفین ناکام و نامراد رہتے ہیں۔

قوم کی فلاح کیلئے حضرت یوسف کی صلاحیتوں سے استفادہ حاصل کرنے کی تدبیر۔

آیت نمبر 56 وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۔

سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ کسی کی محنت رائیگاں نہیں کی جاتی بلکہ جہد مسلسل کے بعد اُسے بامِ عروج پر پہنچایا جاتا ہے ۔

ترجمہ :- اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ پکڑتا اُس میں جہاں چاہتا ۔ پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلا بھلائی والوں کا ۔

مطلب :-

حضرت یوسف علیہ السلام جب بادشاہ سے کلام کر چکے تو بادشاہ سمجھ گیا کہ حضرت) یوسف علیہ السلام بڑے عقل مند بہت مدبر اور خدا رسیدہ آدمی ہیں ۔ لوگوں نے غلطی سے ان کو جیل میں بند کر دیا تھا ۔ اس غلطی کا کفارہ بادشاہ نے یہ کیا کہ اپنا خاص آدمی بنا لیا ۔ اور اس کو بڑا مرتبہ دے دیا ۔ اس کے بعد جو یوسف علیہ السلام نے استدعا کی تھی ۔ بادشاہ نے قبول کر لی ۔ اب یوسف علیہ السلام ملک مصر پر ڈکٹیٹر مختار الکل بن ہو گیا ۔ جو چاہے سو کرے ۔ جس شخص کو کام میں لگائے یا کام میں نہ لگائے اختیار ہے ۔ کیونکہ اس کو آبادی اور زراعت کا کام کرنا ہے تو جس جگہ زمین میں جائیگا اس کو اختیار کلی دے دیا گیا ۔ وہ گھر میں بیٹھنے والا آدمی نہ تھا اُس کو آبادی[1] کروانے کیلئے ہر ہر خطہ زمین کی دیکھ بھال کرنی تھی ۔ اور زراعت کے لائق جو زمین کے ٹکڑے ہوں ۔ ان[2] پر زراعت کرانی ہے ۔ جو ایسے ٹکڑے ہیں جن پر گھاس وغیرہ ہوتا ہے وہ گھاس کٹوا کر مویشیوں کیلئے حفاظت سے رکھنا ہے تو اس کو ہر وقت ملک کا دورہ کرنے کی ضرورت پڑیگی ۔ خیمے لگا کر کئی دن رہنا پڑیگا ۔ تو ملک کی دیکھ بھال اور پڑتال کرنے کی ہر وقت ان کو ضرورت پڑیگی ۔

بادشاہ مصر نے حضرت یوسفؑ کی صلاحیتوں کے اعتراف کے طور پر انہیں مصر کا مختار کل بنا دیا ۔

حضرت یوسفؑ کی زرعی اصلاحات اور طریق کار

۱ ۔ کاشتکاری / زراعت
۲ ۔ اصل میں اس تھا

یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں حصہ دیتے ہیں۔ اس کی معنی یہ ہے کہ جو لائق آدمی ہوتا ہے یا اپنے اندر لیاقت پیدا کرتا ہے اس لیاقت کے موافق اس کو زمین پر اقتدار دیتے ہیں۔ جو خلق کا خیرخواہ ہوتا ہے ہم ان کو کبھی ضائع نہیں کرتے۔ یوسف علیہ السلام میں بڑی عالیشان استعداد تھی تو ان کو ان کی استعداد کے مطابق جہان میں اقتدار اور عزت دے دی۔ یوسف علیہ السلام میں سب سے بڑا جوہر یہ تھا کہ اقتصادیات اور مالیات کے معاملات بہت خوب جانتے تھے اور بادشاہوں اور سلطنتوں کو مالیات کے جاننے والے درکار ہوتے ہیں اور ان کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ کیونکہ حکومت کا زیادہ دار و مدار مالی ذرائع پر ہوتا ہے۔ اور مالی ذرائع تمام حکومتوں میں مشترک ہوتے ہیں اور اسی بنا پر حکومتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہیں اور حکومتوں کی ترقی اس میں ہوتی ہے کہ آپس میں مالی معاملات مشترک ہوں۔

صاحب استعداد کو اللہ تعالیٰ اس کی لیاقت کے مطابق زمین پر اقتدار عطا فرماتے ہیں۔

اب اگر کوئی حکومت اپنی بے عقلی سے دوسری حکومتوں سے علیحدہ ہو جائے (مالی ذرائع میں) تو اس کی ترقی کی رفتار کٹ جائیگی اور بربادی کی طرف چلا جائیگا۔ تو چھوٹی چھوٹی قومی حکومتیں الگ الگ بیٹھنا حماقت ہے۔ بین الاقوامی حکومتوں کے ساتھ ہر وقت تعلق رکھنا ضروری ہے۔

بین الاقوامی حالات و معاملات سے علیحدگی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

قوموں کی زبان اور معاشرت کو ایک نہیں کیا جا سکتا۔ مگر سب قومیں ایک نظام کے ماتحت رہ کر اپنی زندگی اچھی طرح بسر کر سکتی ہیں۔ ہر ایک حکومت کو معاشرت کے نظام میں اپنا اپنا حق ہونا چاہیئے۔ مگر نظام حکومت سب

قوموں کی زبان و معاشرت جُدا سہی مگر ایک نظام کے تحت زندگی بسر کی جا سکتی ہے جو کہ بین الاقوامی ہونا چاہیئے۔

سب مل کر ایک بنائیں اور سب کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ جہاں ظلم پیدا ہوئے کو ہو وہاں سب ملکر اس کو برباد کریں - یہ نہ کرنا چاہیے کہ ضعیف اقوام کو غلام بنائیں -

ایک ملک میں قحط پڑتا ہے وہاں ضروریات زندگی کی قیمت بڑھ جاتی ہے تو تاجر لوگوں کا یہ نظام ہے کہ جہاں قیمت زیادہ ملیگی (اشیاء) وہاں کھینچ لے جاوینگے تو قحط زدہ ملک میں اناج وغیرہ زیادہ جمع ہو جائیگا کیونکہ وہاں قیمت زیادہ ملتی ہے۔ اور جہاں وہ اناج پیدا ہوتا تھا وہ ملک اناج سے خالی ہو جائیگا اگر تجارت پر نگرانی نہ کی جائے تو تمام ملک قحط زدہ ہو جاتے ہیں اور رعیت کی حالت ابتر ہو جاتی ہے - مالیات پیدا کرنے کے بعد تجارت پر سخت نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے -

مالیات اور تجارت پر حکومت کی نگرانی نہ ہو تو تاجر اشیاء کو دوسرے ممالک بھیج کر قلت پیدا کر دیتے ہیں اور عوام کو دقت پیش آتی ہے -

یوسف علیہ السلام کو اپنے ملک کے تاجروں پر ضابطہ رکھنا ضروری تھا اور سرحدات کی جانچ پڑتال کریگا - اور آنے والے سات سال قحط کیلئے تدابیر اختیار کریگا کہ کوئی ایسی چیز باہر نہ جائے جس سے اس وقت ہم کو تکلیف درپیش آئے - زراعت اور معدنیات کے بھی اس کو انتظام کرنے ہوں گے - اور پہاڑوں پر جانا اور ان میں سوچ کرنے والے آدمی تیار کرنا ہونگے - جو کچھ یوسف علیہ السلام نے تدابیر اختیار کر رکھی تھیں اگر تمام حکومتیں ایسی ان جیسی تدابیر اختیار کریں تو ہمیشہ ملکوں میں خوشحالی ہوگی - مگر اپنے ملکوں سے ضروریات زندگی بادشاہ خود اتنا باہر بھیجتے ہیں جس سے اپنے ملک میں قحط سالی جیسی حالت ہو جاتی ہے -

برآمدات پر مناسب پابندی بھی ملکی معیشت کو رو بہ تنزل ہونے سے بچاتی ہے

سامی نبوتوں کی تاریخ محفوظ ہے۔ انسانی سوسائٹی کی فلاح کیلئے اختیار کردہ تدابیر آج تک محفوظ ہیں۔

سامی نبوتوں کے سلسلے کی تاریخ محفوظ ہے۔ انہوں نے جو کام کئے ہیں انسانی ضرورتوں کے متعلق اور جو مشکلات انسانوں پر آتی ہیں اور ان تکالیف کو دور کرنے کیلئے جو تدابیر اختیار کی ہیں وہ آج تک محفوظ ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ صابی قوموں میں بھی انبیاء مبعوث ہوئے اور نبیوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ انسانی سوسائٹی کو جو دقتیں پیش

انبیاء انسانی سوسائٹی کو درپیش مسائل حل کرکے اپنے پیچھے ایک عمدہ پروگرام چھوڑ جاتے ہیں

آتی ہیں ان کو حل کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک عمدہ پروگرام چھوڑ جاتے ہیں تاکہ معاشیات میں انسانوں کو جو دقتیں پیش آتی ہیں ان کو حل کرتے رہیں گے مگر یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ صابی قوموں میں جو نبی آئے اور انسانی سوسائٹی کی خدمت

صابی نبوتوں کی تاریخ محفوظ نہ رہا

کی اس کی تاریخ صابی قوموں کے پاس نہیں۔ یہ ان کی اپنی غلطی ہے۔ انہوں نے شہوت پرست حاکموں اور برہمنوں کے قصے یاد کر رکھے ہیں اور اپنے ریفارمروں اور مصلح لوگوں کی تاریخ گم کر بیٹھے ہیں تو اس کا جرم ان پر ہے ہر قوم اور (تمام) سوسائٹی کا مقدس حصہ مذہب اور دھرم سے یاد کیا جاتا ہے۔

حنفی سلسلہ کی تاریخ بھی محفوظ ہے۔ بنی اسرائیل نے اسے تورات میں محفوظ رکھا

اور ہمارے حنیفی سلسلے کا جو ابراہیم علیہ السلام سے چلتا ہے وہ بالکل محفوظ ہے۔ (حضرت) اسحاق علیہ السلام سے جو جماعتیں پیدا ہوئیں انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے سلسلے کی تاریخ کو محفوظ رکھا۔ اسلئے ہم بنی اسرائیل کے مشکور ہیں کہ انہوں نے تورات میں اس کی تاریخ محفوظ رکھی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے اپنی مذہبی روایات کی ایسی حفاظت کی آج تک کسی قوم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔[1] اسلئے جابجا قرآن مجید میں تورات کا ذکر آتا ہے۔

اب صابی قوموں کو دیکھتے ہیں۔ اس میں دو بڑے نامور بزرگ پیدا ہوئے ہیں جن کا نام آج تک مشہور ہے

صابی جانتے نہ مانتے

[1] کتب احادیث اور اسماء الرجال اسکی شاہد عادل ہیں۔

صابی قوموں کے دو نامور بزرگ ۱۔ کرشن ۲۔ بدھو۔

ایک کرشن ۔ دوسرا بدھو ۔ تو شہوت پرست برہمنوں اور بادشاہوں نے (کرشن) کی سوانح عمری ایسی بدنما دکھائی ہے جس سے انسانی فطرت انکار کرتی ہے۔ اور اسیطرح بدھو کی حالت ہے۔ اگر ان کی پوری تاریخ محفوظ ہوتی تو شاید صابی قومیں معاشیات اور اقترابات میں بہت کچھ ترقی کر سکتی تھیں۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام حنفی طریقہ میں ایک کڑی ہے ۔ اس کے بعد بڑا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اب یوسف علیہ السلام جو کام کرتے ہیں۔ اور ملک مصر میں جو مرکزی طاقت رکھتا تھا جو اصلاحات کیں۔ ان کو زندہ رکھنے کیلئے موسیٰ علیہ السلام آئے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کو عقل مند (جماعت) مجدد کہتے ہیں کہ جو اصلاحات یوسف علیہ السلام نے کی تھیں دو سو سال کے بعد وہ مردہ ہو چکی تھیں ۔ لوگوں نے ان کو بھلا دیا تھا ۔ اب موسیٰ علیہ السلام کی اصلاحیں تورات میں موجود ہیں اور قرآن مجید بھی اس کا مفصل ذکر کرتا ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام کا جو نصب العین ہے وہی یوسف علیہ السلام کا تھا ۔ سورہ حٰمٓ مومن میں اس کا مفصل ذکر ہے[2] وہاں کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے فرعون ۔ ہامان اور قارون کے برباد کرنے کیلئے بھیجا تھا ۔ یہ بڑے مفسد تھے ۔ (انہوں نے) انسانی سوسائٹی کو برباد کر دیا تھا اور یہی طریقہ یوسف علیہ السلام کا تھا۔ یوسف علیہ السلام تدبیر الٰہی سے مصر پہنچ گئے اور یوسف علیہ السلام کو اسلئے پیدا کیا گیا تھا کہ اقوام عالم میں اصلاحی تدابیر جاری کریں ۔ تو مصر میں کونسے[2] فسادات تھا ہم آگے ذکر کر آئے ہیں اب مختصر ذکر کرتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے یوسف کی اصلاحات کو زندہ کیا اس لئے عقل مند ان کو مجدد کہتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک ہی نصب العین تھا کہ انسانی سوسائٹی کو مفسدوں کے شر سے پاک کر کے اقوام عالم کی اصلاح کی جائے ۔

لہ جماعت ۔ ۱۔ اصلاحیں تھا ۔ ۲۔ جو نسے

مصر میں طبقاتی تقسیم کے اثرات۔
① امیر امیر تر۔ غریب غریب تر۔

1۔ ایک تو سارا ملک بھر امیروں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ وہ بڑے زمیندار اور جاگیر دار تھے اور باقی رعایا کاشتکار تھی تھے یا مزدور پیشہ تھے۔ ان کاشتکاروں اور مزدوروں کو مزدوری روزانہ اناج کی صورت میں دی جاتی تھی یعنی پاؤ بھر آٹا صبح شام کیلئے دیا جاتا تھا اور ان سے بیگار اور مکانات بنوانے کا کام لیا جاتا تھا۔ کچھ تھوڑا بہت کپڑا بھی ان کو دے دیا جاتا تھا۔ اس سبب سے، عام رعایا جانوروں کے مثل ہوگئی تھی۔ بیل گدھوں کی طرح کہ نہ ان کو اپنے دین کی خبر تھی اور نہ اپنی معاش کی خبر۔ ان کی عقل ماری گئی تھی۔ اپنے آپ کو وہ انسان بھی نہ سمجھتے تھے نہ کوئی ان کو سکھانے والا تربیت دینے والا تھا۔

امیر و غریب دونوں سود کی لعنت میں گرفتار

امراء۔ مقدس لوگوں اور حاکموں کی یہ حالت تھی کہ اپنی ضروریات زندگی بڑھاتے رہتے تھے تا آنکہ جو دولت ان کے ہاتھ میں تھی ان کی ہوس کو پورا نہ کرسکتی تھی اسلئے وہ بھی قلبی پریشانی میں مُبتلا تھے۔ اور تاجر لوگ باقی ماندہ دولت جو غریبوں کے پاس ہوتی تھی وہ لوٹ لیتے تھے اور سُود در سُود میں ان کو پھنسا دیتے تھے۔ امیروں کو بھی پیسے کی ضرورت ہوتی، تھی وہ بھی سود خواروں سے قرض لیتے تھے اور وہ بھی سود در سود میں پھنس کر تباہ ہو چکے تھے

قارون کے ذاتی خصائل

موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ میں صاف طرح ذکر ہے کہ وہاں سود خوار قارون تھا اور قارون ایک عہدہ کا نام ہے اور ہامان بھی عہدے کا نام ہے۔ تمام تجارت بھر بیرونی اور اندرونی اور بڑے بڑے سرکاری ٹھیکے اور کاروبار سود جس کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اس کو قارون کہا جاتا تھا۔

وہ (قارون) اسحاق و یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے تھا۔ بڑا عابد تھا۔ زاہد تھا اور بڑی داڑھی رکھتا تھا۔ اپنے آباؤ اجداد کے سلسلے کی، رسوم مذہبی کا پابند تھا۔

یہودیت سرمایہ پرست
اسلام سرمایہ شکن

مگر سخت سرمایہ پرست تھا ۔ اور بے رحم تھا ۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور ہامان کے سلسلے میں ان کو ذکر کردیا تو باغیرت عقلمندوں کو چاہیئے کہ غور کریں کہ سرمایہ پرست لوگ خدا کے مغضوب ہوتے ہیں ۔ ان کی نماز ۔ روزہ اور رسوم مذہبی کسی کام میں شمار نہیں ہوتے اور اسلام اور حنفی سلسلے کے تمام انبیاء سرمایہ شکن پروگرام لائے ہیں اور سرمایہ پرستوں کو برباد کرنا ان کا مذہبی پروگرام ہے ۔

انسان جب معاشی[1] مشکلات میں پھنس جاتا ہے تو اُسے تعلقات الٰہی سب بھول جاتے ہیں ۔ ایک تو یہ تھا کہ بادشاہوں اور بادشاہ پرستوں اور سرمایہ پرستوں کو تباہ کرنے کیلئے یوسف علیہ السلام آئے تھے ۔ ان کو اب آزاد ہو کر ۔ بادشاہ بنکر اور ڈکٹیٹر مختار[2] الکل ہو کر یہ کام سرانجام کرنا ہے ۔

مصر میں آزادئ نسواں کے بداثرات ۔

۲ ۔ کہ امیروں کی عورتیں حد سے زیادہ آزاد ہوگئی تھیں ۔ ان کی آزادی یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اپنی محفلوں اور جشنوں میں اپنے معشوق بھی لاتی تھیں اور ایک دوسرے کو دکھاتی تھیں ۔ اور انصاف طلب کرتی تھیں ۔ اور مصر کی عورتوں کو کوئی معاشیات کا کام کرنا عیب شمار ہوتا تھا ۔ ان کا کام تھا کہ اعلیٰ درجے کے زیور پہننا اور کلبوں میں جانا اور ناٹکوں[3] میں تماشے دیکھنا ۔ ناٹک ایک قدیمی کھیل ہے اب اس کو سینما کی شکل دے دی گئی ہے ۔ عورتوں کی آزادی کی بدرسم نے مصر کی معاشیات کو برباد کر ڈالا تھا ۔ امراء سمجھدار مرد اس سے تنگ آگئے تھے ۔ مگر زبان سے کچھ بات کہہ نہ سکتے تھے ۔ موجودہ زمانے میں بھی مصر کی حالت یہی ہے ۔ اور یہ عادت اسلام سے نہیں سیکھی بلکہ یورپ سے سیکھی ہے ۔ یورپ میں بھی یہ عادت ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئی ہے ۔ آگے[4] انمیں یہ بدرسمیں نہ تھیں ۔

۱ ۔ دراصل معاش کی مشکلات تھا ۔
۲ ۔ انجام دینا ہے ۔
۳ ۔ سٹیج شو وغیرہ
۴ ۔ پہلے

یورپ پر دولت کی فراوانی کے اثرات۔

جب بہت رہے، ملک فتح کئے اور تمام ملکوں کی دولت سمٹ کر یورپ میں آگئی تو عیش و عشرت میں پھنس گئے۔ اس زمانہ سے یورپ میں تنزل کے آثار پیدا ہونے لگے۔ اس زمانے کے عقلمند یورپین نے بہت واویلا کیا مگر کسی نے نہ سُنا۔ آخر اس وبا نے 1914ء سے اپنے آثار دکھانے شروع کر دیئے۔ اب روز بروز تنزل میں جا رہے ہیں۔

تقلید یورپ تباہی کا رستہ ہے جو ملک بھی اختیار کریگا تباہ ہو جائیگا۔

اسطرح مصر بھی تنزل میں جارہا ہے۔ جنگی طاقت انمیں گم ہورہی ہے اسلیے جو ملک بھی یورپ کی رسمیں اختیار کر لیگا وہ بھی تباہ ہو جائیگا۔ یورپین لوگوں نے عورتوں کو فوجی تعلیم دے کر فوج میں بھرتی کیا تاکہ جنگ میں مردوں کے دل بہلانے کے کام آسکیں۔

الہی تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیّاری۔ اقبالؒ

مصر میں پیروں اور مقدس لوگوں کی حالت

۳۔ مصر میں تعلق باللہ سکھانے والا کوئی نہ رہا تھا۔ پیر اور مقدس لوگ ایک فریبی جماعت تھی۔ اپنے فریبوں سے غرباء اور امراء کو پھنسا کر مرید بناتے تھے۔ انہیں تعلق باللہ کچھ نہ رہا تھا۔ فقط فریب اور دجل کے ذریعہ ان کی معاش تھی۔

اپنے مشن کی کامیابی کیلئے یوسف علیہ السلام کی جدوجہد۔

اب یوسف علیہ السلام نے، جو وزارت کی حالت میں اصلاحات شروع کی تھیں۔ اور بہت سمجھدار جماعت اس کے ارد گرد جمع ہو گئی تھی۔ مگر قید کے ایام میں قدرے کام ترک کیا گیا تھا۔ اب بڑے زور شور سے اس کام کو شروع کرتے ہیں۔ اور بڑی جماعت ان کے معتقدین میں سے ان کے ہمراہ ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد عالمگیر انقلاب کرنا[1] چاہتے ہیں

۱۔ لانا چاہتے ہیں۔

اور آپ صلعم کی جماعت کا نظریہ اور نصب العین عالمگیر انقلاب کا ہے تو مدینہ منورہ میں آکر بڑے زور شور سے اور طاقت سے کام شروع کر دیا - دس سال میں وہ کام سرانجام ہو گیا - تمام عرب اس نظریہ پر آگئے -

حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار میں آنے سے ان کی جماعت بھی برسراقتدار آگئی اسلئے اصلاحات کے کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہوئی -

اسیطرح یوسف علیہ السلام کا حال ہے کہ ان کو اکیلا نہ سمجھنا چاہیئے - ان کے ساتھ بھی مصلحین کی ایک بڑی جماعت ہے - یوسف علیہ السلام جب اقتدار پر آگئے تو ساری جماعت بھی اقتدار پر آگئی - اس جماعت کے مخلص اور سچے آدمی تھے اور نیک نیتی سے کام کرنے والے تھے تو اصلاحات کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہر ملک میں امراء اور زر پرست گنتی کے چند آدمی ہوتے ہیں ان کو زیر کرنا اور پروگرام کے ماتحت چلانا کوئی مشکل بات نہیں ہوتی -

انبیاء و اولیاء کرام کبھی اکیلے نہیں ہوتے ہمیشہ مخلص لوگوں کی جماعت ان کے ساتھ ہوتی ہے -

تمام لوگ یوسف علیہ السلام کو اکیلا سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے - اللہ والے لوگ یعنی اولیاء کرام ایک ساعت کسی جگہ میں ٹھہرتے ہیں تو اس جگہ کے لوگ جان و مال فدا کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں - یہ تو تجربہ شدہ بات ہے - تو اب خیال کرو جب یوسف علیہ السلام جیسا نبی مصر میں آکر وزیر ہو گیا تو ان کے تابعدار گنتی سے بھی زیادہ باہر ہونگے - اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ وہ غریب اور ضعیف تھے - مگر یوسف علیہ السلام جیسے لیڈر کے ماتحت رہنے سے ان میں کتنی بڑی جرأت ہو جائیگی -

جماعت کی اہمیت

فائدہ :- یہ ہم نے اس لئے لکھا ہے کہ کوئی نبی یا ولی اکیلا کام نہیں کر سکتا جب تک اس کے ساتھ اس کے نظریہ کے مطابق چلنے والی جماعت نہ ہو - اصل[1] جماعت ہوتی ہے - اس جماعت کے زور سے عالمگیر انقلاب برپا کر دیتے ہیں -

1 - دراصل ان کی جماعت

انبیاء و اولیاء اور مصلحین کا مشن ہمیشہ جاری و ساری رہتا ہے۔ کیونکہ انکے متبعین کی جماعت موجود رہتی ہے۔

اب یوسف علیہ السلام مصر میں انقلاب کرنا[1] چاہتے ہیں۔ ایک تو یوسف علیہ السلام مختار الکل ہے اسلئے انکا حکم ماننا ضروری ہوگا اور پھر اس کے ساتھ سچے تابعداروں کی للہ فی اللہ کام کرنے والی بڑی جماعت موجود ہے۔ اب اس کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئیگی۔

یہی معنی ہے لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ - توبہ - ۹: ۱۲۰

یعنی یوسف علیہ السلام اور ان کی جماعت نیکوکار اور سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے والی تھی۔ تو ان کا اجر ہم نے ضائع نہ کیا۔

رسول کریم صلعم نے مکہ میں بھی اپنے جانثاروں کی جماعت پیدا کرلی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ میں بڑی جماعت تیار کرلی تھی۔ جو عالمگیر انقلاب کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ان کو مدینہ جیسی جگہ عطا کی گئی۔ وہاں آزاد ہو کر عالمگیر انقلاب کی صورت پیدا کرسکیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بیماروں۔ معذوروں اور بوڑھوں کے علاوہ سب لوگوں کو کام پر لگا دیا۔

ہم لکھ آئے ہیں کہ بادشاہ نے سخت حکم[2] صادر کئے تھے کہ یوسف علیہ السلام کے حکم کے ماتحت رہو اور اگر کسی نے اس کے حکم کے بغیر ہاتھ پاؤں چلائے تو سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ سب لوگ اس کے حکم کے آگے گھٹنے ٹیک دو۔ تو یوسف علیہ السلام نے اپنی جماعت کو حکم دیا جو لوگ امیر ہوں یا غریب یا فوجی ہوں یا سول ہوں عورتیں خواہ مزدور ہوں یا دولت مند ہوں سب کو نکال کر آبادی میں لگا دو[3]۔ کوئی شخص گھر بیٹھ کر روٹی نہیں کھا سکتا۔ سوائے ضروری نوکروں کے سول کے ہوں یا فوجی سب کو کام پر لگا دیا۔ بیماروں۔ بوڑھوں اور معذوروں کے سوا سب آبادی پر جائیں تب ان کو راشن دیا جائیگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی جماعت نے اصلاحات کے نفاذ میں ان کی معاونت کی۔

یوسف علیہ السلام کی جماعت جو[4] اس نے آگے[5] تیار کر رکھی تھی بڑی دیانت اور امانت داری سے کام کرنے لگے[6] اور اس کے احکام کو خوش اسلوبی کے ساتھ عملی جامہ پہنانے لگے۔

۱۔ لانا چاہتے ہیں۔
۲۔ احکام
۳۔ کام پر لگا دو۔
۴۔ جو انہوں نے
۵۔ پہلے
۶۔ لگی

اور اُس[1] نے احکام[2] کو خوش اسلوبی کے ساتھ عملی جامہ پہنانے لگے۔ اب امیر امراء اور اُن کی عورتیں کھیتی کرنے کیلئے جاتی ہیں۔ بیلوں وغیرہ کا چارا اور بال بچوں کی سنبھال بھی عورتوں پر ہے تو عشق عیاشی وغیرہ کی سب باتیں بھول گئی۔ ہر ایک کو راشن ملتا ہے۔ دعوتیں اور جشن ختم ہو گئے اور ہر وقت یوسف علیہ السلام ان کی نگرانی کرتا ہے[3]۔ اوّل تو اس کی جماعت بڑی نیک نیت تھی اور نگرانی کرنے والا خود حضرت یوسف علیہ السلام ہو تو کیسی عمدہ خوش اسلوبی کے ساتھ کام سرانجام پاتا ہوگا۔ ہاں امراء لوگ اور اُن کی عورتیں آپس میں بڑی شکایتیں کرتی تھیں کہ یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو خدا کا نمائندہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امیر اور غریب ایک سطح یا لیول پر رہیں اور سب کو زراعت کے کام میں ٹھونس دیا ہے زراعت کا کام تو غرباء کرتے ہیں اور امیروں کو اللہ تعالیٰ نے آرام و آسائش کیلئے پیدا کیا ہے تو سب کو ایک لیول پر رکھنا یہ خدا کا کام نہیں۔ خدا کا کام یہ ہے کہ کوئی غریب ہوگا کوئی دولت مند ہوگا۔ کوئی عقل مند ہوگا اور کوئی بے عقل۔ سب کو ایک درجہ پر رکھنا یہ خدائی کام نہیں۔ بس بیچارے شکوے اور شکایت کرتے تھے پر سننے والا کوئی نہ تھا۔ اسطرح سات سال خوشحالی کے انہوں نے بڑی تکلیف اور مشقت میں گزارے۔

یوسف علیہ السلام کی پالیسی پر امراء کی نکتہ چینی۔

اب سات سال قحط سالی کے آتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام خوشحالی کے سات سال اناج وغیرہ حفاظت سے رکھتے تھے۔ مصر کے لوگوں کو راشن پر گزارنے (کی) عادت ہو گئی تھی۔ اب قحط سالی والے سات سال میں اس طرح حکم دیا کہ دولت مندوں کے پاس اگر دولت ہو تو اپنا راشن اپنی قیمت سے خرید کریں اور مسکینوں کو مفت دیا جاتا تھا۔

۱۔ اُن کے
۲۔ احکاموں تھا۔
۳۔ کرتے ہیں۔

قحط و آفات کی صورت میں رعایا کی کفالت کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

تا آنکہ تمام رعایا مصر کے دارالسلطنت میں اکٹھی ہوگئی۔ امیروں کی جگہوں میں حکومت نے ان کو ٹھہرادیا اور امیروں کیلئے اور جن کے گھر تھے۔ ضرورت کے مطابق اُن کے پاس رہنے دیئے۔ باقی سب دیہاتیوں کے رہنے کیلئے دے دیئے۔ اور سال بسال خشک سالی بڑھتی گئی حتیٰ کہ کنوؤں میں پانی بھی کم ہوگیا۔ زراعت کے کام نہ آسکتا تھا۔ فقط پینے کیلئے مکتفی ہوسکتا تھا۔ جانوروں کا چارہ وہ تھا جو اناج کو خوشوں میں رکھا تھا اور اناج کو جب صاف کرتے تھے تو وہ چارہ دیا جاتا تھا تو بہت سے لوگ اناج صاف کرنے کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ اور بہت سے لوگ راشن تقسیم کرنے میں لگے رہتے تھے تو عشق و عیاشی کی باتیں ختم ہو گئیں۔ امراء بھی کوئی نہ رہے اور نہ کوئی بڑے عہدیدار رہے۔

یوسف علیہ السلام نے جو اپنی جماعت تیار کر رکھی تھی وہ بڑی ایماندار تھی۔ بڑی ایمانداری اور سلیقہ سے کام کرتی تھی۔ امراء اور ان کی عورتیں گھر میں بیٹھ کر بہت شکایت کرتی تھیں کہ نہ ہمارا گھر رہا ہے نہ ہماری عزت رہی ہے ہم اور گنوار لوگ برابر ہوگئے ہیں اور گنواروں کے برابر ہم کو راشن ملتا ہے اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھاتی ہیں۔ اور ہاتھی کو اس کے موافق راشن دیا جاتا ہے اور بکری کو بکری کے موافق اور یوسف علیہ السلام نے اناج تو بہت ہی اکٹھا کیا ہے۔ تو اس سے ہم کو زیادہ دیتا تو ہم اپنی پوزیشن پر رہتے۔

مصر میں قحط سالی کے اثرات۔

حاصل کلام: یوسف علیہ السلام نے جو بہت اناج اکٹھا کر رکھا تھا وہ صرف مصر ہی کیلئے نہ تھا۔ بلکہ یہ قحط سالی ایک بڑی آفت تھی۔ اس کے آثار یمن اور تمام شام میں پھیل گئے تھے۔ اناج سوائے مصر کے کسی جگہ نہ رہا تھا۔ سب ان ملکوں کے سب لوگ اناج

یوسف علیہ السلام اپنے کام اسقدر منہمک ہو گئے کہ اپنے والد اور بھائیوں کو اطلاع تک نہ بھیجی۔

لینے کیلئے مصر میں آتے تھے اور راشن کے انداز پر یوسف علیہ السلام ان کو اناج دیتے تھے یمن میں محکمہ آثار قدیمہ نے جو حال ہی میں ایک قبر کھودی تو اس کا حال معلوم (دیکھ) کرائے ہیں

انبیاء علیہم السلام کی عادت ہے کہ وہ اپنے سپرد شدہ کام کی تکمیل کیلئے کام کرتے رہتے ہیں۔ اب مصر یوسف علیہ السلام جو ملک مصر کے مختار الکل ہو گئے ہیں۔ کبھی اپنے باپ اور بھائیوں کی طرف کوئی اطلاع نہیں بھیجی کیونکہ جو کام ان کو اللہ تعالیٰ سے دیا گیا تھا۔ اسی کی انجام دہی میں مشغول تھے۔ دوسری طرف نظر کرنی ان کو گناہ معلوم ہوتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے امراء و غرباء میں مساوات قائم کر دی تھی اور زمین اور مکانات تقسیم کرا دیے تھے۔ زمین کا شتکاروں میں حسب ضرورت تقسیم کرا دیں۔

اب یوسف علیہ السلام نے امیروں اور غریبوں میں مساوات پیدا کر دی اور دوسرے آزادی نسواں جو بہت ہی بے حیائی کو پہنچ چکی تھی۔ اس کی بیخ و بنیاد اکھاڑ دی اور جب قحط سالی کے سات سال ختم ہوئے تو زمین اور مکانات مساوات سے تقسیم کر دیئے اور حکم دیا کہ جتنی زمین کوئی آباد کر سکتا ہے اتنی ہی اس کو دی جائے اور بیل وغیرہ بھی اسی انداز سے دیئے جائیں۔ یہ اُن کا آخری فیصلہ تھا۔ اب اپنا مشن پورا کر چکے ہیں۔

جاء اخوۃ یوسف سے متعلق ہے ۔

ملکی امن و سلامتی کیلئے ضروری ہے کہ ملک میں داخل ہونے والے ہر شخص (غیر ملکی) کا باقاعدہ اندراج اور نگرانی ہو۔

اب قحط سالی جو ہر ملک میں پھیل گئی تھی۔ اسی اثناء میں اس کے بھائی بھی اناج لینے کیلئے مصر میں آتے ہیں۔ مگر پرانے احکام کے مطابق جو ملک مصر میں جاری تھے اور اس سے مصر کی حفاظت ہوتی تھی کہ انقلابی لوگ اور حملہ کرنے والی قوموں کی روک تھام ہو وہ ہر باہر سے آنے والے کا نام اور قوم وغیرہ لکھ لیتے تھے اور جو قومیں ملک مصر کی مخالف تھیں اس کا پورا پتہ نشان لکھ دیتے تھے۔

(حضرت) یعقوب علیہ السلام اور اس کی جماعت میں یہ پیشین گوئی مشہور تھی کہ ملک مصر پر ہمارا قبضہ ہوگا اور مصریوں کو بھی معلوم تھا کہ وہ ایسے منصوبے بنا رہے ہیں - اب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر میں داخل ہونے کیلئے جس راستے یا دروازے پر آئے تو پولیس نے ان کے نام وغیرہ دریافت کرکے حکومت کو رپورٹ بھیج دی کہ یہ فلاں قوم کے آدمی ہیں اور شاید جاسوس ہوں - ان پر کڑی نگرانی کی ضرورت ہے - تو یوسف علیہ السلام ان سے کوئی مروت کی بات نہیں کر سکتے تھے اور سب سلطنتوں کا یہی قاعدہ ہے کہ جاسوسوں کی کڑی نگرانی کرتے ہیں تو یوسف علیہ السلام مجبور تھے[1] کہ ان پر تہمت تو لگ چکی ہے تو نگرانی کرنی چاہیئے -

ملزم سے کسی مروت کا سلوک انصاف کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے - اسلئے حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کے ساتھ کوئی مروت کی بات نہ کی کیونکہ ان پر جاسوسی کی تہمت لگ چکی تھی۔

توریت پیدائش باب 42 میں لکھا ہے کہ یوسفؑ نے ان سے (بھائیوں) اپنے بھائیوں سے کہنے لگا کہ تم جاسوس ہو تم آئے ہو کہ اس ملک کی (بری)[2] حالت دریافت کرو -

اب جو یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو جاسوس کہتے ہیں یا الزام لگاتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصری پولیس چوکی کی رپورٹ اُن کو مل چکی تھی -

آیت نمبر 57

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ -

ترجمہ :- اور ثواب آخرت کا بہترین ہے ان کو جو ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری میں

مطلب :- اللہ جل شانہٗ نیک کام کرنے والوں کو اور انسانی سوسائٹی کی خدمت کرنے والوں کو دنیا میں ان کا اجر سرداری کی صورت میں دیتا ہے - وہ سردار ہو کر رہتے ہیں - یوسف علیہ السلام نے انسانی سوسائٹی کا کام اپنی نیک نیتی سے کیا -

نیکوکاروں اور انسانی سوسائٹی کے خدمتگاروں کو دنیا میں اللہ تعالےٰ سرداری کی صورت میں اجر سے نوازتا ہے - یہ دنیاوی انعام ہے۔

1- دراصل "تھا" تھا -
2- "بری" حذف کیا گیا ہے

جتنا عرصہ عزیز مصر کے گھر میں تھے اور وزارت پر تھے ۔ ان کی غرض وغایت انسانی سوسائٹی کی خدمت تھی ۔ غریبوں سے ظلم دور کرنا اور لوگوں میں عدالت و مساوات پیدا کرنا ۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے تو ان کے معتقد مرید غرباء جماعت میں بہت پیدا ہو گئے ۔ اگرچہ امراء کو ان کا پروگرام دشوار معلوم ہوتا تھا ۔ نبی کو آرام نہیں آتا اور اسی طرح اولیاء اللہ کو آرام نہیں آتا جب تک اپنے پروگرام کے (مطابق) موافق جماعت پیدا نہ کرلیں ۔ اور اپنی جماعت میں علم اور معارف بیان کرتے ہیں ۔ اس سے ان پر نئے نئے علوم حظیرۃ القدس سے نازل ہوتے رہتے ہیں تو یوسف علیہ السلام باہر یا جیل میں اپنے سپرد شدہ کام سے غافل نہ رہے اور نہ اُس کی جماعت اپنے پروگرام سے غافل رہی ۔ یوسف علیہ السلام جب قید میں گئے تو ان کی جماعت ان کے پیچھے ان کی تبلیغ اور پروگرام کو ہمت سے چلاتی رہی ۔ تو اس کام کا تھوڑا سا اجر اُن کو اور ان کی جماعت کو اس صورت میں ملا کہ وہ اب مصر کے مختار الکل بن گئے ۔

انعامات اُخروی کی لذت و سرور اور دیدار الٰہی ایک اعلیٰ نعمت ہے ۔ یہ اُن لوگوں کو ملتی ہے جو تسلسل حیات کو مانتے ہیں ۔

اور ان کی جماعت ان کے حکم پر کام کرنے لگی ۔ تو یہ دنیاوی اجر تھا ۔ اور آخرت کا اجر تو بڑا ہے ۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اتنے [1] عالیشان ہیں کہ انسانی زبان اور اصطلاح میں ذکر نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ سرور اور لذت اور اللہ تعالیٰ کا دیدار سب سے بڑی اور اعلیٰ نعمت ہے ۔ مگر ملتی ان لوگوں کو ہے جو تسلسل حیات کو مانتے ہیں اور اپنی آئندہ زندگی (اخروی زندگی) کیلئے کام کرتے ہیں ۔ اُن کا نصب العین دنیاوی زندگی میں آرام اور آسائش نہیں ہوتا ۔ ان کی نیتیں ۔ خیالات اور نصب العین سب کے سب آخرت کیلئے ہوتے ہیں دنیا میں اگر انکو کوئی آسائش مل گئی تو وہ اپنے کام کا اجر اور مزدوری نہیں سمجھتے ۔

١ ۔ قدر محذوف

بلکہ جو کچھ ان کو دنیا میں ملتا ہے۔ اس کو بھی راہ اللہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ کو اگر حضرت عمرؓ دیتے تھے تو اوّل تو لیتے نہ تھے۔ کہتے تھے کہ مبادا یہ ہمارے عمل کا اجر شمار ہو جائے تو ہم آخرت میں محروم ہو جائیں گے۔ اور اگر لیتے تو غرباء اور مساکین پر خرچ کر دیتے اور اس آیت میں ہے کانوا یتقون ۔ تقویٰ کا لغوی معنیٰ ہے بچنا۔ شرعی اصطلاح میں ان قوانین الٰہی کو توڑنے سے پرہیز کرنا جو فطرت انسانی کی تکمیل کیلئے نازل کئے گئے ہیں۔ اور ان قوانین کو توڑنے والے کا نام فاسق رکھا گیا ہے۔

?

فطرت انسانی کی تکمیل کیلئے چار خصائل بہت ضروری ہیں۔ تمام انبیاء اور خود قرآن مجید نے بھی ان خصائل پر بہت زور دیا ہے۔

فطرت انسانی کی تکمیل کیلئے چار خصلتیں ہیں یعنی جن لوگوں کی عادت تقویٰ اور طہارت کی ہے ان کیلئے آخرت میں بڑے درجات ہیں۔

انسان میں چار خصلتیں ہیں۔ سب انبیاء ان کی تعلیم دیتے ہیں اور قرآن مجید بھی ان چار خصلتوں پر بہت زور دیتا ہے جن میں یہ چار خصلتیں ہوں ان کو متقی کہا جاتا ہے

طہارت

۱۔ طہارت ۔ یعنی جسم پاک ۔ کپڑا پاک ۔ مکان پاک رکھنا ۔ زبان اور ہاتھوں کو بُرے فعلوں سے پاک رکھنا اور اپنے اندر کو (دل) بُرے اور فضول خیالات سے پاک رکھنا۔

انابت

۲۔ انابت ۔ خشوع نیاز یعنی اللہ کے آگے جھکنے کی عادت ۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا ۔ اُٹھتے بیٹھتے سب کاموں میں دل اس اللہ کے آگے نیاز کرتی رہے اور لوگوں سے تواضع اور نیاز سے باتیں کرے ۔ تکبر اور بڑائی سے پرہیز کرے عام مخلوقات کی طرح زندگی بسر کرے ۔

سماحت

۵ - سماحت، سخاوت، عفت یعنی دل اس کا بہت سخی ہو اور بخل کی عادت نہ ہو
بھلے مانس ہو کر اپنے مسکینوں پر بہت رحم کرنیوالا ہو اور دریا دل ہو جو کسی انسان سے
احسان کرے اس کا پھر بیان ہی نہ کرے - اگر کوئی خوشی اس کو حاصل ہو تو اس کو بھول جائے
حیوانی خصلتوں سے بالکل دور رہے - اس کی دو مثالیں ہیں - ایک تو کبھی نہایت عمدہ
کھانا کھایا ہو تو اس کو یاد نہ کرے بھول جائے - اگر بار بار اس کو یاد کرتا ہے یا
لوگوں میں کہتا پھرتا ہے تو ایسے آدمی کو خسیس کہا جاتا ہے - اس کو صاحب سماحت
نہیں کہتے -

دوسری مثال :- مثلاً کوئی شخص اپنی عورت سے صحبت کرے اور پھر غسل
کیا تو بھول جائے - اگر اس کے دل میں اس کی لذت باقی رہ گئی اور اس کو یاد
رہتی ہے تو یہ کمینہ آدمی ہے صاحب سماحت نہیں - سماحت کے سمجھنے کیلئے
یہ دو مثالیں کافی ہیں - اور یہ مثال بھی ہو سکتی ہے کہ کسی کی مدد کی یا کسی کو
افلاس سے نجات دلائی کہ وہ شخص غنی ہو گیا تو اس بات کو وہ بھول جاتا
ہے تو صاحب سماحت ہے اور دریا دل ہے - اگر اس کو یاد کرتا رہا یا اس
شخص کو جس کی وجہ سے احسان کیا تھا جتلاتا ہے یا لوگوں میں کہتا ہے تو
خسیس آدمی ہے - بس ایسی مثالوں سے سماحت کے معنی سمجھو -
سخاوت اور عفت بھی اس کی شاخیں ہیں -

عدالت

۶ عدالت کا معنی ہے مساوات - اگر حاکم ہے تو سب کو ایک نظر سے دیکھے
اور اگر دولت مند ہے تو کوشش کرے کہ کوئی مفلس اور غریب نہ رہے اور اگر
پڑھا ہوا ہے تو لوگوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کرے - غرض کہ سوسائٹی میں عام لوگوں کے
برابر ہو کر رہے اگر تمام کے برابر ہو کر رہا تو صاحب عدالت ہے - اگر وہ اچھے اچھے

محل بنا کر اور اچھے اچھے کھانے اور نفیس کپڑے پہنتا ہے تو کہا جائیگا کہ یہ ظالم ہے
انبیاء علیہم السلام ان خصلتوں کے سکھانے کیلئے آئے ہیں ۔ قرآن شریف
اور احادیث رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بھری پڑی ہیں ۔ گویا کہ انبیاء کا
نصب العین یہی ہے ۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "غنیتہ الطالبین" میں
فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی تفسیر اس آیت میں ہے ۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ
عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۔

اخلاق فاضلہ جن کا حکم دیا گیا ہے ۔
۱ ۔ عدالت مساوات
۲ ۔ احسان
۳ ۔ سوسائٹی کے ضرورتمند افراد کی امداد ۔

یعنی تین اخلاق ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے اور تین اخلاق ہیں
جن سے منع کیا گیا ہے ۔ وہ تین اخلاق جن کا حکم ہوا ہے ۔ پہلے
عدالت اور مساوات ہے دوسرا لوگوں سے احسان کرنا ۔ تیسرا ۔ جس
سوسائٹی میں وہ رہتا ہے اُس کا حق ادا کرے ۔ اگر غریب ہے تو
ان کی مدد کرے ۔ اگر کوئی اور مشکل ان کو درپیش آئے تو اس کے
دفع کرنے کیلئے کوشش کرے ۔

اخلاق رذیلہ جن سے منع کیا گیا
۱ ۔ بے حیائی کے کاموں سے اجتناب ۔
۲ ۔ منکر ۔ انسانی سوسائٹی کے ناپسندیدہ امور سے بچنا
۳ ۔ بغاوت ۔

اور تین اخلاق جن سے منع کیا گیا ہے ۔ ۱ پہلے بے حیائی کے کام ۔
جتنے بے حیائی کے کام ہوں سب سے دور رہنا چاہیے اور ۲ دوسرا "منکر" ہے
یعنی جو انسانی سوسائٹی میں ناپسندیدہ امور ہیں اور جن سے سوسائٹی انکار کرتی ہے
جیسے چوری ۔ جھوٹی گواہی اور ناحق آدمی کو ستانا ۔ ان سے دور رہے یہ
ممنوع کام ہیں ۔

شیر البغاوت = یعنی دوسرے کے حق پر زبردستی قبضہ کرنا - یا کسی کے مال کو زبردستی اپنے ہاتھ میں لینا - اگر کوئی صاحب عزت ہو جس کی سوسائٹی عزت کرتی ہے اس کو بے عزت نہ کرے - یہ تین چیزیں ممنوع ہیں -	بغاوت کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی کے حق اور مال پر زبردستی قبضہ کرے اور صاحب عزت کو بے عزت کرے -
جو ان اخلاق اور احکام پر چلتا ہے وہی متقی ہے - سب سے بڑی خصلت "عدالت" ہے اور سب سے برا خلق "ظلم" ہے - یہ تفسیر ہے کانُوْا یَتَّقُوْنَ کی متقی لوگوں کے لئے آخرت میں بڑے اجر ہیں - ایک مومن متقی	اچھے اخلاق پر چلنے والا اور برے اخلاق سے اجتناب کرنے والا متقی کہلاتا ہے -
کو چاہیے کہ اس کا نصب العین آخرت ہونی چاہیے - اور رضامندئ الٰہی ہونی چاہیے تاکہ وہ حظیرۃ القدس میں پہنچکر ملاء اعلیٰ کی جماعت میں شامل ہو جائے -	مومن کا نصب العین آخرت ہونا چاہیے تاکہ رضامندی الٰہی حاصل کرے ملاء اعلیٰ کی جماعت میں شامل ہو جائے -
عالم مثال میں جس جگہ حظیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ کا سایہ پڑتا ہے اس جگہ کا نام "عِلّیّین" ہے وہ بہشت کا بڑا درجہ ہے - ابرار لوگ جو عمل کی روح کی حفاظت کرتے ہیں وہ اس مقام پر ہوتے ہیں جیسے نماز - اس کی روح تعلق باللہ ہے - نماز میں اس روح کی حفاظت کرتے ہیں - اسیطرح جو نیک کام اور نیک خلق ہوں ان کی روحوں کی نگہبانی کرتے ہیں - یہ ابرار ہیں -	علّیین اس جگہ کا نام ہے جہاں حظیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ کا سایہ پڑتا ہے یہ بہشت کا اعلیٰ درجہ ہے
نماز کو ایک چھلکا سمجھو - اس کی روح تعلق باللہ ہے - چھلکے اور جسم کے سوا روح قائم نہیں رہتی اور روح سوا چھلکے اور جسم کے موجود نہیں ہوتا - اسلئیے دونوں کی نگہبانی ضروری ہے - اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسلامی رسوم جسم ہیں اور ان کے اندر تعلق باللہ یا خوفِ خدا یا محبتِ الٰہی ہے وہ ان کی روح ہیں -	اسلامی رسوم جسم ہیں اور ان کے اندر تعلق باللہ خوف خدا یا محبت الٰہی ان کی روح ہیں

۱- سے
۲- اخلاقوں
۳- حکموں -
۴- وہتا

روح اور جسم دونوں ملکر کارآمد ہو سکتے ہیں۔

اس دنیا جہان میں جسم سوا روح کے کسی کام کا نہیں ہوتی[1] - اور نہ روح اس جہان میں جسم کے سوا پیدا ہو سکتی ہے[2] - ابرار سے اوپر بڑے درجے والے لوگ متقی ہیں - وہ خود حظیرۃ القدس[ے] میں پہنچ کر ملاء اعلیٰ[ے] کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر 58

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ -

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو پہچان لینا۔

ترجمہ:- اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو اس نے پہچان لیا اُن کو اور وہ نہیں پہچانتے -

مطلب:- ہم لکھ آئے ہیں کہ اس قحط سالی کا اثر یمن اور شام اور آس پاس کے ملکوں میں بھی ظاہر ہو گیا - مصر کے سوا اناج ملنا کسی جگہ میسّر نہ تھا - بیابان کے لوگ گھاس اور گھاس کے بیجوں پر گزارہ کر لیتے ہیں مگر گھاس بھی برسات سے پیدا ہوتا ہے[3] - برسات کسی ملک میں نہ ہوئی[4] نہ برفباری ہوئی[5] جس سے دریا[6] چلیں - تو اب مجبور[ے] ہو کر (حضرت) یوسف علیہ السلام کے دس بھائی اناج لینے کیلئے مصر کیطرف چلے - اور لوگ بھی جا رہے تھے یہ کنعان کا پہلا قافلہ ہے جو اناج لینے کیلئے (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی زیر سرپرستی چلا ہے - قافلے کے سردار یوسف علیہ السلام کے بھائی تھے اور مصر میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی آدمی اناج لینے کیلئے جاتا تو اُس کے خاندان (family) کے آدمیوں کی تعداد پوچھی جاتی تھی - اور بہت چھان بین ہوتی تھی کہ کوئی زیادہ آدمی نہ بتائے اور پھر ان کے نمبر کے مطابق چند دنوں کیلئے راشن دیا جاتا تھا

کنعان کا قافلہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سرگردگی میں مصر پہنچا۔

SACRED FOLD ے
HIGHER ASSEMBLY ے

۱ - ہوتا
۲ - ہوتا -
۳ - ہوتے ہیں -
۴ - پڑی
۵ - نہ برفیں پڑیں -
۶ - لاچار
۷ - ک

تاکہ وہ خرید و فروخت نہ کرسکیں۔ فیملی کی تفتیش بڑی سختی سے ہوتی تھی۔
کیونکہ لوگوں کو جھوٹ بولنے[1] کی عادت ہوتی ہے۔

حکومت مصر کو آل اسحاق ولیعقوب علیہم السلام کی طرف سے خدشہ۔

اب یہ بڑا قافلہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سربراہی[2] میں مصر کو جاتا ہے۔ اور مصر کی حکومت کو خبر تھی کہ اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور جماعت ایسا ارادہ رکھتی ہے کہ ایک دن مصر کے حکمران ہونگے۔ اسلئے مصر کی حکومت ان پر سخت نگرانی رکھتی تھی۔

قحط سالی کیوجہ سے مصر نے دفاعی اخراجات میں کمی کردی تھی۔ اور حفظ ما تقدم کیلئے خفیہ پولیس رکھ لی تھی۔

اب مصر نے قحط سالی کی آفت میں مبتلا ہو کر محکمہ دفاع[3] میں تخفیف کردی ہے۔ تو اس وقت یعقوب علیہ السلام کی جماعت سے ان کو زیادہ خطرہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ہمیں مصیبت میں مبتلا دیکھکر حملہ نہ کردیں تو حفظِ ما تقدم کیلئے انہوں نے خفیہ پولیس رکھ لی تھی۔ جب یہ قافلہ سرحد پر گیا تو سرحدی پولیس نے ان پر جاسوسی کی تہمت لگاکر رپورٹ کردی اور ان کو مصر میں داخل ہونے دیا۔ اب حکومت جانے اور اس کا کام۔ جو برتاؤ حکومت مناسب سمجھے کرے۔ تو جب مصر میں داخل ہوئے تو دربانوں نے بھی اطلاع کردی۔ اسلئے یوسف علیہ السلام اس قافلے کو اپنے پاس بلاتے ہیں۔

قافلۂ کنعان کے بارے خفیہ پولیس کی رپورٹ

یوسف ع کے بھائی اس لئے پہچان نہ سکے کہ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ یوسف ع زندہ ہیں اور حکومت کر رہے ہیں

یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا (مگر بھائیوں نے حضرت) یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا[3] کیونکہ ان کو امید نہ تھی کہ یوسف علیہ السلام زندہ رہ کر بادشاہی کو پہنچ گیا ہے۔ یوسف ع کو گم ہوئے بہت مدت ہوئی تھی، یہ بات بھی بھول چکی تھی۔

۱۔ بولنے
۲۔ زیر سرداری۔
۳۔ پہچان سکے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹے کے غم کو دل میں رکھا اور بیٹوں اور خاندان میں ذکر نہ کرتے تھے۔ اسلئے بھی پہچاننے میں دقت ہوئی کہ وہ یہ قصہ بھول چکے تھے

اور حضرت یعقوب علیہ السلام اُن کے آگے یوسف علیہ السلام کا ذکر بھی نہ کرتے تھے۔ بس غم کو اندر رکھی) اندر رکھتے ہیں تھے۔ اپنے خاندان میں بھی یوسف علیہ السلام کا ذکر کبھی نہیں کرتے۔ بلکہ بنیامین سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور یوسف علیہ السلام کے غم میں ہر وقت روتے روتے (۔۔[1]) بوڑھے اور نابینا[2] ہوگئے تھے یوسف علیہ السلام کا تذکرہ نہ بھائیوں میں تھا اور نہ خاندان میں تھا۔ تو یوسف[4] کی طرف یہ کسطرح متوجہ ہوسکتے تھے۔

آیت نمبر 59 وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ۝

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو دربار میں بلانا۔

ترجمہ :۔ اور جب تیار کردیا ان کو ان کا اسباب، کہا لے آؤ میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے اور تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ماپ اور خوب طرح اُتارتا ہوں مہمانوں کو۔

مسلمان علماء آثار قدیمہ کو یمن سے ملنے والا انوکھا کتبہ[5]۔

مطلب :۔ مصر اور آس پاس کے ملکوں میں یکساں[3] قحط پڑ گیا۔ آثار قدیمہ کی تفتیش کرنے والے مسلمان علماء کو ایک انوکھا قطبہ ملا۔ جو یمن میں تھا۔ یمن کا ملک عاد اور عمالیق کا وطن تھا۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ یمن میں سیلاب آیا اور سیلاب سے قبر کھل گئی تو ایک عورت کی لاش نکلی۔ جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصع انگوٹھیاں تھیں۔ اس کے سرہانے ایک تختی تھی جس پر کتبہ تھا۔ پہلی سطر تھی " تیرے نام پر جو حمیر کا خدا ہے اور دوسری سطر میں تھا کہ میں ذو شغیر کی بیٹی تاجہ ہوں۔ آگے تھا میں نے اپنے قاصد

۱۔ سخت
۲۔ نابینے
۳۔ ایک جیسا
۴
۵۔ قطبہ۔

کو یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے جب دیر لگائی تو میں نے چاندی
اور سونا بھیجا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جواہرات پیس کر
آٹا بنایا جائے مگر یہ کام بھی بیکار تھا۔ جو شخص میرا حال سُنے اُس کو میرے
حال پر رحم کرنا چاہیے۔ جو عورت میرے زلیور پہنے گی میری موت مرے گی۔
ابن ہشام تیسری صدی ہجری کا (مؤرخ) ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتبہ
حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔ یہ قصہ ارض القرآن کے صفحہ 34-35
میں مذکور ہے[1] – یہ کتاب سید سلیمان ندوی نے لکھی ہے۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائی قحط زدہ عرصے میں (حضرت)
یوسف علیہ السلام کے پاس آئے۔ ان پر جاسوسی کی تہمت لگی ہوئی تھی۔ مگر مصر
کی حکومت حضرت یعقوب علیہ السلام کو کنعان کا بادشاہ بھی تسلیم کرتی تھی۔ تو
حکومت کو یہ لائق تھا کہ شہزادوں کی عزت و تکریم کرے۔ تو (حضرت) یوسف علیہ السلام
نے ان شہزادوں کو قانون مصر کے مطابق اپنے خاص مہمان سرا میں ٹھہرایا[2]
جس میں اور ملکوں کے سفیر وغیرہ ٹھہرائے جاتے تھے۔ اور اپنے روبرو اُن
کو بُلوا کر اُن سے پوری پوری تفتیش کی۔ ان کی فیملی وغیرہ کی تعداد معلوم کی
یہ اسلئے کیا کہ ان سے جاسوسی کی تہمت رفع ہو جائے۔ یہ سب تفتیش
اپنے دربار کے لوگوں کی حاضری میں کی تاکہ ہر ایک شخص کو ان کی صداقت پر
یقین آجائے۔ اناج دینے کا قانون یہ تھا کہ جو حاضر ہوتے تھے ان کا اور
ان کے عیال کا راشن دیا جاتا تھا اور انہوں نے ذکر کیا کہ ہمارا باپ بوڑھا
ہے آ نہیں سکتا اور ہمارا ایک بھائی ہے جو اس کی خدمت میں رہتا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرانا۔

بھائیوں کو دربار میں بُلا کر تفتیش کرنا تاکہ ان سے جاسوسی کی تہمت رفع ہو جائے۔

بھائیوں کا بوڑھے باپ اور دوسرے بھائی کا حوالہ دینا۔

۱۔ ذکر ہے۔
۲۔ اُتارا

۵۔ مولانا سید سلیمان ندوی، ارض القرآن، جلد ــــ، ص ۳۴-۳۵، مطبعہ ــــ، سنہ ــــ۔

اس کا بھی راشن دیجیئے اور اس کے گھر کا بھی۔ کیونکہ (حضرت) یوسف علیہ السلام ان سے لطف اور مہربانی سے پیش آئے تھے تو اسلئے گھر کی چھوٹی بڑی بات بتانے لگے۔ تو (حضرت) یوسف علیہ السلام نے کہا تم پر کچھ تہمتیں ہیں۔ اسلئے تمہاری سچائی اور صداقت کا امتحان کرتے ہیں۔ اس وقت تم کو تھوڑے راشن دیتے ہیں اور اپنے بھائی کو لاؤ تو پھر تم کو پورا پورا راشن بلکہ اور بھی زیادہ دیا جائیگا۔ اور دیکھو کہ ہم مہمانوں کی بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ تم ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہو اگر سچے ہو تو اُس بھائی کو لاؤ۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دوسرے بھائی کو لانے کا مطالبہ کیا تاکہ زیادہ راشن دیا جائے۔

آیت نمبر ۶۰

فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ

ترجمہ: پھر اگر اُس کو نہ لائے میرے پاس تو تمہارے لیئے بھرتی نہیں میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آئیو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ بھائی کو نہ لانے کی صورت میں دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔

مطلب:۔ مطلب یہ ہے کہ عام قانون کے مطابق یوسف علیہ السلام اُن کو راشن دیتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ میرا خاندان مصر میں آکر بسے اور پھلے پھولے۔ یہ تقدیرِ الٰہی میں طے شدہ امر تھا۔

اب یوسف علیہ السلام ایسی تدبیریں سوچتے ہیں کہ اجتماعی سلسلہ بھی نہ ٹوٹے اور میرا خاندان بھی مصر میں آجائے۔ یوسف علیہ السلام اجتماعی فائدے کیلئے کام کر رہے تھے۔ اب ایسی تدبیریں سوچتے ہیں کہ کام سلسلے وار ہو جائے۔ آگے پیچھے نہ ہو۔ اوّل بھائی کو بُلایا جائے پھر آئندہ تدبیر سوچی جائیگی۔

تقدیرِ الٰہی میں یہ طے شدہ امر تھا کہ یوسف علیہ السلام کا خاندان مصر میں آکر آباد ہوگا۔ اسلئے یہی خواہش یوسف علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوگی۔

انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ تجارتی معاملات میں برابری کا سلوک کیا جائے اپنے اور غیر کی تمیز نہ ہو

(حضرت) یوسف علیہ السلام ایک منصف آدمی تھے (وہ) نہیں چاہتے تھے کہ اپنے بھائیوں یا قوم (1) سے تجارتی معاملات میں رعایت کریں اور دوسرے لوگوں کو زیادہ قیمت پر دلویں انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ سب کو برابر دیا جائے

اگر کوئی حکومت مساوات کے اصولوں کو ترک کرکے اپنے لوگوں کو نوازنا شروع کر دیگی تو انصاف اور بین الاقوامی قانون پر اس کا بہت برا اثر پڑیگا۔ اور اس ملک کی معاشی حالت بگڑ جائیگی

اگر کوئی حکومت اپنے لوگوں کو تجارتی معاملات میں فائدہ دلوے اور رعایت دیوے اور دوسری قوموں سے زیادہ نفع کمائے تو عارضی طور پر تو فائدہ ہو جائیگا مگر آگے چل کر اس کا برا اثر انصاف اور بین الاقوامی قانون پر پڑے گا۔ جس سے بڑا نقصان ہو جائیگا۔ اسی لیئے قومی قانون پر بین الاقوامی قانون کو حاکم ماننا چاہیئے۔ اسواسطے (حضرت) یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے (2) اور قوموں جیسا سلوک کرتے ہیں اور پوری پوری قیمت پر ان کو اناج دیتے ہیں۔

غیر ملکیوں کی نقل و حرکت کی تفتیش کرنا حکومت کی اہم ذمہ داری ہے ورنہ ملک میں جاسوسی اور تخریب کاری کے ذریعہ دشمن انتشار پیدا کر کے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں

یہ دھمکی بھی دی کہ اگر تم اپنے بھائی کو نہ لاؤ گے تو تم پر جاسوسی کا الزام لگایا جائیگا۔ شاید کہ وہ تمہارا بھائی تمہارا حاکم ہو اور تمہیں (3) جاسوسی کیلئے بھیجا ہو۔ اگر اس کو لاؤ گے تو ہم سمجھ جائیں گے کہ تم اس تہمت سے پاک ہو اگر نہ لاؤ گے تو مصر کی سرحد کے قریب بھی مت آنا۔

آیت نمبر ۶۱۔ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ بولے ہم خواہش کریں گے اس کے باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے۔

مطلب۔ تو اب وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ضرور اپنے بھائی کو لے آئیں گے باپ ہمارا تو اس کو نہیں چھوڑتا کیونکہ اس سے بہت محبت ہے۔ باپ سے حیلے حوالے کر کے اجازت مانگ کر آپ کی خدمت میں حاضر کریں گے اور ہم ہر قیمت پر یہ کام کریں گے اور آپ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے کہ خاص مہمان سرائے میں ہماری مہمانی کی ہے اور لوگوں میں ہماری عزت بڑھائی ہے تو اس کے شکر گزار ہیں اور اناج ہم کو تھوڑا ملا ہے اسلئے بھی ہمکو واپس آنا ہے (4) یوسف کی دھمکی کا یہ جواب دیا کہ ہم خود بھی آئیں گے اور اپنا بھائی بھی ساتھ لائیں گے تب تو سرکار کو معلوم ہو جائیگا کہ ہم نیک اور سچے اور عزت و آبرو والے لوگ ہیں۔

۱۔ کو
۲۔ دیگر
۳۔ تم کو

آیت نمبر ۶۲ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔

ترجمہ: اور کہہ دیا اپنے خدمتگاروں کو رکھ دو اُن کی پونجی اُن کے اسباب میں. شاید اُس کو پہچانیں - جب پھر کر پہنچیں اپنے گھر - شاید پھر آجائیں -

مطلب: - (حضرت) یوسف علیہ السلام بین الاقوامی قانون کے خلاف اپنے بھائیوں سے رعایت نہیں کر سکتے تھے - تجارت کے[1] معاملے میں سب کو برابر رکھنا چاہیے مگر کسی دوسرے طریقہ سے احسان کر سکتے تھے -

قانون کی پابندی سب پر لازم ہے کسی سے رعایت جائز نہیں - اپنوں سے احسان کرنا جائز ہے -

انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ یہ لوگ مفلسی[2] کی حالت میں سخت مبتلا ہیں اور جو قیمت اناج لینے کیلئے لے آئے ہیں تھے وہ بھی کچھ رنگے ہوئے چمڑے تھے اور کچھ[3] درہم دینار تھے - تو ان کے گھر کی حالت (حضرت) یوسف علیہ السلام کو معلوم ہوگئی - اور ان کی باتوں اور حالات سے اندازہ کر لیا تھا کہ شاید یہ واپس نہ آئیں کیونکہ ان کی مالی حالت بہت کمزور ہے - اور چاہتے تھے کہ واپس آئیں - ایک سبب تو یہ تھا کہ جاسوسی کا الزام رفع ہوتا کہ مصر والے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ جاسوسوں سے اس نے رعایت کی ہے - جب واپس آئیں گے تو سب کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ نیک لوگ ہیں اور صرف اناج ہی لینے آئے تھے -

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے حالات سے ان کی مفلسی کا اندازہ کر لیا تھا اور چاہتے تھے کہ دوبارہ واپس آئیں اسلیئے ان سے احسان کیا -

حضرت یوسف علیہ السلام کے احسان کرنے کی دو اہم وجوہات -
۱- دوبارہ مصر آنے پر آمادگی
۲- بنیامین کو مصر بلوا کر دلی راز بتانا اور اپنے والد کو مصر آنے پر راضی کرنا -

دوسرا یہ چاہتے ہیں کہ بنیامین آجائے تو اُس[4] کو اپنا دلی راز بتائیں اور اُن سے[5] کہیں کہ باپ کو مصر آنے کیلئے راضی کرلیں -

۱- مشکیزے
۲- افلاسی
۳- سیچے کمرے
۴- ان کو
۵- کو

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے وطن سے شدید محبت تھی اور انہیں وطن چھوڑنے پر آمادہ کرنا آسان نہ تھا -

صالح اسلاف، صالح ماضی سے وابستگی سنت انبیاء -

تین سو سال سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت یعقوب علیہ السلام تک ایک جگہ
رہ رہے تھے[1] اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے وطن اور گھر[2] سے بڑی محبت تھی
اس جگہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور تمام خاندان کے لوگ
دفن تھے - اور یعقوب علیہ السلام بھی چاہتے تھے کہ میری قبر بھی اُن کے ساتھ ہو
وہ اس جگہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے - بنیامین کے ذریعہ میرے حالات سُننے
سے شاید راضی ہو جائیں اور مجھے[3] مصر چھوڑنے پر مجبور نہ کریں - کیونکہ میں
ملک بھر کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوا ہوں اپنے کام کو چھوڑ نہیں سکتا -

بھائیوں کو واپسی پر آمادہ کرنے کی ترکیب

احسان کا رویہ

تو یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر کی کہ اپنے نوجوان خادموں کو حکم دیا کہ انہوں
نے اناج کی جو قیمت ادا کی ہے[4] وہ ان کے اناج کی بوریوں میں ڈال کر بند کر دیں
اور زادِ راہ ان کو اچھی طرح دے دو تاکہ اپنی جگہ پر جا پہنچیں - اور اپنی
بوریاں کھولنے کی ان کو ضرورت نہ پڑے - جب وہ گھر پہنچ[5] جائیں گے تو وہ
قیمت ان کو بوریوں سے ملیگی تو جلد واپس آجائیں گے اور سمجھیں گے
کہ سرکار نے ہم پر بڑی عنایت کی ہے یا سمجھیں گے کہ ہمارے پاس امانت
ہے - نوکروں کی غلطی سے اناج میں چلی آئی ہے تو بھی اُن کو واپس
آنا پڑیگا - اس ترکیب سے وہ واپس آجائینگے اور اپنا بھائی بھی واپس
لائیں گے -

۱- بیٹے تھے -
۲- جگہ
۳- مجھکو
۴- دے دی ہے
۵- گئے

آیت نمبر 63 فَلَمَّا رَجَعُوْا اِلٰی اَبِیْھِمْ قَالُوْا یٰاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْکَیْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا نَکْتَلْ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔

ترجمہ : پھر جب پہنچے اپنے باپ کے پاس بولے اے باپ روک دی گئی ہم سے بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ بھرتی لے آئیں اور ہم اُس کے نگہبان ہیں۔

مصر سے واپسی پر برادران یوسف کا باپ سے مصر کے حالات واقعات کا تذکرہ کرنا۔

مطلب :۔ یوسف علیہ السلام نے ان کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم بھائی نہ لاؤ گے تو اناج نہیں ملیگا اور مصر کی سرحد کے نزدیک مت آنا تو انہوں نے عزیز مصر سے وعدہ کیا تھا[1] کہ ہم جلد اپنا بھائی لائیں گے اور اپنے باپ سے[2] آکر کہا کہ جتنا راشن ہمیں[3] ملنا تھا اتنا نہیں ملا اور یہ راشن ہمارے خاندان کیلئے مکتفی نہیں ہو سکتا۔ پس چاہیے کہ اپنے بیٹے بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دو تاکہ ہم پورا پورا راشن لے آئیں۔ ہم پر جاسوسی کی تہمت لگ گئی۔ اس لئے پورا راشن نہیں ملا۔ اور یہ جو کچھ ملا ہے عزیز مصر کی خوش اخلاقی سے ملا ہے

اوج کمال پر پہنچکر صاحب ظرف اپنی حقیقت و حیثیت سے آشنا رہتا ہے جبکہ کم ظرف اپنی حقیقت بھول جاتا ہے

(حضرت) یوسف علیہ السلام کو تو بادشاہ نے مختار الکل بنا دیا تھا مگر یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو عزیز مصر کہلواتے تھے اور اپنے آپ کو بادشاہ کے برابر نہ رکھا۔ یہ ان کی تواضع اور قدر دانی تھی ورنہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ میں سارے مصر کا بادشاہ ہوں۔

توریت کے قصے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک ہزار سال بعد لکھے گئے ہیں

بادشاہ نے ایسا حکم نکالا تھا جو کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ مگر یہاں تورات لکھنے والوں نے غلطی کی ہے کیونکہ توریت کے قصے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک ہزار سال بعد لکھے گئے ہیں۔ [5]

1۔ وعدہ کر کے گئے تھے۔
2۔ تو
3۔ ہم کو

5 ...... انسائیکلوپیڈیا

توریت میں قصہ برادران یوسف کے لکھنے والوں کی غلط فہمی۔

توریت باب نمبر 42 پیدائش آیت نمبر 14 - تب یوسف نے ان سے کہا میں تو تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم جاسوس ہو سو تمہاری آزمائش اس طرح کی جائیگی تم یہاں سے نہ جانے پاؤ گے۔ جب تک تمہارا سب سے چھوٹا بھائی یہاں نہ آجائے

آیت نمبر 19 اگر تم سچے ہو تو اپنے بھائیوں میں سے ایک کو قید خانے میں بند رہنے دو۔

آیت نمبر 24: پھر ان میں سے شمعون کو لیکر اُن کی آنکھوں کے سامنے بندھوا دیا۔

یہ قصہ جو توریت میں لکھا ہے دراصل اسوقت کا ہے جب اپنے بھائی کو لیکر آئے تھے اور بنیامین کی بوری سے وہ پیالہ نکلا تھا۔ تو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اور ان کا بڑا بھائی یہودا خود بخود مصر میں ٹھہر گیا۔ جو آگے قصہ آئیگا غلطی سے توریت والوں نے یہاں لکھ دیا ہے اور نام بھی غلط لکھا ہے ورنہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام اپنا بیٹا بنیامین ان کو کیسے دے سکتے تھے اور یہ کیسے مانگ سکتے تھے۔ (حضرت) یعقوب علیہ السلام یہ جواب دیتے کہ ایک بیٹے کو تو قید کروا آئے ہو تو دوسرا بیٹا ہم کیسے دیں۔ تو یہ بات توریت کے بھی مخالف ہے۔

باب 43 پیدائش آیت نمبر 13۔ اپنے بھائی کو بھی ساتھ لو اور پھر اٹھ کر اس شخص کے پاس جاؤ یعنی عزیز مصر۔ اور خدائے قادر اُس شخص کو (عزیز مصر) تم پر مہربان کرے ختم۔

قرآن مجید تورات کی غلطیوں کی تردید کرکے اصل حقائق بیان کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو خوشی سے بھیجا۔ تو یہاں سے معلوم ہوا کہ توریت لکھنے والوں نے اپنی یادداشت سے جو کچھ لکھا ہے اس میں غلطیاں بھی کیں۔ قرآن مجید اس کی غلطیوں کو رد کرتا ہے۔ پہلی دفعہ یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ بڑی مہربانیاں کیں حتیٰ کہ یعقوب علیہ السلام وہ مہربانیاں سنکر بنیامین کو بھیجنے پر رضامند ہو گئے۔

دے سکتا ہے دیکھا تھا

تو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ذمہ لیا کہ ہم بنیامین کی زیادہ حفاظت کریں گے اور حفاظت سے

آپ[1] کے پاس واپس لے آئیں گے۔

آیت نمبر ۶۴ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

جس سے وعدہ خلافی ہو جائے اُس کے کسی دوسرے دعوے کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے

ترجمہ:۔ کیا میں اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر اس سے پہلے۔ سو اللہ بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی صحت پر فراقِ یوسف علیہ السلام کا اثر

مطلب:۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اتنے بڑے صابر تھے کہ اپنے خاندان میں کبھی (حضرت) یوسف علیہ السلام کا تذکرہ نہ کیا۔ ۳۰-۴۰ سال کے بعد موقع آتا ہے۔ اس میں ذرا بیان کر دیتے ہیں ورنہ اس سے پہلے[2] کبھی کسی کے سامنے[3] شکایت نہیں کی۔ اپنا غم اپنے اندر میں رکھتے تھے۔

بحران کی صورت میں قوم اپنے امیر کی طرف رجوع کرتی ہے۔

روتے روتے آنکھوں سے نابینا ہو گئے اور غم کے سبب سے کھانے پینے میں بھی قلت ہو گئی۔ جس سے بڑھاپے نے زور پکڑ لیا۔ مگر اپنے خاندان پر بڑے مہربان تھے۔ قحط سالی کے ایام ہیں اناج کا نام تک نہیں اور انسان اناج کا کیڑا ہے۔ اناج نہ ملنے سے وہ فوراً مر جاتا ہے۔ خاندان میں بچے ہیں بوڑھی عورتیں اور مرد ہیں۔ نوکر چاکر ہیں اور جماعت بھی ہے۔ قحط سالی کے

ملک و ملت کی خاطر مال، جان اور اولاد کی قربانی پیش کرنا عظیم انسانوں کا شیوہ ہے

ایام میں تجربہ ہے کہ ساری جماعت اپنے مرشد کے پاس ٹھہر جاتی ہے۔ عرب لوگ تھے ان کی گزران گوشت اور سبزیوں[4] وغیرہ پر تھی مگر آٹھ پہروں میں ایک پہر تو اناج کا ملنا ضروری ہے تو اسلئے حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان اور اپنی جماعت پر رحم کھا کر بنیامین کو جانے کا اشارہ کرتے ہیں۔

۱- تمہارے
۲- آگے
۳- آگے
۴- گھاس پھوس

جس سے بیٹیوں کو معلوم ہو گیا کہ بنیامین کو بھیجنے پر رضامند ہو گئے ہیں مگر اندر کا جو درد تھا وہ اس وقت اشارۃً ظاہر کر دیا ۔

فرمانے لگے تمہاری باتوں پر اعتبار نہیں آتا ۔ پہلے[1] تم بنیامین کے بھائی کو لے گئے تھے اور وہ گم ہو گیا ۔ یہ نہیں کہتے کہ تم نے گم کر دیا ۔ فرماتے ہیں تمہاری باتوں پر ہم نے اعتبار کیا تھا کیا اب بھی میں ویسے ہی اعتبار کروں اور تم کو امین[2] سمجھ کر تمہاری حفاظت میں دے دوں ۔

مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا ہے یعنی دھوکے باز کا دوبارہ اعتبار نہ کریں ۔

فرماتے ہیں تمہاری حفاظت کا اعتبار تو نہیں مگر اللہ کی حفاظت کا مجھ[3] کو کامل[4] بھروسہ ہے وہی اچھی طرح نگہبانی کرے گا ۔ اس کی حفاظت میں دے دینا بہت اچھا ہے ۔ پھر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ارحم الرّٰحمین ہیں ۔ اس کے رحم پر مجھے[5] بڑا بھروسہ ہے کہ اس بڑھاپے کی حالت میں وہ مجھ پر رحم کرے گا ۔ اور بنیامین کو حفاظت کے ساتھ میرے پاس لے آئیگا ۔

آیت نمبر 65 وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ط ۔ قَالُوا يَا اَبَانَا مَا نَبْغِيْ ط هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ط ۔ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ط ۔

ترجمہ ۔ اور جب کھولی اپنی چیز پائی اپنی پونجی کہ پھیر دی گئی ان کی طرف ۔ بولے اے باپ ہم کو اور چاہیئے یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو ۔ اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی ۔ یہ آسان ہے ۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام کو سرمایہ واپس ملنے پر خوشی ہوئی گویا تدبیر یوسف علیہ السلام نے کام کیا اور وہ واپس جانے پر تیار ہو گئے

مطلب : جب انہوں نے اپنی بوریاں کھولیں انہیں دیکھا کہ وہ قیمت جو انہوں نے اناج کی دی تھی وہ ان بوریوں میں پڑی ہوئی تھی تو نہایت خوشی سے باپ کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ

۱ ۔ آئے
۲ ۔ امانتی
۳ ۔ مجھ کو
۴ ۔ پُورا

احسان سے دشمنوں کے دل بھی جیتے جا سکتے ہیں۔ اسلیئے اسلام نے احسان کا حکم دیا ہے

عزیز مصر کے احسانات کو کتنا شمار کریں دیکھو وہ ہماری قیمت بھی ہم کو واپس[1] دے دی گئی ہے۔ ہم اگر واپس جائیں گے تو ہم پر عزیز مصر زیادہ احسان کریں گے۔ جانے میں ہمارا[2] فائدہ ہے کہ اپنے خاندان کے کھانے کیلیئے اناج لائیں گے۔ اور بھائی کی بھی بہت حفاظت کریں گے۔

اور ایک اونٹ کا بوجھ اناج ہمیں زیادہ دیگا۔ اس کی مہربانی پر ہمیں[3] بڑا اعتبار اور بھروسہ ہے یہ اناج جو ہم لائے ہیں بالکل تھوڑا ہے۔ ہمارے اہل و عیال کے لیئے مکتفی نہیں ہو سکتا۔ ہم کو واپس جانا ضروری ہے۔ ورنہ عیال بھوکا مر جائیگا۔ تو ضرور ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجو تاکہ جلدی واپس جائیں اور اگر دیر ہوگئی[4] تو ان کا شک و شبہ بڑھ جائیگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عادت تھی کہ دور دراز سے آنے والے مسافروں کو زاد راہ دیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا طریق جاری رکھا اور بھائیوں کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا۔

یہ جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو سفر خرچ دے دیا تھا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی یہی عادت تھی کہ جو لوگ دور دراز سفر سے اناج لینے کیلیئے آتے تھے تو ان سب کو سفر خرچ دیتے تھے۔ کہ اناج تو پس ماندہ لوگوں کیلیئے ہے تو پس ماندوں تک سارا غلہ تب پہنچتا ہے جب سفر خرچ دیا جائے۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مہربانی تھی۔ اسمیں بھی اپنے بھائیوں پر اور لوگوں کی نسبت زیادہ رعایت نہیں کی تھی۔ مگر ان سے رعایت یہ تھی کہ ان کے اناج کی قیمت جو انہوں نے دی تھی وہ سب ان کی بوریوں میں رکھ دی گئی تھی اور پھر بند کر دی گئی تھیں۔ شاید اور غرباء سے بھی ایسی رعایت کرتے ہونگے[5] تبھی تو نوکروں میں کوئی قیل و قال نہ ہوئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی غریبوں پر رحم کرنے کی عادت ہے۔ تورات کتاب پیدائش میں ہے کہ قافلہ والوں سے کسی شخص نے اپنے گدھے کو دانہ دینے کیلیئے بورے کا منہ کھولا تو اس نے اپنی نقدی بورے کے منہ میں رکھی ہوئی پائی۔ اس نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو آواز دی کہ میری نقدی تو میرے بورے کے منہ میں رکھی ہوئی ہے۔ اسلیئے تم بھی اپنی بوریوں کے منہ کھولو۔ انہوں نے جواب دیا تم مسکین آدمی تھے اس لیئے نوکروں نے تم پر رحم کیا ہوگا۔

۱۔ ہم کو
۲۔ ہم کو
۳۔ ہم کو
۴۔ لگ گئی
۵۔ تبھی

آیت نمبر ۶۶ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ -

حضرت یعقوب علیہ السلام نے عہد واثق کے لبد بنیامین کو اللہ کی نگہبانی میں دیتے ہوئے ساتھ جانے کی اجازت دی -

ترجمہ : کہا ہرگز نہ بھیجونگا اُس کو تمہارے ساتھ یہانتک کہ دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچادوگے اُسی کو میرے پاس مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب - پھر جب دیا اُس کو سب نے عہد - بولا اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے -

اسلام رہبانیت سے منع کرتا ہے - اسلئے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ اعتبارات اور ارتفاقات میں توازن برقرار رکھتے ہیں -

مطلب :- انبیاء علیہم السلام کو جس طرح اعتبارات کا زیادہ خیال رہتا ہے - اسیطرح بلکہ اس سے زیادہ ارتفاقات معاشیات کا خیال دامن گیر[1] رہتا ہے - وہ معاشیات کو اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنا عبادات کو - اسیطرح وہ میزان کے دونوں پلڑوں[2] کو برابر رکھتے ہیں - وہ رہبانیت سے منع کرتے ہیں - یہانتک کہ سورہ جمعہ میں آیا ہے کہ جب فرض نماز کو ادا کردو تو فوراً معاشیات کیطرف دوڑ جاؤ یعنی فرض نماز ادا کرنے کے لبد زمین میں پھیل کر اپنی معاش[3] طلب کرو - ا

سورہ جمعہ میں فرض نماز کے لبد تلاش معاش کی طرف فوراً متوجہ ہونے کا حکم ہے -

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی معاشیات کا فکر تھا کیونکہ معاش سے تنگ آکر انسان فرائض عبادت بھی بجا طور پر ادا نہیں کرسکتا -

حضرت لیعقوب علیہ السلام کو معاشیات کی بھی زیادہ فکر تھی کہ معاش سے تنگ ہوکر انسان فرائض عبادت بھی ادا نہیں کرسکتا - تو اب مجبور[5] ہوکر فرماتے ہیں کہ میں تم کو بنیامین نہیں دیتا تا آنکہ پختہ عہد کرو کہ تم اس کو میرے پاس لے آؤ - پختہ عہد ایک ایماندار کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر عہد کرے - کیونکہ ایمان والوں کے پیش نظر یہ بات رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے وہ میرے سب کاموں کو جانتا ہے - اگر میں نے خلاف وعدہ کیا تو فوراً مجھے[6] سزا دیگا اس سے زیادہ پختہ عہد ایمان والے کے پاس نہیں - اسٹامپ لکھ کر دینا دوم درجے کی بات ہے -

صاحب ایمان کیلئے اللہ کی زبانی عہد کافی ہے - تحریر کی ثانوی حیثیت ہوتی ہے -

زبانی تحریر

ا

۱- سرتاج
۲- ارتفاقات
۳- پلڑے
۴- معاشیات -
۵- لاچار
۶- مجھکو

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہاں ایک بات ہے وہ یہ کہ تم سب کو گھیر ڈال کر قید کر دیا جائے اس وقت تم معذور ہو۔ یہ لفظ اسلئے فرمائے کہ ان کو معلوم تھا کہ ہم آخر مصر میں جاکر رہیں گے اور ہماری نسل وہاں بڑھیگی اور مصر پر ہماری سرداری ہوگی۔ شاید اس گھیر ڈالے جانے میں کوئی حکمت اور تدبیر الٰہی ہو کہ ہم کو مصر جانا پڑے۔ جب سب بیٹے مصر میں گھر جائیں گے تو مجھے[1] ضرور جانا پڑیگا تاکہ میں ان کی خلاصی کی کوئی تدبیر کروں۔ اور اس تدبیر سے شاید ہم اور ہمارے خاندان کی وہاں مستقل سکونت کے اسباب پیدا ہو جائیں۔ جب سب بیٹوں نے ملکر پختہ وعدہ دیا یعنی قسم اٹھاکر بیان کیا کہ ہم ضرور اس کو صحیح سلامت واپس لائیں گے۔ جب انہوں نے پختہ وعدہ دیا تو فرمایا جو ہم نے ایک دوسرے کو پختہ عہد دیا۔ اسکو اللہ ہی پورا کریگا وہی کارساز ہے اور وہی نگہبان ہے۔ وہ ہمارے سب کاموں کو سرانجام کرنے والا ہے۔ ایسا ہی سب انبیاء کا عقیدہ اور عمل ہے کہ خدا کے سوا کسی کو اپنا کارساز اور وکیل نہیں سمجھتے۔ وکیل اسکو کہتے ہیں کہ اپنا سارا کام اس کے سپرد کر دیا جائے اگر نفع دلوے تو اس کا اختیار (ہے) اگر نقصان دلوے تو وہ بھی اسکو اختیار (ہے)۔ نفع و نقصان دونوں پر ہم راضی ہیں اور اس کو اپنا خیرخواہ سمجھتے ہیں۔ خیرخواہ دوست کیا نقصان دے سکتا ہے۔ اگر نقصان ہوگا تو دس گنا اس سے زیادہ فائدہ ہوگا یہ اللہ کی[2] شان ہے

امکانی حد تک معاملات کو عقل و تدبیر سے طے کرنے کے بعد نتائج کو اللہ کے سپرد کرنا چاہیے

تمام انبیاء کا یہ عقیدہ و عمل ہے اللہ کے سوا کوئی وکیل اور کارساز نہیں۔ اگر دنیا میں کوئی تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ نفع ملتا ہے۔

توراۃ کتاب پیدائش باب نمبر ۴۳ درس ۱۱ میں ہے کہ تب ان کے باپ اسرائیل نے ان سے کہا اگر یہی بات ہے (یعنی تمکو ضرور مصر میں جانا ہے) تو ایسا کرو کہ اپنے برتنوں میں اس ملک کی مشہور پیداوار میں سے کچھ اس شخص (عزیز مصر) کیلئے نذرانہ لیتے جاؤ جیسے تھوڑا سا روغن بلسان تھوڑا سا شہد۔ کچھ گرم مصالحہ اور مُر اور پستہ و بادام اور دونا دام (یعنی اناج خریدنے کیلئے دوسرا دام) اپنے ہاتھ میں لے لو اور وہ نقدی جو واپس[3] کر دی گئی ہے اور تمہاری بوریوں کے منہ میں رکھی ملی۔ اپنے ساتھ واپس لے جاؤ کیونکہ شاید

۱۔ مجھکو
۲۔ رحما
۳۔ پھیر دی گئی

بھول گوئی ہوگی اور اپنے بھائی (بن یامین) کو بھی ساتھ لو اور اٹھکر اس شخص (عزیز مصر)
کے پاس جاؤ۔ انتہاء کلام۔ پس یہ نذرانے لیکر ملک مصر کو روانہ ہوگئے۔

آیت نمبر 67 وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۔

ترجمہ: اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جُدا جُدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اُسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اُسی پر بھروسہ چاہیئے بھروسہ کرنیوالوں کو۔

مطلب:۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو جاسوسی کے الزام کے سبب مصر میں تکلیف پہنچی۔

تورات لکھنے والوں کو یعقوب علیہ السلام کی یہ وصیت لکھنی بھول گئی ہے جس مافات کی تلافی اور تدارک قرآن نے کر دیا۔

اسی جگہ عام مفسرین نے مصر شہر کے دروازے مراد لئے ہیں مگر میری رائے ہے کہ ان ابواب متفرقہ سے مراد ملک مصر کے راستے ہیں یعنی جب سرحد مصر کے قریب پہنچ جاؤ تو ایک راستہ اختیار نہ کرنا بلکہ مختلف راستوں سے مصر میں داخل ہو جانا۔ پہلے تم ایک چوکی پر سے گزرے تھے اور چوکیداروں نے تمہارا حسب و نسب پوچھا ہوگا اور تمہارے متعلق ملک مصر کے لوگوں کو معلوم تھا کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا ارادہ ہے کہ کسی مناسب موقع پر حملہ کر کے مصر پر قابض ہو جائیں اور تم دس بھائی جو ہر ایک اولوالعزم۔ بہادر نامور تھے اور میرے جانشین ہونے کے سبب سے مشہور تھے جب تم اکٹھے ایک چوکی پر وارد ہوئے تھے تو ان چوکیداروں کو یقین ہوگیا ہوگا کہ یہ لوگ جاسوسی

حضرت یعقوبؑ کی بیٹوں کو مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت سے یہ اصل نکتہ ہے کہ

تقدیر الٰہی غالب رہتی ہے تاہم جو عقل و فہم و بصیرت اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اسکو استعمال میں لاتے ہوئے

حصول مقصد اور مشن کی کامیابی کیلئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں

ا - ۳ آگے

حصول مقصد کیلئے ماضی کی ناکامیوں سے سبق حاصل کرکے مستقبل کی تدبیر کرنی چاہیے۔

کے خیال سے مصر میں داخل ہوئے ہو گئے ہیں۔ تاکہ اگر مناسب موقع ہو تو پھر اپنا لشکر جمع کرکے حملہ کریں اسلئے انہوں نے سخت رپورٹ لکھکر دربار میں بھیجدی ہو گی۔ اب تمکو چاہیے کہ ایک راستہ مت اختیار کرو۔ مختلف راستوں سے ملک مصر میں داخل ہو جاؤ تو اس میں رہو گے اور تمہارے متعلق کوئی بری رپورٹ موجود نہ ہو گی اور عام مفسرین کی رائے ہر یوں کہا جائیگا کہ سلطنت کا قاعدہ یہ ہے کہ شہر کی فصیل اور قلعے کے دروازے پر منشی بیٹھتے ہیں وہ ہر ایک کا نام ذات۔ قومیت اور رہائش وغیرہ لکھ لیتے ہیں۔ پھر وہ شہر کے کوتوال کو بھیج دیتے ہیں اور شہر کا کوتوال اگر مناسب سمجھتا ہے تو اس کی رپورٹ دربار میں بھیج دیتا ہے۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام ڈکٹیٹر ہیں مختار الکل ہیں۔ دربار اس کا ہے۔ شہر اور ملک مصر اس کی حفاظت کے ماتحت ہے۔ وہ خود کو عزیز مصر کہلواتے ہیں۔ تو (حضرت) یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ اکٹھے ہو کر سب بیٹے ایک دروازے سے داخل ہوئے ہیں۔ اسلئے انہوں نے سخت رپورٹ لکھی ہے۔ اگر جدا جدا دروازوں سے داخل ہو جاتے تو معمولی طور ان کا نام لکھا جاتا اور بہت زیادہ تفتیش نہ کی جاتی۔ اس لئے ان کو تدبیر تدبیر تبلاتے ہیں کہ جاسوسی کے الزام سے بچنے کیلئے یہ تدبیر ہے کہ تم سب ایک دروازے سے داخل مت ہونا

ادخلوا من ابواب متفرقة۔ قصہ گو لوگوں نے تو کمال بد دیانتی سے مقصد کو بالکل الٹ دیا ہے کہ (حضرت) یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جدا جدا ہو کر جانے کا اسلئے کہا کہ مبادا تمہیں نظر بد لگ جائے۔

اپنے تحفظ اور کامیابی کیلئے ضعیف سے ضعیف تدبیر بھی عمل میں لانا ضروری ہے

اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کا یہی حکم ہے کہ ضعیف سے ضعیف تدبیر سے بھی اپنے بچاؤ اور اپنی کامیابی کیلئے عمل میں لانا ضروری ہے اور ایسا نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ تدبیر ضعیف ہے اس پر چلنے کا کیا مطلب۔

(حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا[1] کہ چھوٹے افسر اپنی پوزیشن کو بڑھانے کیلئے چھوٹی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کر دیتے ہیں اور بڑے افسر رحمدل ہوتے ہیں۔ ان کو معلوم ہوا کہ عزیز مصر تو بہت رحمدل ہے۔ اور بڑا شریف ہے اور شریفوں سے شرافت سے پیش آتا ہے۔ مگر وہ بھی مجبور ہے کہ چھوٹے افسر کی جو رپورٹ ہے اُس کو بھی جانچنا چاہیئے تو اسلئے میری اولاد کو مختلف دروازوں سے داخل ہونا چاہیئے)۔

رحکام بالا ماتحت حکمرانوں کی نظر میں مقام حاصل کرنے کیلئے رپورٹیں بھیجتے رہتے ہیں مگر حکمرانوں حکام بالا کو رحمدلی اور شرافت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے اور ماتحتوں کی رپورٹوں کا تحقیقی جائزہ لینا چاہیئے۔

اول تو ایک آدمی کا نام درج نہیں کرتے کیونکہ ہر وقت آنا جانا ہوتا ہے ہر ایک کا نام لکھنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ ان کے پاس گدھے ہونگے یا اونٹ تو اُن پر سوار ہو کر شہر کے اندر داخل ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں میں تمہاری تکلیفوں کو دور نہیں کر سکتا۔ حکومت اور بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے جو تدبیریں جہاں دنیا میں بنائی ہیں حتی الامکان ان تدبیروں پر چلنا ضروری ہے۔ اگر یہ تدبیریں ہوتے ہوئے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے تو سمجھا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ہماری بے تدبیری سے ہمیں تکلیف نہیں پہنچی۔ پھر اس تکلیف پر راضی ہونا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے امکانی حد تک تدابیر اختیار کرنا چاہیئے۔ کامیابی کا بہترین راستہ یہی ہے۔

قرآن شریف میں آتا ہے کہ تم کو جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہاری ہی طرف سے ہیں یعنی بے تدبیری سے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایمان والوں کو چاہیئے کہ اپنی تدبیر پر بھروسہ نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔

انسان کو اکثر اپنی بداحتیاطی اور بے تدبیری کی وجہ سے تکالیف پیش آتی ہیں

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ پر توکل کر کے اونٹ کو چھوڑ دوں یا اس کے پاؤں باندھ ڈالوں[2]۔ آپؐ نے فرمایا کہ اونٹ کے پاؤں باندھ ڈالو[3] اور باندھنے[4] پر بھروسہ نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ پر کرو۔ [5]

مثنوی۔ گفت پیغمبر با آواز بلند۔ بر توکل زانوئے اشتر بہ بند۔ [6]

توکل کا مفہوم یہ ہے کہ امکانی تدابیر اختیار کی جائیں اور نتائج کو اللہ کے بھروسے پہ چھوڑا جائے

۱۔ ہوگیا
۲۔ ڈھنگا
۳
۴۔ ڈھنگے

۵ ——— ، باب ——— ، مطبوعہ ——— ، سنہ ، ص ———

مطلب یہ ہے کہ اپنی تدبیر ضرور کرنی چاہیے خواہ کیسی بھی ہو اور توکل اللہ پر کرنا چاہیے ورنہ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے تو ہمیشہ پریشانی رہیگی۔

انبیاء علیہم السلام کی سنت اور طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر مت بیٹھ جاؤ بلکہ اپنی کامیابی کیلئے معاشی کام ہو یا سیاسی کام ہو اس میں ہمیشہ ان کی تدبیریں سوچتے رہو ایسا مت کرو کہ ہم بڑوں کی اولاد ہیں یا بڑے نبی کی امت ہیں کہ ہمیں تدبیر کے سوا اللہ تعالیٰ کامیابی دیتا رہیگا۔

انبیاء علیہم السلام کی سنت اور طریقہ یہ ہے کہ مقدور بھر کوشش جاری رکھو اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کے نہ بیٹھو۔ پھر نتائج کو اللہ پر چھوڑ دو۔

ایک دروازے سے داخل ہونے سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسلئے منع فرمایا تھا کیونکہ وہ سب ایک جماعت (ایک دین ایک مذہب کے ماننے والے) اور ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں اور ان کا باپ بڑی قوت والا اور سیاسی خیالات میں گرد و نواح میں بہت مشہور و معروف ہیں سورت "ص" میں آتا ہے

ایک دروازے سے داخل ہونے سے منع کرنے کی ایک حکمت یہ تھی کہ حکومت وقت

ان کی تعداد دیکھ کر ان کو اپنا سیاسی حریف تصور نہ کرے گی

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (۳۸:۴۵)

یعنی حضرت ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو یاد کرو جو کہ بہت ہی طاقت والے اور بہت ہی دوربین تھے یعنی بڑی بڑی باتیں سوچتے۔ ہزار ہا سال کی تدبیر کر لیتے تھے۔ اور یہ قوم بھی وہ ہے جس کے متعلق مصریوں کو ڈر ہے کہ یہ کسی دن مصر پر حکمران ہو جائیگی اسلئے ان پر کڑی نظر رکھنا ضروری تھا۔

یہ جو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تدبیر یعقوب علیہ السلام نے اسلئے بتائی تاکہ ان کو نظر بد نہ لگے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں۔

آیت نمبر 68۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ط مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ط وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ہ

ترجمہ۔ اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا اُن کے باپ نے۔ کچھ نہ بچا سکتا تھا اُن کو اللہ کی کسی بات سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں۔ سو پوری کر چکا اور وہ تو خبردار تھا۔ جو کچھ ہم نے اُس کو سکھایا لیکن بہت لوگوں کو خبر نہیں۔

ماتحت افسروں کی کارگزاری کی نگرانی نہ کی جائے تو ان کی غلط پالیسیاں حکومت کیلئے بدنامی اور تباہی کا سبب بنتی ہیں۔

مطلب۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ چھوٹے افسر اپنی (پوزیشن بنانے کیلئے)[1] چھوٹی بات کو بڑا کر دکھاتے ہیں۔ تو اس کی مثال ہمارے ہاں موجود ہے۔ بنی امیّہ کے خاندان میں حکومت تھی تو بادشاہ اہل بیت سے بہت اچھا سلوک کرتے تھے مگر انقلابی لوگ اہل بیت کے ہاں

بنو امیہ کے دور میں ماتحت افسران نے اہل بیت کو تکلیفیں دیکر صوفیاء محدثین اور فقہاء و عوام کو حکومت سے متنفر کر دیا اور مورخین نے یہ تکلیفیں بادشاہوں کی طرف منسوب کر دیں

جمع ہو جاتے تھے۔ اسلئے چھوٹے افسر اپنی پوزیشن پر نگہبانی کرنے کیلئے اہل بیت کو تکلیفیں دیتے تھے۔ اب تاریخ لکھنے والے لوگوں نے یہ تکلیفیں بادشاہوں کی طرف منسوب کر دی ہیں اسلئے بنو امیہ کی سلطنت کی تاریخ بڑی بھیانک پیش کر دی گئی ہے۔ کیونکہ صوفیاء کرام محدثین اور فقہاء سب کے سب معتقد اہل بیت تھے۔ ان کو اگر تکالیف پہنچی تو سب[2] کی سب سلطنت کے حاکموں کی طرف منسوب کر دی گئی ہے اور یہ بات بالکل غلط ہے۔

بنی عباس کی سلطنت سے زیادہ اسلام کی خدمت کرنے والے بنو امیہ تھے۔ آجکل کے عرب نوجوان تو اسلامی سلطنت کو فقط بنی اُمیّہ کی سلطنت سمجھتے ہیں۔

برادران یوسفؑ کا باپ کی نصیحت پر عمل پیرا ہونا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب یعقوب علیہ السلام کے بیٹے شہر کے قریب پہنچے تو اپنے باپ کی نصیحت کے مطابق مختلف دروازوں سے شہر کے اندر داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی جو تقدیر تھی اُس سے یہ تدبیر ان کو بچا نہ سکتی تھی۔ مگر یعقوب علیہ السلام کے دل میں ایک مطلب (منشا) تھا۔ اُس نے وہ پورا کر دیا۔

۱۔ پوزیشن پر نگہبانی کرنے کیلئے۔
۲۔ بلکہ

یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کا مطلب تو یہ تھا کہ اس بارے میں وہ گرفتار نہ ہو جائیں مگر اُس کو معلوم تھا کہ مصر کا ملک ہمارے قبضہ میں آ جائیگا۔ اُنکو[1] یہ علم تھا مگر جاسوسی جو کہ ایک قسم سے خیانت کی اس بداخلاقی کی تہمت ان پر نہ لگ جائے[2]۔ اگر یہ میرے بیٹے جاسوسی کی تہمت سے بچ کر بادشاہ کے پہنچ جائیں گے تو وہ ان کی قدر افزائی کریگا۔ شاید کسی بڑے عہدے پر ان کو منتخب کر لیا جائے پھر آہستہ آہستہ ہمارا قبضہ مصر پر ہو جائیگا۔ بداخلاقی کی تہمت سے اگر ملوث نہ ہو جائیں تو آگے رستہ صاف ہے۔

خیانت و بداخلاقی سے پاک صاحب کردار لوگوں کا مستقبل تابناک ہوتا ہے اور ان کا پروگرام کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام بڑے انقلابی ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اپنا انقلابی پروگرام ہوتا ہے۔ اپنا انقلابی پروگرام سلطنت کے ذریعہ چلانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے ملک کی طاقت کا ان کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا پروگرام انقلابی ہوتا ہے جسے چلانے کیلئے خلافت اور سلطنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

(حضرت) یعقوب علیہ السلام کو اپنے باپ دادا کی پیشین گوئی بھی معلوم تھی۔ اس کے علاوہ خود اپنا پروگرام بھی تھا۔ اگرچہ آپ بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے مگر اپنے پروگرام کی تکمیل کیلئے تو وہ جوان تھے۔ اپنے بیٹوں کی مصر میں آمد و رفت اور عزیز مصر کی مہربانیاں دیکھکر یقین کر لیا تھا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب مصر کی حکومت[3] ہمارے ہاتھ میں آ جائیگی۔ ان کو ایسے آثار نظر آنے لگے۔

عزم و ہمت کی راہ میں ضعف اور بڑھاپے کی دیوار حائل نہیں ہو سکتی۔

عقلمند انقلابی حالات سے اپنی کامیابی کے آثار دیکھ لیتے ہیں

عزیز مصر کے حالات سنکر ان کی ہمت بہت بڑھ گئی ان کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ عزیز مصر ہمارا خیر خواہ ہے۔ کیا خبر ہمارے مریدوں میں سے ہو۔ مگر بادشاہ مجبور ہوتے ہیں۔ جب ان کو بری (غلط) رپورٹیں پہنچ جائیں۔ پہلے جو بری رپورٹ پہنچی تھی اس کے رفع کیلئے جو کچھ عزیز مصر نے کیا تھا۔ اب (وہ بات) پوری ہو گئی۔ کوئی نئی تہمت نہ لگے اس کا ڈر تھا۔ مگر وہ جانتے تھے[5]

خدشات اور خطرات سے دامن بچا کر چلنا عقلمندی کی بات ہے

۱۔ اس کو
۲۔ عائد ہو جائے
۳۔ حاصل
۴۔ سلطنت
۵۔ جانتا تھا۔

کہ میرے بیٹے ضرور مصر میں ہی رہ جائیں گے ۔ اس کو علم تھا ۔ لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں ۔ علم والوں کی باتیں نہیں سمجھتے[1] ۔ وہ خالق کے درجہ کو جانتے ہیں مگر تدبیر سے غافل ہوتے ہیں ۔

کم علم و فہم لوگ اہل علم کی باتوں کو سمجھ نہیں سکتے ۔ وہ خالق کے درجہ کو تو جانتے ہیں مگر تدبیر کی حکمت سے غافل ہوتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رویا صادقہ (رویاء صادقہ) میں دکھایا گیا تھا کہ آپ اور آپ کی جماعت بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں اور کوئی ڈر اور خوف نہ تھا بلکہ بڑے امن و امان سے عمرے یا حج کے احکام ادا کر رہے ہیں ۔ تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی سال رجب کے مہینہ میں (...[2]) عمرے کا ارادہ کر لیا ۔ اور لوگوں کو بھی اپنا رویاء سنا چکے تھے ۔ تو بہت بڑی جماعت عمرے کیلئے تیار ہو گئی ۔

رسول اللہ صلعم کو رویاء کے ذریعہ عمرہ کرتے دکھایا گیا تو آپ صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرے کیلئے روانہ ہوگئے

جب قریش کو معلوم ہوا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی جماعت بلا اجازت مکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انہوں نے حدیبیہ کے مقام پر ان کو روک لیا ۔ آخر اس مقام پر صلح ہوئی اور اگلے[3] سال قریش نے عمرہ کرنے کی اجازت دے دی ۔ تو حضرت عمر رضہ وغیرہ ناراض ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہی کہا تھا کہ اسی سال عمرہ کرنے کیلئے امن کے ساتھ داخل ہو جائیں گے ۔

مقام حدیبیہ پر قیام اور صلح حدیبیہ ۔

ہم انشاء اللہ تعالیٰ ضرور امن کے ساتھ عمرہ کریں گے ۔ مگر اس سال میں فقط آپ لوگوں کو ایک قسم کی فتح حاصل ہوئی ہے ۔ ایک تو مکہ سے ایک بڑی جماعت ہمارے معاہدہ میں داخل ہوئی اور دوسرا یہ فتح ہوئی کہ سارے عرب کی سیادت جو پہلے قریش کے پاس تھی ۔ انہوں نے یہ سیادت ہمارے سپرد کر دی ہے ہم عرب کے بادشاہ بن گئے ہیں تو اس رویاء صادقہ (اچار صادقہ) میں جو کچھ دکھایا گیا تھا اس کی تعبیر ہماری رائے میں فتح مکہ کے بعد ہوئی ۔

صلح حدیبیہ کے نتائج ۔
۱ ۔ قریش نے سارے عرب پر حضورؐ کی سیادت تسلیم کر لی ۔
۲ ۔ فتح مکہ ۔

۱ ۔ بات
۲ ۔ جس سال رویاء دیکھا تھا ۔
۳ ۔ اگلے

(رویائے صادقہ)

اسیطرح حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو رویا صادقہ میں دکھایا گیا تھا کہ ان کے بیٹے ملک مصر پر حکمرانی کر رہے ہیں - انہوں نے سمجھا کہ ابھی جو میرے سب بیٹے بن یامین کے ساتھ جا رہے ہیں تو مصر پر ان کا اقتدار شروع ہو جائیگا - مگر اس دفعہ جو جا رہے ہیں یہ وقت نہیں ہے اس میں تو ان کو تکلیف پہنچے گی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدیبیہ میں روکا گیا تھا - اسیطرح یہ بھی مصر میں روکے جائیں گے - اس کے بعد تعبیر پوری ہوگی - یعنی مصر پر حکمران ہو جائیں گے - اس دفعہ اُس تعبیر سیناالٰہی کی تعبیر کا ایک ٹکڑا موجود ہو جائیگا - آئیندہ سال زیادہ کامیابی ہوگی جیسے رسول اللہ نے دوسرے سال آکر عمرہ کیا پھر اس کے بعد مکہ فتح ہو گیا -

انبیاء علیہم السلام کو سیناالٰہی میں دکھائے گئے رویاء مقررہ اوقات میں پورے ہوتے ہیں -

حاصل کلام : کہ انبیاء علیہم السلام اپنی کامیابی کیلئے چھوٹی سے چھوٹی تدبیریں نہیں چھوڑتے کمزور سے کمزور حیلے جو بن پڑتے ہیں اس پر عمل کر لیتے ہیں - غرض کہ انسان جسطرح بھی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کریگا -

اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے جو چھوٹی بڑی تدابیر کو اختیار کرتے ہوئے کامیابی میں کوشاں رہتے ہیں

اکثر لوگ کم علم ہوتے ہیں وہ بڑی تدبیریں تو کر لیتے ہیں اور چھوٹی تدبیریں چھوڑ دیتے ہیں - یہ ان کی بے علمی کی دلیل ہے اور پھر کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں -

انسانوں میں (سب سے) زیادہ متوکل انبیاء ہوتے ہیں - ان کا عملی پروگرام ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹی تدبیریں بھی جمع کر لیتے ہیں کسی کو بھی نہیں چھوڑتے - جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرے بنائے ہوئے سلسلہ علت و معلول کو پوری طرح سمجھ کر کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خوش ہو کر ان کی اور بھی مدد کرتا ہے -

انسانوں میں سب سے زیادہ متوکل انبیاء ہوتے ہیں اور وہ سلسلہ علت و معلول کو پوری طرح کام میں لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے -

جنگِ بدر میں چھوٹی بڑی سب تدبیروں سے کام لیا گیا تھا اور سب صحابہ بھی ان تدبیروں پر عمل کرنے لگے تو آسمانی مدد بھی شامل ہو گئی اور جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوٹی بڑی سب تدبیریں پوری کر لیں مگر جماعت میں چند لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو سخت شکست ہو گئی اور آسمانی مدد بھی نہ ملی -

جنگ بدر میں تمام احتیاطی تدابیر پر عمل کیا گیا تو آسمانی نصرت حاصل ہو گئی جبکہ جنگ اُحد میں جماعت سے چند اصحاب نے عمل نہ کرنے کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا۔

یہی نقطہ سورہ آل عمران میں سکھایا گیا ہے - یہ سلسلۂ کائنات جو بنایا گیا ہے ؛ اس میں حیوانات اور نباتات ہیں اور اس میں سورج اور چاند ستارے چکر لگا رہے ہیں کوئی بے فائدہ (اور) عبث نہیں بنائے گئے - یہ اس لئے بنائے گئے ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اُٹھائے اور جس تدبیر پر وہ چل رہے ہیں انسان بھی اس تدبیر پر چلے - جو انسانی جماعت ان حیوانات اور نباتات و معدنیات سے فائدہ نہ اٹھائیگی ان کو دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں - اس لئے ان کا اقتدار اور سلطنت ختم کر دی جاتی ہے . اگرچہ وہ کیوں نہ خدا کی زیادہ عبادت کرنے والے ہوں.

سلسلۂ کائنات کی تمام نعمتوں سے کما حقہ فائدہ نہ حاصل کرنے والی انسانی جماعت صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے -

اس جگہ یعقوب علیہ السلام اپنی تدبیر میں یوں بتا رہے ہیں - ہر ممکن طریقہ سے اجتماعی فائدے کو مدنظر رکھنا چاہیے اور اپنے بچاؤ کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے - جیسے ایک کپتان کا ایندھن[1] ختم ہو جاتا ہے اور راستہ بھول جاتا ہے تو وہ ہر ممکن احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے[2]
اسی طرح سپاہی[3] کے پاس اگر ایک گولی (بھی) ہے تو وہ ہتھیار نہیں ڈالتا - اسی طرح کام کرنا چاہیے -

اجتماعی فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام احتیاطی تدابیر سے کام لینا چاہیے -

۱ - کوئلہ
۲ - وہ بریک لکڑی و کوئلہ کا کام دے جلاتا رہتا ہے

بنیامین کو غمزدہ دیکھکر یوسف علیہ السلام نے اپنا تعارف خود ہی کرا دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب اپنے بھائی کو گھر لے گئے تو بنیامین بڑا غمگین تھا۔ اس کا غم ٹالنے کیلئے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا کہ میں تیرا بھائی یوسف ہوں۔ یہ غمگینی کی صورت بنیامین پر طاری تھی جب وہ سب بھائی یوسف علیہ السلام کے پاس[1] داخل ہوئے

بن یامین کے غمگین ہونے کی وجوہات

چونکہ یہ غمگین تھا اسلئے (حضرت) یوسف علیہ السلام اس کو اپنے گھر لے گئے غم کا سبب یہ تھا کہ سفر میں بنیامین کے ساتھ بھائی بڑی خشونت۔ بے توجہی اور غصے سے پیش آئے تھے۔ اسیطرح اس کو بھائی بھی نہ سمجھتے تھے تو اس سفر میں اس کو بڑی تکلیفیں دیں۔ اور پھر اس کو ڈانٹتے تھے کہ بادشاہ کے قریب مت بیٹھنا اور اس سے کوئی بات مت کرنا۔ تو چھوٹا لڑکا ہے۔ کیا خبر کہ ہمارے گزشتہ احوال اور گھر کے بھید بتا کر ہم کو خوار کرے۔ تو اس لئے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو اس پر بڑا ترس آیا اور اس کو اپنے گھر لے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بھائی کو تسلی۔

آیت نمبر ۶۹ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

ترجمہ:۔ اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس۔ اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو کہا تحقیق میں ہوں تیرا بھائی۔ سو غمگین مت ہو اُن کاموں سے جو اُنہوں نے کئے ہیں۔

بھائیوں کا دربار یوسف میں تحائف لیکر داخل ہونا۔

مطلب:۔ جو تدبیر حضرت یعقوب علیہ السلام نے بتائی تھی۔ اس پر انہوں نے عمل کیا۔ دربانوں نے پوچھا تک نہیں کہ کون آرہا ہے اور کون جارہا ہے حتی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مکان خاص[2] تک پہنچ گئے اور اپنے لباس وغیرہ بدل کر بڑی شان و شوکت سے داخل ہوئے۔ توریت میں آتا ہے کہ کچھ تحائف بھی اپنے ملک سے لائے تھے۔ اور ساتھ ہی

۱۔ پر
۲ خاص کوٹھی

باب چہارم

رکوع نمبر ۹ تا 12

آیت نمبر 69 تا ۱۱۱

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعائیں لئے تھے تاکہ عزیز مصر کو پہنچائیں۔ ان کے دل میں بڑا غرور و تکبر تھا۔ عزیز مصر کا لطف و مہربانی دیکھ کر اور اُس کے کہنے پر بھائی بھی لائے تھے تو اس خوشی اور غرور[1] میں اپنے کپڑوں میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ اور عجز و نیاز کی بُو تک ان میں نہ تھی۔

برادران یوسف[2] اپنے غرور و تکبر کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام سے فیض حاصل نہ کر سکے۔

(بھائیوں میں اس وقت) یوسف علیہ السلام جب باپ کے پاس تھے تو جیسا تکبر[3] انہیں موجود تھا ویسا ہی اب (حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں) بھی موجود تھا۔ غرور کے حجاب نے ان کی بصیرت اور آنکھوں کے آگے پردہ ڈال دیا تھا۔ نہ یعقوب علیہ السلام سے کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ اُن سے قرب الٰہی کے راستے سیکھ کر اپنی خودی کو ختم کیا۔

کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے فائدہ اٹھانے کیلئے اپنے آپ کو خاک میں ملانا پڑتا ہے تب جا کر کچھ بصیرت پیدا ہوتی ہے اگر غرور اور خودی طبع میں موجود ہو تو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اپنے جیسا سمجھا جاتا ہے۔

قصہ: ایک بادشاہ قرئے کے علاقہ کا جو کہ ایران کے ملک میں ہے۔ اس کو قرب الٰہی کا طریقہ سیکھنے کا بڑا شوق دامن گیر ہوا۔ اپنی بادشاہی چھوڑ کر ایک ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو بزرگ نے اس پر یہ کام رکھا کہ گھر کا جھاڑو اور گندگی[1] وغیرہ اٹھا کر باہر پھینکے کیونکہ اس کی خودی اور تکبر کا یہی علاج تھا۔ وہ کئی سال یہی خدمت کرتا رہا۔ بہت سے لوگ اس کے بعد[2] آکر بزرگ سے فیض حاصل کر کے چلے گئے تو ایک بار بزرگ کی عورت نے سفارش کی کہ اس غریب پر بھی نظر عنایت کرو کہ کسی درجہ پر پہنچ جائے۔ اس نے کہا اب تک اس کی خودی ختم نہیں ہوئی۔ ایک شخص کو حکم دیا کہ جب یہ گندگی کا ٹوکرا اٹھائے ہوئے باہر پھینکنے کیلئے جا رہا ہو تو پیچھے سے ایسا دھکا لگانا کہ سارا گند اس کے اوپر گر جائے اور یہ خود بھی گر جائے اور اس وقت جو الفاظ یہ زبان سے نکالے مجھے[3] اُس مجھ کو بتلانا

۱- پاخانہ
۲- پیچھے
۳- مجھکو

تو اس شخص نے ایسے ہی کیا تو اُس نے کہا " کاش درد بے نیستم "
جب اُس نے آکر بیان کیا کہ یہ الفاظ نکالے ہیں تو فرمایا ہنوز درویش ہست . نه
رخصت ، یوسف علیہ السلام کے بھائی ویسے کے ویسے تھے خودی اُن میں گم نہیں ہوئی تو
جمال اور کمال یوسفؑ کو کہاں دیکھ سکتے تھے ۔ یوسف علیہ السلام نے اپنا اظہار ان
پر مناسب نہ سمجھا ۔ خُدا سے دعا طلب کی کہ کوئی ایسا سبب بنے کہ ان کی خودی
گم ہو جائے ۔ اسی انتظار میں تھے

جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر میں پہنچے تو اناج دینے والے افسر سے
کہا کہ تمہارے اناج کی قیمت جو ہم نے دی تھی ہمیں اپنی بوریوں سے ملی ہے ۔ یہ اپنی
امانت ہم سے لو تو اس نے کہا ہم نے تو قیمت وصول کر لی تھی ۔ یہ ہماری نہیں اللہ
تعالیٰ نے تمکو ۔ عطا کردی ہوگی

برادران یوسف نے بوریوں
برآمد شدہ رقم واپس کرنے
کی پیشکش کی جو
قبول نہ کیا گیا ۔

توراۃ کتاب پیدائش باب ۴۳ درس ۱۶ تا ۲۳ جب یوسف نے بنیامین کو اُن کے ساتھ
دیکھا تو اُس نے اپنے گھر کے منتظم سے کہا کہ ان آدمیوں کو گھر میں لے جاؤ اور کوئی جانور
ذبح کر کے کھانا تیار کراؤ ۔ کیونکہ یہ آدمی دوپہر کو میرے ساتھ کھانا کھائیں گے ۔ اس شخص نے
جیسا یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کیا اور ان آدمیوں کو یوسفؑ کے گھر لے گیا ۔ جب
اُن کو یوسفؑ کے گھر پہنچایا تو ڈر کر آپس میں کہنے لگے کہ وہ نقدی جو پہلی دفعہ ہماری
بوریوں میں رکھکر واپس کر دی گئی تھی اُسی کے سبب سے ہمکو اندر کروا دیا ہے
تاکہ اُسے ہمارے خلاف بہانہ مل جائے اور ہم پر حملہ کر کے غلام بنالے اور ہمارے
گدھوں کو چھین لے ۔

وہ یوسفؑ کے گھر کے منتظم کے پاس گئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر اس سے

اس سے کہنے لگے۔

برادران یوسفؑ کی مہمان خانہ میں حالت۔

جناب ہم پہلے بھی یہاں اناج مول لینے آئے تھے اور یوں ہوا کہ جب ہم نے منزل پر اُتر کر اپنی بوریوں کو کھولا تو اپنی اپنی پوری نقدی اپنی اپنی بوری کے منہ میں رکھی دیکھی سو ہم اُسے ساتھ واپس لیتے آئے ہیں۔ یہ ہم نہیں جانتے کہ ہماری نقدی کس نے ہماری بوریوں میں رکھدی۔ اس (یعنی منتظم) نے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو مت ڈرو تمہارے خدا اور تمہارے باپ کے خدا نے تمہاری بوریوں میں تمکو خزانہ دیا ہوگا۔ جبکہ تو تمہاری نقدی مل چکی ہے۔ تا درس ۲۳۔ درس نمبر ۲۶۔ جب یوسف گھر آیا تو وہ نذرانہ جو ان کے پاس تھا اس کے سامنے لے گئے درس ۲۷۔ اس نے (یوسف) ان سے خیر و عافیت پوچھی کہ تمہارا بوڑھا باپ جسکا تم ذکر کرتے ہو اچھا تو ہے۔ کیا وہ اب تک زندہ[1] ہے۔ انہوں نے جواب دیا تیرا خادم ہمارا باپ خیریت سے ہے اور ابتک زندہ[2] ہے

سوسائٹی کا انتظام سنبھالنے کیلئے فہم و ادراک کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ برادران یوسفؑ پر رعب داب میں فہم مفقود تھی۔

انتھی کلام۔ تورات کی اس عبارت سے ان کی نفسی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاہی مہمان خانہ خاص کو انہوں نے قیدخانہ سمجھا اور ڈر کے مارے مہمان خانہ خاص کے دروازے پر آکر نقدی پیش کرتے ہیں۔ جب منتظم تسلی دیتا ہے تب جاکر ان کے حواس آرام کرتے ہیں۔ اتنی عقل والے لوگ کہاں سوسائٹی کے انتظام کو سنبھال سکتے ہیں اور اتنے حواس باختہ ہو جاتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام ان کے سامنے روبرو بالمشافہ گفتگو کر رہے ہیں اور ان کی عزت افزائی کر رہے ہیں۔ تاہم نہ ان کو پہچان سکتے ہیں نہ ان کے دل سے خوف دور ہوتا ہے۔ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے سنا تھا کہ الا ان یحاط بکم۔ اسے سمجھ گئے کہ ہم قید ہو گئے۔ یہ ان کی معاملہ فہمی کا نقص ہے

[1] جیتا
[2] جیتا

جب یہ اپنے تحائف اور سلام وغیرہ پیش کرنے کیلئے آئے یوسف علیہ السلام نے
بھی ان تحائف وغیرہ پر توجہ نہ کی قبول کر لئے ۔ مگر کہا کہ میں اس چھوٹے لڑکے
سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں تاکہ تمہاری صفائی ہم پر ظاہر ہو جائے ۔ یہ چھوٹا لڑکا ہے
سب کچھ بتادیگا ۔ ان کو مہمان خانے میں ٹھہرا کر بنیامین کو اپنے دیوان خانہ
خاص میں لے گئے ۔ بنیامین بہت ڈر گیا تو گھبرا کر بنیامین سے کہا کہ
میں تیرا بھائی یوسف ہوں مت ڈرو ۔ اور یہ تمہارے بھائی جو ہم پر اچھی معاشرت
اور نیک سلوک نہیں کرتے ان سے غمگین مت ہو تو بنیامین بہت خوش ہو گیا اور
ان کو سمجھادیا کہ یہ راز ان پر فاش نہ کرنا اور ان کو مت بتانا اور باپ کی
خدمت میں جاکر سب کچھ ان کو بتا دینا ۔ اب خاموشی کے ساتھ رہو
جلدی جلدی ان کو اناج وغیرہ دینے کا حکم کر دیا اور بنیامین کی بوریاں
اپنے اندر اناج منگوا کر بھر دیں ۔

آیت نمبر 70

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ
ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۔

برادران یوسف پر چوری کی تہمت لگانا ۔

ترجمہ ۔ پھر جب تیار کر دیا اُن کے واسطے سامان اسباب اُن کا رکھ دیا
پینے کا پیالہ اسباب میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والے نے اے
قافلے والو تم تو البتہ چور ہو ۔

مطلب ۔ پہلی بار جب اناج لینے آئے تھے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے نوکروں
کو حکم دیا[1] تھا کہ انہوں نے جو قیمت ادا کی ہے ان کی بوریوں میں رکھ دو ۔

1 ۔ کیا

اسباب میں چاندی کا پیالہ رکھنا۔

اور زاد راہ دیکر ان کو رخصت کیا تھا۔ جب دوسری بار آئے تو دعوت دیکر انکو رخصت کیا تھا اور اپنے ہاتھ سے خفیہ طور پر اپنا خاص پانی پینے کا پیالہ جو بڑا قیمتی تھا اس کی بوری میں رکھ دیا کہ بنیامین کو بھی خبر نہ ہو اور بوری بند کر دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب بنیامین خبر کریگا کہ یوسف علیہ السلام تو مصر کا بادشاہ ہے تو شاید یعقوب علیہ السلام کو یقین نہ آئے۔ جب بوریاں کھولیں گے تو اس میں سے پیالہ نکل آئے گا تو بنیامین کہیگا کہ یہ نشانی اس نے بھیج دی ہے تو شاید حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین آجائیگا۔ اور جو کچھ یوسف علیہ السلام نے رویا[1] میں دیکھا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔

تورات کے مطابق پیالہ منتظم نے اسباب میں رکھا تھا مگر قرآن کے مطابق وہ پیالہ خود حضرت یوسف علیہ السلام نے بوری میں رکھا تھا جس کی خبر نہ بنیامین کو تھی اور نہ کسی منتظم کو خبر تھی۔

تورات میں ہے پھر اس نے اپنے گھر کے منتظم کو حکم دیا کہ ان آدمیوں کی بوریوں میں جتنا اناج وہ لے سکیں بھر دو اور ہر شخص کی نقدی اس کی بوری کے منہ میں رکھ دے۔ اور میرا چاندی کا پیالہ سب سے چھوٹے کی بوری کے منہ میں اس کی نقدی کے ساتھ رکھنا باب نمبر ۴۴ - درس نمبر ۲ -

تورات کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پیالہ رکھنے والا منتظم تھا قرآن حکیم اس آیت میں اس قصہ کو رد کرتا ہے اور قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری بار کسی بھائی کی نقدی کسی کی بوری میں نہیں رکھی گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کی بوری میں اپنا خاص پیالہ اپنے ہاتھ سے رکھا نہ کسی منتظم کو خبر تھی اور نہ بنیامین کو خبر تھی۔ خفیہ طور پر اپنا پیالہ نشانی کے طور پر بنیامین کی بوری میں رکھا

[1] سینا الہی

اور اپنا حال بنیامین کو بتلا دیا تھا تاکہ باپ کو یقین آجائے کہ واقعی یوسف
علیہ السلام اپنے حسب رویاء ملک مصر پر حاکم ہو گئے ہیں[1]
اور تورات کی اس عبارت کو رد کرنے کیلئے "جعل السقایۃ" کا جملہ قرآن
نے فرمایا اور پہلی دفعہ میں قال لِفِتیٰنِہِ اجعلوا بضاعتہم فی رحالہم
یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے خفیہ طور پر اپنا خاص پیالہ بنیامین
کی بوری میں رکھا کسی نوکر کو خبر بھی نہ تھی اور نہ بنیامین کو۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تدبیر
کچھ اور طرح تھی۔ جس سے ان بھائیوں کی خودی ٹوٹ جائے اور یہ عاجز ہو کر
اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔

جب سب قافلے والے اپنا اپنا بوجھ اپنے گدھوں اور اونٹوں پر رکھ کر چلے
تو خانساموں نے برتنوں کا جائزہ لیا۔ اور یوسف علیہ السلام اپنے گھر میں چلا گیا تھا
جب انہوں نے دیکھا کہ اور تو سب برتن موجود ہیں۔ مگر پیالہ گم تھا۔ تو انہوں نے
یقین کر لیا کہ یہ گنوار لوگ باہر کے ہیں۔ ایسی نفیس چیزیں چرا لیتے ہیں
ضرور ان کے پاس ہوگا تو خانساماں نے بھاگ کر قافلے کو آواز دی[2] کہ اے
قافلے والو تم چور ہو ٹھہر جاؤ۔ قافلے والے ٹھہر گئے۔

تفسیر بغوی میں ہے قالوہ من غیر امر یوسف یعنی یوسف علیہ السلام نے
ان نوکروں کو نہ کہا تھا۔ اس[3] نوکر نے یوسف علیہ السلام کے حکم کے بغیر قافلے
کو[4] آواز دی[5] کہ تم چور ہو۔ یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایسی
فریب کاری[6] یوسف کی شان سے بہت بعید ہے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کو
بنیامین کی باتوں سے یقین ہو گیا تھا کہ یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے

۱- ہو گیا ہے -
۲- میں آواز دی -
۳- یہ
۴- میں
۵- دیا
۶- فریب بازی

حضرت یوسفؑ نے نوکروں کو حکم نہیں دیا تھا بلکہ انہوں خود تلاشی کرتے ہو قافلے والوں کی تلاشی لی تھی۔

یعقوب علیہ السلام نابینا ہو گئے ہیں اور ہمیشہ بیمار رہتے ہیں تو یوسف علیہ السلام یہ نار یبا حرکت کیسے کر سکتے تھے[1]

صحیح بات یہ ہے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام نے حکم نہیں دیا تھا[2]۔ بلکہ منتظمین کو یہ پیالہ مہمان خانے میں نہ ملا تھا۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید انہیں سے کسی نے چھپا رکھا ہو۔ اور بدوی لوگ ایسا[3] کرتے ہیں

لطیفہ:۔ جب لارڈ منٹو کے زمانہ میں اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ ہندوستان کی سیر و سیاحت کیلئے آئے تھے اور ان کے مصاحبین بھی انکے ساتھ تھے۔ حاضرباشی اور خدمت کیلئے لارڈ منٹو نے گورنر کوئٹہ کو نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اور افغانستان کے بڑے عزت والے لوگ چھری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ میکموھن ریجنٹ[4] گورنر بلوچستان کھانے کی میز پر سونے کے چمچے اور چاندی کے کانٹے رکھدیتے تھے۔ اور اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ خان اور اس کے مصاحب طعام تناول کرتے تھے۔ جب اعلیٰ حضرت واپس افغانستان چلے گئے تو اخباروں میں مضمون آیا کہ ہر دعوت میں ایک دو سونے کے چمچے اور کانٹے گم ہو جاتے تھے اور میکموھن کہتا تھا ہم ہر ہر دعوت پر نئے چمچے اور کانٹے رکھدیتے۔ میں نے کبھی تفتیش نہیں کی اعلیٰ حضرت کے دربار میں کچھ کہا مبادا کہ ناراض ہو جائیں ـــــ ۵

۱۔ کرتے
۲۔ کیا تھا
۳۔ ایسے
۴۔ ایجنٹ

آیت نمبر ۷۱ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝

ترجمہ : کہنے لگے منہ کر کے ان کی طرف - تمہاری کیا چیز گم ہو گئی -

مطلب : تو قافلے والے ٹھہر کر یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی ان خانساموں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے اور خانساموں سے پوچھنے لگے کہ بھائی تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے -

اس جگہ اقبلوا علیھم کے لفظ کو خاص طرح غور کرنا چاہیے کہ یہ آواز دینے والے اور تفتیش کرنیوالے خانساماں تھے نہ کہ یوسف علیہ السلام جیسا کہ تمام لوگ سمجھتے ہیں - یوسف علیہ السلام کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ خانساموں نے ان کو روک لیا ہے اور ان پر چوری کا الزام لگایا ہے - یہ سب باتیں خانساماں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے کر رہے تھے -

آیت نمبر ۷۲ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاۤءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ -

ترجمہ : کہنے لگے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیمانہ اور جو کوئی اس کو لائے اس کو ملے ایک بوجھ اونٹ کا اور میں ہوں اس کا ضامن

مطلب : اب وہ بڑا خانساماں ان سے باتیں کر رہا ہے اور باقی غلام بھی اس کے ساتھ ہیں - یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب پوچھا کہ کیا چیز گم ہو گئی ہے تو خانساماں بول اٹھے کہ ہمارے بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ جو بڑا قیمتی ہے - برتنوں میں نہیں پاتے - شاید تم میں سے کسی آدمی نے شرارت کے طور پر چھپا لیا ہو - مہربانی کر کے ہم کو واپس کر دو - وہ پیالہ واپس کر دو

ا - پیر
ب - ہم

تو ایک اونٹ کا بوجھ اناج ہم آپ کو زیادہ دیں گے ۔ آپ لوگوں کو اناج
کی ضرورت ہے اس پیالہ کو کیا کروگے اور ہمیں[1] اسی پیالہ کی ضرورت ہے تو
اونٹ کے بوجھ اناج کا میں ضامن ہوں مجھ پر اعتبار کرو ۔ وہ خانساماں
سب خانساموں اور خداموں کا امیر تھا ۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے میں چوروں کو کچھ دیکر اپنی چیز واپس
کرتے ہیں جس کو ٹھگنگ کہتے ہیں ۔ یہ عادت بہت[2] پرانی ہے ۔ تو اس
وقت بھی یہ عادت تھی ۔ انسان ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے ۔ ہزارہا سال
کی حالت اور اس زمانے کی حالت ایک جیسی معلوم ہوتی ہے ۔

اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسانی فطرت میں تبدیلی نہیں آتی ۔
یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو اگر کچھ گمان ہوتا کہ حسب[3] سابق کسی نے ہماری
بوریوں میں نقدی یا کوئی اور چیز داخل کردی ہے تو فوراً اپنے اپنے
بورے کھول کر تفتیش کرنے لگتے مگر ان کی موجودگی[4] میں بوروں میں اناج
ڈالا گیا تھا ۔ اور اپنے ہاتھوں سے انہوں نے بوروں کا منہ بند کیا تھا
مگر بنیامین ان سے جدا یوسف علیہ السلام کے خلوت خانہ میں رہتا تھا ۔ اور
خود یوسف علیہ السلام نے ان کے بورے میں اناج ڈالا تھا ۔ اور پیالہ بھی اسمیں
ڈالکر بورے کا منہ بند کیا تھا ۔ اسلئے بنیامین کو بھی یقین تھا کہ میرے بورے میں
تو سوائے اناج کے کوئی اور چیز نہیں اور ان منتظمین کو بھی یقین تھا
کہ اسکے بورے میں اناج حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے ڈالا اور بورے کا
منہ بھی اس نے بند کیا تھا ۔ اسلئے انہوں نے پہلے اس کے بورے کو نہ کھولا ۔

۱ ۔ ہمکو ۔
۲ ۔ بالکل
۳ ۔ گزشتہ طور
۴ ۔ حاضری

آیت نمبر 73 قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِيْنَ۔

براداران یوسف کی چوری سے لاعلمی

ترجمہ: بولے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے نہیں آئے اور نہ ہم کبھی چور تھے۔

جنگ اور بحران کی حالت میں ملک کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے

مطلب:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر جاسوسی کی تہمت تھی اور جاسوسی اسلئے کی جاتی تھی کہ اگر موقع مناسب سمجھا جائے تو اس ملک پر فوج کشی کر دی جائے۔ جنگی حالت میں ملک کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ خصوصاً اگر کوئی قحط سالی وغیرہ بھی ملک میں ہو رہی ہو تو، انتظام بگڑنے سے ملک میں چوری ڈاکے۔ قتل ناحق کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ منتظمین ملک تو لڑائی میں پھنسے ہوتے ہیں اور ملک کا انتظام بگڑ جاتا ہے

مخالفین کیلئے جنگ کی فضا سازگار نہ ہو تو بغاوت کرا دیتے ہیں اور ملک کو سیاسی و معاشی طور پر تباہ کر دیتے ہیں۔

جیسے ایک آدمی بیمار ہو جائے تو اس کے گھر یلو انتظام میں خلل آ جاتا ہے۔ بیماری بڑی ہے تو بڑا اور چھوٹی ہے تو چھوٹا خلل آ جاتا ہے۔ اگر مخالف بادشاہ دیکھتا ہے کہ لڑائی کرنا مناسب نہیں تو ملک کے اندر بغاوت پیدا کر دیتا ہے۔ اب یہاں مصر میں بغاوت کھڑی کرنا کوئی مشکل بات نہ تھی کیونکہ قحط سالی ہے امراء اکثر راشن پر ناراض ہیں۔ تھوڑی سی چنگاری کپاس میں ڈالنے سے آگ بھڑک اٹھتی ہے بعینہٖ مصر کی یہی حالت تھی۔

جاسوسوں کا کام صرف خبر رسانی ہی نہیں ہوتا بلکہ موقع کی مناسبت سے افراتفری اور گڑبڑ بھی پھیلا دیتے ہیں

جو ممالک جاسوس بھیجتے ہیں ان کا مقصد صرف یہی نہیں ہوتا کہ وہ صرف خبریں اکٹھی کریں یا بھیجیں بلکہ جو کچھ مناسب بن پڑے دشمن کے ملک میں خلل ڈال دیا جائے۔ تو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر یہی الزام تھا کہ شاید ملک میں خلل نہ ڈال دیں۔

ایک عقلمند انقلابی منظم سلطنت میں انقلاب لاسکتا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے بھی بڑے انقلابی ہو گئے

ایک انقلابی جو عقلمند ہو بڑے ملک میں داخل ہو کر اور بڑی منظم سلطنت میں انقلاب کر دیتا ہے یا اس کے انتظام میں خلل ڈال دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے حضرت یعقوبؑ ایک نبی ہیں یعنی ہماری اصطلاح میں بڑے انقلابی ہیں۔ یہ اُس کے بیٹے ہیں تو ہر ایک بڑا انقلابی ہو گا۔ یہ تو تھی ان پر تہمت۔ اس تہمت کی صفائی کیلئے جو دربار نے تجویز سوچی تھی کہ اپنا بھائی لاؤ تو وہ لائے۔ بیچارے اب کہہ رہے ہیں کہ بھائی تم کو معلوم ہو گیا ہے کہ ہم کسی قسم کے انقلابی نہیں جس سے تمہارے ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے جو تم نے کہا تھا ہم نے کر دیا۔ یہ بات تو صاف ہو گئی کہ ہم فسادی نہیں۔ یعنی انقلابی نہیں اور باقی ہماری پوزیشن ایسی ہے کہ ہم چور بھی نہیں۔

برادران یوسفؑ نے ان الزامات کی صفائی پیش کی۔

یہاں یہ لفظ کہنا کہ ہم چور نہیں شاید اسلئے کہہ رہے ہیں کہ پہلی بار یوسف علیہ السلام نے اپنے خادموں کو کہا تھا کہ اناج کی قیمت جو انہوں نے دی ہے اس کو ان کی بوریوں میں بند کر دو۔ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے گھر جا کر بوریوں کو کھولا تو وہ رقم دیکھکر کہنے لگے شاید نوکروں کی غلطی کیوجہ سے یہ رقم ہمارے پاس واپس آگئی ہے تو دوسری بار پہلے پہلے وہ رقم یوسف علیہ السلام کے نوکروں کو دے دی اور بڑی عاجزی سے کہنے لگے یہ اپنی رقم لے لو مگر نوکر نے کہا ہم نے اناج کی قیمت تم سے لے لی تھی یہ رقم شاید تمکو اللہ تعالے نے دیدی ہو گی۔

ایسے ہی الفاظ توریت کتاب پیدائش میں ہیں کہ نوکروں نے کہا یہ رقم ہماری نہیں ہم نے آپ سے رقم وصول کر لی تھی یہ شاید اللہ تعالے نے تمکو دیدی ہے اپنے پاس رکھو۔

تو اب یوسف علیہ السلام کے بھائی ان خانساموں کو کہہ رہے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم چور نہیں ہیں اگر چور ہوتے تو وہ رقم اپنے پاس رکھ لیتے۔ ہم بہت امانت دار و بابت دار ہیں۔

وَمَا كُنَّا سَارِقِيْن الآیہ یعنی ہم نہ جاسوس تھے اور نہ چور ہیں - ہم بڑے امانت دار ہیں کیونکہ ہم نے اپنی بوریوں (میں) سے جو رقم پائی وہ واپس آکر تم کو دے دی - اگر چور ہوتے تو خیانت بھی کرتے -

شاید یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو جو یعقوب علیہ السلام نے حکم دیا کہ جدا جدا دروازے سے داخل ہونا - اس سے اور شبہ پڑ رہا ہے کہ ہم جدا جدا دروازے سے[1] داخل ہو کر آئے ہیں - شاید خادموں کو یہی خیال ہو کہ چوروں کی طرح آئے ہیں اسلئے اس کی نفی کرتے ہیں کہ ہم چور نہیں کسی اور مصلحت سے[2] ہم جدا جدا ہو کر داخل ہوئے یہاں تھے -

انسان پر جب مصیبت آتی ہے تو طرح طرح کے خیالات اُسی کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں -

یہ خیالات ان کے اپنے دلوں سے اُٹھ رہے تھے ورنہ کوئی آدمی دربار کا یا خادموں کا انکے جدا جدا داخل ہونے کی مصلحت معلوم نہ کر سکا یعنی ان کو خبر ہی نہ تھی کہ جدا جدا داخل ہوئے ہیں -

ملزم اگر بری ہوتا ہے اور اس کو جھوٹے مقدمہ میں پھنسایا جاتا ہے تو ایسے ہی وسوسے پڑتے رہتے ہیں -

آیت نمبر 76 قَالُوْا فَمَا جَزَاؤُهٗ اِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِيْن -

ترجمہ - پھر کیا سزا ہے اس کی اگر نکلے تم جھوٹے -

مطلب :- قرآن شریف سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس جھگڑے کی یوسف علیہ السلام کو خبر ہی نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے کیونکہ قرآن حکیم میں ہے فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ یعنی کسی آواز دینے والے نے آواز دی مُؤَذِّنٌ لفظ نکرہ ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوچی سمجھی تدبیر نہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو روکا جائے اور ان کی بوریوں کی تفتیش کی جائے - تعزیر میں تو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے صفائی بیان کر دی مگر پیالہ گم ہے تو خانساموں کو ضرور تلاش کرنی تھی - اب کہتے ہیں اگر تمہاری بوریوں سے پیالہ نکلا تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے تم ہی بتاؤ

1 - میں
2 - پر
نہ اور خرجیوں

سلطنتوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی دوسری حکومت کا آدمی کوئی جرم کرے تو اُس
کو سزا اس کے اپنے ملک کی سزا دیتے ہیں نہ کہ، اپنے ملک کی۔
مثلاً اگر کوئی روس یا امریکہ کا باشندہ پاکستان میں جرم کرے تو اس پر روس یا امریکہ
کے قوانین کے مطابق مقدمہ چلایا جائیگا۔ اور سزا بھی اس کو اس کے اپنے ملک کی
دی جائیگی نہ کہ پاکستانی قوانین کے مطابق مقدمہ چلایا جائیگا اور نہ ہی پاکستانی حو
قانون کے مطابق سزا دی جائیگی۔
سب سلطنتوں میں ہے کہ کوئی دوسری سلطنت کا آدمی جرم میں گرفتار ہو اور
وہ جہاز کا ٹکٹ لیکر سامان بھی جہاز پر رکھ چکا ہوں اور جہاز تیار ہو تو اس کے مقدمہ
کا فیصلہ فوراً کرتے ہیں۔ مثلاً کسی سے قرض لیا ہو اور ادا نہیں کیا یا کوئی چوری وغیرہ
کی ہے تو سرسری مقدمہ چلا کر فوراً فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اور سزا وہی دی جاتی ہے
جو اس ملک کی ہو

یوسف علیہ السلام کے بھائی دوسری سلطنت کے باشندے ہیں اور اپنا سامان بھی
اونٹ۔گدھوں پر لاد کر جا رہے ہیں تو یہاں مقدمہ سرسری طور چلایا جائیگا اور سزا
بھی ان کے ملک کے مطابق ہوگی تو اب خانساماں پوچھتے ہیں کہ چور کی سزا آپ کے
ملک میں کیا ہوتی ہے اگر جھوٹے ثابت ہوئے اور پیالہ کسی کی بوری سے نکلا تو
آپ لوگ چور کو کیا سزا دیتے ہیں۔ سارے لوگ گرفتار کر دیئے جائیں یا فقط
ایک کو جس کی بوری سے نکلے۔

آیت نمبر ۷۵ - قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ط
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ -

ترجمہ - کہنے لگے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے وہی اس کے بدلے میں جائے - ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو -

سلسلۂ ابراہیمیؑ میں چور کی دو سزائیں ہیں -
۱- چور کو غلام بنانا
۲- چور کا ہاتھ کاٹنا -

مطلب - ابراہیمی سلسلے میں چوروں کی دو ہی سزائیں ہیں پہلی یہ کہ چور کو غلام بنا دیا جائے دوسری سزا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں شروع ہوئی کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے - پہلی سزا قومی ہے دوسری قانون سلطنت - یہ دونوں سزائیں آپس میں قریب ہیں -

چور کی ان سزاؤں کی حکمتیں اور مصالح -

بعض حیثیتوں میں پہلی سزا فائدے مند ہوتی ہے بعض حیثیتوں میں دوسری سزا فائدے مند ہوتی ہے - سزا کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ چور چوری سے باز[1] آجائے اور آئندہ بھی باز رہے - اگر اس نے بڑی چوری کی ہے تو اس کی سزا بھی بڑی ہونی چاہیے جس کو قرآن مجید میں حد کہا گیا ہے "حد" کے معنی ہے انتہائی سزا یعنی چوٹی کی سزا -

پہلے زمانے میں دنیا کی یہ حالت تھی کہ کوئی چیز بغیر محنت و مشقت کے ہاتھ نہ آتی تھی اور پھر جو سرمایہ جمع کر کے اس کی نہایت حفاظت کی جاتی تھی - جو آدمی اتنی حفاظت کے باوجود اس کا سرمایہ چوری کر کے اس کو برباد کرتا ہے اس کی سزا یہ ہونی چاہیے کہ اس کو غلام بنا[2] کے رکھا جائے تا کہ وہ سرمایہ جو اس نے چوری کیا تھا محنت کر کے پورا ادا کرے اور پھر آزاد ہو جائیگا -

آجکل ضروریات زندگی سرمایہ دار طبقہ کو آسانی سے ملتی ہیں اسلئے سرمایہ کی زیادہ قیمت نہیں لگائی جاتی اور چور کو غلام بنانے کی سزا ہر لیستان کو معلوم ہوتی ہے یعنی قانون بنانیوالوں

۱- ہٹ جائے
۲- کر کے

کو بہت بری معلوم ہوتی ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ سرمایہ جمع کرنے والا آدمی زر پرست طبقہ کا آدمی ہوتا ہے ان کو دولت آسانی سے مل جاتی ہے اور اس دولت کی قیمت حکیموں۔ قانون والوں کے دل میں کم ہوتی ہے۔

قانون بناتے وقت رائے عامہ کا خیال رکھا جائے اور اسے بلا استثناء جاری کیا جائے اسے تبدیل کرنا دراصل اس کی روح کو ختم کرنا ہوتا ہے

سزا بنانے کا قانون یہ ہے کہ رائے عامہ کا خیال رکھا جائے اور پھر قانون بنایا جائے اور پھر اس قانون کو سب پر بلا استثناء جاری کر دیا جائے اور اعتراض کرنے کا حق کسی کو نہ دیا جائے اور رائے عامہ سے جو سزا کا قانون مقرر ہو اس کی تبدیلی کا حق کسی کو نہیں۔ تبدیلی کرنا دراصل اس کی روح کو بے معنی کرنا ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی سزائیں "حد" کا درجہ رکھتی ہیں یعنی انتہائی سزائیں ہیں۔

قرآن مجید میں جو سزائیں درج ہیں وہ "حد" ہیں یعنی انتہائی سزائیں ہیں اگر انتہائی سزا دینے میں مجسٹریٹ سے[1] غلطی ہو جائے تو اسے معمولی سمجھنا چاہیے اس کی تبدیلی کی خواہش نہیں کرنا چاہیے لیکن یہ قانون خراب ہے اسے بدلاؤ۔ یہ پروپیگنڈہ بہت خراب ہے۔ اس کی تلافی یوں ہو سکتی ہے کہ بالا کورٹ میں اپیل کر دی جائے۔ جہاں جہاں مجسٹریٹ نے غلطی کی ہے اس کی تلافی کرنا چاہیے نہ یہ کہ قانون کو بدلانا چاہیے۔

قانون بناتے وقت بڑی دقتیں اور مشکلات پیش آتی ہیں اور اسے فوراً نہیں بنایا جا سکتا۔

قانون بڑی مشقت اور تکلیف کے بعد تیار ہوتے ہیں۔ اس کے بنانے کیلئے بڑے بڑے حکیم فلاسفر۔ مدبر اور قوموں کی ذہنیت کو جاننے والے جمع کیے جاتے ہیں پھر رائے عامہ پوچھی جاتی ہے تب جا کر قانون مکمل ہوتا ہے۔ ہر وقت قانون نہیں بن سکتا

غلام بنانے کی سزا ابتدائی تھی اگر مال چور کے پاس موجود ہے اور اس نے دے دیا تو تھوڑے دنوں کیلئے غلام بنایا[2] جاتا تھا۔ اگر مال برباد کر دیا گیا ہے تو جب تک اس مال کی قیمت ادا نہ ہو جائے تب تک غلام رہتا تھا۔

۱۔ کو
۲۔ کیا

انتہائی سزا عادی مجرموں کیلئے ہوتی تاکہ وہ از عادات سے باز آجائیں۔

دوسری سزا جو "حد" ہے وہ عادی چوروں (Habitual thieves) کیلئے ہے کہ وہ چوری نہیں چھوڑتا اسلئے اسکو سزا انتہائی درجہ کی دی جائے۔

بعض دفعہ مجسٹریٹوں کی رائے ہوتی ہے کہ ادنی درجہ کی چوری پر جو پہلی سزا کا مستحق تھا اسکو انتہائی سزا یعنی ہاتھ کاٹ دیتے ہیں جمکن ہے مجسٹریٹ نے اس میں غلطی کی ہو مگر اس کی وجہ سے یعنی اس غلطی کیوجہ سے قانون کی تبدیلی کا خواہاں ہونا حماقت ہے۔ موجودہ زمانے میں مجسٹریٹ چوروں کے ہاتھ نہیں کاٹتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کو یہ بات یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ اکثر گواہ[1] جھوٹے ہوتے ہیں اور پولیس بھی اپنی بے ایمانی میں مشہور ہوچکی ہے۔ اسلئے انتہائی سزا دینے سے احتراز کرتے ہیں۔ اسی بنا پر موجودہ قانون بنائے گئے ہیں۔

مجسٹریٹ کو گواہوں کے بیانات اور پولیس کی رپورٹ کی روشنی میں انتہائی سزا کو کم کرنے کا حق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے ایک چور کو انتہائی سزا کے بجائے کم سزا دی تھی۔

اسی کی سند بعض احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے پاس جو کوفہ کے قاضی اور صحابی تھے ایک چور کو لایا گیا اور شاہدوں نے کہا کہ اس نے چوری کی ہے اور خود بھی اقرار کرتا ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے اس چور کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ اگر تو کہتا ہے کہ میں نے چوری کی ہے تو میں تیرا ہاتھ کاٹونگا۔ اگر تو کہے کہ میں نے چوری نہیں کی تو تم کو چھوڑ دیتا ہوں۔ چور ایرانی تھا۔ اس نے کہا "آغا من دزدی نہ کردہ ام"۔ آپ رضؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ صحابہ بڑی سزا دینے یعنی ہاتھ کاٹنے سے بہت احتراز[2] کرتے تھے حتی کہ حضرت عمر رضؓ نے سارے ملک میں حکم دے دیا کہ میری اجازت کے سوا کوئی کسی کا ہاتھ نہ کاٹے اور نہ قصاص میں قتل کیا جائے[3]۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہوتا ہے کہ جب کسی سیشن جج کو کسی آدمی کو سزائے موت دینا ہوتی ہے تو وہ پہلے ہائی کورٹ

حضرت عمر رضؓ نے اعلان فرمادیا تھا کہ ان کی اجازت کے بغیر نہ کسی کا ہاتھ کاٹا جائے اور نہ کسی کو قصاص میں قتل کیا جائے۔

١ - شاید۔
٢ - اعتراض
٣ - کردیا جائے

(جرم کی)

کی منظوری لیتا ہے تاہم اُسکے اُسے اختیار ہوتا ہے کہ فیڈرل کورٹ (سپریم کورٹ) میں اپیل کر سکے

حضرت عمر رضہ کے زمانے میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے ایک شخص

کا اونٹ چرا کر ذبح کر کے کھا لیا اور وہ سب کے سب اقراری تھے کہ ہم نے چوری کی

حضرت عمر رضہ کے روبرو مقدمہ پیش ہوا اور انہوں نے اقرار کیا - آپ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ

کاٹ دو - جب جلاد انکو لیکر چلنے لگا تو پھر ان کو واپس بلایا اور کہا کہ ان کو

چھوڑ دو کیونکہ تم غلاموں کو اچھا کھانا نہیں دیتے - میں حاطب یعنی ان کے سردار کو

سزا دیتا ہوں - اونٹ والے سے پوچھا اونٹ کی کیا قیمت تھی تو اُس نے جتنی بتائی

اس سے دوگنی کر کے حکم دیا کہ حاطب سے وصول کر لو -

یہاں سے معلوم ہوا کہ بڑی سزا دینے سے صحابہ (کرام رضہ) بہت بچتے تھے - ہمارا موجودہ زمانہ

تو فساد ہی فساد سے بھرا پڑا ہے -

> ایک جج کیلئے یہ ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے حالات و واقعات کا بغور مطالعہ کرے اور علتِ جرم کا پتہ چلائے -

آیت نمبر 76 فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاءِ أَخِيهِ ط -

ترجمہ: پھر شروع کیں منتظم نے ان کی بوریاں دیکھنی اسکے بھائی کی بوری سے پہلے - آخر کو وہ برتن نکالا اس کے بھائی کی بوری سے -

> مہمان خانے کے منتظم نے برادران یوسف کی تلاشی لی اور بنیامین کے سامان سے پیالہ برآمد ہوا -

مطلب: توریت میں آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے رات خاص مہمان

خانے میں گزاری - جب صبح ہوئی اور شہر کے دروازے کھلے تو وہ اپنا سامان لاد کر

چلنے لگے - تھوڑا آگے گئے تو مہمان خانے کے منتظم نے اُن کو آ پکڑا اور روک لیا

واپس لے آیا اور تمام گفتگو جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ان کے درمیان ہوئی -

مہمان خانے کے منتظم نے سامان سنبھالا تو پیالہ گم تھا اور سوائے حضرت یوسف علیہ السلام

سے Murder Reference کہتے ہیں

۱- گئے
۲- بری
۳- بھائی
۴- انہوں نے

کے بھائیوں کے کوئی دوسرا وہاں نہ تھا -

جب فیصلہ ہو گیا کہ جس کے سامان میں سے نکلے وہی غلام ہو جائے تو اب منتظم ان کی بوریاں تلاش کرنے لگا - پہلے اور بھائیوں کی بوریوں کی تلاشی لی آخر میں بنیامین کی تلاشی لی - اُس سے پیالہ نکلا -

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ عام مفسرین بَدَا کا فاعل یوسف علیہ السلام کو بناتے ہیں مگر آیات کے سیاق و سباق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "بَدَاَ" کا فاعل یوسف علیہ السلام نہیں بلکہ مہمان خانے کا بڑا منتظم ہے - ہماری رائے یہی ہے باقی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں

ہاں بے شک توریت میں ایسا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے منتظم مہمان خانہ سے کہا کہ میرا پیالہ بنیامین کی بوری میں داخل کر دے اور باقی بھائیوں کی بوریوں میں اناج کی قیمت ڈالکر بند کر دے - پھر جب وہ صبح کو وہ باہر نکل گئے تو اس افسر کو حکم کیا کہ جاکر ان کو واپس لا اور جس کی بوری سے پیالہ نکلے اس کی سزا ان سے پوچھ - پھر واپس لاکر اور سزا پوچھ کر خود یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی بوریوں کی تلاشی لی اور بنیامین کی بوری سے پیالہ نکلا اور اس کو غلام بنایا - یہ تدبیر یوسف علیہ السلام کی تھی -

تفسیر بغوی کے مطابق تلاشی لینے والے حضرت یوسف علیہ السلام نہ تھے - نہ انہوں نے حکم دیا تھا نہ ہی تفتیش کے وقت موجود تھے

قال البغوی فی تفسیرہ فقال الرسول عند ذالک لا بد من تفتیش امتعتکم یعنی آواز دینے والے نے کہا کہ ضرور ہے تمہارے سامان کی تفتیش کروں -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفتیش کے وقت (حضرت) یوسف علیہ السلام حاضر نہ تھے نہ ہی (حضرت) یوسف علیہ السلام نے تفتیش کا حکم دیا تھا اور نہ اسوقت وہ حاضر تھے -

تفسیر بغوی کے مطابق بنیامین کو لے جانے والا مہمان خانے کا منتظم تھا۔

اور پھر تفسیر بغوی میں ہے اِنَّ الرَّجل اخذ برقبته وردّه الی یوسف کما یردّ السّراق - یعنی اس مرد نوکر نے جب پیالہ بنیامین کی خرجیں (بوری) سے نکالا تو بنیامین کو گردن سے پکڑ کر یوسف علیہ السلام کے پاس لے گیا جیسے چوروں کو

حکام کے پاس لے جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب بنیامین کو پکڑ کر یوسف علیہ السلام کے پاس لے گئے

تب یوسف علیہ السلام کو یہ قصہ معلوم ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت و فضائل

یوسف علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لنعلمهٗ من تاویل الاحادیث - اب یہ نیا واقعہ پیش آیا ہے یوسف علیہ السلام نے اسپر غور کر کے حقیقت اسکی معلوم کرلی۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے اسلیئے پیدا کیا ہے کہ ابتک بھائیوں میں عناد و تکبر اور میرے اور میرے بھائی کے متعلق ویسی ضد اور حسد موجود ہے - اب اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی معلوم ہوتی ہے کہ بنیامین کو اپنے پاس رہنے دے - اس رمز الٰہی کو یوسف علیہ السلام سمجھ گئے - اسلیئے آگے انکی تعریف کیجاتی ہے -

نرفع درجات من نشاء وفوق کل ذی علم علیم - یعنی ایسی رمزوں کے سبب سے یوسف علیہ السلام کا درجہ بلند تھا وہ بڑا عالم تھا - اور سیاست کا بڑا ماہر تھا

پھر یوسف علیہ السلام بھائیوں کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ یوسف علیہ السلام چور تھا اس لئے اسکا بھائی بھی چور ہے تو یوسف علیہ السلام کو یقین آگیا کہ میرے بھائی ابتک نہایت پست اخلاق ہیں کہ اپنے خاندان پر چوری کی تہمت لگاتے ہیں - اور یہ نہیں سمجھتے کہ حکام عقلمند ہوتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ یہ برا خاندان ہے کہ جسمیں چوری کی عادت ہو اور حاکموں کے روبرو ایسے الفاظ اپنے خاندان

کے حق میں کہنا ناروا ہے ۔ ایسے الفاظ کہنے کا سبب یہ ہے کہ میرے بھائی بڑے متکبر
ہیں اور ہم سے ویسی دشمنی رکھتے ہیں ۔

؎ چو از قومی یکے بیدانشی کرد + نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را ۔

میرے خیال میں یہ تدبیر (حضرت) یوسف علیہ السلام کی نہ تھی نہ آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے
اور نہ یوسفی اخلاق سے یہ حرکت ہو سکتی ہے ۔ یوسف علیہ السلام کو معلوم تھا کہ
والد یوسف کے فراق میں غمگین ہو کر روتے روتے آنکھیں بھی ضائع کر بیٹھے ہیں
اب بنیامین کو گرفتار کر کے انکو دوگنے غم میں مبتلا کس طرح کر سکتے تھے[1] ۔
ہر ایک شخص اپنے دل میں سوچے کہ کیا یوسف علیہ السلام یہ کام کر سکتے تھے[2]
تو ان کے قلب سے یہی آواز آئیگی کہ اتنا رحم دل نبی ایسا کام نہیں کر سکتا ۔ اگر
ہم مان لیویں کہ یوسف علیہ السلام نے خود یہ کام کیا ہے ۔

اول تو آیات سے معلوم نہیں ہوتا اور دوسرا یہ ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ جب
یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو گرفتار کیا تو بڑا بھائی یہودا یوسف علیہ السلام سے کہنے لگا
کہ بنیامین اگر باپ کے پاس نہ پہنچے گا تو اس کا باپ مر جائیگا ۔ اس پر رحم کرو ۔
پہلے[3] اس کا ایک بیٹا جس سے وہ بڑی محبت کرتا تھا ۔ جس کا نام یوسف تھا گم ہو گیا ۔
اس کے غم میں روتے روتے نابینا ہو گیا ہے اور نہایت ضعیف بوڑھا ہے ۔ تو یہ غم اس
پر پڑ گیا تو فوراً مر جائیگا ۔ اور اس کا خون ہماری گردن پر رہیگا ۔ آپ مہربانی فرما کر اس
کو چھوڑ دیں[4] اور مجھے اس کے عوض گرفتار کر لیں اور بہت رویا اور گڑگڑایا تو یوسف علیہ السلام
جو رحمدل اور مجسم دریائے رحمت تھے اس دریا نے جوش مارا اور فرمانے لگا کہ میں یوسف ہوں
تو سب خوشی سے[5] رونے لگے پر آئندہ جو قصہ قرآن میں مذکور ہے نہ ہونا چاہیے ۔

۱ ۔ کر سکتا تھا
۲ ۔ کر سکتا تھا ۔
۳ آگے
۴ چھوڑ دو
۵ میں ۔

اہل بصیرت کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ بنیامین نے اپنے والد کی حالت یوسف علیہ السلام سے بیان کی ہوگی اور یوسف علیہ السلام نے بھی سب حالات پوچھے ہونگے۔ تو جب انہوں نے سنا ہوگا جیسا کہ تورات میں ذکر ہے کہ وہ بہت ہی ضعیف ہو چکے ہیں اور زیادہ غم برداشت نہیں کر سکتے اور فقط بنیامین کا سہارا ہے۔ وہ کیسے یہ حرکت کر کے (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے غم کو دوگنا کر سکتے تھے۔ کیا وہ نبی ہو کر اتنا بھی نہ جان سکتے تھے کہ ضعیف اور کمزور انسان کو غم پہنچانا ایک بڑا اخلاقی جرم ہے اور اس سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اور قرآن شریف تو یہودیوں کے واہیات قصص رد کرتا ہے تو ضرور کہا جائیگا کہ یوسف علیہ السلام نے یہ پیالا بنیامین کی بوری میں بلا اطلاع بنیامین خود بند کر دیا تھا۔ تاکہ میرا احوال بنیامین بیان کر لیگا (تو) شاید اس کو یقین نہ آئے اور اس پیالہ سے یقین آجائیگا۔ اپنی رحمدلی دکھانے کیلئے اور باپ کو خوش کرنے کیلئے یہ تدبیر کی۔ مگر خدا کو کچھ اور تدبیر پسند تھی۔ جیسا اس آیت میں آگے آتا ہے۔

حضرت یوسف نے باپ کو یقین دلانے کی خاطر پیالہ خود رکھا تھا۔ تاکہ باپ اس سے اندازہ لگالے۔

قولہ تعالیٰ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ الآیہ - ۱۲:۷۶

مصر کے قانون (...)[1] میں کوئی ایسی[2] دفعہ نہ تھی[3] جس سے (حضرت) یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو گرفتار کر سکے اور حکمت متقاضی تھی کہ بنیامین گرفتار ہو تاکہ بھائیوں کا غرور اور تکبر دور ہو جائے۔ انہیں نسبی غرور کے علاوہ اپنی عقل مندی اور دانش کا اتنا غرور تھا کہ اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے انتظام خانہ داری۔ جہانبانی یا جہانگیری پر بھی نکتہ چینی کرتے تھے اور اس کے حق میں ضلال اور پیر بے عقل کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے اور یوسف علیہ السلام کے گم ہو جانے کے بعد تبلیغی پروگرام بھی نہیں چلانے دیتے تھے۔ اب جب بنیامین چوری کی تہمت میں گرفتار ہوئے۔ ان صاحبزادوں کی آنکھیں کھلیں

حکمت الہی کا تقاضا تھا کہ بنیامین گرفتار ہو۔ تاکہ بھائیوں کا نسبی و ذہنی غرور دور ہو

۱ - شاہی
۲ - ایسا
۳ - تھا

کہ ھم میں عقل کی کوتاہی ہے اور پہلی دفعہ ان کی جتنی عزت افزائی ہوئی۔ اسوقت اسی دگنی

برادران یوسفؑ پر اس واقعہ کا اثر۔

ذلت نصیب ہوئی نہ گھر کے رہے نہ بر کے رہے۔

اب زبان پر بھی ان کا قبضہ نہ رہا بلکہ عقل و حواس میں اختلال آ گیا۔ عقلی توازن قائم نہ رکھ سکے رہی

اور بنیامین کی گرفتاری ان کی بے عزتی کا باعث بنی۔ ان کی عزت و آبرو کو ضرب کاری

لگی۔ انکا غرور و تکبر زائل ہونے لگا۔ یہی مصلحت خداوندی تھی تاکہ انسانیت کے درجہ
(کے مرتبہ و مقام کے بارے میں)
پر آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقت آشنا ہو جائیں۔

آیت نمبر 76

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ

حکمت الٰہی یوسف علیہ السلام کی تدبیر پر غالب آ گئی۔

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ۔ ھم نے یوں داؤ تیار کیا یوسف (علیہ السلام) کیلئے۔ وہ ہرگز نہ گرفتار کر سکتا تھا

اپنے بھائی کو دین میں اس بادشاہ کے۔ مگر جو چاہے اللہ۔ ھم درجے بلند کرتے ہیں

جس کے چاہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا۔

مطلب۔ کید کے لفظ کا معنی لغت میں "خفیہ تدبیر کرنا" تو آیت کا معنی یوں ہوگا کہ

ھم نے خفیہ تدبیر کی یوسف کیلئے اور اس کے فائدے کیلئے نہ یہ یوسف علیہ السلام کی خفیہ تدبیر

تھی۔ یوسف علیہ السلام کی تدبیر تو یہ تھی کہ باپ خوش ہو جائے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

کہ ھم نے یوسف علیہ السلام کیلئے یہ خفیہ تدبیر کی کہ منتظمین کے دل میں ڈالا کہ یوسفؑ

کے بھائیوں کی بوریوں کی تلاشی کریں۔ اس کا سبب پیالہ گم ہونے کا تھا۔ مگر اس

کو گرفتار کرنا مصر کی بادشاہت کے مطابق ٹھیک تھا۔ اس وقت مناسب نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت

بھائیوں میں خودی اور تکبر موجود ہے۔ اس خودی کے پردے کے باعث جو ان کے دلوں پر پڑا ہوا ہے

جمال وکمال یعقوبی سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو جمال وکمال یوسفی سے کہاں فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر کی جس سے ان کی خودی اور تکبر کا حجاب ریزہ ریزہ[1] ہو گیا تاکہ جمال اور کمال یوسفی کو سمجھ سکیں۔

حکمت الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ بھائی یوسفؑ کے شکر گزار رہیں اور اطاعت کریں۔

اس میں یوسف علیہ السلام کا فائدہ تھا کہ یہ لوگ اپنی خوشی دلی اور رضامندی سے (حضرت) یوسف علیہ السلام کی اطاعت کریں اور شکر گزار رہیں۔ اگر بنیامین کو زبردستی ٹھہراتے[*] تو یوسف علیہ السلام کے بھائی بادشاہ کی کورٹ میں جا کر اپیل کرتے تو دونوں باتیں اس وقت ٹھیک نہ تھیں یعنی نہ تو زبردستی کام لینا تھا اور نہ ہی یہ بتانا تھا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔

تدبیر الٰہی ایسی ہوتی ہے تھوڑے بہت اسباب پہلے پیدا ہو جاتے ہیں اس کے بعد پوری تدبیر عمل میں آ جاتی ہے۔

تدبیر الٰہی کے عمل میں آنے کیلئے سنت اللہ

جیسے ملائکہ کام کرتے ہیں۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے دنیاوی اسباب پیدا نہیں کرتے بلکہ اگر سبب پیدا ہو گیا تو اس کو بہت بڑا کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کو اللہ تعالیٰ عذاب کرنا چاہتا ہے اور فرشتے کو حکم ہوا کہ اس کو عذاب کرو اور اس آدمی کو ایک کانٹا لگ گیا اب یہ فرشتہ اس میں پھونک دیگا کہ جس سے وہ پھول کر ایک بڑا زخم ہو جائے اور پھر اس میں پھونک دی اور اس کا خون زہر بن گیا تاکہ اس کا ہاتھ یا پاؤں کاٹنا پڑے

دوسری مثال:۔ دو جماعتیں آپس میں جنگ کرتی ہیں۔ (تو فرشتے) ایک کے دل میں بہادری ڈال دیتے ہیں اور دوسری کے دل میں بزدلی اور جس کی فتح و شکست اللہ کو منظور ہوتی ہے وہ ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ کو سورت آل عمران میں مفصل بیان کیا گیا ہے

[*] یوسف علیہ السلام یہ بتاتے کہ میں تمہارا بھائی ہوں اور زبردستی سے

[1] ۔ پرزہ پرزہ

تدبیر الٰہی کے اثرات - برادرانِ یوسف کا غرور تکبر ختم ہو کر انکے اندر خشیت الٰہی پیدا ہوئی

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب پیالہ بھائی کی بوری میں رکھ دیا تو سبب موجود ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سبب کو فراخ اور وسیع کر دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائی ان[1] کے پاس رہ گیا۔ اور بھائیوں کی خودی اور تکبر ٹوٹ گیا۔ باپ کے پاس بھی عزت نہ رہی اور جماعت کے پاس بھی عزت نہ رہی اب سمجھنے لگے کہ ہم ناچیز آدمی ہیں اور جو یوسف[4] کے ساتھ جرم کیا تھا - اب اس کی سزا شروع ہو گئی ہے - ان کے دل میں خوف اور خشیت خدائی پیدا ہو گئی دراصل یہی مطلوب تھا۔

تدبیر الٰہی یوسف علیہ السلام کے لئے سود مند ثابت ہوئی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ تدبیر یوسف علیہ السلام کے فائدے کیلئے تھی اور یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو گرفتار نہیں کر سکتے تھے[2] مگر کوئی اور تدبیر اللہ تعالیٰ کرتا تو ہو سکتا تھا - یعنی یوسف علیہ السلام نے بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں ۔ یہ معنی ہے الّا ان یشاء اللہ کے فقرے کا مگر یہ موقع مناسب نہ تھا کہ یوسف علیہ السلام فرمائیں کہ میں تمہارا بھائی ہوں بلکہ خاموش کھڑے رہے[3] حتٰی کہ انہوں نے کہا کہ ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل - نرفع درجات من نشاء کا جملہ بتا رہا ہے کہ یوسف علیہ السلام

سیاست میں مہارت انسان کی اعلیٰ لیاقت ہے -

سیاست کے بڑے ماہر تھے[4] - سیاست میں ماہر ہونا انسان کی اعلیٰ لیاقت ہے۔ حکومت کی باگ ڈور ایسے عقلمند سیاست دان اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں وفوق کل ذی علم علیم میں اشارہ ہے کہ یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر سیاستدان عالم پیدا ہو سکتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے - یہ دونوں صدیقین سیاست و جہانداری میں حضرت یوسف صدیق سے زیادہ فائق تھے [واللہ اعلم بمراد کلامہ -]

۱- یوسف
۲- رہ سکتے تھا
۳- کھڑا رہا
۴- بڑا ماہر تھا

انسانی عروج و عظمت علم اور حکمت عملی سے ہوتی ہے۔

پھر کہا کہ بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہیں یعنی علم اور حکمت عملی کے باعث انسان کے درجے بلند ہوتے ہیں جو بڑا عالم یا بڑا مدبر ہو اس کے درجے ہم بلند کر دیتے ہیں علم اور تدبیر کی انتہا کسی کو معلوم نہیں - ہر عالم سے اوپر دوسرا عالم ہوتا ہے اور ہر مدبر سے اوپر اعلیٰ سے اعلیٰ مدبر ہوتا ہے - سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اسکی تدبیروں پر اور علم پر اعتماد کرنا چاہیے

تدبیر پر تقدیر غالب آجائے تو اس پر صابر و شاکر بنتے ہوئے عمل کرنا چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم تاویل الاحادیث دیا تھا - تو اس سبب سے اس واقعہ سے بھی ان کو معلوم ہو گیا کہ اس حادثے کا مطلب یہ ہے کہ بنیامین کو میں گرفتار کروں - اگرچہ باپ کو اس سے سخت صدمہ پہنچیگا - مگر جو کچھ خدا کو منظور ہے وہی کرنا چاہیے اور باپ کو اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق دے گا -

آیت نمبر 77 - قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ○ -

برادران یوسف کا یوسف پر الزام -

ترجمہ : کہنے لگے اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنے جی میں اور ان کو نہ جتایا . کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو -

جاہل لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مصیبت کے وقت پچھلی باتوں کو یاد کرکے خاندان کو کوستے ہیں اور مصیبت سے بچنے کی تدبیر نہیں کرتے -

مطلب : حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو یوسف علیہ السلام کے مکان خاص[1] پر لاکر تفتیش کرنے لگے - یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور منتظمین کے درمیان جھگڑا ہوا حتیٰ کہ یوسف علیہ السلام بھی باہر نکل کر ان کا تماشا دیکھنے لگے[2] - جب منتظم اعلیٰ نے بنیامین کی بوری میں سے پیالہ نکالا تو باقی بھائی یک زبان ہو کر اپنی پرانی ضد اور عناد

١ - خاص جگہ
٢ - لگا -

اور حسد جو اپنے اندر رکھتے تھے، ظاہر طور پر بتا دیا۔ اور کہنے لگے کہ اگر بنیامین نے
چوری کی ہے تو اس کا بھائی بھی[1] چور تھا۔ حالانکہ یوسف علیہ السلام نے کبھی چوری نہیں کی تھی
یوسف علیہ السلام نے جب سے ہوش[2] سنبھالا تھا۔ اسی دن سے اپنے باپ کی ہی
خدمت کرتے رہتے تھے۔ انہوں[3] نے اپنے باپ کو پہچان لیا تھا۔ انہیں[4] اپنے باپ کی
خدمت کے سوا چین اور آرام نہ آتا تھا۔ وہ کب چوری کرتا تھا اور کب چوروں کی مجلس میں
جاتا تھا۔ مگر بھائیوں کو یوسف علیہ السلام سے دشمنی اور عناد تھا۔ اب تک وہ دشمنی اور عناد
اُن کے دل سے زائل نہ ہوا تھا۔ اور اپنے ظلم پر پشیمان نہ تھے۔ اسلئے جب بنیامین
کی بوری سے پیالہ نکلا تو یوسف علیہ السلام کو برا بھلا کہنے لگے نہ بنیامین کو۔ بنیامین
میں چوری کا شک تھا شاید کسی دوسرے نے رکھ دیا ہو۔ بھائی یوں سمجھتے تھے۔
باقی یوسف علیہ السلام کو تو پورے یقین سے کہہ دیا کہ وہ چور ہے

دل میں نفرت و کدورت ہو تو اچھا کام بھی برا معلوم ہوتا ہے

بعض مفسرین نے خواہ مخواہ چھوٹے قصے یوسف علیہ السلام پر چوری
کی تہمت لگانے کیلئے بنائے ہیں نہ وہ قرآن مجید اور نہ حدیث میں ہیں نہ توریت
میں ہیں تو ان قصوں کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں

ایسے قصص جن کی اسناد موجود نہ ہوں۔ انہیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سے غلط فہمی بڑھتی ہے۔

یوسف علیہ السلام نے جب یہ سنا کہ بنیامین چور ہے اور اس کا بھائی جو
پہلے تھا وہ بھی چوری کرتا تھا تو یہ مقام ایسا تھا کہ یوسف علیہ السلام غصے میں بے
اختیار ہو کر پیالے کا قصہ بتا دیا کہ میں نے اس غرض سے یہ پیالہ رکھا تھا۔
مگر انہوں نے یہ سمجھا کہ خدا کو منظور ایسا ہے کہ اس کی حقیقت بیان نہ کی جائے اس لئے اس
پیالہ کے قصہ کو کھول کر نہ بتایا اور نہ اپنے آپ کو ظاہر کیا کہ میں یوسف ہوں جیسے توریت
میں آتا ہے بلکہ نہایت استقلال سے اتنا فرمایا کہ تم سب ادنیٰ[5] درجے کے آدمی ہو۔

۱۔ جو کھویا تھا
۲۔ عقل
۳۔ انہیں سے
۴۔ اس کو
۵۔ آگے

مہذب انسان اپنے خویش واقارب کے عیوب بیان نہیں کرتے۔ بلکہ اگر نی الواقع موجود ہوں تو انکی اصلاح کرتے ہیں۔

اعلیٰ درجے کے آدمی اپنے خویش واقارب کے عیب بیان نہیں کرتے اور تم بیان کر رہے ہو۔ اسلیئے تم شریف آدمی نہیں اور نہ عزت کے لائق ہی ہو۔ اور نہ کسی بلند مرتبے والی سوسائٹی کے ممبر بنائے جا سکتے ہو اور ہم تو تمہیں شریف آدمی سمجھ کر تمہاری عزت کرتے رہے لیکن اب معلوم ہوا کہ تم نہایت بے عزت اور نالائق آدمی ہو۔ خدا ہی جانتا ہے تم جو بیان کر رہے ہو کہ اس میں تم سچے ہو یا جھوٹے ہو۔

اب بحث طلب امر یہ ہے کہ صیغہ فاسرّھا یوسف فی نفسہٖ ولم یبدھا۔ کی ضمیر کس طرف راجع ہوتی ہے۔ اسرّھا۔ لم یبدھا۔ ھا کا ضمیر مونث ہے اکثر مفسرین نے ھا کا ضمیر ان یسرق کی طرف بتاویل کلمہ کے کرکے راجع کیا ہے اور ضمیر مونث ولم یبدھا کا یوسف کے قول جملے کی تاویل سے بطرف انتم اشد مکانا" کی طرف راجع کیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے دونوں ضمیر مونث کو یوسف علیہ السلام کے قول کی طرف راجع کیا ہے اور بعضوں نے دونوں ضمیر مونث ان کے بھائیوں کے قول ان یسرق کی طرف راجع کیا ہے۔

ہمارے خیال میں یہ ہے کہ ان ضمیروں کو پیالے کے قصّے کی طرف بتاویل قصہ کے راجع کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے جو غلط قصے انبیاء کے توریت میں مذکور ہیں ان کو [illegible] رد [illegible] کیا ہے۔ یہاں بھی توریت میں آیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو جب منشئیں لیکر آئے اور پیالہ بنیامین کی بوری سے نکلا تو ان کو یوسف علیہ السلام نے بہت ڈانٹا اور بہت غصہ کیا حتیٰ کہ ذلیل ہوکر بڑا بھائی یہودا کہنے لگا کہ مجھکو اس کی جگہ قید کر دو۔ نہیں تو میرا باپ مر جائیگا۔ اس پر رحم کرو تو یوسف رو پڑا اور کہنے لگا کہ میں یوسف ہوں

اور بھائیوں سے کہا جاؤ باپ کو لاؤ۔

قرآن شریف کا مقصد یہاں یہ ہے کہ توریت کا یہ قصہ کہ یوسف نے جب دوسری بار بھائی آئے تو اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ اور پیالہ رکھنے کا قصہ بھی بیان کر دیا کہ میں نے رکھا تھا یہ غلط ہے۔

قرآن مجید تورات لکھنے والوں کے غلط قصوں کا رد کرتا ہے۔

قرآن شریف بتاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے پیالہ کے قصہ کو اپنے جی میں چھپا رکھا۔ نہ اپنے آپ کو ظاہر کیا اور نہ اس قصہ کو ظاہر کیا۔ کیونکہ اب تک بھائیوں میں عناد اور دشمنی ویسی کی ویسی تھی۔ اگر اس دشمنی کے ہوتے ہوئے ان کو اپنی صحبت میں رکھا جائیگا تو پھر نہ جانے کوئی (واللہ اعلم) اور دشمنی نہ کر بیٹھیں۔ جب تک ان کی دشمنی اور عناد کی بیخ و بنیاد نہیں کاٹی جائیگی، میرے ساتھ رہنے کے لائق نہیں۔

عناد و دشمنی دلوں میں قائم رہے تو ہمیشہ خطرہ رہتا ہے اور نقصان کا اندیشہ رہتا ہے اسی لئے دلوں کی کدورت ختم کرنا ضروری ہے

(حضرت) یوسف علیہ السلام سمجھ گئے کہ میں نے تو ایک تدبیر سوچی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس تدبیر کو پیچھے ہٹا دیا ہے۔ پیچھے ہٹانے کا سبب بھی ان کو معلوم ہو گیا کہ بھائیوں میں عجز و نیاز اور اپنی غلط کاری پر ندامت نہیں آئی۔ بلکہ وہی پرانا عناد اور دشمنی موجود ہے۔ اور خویش و اقارب کی دشمنی کے ہوتے ہوئے اپنی صحبت میں رکھنا خطرناک ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کا علاج یہ کیا ہے کہ اب بنیامین کو نہ بھیجا جائے اور نہ یوسفؑ[4] اپنے آپ کو ظاہر کرے تو دربار میں مجرم بھی ٹھہرے اور باپ اور خاندان کے پاس بھی مجرم ٹھہریں گے۔ اور اپنے جرم کا بھی انہیں احساس ہو جائیگا[1]۔ اور اپنی ذلت کا بھی ان کو محسوس ہوگی[2] کہ ہم ذلیل ہو چکے ہیں۔ تب وہ ہماری بخشش کی قدر کریں گے اور میرے ماتحت رہ[3] کر زندگی بسر کریں گے۔

واللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کی تدبیر کو مؤخر کر دیا۔

حکمت الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ جب تک بھائیوں میں احساس ندامت نہ پیدا ہو جائے وہ کسی بخشش کے لائق نہیں۔

(انسان احساسِ ندامت سے جھک جائے تو اس پر عنایاتِ الٰہی کی بارشیں نازل ہوتی ہیں)

۱- آجائیگا
۲- ہو جائیگی۔
۳- ہو کر

توراۃ لکھنے والوں نے یہ قصہ آگے بیان کیا۔ نہ تیسری بار آنے کا نہ قمیض کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہنچنے کا بیان کیا ہے۔ ان کو یہ معلوم تھا مگر یہ اسلئے بیان نہیں کیا کہ یوسف[۱] پر سنگدلی اور قسوت قلبی کا الزام آتا تھا۔ بنیامین کے نہ جانے سے یوسف علیہ السلام کو معلوم تھا کہ باپ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔ یہ جاننے کے باوجود یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی اپنے پاس قید رکھے۔ یہ نہایت سنگدلی کی بات ہے۔ اسلئے قصہ کو یہاں ختم کر دیا۔ مگر جو حقیقت تھی اللہ تعالے نے قرآن حکیم میں بیان فرمادی کہ اصل میں یہ علاج ان کے بھائیوں کیلئے تھا۔ گویا یہ جُلاب تھا جو اندر کی غلاظت نکال کر صاف اندر کو صاف کر دے۔ مادہ بیماری کا جو تھا وہ زائل ہوجائے اور بھائی یوسف علیہ السلام کو اپنا بڑا بھائی سمجھکر اطاعت کریں ورنہ غیر ملک میں اپنی پرانی دشمنیوں کی بناپر اختلاف پیدا کریں تو ان کیلئے یہ نہایت بدبختی ہوگی۔ اسلئے یہ علاج فرمایا۔

تدبیر الٰہی بھائیوں کی اصلاح کیلئے تھی تاکہ وہ اصلاح بالمقدر کر کے اطاعت یوسف ؑ کو بسر و چشم قبول کریں۔

یہ ہماری رائے ہے جو عرض کی گئی ہے۔ باقی اہل علم کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر غلط ہے تو اس کی نیک نیتی سے اصلاح کریں۔

بنیامین کے بدلے دوسرے بھائی کو قید میں رکھنے کی پیشکش۔

آیت نمبر 78 ۔ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔

ترجمہ :۔ کہنے لگے اے عزیز اس کا ایک باپ ہے۔ بوڑھا بڑی عمر کا۔ سو رکھ لے ہم میں سے ایک اس کی جگہ۔ ہم دیکھتے ہیں تو احسان کرنے والا ہے۔

آیت نمبر 79 ۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ

نا انصافی سے اللہ کی پناہ طلب کرنا۔

ترجمہ :۔ بولا پناہ دے اللہ کہ ہم کسی اور کو گرفتار کریں مگر جس کے پاس پائی ہم نے اپنی چیز تو ہم ضرور بے انصاف ہوئے۔

۱۔ بند

مطلب: جب بنیامین کو سرکاری پولیس نے گرفتار کر لیا تو بھائی یوسف علیہ السلام کے پاس بھاگے (ہوئے آئے) نہایت عاجزی سے کہنے لگے - اے عزیز تم بڑے نیکوکار اور رحمدل آدمی ہو - آپ کی مہربانی سے ہم ناامید نہ ہونگے - آپ بنیامین کو چھوڑ دیں[1] اور ہم سے ایک کو گرفتار کر لیں[2] - کیونکہ اس کا باپ (...)[3] بوڑھا اور ضعیف ہے اور اس سے اسکی محبت ہے - اگر یہ وہاں نہ پہنچیگا تو شاید وہ صدمہ سے مرجائے

توراۃ میں آتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب پولیس نے بنیامین کو پکڑا اور بھائیوں نے بھی اس پر اور اس کے بھائی پر چوری کا الزام لگایا تو یوسف علیہ السلام اسی وقت آگئے تھے[4] کسی نوکر نے جاکر ان کو خبر کی تھی - اس لفظ (...) سنتے سے ناراض ہوکر کہنے لگے[5] کہ تم سب نالائق ہو تو یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے نے دیکھا کہ عزیز مصر خود آگیا ہے تو جاکر اُن کے آگے عاجزی کی - کہنے لگا کہ ہم آپ سے پہلے ہی عرض کر چکے تھے کہ اس کا ایک بھائی تھا وہ پہلے گم ہو گیا (ہے) اس کے ساتھ ہمارے بوڑھے باپ کا بڑا پیار تھا - اس کے فراق میں روتے روتے ضعیف (اور نابینا) ہو گیا اور بنیامین سے اس کی تسلی ہوتی ہے - آپ کہنے پر ہم اپنے بوڑھے باپ کا سہارا لے آئے اگر یہ نہ جائیگا اور سُنیگا کہ گرفتار ہو گیا ہے تو اس صدمہ سے وہ مرجائیگا - میں ضامن ہو گیا تھا کہ میں واپس لاؤنگا اگر میں نہ لے گیا اور باپ اس صدمہ سے مر گیا (تو) باپ کا خون ہمیشہ میرے گلے پر رہیگا مہربانی کرکے اس کو چھوڑ دیں[6] - ہم میں سے ایک کو پکڑ لیں[7] [a]

اس تقریر کا دوسرا معنی یہ ہے کہ یہودا عزیز سے کہہ رہا ہے کہ آپ نے ہی حکم کیا تھا کہ اس کو لاؤ اور ہم نے عرض کیا تھا کہ باپ کی اس سے محبت ہے وہ نہیں چھوڑیگا اگر ہم اس کو باپ کے پاس نہ لے جاوینگے تو اس صدمہ سے اس کا باپ مرجائیگا اور اس کا خون

[a] پرانا عہدنامہ - کتاب — باب — آیت —

۱ - چھوڑدو
۲ - پکڑلو
۳ - بڑا
۴ - آگیا تھا
۵ - لگا
۶ - دو
۷ - لو

آپ پر ہوگا۔ گویا کہ یوسف علیہ السلام کو سمجھا رہا ہے کہ اس کو چھوڑ دو۔ ہم کو پکڑ لو۔

توراۃ میں آتا ہے کہ جب بنیامین پکڑا گیا تو بھائی اپنی زبان سے کہنے لگے کہ ہم نے اس لڑکے پر بڑا ظلم کیا یعنی یوسف علیہ السلام پر۔ وہ عاجزی کرتا تھا اور ہم نے نہ مانا اب اس کے خون کا بدلہ ہم سے لیا جاتا ہے۔ اب ہم سب کی خیر نہیں۔ باپ کے ہاں بھی ہم بے اعتبار ہوئے اور یہاں عزیز مصر کے پاس بھی بے اعتبار ہوئے اور اللہ تعالےٰ سے اب خون کا بدلہ لینے کی تدبیریں شروع ہوگئی ہیں۔ آخر بدلہ لیا جائیگا۔ [1]

توراۃ میں آتا ہے کہ جب وہ یہ باتیں اپنی زبان سے کہہ رہے تھے تو یوسف علیہ السلام سب سمجھ رہا تھا۔ [2]

یوسف علیہ السلام جواب میں فرماتے ہیں خدا پناہ دیوے۔ ہم ایسے ظالم نہیں کہ جرم کا ارتکاب ایک شخص کرے ہم اس کو گرفتار نہ کریں اور اس کی جگہ دوسرے کو گرفتار کریں یہ تو صریح ظلم ہے۔ ہماری سرکار [1] عادل ہے نہ کہ ظالم۔ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا اسی کو گرفتار کرتے ہیں۔

ایک عجیب اشارہ ہے۔ فرما رہے ہیں کہ سامان اس کے پاس پایا گیا ہے۔ رکھا کس نے ہے اس کا کوئی ذکر نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں بیان کر رہا ہے کہ حکومت [1] کے قانون کے مطابق ہم کسی پر جھوٹا مقدمہ چلا کر یا زور زبردستی سے گرفتار نہیں کرتے اور جب چور گرفتار رہا اس کو بھی چھوٹے موٹے سبب سے چھوڑ دیں یا دوسرا اس کے عوض پکڑ لیں یہ بھی بادشاہ کے قانون کے مطابق ہم نہیں کرسکتے۔ مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کے قانون کے مطابق یوسف علیہ السلام بنیامین کو چھوڑ نہ سکتے تھے کیونکہ چوری اس پر ثابت ہوگئی ہے

[1]
[2]

۱۔ حکومت
۲۔ بادشاہ

آیت نمبر ۸۰ - فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ط قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ج وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

ترجمہ - پھر جب نا امید ہوئے اس سے اکیلے جا بیٹھے مشورہ کرنے کو۔ بولا ان میں کا بڑا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے عہد اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں سو میں تو ہرگز نہ سرکونگا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو باپ میرا یا قصہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا۔

مطلب - نجوی[1] خفیہ مجلس کو کہتے ہیں یعنی انہوں نے خفیہ ملکر باتیں شروع کیں کہ بھائیوں کے سوا اس میں کوئی شریک نہ تھا۔ اور خفیہ سیاسی کمیٹی بنانے کے قوانین سورۃ مجادلہ میں مذکور ہیں وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔[2]

جب یوسف علیہ السلام نے صاف صاف کہدیا کہ ہمارے قانون میں جو چور گرفتار ہو اس کو چھوڑ نہیں سکتے کوئی حیلہ کرنا ہمارے قانون میں جائز نہیں تو سب بھائی نا امید ہو کر خفیہ میٹنگ کرنے لگے اس میں سوا بھائیوں کے کسی کو نہ آنے دیا۔ اس میں بڑے بھائی یہودا نے تقریر کی کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لیا تھا کہ بنیامین کو صحیح وسلامت میرے پاس لے آنا۔ اس کی حفاظت میں کوئی سستی اور تساہل نہ کرنا۔ ہم نے عہد خدا کا دیکر پھر اسی کو توڑا اور یوسف علیہ السلام کو گم کر دیا اور ہم نے بڑا قصور کیا نہ باپ کے عہد کا خیال کیا اور نہ برادری اور رشتہ داری کا لحاظ کیا اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جیسا دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ بات ہوئی دوسری اب یہ ہوئی کہ ہمارا قصور ہے کہ ہم نے اس کو عزیز مصر کے پاس ٹھہرنے کیوں دیا۔ اور پھر اناج جو بوری میں ڈالا گیا اس کی تفتیش

[1] - کمیٹی

[2] وہ قوانین یہ ہیں :-

(۱)
(۲)
(۳)

نہیں کرنی چاہیئے تھی - ہم نے نہیں کی - کسی شخص نے دشمنی کر کے اس کی بوری میں یہ پیالہ
رکھ دیا تاکہ ہمیں[1] اور ہمارے خاندان کو بدنام کرے - ہمارے خاندان کے دشمن یہاں بہت ہی ہیں
ہم نے احتیاط سے کام نہیں لیا جیسے باپ نے احتیاط کا حکم دیا تھا ہم ویسی احتیاط نہ کر سکے۔
یہ ہمارے سب قصور ہیں - اس کو ہم مانتے ہیں - اب اس کی تلافی کی کوئی صورت نکالو اگر
نہیں نکال سکتے تو میں اپنے باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا - میں تو یہاں مصر میں ٹھہرا
رہونگا یہانتک کہ باپ اجازت دیوے یا کوئی اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دیوے کہ بنیامین کی
نجات کی کوئی صورت نکل آوے - اللہ تعالیٰ سب سے اچھا فیصلہ کرتا ہے - اس کو سب معلوم
ہے کہ نہ ہم چور ہیں اور نہ بنیامین - تو اب ہم مجبور[2] ہیں اور گرفتار ہیں - اللہ سے دعا مانگتے
ہیں کہ اس کام کی حقیقت ظاہر کر دیوے کہ دراصل کیا ہے!

میں تو یہاں اسلئے ٹھہرا رہونگا کہ اللہ کے فیصلہ کو دیکھوں - حاکم تو اللہ ہی ہے نہ کہ
عزیز - تو ہمیں اس معاملہ میں حاکم اللہ کو تسلیم کرنا چاہیئے - میں تو اس فیصلہ کو اللہ کے سپرد
کرتا ہوں اور مصر میں بیٹھ جاتا ہوں اور تم جاؤ۔

آیت نمبر ۸۱ - اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ
اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ -

ترجمہ :- پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے باپ تیرے بیٹے نے تو چوری کی
اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا دھیان نہ تھا۔

مطلب :- بڑا بھائی یہودا ان کا سردار تھا - ان کی سب[3] بات یہ مانتے تھے - یوسف علیہ السلام
سے ان کی جتنی بھی شکر رنجی تھی وہ اس بات پر تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ یعقوب علیہ السلام حضرت
یوسف علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کر دیگا۔

۱ - ہم کو
۲ - لاچار
۳ - سب

چھوٹا بھائی اگر سردار ہوگیا تو باقی بھائیوں کی عزت نہیں کریگا۔ بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں پر قدرتی طور پر رحم کرتا ہے وہ (اپنے) آپ کو باپ کی جگہ سمجھتا ہے۔

تورات میں ایسا آتا ہے کہ یہی بڑے بھائی نے کہا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو قتل مت کرو خیر یہ قصہ تدبیر کا ایک درس تھا۔ یہ بڑا بھائی پہلے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ذمہ لے گیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام گم ہوگئے۔ یہ (الزام) بھی بڑے بھائی پر تھا

ذمہ داری کا احساس نہ ہو تو ندامت اٹھانا پڑتی ہے

اس وقت بنیامین کو ذمہ دار ہو کر لے آیا تھا اور بنیامین گرفتار ہوگیا ہے۔ تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ بڑا بھائی بہودا جانشینی کے لائق نہیں کیونکہ اس میں تدبیر نہیں اگر عقلمند اور مدبر ہوتا تو چھوٹی سے چھوٹی تدبیر سے بھی غفلت نہ کرتا۔ حفاظت کیلئے سب چھوٹی بڑی تدبیریں کام میں لاتا۔ اس نے اپنی بے تدبیری سے اکیلا عزیز مصر کے پاس رہنے دیا۔ جس سبب سے بنیامین گرفتار ہوگیا (اُس کو[1]) تو چاہیے تھا کہ کبھی یہ اجازت نہ دیتا کہ وہ اکیلا رہے۔ اپنے ساتھ رکھتا۔ اب بڑے بھائی کو اپنی نالائقی اور بے تدبیری کا احساس ہوگیا کہ مجھ میں اتنی سمجھ نہ رہی کہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کو سنبھال سکوں اور حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کی جماعت کا سردار (بن[2]) سکوں۔ اور یہ بھی اُن کو سمجھ آگئی کہ بھائی بھی کوئی بڑے عقلمند مدبر نہیں۔ اگر میں غلطی کر رہا تھا تو یہ (مجھے[3]) سمجھاتے۔

تدبیر کام میں لانا سرداری کی دلیل

(۵۵)

اب سب بھائیوں کو یہ احساس ہو چکا ہے کہ سرداری کی لیاقت اور حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے خاندان کی سرداری کے لائق نہیں۔ اس لئے بڑا بھائی والد کو اور خاندان کو منہ نہیں دکھا سکتا۔ اسلئے وہ مصر میں رہ جاتا ہے اور اپنے باقی بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیج دیتا ہے اور ان کو سمجھا(تا ہے) کہ باپ کو یوں کہنا کہ اے ہمارے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی۔ اس چوری کے سبب سے گرفتار ہوگیا ہے۔ ہم تو اتنی شہادت دیتے ہیں جتنی بات ہمیں (ہم کو[4]) معلوم ہے۔ زیادہ ہمیں (ہم کو[5]) خبر نہیں۔

۱۔ اُن کو
۱۔ ہو۔
۳ مجھکو
۴۔ ہم کو
۵ ہم کو
۰ نظام

بنیامین ہم سے جدا تھا - وہ عزیز مصر کے ساتھ رہا - ہم سے جب وہ جُدا رہا تو ہم کیسے اُس کی نگہبانی کر سکتے تھے کہ وہ چوری نہ کرے - اگر ہمارے ساتھ رہتا تو ہم ہر طرح سے حفاظت کرتے - اسلئے ہم معذور ہیں - آپ ہم پر غصہ نہ کریں

مگر افسوس ہے کہ جن لفظوں میں یعقوب علیہ السلام کو بتاتے ہیں وہ نہایت دلخراش اور ایذا دہ ہیں - کہتے ہیں کہ تیرے بیٹے نے چوری کی ہے - یہ لفظ بے ادبی کا ہے - ان کیلئے ادب یہ تھا کہ یوں کہتے کہ ہمارے چھوٹے بھائی نے چوری کی ہے - انہوں نے یہ لفظ نہیں کہے - بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو رنج کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ جس سے تم محبت کرتے ہو اور اُس کو اپنا بیٹا سمجھتے ہو اور ہم سے اجنبیوں ایسا برتاؤ کرتے ہو[2]

ہم سے تو کبھی ایسا بدنامی[3] کا کام سرزد نہیں ہوا - جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا تمام خاندان بدنام ہو - حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت یعقوب علیہ السلام تک کوئی ایسا آدمی ہمارے خاندان میں پیدا نہیں ہوا تھا کہ وہ خاندان کو بدنام کرے - تیرے بیٹے نے چوری کی ہے اور سارے خاندان کو بدنام کیا ہے - یہ الفاظ کہنا ان کے شایانِ شان نہ تھے - ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھائی اپنے آپ کو بڑا متقی اور عقلمند سمجھتے ہیں اور دونوں بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو کمزور اخلاق والے سمجھتے ہیں -

گفتگو میں بھی پاک ادب اور حفظ مراتب کا خیال رکھنا چاہیئے - گفتگو سمجھا - دل پذیر اور خوب ہونی چاہیئے اور اس میں دلآزاری کا عنصر نہیں ہونا چاہیئے

آیت نمبر 8 وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا وَالْعِيْرَ الَّتِيْ أَقْبَلْنَا فِيْهَا ط وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ

ترجمہ : اور پوچھ لے[1] اُس بستی سے اور جس سے ہم تھے اور اُس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں اور بیشک (ہم) سچ کہتے ہیں -

مطلب :- قریہ کا معنی المجتمع ہے - جس کو اِس زمانے میں سوسائٹی[ل] کہتے ہیں یعنی ایک ذھنیت اور ایک معاشرت کے اجتماع کو قریہ کہا جاتا ہے - اور سوسائٹی کا لفظ بھی اِس معنی میں استعمال ہوتا ہے - یعنی جن لوگوں کی معاشرت اور ذھنیت ایک طرز کی ہو -

لفظ سوسائٹی کا ایک مفہوم! = یکساں ذھنیت اور معاشرت کا اجتماع

١- سَل
٢- روا رکھتے ہو
٣- بدنامی

ل SOCIETY

معلوم ہوتا ہے کہ اناج دینے کیلئے خاص تاریخ اور وقت مقرر ہوتا تھا۔ اس تاریخ پر اناج قافلے والوں کو ملتا تھا۔ اس قافلے میں دو قسم کے آدمی تھے۔ ایک تو وہی تھے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور (وہ) ایک سوسائٹی تھی۔
دوسرے وہ لوگ جو دور دراز ملکوں سے آئے تھے اور اُن کا راستہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی رہائش کے علاقہ سے ہو کر گزرتا تھا مگر وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی سوسائٹی کے آدمی نہ تھے۔
اب بھائی کہتے ہیں کہ بنیامین چوری کے الزام میں گرفتار ہوا ہے۔ ہمارا کوئی حیلہ اس کو پھنسانے کیلئے نہ تھا۔ ہم اس بات میں سچے ہیں۔ آپ کی سوسائٹی جس میں ہم اناج لینے کیلئے گئے تھے ان سے آپ پوچھ سکتے ہیں۔ اور پھر دوسرے شاہد وہ قافلے والے لوگ ہیں جو ہماری سوسائٹی کے نہیں وہ بھی یہی گواہی[1] دینگے کہ بنیامین خود اپنے کردار کیوجہ سے گرفتار ہوا ہے۔ اور ہم ہر قسم کی تہمت سے پاک ہیں۔ ہم نے نہ کوئی سازش کی ہے نہ ہم نے اس کو اس بات کیلئے کہا تھا کہ چوری کرو۔
مگر یہ لوگ یہ نہیں کہتے کہ ہماری بے تدبیری سے بنیامین گرفتار ہوا ہے۔ جب بھائیوں کو معلوم تھا کہ بنیامین ناتجربہ کار لڑکا ہے تو اس کو عزیز کے پاس کیوں رہنے دیتے۔ کیونکہ بادشاہ کے پاس تو قسم قسم کی چیزیں پڑی ہوتی ہیں اور بچے ان کو بے کار سمجھ کر کھیلنے کے لئے اُٹھا لیتے ہیں

آیت نمبر 83 - قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ط - عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ط إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ "-

ترجمہ : بولا کوئی نہیں - بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات. صبر ہی تو بہتر ہے - شاید اللہ لے آئے میرے پاس ان سب کو - وہی خبردار حکمتوں والا ہے -

آزمائش کے وقت صبر واستقامت سے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے رحمت خداوندی کی امید رکھنا چاہیئے

[1] شاہدی

مطلب ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے، ان کی بات سُن کر وہی پُرانا جملہ ادا کیا کہ اور تو ہرگز کوئی بات نہیں، نہ بنیامین نے چوری کی ہے مگر تم نے اپنے جی سے بات بنالی ہے۔ یعنی تمہاری بے تدبیری اور بے عقلی سے کوئی امر وقوع میں آگیا ہے۔ اب صبر بہت اچھا ہے اور اچھی طرح سے صبر کرونگا اور اچھی طرح صبر کرنے کا نتیجہ یہ نکلیگا کہ زمانہ قریب میں اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرکے میرے پاس لائیگا۔

اللہ کے کام بڑی حکمت، تدبیر اور علم سے چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہی حکمت اور تدبیر سمجھتا ہوں کہ ان کو جلد میرے پاس لائیگا۔ یہ تینوں یعنی حضرت یوسف علیہ السلام بنیامین اور یہودا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرکے مجھے ملادے گا)[1]

صبر جمیل یعنی اچھی طرح صبر کرنے کا معنی یہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تقدیر پر راضی رہے اور اپنی تدبیر (وسیلہ) کو نہ چھوڑے۔ جو کچھ تدبیر بن سکے کرے پھر نتیجہ کا انتظار کرے) اور بھروسہ اللہ پر رکھے۔

صبر جمیل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ تقدیر پر راضی رہتے ہوئے تدبیر سے کام لیتا رہے اور نتائج کیلئے اللہ پر بھروسہ رکھے

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس بڑے غم اور اندھیرے میں روشنی[2] اور خوشی کی جھلک نظر آرہی ہے۔ مایوسی کی جگہ امید کا پھول کھلا ہوا نظر آرہا ہے۔ جب سختی اور غم اپنی انتہائی موج کو پہنچ کر کشتی پر ڈال دیتا ہے تو سمجھدار ملاح سمجھ جاتا ہے کہ یہ آخری موج ہے اب طوفان ختم ہوگیا ہے)[3]۔ سمندروں کی موجوں میں رہنے والے لہروں کو پہچانتے ہیں کہ یہ اولین ہے یا آخرین۔ ہوا چلنے سے ان کو برسات کی بو آتی ہے یا خشک سالی کی علامت نظر آتی ہے۔

جیسے عقلمند ملاح ہواؤں کی تبدیلی سے طوفانوں کی آمد کا اندازہ لگالیتے ہیں اسی طرح عقلمند لوگ حالات کی تبدیلی سے نتائج اخذ کرکے راہ عمل متعین کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی امید سبز ہو[4] گئی ہے۔ اور سمجھ گئے ہیں کہ علامت الٰہی اب آنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ناامیدی کے وقت برسائیں عطا کرتا ہے اور باقی بھائی اور خاندان حضرت یعقوب علیہ السلام ناامیدی سے بھر جاتا ہے کہ پہلے ایک یوسفؑ گم ہوگیا تھا اب دو اور بھی گم ہوگئے۔

۱۔ مجھ کو اکٹھا کرکے دے دیگا۔
۲۔ روشنائی۔
۳۔ پُرموج۔
۴۔ بڑھ گئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان کو سمجھاتے[1] ہیں کہ تینوں ہی میرے پاس اکٹھے آگئے ہیں۔

بیت ۔ تفاوت است میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم ۱ے

آیت نمبر ۸۴ ۔ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ○

ترجمہ :۔ اور اُلٹا پھرا ان کے پاس سے اور بولا اے افسوس یوسف پر۔ اور سفید ہوگئیں آنکھیں اسی کی غم سے۔ سو وہ (اپنے) آپ کو گھونٹ رہا تھا۔

مطلب = بڑی لیاقت اور استعداد کے آدمی بالکل تھوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ اکثر انسان درمیانہ استعداد والے ہوتے ہیں۔ سمجھانے سے سمجھ جاتے ہیں۔ تعلیم دینے سے معلم بن جاتے ہیں۔ مگر اعلیٰ استعداد کے لوگوں کو (۔۔)[2] کوئی سمجھانے والا نہ ہو تو بھی سیدھے رستے پر چلتے ہیں۔

انبیاء و صدیقین[1] میں ملکیت اور بہیمیت دونوں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں۔

انسان میں ملکیت بھی ہے اور بہیمیت بھی ہے۔ یعنی کھانے پینے اور نسل بڑھانے کی قوتیں اس میں رکھی ہوئی ہیں اور اس میں فہم و فراست۔ علم اور ذہن والی قوت بھی رکھی ہوئی ہے جس کو ہم نے ملکیت کہا تھا۔ اس قوت کے ذریعہ سے وہ ملائکہ سے مل سکتا ہے اور ان سے علم حاصل کر سکتا ہے۔

ایسے لوگ جن کی ملکیت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی ہو۔ ایسی ملکیت جیسی جبرائیل و میکائیل علیہما السلام میں ہے اور ان میں حیوانیت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ ہو جیسے شیر اور ہاتھی میں ہے پھر یہ دونوں قوتیں آپس میں متحد اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے والی ہوں اور ایک انسان میں جمع ہو جائیں۔ ایسے آدمی انبیاء و صادقین[3] ہوتے ہیں

ا ے

۱۔ سمجھاتا ہے۔
۲۔ اُسی کو
۳۔ صدیق۔

دین اور دنیا کے کام اکٹھے شروع کرتے ہیں اور ان کے ہاں دونوں میزان پر ہوتے ہیں
ایسے لوگ بالکل تھوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی ملک میں پیدا ہو جاتے ہیں۔
جہاں بڑا نبی پیدا ہونے والا ہو وہاں کے گرد و نواح میں ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو
نبیوں کی بات اور فلسفے کو خوب سمجھ سکتے ہیں و۔۔۱ مسلمانوں کی اصطلاح میں ان کو
صدیق اور محدث و حکیم کہا جاتا ہے۔

ایسے لوگ جو نبیوں کی بات اور فلسفے کو سمجھ سکتے ہوں مسلمانوں کی اصطلاح میں "صدیق" اور "محدث" اور "حکیم" کہلاتے ہیں۔

انبیاء کرام ایسی استعداد والے لوگوں کو ڈھونڈھ کر تلاش کر کے اپنے گرد
جمع کر لیتے ہیں۔ پھر اپنا پروگرام ان کو سمجھاتے ہیں۔ پھر وہ لوگ (پروگرام) آگے چلاتے ہیں
بڑی استعداد والے لوگ اکثر غرباء (طبقہ) میں مل جاتے ہیں اور شریف خاندانوں میں ایسی
استعداد والے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں اگر وہ خاندان میں اپنی فطری شرافت پر
قائم ہوں

فطری شرافت پر قائم رہنے والے خاندانوں میں بڑی استعداد والے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ اور اکثر غرباء طبقہ میں مل جاتے ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے بڑی استعداد والے پیدا ہوئے۔
ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے حضرت اسحاق علیہ السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے
بہت سے ۱ بیٹے تھے مگر بڑی استعداد والا ایک پیدا ہوا یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام۔
حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تو بہت سے ہیں اور اس کے علاوہ بڑی جماعت بھی موجود ہے
مگر نبوت کی استعداد کا ایک آدمی پیدا ہوا۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام
کی استعداد کی شان نبوت جیسی تھی۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام اس کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش
ہوتے تھے کہ بار نبوت جو ہمارے سلسلہ میں ہم پر پڑا اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کا اٹھانے
والا پیدا ہو گیا ہے۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام ہے۔ اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں
سے ہے۔

انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کرام کو جو امانت نبوت یا ولایت عنایت ہوتی ہے تو وہ چاہتے ہیں
کہ ایسی جماعت یا افراد ہوں جن میں اس امانت کے سنبھالنے کی لیاقت ہو تو ان کو یہ امانت
سپرد کر دیں تاکہ اس امانت کو سمجھنے والی ایک جماعت پیدا ہو جائے۔

صاحب نظریہ صاحب استعداد لوگوں کی متلاشی رہتے ہیں تاکہ امانت ان تک پہنچائیں اور اس امانت کو سمجھنے والی ایک جماعت پیدا ہو جائے

۱ - ہی
۱ - تھا

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام بہت خوش ہوتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے میرا خلیفہ اور جانشین مجھے دیا ہے۔ (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)

استطح امام:۔ حضرت باقی باللہ قدس سرہ حضرت امام ربانی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے کہ میرے سلسلہ کو چلانے کیلئے اللہ تعالیٰ قدس (نے) مجھے عطا کیا۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ اپنی اولاد میں اعلیٰ درجہ کی ملکیت دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے جس کام کی ابتداء حضرت امام ربانی نے رکھی تھی۔ اس کو تکمیل کے درجہ پر پہنچایا۔ اسی طرح سلسلے[1] چلتے ہیں

صاحب استعداد آدمی مشکلات سے دوچار ہوکر مزید نکھر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قابل کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے

تقدیر الٰہی سے اور تدبیر حکیم علیم سے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو جاتے ہیں۔ بھائی تو کہتے ہیں کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کو معلوم ہے کہ نبوت کی شان کا آدمی حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوا ہے۔ اس پر جو کام رکھا گیا تھا وہ حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے ہیں۔ پھر خداوند[2] جبار وقہار سے بھی ڈرتے ہیں کہ کیا خبر اس کو فنا ہی کر دیا ہو مگر ان کو عنایت خداوندی پر بھروسہ تھا کہ جس کام کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا وہ کام سرانجام پاکر رہیگا۔

اب حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں دیکھتے ہیں تو انمیں ایک بھی نبوت کے لائق نہیں پاتے اور بہت[3] افسوس ہوتا ہے۔ تین سو سال کا سلسلہ نبوت ٹوٹنے کو آگیا ہے۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کے قصہ میں بیان ہے۔ ویسی ہی حالت حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب سنا کہ بنیامین اور یہودا ادھر رہ گئے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کی استعداد اور شان نبوت پر افسوس کرتے ہیں۔ ان سے منہ موڑ کر حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں اے افسوس یوسف پر کیسے شاندار اور بڑی استعداد والے آدمی تھے وہ گم ہوگئے ہیں۔

۱۔ سلسلہ۔
۲۔ خداوند
۳۔ بڑا

حضرت یوسف علیہ السلام کی اعلیٰ استعداد اور لیاقت کی یادگیری اور غم میں روتے روتے آنکھیں بھی سفید ہوگئی تھیں۔ کبھی اپنا غم ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے غم و غصہ کو ضبط کرتے تھے[1]
اب جب غم کا سیلاب حد سے بڑھ گیا ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا نام زبان پر لاتے ہیں۔ ان دونوں شخصیتوں[2] پر ہر عقل مند انسان کو حیرت آتی ہے۔

کسی نعمت کے چھن پر صابر و شاکر رہتے ہوئے حصول کیلئے تدابیر اختیار کرنا اور رحمت خداوندی پر امید رکھنا سنت انبیاء ہے

ایک تو حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے پیغمبر نبی نامساعد حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور جو لائق اور نبوت کی استعداد والا بیٹا تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام رموز کو سمجھتا تھا اور ان کو جو آسمانی فیض ملتا تھا حضرت یوسف علیہ السلام اس کو اپنے سینے میں سنبھالتے تھے۔
سبحان اللہ! یہ کیسی عجیب محبت تھی حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے اللہ کے نبی اور حضرت یوسف علیہ السلام جیسے شاگرد۔ اب دونوں میں جدائی ہوجاتی ہے۔ یہ اپنے بیٹے اور اس کی لیاقت پر صبر کرتے ہیں۔ اور دوسرا حضرت یوسف علیہ السلام کہ ان کو بھی باپ کے فراق کا بڑا غم ہے۔ جو کہ ان کے مرشد بھی ہیں۔ مگر ان پر نبوت کا بوجھ پڑا ہے اور جو کام ان کے سپرد ہوا ہے۔ اس کی سرانجام دہی[2] میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ دل میں فراق کا غم ہے اور پھر خدا سے ڈرتے ہیں کہ ان کے سپرد شدہ کام میں لاچاری وجہ[3] سے خلل نہ آجائے۔ اس غم کا اظہار نہیں کرتے۔
جیسے اللہ تعالیٰ سے تدبیر آتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ ان کو یہ تدبیر سمجھ میں آئی تھی کہ یہ پیالہ گھر پہنچ جائیگا تو پھر ملاقات کا راستہ نکل آئیگا مگر وہ بھی تدبیر الٹی ہوگئی

احترام قانون ہر ایک پر واجب ہے۔

بنیامین چوری (کے الزام) میں پکڑے گئے۔ شاہی قانون میں چور کو چھوڑنے کا اختیار حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ تھا۔ جیسے گرفتار کرنے کا اختیار ان کو نہ تھا۔ اب انتظار میں ہیں کہ کوئی دوسری صورت پیدا ہوتی ہے۔ (بغیر قانون شکنی کے الزام کے کسی کو)

۱ - غم اور غصہ کو گھونٹ کر رکھتے تھے۔
۲ - سرانجامی
۳ - مجبوری۔

آیت نمبر 85 ۔ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝

ترجمہ :۔ کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا یوسفؑ کی یاد کو جب تک کہ گھل جائے یا ہو جائے مردہ ۔

مطلب :۔

حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کی غلطی سے گم ہو گئے ۔ اُن کا تو یہ خیال تھا کہ حضرت یوسفؑ اگر ہم سے نکل گئے تو ہم بڑے دلفگار ہو جائیں گے اور بڑے مصلح ہو جائیں گے ۔ اب ان پر ثابت ہو گیا تھا کہ جتنا اقتدار اور عزت حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں تھی اس سے بھی نیچے گر گئے ۔ یہاں تک کہ جہان میں بے اعتبار ہو گئے اور اللہ کے ہاں بھی گنہگار ۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اپنے اب[1] کو روتے ہوئے دیکھ کر تسلی کے لئے کبھی دو حرف نہ بولتے تھے مگر حضرت یعقوب علیہ السلام بھی جانتے تھے کہ ان کے روبرو حضرت یوسف علیہ السلام کا نام تک نہ لیتے تھے ۔ غم دل کو کھا رہا تھا ۔ دل غم کو کھا رہا تھا ۔ یہ حالت تھی

اب بنیامین اور یہودا کے مصر میں قید ہو جانے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا غم بھی یاد آ گیا ۔ اظہار کرنے لگے اور سب بیٹے غصے سے باپ کو ڈانٹنے لگے ۔ کہنے لگے تم کبھی یوسفؑ کا غم نہیں چھوڑو گے اور یوسفؑ کو یاد کرتے رہو گے ۔ تمہیں[2] چاہیے کہ اس کو چھوڑ دو اگر نہ چھوڑو گے تو بیمار ہو جاؤ گے ۔ ضعیف ہو جاؤ گے اور گھل جاؤ گے اور یوسفؑ کا نام لے لیکر مر جاؤ گے ۔ اللہ کی یادگیری کرو یوسفؑ کی یادگیری کو چھوڑ دو بڑی مدت ہو گئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو گیا ہے ۔ یا مر گیا ہے اس کے یاد کرنے سے کیا فائدہ ۔ یہ ڈانٹنا اپنے باپ کو ان کو لائق نہ تھا کیونکہ ان پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے ۔ اس وقت خاطرداری کرنا مناسب تھا ۔

۱ ۔ اپنے گھر کی حالت
۲ ۔ تم کو

آیت نمبر 86 - قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ :- بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے -

مطلب :- بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کا نام لینے اور غم کرنے سے ناراض ہو گئے بیٹوں کو صدمہ ہوا اور سمجھ گئے کہ ہمیں نالائق سمجھ رکھا ہے اور فقط حضرت یوسف[2] کو لائق سمجھتا ہے - حالانکہ وہ بیٹے سمجھتے تھے کہ لائق بیٹا تو فقط یہودا تھا - اس پر کچھ نہیں اور ان کو بنیامین کا غم ہے -

حضرت یعقوب علیہ السلام ان کو کہتے ہیں کہ میں اپنے دل کی پریشانی اور غم کو اللہ کے سامنے پیش کر رہا ہوں - اللہ تعالیٰ جو جاننے اور سننے والا ہے مجھے اس غم اور پریشانی سے نجات عنایت کرے - میں اس لئے غمناک نہیں ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں - اگر کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اپنے مالک کے ہاں پہنچ جاتا ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے - اس پر افسوس نہیں کیا جاتا - کیا جاتا ہے جو ہو گیا سو ہو گیا - میری پریشانی[1] اور غم اس سبب سے ہے کہ میں جانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں - اس کام کو سرانجام دیکر پھر اس جہان سے جائیں گے - اور تو اللہ ہی جانے مگر مجھے جو لشانی بتائی گئی تھی وہ اب تک پوری نہیں ہوئی - اسلئے میں جانتا ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں - وہ کس حالت میں گزار رہے ہیں اور کوئی ان کی مددگار جماعت بھی ہے یا نہیں - کام بڑا عظیم الشان ہے اکیلے سے نہیں ہو سکتا - اسلئے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام (ابھی) زندہ ہیں - جب تک اس کے رویاء کی تعبیر پوری نہ ہو گی تب تک وہ زندہ رہیگا اور وہ پوری نہیں ہوئی اسی لئے میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے -

حضرت یعقوب علیہ السلام کی پریشانی اور غم کا اصل سبب یہ تھا کروہ حضرت یوسف علیہ السلام کے رویاء کی تعبیر کی روشنی میں ان کے مشن کی تکمیل دیکھنا چاہتے تھے -

1 - پریشان حالت
2 - جانتا

(یہ خواب)
حضرت یوسف علیہ السلام نے رویا اپنے باپ کو بتایا تھا نہ کسی اور کو صرف حضرت یوسف ع
اور باپ کے دل میں ہے۔ دونوں ظاہر نہیں کرتے۔ اشارۃً بیان کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب تمام ماجرا بیان کر دیا (۔۔)[1] تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے، انکے حمی بیانات سے معاشرت اور کیریکٹر عزیز سے معلوم کر لیا کہ، ایسے اعلیٰ اخلاق والا آدمی ضرور حضرت یوسف علیہ السلام ہے یا انکی تعلیم سے عزیز مصر نے یہ اخلاق گرامی اور اسوۂ ابراہیمی ع اختیار کیا ہے۔

عقل مند حکیم حالات و واقعات سے نتائج اخذ کر لیتے ہیں

پہلے اور دوسرے دفعہ کے حالات کو ملا کر حضرت یعقوب علیہ السلام اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ عزیز مصر مجسم نمونہ (مطابقِ سنت) ابراہیمی و اسحاقی و یعقوبی سوائے رھبر و مرشد کے کیسے بن سکتا ہے۔ انکو یقین ہے کہ ہونہو یہی حضرت یوسف علیہ السلام ہے) یا حضرت یوسف علیہ السلام اس کا ہم نشین ہے۔ مگر میرے بیٹوں کی بصارت پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس پردہ حجاب اور سوئی فہم کو دور کرنے کیلئے فرماتے ہیں

آیت نمبر 87 -

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ؁

ترجمہ:۔ اے بیٹو جاؤ اور تلاش کرو یوسف اور اس کے بھائی کو اور نا امید مت ہو اللہ کے فیض سے۔ بیشک نا اُمید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

مطلب:۔ یہاں اگر واؤ معیت کا بنایا جائے تو گویا رمز کے ساتھ اشارہ بھی کر دیا۔ اب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اشارۃً تو کہدیا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور اس آیت میں تصریح کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔

[1] ۔ تھا

حواس ظاہری و باطنی کے عطا کئے جانے کے فوائد دنیوی و دینی انکے بھرپور استعمال سے حاصل ہوتے ہیں

پہلے ان کی تفتیش کرو اور ان کے بھائی بنیامین کی تفتیش کرو یعنی دونوں بھائی اکٹھے ہیں جہاں بنیامین ہے وہیں یوسفؑ ہوگا۔ اور تفتیش اسطرح کرو کہ آنکھیں [1] کھول کر دیکھو اور اپنی ہر حس پر بہت زور دینا۔ کانوں پر زور دینا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی آواز کو پہچانیں۔ ناک سے اس کی خوشبو سونگھنا اور ہاتھوں سے اس کی نرمی اور نزاکت دیکھنا۔

تمام خداداد صلاحیتوں کو توجہ کے ساتھ کام میں لایا جائے تو مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن ہوجاتا ہے

مطلب جتنی حسیں اور احساس اللہ تعالیٰ نے تمکو دی ہیں ان سے کام لینا اور اللہ سے قلب میں ناامیدی نہ آنے دینا۔ بڑی ہمت اور امید سے حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاش میں لگ جاؤ۔ جتنی تدبیریں تم سے یا تمہاری حسوں سے بن پڑتی ہیں سب کو حضرت یوسفؑ کی تلاش میں لگادو تو یوسفؑ مل ہی جائیگا اور نشان بھی بتلادیا کہ جہاں بنیامین ہے اس کے ساتھ یوسف علیہ السلام ہے۔

سالک جب کامل توجہ کے ساتھ اپنے تمام حواس اللہ تعالیٰ کی جستجو میں لگا دیتا ہے تو منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

اسیطرح ایک سالک جب تک اپنے تمام حواس اللہ تعالیٰ کی جستجو میں نہیں لگاتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اس مقام پر حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں فَتَحَسَّسُوْا یعنی تمام حواس کو مکمل طور پر [2] یوسف علیہ السلام کی جستجو میں لگادو کہ یوسفؑ تو بنیامین کے پاس ہے۔ یعنی ایک سالک متوجہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری روح کے ساتھ ہے۔ جب تک تمام حواس۔ گویائی۔ کانوں۔ آنکھوں۔ ہاتھوں اور ناک کو اللہ تعالیٰ کی تلاش میں نہ لگاؤ گے کامیاب نہ ہوسکوگے۔ اسیطرح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی تمہاری روح میں موجود ہے۔ یعنی روح ایک آئینہ ہے اس میں صورت الٰہی نظر آرہی ہے۔ اب اگر حجاب ہے تو تمہارے حواس کا حجاب ہے۔ حواس کو اللہ کی طرف متوجہ کرو اللہ مل ہی جائیگا۔

ایک طالب علم جب تک تمام حواس علم کی طرف متوجہ نہیں کرتا تب تک علم کی روح کو نہیں سمجھتا۔ اسی طرح دنیادار [3] تمام حواس کو جب تک دنیا کی طرف نہیں لگاتا کامیاب نہیں ہوسکتا۔

۱۔ پھاڑ پھاڑ کر
۲۔ زور شور سے
۳۔ دنیا ڈھونڈنے والا

حدیث میں ہے۔

طالبِ علم اور طالبِ دُنیا۔

اگر کسی شخص نے تھوڑا بہت علم حاصل کیا اور باقی علم کی طلب نہ ہو تو وہ طالبِ علم نہیں اسی طرح اگر کسی کو دنیا حاصل ہو گئی اور اس پر اکتفا کرے تو اس کو طالبِ دنیا نہ کہا جاویگا۔

ممکنہ تدابیر اختیار کرنا اور نتائج کیلئے اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا انبیاء کی تعلیم ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں یاس اور نا امیدی کو دخل بھی نہیں۔ انبیاء کی تعلیم یہ ہے کہ جتنی تدبیریں تم سے بن پڑیں سب کرو اور بھروسہ اور توکل اللہ تعالیٰ پر رکھو اگر شکست ہو جائے تو اس کو بھی فتح سے زیادہ کامیابی کی راہ سمجھو۔

مثلاً ایک سپاہی[1] اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ اگر مر بھی جائے تو اس کو یقین ہے کہ میری قوم یا میرے ملک کے لوگ یا بادشاہ اس کو فتح سمجھیں گے اور یہ سبق ہو گا کہ کام کرتے رہو اپنی جان کی پروا نہ کرو جیسے فلاں سپاہی نے کیا۔

میرے اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے ضرور میری قوم اُٹھے گی۔ کوئی کام ایک دن میں پورا نہیں ہوتا۔ جہدِ مسلسل سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

ایماندار آدمی کا مشن اگر اسکی موت کے سبب ادھورا بھی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا انتظام فرما دیتا ہے

ایمان والا آدمی صرف اللہ ہی کے لئے کام کرتا ہے۔ اور اس کو یقین ہے کہ اگر میں مر جاؤں تو میرا اللہ پاک حیّ و قیوم ہے میرے کام کو سنبھال لیگا۔ کافر آدمی رجعت پسند فقط اپنے نفس کیلئے کام کرتا ہے اور خود کو اور اولاد کو خوش کرنے کیلئے کام کرتا ہے اگر اسے یا اسکی اولاد کو شکست ہو جائے تو نا اُمید ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اپنے نفس کیلئے کام کرتا تھا اور اللہ کیلئے یعنی اللہ کی مخلوق کیلئے یا اس کے دین کی ترقی کیلئے نہیں کرتا تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ اس کام کو سنبھال کر کامیاب نہیں کریگا اسلئے اس کو مایوسی ہوتی ہے۔ ایمان والا اپنے ہر کام کو بین الاقوامی سمجھ کر کرتا ہے اور اس کے بدلے کیلئے دور دراز نظر[3] رکھتا ہے کہ محشر میں مجھے اس کا بدلہ ملیگا۔ اس دنیا میں اس کے اجر کا طالب نہیں ہوتا۔

رجعت پسندوں کا ادھورہ رہ جانے والا عمل کبھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا۔

[1] سولجر (soldier)
[2] سولجر
[3] دید

جہد مسلسل اور رحمت الٰہی پر بھروسہ کرنے سے انسان کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے

اس لیئے اسے ناکامی پر نہ حسرت ہوتی ہے اور نہ غم ہوتا ہے۔ بلکہ رحمت الٰہی میں اسکو امید کامل ہوتی ہے اس طرح اس کی ہر شکست میں ہمت بڑھتی ہے اور رحمت الٰہی میں امید بڑھتی جاتی ہے سپاہی کی مثال ہے کہ وہ ایک مورچہ پر شکست کھاتا ہے تو اس مورچے کو چھوڑ کر دوسرے مورچے پر ڈٹ جاتا ہے۔ اسطرح وہ کام جاری رکھتا ہے۔ ہتھیار ڈالنے کا نام اس کے نزدیک نہیں پھٹکتا۔ یہ ہے مرد مومن کی مثال اور حضرت یعقوب علیہ السلام یہی تعلیم اپنے بیٹوں کو دے رہے ہیں

آیت نمبر 88۔ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ط۔ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝

ترجمہ۔ پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس۔ بولے اے عزیز پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص۔ سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو

مطلب:۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی خودی اور تکبر کو بڑی ضرب لگی۔ ان کی نفسیات

ناکامیوں سے سبق اور عبرت حاصل کرنا کامیابی کا پیش خیمہ ہے

پاش پاش ہوگئی۔ ان کا شیشۂ خودنمائی ٹوٹ گیا۔ نہ اپنے خاندان میں عزت رہی نہ جماعت میں نہ باہر مصر وغیرہ میں۔ اب اپنے آپ کو ناچیز سمجھتے ہیں۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی عظمت بھی ان کے دلوں میں آگئی ہے۔ اور آہستہ آہستہ رحمت الٰہی کی امید کا خیال بھی آگیا ہے۔ اب ایسی حالت ہوگئی ہے کہ جمال و کمال یعقوبی اور حسن اور اعلیٰ اخلاق یوسفی کو سمجھنے کی استعداد پیدا ہوگئی ہے۔

باپ نے اشارہ کیا تھا کہ یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔ گویا یوں فرما رہے ہیں کہ جہاں یوسف کا بھائی ہے وہاں حضرت یوسفؑ کو تلاش کرو کسی دوسری طرف یا جگہ مت ڈھونڈو۔

1۔ زیادہ

اہل اللہ کا طریقہ ہے کہ وہ رموز و اشارات میں باتیں سمجھاتے ہیں اور صاحب عقل لوگ ان کے اشارات سے مطلب سمجھ جاتے ہیں

اہل اللہ رموز و اشارات میں مطلب بتا دیتے ہیں۔ اب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بھی سمجھ آگئی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں۔ ان کو اب معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام ہے۔ اگرچہ ان کو پورا پتہ نہ چلا کہ نوکروں میں ہے یا غلاموں میں ہے مگر اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ حسب فرمودہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف ع کو بھی بھائی کے پاس ڈھونڈنا ہے۔

اب سیدھے چلے جاتے ہیں عزیز مصر کے پاس اور توجہ سے دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کہاں ہے۔ اس طرح تمام حواس کو ان کی تلاش میں لگا دیتے ہیں تاکہ اگر یوسف ع مل گیا تو ان کا بھائی بھی مل جائیگا۔ یہ تو یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائی عزیز مصر کے پاس ہے تو ان کو جانا بھی عزیز مصر کے پاس ہے اور جا کر کہتے ہیں۔

اے عزیز مصر ہم پر اور ہمارے خاندان پر بڑی سختی آن پڑی ہے[1] جس سے نجات کا راستہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ ہمارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں رہی اور ہمارے پاس اناج لینے کیلئے قیمت بھی نہیں رہی اگر ہے تو کھوٹے پیسے ہیں۔

کامل کی نظر کا اثر

یعنی دوسرے لفظوں میں یوں کہہ رہے ہیں کہ ہم میں نہ خودی رہی ہے اور نہ ارادت اگر ہے تو بھی ناقص ارادت ہے۔ آپ کامل مکمل نظر آ رہے ہیں آپ کی توجہ سے ہمارا بیڑا پار ہو سکتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق تو ان کے دل میں گھر کر چکے تھے حتیٰ کہ اس کو (صرف) بادشاہ نہیں بلکہ ایک اعلیٰ خلق کا مالک سمجھتے تھے۔ یہ حالت تو ان کی پہلے[2] تھی۔ اس دفعہ عقیدت مندی پہلے سے بڑھی ہوئی ہے۔ بلا قیمت اناج مانگتے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ ہماری درخواست ضرور منظور ہوگی۔ اسلئے کہتے ہیں کہ ہمیں خیراتی طور اناج دیدو۔ خیرات دینا آپ کی شان سے بعید نہیں کیونکہ آپ آخرت کی طرف زیادہ راغب ہیں۔ دنیا سے آپ کا لگاؤ بالکل برائے نام ہے۔ آپ خیرات دیکر ہمیں ضرور مشکور فرمائیں گے۔ یہ الفاظ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اشارے سے معلوم ہو گیا تھا کہ بنیامین کے ساتھ یا قریب حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ تو شاید عزیز مصر کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام ہوں اور یہ اعلیٰ اخلاق

۱۔ ڈیرہ ڈال دیا ہے۔
۲۔ پہلے سے

عزیز مصر نے (حضرت) یوسف علیہ السلام سے سیکھے ہوں (حضرت) یوسف علیہ السلام کی عظمت ان کے دل میں آگئی تھی۔

دوستوں کے رموز و اشارات بھی دوست پہچانتے ہیں۔ اسی عجز و نیاز سے حضرت یوسف علیہ السلام ان کے اندرونی حال سے آگاہ ہو گئے کہ وہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ یہ اناج وغیرہ کی باتیں دراصل مقصود نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی ان کے حسب امید اپنے آپ کو چھپانا مناسب نہ سمجھا اور اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔

حضرت علی رضؓ کا قول ہے مَنْ طَلَبَ شَيْئًا فَجَدَّ وَجَدَ [1]

آیت۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ سورہ ق ۵۰:۱۶

دوئی کا پردہ جب چاک ہو گیا تو اپنے ہی اندر معشوق کو دیکھ لیا تو حضرت یوسف [2] ظاہر ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر 89:

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ۝

ترجمہ:۔ کچھ تم کو خبر ہے کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور اس کے بھائی سے جب تم کو سمجھ نہ تھی۔

مطلب:۔ اب بھائیوں کی خودی اور ہستی مٹ چکی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو گم کرنے سے خاندان میں ان کی کوئی عزت نہ رہی تھی۔ اب بنیامین کو گم کرنے کے بعد ان کو بھی محسوس ہونے لگا کہ ہم اتنے عقل مند نہیں کہ شاہی درباروں میں شریک ہو کر با عزت واپس آئیں۔ بلکہ جب ایسے درباروں میں حاضر ہوتے [1] تو خود نقصان اٹھاتے انہیں معلوم ہو گیا کہ ہم خود ناقص ہیں اور ہم میں اتنی لیاقت نہیں کہ کسی بڑے عہدے پر پہنچ سکیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے تین بار دربار میں مل چکے ہیں اور خرید و فروخت کر چکے ہیں عقلمند انسان تو بات کرنے سے معلوم کر لیتا ہے کہ یہ فلاں شخص ہے اور فلاں قوم کا ہے

۱۔ ہاتے ہیں۔

[1] لے

[2] سورہ ق ۵۰:۱۶

ان بھائیوں کی اتنی عقل ماری گئی تھی کہ وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یہ ہمارا ہم مذہب ہے ۔
ایک مسلمان ہندوستانی اگر چین چلا جائے تو وہ وہاں کی زبان نہیں سمجھتا مگر ایک شخص کے
اٹھنے بیٹھنے سے معلوم کر لیتا ہے کہ یہ میرا ہم مذہب ہے ۔ کھانے پینے میں ایک مسلمان بسم اللہ
کہتا ہے ۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مسلمان ہے ۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے انہوں نے کھانے کھائے ہیں
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے کہ اللہ کا نام لیکر کھاتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ضرور
اللہ کا نام لیا ہوگا ۔ وہ اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ ہمارا ہم مذہب ہے تو کوئی ایسا پردہ خودی
اور ہستی کا ان کے قلب پر پڑا ہوا تھا کہ جمال اور کمال یوسفی کو نہیں دیکھ سکتے تھے ۔ اب
وہ بڑے چالاک ہو گئے ۔ اگرچہ اب بھی وہ پوری طرح شناخت نہیں کر سکتے مگر شبہ میں
پڑ گئے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام سمجھ گئے ہیں کہ ان میں اب فروتنی اور تواضع آچکا
اور غرور چلا گیا ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ کچھ آپ لوگوں کو خبر ہے کہ حضرت
یوسف ؑ اور اس کے بھائی سے آپ نے کیا کیا ۔ جب آپ لوگوں میں جہالت کا غلبہ تھا تو
اس لفظ کہنے سے معلوم کر لیا ۔ کہ یہی یوسف ؑ ہے اور رو پڑے ۔

جب حضرت یوسف ؑ کو کنوئیں میں ڈال رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام کے ذریعہ
سمجھا دیا تھا کہ تم ان کو ایک روز یہ واقعہ بتلاؤ گے ۔ آج وہی بات آپ بتلا رہے ہیں کہ
حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں کیسے ڈالا ۔

آیت نمبر ۹۰

قَالُوٓا ءَاِنَّكَ يُوسُفُ ط قَالَ اَنَا يُوسُفُ وَهٰذَا اَخِيْ ۔ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ
عَلَيْنَا ط اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔

ترجمہ : ۔ بولے کیا سچ تو ہی ہے یوسف ۔ کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ۔
اللہ نے احسان کیا ہم پر ۔ البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ضائع نہیں کرتا
حق نیکی والوں کا ۔

مطلب :- بھائیوں سے پہلی مرتبہ جب آئے تو بھی آپ نے بہت ہی مہربانی فرمائی تھی اور دوسری بار تو بہت ہی عزت سے پیش آئے تھے۔ اگر یہ واقعہ پیالے کا نہ ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان گئے ہوتے - جب باپ کے پاس جاتے تو بنیا مین سارا قصہ بتا دیتا تو حضرت یوسف علیہ السلام کا راز کھل جاتا مگر اللہ کی تدبیر ایسی تھی کہ اس وقت راز کا فاش کرنا مناسب نہ تھا۔ پھر تیسری بار آتے ہیں اور آکر کہتے ہیں کہ ہم پر مصیبت کے پہاڑ گر گئے ہیں اور گھر کا سب کچھ بک گیا ہے - اب گداگر ہو کر تیرے دروازے پر آئے ہیں - اب خیرات کرو- حضرت یوسف علیہ السلام بڑے سخی اور کریم ہیں - اگر سخاوت کریں تو ایسی کریں کہ یہ بادشاہ بن جائیں تو آپ نے وہی قصہ ان کی جہالت کا بیان کیا اور بنیا مین بھی ان کے ساتھ کھڑا ہے - تو دونوں کو دیکھکر ایک دوسرے کی شکل شابہ نظر آگئی - تو شک اور حیرت میں پڑ گئے - کہ یہ دونوں بھائی تو نہیں ہیں - شاید یہ دونوں بھائی ہوں - پھر ان کی طبیعت میں یقین پیدا ہو کہ ہمیں یقین ہے کہ تو ہی یوسف ہے - اتنی مدت تک ہم جہالت میں رہے - اپنی کم فہمی پر ہمیں سخت افسوس ہے -

حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں واقعی میں یوسف ہوں اور یہ بنیا مین میرا بھائی ہے بیشک اللہ تعالے نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے کہ ہم دونوں کو ملا دیا ہے اور ملاقات ہو گئی ہے - جو شخص پرہیزگاری کرتا ہے اور خدا سے ڈرتا ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرتا - اگر کوئی شخص اس پر ظلم کرے تو برداشت کرتا ہے اور جو کام ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد ہوا ہو اس کو پورا کرنے کیلئے ہمہ تن مشغول رہتا ہے اور جو دکھ مصیبت اور تنگی اسے اس راہ میں آتی ہے وہ بڑی خوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور ہمیشہ آگے بڑھنے کا خیال رکھتا ہے - کام کو چھوڑ دینے کا خیال تک اس کے دل میں نہیں آتا - اللہ پر توکل کر کے ڈٹ کر کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی کی مزدوری ضائع نہیں کرتا

مطلب یہ ہے کہ میں نے اس شہر میں آکر بہت سختیاں جھیلیں مگر احکام الہی جو میرے سپرد ہوئے تھے کبھی ان کے ترک کرنے کا خیال تک نہ آیا - یہاں مصر کے لوگوں کو دیکھا کہ بہت مظلوم ہیں تو میں نے ان کو راحت پہنچانے کے لئے بڑے بڑے عہدے قبول کئے ہیں - اگرچہ میرا جی یہ نہ چاہتا تھا

ا - مشقت

کہ میں بڑے عہدے پر فائز ہو جاؤں مگر مخلوقات کو فائدہ پہنچانے کیلئے میں نے یہ کام کیا" بادشاہی اور قرب الٰہی آپس میں متضاد ہیں۔

ہاں اگر مخلوق کو فائدہ پہنچانے کے لئے کوئی مقرب بندہ شاہی قبول کرے تو چنداں مضائقہ نہیں مگر یہ ہر شخص کا کام نہیں۔ آخر تک نبھانا بڑے بہادروں کا کام ہے

بیت ؎ درکفِ جام شریعت درکفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن۔

ے

اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو دنیا میں امداد دیتاہے اور آخرت میں بھی ان کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں نے جو اصلاحات مصر میں کی ہیں ان کا اجر اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہوں

آیت نمبر ۹۱

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ۔

ترجمہ: بولے قسم اللہ کی البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے۔

مطلب:۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے خود کو ان پر ظاہر کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو ایک بڑا بادشاہ ہے اور پھر مقدس آدمی ہے۔ جن کے فرمان انسان تو خوشی سے قبول کرتے ہیں مگر حیوانات اور نباتات بھی ان کے حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی نسبت نہیں جیسے ایک زبردست بادشاہ کے سامنے کیسان۔ تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ اللہ کی قسم ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا بزرگ بنایا ہے۔ اور ہم میں سے آپ ہی کو اللہ نے پسند کیا یعنی حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے سچے جانشین کے طور پر آپ کو ہی منتخب فرمایا۔ ہم خطا کار تھے غلطی میں مبتلا تھے ہم میں نہ استعداد نبوت تھی نہ استعداد حکومت یہ استعداد آپ ہی میں تھی۔ اور ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ باپ کا وارث علم و عمل اور تجلیات الٰہی میں اس کا بڑا بیٹا ہوتا ہے۔ اس غلطی کے باعث ہم بھائیوں نے آپ کو تکلیف دی۔ ہم اپنے اندر استعداد نبوت سمجھتے تھے لیکن یہ استعداد ہم میں موجود نہ تھی۔

خلافت کی استعداد ضروری نہیں کہ بیٹیوں میں ہو یا خولیشوں میں ہو۔ پیغمبروں کی خلافت کی استعداد جس میں ہوتی ہے۔ اسی کو ہی اللہ دیتا ہے اور وہی خلیفہ بنتا ہے۔

اگر بادشاہ بر در پیر زن
بیاید تو اے خواجہ مکن

ہم خطا کار تھے۔ خطا کار اس کو کہتے ہیں کہ اس نے جو خیال کیا یا کام کیا جس مطلب پر وہ اس مطلب کا راستہ نہ تھا۔ یعنی جس مطلب کیلئے ہم نے آپ کو تکلیفیں دیں اور اپنی جماعت سے باہر نکال دیا تاکہ ہم یعقوب علیہ السلام کے خلیفے بنیں یہ راستہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی خلافت کی طرف نہیں لے جاتا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی خلافت حاصل کرنے کا راستہ آپ ہی تھے یعنی ہم آپ کی اطاعت کرتے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی خلافت کو جانچتے۔ یہ ہم نے غلطی کی اور غلط راستہ اختیار کیا

آیت نمبر ۹۲

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ہ

ترجمہ :

کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج۔ بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان۔

مطلب :

بھائیوں نے سمجھا کہ یہ تکلیفیں جو ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیں سب کی بنا ضد اور حسد پر تھی اور اس میں کسی قسم کی تدبیر الٰہی نہ تھی تو اپنے آپ کو خطا کار سمجھ کر ان الفاظ سے معافی چاہتے ہیں۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۔

آپ کو ہم نے جتنی تکلیفیں دیں ہر ایک تکلیف کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت و آبرو بڑھاتا گیا تاآنکہ آپ مجسم عزت بن گئے یعنی نبوت کے ساتھ آپ کو بادشاہی بھی مل گئی اور ہم ویسے کے ویسے گنوار رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جواب میں کہتے ہیں کہ آپ پر اس وقت کوئی ملامت نہیں آتی کیونکہ یہ ایک تدبیر الٰہی تھی جس سے مجھے یہ رتبہ حاصل ہونا تھا - اور آپ بھی اسی رتبے کے حاصل کرنے کی ایک کڑی تھے - اور آپ کے اندر تدبیر الٰہی نے یہ ڈالا کہ اسی کو کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے - آگے مصر میں اللہ تعالیٰ نے پہنچا کر مجھے عزت دیکر ملک کی اصلاح پر مجھے مامور کردیا - اگر ایسا نہ ہوتا یعنی آپ مجھے تکلیف نہ پہنچاتے تو شاید میں اپنے باپ کے پاس رہتا تو بہت مدت اور تکلیفوں کے بعد مصر کا حاکم بنتا اور پھر اس میں اصلاح کرتا - اب جلدی ہوگیا - آپ نے کنوئیں میں ڈالا میں مصر پہنچ گیا
اللہ تعالیٰ آپ کے گناہ معاف کرے - وہ بڑا رحم والا ہے -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قریش نے یہی فتویٰ صادر کیا تھا کہ مل کر آپؐ کو قتل کردیا جائے - یہ فیصلہ اس وقت ہوا جب جانباز صحابہ مدینہ منورہ کو چلے گئے - ان جانبازوں میں دو مکہ مکرمہ میں تھے - ایک حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے حضرت علیؓ - رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر مدینہ چلے گئے اور ان کی خفیہ تدبیریں مٹی میں ملا دیں - پھر آپؐ وہاں جاکر بادشاہ بن گئے اور نو سال بعد مکہ مکرمہ فتح کرلیا - اس وقت سب قریش کو بلا کر کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا کہ اب آپ کے ساتھ میں کیا (سلوک) کروں

حدیث شریف میں ذکر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قریشیوں کو تلقین کی کہ کہو تاللہ لقد اٰثرک اللہ الآیہ - ۱۲ : ۹۱

تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم الآیہ ۱۲ : ۹۲

اس سے معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام سورہ یوسف کے مطالب سمجھتے تھے اور اس طرح بدر میں جب فتح ہوئی اور سرداران قریش جب اسیر ہوکر آئے تب بھی حضورؐ نے مشورہ اہل الرائے دالرحمۃ دنیہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا - اس سورہ یوسف سے استنباط کیا اسلئے اللہ تعالیٰ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم الآیہ (الانفال ۸ : ۶۸)

یعنی سورہ یوسف سے ایسا اشارہ تھا کہ یہ لوگ قتل نہ کئے جائیں کہ آئندہ یہ تمہارے دست و بازو بنکر اسلام کے دائرہ کو وسیع کرینگے - چونکہ یہ تدبیر الٰہی تھی کہ آپ خوشی سے مکہ مکرمہ کو نہ چھوڑیں گے اور

مکہ میں رہنے سے اسلامی فتوحات حاصل نہ ہوں گی۔ پس جو کام تدبیر الٰہی کے تحت آئے اور اس سے بہت بڑے فائدے حاصل ہوں تو ایسی خطائیں حکیم طبع لوگ معاف کر دیتے ہیں اور گرفت نہیں کرتے سو آپ ﷺ نے تمام قریش کو معاف فرما دیا۔

آیت نمبر 93

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ٥

ترجمہ۔

لے جاؤ یہ کرتا میرا اور ڈالو اس کو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا۔

مطلب:

اب بھائیوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ پیشین گوئی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی کہ شام کا علاقہ نسلاً بعد نسلٍ تیری اولاد کو دیا جائیگا۔ سارہ بی بی کے بطن[1] سے تم کو اسحاق ؑ دیا جاتا ہے اور اسحاق ؑ کے بعد یعقوب ؑ آئیگا۔ (حضرت) یعقوب علیہ السلام کی نسل میں بادشاہی دی جائیگی۔ یہ پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بادشاہی ملی۔ جس بات کیلئے ہم بڑے منصوبے باندھتے تھے وہ نعمت انعام کے طور پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد (حضرت یوسف ؑ) کو دی گئی بھائیوں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہم پر احسان کر رہا ہے اور یقین آ گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تکلیفیں برداشت کی ہیں وہ سب ہماری سعادت کیلئے تھیں۔ جب بھائیوں کو یقین آ گیا تو اب اپنی نبوت کا معجزہ بھی دکھلاتے ہیں۔ اپنا پیرہن جس میں پسینہ لگا ہوا[2] تھا۔ اپنے جسم سے اتار کران کو دیا اور حکم دیا کہ جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر ڈال دینا۔ ان کی آنکھوں کی بینائی واپس آ جائیگی اور اپنے تمام اہل و عیال کو ساتھ لیکر میرے پاس مصر لے آؤ۔

حضرت ابراہیم ؑ کو جو پیشین گوئی دی گئی تھی وہ آپ کی اولاد میں حضرت یوسف ؑ کی بادشاہی کی صورت میں پوری ہوگی۔

۱۔ پیٹ
۲۔ بھرا ہوا

فتح مکہ کے موقعہ پر چند سرداران قریش جیسے عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ بھاگ کر جدہ کی بندرگاہ پہنچے۔ انکا ارادہ تھا کہ حبشہ کو چلے جائیں یا کسی اور ملک کو چلے جائیں۔ شرمندگی ندامت کے مارے سر نہیں اٹھا سکتے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معافی کا اعلان کرکے ان فرار ہونیوالوں کی طرف اپنی چادر قاصد کے ہاتھ روانہ کردی۔ عکرمہ کی بصیرت تو چادر دیکھتے ہی کھل گئی اور مسلمان ہوکر حاضر خدمت ہوا۔

آیت نمبر 94 -

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ۝

حضرت یوسفؑ کے پسینہ کی خوشبو سے حضرت یعقوبؑ کو ان کی موجودگی کا علم اور اندازہ ہوگیا۔

ترجمہ:- اور جب جدا ہوا قافلہ، کہا ان کے باپ نے میں پاتا ہوں بو یوسف کی اگر نہ کہو مجھ کو کہ بوڑھا بہک گیا۔

مطلب:-

پہلے اس جگہ ایک شک دور کرنے کیلئے لکھتے ہیں - آیت نمبر 76 میں ہے کہ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ - اس میں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو گرفتار نہیں کرسکتا تھا۔ بادشاہی قانون میں اور اس جگہ آیت نمبر 93 میں ہے کہ وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ - تو ادھر بادشاہ کی اجازت کے بغیر اپنے تمام کنبے کو بلاتا ہے

آیت نمبر 76 سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون شاہی کے تحت اپنے بھائی کو مصر میں نہیں ٹھہرا سکتا اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے اذن کے بغیر سارے خاندان کو بلاتا ہے

تورات والے یوں لکھتے ہیں کہ جب پیالہ بنیامین کی بوری سے نکلا تو اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں پر اپنے آپ کو ظاہر کردیا اور بادشاہ کو خبر مل گئی کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی آئے ہیں تو بادشاہ نے کہا کہ جاؤ اور اپنے سارے کنبے کو لے آؤ۔

مگر قرآن حکیم کے بیان سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار یعنی پیالہ نکلنے کے وقت
حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا تھا اور اس وقت ظاہر کرتے ہیں اور
بادشاہ کی اجازت کے بغیر اپنے کنبے کو بلاتے ہیں کیونکہ یہ خود مختار اور ڈکٹیٹر ہیں۔
اگر حضرت یوسف علیہ السلام سے مصر کو کوئی ڈر نہیں تو اس کے بھائیوں اور کنبے سے بھی کوئی ڈر
نہیں ہو سکتا مگر آیت نمبر 76 کے معنی کرنے میں مغالطہ پڑا ہے۔
مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اپنے بھائی کو شاہی قانون
کے مطابق اپنے پاس نہ رکھ سکتا تھا۔ یہ معنی غلط ہے۔ صحیح معنی یہ ہے کہ اپنے بھائی کو
بادشاہ کے قانون کے مطابق گرفتار نہیں کر سکتا تھا۔ اجنبی آدمی کو بلا سبب گرفتار
کرنا کسی سلطنت میں جائز نہیں۔ ہاں سبب بتا دے کہ اس نے چوری کی ہے یا کوئی اور جرم
کیا ہو تو گرفتار کر سکتا ہے۔ اور یہ گرفتاری پیالہ کی چوری کے جرم میں تھی۔ ہاں دوسرے
سبب سے اپنے پاس رکھ سکتا تھا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ میں اس کو اپنے پاس رکھ سکتا ہوں۔
جیسے توریت والوں نے لکھا ہے کہ پیالہ کی برآمدگی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے
اپنے آپ کو ظاہر کر دیا تو اس کو رد کرنا منظور تھا۔ اس لئے کہا گیا کہ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ
مگر یہ کہ اللہ چاہتا۔
مگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو ظاہر کریں
اس کی وجہ اپنی سمجھ کے مطابق بیان کر دی ہیں۔ ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اختیار
تھا کہ اپنے بھائی کو بھائی کہہ کر اپنے پاس رکھ سکتا تھا۔ اب وہ اختیار والا ہے اپنے سارے
کنبے کو اپنا کنبہ ہونے کا اعلان کر کے منگوا سکتا ہے۔ بادشاہ کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں
یہ ایک جملہ معترضہ تھا بیان کر دیا گیا ہے۔ اب آیت کا مطلب شروع کرتے ہیں۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا پسینے والا پیرہن دیکر بھائیوں کو روانہ کیا۔ جب
شہر سے باہر نکلے تو کنعان میں اپنے مکان پر حضرت یعقوب علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ آج میں
یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔ مجھے اسکی خوشبو

ا۔ اسباب بیان کر دیے ہیں

مجھے محسوس[1] ہو رہی ہے - میں یہ بات تمہیں بتاتا ہوں مگر تم یہ کہوگے کہ بڑھاپے کی حالت میں

بہک رہے ہے اور بے ہودہ خیالات اس کے دماغ پر مسلط ہو رہے ہیں -

جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو اس وقت کام ہوتا ہے - دور کی ہوا اسکو لگنا اس دور

میں تعجب خیز بات نہیں - ریڈیو پر ایک منٹ میں ہزاروں میل دور کی خبریں سن لیتے ہیں

وہ آواز بھی ہے کہ ایتھر کے ذریعہ پہنچ جاتی ہے - اسی طرح اگر خوشبو پہنچ گئی تو کیا تعجب

کی بات ہے -

حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر میں موجودگی کی اطلاع اپنے والد کو نہ دینے کی حکمت :

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنی مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام نے باوجود بادشاہی اور

وزارت کے اپنے احوال سے باپ کو باخبر کیوں نہیں کیا کہ اتنی مدت روتے روتے وہ بیچارے

نابینا ہو گئے - اس میں حکمت کیا ہے -

اسمیں یہ حکمت تھی - حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ جل شانہٗ نے اپنے خاص کام کیلئے

پیدا کیا تھا - وہ اصلاح مصر تھا - اسلئے اسکو مصر میں بھیجا گیا - ان تدبیرات الٰہیہ کو

حضرت یوسف علیہ السلام خوب سمجھتے تھے - یہی معنی "تاویل الاحادیث" کا ہے

حضرت یونس علیہ السلام تھوڑی سی ناامیدی کے سبب نینوا سے چلے گئے - انہوں نے

کوشش کی نینوا کے لوگ اصلاح پر آجائیں - اللہ تعالیٰ نے انہیں نینوا کی طرف بھیجا تھا -

جب لوگوں نے ایمان لانے میں تھوڑی دیر کی تو حضرت یونس علیہ السلام نینوا چھوڑ کر

چلے گئے - اسپر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا کہ جو کام اس کے سپرد کیا گیا تھا اس نے کیوں چھوڑا

یہی وجہ ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے - پھر اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی کہ مچھلی کے پیٹ

سے نکالکر انکو حکم دیا کہ واپس نینوا چلے جاؤ -

اگر کسی فوجی افسر[2] کو کسی ملک کو فتح کرنے کیلئے بھیجا جائے وہ ناامید ہو کر حکومت کو

اطلاع دیئے بغیر واپس آجائے تو اس پر کورٹ مارشل میں مقدمہ چلایا جاتا ہے بعینہٖ یہی مثال

انبیاء علیہم السلام پر صادق آتی ہے - اگر ان سے مقرر کردہ کام میں تساہل ہو تو اللہ تعالیٰ

ناراض ہو جاتا ہے -

۱ - آرہی ہے

۲ - جنگی افسر

یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں تکالیف اٹھانے کے باوجود مصر سے باہر نہیں جاتے۔ جیل میں جاتے ہیں مگر وہاں بھی اصلاح جاری رکھی۔ آخر کار اللہ جل شانہٗ نے جیل سے نکال کر بادشاہی۔ خود مختاری اور ڈکٹیٹر شپ تک پہنچا دیا۔ اور اصلاح کے سب اسباب فراہم کر دیئے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب عزیز مصر کے مختار کل تھے اور فرعون مصر نے شاہی اختیار بھی اُن کے سپرد کر دیئے تھے تو اس عرصے میں ان کے ہمدردوں کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوگئی تھی اور عوام میں انکے ساتھ ہمدردیاں تھیں۔

پہلے سات سالوں میں سب امراء اور ملازمین وغیرہ کو راشن ملتا تھا۔ حتیٰ کہ بادشاہ کا راشن مقرر تھا۔ اور قحط سالی میں غرباء مفت اور امراء قیمتاً لیتے تھے۔ حتیٰ کہ مال اسباب۔ مکانات اور زمین سب خوراک کی قیمت کے بدلے فروخت کرنی پڑیں اور آخر میں خود کو فروخت کیا۔ جب قحط سالی ختم ہوئی تو ہر ایک شخص کو مکان ان کے کنبے کے مطابق دیا اور زمین بھی مساوی طور پر تقسیم کر دی۔

اس پر امراء طبقہ سیخ پاء ہوگیا اور اندر ہی اندر بُرا محسوس کرتے تھے۔ مگر قانوناً کچھ نہیں کر سکتے اور ان پر اعتراض کرتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اعلیٰ خاندانوں (VIP) اور عوام میں فرق نہیں کرتے تھے ان کی حکومت کو بے وجہ خیال کرتے تھے۔

آزادئ نسواں خود بخود ختم ہوگئی۔ زمینداری اور جاگیرداری بھی ختم ہوگئی اور غرباء سے بیگار لینا بھی بند ہوگئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تقرر کا یہی مقصد تھا۔ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام اتنے مشغول تھے کہ انکو نہ اپنے باپ کا خیال تھا نہ وطن کا نہ کنبے کا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جیسے تدبیر الٰہی نے ان کو مصر میں پہنچایا ہے ویسے ہی تدبیر الٰہی سے وہ باپ سے مل جائینگے اور اللہ جل شانہٗ کی تدبیر یہ ہوئی کہ قحط سالی میں ان کے بھائی آئے اس کے بعد باپ کو بُلاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تدبیر الٰہی سے مدینہ پہنچ جاتے ہیں ان کے دل میں مکہ شریف کی محبت زیادہ تھی مگر تدبیر الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کیا اور قریش کے آگے جھک کر صلح نہ کی حتیٰ کہ

مکہ شریف فتح ہو گیا۔ تب بھی آپؐ نے اپنی جائے سکونت تبدیل نہ کی یہی سبق آپؐ کو سورۂ یوسف سے بطلا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا تھا۔

آیت نمبر 95

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ۔

ترجمہ: بولے بخدا تو تو اپنی اسی پرانی غلطی پر میں ہے۔

مطلب:—

ظاہر بین لوگ انبیاء اور اولیاء کے حالات سے ناواقف ہوتے ہیں وہ ایسی پیشن گوئیوں پر یقین نہیں رکھتے۔ انبیاء علیہم السلام کی جماعت جن کے دل انوارِ نبوت سے روشن ہوتے ہیں وہ لوگ انبیاء کے احکام پر یقین رکھتے ہیں۔

ظاہر بین لوگ انبیاء و اولیاء کے حالات سے ناواقف ہوتے ہیں جن لوگوں کے دل انوارِ نبوت سے روشن ہوتے ہیں وہ انبیاء کے احکام پر یقین رکھتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے کنبے کے آدمی بھی ویسے ہی تھے جیسی ذہنیت کے مالک حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کو معارفِ انبیاء سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ گنوار لوگ تھے یہی وجہ تھی کہ بے عقلی کی باتیں کرتے تھے۔ اگر انہیں تھوڑی سی بھی سمجھ ہوتی تو ایسے الفاظ منہ پر ہرگز نہ لاتے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو گمراہ قرار دیا۔ جو کہ نہایت بے ادبی کی بات ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صحیح قدر کرنے والا فقط حضرت یوسف علیہ السلام تھا۔

مولانا شیخ سعدی فرماتے ہیں

عالم اندر میانہ جہال	مثل گلفتہ اند صدیقاں
شاہد در میان کوراں است	مصافح در کشت زندیقاں

آیت نمبر 96: فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝

معنی:- جب خوشخبری دینے والا آیا اُسنے کرتہ (یوسف علیہ السلام کا) حضرت یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈال دیا تو وہ پہلے جیسے ہو گئے دیکھنے والے۔ بولا میں نے نہ کہا تھا تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔

مطلب :- حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلی بار بنیامین کی بوری میں اپنا قیمتی پیالہ ڈال دیا تھا تاکہ وہ باپ کو جاکر تسلی دیوے کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور بادشاہی کر رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ تدبیر پسند نہ آئی۔ کیونکہ اب تک حضرت یوسف[1] کے بھائیوں میں تکبر اور خود آرائی تھی جو کہ تیسری بار آنے سے ٹوٹ گئی اور وہ سمجھ گئے کہ ہم میں نہ علم ہے نہ تدبیر اور نہ ایسی عقل ہے۔ جس کی وجہ سے اپنی جماعت میں بھی خوار ہوئے اور اپنے باپ کے پاس بے اعتبار ہوئے۔ اسواسطے تیسری بار نہایت عاجزی کے ساتھ ڈرتے اور خوف کھاتے ہوئے آئے۔ انکو یقین ہو گیا تھا کہ یہ ساری تجویزیں اور تدبیریں خدا اسلئے کر رہا ہے کہ ہم نے (حضرت) یوسف علیہ السلام کو بے گناہ کنوئیں میں ڈال کر خون ناحق کر دیا تھا۔

تورات میں مذکور ہے کہ اگر تم لوگ گناہ کرو گے تو اس دنیا میں تمہیں اور تمہاری اولاد کو بدلہ چکھایا جائیگا۔ دنیا میں بداعمالیوں کی سزا کا ذکر تو تورات میں بہت ہے۔ قرآن شریف میں بھی وہی بات ہے مگر قرآن شریف آخرت اور قبر کے عذاب پر زیادہ زور دیتا ہے اور سمجھاتا ہے کہ دنیاوی عذاب سے گناہ مٹ نہیں جاتا حتیٰ کہ پوری طرح توبہ کر کے رجوع کرے تب جاکر کہیں آخرت کا عذاب جاکر کہیں ٹل سکتا ہے

جب وہ تیسری بار آتے ہیں تو نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ آتے ہیں تو حضرت یوسف بھی ان کو بتا دیتے ہیں اور اپنی قمیص جو وہ پہنے ہوئے تھے جسمیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا پسینہ جذب ہو چکا تھا۔ ان کو دی کہ جاکر باپ کے منہ پر ڈالو اور ہوا نے حضرت یوسف کی خوشبو پہلے ہی باپ کو پہنچا دی۔

ہوا ہو خواہ پانی یہ سب اللہ کے غلام اور بندے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کو انعام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو سب مخلوقات اس منعم علیہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور خبر پہنچانے میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ جب خوشخبری دینے والے نے قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈال دی اور بتایا کہ (حضرت) یوسف علیہ السلام بادشاہ ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے اندرونی جذبات نے اس طرح خوشی

۱- بادشاہی کر رہے ہیں

سے جوش مارا کہ آنکھیں جن پر آئے ہوئے پردے ہٹ گئے اور وہ بینا ہو گئے۔
ڈاکٹری اصول بھی ہے کہ جب کسی بڑی بیماری والے دیرینہ بیمار کو اچانک بڑی خوشی حاصل ہو جائے تو
کئی دفعہ دیکھا، اتفاق ہوا ہے کہ اس کی بیماری ختم ہو جاتی ہے۔[1]
یہاں تک یوسف علیہ السلام کے ذکر میں انکی تین قمیضوں کا ذکر جدا جدا طریقے سے آیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تین قمیضیں اور ان کی اہمیت

۱۔ پہلی قمیض وہ ہے جو کہ خون آلودہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو پیش کی گئی تھی اور وہ قمیض روحانی طور پر حضرت یعقوب علیہ السلام کو تسلی دیتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں فوت نہیں ہوئے۔
۲۔ دوسری وہ قمیض ہے جو کہ عزیز مصر کی عورت نے پیچھے سے پکڑ کر پھاڑی تھی۔ اس قمیض نے بھی ثابت کر دیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پاکدامن۔ معصوم اور بے گناہ ہیں۔
۳۔ تیسری قمیض یہ ہے جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور بینائی آ گئی
حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں سے فرماتے ہیں کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو[2] مجھے آ رہی ہے۔ نیز یہ بھی میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسفؑ کو انکے بھائیوں کے ساتھ اکٹھا کر کے میرے پاس لائے گا۔
اور کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم دیا ہے جس کو تم نہیں جانتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بیٹوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نبوت پر بھی شک تھا۔ ورنہ ایک نبی کے ساتھ اس طریقہ سے پیش نہ آتے۔ جس برے طریقہ کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں آتا ہے۔
۔ انجیل میں مذکور ہے کہ خویش واقارب (ٹھرکے لوگ) نبی کی عزت نہیں کرتے۔
قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ پہچانا اور لڑنے لگے اور انصار رسول اللہ کی ایک مجلس میں ہی حاضر ہو کر فیضیاب ہو کر تابع فرمان ہو جاتے ہیں۔
اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو یقین کامل ہو گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور ان کو یقین آ جاتا ہے کہ جتنی گستاخیاں ہم نے ان دونوں بزرگوں کے ساتھ کیں یہ ناروا فعل نہایت گناہ کبیرہ ہیں جس پر بہت نادم اور پشیمان ہیں۔ اب انبیاء علیہم السلام کی مجلس میں بیٹھنے کے لائق ہو گئے ہیں۔

۱۔ ہٹ جاتی ہے
۲۔ بو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جب مکہ فتح کیا اور قریش کو معافی دی تو وہ بھی حضور صلعم کے قدموں پر گر پڑے - پشیمان ہوئے اور دل وجان سے تابع ہو گئے اس کے بعد وہ پروگرام پر عمل کرنے میں پیش پیش تھے - قریش بڑے سمجھ دار تھے مگر نادانی میں جو خراب کام کر چکے تھے - اس سے نادم ہونے کے بعد ہی حقدار ہوئے

گناہ ہمیشہ جہالت کی وجہ سے ہوتے ہیں - جب جہالت کا پردہ ٹوٹ جائے تو ہدایت اور رشد کا راستہ نظر آنے لگ جاتا ہے - حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے جب حضرت یعقوب علیہ السلام بصارت والے ہو گئے تو ان کے بھی تمام جہالت کے پردے چاک ہو گئے اب یہ اس لائق ہو گئے ہیں کہ بھائی اور بھائیوں کی اولاد آئندہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تعلیم کو زندہ رکھ سکیں

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اور ان کی اولاد نے ان بزرگوں کی تعلیم کو نہایت محفوظ رکھا اور دکھ سکھ میں اس مذہب کو نہیں چھوڑا - ان بھائیوں کی تیسری پشت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے -

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے :

موسیٰ بن عمران بن فاہاث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پروگرام کو زندہ کیا - حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد مصر کے ایسے بادشاہ پیدا ہوئے جو کہ زر پرست اور ظالم تھے - امراء و جاگیردار غریبوں پر ظلم ڈھانے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام . حضرت یوسف علیہ السلام کے طریقے کو زندہ کرنے کے لئے تشریف لائے تو کہا جائیگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجدد تھے . انہوں نے فرعون صفت ہامان صفت اور قارون صفت لوگوں کو ختم کر کے صحیح قانون " " رائج کیا -

ان کے بعد سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی ایسا نبی نظر نہیں آتا جس نے آکر ایسے ظالم فرعون صفت . ہامان صفت اور قارون صفت لوگوں کو برباد کیا ہو .

آیت نمبر ۹۷ ۔ قَالُوْا یٰاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ٥

معنی : بولے اے باپ بخشو! ہمارے گناہوں کو بیشک ہم تھے چوکنے والے

مطلب : ۔ قرآن شریف میں اسی قسم کی ایک آیت ہے جس کا مطلب ہے کہ جب جن لوگوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے مطابق عمل نہ کیا ہو اور وہ اپنی غلطی کو تسلیم کرکے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوکر معافی چاہتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف کردیتا ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اجتماعی کام میں انہوں نے غلطی کی ہے تو اس افسر اعلیٰ کے پاس جو اس کام پر مامور ہے اپنی غلطی تسلیم کرکے معافی چاہیں ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بھی اجتماعی کام میں غلطیاں کیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام اجتماعی کام کے افسر اعلیٰ ہیں جن کے پاس اب اپنی غلط کاریوں کا اعتراف کرتے ہیں اور معافی کے خواستگار ہوتے ہیں کیونکہ اب وہ بات کی حقیقت کو پاگئے ہیں اور اپنی غلطیوں کو محسوس کرتے ہیں ۔

اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر میں جانا تدبیر الٰہی کے ماتحت تھا مگر ان کے بھائیوں نے نیک نیتی سے ایسا نہیں کیا تھا۔ بلکہ نفسانی خواہشات کے تحت ایسا کیا تھا مگر اس کا نتیجہ نیک نکلا۔ حکیم طبع لوگ ایسی غلطی کو معاف کرکے نظر انداز کردیتے ہیں ۔ اسواسطے یہ غلطی قابل معافی ہے۔ جس کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام ان کو معاف کرچکے ہیں اب باپ سے بھی معافی کے خواستگار ہیں

آیت نمبر ۹۸

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ٥

معنی : کہا بخشواؤں گا اپنے رب سے وہی ہے بخشنے والا مہربان

مطلب : حضرت یعقوب علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ تمہارے جرم کی نوعیت اتنی سخت نہیں ہے کہ قابل معافی نہ ہو اور جسقدر تم سمجھ رہے ہو تمہاری غلطی بظاہر بڑی نظر آتی ہے مگر تمہارا جرم تدبیر الٰہی کے تحت ہوا ہے۔ جس کا نتیجہ نہایت خوشگوار ثابت ہوا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرونگا

اب حضرت یعقوب علیہ السلام کی طبع صاف ہو چکی ہے مگر حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنا باقی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھیں گے تو بہت خوش ہونگے۔ اور حضرت ابراہیم و حضرت اسحاق علیہم السلام کو جو پیش گوئی من جانب اللہ ہوئی وہ ان کے بیٹے نے پوری ہوگی۔ اسواسطے بہت خوش ہونگے اور ہو جو کہ اسوقت دنیا کی سوسائٹی کا مرکز اعلیٰ تھا کا ہاتھ آنا ثابت نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اسوقت اپنے گھر کنعان میں بیٹھے ہیں اور طبیعت میں اتنی خوشی نہیں جتنی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے سے ہوگی۔ اس لیے کہا گیا ہے "سوف استغفر لکم" یعنی کچھ دیر کے بعد اللہ سے تمہارے جرم کی معافی کیلئے دعا مانگونگا۔

دعا یا بددعا قلب سے طبیعت کے جوش سے نکلتی ہے جو کہ نہایت خوشی یا رنج کا وقت ہوتا ہے۔ اب وہی وقت ان کی خوشی کا ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو روبرو دیکھیں اور از خود اپنے بیٹوں کے حق میں نیک دعائیں خوشی کیوجہ سے دل سے جاری ہو جائیں۔

دعا یا بددعا قلب کی ایک خاص کیفیت سے نکلتی ہے جو کہ انتہائی خوشی یا رنج سے پیدا ہوتی ہے

جب انسان جرم کرتا ہے تو اس کے دل پہ سیاہ دھبہ پڑجاتا ہے جس سے دل رنجیدہ اور طبیعت پریشان ہو جاتی ہے۔ کوئی دینی یا دنیاوی لذت نہیں آتی۔ جس کے حق میں بدخواہی کی ہو وہ خوش ہو کر بخشے یا اگر اللہ تعالیٰ کی خطا کی ہو تو اللہ تعالیٰ خود بخشے تو دل میں پھر خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔

تورات[1] میں آتا ہے جب سب بھائی کنعان سے مصر کوچ کر رہے تھے تو ان کے دل پریشان تھے کہ اب حضرت یوسف علیہ السلام کیا کہیں گے۔

۱ - تورات

آیت نمبر ۹۹ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۝

معنی :- پھر جب داخل ہوئے یوسفؑ کے پاس جگہ دی اپنے پاس اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے ۔

مطلب :-

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے والدین اور خاندان کو مصر بلانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے کہا کہ ماں باپ اور سب کنبے کو ادھر مصر لے آؤ ۔ مصر کی حکومت اور کنعان کی حکومت میں اس سے پہلے جنگی کشمکش رہتی تھی ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب پہلی بار آئے تھے اور ان کے ساتھ ان کی سوسائٹی والے آدمی تھے یعنی ہم مذہب بھائی تھے جو کہ اناج خریدنے کی غرض سے آئے تھے تو ان پر جاسوسی کا الزام لگا اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ امن کے ساتھ مصر میں داخل نہ ہو سکتے تھے ۔

والدین کے استقبال کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام سرحد مصر تک تشریف لیگئے

تورات میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خویش واقارب کا اپنی سرحد پر استقبال کیا ۔ اپنے والدین کو تو اپنے خاص خیمہ میں جگہ دی اور اپنے سارے کنبے کو مصر چلنے کا حکم دیا کہ اب کوئی تمہاری مخالفت کرنے والا نہیں ہے ۔ مصر اب تمہارا اپنا ملک ہے ۔

یہاں ایک بات بحث طلب ہے کہ قرآن شریف فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو اپنے ہاں جگہ دی ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ بھی زندہ[1] تھیں اور تورات میں بھی مذکور ہے کہ راحل (والدہ یوسف[2] اور بنیامین) بنیامین کی پیدائش پر چلّے کے اندر ہی وفات کر گئی تھیں اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں وارد ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی پہلی اہلیہ لیئہ تھیں ۔ مگر قرآن شریف کے ذکر سے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اور والد تشریف لائے سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ان کی اصل والدہ ہیں یا لیئہ ۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اور بھی ازواج مطہرات اس وقت زندہ[1] تھیں جنکے نام زلفا اور ملیہار تھے ۔ مگر یہاں صرف ایک کا ذکر آتا ہے ۔ ابھی اس بحث کو چھوڑ دیتے ہیں مگر جب ہم نے تورات کو غور سے پڑھا تو معلوم ہو گیا جو کچھ قرآن فرماتا ہے وہی سچ ثابت اور صحیح ہے

۱ ۔ حیات
۲ ۔ حیات

توراۃ لکھنے والوں نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ایام زچگی میں فوت ہوگئی تھی
توراۃ سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ توراۃ پیدائش باب نمبر ۳۷ درس نمبر ۹۔ پھر اُس نے دوسرا خواب دیکھا
(یعنی حضرت یوسف علیہ السلام) اور اپنے بھائیوں کو بتایا۔ اُس نے کہا دیکھو مجھے ایک اور خواب دکھائی دیا کہ
سورج چاند اور گیارہ ستاروں نے مجھے سجدہ کیا اور اُس نے (یوسفؑ) اسے اپنے باپ اور بھائیوں دونوں کو
بتایا تب اُس کے باپ نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ کیا خواب ہے جو تو نے دیکھا ہے کیا میں اور تیری ماں
اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کر تجھے سجدہ کرینگے اور اس کے بھائیوں کو اس سے حسد
ہوگیا درس نمبر ۱۱ تک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے پھر جلد ہی بھائی اُسے کنویں میں ڈالتے ہیں تو حضرت یوسفؑ
کی عمر اس وقت سترہ (۱۷) سال تھی۔ اس سے معلوم ہوا اُسوقت اسکی والدہ ماجدہ راخیل زندہ تھیں۔
پھر توراۃ پیدائش باب نمبر ۴۹ درس نمبر ۲۹ — پھر اس نے انکو حکم کیا (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی موت
کے وقت آخری حکم کیا) اور کہا کہ میں اپنے لوگوں میں شامل ہونے والا ہوں (یعنی مرنے والا ہوں) مجھے میرے
باپ دادا کے پاس اس مغارہ میں عفرون حتی کے کھیت میں ہے دفن کرنا یعنی اُس مغارہ میں جو
ملک کنعان میں ممرے کے سامنے مکفیلہ کے کھیت میں ہے جسے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کھیت سمیت
عفرون حتی سے مول لیا تھا تاکہ گورستان کیلئے وہ اسی کی ملکیت بن جائے وہاں انہوں نے ابرھامؑ کو
اور انکی بیوی سارہ کو دفن کیا اور وہیں انہوں نے حضرت اسحاقؑ اور اُنکی بیوی ربقہ کو دفن کیا اور
وہیں میں نے لیاہ کو دفن کیا تا درس نمبر ۳۱۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بڑی بیوی لیاہ مصر آنے سے قبل فوت
ہوچکی تھی۔ توراۃ کی ان دونوں عبارتوں سے واضح ہوگیا کہ مصر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی تشریف
آوری سے بہت پہلے اُن کی بڑی بیوی لیاہ فوت ہوچکی تھی۔ اور اس کے ساتھ اسوقت انکی بیوی راخیل
حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھی اور دو لونڈیاں زلفا اور بلھا بھی ساتھ تھیں
اب ہم قرآن کے الفاظ پر غور کرتے ہیں تو جملہ اٰوٰى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ سے حقیقی والدہ حضرت یوسفؑ
معلوم ہوتی ہے۔ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ سجدہ کے وقت راخیل (والدہ) ماجدہ یوسفؑ موجود نہ تھی
بلکہ لیاہ تھی بالکل غلط ہے۔ ولله الحمد۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے دل میں خوف تھا کہ شاید مصر میں پہنچنے کے بعد خاصکر حضرت یوسف علیہ السلام پرانی کدورت کی وجہ سے کوئی تشدد کریں۔ اسواسطے حضرت یوسف علیہ السلام انکو دلداری دیکر اور ہمت بڑھاکر فرما رہے ہیں کہ تم بلا کھٹک مصر میں داخل ہو جاؤ۔ تم پر حکومت کی طرف سے یا میری طرف سے تشدد نہ ہوگا۔ تمہیں مصر میں آسائش کی زندگی نصیب ہوگی۔

آیت نمبر ۱۰۰۔ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۖ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○

معنی۔ اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدہ میں اور کہا اے باپ یہ بیان ہے میرے اس پہلے خواب کا۔ اس کو میرے رب نے سچ کر دیا اور اس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھے نکالا قید خانے سے اور تمہیں لے آیا گاؤں سے بعد اس کے کہ جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں میرا رب تدبیر کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ بیشک وہی ہے خبردار حکمت والا۔

مطلب:۔

والدین اور خاندان کی آمد کی خوشی میں حضرت یوسف نے جشن کا اہتمام فرمایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام مصر پہنچ کر ایک جشن مناتے ہیں۔ جسمیں مصری ارکانِ دولت سب شامل ہوئے۔ اگرچہ اُن کی امارت جا چکی تھی۔ کیونکہ سب راشن خور تھے۔ اور جو عہدیدار تھے وہ بھی راشن پر کام کرتے تھے۔ تنخواہیں نہ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے کام کرتے تھے کیونکہ نبیوں کی جماعت کبھی تنخواہ پر کام نہیں کرتی بلکہ اللہ تعالیٰ کیلئے ~~کام~~ اُن کی جماعت کے لوگ کام کیا کرتے ہیں۔ جسطرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت نے کام کیا۔

علی ھذا القیاس وہ سب حاضر ہوئے اور جشن میں گئے اور اللہ سب کو بتایا کہ میرے والدین اور بار آگئے ہیں

خود تخت پر بیٹھے اور والدین کو بھی اپنے ساتھ جگہ دی۔ جب جشن منایا جاتا تھا تو دستور کے مطابق سلامی دی جاتی تھی۔ اس زمانے کا دستور سجدہ کرنا سلامی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو سلامی دی۔

والدین اور بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدۂ تعظیم کرنا۔

والدین چونکہ نہایت مہربان ہوتے ہیں۔ اسواسطے اولاد جتنی بھی ترقی کرے انکو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تو والدین خوشی کے مارے سجدہ میں گر گئے اور بھائیوں نے بھی عزت دیکر تعظیمی سجدہ کیا جو کہ دستور کے مطابق تھا اور اُس وقت کی شریعت میں جائز تھا۔

اگرچہ وہ بھی اپنے ملک کے حاکم تھے مگر انکی زندگی سادہ بدویانہ تھی اب متمدن[1] ملک میں شاہانہ زندگی میں شامل ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت یعقوب علیہ السلام تک اتنا بڑا انقلاب نہ دیکھا تھا کہ یکدم ایسے متمدن ملک کے بادشاہ بن جائیں اور ساری دنیا میں بڑی سلطنت ان کے تحت آجائے یہ سب سے بڑا انقلاب انکی جماعت میں تھا۔

حضرت یوسفؑ کو مصر بھیجنے میں کئی تدبیر الٰہی میں ایک حکمت یہ تھی کہ وہ متمدن ملک میں اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کے عظیم الشان پروگرام کو عمل میں لاسکیں

اب بڑی سے بڑی فوجی طاقت اُنکے قبضے میں تھی جس سے انکی موئی ملاحیتیں اب زنگ لوٹینگی اور دنیا کے تخت پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو جاری کرینگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پروگرام بڑا عظیم الشان تھا جو کہ ان کی اولاد سے گاؤں اور غیر آباد علاقہ میں رہ کر پورا نہ ہو سکتا تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے مہربانی کی۔ اب وہ اس ملک میں وسیع پیمانے پر اس پروگرام کو عمل میں لاسکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سب انقلابی آدمی فوجی طاقت کو اپنے ہاتھ میں لینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔

انقلابی اصلاحی پروگرام کے عملی نفاذ کیلئے فوجی قوت لازمی عنصر ہے۔

حکیم اور عقلمند لوگ اپنا پروگرام تیار کر کے نہایت جانفشانی سے بجا اپنی جماعت کے عمل کرتے ہیں جب اُن کے پاس فوجی طاقت آجاتی ہے تو دوسروں کو اس پروگرام پر عمل کرانے کیلئے جھکاتے ہیں۔ شروع میں

پروگرام کے عملی نفاذ میں معمولی سی غلطی بہت بڑے ظلم کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے

پروگرام چھوٹے درجہ پر ہوتا ہے جس میں غلطیوں کی آمیزش کا احتمال رہتا ہے اور ابتداء میں وہ غلطیاں معمولی معلوم ہوتی ہیں مگر بعد میں وہ غلطیاں بڑے پروگرام میں بہت بڑی ہو جاتی ہیں جس سے سارا پروگرام تباہ ہو جاتا ہے اور سوسائٹی میں مظالم[2] شروع ہو جاتے ہیں۔

۱۔ قدن

۲۔ ظلم۔

انبیاء کا پروگرام غلطیوں سے مبرا۔ فطرت کے مطابق اور ضمیر کے موافق ہوتا ہے اور اس پروگرام کا نفاذ ہونا انسانیت کیلئے رحمت الہی ہے

عام حکیموں کے پروگرام سے نبیوں کا پروگرام اعلیٰ ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جو کہ فطرت کے مطابق اور ضمیر کے موافق ہوتا ہے۔ اسی واسطے ایسے پروگرام میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ جیسے جیسے یہ پروگرام وسیع ہوتا جاتا ہے یہ انسانیت کیلئے رحمت الہی ہوتا جاتا ہے۔ مگر بعد میں جب ان کی جماعت میں مفاد پرستی شروع ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بالکل ناگوار گزرتا ہے اور پھر ان کی ایسی جان بوجھ کر کی ہوئی غلطیاں معاف نہیں کی جاتیں۔ اسلئے انکو جلد ہی سزا ملتی ہے۔ اسی پروگرام کو اسی کی قوم اور نسل اگر درست طریقے پر چلاتی رہے تو رحمت ہی رحمت ہوتا ہے۔

جماعتوں اور قوموں کی مفاد پرستی اللہ کو ناگوار ہے اسلئے انہیں اس برے عمل کی جلد سزا ملتی ہے اور ان کا پروگرام ناکام ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام فرمانے لگے کہ اے میرے باپ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھایا تھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے مجھے[1] سجدہ کر رہے ہیں۔ آج اس کی تعبیر پوری ہو گئی۔

یعنی میں اور میرے بھائی ابراھیمی پروگرام کو پوری دیانت داری سے چلاتے رہیں گے۔ پہلے جو دکھایا گیا تھا وہ فقط خواب کی مانند تھا اور وہ میری تسلی اور رہنمائی کے لئے تھا کہ اس کام کیلئے میں مستحکم ارادے سے قائم ہو جاؤں۔ شیطان نے اس کام میں رکاوٹ ڈالنے کیلئے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑے کی صورت بنا دی۔ یعنی میرے بھائیوں کے قلب میں ایسی پھونک دی کہ مخالفت کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اس میں تدبیر الٰہی تھی کہ میں مصر پہنچ کر اپنا پروگرام مکمل کروں۔

میرا رب اپنے ارادے کی تکمیل کیلئے نہایت نازک سے نازک تدبیر پیدا کرتا ہے جس سے کہ میرے رب کا ارادہ پورا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بھی کام کرتا ہے وہ علم اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا میرے بھائیوں اور میرے درمیان بھی جو جھگڑا پیدا ہو گیا تھا اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تدبیر نے اچھی صورت دے دی اور مصر پہنچنے کا سبب بن گیا۔ جو کہ اس وقت دنیا کی مرکزی سوسائٹی تھا جس میں کام کرنے کا موقع مل گیا۔

جس طرح عرب کے علاقے میں مرکزی سوسائٹی قریش مکہ کی تھی۔ جہاں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اصلاحی پروگرام جاری کرنا چاہتے تھے جس میں قریش کا فائدہ تھا مگر قریش نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وہاں سے نکالنے کی یہ تجویز سوچی کہ ان کو شہید کر دیا جائے مگر آپ مجبور ہو گئے کہ مکہ شریف چھوڑ کر مدینہ چلے جائیں جہاں فوجی طاقت موجود تھی اور مدینہ شریف عرب میں دوسرے درجہ کی سوسائٹی تھی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

١۔ مجھکو

اور ان کے صحابہ وہاں تشریف لے گئے اور فوجی طاقت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آگئی تو اول درجے کی مرکزی سوسائٹی کی بنا ڈالی اور وسیع پیمانے پر عرب کی اصلاح کر دی جسے مکہ کے قریش بھی قبول کر کے مطیع ہو گئے۔

ہجرت مدینہ کی ایک حکمت یہ تھی کہ اسے سوسائٹی کا مرکز بنانا مقصود تھا

اگر قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تنازعہ نہ ہوتا تو آپؐ مکہ مکرمہ کو کبھی نہ چھوڑتے کیونکہ مکہ مکرمہ کے ساتھ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلی محبت تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو مدینہ منورہ کو ہی سوسائٹی کا مرکز بنانا مقصود تھا۔ ایسی تدبیر کی کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پہنچے اور اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق وہاں کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

اس آیت میں ایک بات یہ ہے کہ سجدے میں گر پڑے دوسرا یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے جو دکھایا گیا تھا۔ اس کی تعبیر یا تاویل (حقیقت) ہے۔ حضرت یوسفؑ کو جو اس وقت دکھایا گیا تھا وہ عالم مثال میں دکھایا گیا تھا جو کہ اب عالم شہادت میں آپہنچا اور حقیقت نے مادی رنگ اختیار کر لیا جو اس عالم شہادت کے مطابق ہے۔ تیسرے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور تمہیں غیر آباد علاقوں سے شہر میں لے آیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس جگہ جیل اور غیر آباد علاقے کو برابر بتاتے ہیں۔ جسطرح جیل میں (عموماً) پست اخلاق کے آدمی رکھے جاتے ہیں اسیطرح غیر آباد علاقوں میں جو قومیں بستی ہیں اور بدویانہ زندگی بسر کرتی ہیں۔ ان کے اخلاق بھی پست ہوتے ہیں یعنی ارتفاق اول میں ہوتے ہیں

بدویانہ زندگی بسر کرنیوالی قومیں ارتفاق اول میں ہوتی ہیں۔

انسان بھی حیوان کیطرح زندگی بسر کرتا ہے مگر انسان میں یہ خاصیت ہے کہ ترقی کرتے کرتے دوسرا ارتفاق سے گزر کر تیسرے ارتفاق میں آتا ہے تو شہر بساتا ہے اور اپنوں[1] میں انتظام برقائم کرنے کیلئے سردار چنتے ہیں تاکہ وہ شہروں کا انتظام کرے۔ سردار فرد واحد ہو یا جماعت ہو۔ اسواسطے ہی ہوتے ہیں کہ ملک میں امن وامان قائم کریں۔ ان کی حیثیت شہری آدمیوں کی سی ہوتی ہے اور ان کا خرچ سب آبادی ملکر اپنے ذمہ لیتی ہے۔ ارتفاق سوم کیلئے علم کی سخت ضرورت ہے جس سے کہ تجارت صنعت وحرفت اور انتظامی محکمے ترقی کر سکیں۔

شہر بسانا اور نظم ونسق برقرار رکھنے کیلئے اقدامات کرنا ارتفاق کے تیسرے درجہ میں آتا ہے۔ جس کیلئے علم کی سخت ضرورت ہے تاکہ تجارت۔ صنعت وحرفت اور انتظامی محکمے ترقی کریں

1۔ اپنے

ارتفاق کے تین مدارج اوران کا مفہوم۔

(۱) ارتفاق اول فطری تقاضوں کو پورا کرنا

(۲) ارتفاق دوم۔ نفاست

(۳) ارتفاق سوم۔ تمدن

شہروں میں نہایت عقلمند۔ سوچ بچار والے اور لائق فائق آدمی پیدا ہوجاتے ہیں۔ شہر کو اگر فرد یا اکائی کا درجہ دیا جائے تو سب قبیلے اس کے اعضاء کی مثال ہوتے ہیں اسواسطے ہر ایک عضو کو اپنے درجہ کے مطابق رکھنا چاہیے تاکہ موزوں کام کرسکے۔ مگر صحرائی یا غیر آباد علاقے کے لوگ فارغ البال نہیں ہوتے وہ ارتفاق اول میں ہوتے ہیں کہ جنکو فطری تقاضوں کے پورا کرنے سے فرصت نہیں ملتی مثلاً۔ کھانا، پینا، کپڑا، مکان وغیرہ کی ضروریات سے فراغت نہیں ہوتی۔

جب ان چیزوں سے فراغت حاصل ہو۔ انسان میں نفاست پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کو ارتفاق دوم کہاجاتا ہے اور جب وہ تمدن قائم کرتا ہے تو اس کو ارتفاق سوم کہتے ہیں

انبیاء علیہم السلام ہمیشہ متمدن سوسائٹی کے مرکز میں رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ حجاز میں سوسائٹی کے تین مرکز تھے ۱۔ مکہ مکرمہ ۲۔ مدینہ منورہ ۳۔ طائف

اللہ جل شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ہجرت کا حکم دیا تو اُن کے لئے مدینہ میں پہلے بندوبست کردیا کیونکہ مدینہ ثانوی متمدن شہر تھا۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانے کا حکم ہوا حالانکہ عرب کے بڑے بڑے بدوی سرداروں میں سے کئی قبیلے اسلام لاچکے تھے اگر حضور وہاں تشریف لے جاتے تو بھی ان کی مکمل حفاظت ہوسکتی تھی اور بڑی فوج تیار ہوسکتی تھی۔

اب باقی مسئلہ سجدہ رہ گیا۔

مسئلہ سجدہ :۔ پہلی چیز یہ ہے جسکی علماء نے تائید کی ہے کہ یہ سجدہ شکرانے کا تھا اور اللہ تعالیٰ کا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی مل گئے اور پھر ایک بادشاہ اور متمدن سلطنت کے والی کی حیثیت سے تھے۔ جس کا شکرانہ ادا کرنا نہایت ضروری تھا۔ اور سجدہ شکر کیلئے جہت یعنی قبلہ کی شرط نہیں اور نہ ہی وضو کی شرط ہے۔ کیونکہ خاص نعمت الٰہی ملنے پر ایک دم طبیعت میں ایسی خوشی آتی ہے اور وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایکدم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کو دل چاہتا ہے اسوقت کوئی شرط جہت۔ وضو یا کپڑے کی نہیں بلکہ سجدہ کردینا چاہیے۔ اسی سجدہ کا بڑا درجہ ہے اور اگر یہ وقت نکل جائے تو وہ درجہ نہیں رہتا۔ اسیطرح صبر کرنا بھی پہلے مرحلہ پر بڑا ہوتا ہے ورنہ آہستہ آہستہ تو طبیعت میں صبر پیدا ہو ہی جاتا ہے۔

انسان کے تین محسن۔
۱۔ والدین ۲۔ استاد یا مرشد
۳۔ حاکم۔

۲۔ گزشتہ شریعتوں میں بہت سی باتیں جائز تھیں۔ بادشاہ اور پیر کو انہیں تعظیمی سجدہ کرنا درست تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں اس کی ممانعت ہو گئی۔ اب اگر کوئی شخص اپنے بادشاہ یا پیر کو تعظیمی سجدہ کرتا ہے تو وہ موجودہ شریعت کی رو سے کافر ہے۔

احسان کرنیوالے انسان کی تعظیم کرنا فطرت انسانی میں داخل ہے انسانوں میں سب سے پہلے محسن والدین ہیں اسلئے ان کی عزت و تابعداری تمام اقوام و مذاہب میں مسلمہ رسم رہی ہے۔

۳۔ انسان پر احسان کرنیوالے آدمی کی تعظیم کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ جب محسن کی انسان عزت و آبرو کرتا ہے تو، سب سے پہلے محسن انسانوں میں والدین ہیں۔ تمام مذاہب اور تمام اقوام میں والدین کی عزت کرنا اور ان کی تابعداری کرنا مسلمہ رسم رہی ہے۔ کیونکہ یہ فطری جذبہ ہے۔ والدین کی زمین بوسی کا رواج عام تھا۔ جس کو پنجابی میں "پیریں پون" کہتے ہیں یہ رسم ابھی تک عوام میں باقی ہے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رسم سے منع فرما گئے ہیں۔ اس کی جگہ اس سے بھی بہتر طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاری فرمایا۔ "السلام علیکم" یعنی دعائیہ فقرہ کہ تم پر اللہ کی رحمت ہو جس سے عین خلوص دل ثابت ہوتا ہے۔

بعض صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے پاؤں اور ہاتھ مبارک چومے مگر حضورؐ کے خاص تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ سے اس قسم کا عمل ثابت نہیں ہے۔

ہاتھ اور پاؤں کا چومنا بعض احادیث سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ یا پاؤں مبارک کو چوما تھا۔ مگر عام سمجھدار اور حضورؐ کے خاص صحبت میں رہنے والے صحابہؓ جن پر حضورؐ کی تعلیم کا پورا اثر تھا ان میں سے کسی نے ہاتھ یا پاؤں چومنے کی حرکت ثابت نہیں والدین کی عزت کے قوانین قرآن و حدیث شریف میں موجود ہیں کہ کس طرح اور کس حد تک عزت کرنا چاہیے

انسانوں کا دوسرا محسن استاد یا مرشد ہے جو کہ روزی کمانا سکھاتا ہے اور یا دوسرے نیک اعمال کی طرف راغب کرتا ہے۔

دوسرا محسن مرشد یا استاد ہے جو کہ دنیا میں روزی کمانا سکھاتا ہے یا دوسرے نیک اعمال کی طرف راغب کرتا ہے۔ جس کو والدین کے بعد عزت دینے کی رسم دنیا کے سب انسانوں میں رائج ہے۔ مگر یہ رسم خصوصاً ہندوؤں میں حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ زمین بوسی کی رسم کو سجدے کی رسم سے بدل دیا گیا ہے (زمین بوسی یا سجدہ تقریباً ایک ہی بات ہے)

ہندوستان سے "قدم بوسی" کی رسم حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے ختم کی اور اس کی جگہ دو زانو بیٹھنے کی رسم جاری کی۔

یہ رسم ہندوستان میں نئے مسلمانوں میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ تک چلی آئی کہ لوگ بادشاہ یا مرشد کے سامنے زمین بوسی کرتے تھے۔ مگر خواجہ صاحب نے اس رسم کو نکال کر دو زانو بیٹھنے کی رسم رائج کی اور اسطرح مسلمانوں نے اس قبیح رسم کو نکال دیا جو کہ اس سے پہلے نکالنا مشکل تھی۔ کیونکہ نئے مسلمان کا دل جب تک مضبوط نہ ہو جائے انکی رسموں کو انسے دور کرنا مشکل ہوتا ہے

۱۔ شاہی

حہ پاؤں پڑنا۔

تیسرا محسن والدین اور مرشد کے علاوہ حاکم ہوتا ہے ۔ مگر والدین اور مرشد کی عزت انسان محبت سے کرتا ہے اور بادشاہ اور حاکم کی عزت دہشت سے کرتا ہے ۔ انسان پر دہشت یا رعب غالب ہوتا ہے اس لیئے وہ بادشاہوں کے آگے بھی زمین بوسی کرتے تھے ۔ یہ رسم قدیم تھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے ختم کیا ہے[1]۔

انسان کا تیسرا محسن حاکم ہوتا ہے مگر والدین اور مرشد کی عزت انسان محبت سے کرتا ہے اور بادشاہ اور حاکم کی عزت دہشت اور رعب سے کرتا ہے ۔

مگر ہندوستان میں یہ رسم تہذیب کے درجہ تک پہنچ چکی تھی ۔ مگر اس رسم کو امام ربانی رح حضرت مجدد الف ثانی رح نے شہنشاہ جہانگیر کے وقت منع کیا ۔ جہانگیر نے اس بات کو تسلیم کیا اور اس رسم کو نکال دیا مگر مابعد یعنی عالمگیر کے وقت کے بعد جب عیاش بادشاہ اور خوشامدی وزیر مقرر ہوئے تو اس رسم نے بہت زور پکڑا اور ابھی تک کئی ریاستوں میں کہیں کہیں اس کا رواج باقی ہے ۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے قدم بوسی کی رسم کو شہنشاہ جہانگیر کے دور حکومت میں ہندوستان سے ختم کیا مگر عالمگیر کے بعد کے عیاش بادشاہوں اور خوشامدی وزراء کے دور میں اس بری رسم نے زور پکڑا اور آج تک کہیں کہیں نظر آتی ہے ۔

اصطلاح عام میں اس رسم کو زمین بوسی یا سجدہ تعظیمی کہتے ہیں ۔ مگر اسلام اس رسم کو سختی سے منع کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ شکرانے کا سجدہ تھا جس میں کہ سمت یعنی جہت یا وصول کا خیال نہیں ہوتا

مسئلہ تجلی الہی ۔

مسئلہ تجلی الہی ۔

اس تجلی کے مسئلہ کو سمجھنے کیلئے آئینہ کی مثال سب سے زیادہ قابل فہم ہے کہ جیسے ایک آئینہ ہاتھ میں لو تو سورج کا عکس اسمیں آجاتا ہے حالانکہ سورج اسمیں سما نہیں سکتا مگر پورے کا پورا سورج اسمیں ہوبہو دکھنے میں آتا ہے ۔ گو وہ اصل سورج نہیں ہوتا ۔ فقط اس کا عکس ہوتا ہے ۔

اسیطرح اللہ تعالیٰ کی تجلی بھی مختلف جگہوں سے اپنے بندوں کو ہوتی ہے ۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیتون کے درخت سے ۔ مہاتما بدھ کو بڑ کے درخت سے ۔ زرتشت کو آگ سے ۔ کسی کو پتھر سے کسی کو دریا سے ۔ کسی کو سورج سے ۔ کسی کو جانور سے ۔ کسی کو کسی پاک جگہ سے ۔ جس شے سے تجلی الہی ہو اُس کو تجلی گاہ کہتے ہیں جو کہ اس بزرگ کی قوم کیلئے متبرک مشہور ہوجاتی ہے ۔

تجلی الہی بندوں کو مختلف مقامات سے ہوتی ہے جس شے سے تجلی الہی ہو وہ تجلی گاہ کہلاتی ہے جو کہ اس بزرگ کی قوم کیلئے متبرک مشہور ہوجاتی ہے ۔

مگر جب کسی چیز سے تجلی ہو تو تجلی گاہ کو سجدہ کرنا ضروری نہیں ہے جب تک کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ ہو ۔

تجلی فقط عکس ہوتا ہے ۔ اسلئے تجلی گاہ کو سجدہ کرنا ضروری نہیں جبتک اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا حکم نہ ہو ۔

1 ۔ نکالا

مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب درخت سے تجلی الٰہی ہوئی تو انہوں نے تجلی گاہ کو سجدہ نہیں کیا نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج میں سجدہ ثابت ہے کہ آپؐ نے اس تجلی گاہ کو سجدہ کیا ہو جس میں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو۔ مگر بیت اللہ کو جب سجدہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو سجدہ کیا گیا۔

مگر تھوڑی استعداد والے صوفی تجلی گاہ کو سجدہ کرنا جائز خیال کرتے ہیں اور وہ اپنے مرشد یا متبرک جگہ کو بھی سجدہ کرتے ہیں۔ اس سے قانون نہیں بن سکتا۔ بلکہ یہ اُن کی غلط فہمی تسلیم کی جاویگی کہ انہوں نے حقیقت کو نہیں پایا۔

> تجلی گاہ کو سجدہ کرنا کسی نبی سے ثابت نہیں تاوقتیکہ اللہ کی جانب سے سجدہ کرنے کا حکم نہ ہو۔ مگر کم استعداد والے صوفی غلط فہمی کا شکار ہو کر تجلی گاہ کو سجدہ کرنا جائز خیال کرتے ہیں اور اپنے مرشد یا متبرک جگہ کو بھی سجدہ کرتے ہیں یہ حقیقت ناشناسی کی بات ہے

یہی خرابی خاصکر ہندو مذہب میں عام ہے کہ ان کے مختلف سجدہ گاہ ہیں۔ اگر وہ اس طریقے پر نہ جاتے تو ان کا سجدہ گاہ بھی ایک مقرر ہوتا اور مذہباً ایک متحد قوم بن جاتی۔ مگر یہی سبب ہے کہ وہ مذہباً ایک قوم کبھی نہیں بن سکتے۔ یہ سمجھدار لوگوں کیلئے نہایت عمدہ سبق ہے۔

> جن کا قبلہ ایک نہ ہو وہ کبھی مذہباً ایک متحد قوم نہیں بن سکتے۔

اسواسطے کلّی تعظیمی سجدہ قطعاً ناجائز ہے خواہ وہ تجلی گاہ ہی کیوں نہ ہو۔

نوٹ: حضرت یعقوب علیہ السلام کی جب حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو ان کی عمر اس وقت ایکصد تیس ۱۳۰ سال تھی اور مدت فراق چالیس سال تھی۔ مگر یہ صحیح روایت سے ثابت نہیں ہوئی مگر تورات کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب جُدا ہوئے تو [illegible] انکی عمر سترہ ۱۷ سال کی تھی۔ پھر وہ عزیز مصر کے پاس بکے مگر بکنے کی تاریخ سے جیل جانے کی تاریخ تک مدت ثابت نہیں ہوتی۔ مگر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ ان کی تیس سال سے کم عمر میں ہی واقع ہوا ہوگا۔ ہم اسے زیادہ سے زیادہ ۱۳ سال خیال کرتے ہیں۔ اس کے بعد سات سال جیل میں پھر سات سال کاشتکاری اور سات سال قحط سالی بھی ۲۱ سال اور ۱۳ سال شامل کیے جائیں تو کل چونتیس ۳۴ سال ہوتے ہیں اور تقریباً یہی مدت جدائی کی درست معلوم ہوتی ہے۔ یعنی حضرت یوسفؑ کی عمر اس وقت 50 سال تھی اور ۱۱۰ برس میں وفات پائی (باب خروج تورات) حضرت یعقوب علیہ السلام نے 147 برس میں وفات پائی اور مصر میں سترہ ۱۷ برس تک زندہ رہے۔ وصیت کی کہ میری وفات کے بعد مجھے باپ دادا کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔

* حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۵۰ سال تھی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر 135 سال تھی۔ ح

آیت نمبر ۱۰۱

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ٥

معنی:-

اے رب تونے مجھے حکومت دی اور سکھایا مجھکو کچھ پھیرنا باتوں کا - اے زمین اور آسمان کے پیدا کرنیوالے توہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں - مجھے[1] موت دے اسلام پر مجھے[2] ملا نیک بختوں میں

مطلب:-

اس جگہ حضرت یوسف علیہ السلام سمجھا رہے ہیں کہ نبوت کیا چیز ہے اور نبوت سے کیا کیا کام مقصود ہیں انبیاء علیہم السلام اپنی ایک اصلاح کرنیوالی جماعت بناتے ہیں - ان کی جماعت کے پیش نظر اصلاحی پروگرام ہوتا ہے - اپنی جماعت کے ایک فرد بن کر رہتے ہیں - اپنی جماعت پر خواہ دوسروں پر حاکم بنکر رہنا پسند نہیں کرتے - انبیاء علیہم السلام کا مقصود ہوتا ہے کہ نیک جماعت کا جزو بن کر رہنا چاہیے اپنے لیے اسمیں کوئی خصوصیت نہیں رکھتے کہ لوگ ان کی عزت دوسروں سے زیادہ کریں اور اتنا غلو کریں کہ خدا سے جا ملائیں - یہ تو ان کی اس جہان میں خواہش ہوتی ہے اور وفات کے بعد بھی انکی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ملاء اعلیٰ کے فرشتوں میں جاکر شامل ہوجائیں اور اس متبرک جماعت کے ایک فرد بن جاویں

مصلح جماعت کیلئے ضروری ہے کہ آسمان اور زمین کے رازوں سے جسقدر ممکن ہو واقف ہو یعنی فطرت کی نیرنگیوں کو اچھی طرح سے بے نقاب کرکے دیکھنے کی کوشش کرنا کہ دنیا جہان کس طرح چل رہی ہے اور حقیقت کو سمجھنے کے بعد پھر اسی پر اسی طریقے سے سب کو چلانے کی کوشش کرنا -

آسمان و زمین میں موجود تمام قوتوں کا عمل اور ردعمل -

آسمان اور زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے - اسمیں اللہ تعالیٰ نے مختلف طاقتیں رکھی ہیں - اسمیں مختلف جانور پیدا کئے ہیں - ہر ایک قوت . ہر ایک چیز اور ہر ایک جاندار شے چاہتی کہ میں آزادانہ طور پر ترقی کروں - اگرچہ یہ سب چیزیں ہم دیکھتے ہیں مختلف ہیں مگر سب ایک نظام سے منسلک ہیں اور مجبور ہیں کہ ایک دوسرے سے استفادہ حاصل کریں یا فائدہ پہنچائیں - جن سب کا منبع ایک ہے - ان سب قوتوں کی حقیقت معلوم کرکے انکے اندر ایسا نظام پیدا کرنا کہ ان کے علیحدہ علیحدہ چلنے یا ٹکر کھانے سے

۱- مجھکو
۲- مجھکو

اچھی بات پیدا ہو نہ کہ خلاف فطرت ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا شروع کردیں ۔ یہی تقاضا الہی ہے ۔
ایسے رازوں کو معلوم کرنا کہ سب ایک واحد چیز کی پیدائش ہیں اور پھر بھی انکو ایک ہی وحدت پر گامزن
رکھنا ہے، یہی اصل روح ہے ۔

کام کرنے کی ایک روح ہوتی ہے ایک عملی شکل ہوتی ہے ۔ اسواسطے کام اس شکل میں کرنا چاہیے
جس سے روح کو طاقت پہنچے نہ کہ روح ہی فوت ہو جائے یہی معنی ہے "تاویل الاحادیث کا" ۔

تاویل الاحادیث کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کام کو اسطرح کرنا چاہیے کہ کام کرنے کی اصل روح کو طاقت پہنچے ۔ یعنی فطرت کے مطابق کام کیا جائے ۔

صورت اور روح اگر متحد ہو جائیں اور صالح جماعت اس پر حکومت کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم
ہے ۔ حضرت یوسف علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ جس کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب کیا تھا اور
مجھے استعداد دی تھی ۔ اس استعداد کے مطابق ہی میں نے کام کیا ہے ۔ جو اصلاحی پروگرام
میرے سامنے تھا اس کو میں نے سرانجام دیا ۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی سلطنت میرے سپرد کردی
سلطنت کا ہاتھ آنا فقط اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے ۔ اسمیں نہ اپنے ذاتی فائدے ۔ نہ خویش و اقارب اور نہ ہی
جانشینوں کیلئے کوئی کام کیا بلکہ عوام کے فائدے اور سلطنت کے استحکام کی طرف متوجہ رہے ۔ جو بھی
نئے واقعات پیش آئے میں نے انکی روح کو سمجھا اور انکا رُخ اچھی طرف پھیر دیا اور جہانتک مجھ
سے ہو سکا میں نے اصلاح کی کوشش کی ۔ ہر ایک چیز کو اپنے مرتبہ اور اپنی اپنی جگہ پر رکھا ۔ جتنی جن
میں لیاقت تھی ۔ اسی کے مطابق اُن سے کام لیا اور جتنی جسکو ضرورت تھی اُسی کے مطابق ان کو کام دیا ۔
انسانی سوسائٹی میں جو انقلابات آتے ہیں ۔ انکے رازوں کو معلوم کرکے اس طرح کام کیا کہ وہ انقلابات
انسانی سوسائٹی کیلئے مفید بن گئے ۔

حکومت الہیہ کے سنہری اصول ۔

۱ - سلطنت کے استحکام اور عوام کے فائدے کیلئے کام کیا جائے ۔
۲ - واقعات کی روح کو سمجھکر اس کا رُخ پھیرنا تاکہ مفید نتائج نکلیں
۳ - ہر چیز کو اپنی جگہ اور رتبے پر رکھنا ۔
۴ - استعداد اور لیاقت کے مطابق کام لینا ۔
۵ - ضرورت کے مطابق کام دینا ۔
۶ - انقلابات کی روح کو سمجھکر کام کرنا تاکہ وہ انقلابات انسانی سوسائٹی کیلئے مفید بن جائیں ۔
۷ - اللہ کی فرمانبرداری میں زندگی بسر ہو
۸ - اللہ کے فضل و کرم اور مدد پر بھروسہ رہے
۹ - آخرت پر یقین رہے ۔
۱۰ - دنیا و آخرت کی بہتری کیلئے کوشاں و دعا گو رہے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ یا اللہ تو ہی میرا ممد و معاون رہا ہے تو تیرے فضل و کرم سے میں
یہ سب کام سرانجام دے سکا ہوں ۔ جسطرح دنیا میں یا اللہ تو میرا مددگار رہا ہے اسطرح آخرت میں بھی
میرا مددگار رہنا ۔ میری زندگی تیری تابعداری میں بسر ہو جائے اور میں تیرا تابعدار بندہ رہوں ۔ حاکم اور
جابر بن کر نہ رہوں ۔

جن بزرگوں نے دنیا میں انسانوں کی اصلاح کی ہے جیسے حضرت نوحؑ ۔ حضرت ابراہیمؑ ۔ اسحاق و یعقوب علیہم السلام
مجھے بھی اسی جماعت میں شامل رکھنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی بیماری میں یہ دعا مانگتے تھے "
اَللّٰهُمَّ اَلْحِقْنِیْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی - یعنی یا اللہ میرا الحاق ملاء اعلیٰ سے کر۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ منبر پر چڑھ کر تقریر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ جتنا چاہو تم دنیا میں رہو اور اگر چاہو تو میری طرف آجاؤ تو اس بندے نے عرض کیا ہے کہ یا اللہ مجھے دنیا سے زیادہ تیری ملاقات کا شوق ہے میں تیری طرف آنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ یہ بات اپنی فرما رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ "یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں" اور بار بار یہ الفاظ دھراتے رہے۔

حکومت اگر خلق خدا کی خدمت اور بھلائی کیلئے ہو تو یہ ایک نعمت ہے۔ اگر دنیاوی جاہ وحشمت اور تن آسانی مطلوب ہو تو یہ لعنت ثابت ہوتی ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہی حاصل کرنا یا کوئی بڑا عہدہ حاصل کرنا کوئی بری چیز نہیں۔ اسمیں نیت پر منحصر ہے۔ اگر اس کی نیت خلق خدا کی خدمت ہے تو یہ بڑی بھاری نعمت ہے۔ اس کو کوشش سے حاصل کرنا چاہیے۔ اگر یہ فقط دنیاوی جاہ وحشمت اور تن آسانی کیلئے کرتا ہے تو وہ اس کیلئے لعنت ہے۔

صالح جماعت کو چاہیے کہ برے لوگوں کو معزول کرے حکومت صالح لوگوں کے حوالے کریں تاکہ وہ حکومت کو علم وحکمت سے چلائیں اور خلق خدا کی بہتر خدمت کرسکیں۔
علم وحکمت کے بغیر حکومت سراسر حماقت ہے۔

اسواسطے اچھے خیال والے کو چاہیے کہ کوشش کرکے گندے حکمرانوں کو معزول کرکے خود یا اپنی صالح جماعت کے لوگوں کو حاکم بنائے تاکہ خلق خدا کی بہتر خدمت کرسکیں۔ یہی تقاضا الٰہی ہے۔ حکومت علم وحکمت وسیاست سے چلائے۔
علم کے بغیر حکومت سراسر حماقت ہے خواہ وہ گھر کی ہو یا زمینداری کی۔ سوسائٹی کی ہو یا تمام دنیا کے ملکوں کی ہو۔

دینی اور دنیاوی تمام کام رب کی رضا اور خلق خدا کی بہتری کیلئے کئے جائیں تو دنیا وآخرت میں عزت ملتی ہے

جس سوسائٹی میں صحیح علم ہے اور خوف خدا ہے۔ عمل اور اخلاق صالح ہیں مگر انہیں حکومت نہیں تو یہ بھی کھوکھلی چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سوسائٹی کو چاہیے کہ حکومت حاصل کرنے کی کوشش کرے آخرت کی عزت تب ملیگی جب دینی اور دنیاوی تمام کام اللہ کی رضامندی اور خلق خدا کی بھلائی کے لئے کریں۔ اپنا کارساز اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھنا چاہیے۔

ا۔ مراد

آیت نمبر ۱۰۲: ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ○

معنی:

یہ وہ چھپی باتیں ہیں جن کی وحی ہم نے تیری طرف کی ہے اور تُو تو ان کے پاس نہ تھا۔ جب انہوں نے اپنی بات پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور وہ چپکے چپکے اپنی تدبیریں کرتے تھے۔

مطلب:

انبیاء کی تعلیمات کا خاص مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و حکمرانی کو تسلیم کراتے ہوئے انسانیت کی تکمیل کریں۔ تاکہ انسان فطری تقاضوں کے مطابق چلے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اور انکے بھائیوں کے احوال مفصل[1] بیان کئے گئے ہیں۔ انسانی تاریخ ایک ہی ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی جماعت انقلابی ہوتی ہے۔ جن کے سامنے ایک خاص مقصد ہوتا ہے جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کو تسلیم کرتے ہوئے انسانیت کی تکمیل کریں اور انسان کو انسان بنائیں۔ یعنی انسان اپنے نوعی تقاضوں کے مطابق چلے اور خلاف فطرت نہ چلے مثلاً ایک گھوڑا ہے۔ اس کی خاص شکل کے ساتھ اس کی خاص عادات بھی ہیں یعنی گھاس کھانا ہنہنانا وغیرہ وغیرہ۔ اگر وہ گھاس کھانے کی بجائے گوشت کھانا شروع کر دے اور ہنہنانے کی بجائے گدھے کی طرح ہینگنا شروع کر دے تو گویا اُس نے اپنی فطرت کے خلاف کام کیا اور نوعی تقاضے پر نہ چلا۔ اسی طرح انسان کی جو صحیح فطرت یعنی صحیح ضمیر ہے اُسکو اُس کے مطابق چل کر اپنے نوعی تقاضے پورے کرنے چاہییں۔

چالاک لوگوں نے انسانی فطرت کے خلاف چلکر غریب و سادہ لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا اور ان پر ظلم و ستم روا رکھا

انسان کی تاریخ بتاتی ہے کہ پہلے ایک خاندان تھا۔ جن سے نسل بڑھی۔ انہیں سے ہوشیار لوگوں کی حرص بھی بڑھتی گئی۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی کمائی کو کھائے مگر وہ سمجھدار اپنی چالاکی سے دوسروں کی کمائی ہضم کر لیتے تھے۔ اسطرح غریب عوام کے رزق پر قبضہ کرتے چلے گئے حتیٰ کہ انہوں نے پورا قبضہ کر لیا اور ان سے ایسے کام لینے شروع کر دئیے جو کہ گدھے اور بیلوں سے لئے جاتے ہیں۔ انکو صحیح فطرت کے مطابق علم۔ عدل و انصاف اور اعلیٰ اوصاف سکھانے کی بجائے اپنا غلام بنا لیا۔ اور اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ اور اسطرح کے ظلم کئے کہ ان کی اپنی حریت اور اخلاق انہیں سے نکل گئے اور ان کو خدا بھی بھلا دیا وہ ان چالاکوں کے آگے سر جھکانے پر مجبور تھے

[1] مفصل طور

انقلاب کا ایک مفہوم یہ ہے کہ خلافِ فطرت کام کرنے والے طبقہ کی طاقت کو ختم کرکے صحیح فطرت پر کام کرنے والوں کی حالت بہتر بنانا

ایسے وقت انبیاء کی بعثت ہوئی ۔ انہوں نے سمجھایا کہ یہ قانون قدرت اور فطرت کے خلاف ہے مگر امراء اپنی آسائشوں کو نہ چھوڑ سکتے تھے وہ مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور ایسا ہی ہوتا رہا ۔ جب امراء طبقہ مخالفت پر تُل جاتا ہے تو غربا طبقہ کو سدھارنے کا ایک ہی طریقہ ہوتا ہے کہ ان چالاک اور حرص و ہوا والے طبقہ کی طاقت کو پامال کیا جائے ۔ جسکی تیاری انبیاء علیہم السلام کرتے تھے ۔ اور اس مقصد کو پورا کرتے تھے ۔ اس کو انقلاب کا نام دیا جاتا ہے ۔ یہ حالت تقریباً ہر ایک نبی کے ساتھ پیش آتی ہے ۔

انبیاء علیہم السلام کا مطمح نظر ارتفاق ثانی و ثالث ہوتا ہے ۔ کیونکہ ان ارتفاقات کی اصلاح پر اجتماعی اخلاق کا دار و مدار ہوتا ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ اگرچہ انبیاء علیہم السلام قربِ الٰہی کے راستے بتاتے ہیں مگر ان کا مطمح نظر ارتفاق ثانی و ثالث ہوتا ہے ۔ کیونکہ ان ارتفاقات کی اصلاح پر اجتماعی اخلاق کا دار و مدار ہوتا ہے

رفاہیتِ بالغہ اور سرمایہ پرستی طبقاتی تقسیم اور اقتصادی و اخلاقی تباہی کا سبب بنتی ہے ۔

جس قوم میں رفاہیتِ بالغہ اور سرمایہ پرستی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے تو وسطی (درمیانہ) طبقہ انکی معاملات میں لگ کر اپنی اقتصادی حالت کو تباہ کر دیتا ہے اور ادنیٰ طبقہ گدھوں اور بیلوں کی طرح نانِ شبینہ کا محتاج ہو کر تمام اخلاق برباد کر دیتا ہے ۔ اور رفاہیتِ بالغہ کے دلدادہ طبقہ کو بھی اپنی ہوس کے موافق سرمایہ میسر نہیں ہوتا اسلیئے وہ (...) غم میں مبتلا رہتے ہیں ۔ کسی میں اخلاقِ اعلیٰ کی طرف میلان نہیں ہوتا ۔ اسلئے انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین طبقات کی اونچ نیچ کو بیخ سے اکھاڑ دیتے ہیں تاکہ تقسیمِ دولت عدالت اور مساوات کے درجہ پر آجائے اور انسانی جماعت کشمکشِ ظلم سے نجات پاکر اعلیٰ اخلاق اور قربِ الٰہی کے لئے اپنا کچھ فارغ وقت نکال سکیں ۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں قیصر و کسریٰ کو ہلاک کرنے کیلئے مبعوث ہوا ہوں ۔

عقل مند انقلابی اپنی حکمتِ عملی سے جماعت تیار کرتے ہیں اور اپنے اصلاحی پروگرام کو ملک میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں

اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا کہ اُن کے اپنے بھائی مخالفت پر تُل گئے مگر تدبیرِ الٰہی سے وہ مصر میں جا پہنچے جو کہ اُس وقت وسطِ دنیا کی مرکزی سوسائٹی تھی ۔ جہاں پہنچکر انہوں نے اپنا اصلاحی پروگرام جاری کیا ۔ وہاں اُن کو بہت سے صدمات پہنچے ۔ آخر اپنی حکمتِ عملی سے انہوں نے اپنی جماعت تیار کرلی اور جو اصلاحات وہ چاہتے تھے بذریعہ فوجی طاقت سارے ملک پر مسلط کردیں

مصر میں خدا پرستی کا دور دورہ شروع ہوا۔ عدالت و مساوات کا دلکش نظارہ (نظر آنے لگا[1])۔ یہ دور دو سو سال کے عرصے تک قائم رہا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات زندگی میں مشابہت پائی جاتی ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کی طرح بعینہٖ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ہے۔ اختصار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی پر نظر دوڑائیے تو معلوم ہوگا کہ جب آپؐ نے عوام کی اصلاح کا بیڑہ اُٹھایا تو آپؐ کے بھائی بھی آپؐ سے لڑنے لگے۔ آپؐ کو شہید کرنے اور آپؐ کی جماعت کو نیست و نابود کرنے کی کوشش تک نوبت پہنچی۔

جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام تین دن تک کنوئیں میں رہے۔ اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی کفار سے بچ کر تین دن غار میں رہے۔ وہاں سے بچکر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ جہاں آپؐ نے فوجی طاقت حاصل کرکے یعنی تیار کرکے سارے عرب میں اپنا پروگرام جاری کرایا۔ قریش اور عرب کی طاقت بھی تقریباً دو سو سال تک بڑھتی رہی جسکا اشارہ حروف مقطعات "الٓمٓرٰ" میں ہے جسکے عدد

الف = ۱ + لام = ۳۰ + ر = ۲۰۰ = ۲۳۰ بنتے ہیں۔

عربوں نے جب تک اسلامی پروگرام کو اوّل درجے پر رکھا اور دنیا و دولت کو دوسرے درجے پر رکھا تو اُن کی سرداری قائم رہی اور طاقت بڑھتی رہی۔ جیسے بنی اسرائیل کی طاقت بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد بڑھتی رہی۔

غیب کا ایک مفہوم یہ ہے کہ "جو بات انسان اپنے احساسات سے نہ سمجھ سکے وہ خبر غیب کہلاتی ہے۔

اس آیت میں بتایا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ غیبی خبر ہے جو تیری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجی ہے۔ یہ غیبی خبر وہی ہے جو کہ تیرے ساتھ پیش آنیوالی ہے۔ (غیب وہ ہے جو انسان اپنے احساسات سے نہ سمجھ سکے۔ مستقبل کی ساری خبریں غیب کہلاتی ہیں)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ساری خبریں ایسی ہیں جو کہ آپؐ کے ساتھ پیش آئیں گی۔ آپؐ اور آپؐ کی جماعت ایسی تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی متفق اور متحد ہو کر اپنے سارے کام چھوڑ کر اُنکے قتل کیلئے خفیہ تدبیریں کرتے تھے۔

اس بات کی طرف خاص طور سے زور دیا گیا ہے کہ تم اسوقت نہ تھے جبکہ حضرت یوسفؑ کے بھائی

۱۔ پیش نظر ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے -

اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیروں کی قبل از وقت آگاہ کر دیا تاکہ قبل از وقت تدارک کی تدبیریں اختیار کریں -

اسکا مطلب یہ ہے کہ آپؐ یا آپؐ کی جماعت یہ وہم بھی نہیں کر سکتی کہ آپ کی مصلح جماعت[1] کو بھی آپ کے بھائی قریش نیست و نابود کرنے کی خفیہ تدبیریں کر رہے ہیں - اللہ تعالیٰ نے پردے سے ظاہر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ اپنی تدبیروں میں کامیاب ہوں آپ اس کا تدارک شروع کر دیں -

دشمنوں کی تدبیروں سے بچنے کیلئے عملی اقدام -

۱- ہجرت حبشہ
۲- مختلف قبائل میں تبلیغ
۳- وفد مدینہ سے ملاقاتیں -
۴- ہجرت مدینہ منورہ -

اس کا تدارک یہی تھا کہ گرد و نواح کے علاقوں سے تعلق پیدا کیا جائے - وہاں خفیہ تبلیغ کی جائے اور وہاں اپنی طاقت بڑھائی جائے جو کہ وقت ضرورت کام آ سکے -

اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت میں سے کچھ لوگ حبشہ روانہ کئے گئے کہ وہاں دیکھا جائے کہ اگر مرکز قائم ہو سکے تو وہ قائم کیا جائے) - آپؐ خود سفر کر کے دوسرے قبائل میں جاتے تھے - جو قبائل حج پر آتے تھے اُنسے ملتے تھے اور ان کو سمجھا کر کہا کرتے کہ مجھے جگہ دو کہ میں (تبلیغ) اصلاحی کلام آپ کو سناؤں - اسی ارادے سے آپؐ طائف تشریف لے گئے وہاں بھی تبلیغ کی مگر وہاں کے لوگ نہایت بے ادبی سے پیش آئے -

دسویں سال (نبوت) مدینہ منورہ سے لوگ حج پر آئے جن سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاقات کی اور تبلیغ کی جن میں ایک نوجوان شخص "ایاس بن معاذ" رضؓ تھے - انہوں نے اپنی جماعت سے کہا کہ یہ خُدا کا سچا نبی ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کو اپنے ساتھ لے چلو یہ تمہاری سعادت ہے - ایاس بن معاذ کے مدبران کی جماعت کے ایک شخص نے مٹی کی مٹھی بھر کر ماری - ایاس بن معاذ ناراض ہو کر واپس چلے گئے اور مدینہ شریف میں خوب پراپیگنڈہ کیا - اس تبلیغ[2] کے زیر اثر بہت سے لوگ اس سے متفق الرائے ہو گئے اور گیارھویں سال (نبوت) کافی لوگ حج پر آئے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی - پھر تیرھویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے اور مرکز قائم کیا -

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نمایاں فرق یہ ہے کہ وہ تدبیر الٰہی سے مصر پہنچے جس میں ان کی اپنی کوئی محنت نہ تھی - مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ پہنچنے میں آپؐ کی اپنی

۱- بے تکلیف جماعت
۲- پروپیگنڈہ

جدوجہد کا بہت دخل ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اپنی حسن تدبیر سے مدینہ منورہ پہنچے ۔

گویا اس آیت کو آپؐ اور آپ کی جماعت نے خوب سمجھا اور عمل کیا ۔

اس آیت میں تاکید ہے کہ مرکز دوسرا ڈھونڈو ۔

عقل کے سوا قرآن حکیم میں غور و تدبر ممکن نہیں اسلئے قرآن شریف بڑے عقلمندوں کو دعوت دیتا ہے

اللہ تعالیٰ کا انبیاء کو حکم ہے کہ چھوٹی بڑی سب تدبیریں عمل میں لاؤ ۔ حبشہ کو مرکز بنانا اسواسطے مناسب خیال نہ کیا گیا کہ وہاں عقلمند لوگوں کی بہت کمی تھی مگر قرآن شریف بڑے عقلمندوں کو بلاتا ہے اور سمجھاتا ہے عقل کے سوا قرآن پاک میں غور و تدبر نہیں ہو سکتا مگر عوام میں متوسط درجے کی عقل ہوتی ہے اور پیچھے لگنے والے زیادہ ہوتے ہیں ۔ کوئی کوئی ہستی ایسی ہوتی ہے جو کہ آگے چلے یا ان بھیڑوں کو ہانکے ۔

عوام متوسط درجہ کی عقل والے ہوتے ہیں ان کی رہنمائی کیلئے کبھی کبھی کوئی ہستی پیدا ہوتی ہے جو ان کے آگے چل انہیں منزل پر لے جاتی ہے

عرب میں دو جگہیں ایسی تھیں جہاں کہ عقلمند جماعتیں تھیں ایک مکہ مکرمہ اور دوسرا مدینہ منورہ مدینہ منورہ میں آباد اور قابل زراعت زمینیں بھی تھیں اور لوگ بھی جنگجو تھے اور عقلمند وہاں کثرت سے ملتے تھے ۔ یہ بات طائف میں نہ تھی کیونکہ متمول اور مغرور لوگوں کا عوام پر غلبہ تھا اور عوام کی ذہنیتیں پست تھیں ۔ امیر لوگوں کو سرداری کا شوق تھا جس سے وہاں غور و تدبر کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا ۔ مدینہ منورہ میں اکثریت یہودیوں کی تھی جو کہ تورات کو سنتے اور اس پر غور کرتے تھے انہیں غور کرنے کی عادت پڑ گئی تھی مگر تورات کی باتوں سے ان کی تسلی نہ ہوتی تھی ۔ یہود ایک نبی کے منتظر تھے جو عرب سے پیدا ہوگا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہوگا ۔

ہجرت کیلئے مدینہ منورہ کی اہمیت و افادیت ۔

یہی وجہ تھی کہ مدینہ کے لوگ چاہتے تھے کہ وہ نبی ہمیں مل جائے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگا کرتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ایاس بن معاذؓ کی صدا پر لبیک کہہ کر کافی لوگ مکہ شریف کی طرف دوڑے اور مدینہ منورہ کو اسلامی فوجی حکومت کا مرکز بنا دیا ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں تشریف لے گئے ۔

آیت نمبر ۱۰۳

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

معنی : ۔

بہت لوگ ہیں جو یقین نہیں کرتے اگرچہ تو کتنی ہی خواہش کرے ۔

مطلب: ۔ حرص کا معنی ہے "کسی شئے کا کوشش کے ساتھ طلب کرنا" پچھلی آیت میں ذکر ہو چکا ہے کہ تیرا مستقبل بھی ایسا ہے جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کا اور جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو اسکے بھائی مارنے اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتے رہے ویسے ہی تیرے بھائی قریش بھی تجھے مارنے اور ناکام[1] کرنے کی کوشش میں ہیں

حرص کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی شئے کو کوشش کیساتھ طلب کیا جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے دلوں میں سرداری کی خواہش تھی اور سمجھتے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے ہماری سرداری نہیں چل سکتی۔ اسلئے یہ کانٹا نکال دینے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشین گوئی ہمارے اوپر صادق آ جائیگی اور انہوں نے یہ سب باتیں حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے کیں۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بہادر تو بیشک تھے مگر انہیں سرداری کی لیاقت نہ تھی وہ حرص وہوا کے بندے تھے۔ ان کے پاس کوئی اصلاحی پروگرام نہ تھا۔ فقط سردار بننے کی تمنا ان کے دل میں تھی اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کو نکال باہر کیا تو کوئی اصلاحی پروگرام اپنی جماعت میں رائج نہ کر سکے۔ نہ ہی انہیں معاشی تدبیر تھی کہ سب لوگ آسانی سے رزق پیدا کر سکیں خوشحالی کے سات سالوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کوئی تیاری نہ کی تھی ورنہ اگر تدبیر کرتے تو انکو قحط سے تکلیف نہ پہنچتی۔ اور اسطرح اپنی حکومت کو عمدہ حکومت ثابت کر لیتے۔

نااہل لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے ہمیشہ اہل لوگوں کو اپنے راستہ سے ہٹانے کیلئے منصوبے بناتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام جو بھی تدبیر ان کو بتاتے وہ ہنس کر ٹال دیتے اور کہتے کہ اب یہ بوڑھا ہو گیا ہے اسکی عقل کام نہیں کرتی۔ جیسے کہ آجکل بھی عوام میں ایسی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ لہذا حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے اس حال پر سرد آہیں بھر کر بیٹھ رہتے تھے۔

مشکلات سے بچنے کیلئے عمدہ تدابیر اور بہتر منصوبہ بندی بہت ضروری ہیں۔ بزرگوں کی بات کو اہمیت دینا ضروری ہے

چونکہ ملک کی معاشی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی اسلئے ان کی عزت بھی عوام کے دلوں میں ایسی نہ رہی۔ وہ انہیں اپنا سردار تو مانتے تھے مگر ان کے وہ جذبات نہ تھے جس سے قوم جانثار بن جاتی ہے اور دل سے محبت نہ کرتے تھے۔

معاشی بدحالی عوام کو حکمرانوں سے متنفر کر دیتی ہے اور ان کے دلوں سے محبت اور جانثاری کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔

معاشی حالت خراب ہونے سے ان کی مذہبی حالت پر بھی اثر پڑا جس سے عوام کی مذہبی حالت بھی خراب ہوتی چلی گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کی مذہبی حالت بھی درست نہ کر سکے مگر سرداری کا نشہ اور غرور بہت زیادہ تھا۔ نہ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی کوئی بات مانتے تھے

معاشی ابتری سے عوام کی مذہبی حالت بھی متاثر ہوتی ہے۔

۱۔ ذلیل۔

اور نہ ہی خود کوئی تدبیر کر سکتے تھے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا مال (مویشی) بھوکا مر گیا اور اناج بھی پیدا نہ ہوا ورنہ گوشت خشک کر کے رکھتے یا اناج جمع کر کے رکھتے تو انہیں تکلیف نہ ہوتی۔ جب قحط سالی میں اپنے باپ کی حسن تدبیر کا اندوختہ بھی خرچ کر چکے اور بھوک سے مرنے لگے۔ ملک کے لوگ بیزار ہوئے انکے بچے بھوک سے مرنے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام ان سے کہتے ہیں کہ جاؤ مصر سے کچھ اناج خرید لاؤ (...)[1] کہ بچے (...)[2]

جانور بھی اپنی اپنی استعداد اور فطرت کے مطابق اندوختہ رکھتے ہیں مگر انہیں اتنی بھی عقل نہ تھی۔ اگر جانوروں جتنی عقل بھی نہ ہو تو نہ تو معاشی حالت اور نہ ہی مذہبی حالت درست رکھ سکتے ہیں۔ اسطرح تباہ و برباد ہو جاتے ہیں قریش مکہ کا حال بعینہٖ اسی طرح سے ہے۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاحی پروگرام شروع کیا تو مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے جب عوام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معتقد ہوتے دیکھکر انہیں اپنی سرداری کا خوف ہو گیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی جماعت کو تکالیف پہنچانے میں ساری تدبیریں صرف کر دیں۔ حتیٰ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کے جانے کے بعد بھی معاشی اور مذہبی اصلاح نہ کی بلکہ تمام دولت اپنی عیاشی اور خوشامدیوں کو انعام و اکرام دینے پر خرچ کرتے تھے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد قحط سالی شروع ہو گئی۔ قریش مکہ یمن سے اناج لایا کرتے تھے یمن کا سردار ثمامہ بن اثال تھا جس سے اناج خرید کر لاتے تھے۔ وہ مدینہ شریف میں گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے گئے اور تین دن کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد وہ عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ گئے تو قریش مکہ نے طعن زنی کی جس پر ثمامہ بن اثال نے انکو اناج دینا بند کر دیا۔ دوسری جگہ سے قریش اناج نہ لا سکتے تھے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کیوجہ سے ان کے قافلے سلامت نہ تھے۔ جب یمن سے بھی جواب ہو گیا تو قریش مجبور ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہماری مخالفت تو درست مگر ہمارے بچے بھوک سے مرتے ہیں اور یمن کا سردار اناج نہیں دیتا۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چٹھی لکھ دی۔ پھر جب قریش وہاں گئے تو ثمامہ نے چٹھی آنکھوں پر رکھ کر انہیں کہا کہ اب جتنا چاہو اناج لے جاؤ۔ قریش مکہ کی یہ حالت تھی اور مذہبی حال یہ تھا کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تھے تو آپ کی مخالفت میں سب یکمشت تھے مگر آپ کے جانے کے بعد میدان خالی پا کر پھر پرانی عداوتیں عود کر آئی تھیں اور پھر آپس میں جھگڑے شروع ہو گئے تھے یہ ان کی مذہبی حالت تھی۔

جانور بھی اپنی استعداد اور فطرت کے مطابق تدبیر کرتے ہیں مگر جنکی عقل جانوروں جتنی بھی نہ ہو وہ لوگ اپنی معاشی و مذہبی حالت درست نہیں رکھ سکتے

نااہل لوگ معاشی ترقی کے بجائے اپنی دولت عیاشی اور خوشامدیوں کو انعام و اکرام دینے پر خرچ کرتے ہیں۔

ہجرت نبوی کے بعد قریش مکہ یمن سے اناج لاتے تھے۔

ثمامہ بن اثال نے قریش کی بےجوڑ گالی کیوجہ سے اناج دینا بند کر دیا۔ قریش نے مجبور آ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا اور آپ کے خط پر دوبارہ اناج ملنا شروع ہوا۔

(...)[1] دردناک الفاظ میں

(...)[2] بچے تو نہ بلبلائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی کامیابی میں مماثلت۔

ان باتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد اس بات پر غور فرمایئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آیت کا مطلب ہے

ذَالِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ سے آل عمران ۳:۴۴

اسمیں بتایا گیا ہے کہ مستقبل میں آپ کی کامیابی ایسی ہوگی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو ہوئی تھی۔ ویسے ہی آپ کے بھائی قریش آپ کے سامنے جھکیں گے اور آپ سے معافی مانگیں گے۔ مستقبل پر ایمان لانے والے وہ عقلمند لوگ ہوتے ہیں جو علت معلول کو سمجھیں۔ تیری بات ماننے والے وہی لوگ ہونگے جو تیری بات کی حقیقت کو سمجھکر اندازہ لگائیں گے کہ یہ عالمگیر تحریک ہے اور یہ نقطہ ہے جس پر اقوام عالم جمع ہو سکتی ہیں۔

عقلمندی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ علت و معلول کو سمجھ کر نتائج اخذ کر لئے جائیں۔

ماضی و مستقبل سے بے نیاز فقط حال پر نظر رکھنے والے متوسط درجہ کی ذہنیت کے لوگ ہوتے ہیں۔

متوسط درجے کے عوام اس بات کو نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی ان باتوں کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات اگرچہ سمجھدار لوگوں کیلئے بالکل واضح[1] ہے مگر چونکہ یہ لوگ اسطرف توجہ نہیں دیتے۔ مستقبل اور ماضی کو نہیں تولتے فقط حال پر نظر رکھنے والے ہیں۔ اسواسطے فی الحال مخالفت کرتے ہیں مگر کامیابی کے بعد اسطرح تمہارے سامنے آکر جھکیں گے جیسطرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اُس کے آگے جھکے تھے۔ مگر بہت ہی ذلت اور تکالیف سہہ کر خواری سے جھکیں گے۔

عقلمندوں کو بات پوری توجہ سے ذہن نشین کرانی چاہیے کیونکہ رہبر و راہنما عوام کو خود بخود اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں۔

اسواسطے اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ فقط عقلمندوں کو ہی بات توجہ سے ذہن نشین کرانی چاہیے۔ اسکی طرف کلام اللہ میں جگہ جگہ اشارات ہیں کہ عقلمندوں کو سمجھاؤ

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى " کا یہی مطلب ہے۔ الاعلیٰ ۸۷: ۹

گڈریئے اگر تیار ہو جائیں تو بھیڑوں کو خود جمع کر لیں گے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عوام کو بھیڑ سے مشابہت دی ہے۔ اور اگر گوالے پیدا کر دئے جائیں تو گائیں خود بخود ان کی بانسری (خوش بیانی) پر اکٹھی ہو جائیں گی۔ یعنی ان کے اعلیٰ پروگرام پر عوام مست ہو جائیں گے

جیسے کرشن کو گوالہ بانسری والا اور عوام کو گائے کہا گیا ہے۔

فلسفے سے نتائج اخذ نہ کرنا اور نتیجہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر یقین نہ کرنا حیوانیت کا درجہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عوام فلسفے کو سمجھ کر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ وہ کوئی نتیجہ آنکھوں سے نہ دیکھ لیں یہ درجہ حیوانیت کا ہے کہ گھاس کو سامنے دیکھ کر جانور بھاگ آتا ہے مگر اسے چراگاہ کی طرف ہانکو تو وہ نہیں سمجھ سکتا کہ چراگاہ کی طرف جا رہے ہیں یا بوجھ لادنے کیلئے مگر عقلمند جماعت علت و معلول سے نتیجہ اخذ کر لیتی ہے۔

[1] صاف

آیت نمبر ۱۰۴ ۔ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ٥

معنی : تو تو ان سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا ۔ یہ تو اہل عالم کیلئے ذکر (یاد دہانی) ہے ۔

مطلب : قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین دلایا تھا کہ وہ یہ کام اپنی لیڈری یا سرداری کیلئے نہیں کر رہے ۔ نہ ہی اپنی اولاد کیلئے کر رہے ہیں ۔ کوئی بدلہ بھی نہیں چاہتے ۔ قریش نے یہ باور کر لیا تھا مگر قریش اس پر ناراض تھے اور وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا کام کریں کہ اقتدار ہمیشہ قریش یا عربوں کے ہاتھ میں رہے ۔ وہ اس بات کو برا خیال کرتے تھے کہ ایک غلام ایک دن مسلمان ہوا تو وہ ہر درجہ میں قریش کے برابر ہو جاتا ۔ گویا قریش اس سے چڑ جاتے تھے کہ یہ تحریک معقول نہیں کہ دوسری قومیں بھی قریش کے قریب ہونے لگیں تو قریش کا اقتدار جاتا رہیگا ۔

مفاد پرست طبقہ ہمیشہ قومی اور بین الاقوامی تحریک میں مزاحمت کرتا ہے کیونکہ اس پروگرام کے عملی نفاذ سے ان کی مفاد پرستی مذہب پرستی اور لیڈری ختم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے ۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین دلایا تھا کہ یہ پروگرام ایسا ہے کہ جو شخص بھی اسکو پکڑیگا یا جو قوم اسکو پکڑے گی وہ کامیابی پر گامزن ہو جائیگی ۔ اسمیں سعادت قریش ۔ سعادت اہل بیت یا سعادت عرب کی کوئی گنجائش ہرگز نہ رکھی گئی تھی ۔ جو سب سے پہلے تحریک میں شامل ہو جاتا اسکو ہی بڑا درجہ ملتا ۔ جس سے کہ قریش بدکتے تھے ۔

اسلامی تعلیمات کی افادیت یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے سعادت حاصل ہوتی ہے ۔ حسب نسب یا قومی سعادت کی کوئی گنجائش نہیں ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سب جانتے ہیں کہ تو تو کوئی بدلہ نہیں چاہتا یعنی نہ اپنی سرداری نہ اولاد کی سرداری نہ قوم و ملک کی سرداری بلکہ اقوام عالم کو ایک دعوت ہے ۔ جس سے دنیا کی سب قومیں جمع ہو کر ایک مکمل نظام قائم کر سکیں ۔ یہ وہی تحریک ہے جسکی اقوام عالم کو اشد ضرورت ہے ۔ یہ تحریک پہلے درجہ پر قومی ہے اور دوسرے درجے پر بین الاقوامی ہے ۔ یہ اہل عالم کیلئے یاد دہانی ہے یعنی جو بھی ٹھنڈے دل و دماغ سے اس تحریک پر غور کریگا وہ اس کو قبول کر لیگا کیونکہ ایسا پروگرام اس سے پہلے اقوام عالم کیلئے کوئی پیش نہیں کر سکا ۔

"اسلام" اقوام عالم کیلئے دعوت ہے کہ دنیا کی سب قومیں جمع ہو کر ایک مکمل نظام قائم کریں ۔ یہ تحریک پہلے درجہ پر قومی اور دوسرے درجہ پر بین الاقوامی ہے ۔

یہ اس تحریک کی ہی خصوصیت ہے کہ غلاموں نے بادشاہیاں کی ہیں ۔ یہ باتیں قریش کو سخت ناگوار تھیں ۔ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کا برا نہیں چاہتے تھے اور وہ فقط اپنی سرداری کیلئے کوشش نہیں کرتے تھے مگر ان کے سامنے اصلاح کا پروگرام تھا جس کیلئے حکومت کی ضرورت تھی جو دوسرے طریقے سے اس وقت نہیں ہو سکتی تھی ۔

اسلام سے بہتر پروگرام اس سے پہلے اقوام عالم کیلئے کوئی پیش نہ کر سکا ۔ یہی وجہ ہے کہ غلاموں نے بادشاہی کی ۔

ا ۔ کو

آیت نمبر ۱۰۵ - وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْھَا وَھُمْ عَنْھَا مُعْرِضُوْنَ ۝

معنی: اور بہت سی نشانیاں ہیں جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں - یہ لوگ ان نشانیوں پر سے گزرتے ہیں پھر بھی ان نشانیوں سے منہ پھیر لیتے ہیں

زمین و آسمان تدبیر الٰہی سے ایک نظام میں جکڑے ہوئے ہیں جو چیز اس نظام سے باہر نکلتی ہے وہ فنا ہو جاتی ہے - اس نظام میں حیوانات و نباتات کا معاشی اور تمدنی نظام قائم ہے -

مطلب: زمین و آسمان تدبیر الٰہی سے ایک نظام میں جکڑے ہوئے ہیں - اس اعلیٰ نظام میں حیوانات - نباتات کا معاشی اور تمدنی نظام قائم ہے - جو چیز اس نظام سے باہر نکلتی ہے قائم نہیں رہ سکتی فنا ہو جاتی ہے - اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے درخت سے دی ہے - اگر درخت کی شاخ ٹوٹ جائے تو اُس کا تعلق درخت سے جُدا ہو جاتا ہے - جس کے سبب سے وہ سوکھ کر گر جاتی ہے اور پھر ایندھن وغیرہ کے کام آتی ہے - اور فنا ہو جاتی ہے -

زمین و آسمان میں موجود تمام موجودات ایک دوسرے سے ایک نظام میں وابستہ ہیں اور ایک دوسرے سے استفادہ حاصل کرتے ہیں جمادات - نباتات اور حیوانات کو بھی اپنی ضروریات ایک دوسرے سے پوری کرنا پڑتی ہیں -

آسمان زمین - اجرام فلکی وغیرہ سب ایک دوسرے سے ایک نظام میں وابستہ ہیں اور ایک دوسرے سے استفادہ حاصل کرتے ہیں - پھر اگر ہر ایک کو جُدا جُدا دیکھا جائے تو زمین پر بھی جو مخلوقات ہے اس کا بھی ایک دوسرے سے بہت ربط ہے اور نظام میں منسلک ہیں - یہاں تک کہ جمادات - نباتات اور حیوانات کو بھی ایک دوسرے سے اپنی ضروریات پوری کرنا پڑتی ہیں اور ایسا نظام مقرر ہے کہ اجرام فلکی کے اثر سے برساتیں ہوتی ہیں - برف پڑتی ہے دریا اور ندیاں چلتی ہیں - اسطرح معاشی مسئلہ حل ہو جاتا ہے

قانون فطرت کے مطابق چلنا ہر ایک جنس کا نوعی تقاضا ہے نوعی تقاضوں کے خلاف چلنے والی جنس فنا ہو جاتی ہے

مطلب یہ ہے کہ ہر ایک چیز اپنے اپنے کام پر مقرر ہے اور اسمیں سر مُو فرق نہیں آتا - وہ جسطرح آج سے ایک لاکھ سال پہلے تھی آج بھی اُسی فطرت پر قائم ہے - ہر ایک اپنے نوعی تقاضے پر قائم ہے - اب جو اپنی جنس کے نوعی تقاضوں کے خلاف کریگا وہ یقیناً خسارے میں رہیگا اور فنا ہو جائیگا

انسان اس عظیم نظام کا ایک پرزہ ہے اور اپنی فطرت پر قائم ہے -

اس بڑے نظام میں سے اگر ہر شے کو جُدا جُدا دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان بھی اس بڑے نظام کا ایک پُرزہ ہے اور انسان بھی اپنی فطرت پر اُسی طرح قائم ہے جسطرح آج سے ایک لاکھ سال پہلے تھا یعنی ویسے ہی پیدا ہوتا ہے ویسے ہی مرتا ہے ویسے ہی ہنستا ہے ویسے ہی روتا ہے اسیطرح شادی اور خوشی میں پیدائش میں خوشی کا اظہار ہوتا ہے - اور موت پر غمی کا - اپنا مال دوسرے

[illegible] قرآن [illegible] ہے [illegible] [illegible] کی کتاب میں [illegible]

ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ انسانی فطرت میں ہے - جس قوم نے اپنے نوعی تقاضوں کے خلاف کام کیا وہ قوم تباہ ہوگئی اور اس پر دوسری قوم غالب آگئی -

کو غصب نہیں کرنے دیتا - ایکدوسرے کی مدد کا جذبہ اس کی فطرت میں ہے - گو ارتقائی منزلیں طے کرکے اس درجہ پر آگیا ہے پھر اگر انسانی تاریخ کو الٹ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم یا ملک نے اپنے نوعی تقاضوں کے خلاف کام کیا وہ قوم یا ملک تباہ ہوگئے اور اس پر دوسری قوم غالب آگئی -

خرابی کی اصل وجوہ سے چشم پوشی تباہی کا پیش خیمہ ہے

عرب بھی اسوقت جانتے تھے اور اپنی آنکھوں سے ان نشانیوں کو دیکھتے تھے جو کہ اگلی بڑی قوموں کی تباہی کا باعث ہوئیں وہی غلطیاں دیدہ دانستہ خود کرتے چلے جاتے تھے اور جان بوجھ کر ان نشانیوں پر غور نہ کرتے اور اُن سے منہ پھیر لیتے تھے -

خطرے اور تباہی سے بچنے کی تدابیر نہ کرنا سنگین غلطی ہے -

وہ جانتے تھے کہ عاد - ثمود اور سبائی عرب قومیں کن وجوہات کی بناء پر تباہ ہوگئیں - پھر وہی عادات قریش میں پائی جاتی تھیں [1] - قریش ان بیماریوں کو جانتے ہوئے بھی اسکا علاج کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے - گویا ان کی حالت ایسی تھی جیسے کبوتر بلی کو دیکھ کر اڑنے کی بجائے آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائے - اس طرح یقیناً وہ اپنے آپ کو خطرے سے نہیں بچاتا - گو آنکھیں بند کرنے سے اُس کو بلی نظر نہیں آتی مگر یہ اُس کی جھوٹی تسلی ہوتی ہے -

قوم اندرونی طور پر متحد ہو تو کسی غیر قوم کو مداخلت کی جرأت نہیں ہو سکتی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے مکہ شریف میں کوہ فاران کے گرد بسنے والی تمام اقوام کو ایک نظام میں منسلک کرلیا اور ایک سوشل حکومت قائم کرلی وہ فوجی حکومت نہ تھی - پھر بھی انہیں اتحاد دیکھ کر کسی نزدیکی بادشاہ کو طاقت نہ ہوتی تھی کہ ان کی آزادی میں مداخلت [2] کرے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام نے بھی مصر جیسے سرسبز ملک میں زبردست فوجی حکومت قائم کی جس کے نتیجے میں بعد میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دمشق اور بابل میں زبردست حکومتیں قائم ہوئیں مگر اسرائیلیوں کی ھوس زر یعنی دولتمندی کیوجہ سے آپسمیں کشیدگیاں بڑھیں اور تباہ حال ہوگئے -

مفاد پرستی اور ھوس زر قوموں کی تباہی کی بنیادی وجوہ رہی ہیں - جنکی وجہ سے عدل و انصاف کے بجائے ظلم و ستم بڑھا - اتحاد ختم ہوا اور بڑی بڑی سلطنتیں تباہ و برباد ہوگئیں -

اسی طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جماعت میں بھی بعد میں وہی خرابیاں پیدا ہوگئیں اور اُمراء طبقہ غرباء پر ظلم کرنے لگا اور تباہی کی طرف جانے لگے - جس دین کا پرچار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کیا تھا کہ جس سے اتفاق و اتحاد پیدا ہوا تھا اس دین کو چھوڑ کر مشرکین کا دین قبول کرلیا -

۱- قریشیوں میں پائے جاتے تھے - ([illegible]) بادشاہی جیسی

۲- دخل کرے -

نفاق کا بُرا انجام۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپسمیں نفاق پیدا ہو گیا اور ہر ایک قبیلے کا جُدا جُدا بُت بن گیا اس پر جُدا جُدا قبیلے اکٹھے ہو گئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا کچھ ملک قیصر کے قبضہ میں چلا گیا اور کچھ کسریٰ کے قبضہ میں چلا گیا اور حبشیوں جیسی قوم نے یمن پر قبضہ کر لیا۔ اُسے آنکھوں سے دیکھتے بھی تھے اور آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ اس بیماری کا علاج نہ کر سکتے تھے۔ اسیطرح ہی غرباء پر ظلم روا رکھتے تھے۔ اگر اتحاد کرنا بھی چاہا تو یہ طریقہ اختیار کیا کہ سب قبیلوں نے اپنے بت لاکر بیت اللہ میں جمع کر دئیے کہ اسطرح ان کا ایک مرکز ہوگا اور وہ اکٹھے ہو جاوینگے مگر وہاں قریش نے جو بیت اللہ کے مجاور تھے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

مخالفت برائے مخالفت کا انجام بد

امیر غریب قانون کے سامنے برابر ہوں تو آزادی قائم رہ سکتی ہے۔

ان سب خرابیوں کو دیکھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدائی پروگرام لے کر آئے۔ اپنی قوم کو سمجھایا اور جھنجھوڑا مگر اُن کی صحیح بات جانتے ہوئے بھی ان کی مخالفت پر تل گئے۔ حالانکہ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین حنیفیہ کو تازہ کرنے کیلئے تشریف لائے ہیں) جس سے کہ بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل پھر سے متحد ہو سکیں۔ مگر اسمیں غرباء کی شرکت دیکھکر (لے الیا پروگرام لیکر) مخالفت پر تل گئے حالانکہ جانتے تھے کہ غرباء کو جب تک برابری کا حق نہ دیا جاوے گا تب تک کوئی قوم آزاد رہ ہی نہیں سکتی۔

احساس ختم ہو جائے تو افراد واقوام اپنے مفادت سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں اور تباہی کیطرف چلے جاتے ہیں۔

یہ دیکھ رہے تھے کہ دوسری قومیں برابر بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ مگر پھر بھی آنکھیں بند کرکے بیٹھے ہوئے تھے چند لوگوں کے علاوہ کسی کو یہ احساس ہی نہ تھا کہ کیا کریں۔ اور تاریخ سے معلوم ہے کہ جس نقطۂ توحید کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے ہیں "وہ" سب قوموں کا محور بن سکتا ہے مگر پھر بھی جان بوجھ کر مخالفت کرتے ہیں۔

سعادت مند قومیں دوسروں کی عروج و زوال سے عبرت حاصل کرکے اپنی فلاح کا راستہ تلاش کر لیتی ہیں

سعادت مند قومیں وہی ہوتی ہیں جو دوسری قوموں کے عروج و زوال دیکھکر نصیحت حاصل کریں اور اپنی فلاح کا راستہ پیدا کر لیں مگر حیف جو یہ سمجھانے کے باوجود بھی خیال نہ کرتے تھے

ا تاریخ کو جانتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۶ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ۝

شرک سے پہنچنے والے نقصانات میں ایک نقصان یہ ہے کہ غور و فکر کا مادہ فنا ہو جاتا ہے

معنی :- انمیں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور شرک بھی کیا کرتے ہیں۔

مطلب :- زمین و آسمان میں اسقدر واقعات گزرے ہیں اور روزمرہ حادثات کا شاہدہ بھی کرتے ہیں مگر نہ ان سے متنبہ ہوتے ہیں اور نہ اُنپر غور کرتے ہیں - اسکا سبب یہ ہے کہ شرک ان لوگوں (کے دلوں) میں گھر کر گیا ہے۔ شرک کی عادت کے سبب سے انمیں غور و فکر کا مادہ ہی فنا ہو گیا ہے۔ یہ جانتے ہیں اور اس بران کا یقین ہے کہ جو حادثات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ سب اللہ کے حکم سے ہوتے ہیں - مگر خیال کر بیٹھے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کے بتوں یا قبروں کی برکت سے ہم پر یہ حادثات نہیں آئیں گے یا ٹل جائیں گے گویا ایسے کند ذہن ہو چکے ہیں کہ علت و معلول پر غور نہیں کرتے اور نہیں سمجھتے کہ جب بھی یہ علت پیدا ہوگی تو خدائی قانون سے اس قسم کا حادثہ پیش آویگا - اسلئے اپنی حالت بدلنا نہایت ضروری ہے مگر بزرگوں کی دعا و برکت حاصل کرنے پر سارا زور دیتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں دوسرا قانون بھی سمجھتے ہیں۔

"تدبیر" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ علت و معلول کا سلسلہ معلوم کر کے اس پر عمل کیا جائے

تدبیر :- یہ کائنات علت و معلول کے سلسلہ میں جکڑی ہوئی ہے۔ علت و معلول کے سلسلہ کا معلوم کرنا اور اس پر عمل کرنا "تدبیر" کہلاتی ہے مگر انبیاء کی تعلیم یہ ہے کہ موثر فقط اللہ تعالیٰ **کی ذات ہے** مگر سنت اللہ اسطرح (جاری ہے) کہ اسباب پیدا کرنا ہمارے لئے ضروری ہے اور ان اسباب کو ترک کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور مُدبر فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ جن لوگوں نے اپنا اعتماد غیر اللہ پر رکھکر صحیح اسباب چھوڑے - یہ شرک ہے - اگر کسی جماعت نے اپنا سیاسی مسلک اور سیاسی تدبیر اسلئے چھوڑدی کہ اُسکا اعتماد کسی بادشاہ پر یا کسی سرمایہ دار پر ہو گیا - یہ بھی شرک میں داخل ہے۔

"شرک" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ غیر اللہ پر اعتماد اور بھروسہ رکھکر صحیح اسباب چھوڑ دیئے جائیں

قرآن حکیم میں سورتہائی مکیہ میں دیکھو گے کہ وہاں بتوں پر اعتماد رکھنے والوں کو شرک کہا گیا ہے اور عملی کام مدینہ منورہ میں شروع ہوا۔

مشرکانہ خیالات نے ذہن سے غور و فکر کا مادہ ہی نکال دیا ہے

استحکام ملی کے لئے ضروری چیزیں

مثلاً ملک اور قوم کے تحفظ کی خاطر جنگی قوت پیدا کرنا - فوجی نظام پیدا کرنا اور ایک وحدت کے نظریئے پر قائم ہونا بہت ضروری ہے۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہوگی غیر قوم کے مقابلے میں شکست کھانے کا امکان باقی رہتا ہے -

"تدبیر کے بجائے مناجات" کا طریقہ اپنانے کا نتیجہ
حُریت غلامی سے بدل جاتی ہے

مگر اس کے بجائے اگر مسجدوں۔ گرجاؤں یا مندروں میں۔ جمع ہو کر فقط دعا ہی میں مشغول رہے اور سمجھے کہ دشمن میں خود بخود کوئی بیماری پڑ جائیگی تو یہ بھی احمقانہ خیال ہے۔ اگر یہ خیال کر لیں کہ اگر دوسری قوم آ بھی جائیگی تو بھی ہم نماز روزہ قائم رکھ سکتے ہیں۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ دوسری قومیں۔ عادات تمدن اور کلچر سب کچھ بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ چاہے وہ مذہبی فرائض سے منع نہ بھی کریں تو بھی نسلیں خود بخود دین سے بیگانہ ہوتی چلی جاتی ہیں اور صحیح فکر قائم نہیں رہتا۔ پھر اپنے بزرگوں کی کتابیں اور تاریخ پڑھکر خوش ہوتے ہیں کہ "پدرم سلطان بود"۔ بس اسی پر خوش رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کی زندگی غلاموں کی زندگی سے بدتر ہوتی ہے۔ اصل نظریہ سے بالکل ہٹ جاتے ہیں اور انہیں حریت قائم نہیں رہتی۔

برصغیر پر انگریز دورِ حکومت کے اثرات۔

جیسے انگریز فقط $\frac{1}{2}$ اسو سال کیلئے آئے اور چلے گئے مگر پھر بھی قوم کا نظریہ ہی بدل چکا ہے اور وہ بات قوم میں باقی نہیں رہی کہ جس پر قوم کی بقا تھی۔ حالانکہ قرآن شریف حدیثیں اور فقہ کی ساری کتابیں پڑھ ڈالتے ہیں مگر انہیں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ قرآن شریف تو دنیا میں انقلاب کی دعوت دیتا ہے۔ اس بات سے بالکل بیگانہ نظر آتے ہیں حتیٰ کہ انہیں اپنی غلامی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ کیسی قابلِ رحم حالت ہے۔ یہ سب کچھ اسی سبب سے تھا کہ اللہ تعالےٰ کو مانتے تو تھے مگر بزرگوں پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ شرک کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور ان کی تعلیم پر غور نہ کرتے بلکہ ان کی قبروں کو پکڑے ہوئے تھے۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ غلامی کی ذلت میں گر گئے۔

ایمان و عبادت الٰہی کے ساتھ ساتھ بھی شرک شامل ہو جائے تو انسان سے غور و فکر کی صلاحیت ختم کر دیتا ہے

گویا یہ آیت ایک "رمز" اور ایک بڑا گُر ہے کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کو بھی مانتی ہے۔ اُسکی عبادت بھی کرتی ہے مگر اس کے ساتھ اپنے بزرگوں پر اتنا اعتماد ہے کہ وہ شرک کی حد تک پہنچا ہوا ہو تو انہیں غور و فکر کا مادہ ہی فنا ہو جاتا ہے اور غور و فکر کی صلاحیت ہی نہیں رہتی اسواسطے سب سے پہلے شرک کو ختم کرنا قوم کی فلاح کی پہلی کڑی ہے۔ تباہی سے بچنے کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

"ایمان باللہ" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ قانونِ الٰہی پر فطری تقاضوں کے مطابق چلے اور قومی تقاضوں کو پورا کرے۔

اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھے اور قانونِ الٰہی پر فطری تقاضوں کے مطابق چلے اور قومی تقاضوں کو پورا کرے یہ ایمان باللہ ہے۔

جس قوم کا ایمان اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اسکے رسول پر ہے۔ اسکی کتاب پڑھتے ہیں اور رسم و رواج پر قائم ہیں یعنی نماز روزہ کے بھی پابند ہیں مگر فطری قانون اور نوعی تقاضوں کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی اُن پر غور کرتے ہیں تو یقین جانو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سمجھا ہی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر غور ہی نہیں کیا۔ جو دنیا کے اسباب پر غور نہیں کرتا وہ مشرک ہے یہ آیت کا مطلب ہے۔ اسپر جتنا بھی ہو سکے زیادہ دھیان دینا چاہیئے یہ بڑے بلند پایہ کی آیت ہے کہ جس پر قوم کی فنا و بقا کا مدار ہے۔

فطری اور نوعی تقاضوں کو نہ سمجھنے والی قوم گویا اللہ اور اسکے رسول کے احکامات سمجھنے سے عاری ہے

مشرک کا ایک مفہوم:
جو اسباب دنیا ترک کر دے۔

مثال کے طور پر ایک آدمی بادشاہ کا خیر خواہ ہے اسکی تعریف بھی کرتا ہے رات دن اسکے لیئے دعائیں کرتا ہے مگر جب اُسے فوج میں بھرتی ہونے کیلئے کہا جاتا ہے یا ہتھیار اٹھانے کیلئے کہا جاتا ہے تو وہ اُسے غیر ضروری خیال کرتا ہے تو وہ آدمی خیر خواہ خیال نہیں کیا جاویگا۔ اس ساری سورت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی تدبیروں سے بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی تدبیریں بھی نہایت ضروری ہیں۔

مشرکوں کی عادت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی لاتے ہیں مگر غلطیاں اور بے پرواہی بھی کرتے رہتے ہیں کیونکہ انکا خیال ہوتا ہے کہ چونکہ ہم فلاں بزرگ ... یا نبی کو مانتے ہیں اسلیئے وہ ہماری شفاعت کریگا۔ اس خام خیالی کیوجہ سے وہ قومیں تباہ ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ محکوم رہتی ہیں۔

منافق کا صحیح معنی تو یہ ہے کہ جو آدمی یہ جانے کہ یہ کام مجھے نہیں کرنا اگر کرونگا تو قصوروار ہونگا اور یہ کام مجھے کرنا ہے اگر نہ کرونگا تو قصور وار ہونگا اسکے باوجود بھی وہ یہ کام کرے یا نہ کرے تو وہ "منافق" ہے جسکے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہو ہی نہیں سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی ہرگز شفاعت نہ کریں گے۔

"منافق" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جو آدمی جانتے ہوئے امر واقعہ کے خلاف کام کرے وہ منافق ہے جس کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نہیں ہو سکتی۔

مثال:۔ ایک فوجی سپاہی ہے جو کہ بادشاہ کا نہایت خیر خواہ ہے۔ فوجی قواعد سے بھی واقف ہے اُسے بادشاہ نے ہتھیار بھی دے رکھے ہیں مگر جب وقت آتا ہے تو وہ ہتھیار استعمال نہیں کرتا تو یقین جانو کہ وہ بادشاہی کی تباہی کا باعث ہے۔ اس کو گولی سے اُڑا دیا جائیگا۔ اُسکی زبانی خیر خواہی یا پریڈ کو نہ دیکھا جائیگا۔ ایسا سولجر مشرک ہے خیالی طور پر بادشاہ کا خیر خواہ ہے اور عملی طور

توکل کا مفہوم ۔ تمام کئے بغیر بہتر نتائج کی توقع رکھنا۔

بادشاہ کا خیر خواہ نہیں۔ کیونکہ اس کیلئے اُس نے ہتھیار استعمال نہیں کئے حالانکہ اُس کے پاس بادشاہ کے دیئے ہوئے ہتھیار موجود تھے اور وہ اُن کے استعمال سے بھی واقف تھا۔

قریش بھی اسی طرح خیال کر بیٹھے تھے کہ جب بیت اللہ پر حملہ ہوا تو ابابیلوں کی مدد سے یہ حملہ ٹل گیا تو وہ کہتے تھے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کریگا۔ ہمیں اب کوئی ضرورت نہیں وہی بیت اللہ کا محافظ ہے۔ انکی مثال اوپر دی گئی سولجر جیسی ہو چکی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ قیصر و کسریٰ کا خطرہ دیکھتے ہوئے بھی ٹس سے مس نہ ہوتے تھے۔ اس موہوم خیال میں گم رہتے اور خوش گپیاں اُڑاتے رہتے تھے۔

آیت نمبر ۱۰۷ :- أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

معنیٰ ۔ کیا وہ اللہ کے عذاب سے جو اُن پر چھا جانے والا ہے۔ نڈر ہوگئے ہیں یا انکو ڈر نہیں رہا کہ ان پر انقلاب کی گھڑی ناگہانی آجائے۔ جبکہ انہیں اسی کا وہم و گمان بھی نہ ہو۔

فاتح قومیں ہمیشہ اپنی تہذیب و ثقافت کو رائج کرتی ہیں اور مفتوح قوموں کا تہذیب و تمدن فنا ہو جاتا ہے

مطلب :-
جب یہ دیکھ رہے ہیں کہ قیصر و کسریٰ دن بدن بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور وہ وقت دور نہیں کہ وہ انکے مرکز پر بھی قبضہ کرلیں۔ یہ ایک بڑا خدائی عذاب ہے۔ ان کی تہذیب و تمدن اُبھر جائیگا اور قریش کا تہذیب و تمدن فنا ہو جائیگا حالانکہ یہ تہذیب و تمدن اُن سے بدرجہا بہتر ہے۔ لیکن اسمیں جزوی طور پر شامل ہونے والی خرابیاں نکال دی جائیں تو انکا تمدن سب سے اچھا اور دنیا میں اعلیٰ تمدن ہے مگر مغلوبی کی حالت میں یہ کچھ نہ کرسکیں گے۔ اگر ترقی بھی کریں گے تو غالب قوم کی ذہنیت پر کرینگے یعنی اپنا سب کچھ فنا کر چکیں گے۔ کیا اس دن سے اُن کو ڈر نہیں آتا کیا یہ اتنے غافل ہو چلے ہیں۔

بسبب نفاق عرب قوم کی تقسیم تین فرقوں میں ہوگئی

عرب قوم آپس میں نفاق کے باعث تین فرقوں میں تقسیم ہو چکی تھی :۔

۱۔ حنفاء ۔

۱۔ پہلا فرقہ وہ تھا جو دین حنیفیہ پر قائم تھا۔ ان کو حنفاء کہتے ہیں۔ عبدالمطلب یا ابوطالب حنفاء کہلاتے تھے۔ مگر صدیوں کے انقلابات کی وجہ سے جو زبانی روایتیں انکے پاس تھیں یا جو تورات یا انجیل سے اچھی

باتیں ان کی سمجھ میں آتی تھیں انپر عمل کرتے اور ان رسموں کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ
بنی اسمٰعیل میں سے ایک بڑا بلند مرتبہ نبی پیدا ہوگا جو کہ دنیا میں سے خرابیاں دور کرکے قوم کو بلند درجہ
پرلے جائیگا اور دین دنیا میں چھا جائیگا۔ اس واسطے قیصر و کسریٰ کی ترقی کو دیکھکر اس سے خائف
ہو کر رات دن اندرونی تیاری میں بھی مشغول تھے اور بیت اللہ کے غلاف کو پکڑ کر روتے تھے اور
نبی کے پیدا ہونے کیلئے دعائیں کرتے تھے۔ یہ فرقہ سمجھدار تھا اور اس فرقے کے طفیل ہی اسلام
نے زور پکڑا اور ایسے ہی لوگ تھے جو پہلے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ مگر اس فرقے کے لوگوں کو
صحیح راستہ نظر نہ آتا تھا۔ اسواسطے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ سب فرقوں کے بزرگوں کے بتوں
کو انہوں نے بیت اللہ میں جمع کرکے عرب کے (.....) (بہت) سے قبائل انپر جمع کرلئے تھے۔
ابوجہل۔ عبدالمطلب۔ امیہ بن خلف۔ عتبہ بن ربیعہ۔ یہ سب اس فرقے کے لیڈر تھے۔ مگر
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز بیت اللہ میں پڑھتے ہیں تو بھی رُخ بیت المقدس
کی طرف کرتے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات قرآن شریف میں بیان
کرتے ہیں۔ اس سے وہ چڑ جاتے تھے کہ آپ بنی اسرائیل کی تعریف کرتے ہیں۔ انکی مخالفت کی یہی وجہ تھی

نصرانی: II۔ دوسرا فرقہ

عربوں کا دوسرا فرقہ وہ تھا جو کہ نصرانی ہو چکے تھے جیسے کہ حاتم طائی۔ امیہ بن صلت اور طائف
اور نجد کے بہت سے قبیلے نصرانی ہو چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عرب کو قیصر کی سلطنت سے ملحق کرکے عرب
کی تجارت کو آزاد رکھا جائے اور ملک میں جو بدامنی پھیل چکی ہے کہ تجارت نہیں کر سکتے اس سے بچ جائیں گے مگر
پھر یہ سوچ کر کہ ہم آزاد نہ رہ سکیں گے۔ اسباب سے پرہیز کرتے تھے مگر یہ طبقہ آہستہ آہستہ ترقی کرتا
چلا جا رہا تھا۔

III تیسرا فرقہ

تیسرا فرقہ بحرین۔ مسقط اور عراق کے قرب و نواح کے علاقوں کے رہنے والے لوگ تھے یہ چاہتے تھے
کہ ملک کو کسریٰ کی حکومت سے ملحق کیا جائے اور اندرونی بندوبست بھی اُس کے حوالے کیا جائے، اُسے حاکم
تسلیم کرکے اس کی رعایا بنکر چین سے رہا جائے۔ اس فرقہ کی رائے مغلوب تھی کیونکہ یہ علاقے مغلوب ہو چکے تھے

اسمانی سے زیادہ

اسواسطے ان کی رائے کی اندرونِ عرب کوئی وقعت نہ تھی ۔ مگر یہ سازبازوں میں لگے رہتے تھے اور یمن کا
ایک ٹکڑا کسریٰ نے تابع (بنا لیا) کروا بھی چلے تھے ۔

قیصر و کسریٰ کی ہلاکت کی بشارت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذہب حنیفیہ کو تازہ کرنے کیلئے آئے تھے اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ
کہ میں جو یہ پروگرام لایا ہوں ۔ اس سے سارا ملک عرب تو متحد ہو جائیگا مگر قیصر و کسریٰ بھی تابع
ہو جائیں گے اور تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بت شکن تسلیم کرتے ہوئے بھی بت پرستی میں گرفتار ہو
یہ باتیں چھوڑ دو ۔

تبلیغ نبوی کا حنفاء پر اثر ۔

اس سے سمجھدار حنفاء فرقے کے لوگ اس پر جمع ہونا شروع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرز حکومت پر اتحاد اور انتظام[1] کرنا چاہتے تھے ۔ جس سے جماعت اندرونی طور روز بروز ترقی کر رہی تھی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا اثر عرب کے اندرونی علاقوں میں دور دراز تک پہنچ چکا تھا
اور کافی قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے[2] تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام
حضرت یوسف علیہ السلام ۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہیوں کی جھلک
دکھائی تھی کہ ایسی (ہی) بادشاہیاں تمہاری قائم ہونگی ۔ اسواسطے دن بدن عرب انکے نزدیک
ہوتے چلے جا رہے تھے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت ۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت تھی کہ تمہاری اولاد میں سے یہ ترقی کرینگے ۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھا رہے تھے کہ چونکہ بنی اسمٰعیل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں
اسواسطے اُسی طرز پر بنی اسمٰعیل بھی ویسے ہی اسرائیلیوں کیطرح ترقی کر کے آگے بڑھ چکے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نصرانی فرقہ ایوبی کا پروپیگنڈہ ۔

نصرانی جماعت کا ایوبی فرقہ جو کہ یمن شام اور نجد میں آباد تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کو ابن اللہ نہیں مانتے تھے بلکہ رسول خدا تسلیم کرتے تھے ۔ انہوں نے بھی آہستہ آہستہ اندرونی طور پر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا ۔ کیونکہ ایوبی فرقہ دوسرے نصرانیوں
سے مغلوب تھا ۔ اسواسطے کھلے بندوں ایسا نہ کر سکتے تھے ۔
اسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش کی جماعت مضبوط ہو چکی تھی اور دن بدن اس کی
مقبولیت[3] بڑھتی جا رہی تھی (...) حتیٰ کہ اس چشمۂ فیض کا ظہور مدینہ منورہ میں (...)[1] ہو گیا

۱ ۔ بندوبست (...) ۱ نمودار ۔
۲ ۔ ہو چکے تھے
۳ ۔ قبولیت

اب اس آیت کی شرح شروع ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری غفلت کے سبب اکثر ملک عرب کے ٹکڑے جو کہ قیصر وکسریٰ کے زیر اثر[1] آچکے ہیں اور ان کا مذہب قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب باقی حجاز۔ نجد اور تہامہ باقی بچے ہیں جو اس دستبرد سے بچے ہیں مگر قیصر وکسریٰ روز بروز آگے بڑھ رہے ہیں اور اپنی خفیہ جماعتوں کی بدولت اپنا رنگ چڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر ان کا قبضہ تمہارے ملک پر ہو گیا تو یہ تمہارے لئے عذاب الٰہی ہوگا۔ پھر تمہاری ترقی کے راستے مسدود ہو جائینگے۔ جس زبان اور تمدن پر تمہیں ناز ہے وہ سب فنا ہو جائیگا اور تمہاری قومیت اور فوقیت فنا ہو جائیگی اور تم ختم ہو جاؤ گے۔ پھر تم امن سے نہ بیٹھ سکوگے بلکہ غلامانہ زندگی بسر کروگے۔ اسواسطے اس گھڑی سے ڈرو اور بچنے کی کوشش کرو ورنہ عذاب الٰہی تلا ہے۔ اسواسطے تمہاری نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک میں شامل ہو جاؤ اور اس پر عمل کرو۔

اگر غیر قوم کا عذاب تم پر نہ آیا تو ہماری جماعت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت) جو ترقی کر رہی ہے وہ تم پر غالب آ جائیگی۔ اس انقلاب کی گھڑی سے بہتر تمہیں اسمیں شامل ہونا چاہیے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت کا اندازہ ابھی بالکل نہیں کر سکتے حالانکہ یہ جماعت تو قیصر وکسریٰ کو ختم کر دیگی۔ تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ تم مشرک ہو جس سے تم میں سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت فنا ہو چکی ہے کہ تمہاری موہوم امیدیں تمہارے بزرگوں سے وابستہ ہیں۔ اور انقلاب کی گھڑی تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے اور یہ انقلاب وہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ مگر تم اس انقلاب سے جان بوجھ کر آنکھیں بند کیے بیٹھے ہو اور انکار کر رہے ہو۔

جیسے مصر میں اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا پروگرام رائج ہو گیا اور ان کی بے خبری سے میں یہ پروگرام حضرت یوسف علیہ السلام کے وسیلے سے تمام مصر کی سلطنت پر چھا گیا۔ اسطرح تم پر اچانک انقلاب چھا جائیگا۔

۱۔ زیر نظر

آیت نمبر ۱۰۸ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

معنی :- کہدے یہی میری راہ ہے ۔ میں اور میرے ساتھی بلاتے ہیں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر اللہ پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں میں سے نہیں ہوں ۔

مطلب :- اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی جماعت سے کہا جاتا ہے کہ کہدو کہ میرا راستہ بھی وہی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کا تھا ۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام کو تدبیر الٰہی سے بغیر محنت اسباب الٰہی سے موقع نصیب ہوا اور ترقی کرتے گئے یعنی کنوئیں میں پڑنا مصر میں پہنچنا ۔ جیل میں جانا ۔ نکل کر عزت و آبرو سے حاکم ہونا اور بھائیوں کا ملنا ۔ سب قدرتی اسباب تھے ۔ مگر میں اور میری جماعت اللہ تعالیٰ کے اشاروں کو سمجھ بوجھ کر نہایت غور و فکر سے

حضرت یوسف علیہ السلام کیلئے اسباب الٰہی یہ تھے ۔
۱ ۔ مصر میں پہنچنا ۔
۲ ۔ جیل میں جانا
۳ ۔ عزت سے بری ہو کر حاکم ہونا
۴ ۔ بھائیوں کا ملنا ۔

ان پر عمل کرتے ہوئے ایسی عملی تدبیریں (اختیار) کرینگے ۔ جس سے یہ پروگرام اس سے بھی اعلیٰ اور پائیدار ہو گا یعنی غار میں چھپنا ۔ بائیکاٹ پر تکلیفیں برداشت کرنا ۔ ہجرت کرنا ۔ بیت اللہ کو فتح کر کے قریش کو بزور شمشیر اپنے ساتھ ملانا ۔ گو ان سب میں اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور شامل) تھی مگر اسمیں اللہ تعالیٰ کے فعل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کی تدبیریں بھی شامل تھیں ۔ اعلیٰ سمجھ اور عقلمندی سے کام کیا ۔ اسباب اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے مگر اسکو استعمال کرنا ہمارا کام ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے بھی اسباب الٰہی چار تھے ۔
۱ ۔ غار میں چھپنا
۲ ۔ بائیکاٹ پر تکلیفیں
۳ ۔ ہجرت کرنا
۴ ۔ بیت اللہ فتح کرنا ، اور قریش کا مطیع ہو جانا ۔

آدمیوں کی عقل کو اندھا کرنے والی چیز شرک اور اندھی تقلید ہے ۔ سو ہم نہ مشرک ہیں اور نہ ہی مقلد ہیں کہ بغیر سوچے سمجھے کسی کی باتوں پر چلتے جائیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی جماعت (جماعت میں قیامت تک آنے والے سمجھدار لوگ شامل ہیں) سوائے اللہ کے کسی پر بھروسہ نہیں کرتے ۔ ایسا ہرگز نہ کہیں گے کہ ہمارے بزرگوں کی برکت سے خود بخود عذاب ٹل جائیگا بلکہ خود ہمت سے خدا پر توکل کرتے ہوئے سمجھ بوجھ کر کام کرتے ہیں ۔ اور نہ ہی ایسے مقلد ہیں کہ بغیر سوچے سمجھے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے جائیں ۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بیچ کے لوگ اسمیں بہت سی خرابیاں شامل کر دیتے ہیں ۔ اسواسطے ہم سوچ سمجھکر نہایت مدبرانہ طریقہ سے ہمت و استقلال سے صحیح راستہ کو سمجھ کر آگے بڑھتے جائیں گے اور فقط اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھینگے اور کسی کو بیچ میں لانے والے نہیں

اس کام ہم بھی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ کامیابی ہماری ہی ہے۔ بالکل غیر مقلد بن کر۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے پروگرام کو تکمیل کے درجہ پر پہنچایا تو ہم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پروگرام کو عالمگیر بنائیں گے۔ میں اور میری جماعت بڑی بصیرت اور عقل مندی سے اس کام کو چلا رہے ہیں اور اپنی تمام کوششیں اس پر صرف کر رہے ہیں ہمیں اپنی کامیابی کا راستہ صاف نظر آرہا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک تو ہمارا پروگرام انسانی سوسائٹی کے لئے مفید ہے اور اقوام عالم اسی کو پسند کر رہی ہیں اور دوسرا ہمارا پروگرام ایسا ہے کہ توحید الٰہی کے ساتھ ساتھ عدالت اور مساوات کا اسمیں اعلیٰ درجہ کی ہے۔ جو انسان کیلئے بہت سود مند ہے۔ تیسرا یہ اسی کے چلانے والے اسی کو بڑی بصیرت اور عقل مندی سے چلا رہے ہیں۔ میری جماعت میں بڑی بصیرت ہے۔ میرے بعد یہ جماعت اسکو عالمگیر بنائے گی

توحید عدالت مساوات پر مبنی انسانی سوسائٹی کیلئے سود مند پروگرام ہمیشہ ترقی کرتا ہے بشرطیکہ اس کے چلانے والے عقل مندی اور بصیرت سے کام کریں

عقلمند انسان جب اپنی خودی کو پہچان لیتا ہے تو اُسے اپنا مددگار اللہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر وہ جو کام کرتا ہے۔ اپنی بصیرت اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسباب کو جمع کر کے اللہ پر بھروسہ کر کے آگے قدم اٹھاتا ہے تو کامیابی اُس کے قدم چومتی ہے۔ یہ کامیابی کا راز ہے۔

کامیابی کا راز یہ ہے کہ انسان اپنی بصیرت اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسباب کو جمع کر کے اللہ کے بھروسے پہ کام شروع کرے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی اکثر کامیابیاں قدرتی اسباب سے پوری حاصل ہو گئی تھیں اور ان کے جانشینوں میں اتنی بصیرت نہ تھی کہ اپنی جدوجہد سے اس کو سنبھال سکیں۔ اسلئے تھوڑے عرصہ کے بعد پھر وہی خرابیاں عود کر آئیں۔ جنہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے (مصری تہذیب) سے نکال دیا تھا یہاں تک کہ اسرائیلی قوم کو مصری لوگوں نے اپنا غلام بنا دیا اور پستی اور نکبت کی غار میں دھکیل دیا اللہ تعالیٰ قدوس اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ ان قریش اور عرب کو سمجھا دو کہ میری جماعت میں بصیرت ہے۔ میں اور میرے اتباع بڑی اولوالعزم بصیرت والے ہیں۔ میرے بعد بھی میری یہ جماعت اپنی اولوالعزمی اور بصیرت سے کام کرتی رہیگی۔

عقل و بصیرت سے عاری قومیں اپنے بزرگوں اور اسلاف کے ورثے کو سنبھال نہیں سکتیں اور پستی اور نکبت کے غار میں چلی جاتی ہیں اور ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔

عقل اور بصیرت کا دشمن شرک ہے میری تعلیم اور پروگرام میں شرک کی بو بھی نہیں تو میرے اتباع ہمیشہ آگے بڑھتے رہیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جانشین اندھی تقلید کرنے والوں میں سے تھے اور بصیرت والے نہ تھے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت کا بادشاہ مصر

عقل اور بصیرت کا دشمن شرک ہے

سے عرفان نفس کا مفہوم قرآن سے بہتر [illegible] نہیں ہوتا۔

فرعون انتہایت ہی عقلمند اور نیک آدمی تھا۔ جسکی برائے نام ماتحتی میں حضرت یوسف علیہ السلام تھے مگر سارا اقتدار اُن کے ہاتھ میں تھا۔ مگر دوسرے فرعون نے اپنی قوت بازو سے بنی اسرائیل سے سلطنت چھین[1] لی وہ فرعون خود مختار تھا اور اپنی عقل کو زیادہ بہتر سمجھتا تھا۔ وہ وزراء کی صلاح کے مطابق نہ کرتا تھا۔ اس کی مرضی تھی کہ اسرائیل کی قوت کو زائل کر دیں اور ایسی تدبیریں کرنی شروع کر دیں مگر حضرت یوسف علیہ السلام زبردست طاقت پیدا کر کے دے گئے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو انقلاب کر کے بادشاہی کو ختم کر سکتے تھے مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے جانشینوں اور اسرائیلی عالموں نے انقلاب نہ کیا اور اس پر تدبر سے غور نہ کیا اور پورے مقلد رہے۔ اندھی تقلید کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہایت ہی ذلیل ہو گئے حتیٰ کہ اللہ کی رحمت کو جوش آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ذلالت کی یہ حد تھی کہ اپنے سامنے اپنے بیٹے ذبح ہوتے دیکھتے مگر اُف تک نہ کرتے اندر گھس کر بددعائیں کرتے اتنی ہمت نہ ہوتی کہ اتفاق کر کے انقلاب کریں۔ مدت تک وزارت اور حکومت ان کے ہاتھ میں تھی مگر تدبر اور بصیرت نہ ہونیکی وجہ سے ذلیل ہو گئے۔

* تدبر اور بصیرت نہ ہونیکی وجہ سے بنی اسرائیل ذلیل ہوئے اور اپنی آنکھوں کے سامنے بیٹوں کو ذبح ہوتے دیکھکر بھی اُف نہ کرتے بلکہ اندر گھس کر دعائیں کرتے تھے۔

تورات میں آتا ہے کہ دوسرا فرعون تخت نشین ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی نہ جانتا تھا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پروگرام کے خلاف تھا

جب تک مسلمانوں میں شرک نہیں آیا تھا تو وہ ترقی کرتے گئے مگر جب مسلمانوں کے جس جس رقبے (معلقہ) میں شرک پیدا ہوتا گیا تو انہیں سے اولوالعزمی اور بصیرت جاتی رہی اور جو بڑی بڑی سلطنتیں بنی ہوئی تھیں وہ یکدم ختم ہو گئیں[2] اور دوسروں کے غلام بن گئے۔ اگر اب پھر شرک کو نکال دیویں اور منافقت چھوڑ دیں تو دوبارہ سارے عالم پر غالب ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ قدرتی اسباب کا خیال فطرت کے مطابق کریں۔ اور قومی تقاضوں کو پورا کرنے میں سارا زور صرف کریں۔

مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کیلئے رہنما اصول یہ ہے کہ شرک اور منافقت چھوڑ کر قدرتی اسباب کو فطرت کے مطابق خیال کریں اور قومی تقاضوں کو پورا کریں

آیت نمبر ۱۰۹ = وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيٓ إِلَيْهِمْ مِّنْ أَهْلِ الْقُرٰى ؕ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ؕ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

۱- چھینے
۲- گر پڑیں۔

معنی - تجھ سے پہلے ہم نے بستی کے رہنے والوں ہی میں سے مردوں پر وحی بھیجی تھی - کیا یہ لوگ
ملک میں چلتے پھرتے نہیں کہ دیکھیں کہ ان سے پہلی قومیں قوموں کا انجام کیا ہوا اور آخرت
کا گھر تو تقویٰ والوں کیلئے بہت بہتر ہے - کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے

مطلب : اس آیت کے تین حصے ہیں .

پہلے حصے کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کے دماغ میں جب شرک آجاتا ہے تو اسمیں سے حریت
اور غور وفکر نکل جاتا ہے - اسمیں ذھنی غلامی آجاتی ہے . شرک کا تصور ایک تو اس کے دل میں خدا کی شان
کم کر دیتا ہے اور دوسرے خداشناسی کے رستے سے انسان کو دور پھینک دیتا ہے - پھر انسان کو اپنی ہستی پر
سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے اور اپنی ہستی کو حقیر جاننے لگ جاتا ہے - یہاں تک کہ اپنے جیسی مخلوق بلکہ
انسان سے کمتر ہستیوں مثلاً مٹی کے ڈھیر - قبر - بت - پتھر - بندر - دریا - گھوڑے یا اونٹ کی پرستش
کرنا شروع کر دیتا ہے -

"شرک" انسان سے حریت غور وفکر ختم کر کے ذھنی غلام بنا دیتا ہے - خداشناسی و خودشناسی سے دور ہو کر حقیر ہو جاتا ہے اور انسان سے بھی کمتر چیزوں کی پرستش شروع کر دیتا ہے -

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب مخلوقات کا سردار بنا کر بھیجا ہے - یہ اپنی سرداری کو بھول جاتا ہے
سب سے بڑی بدبختی یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے شرک دور کرنے کیلئے بڑی کوششیں اور ہدایتیں کر کے
انسان ذات کیلئے اعلیٰ کام کئے ہوئے تھے - انکی ہی پرستش کرنا شروع کر دیتے ہیں - انسانی دماغ
میں جب سوچنے کا مادہ ترقی کرتا ہے تو اسمیں فلسفہ اور عقل کی کمالیت کے آثار پائے جاتے ہیں

یہ بڑی بدبختی کی بات ہے کہ جن بزرگوں کی زندگیاں شرک دور کرنے میں صرف ہوئیں انہی کی پرستش شروع ہو گئی -

جب کسی انسان یا قوم کو شرک میں مبتلا دیکھو تو سمجھو کہ اسمیں سے غور وفکر کا مادہ نکل گیا ہے
اور دماغ کمزور ہو گیا ہے - جب دماغ کمزور ہو جاتا ہے تو یقینی طور پر وہ دوسروں کی اندھی تقلید
کرتا ہے - اور تنزل کی طرف رُخ کر لیتا ہے - جب انسانی سوسائٹی میں ایسی خرابی پیدا ہو جاتی ہے
تو وہ رجعت پسند (Reactionary) بن کر خود کو اور انسانی سوسائٹی کو خراب کرنے لگ
جاتے ہیں - جب انسانی جماعت ایسی کمزوریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس جماعت میں
سمجھدار لوگ پیدا کرتا ہے کہ وہ اس جماعت میں سے ایسی کمزوریاں نکال کر انہیں ان سے نجات
دلا دے -

شرک میں مبتلا افراد اور قوم غور وفکر سے عاری ہوتے ہیں اور اندھی تقلید کر کے تنزل کی طرف چلے جاتے ہیں -

سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ جب انسانی سوسائٹی شرک جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس جماعت میں سمجھدار لوگ پیدا کرتا ہے جو انہیں ان سے نجات دلاتا ہے

شرک دفع کرنے کیلئے ہمیشہ انبیاء اور پیغمبر پیدا ہوتے رہتے ہیں - ایسے لوگ ہمیشہ یا تو

انبیاء ومعلمین ہمیشہ سوسائٹی کے مرکز میں پیدا ہوئے ہیں یا سکونت اختیار کی ہے۔

سوسائٹی کے مرکز میں پیدا ہوتے ہیں یا جاکر مرکز میں سکونت اختیار کرتے ہیں کیونکہ مرکز میں سمجھدار اور حلیم طبع انسانوں کی کثرت ہوتی ہے جو ان کی باتوں پر غور کرتے ہیں اور ان کی باتیں سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں۔

بدویانہ زندگی بسر کرنیوالوں کی ذہنی صلاحیت کم ہوتی ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے انبیاء پیدا نہیں فرماتا۔ بصیرت والے عقلمند نبیوں کے پروگرام کو سمجھتے ہیں

بادیہ نشین۔ بدوی یا جنگل اور پہاڑوں میں رہنے والوں میں اتنی باتیں سمجھنے اور غور کرنے کی عقل نہیں ہوتی۔ انکی عقل[1] موٹی ہوتی ہے۔ وہ نازک مسئلوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ نبیوں کو جو کتاب دی جاتی ہے اسکو سمجھنے کیلئے بڑے عقلمندوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسواسطے بدویانہ زندگی بسر کرنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ نبی پیدا نہیں کرتا۔ انبیاء کا پروگرام انقلابی ہوتا ہے۔ مرکز میں اسی پروگرام کو سمجھنے والوں کی کثرت ہوتی ہے۔ عقلمند بصیرت والے لوگ) نبیوں کے پروگرام پر عمل کرکے انقلاب لاتے ہیں۔ نبی انسانوں میں سے مرد ہوتے ہیں۔ نہ فرشتے ہوتے ہیں نہ جن ہوتے ہیں۔ انکی معاشی زندگی بھی ویسی ہوتی ہے جیسے عام انسانوں کی ہوتی ہے۔ تاکہ عام سمجھدار ان کی بات کو سمجھ سکیں اور یہ اعتراض نہ رہے کہ وہ تو فرشتے تھے جو کھاتے پیتے نہ تھے اور ہم انسان ہیں۔ ہم ان کی پیروی کیسے کر سکیں گے کیونکہ ہمیں تو کھانے پینے کی حاجت ہے۔

مشرک جماعت اگر اپنی بات پر اڑی رہے تو اسے الگ کر دینا ضروری ہے تاکہ شرک کے بد اثرات پوری قوم کو متاثر نہ کریں۔ پوری قوم اور ملک کی تباہی۔ عذاب قیامت کے برابر ہے۔

جس جماعت کے دماغ میں شرک کے سبب سے تنزل آگیا ہے اور گرتے چلے جارہے ہیں اگر وہ اپنی بات پر اڑے رہیں اور انبیاء کی بات کو نہ سنیں تو انہیں گندے عضو کیطرح کاٹ کر الگ کر دیتے ہیں تاکہ ساری قوم پر اس کا برا اثر نہ پڑے۔ ساری قوم اور ملک کو برباد کرنا قیامت کے برابر ہے۔ اسے قیامت کا عذاب خیال کرنا چاہیئے۔ ایسی سوسائٹیاں بھی ہو گزری ہیں کہ انہوں نے انبیاء کی اصلاحات کو قبول نہ کیا تو وہ ہمیشہ کیلئے برباد ہوگئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عرب کی مرکزی سوسائٹی میں پیدا ہوئے تھے۔ قریش کو سمجھایا جاتا ہے کہ تم زمین پر چلتے پھرتے ہو اور اپنے دنیاوی کام کاج کیلئے شام اور دوسرے ملکوں میں آتے جاتے ہو کہ جہاں اگلی قوموں کے نشان اور اگلی بادشاہیوں کے کھنڈرات پڑے ملتے ہیں وہ ایسی

---

[1] - طبعیت

یہی قومیں تھیں جنہوں نے انبیاء کے پروگرام کو ٹھکرا دیا ۔ یہی اُن کی تباہی کا باعث بنا ۔ دنیا کی ترقی اور کامیاب زندگی کا ایک ہی راستہ صحیح پروگرام ہے ۔ انہوں نے غلط پروگرام پر کمر باندھ کر انبیاء کی مخالفت کی جو ناقص پروگرام تھا اور ان کی تباہی کا باعث ہوا ۔ ان کی زندگی کا پروگرام دولت اور اقتدار کا حصول تھا جو کہ ایک چھوٹے فرقے کا ورثہ ہو اور عام قوم جاہل ہو اور بے ہمت رہے اور ان کے دست نگر رہے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعیت کمزور رہی اور دوسری قوموں نے ان کو آگھیرا اور وہ تباہ ہو گئے کوئی ان کا پرسانِ حال نہ رہا ۔

دنیاوی ترقی و کامیابی کا ایک ہی راستہ صراطِ مستقیم ہے ۔ انبیاء کے پروگرام کو ٹھکرانے والی قوموں کی تباہی کا سبب ان کا ناقص پروگرام اور انبیاء کی مخالفت تھی ۔

انبیاء نے انہیں سمجھایا کہ رعیت میں عدالت و مساوات سے حکومت کرو ۔ انبیاء کے طریقے والی جماعت نے جب دیکھا کہ وہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں تو انبیاء کی جماعت نے انقلاب کر دیا اور پھر کمزور جماعت برسر اقتدار آ گئی انہیں غرباء طبقہ کو تکلیفوں کا احساس تھا جنہوں نے عدل و انصاف ، مساوات کا قانون جاری کیا اور تباہ ہونے والوں کے پاس صحیح پروگرام نہ تھا اور انبیاء کی جماعت کے پاس صحیح پروگرام تھا ۔ یہی ان کی کامیابی کا باعث ہوا ۔

باطل پرست اگر راہ راست پر نہ آئیں تو حق پرستوں کو چاہیے کہ انہیں ہٹا کر عدل و مساوات کا قانون جاری کریں ۔

قریش ۔ قریش کے طریقے پر چلنے والوں ۔ غرباء پر ظلم کرنے والوں ۔ اقتدار پسندوں اور زر پرستوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ تم کو اتنا بھی عقل نہیں رہا کہ اگلی قوموں کی مثال دیکھ کر ہی سمجھ لو ۔ اگر دنیا میں غلط راستے اور پروگرام پر چلنے سے کامیابی ہوتی ہے تو تم بیشک اسی پر عمل کرتے جاؤ مگر دنیا میں یہ حالت ہے کہ صحیح پروگرام سے کوئی شخص یا قوم ذرا سی بھی سرکی تو آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتی ۔ اسواسطے تمہیں غور کرنا چاہیے کہ دنیا میں کامیابی کا صرف ایک ہی راستہ ہے جو انبیاء علیہم السلام بتاتے ہیں ۔ اور اس بات پر پھر غور کرو کہ جس پروگرام سے دنیا میں کامیابی ہوتی ہے ۔ آخرت کی زندگی میں بھی وہی پروگرام کام آتا ہے ۔

"عقلمند" وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے نہ کہ خود دوسروں کیلئے سامانِ عبرت بنے ۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں پیغمبروں کے پروگرام پر چلنے سے ہی دنیاوی و اخروی زندگی میں آرام و راحت پیدا ہوتی ہے ۔ اور یقین رکھو کہ سیدھے رستے پر چلنے والے لوگوں کیلئے آخرت کا گھر ہے اور وہ انکو ملتا ہے کہ جن میں تقویٰ ہوتا ہے یعنی ایک ہی خدا سے ڈرو اور اسی کو اپنا معبود بناویں اور شرک کو اپنے دل سے باہر پھینک دیں ۔ دوسرے عدالت و مساوات لوگوں میں پیدا کریں اور خود عدالت اور مساوات پر چلیں ۔ اپنی بڑائی اور دوسروں سے بڑا سمجھنا چھوڑ دیں ۔ بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کریں ۔

شرک سے بچنا ۔ خود عدالت و مساوات پر چلنا اور لوگوں میں عدالت و مساوات پیدا کرنا ۔ غرور و تکبر اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرنا انبیاء کی تعلیم ہے ۔

سوسائٹی میں ممنوع کام جن سے سوسائٹی کے بگڑنے کا امکان ہے یا جو نوعی نقصانوں کے خلاف ہے ایسے کاموں کو ترک کر دیں۔ ایسے لوگوں کیلئے دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت میں ان کیلئے بڑے درجات ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ ایسی ہی جماعت تیار کرتے ہیں۔

دوسرا حصہ :-

معاشی اور ارتفاقی نظام

انسانی سوسائٹی میں جو بدرسمیں رائج ہوجاتی ہیں۔ انہیں نکالنے پر انبیاء علیہم السلام کا بہت زور ہوتا ہے

تیسرا حصہ -

گزشتہ قوموں کی تاریخ پر تدبر :- گزشتہ قوموں کے عروج و زوال پر نہایت غور وخوض سے تدبر کرنا چاہیے کہ کن وجوہات کی بنا پر انہوں نے ترقی کی اور کن وجوہات کی بنا پر وہ تنزل کی طرف گرے۔ جیسے قرآن شریف میں عاد۔ ثمود۔ مصری اور دوسری قوموں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ابن خلدون کی غلط رائے کہ انبیاء صرف اقترابات سکھانے آئے اور ارتفاقات سکھانے نہیں آئے

ہم تسلیم کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ ابن خلدون نے تاریخ کے فلسفے کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے مگر جہاں نبوت کا ذکر آیا ہے۔ ابن خلدون سخت غلطی کر گیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اقترابات (اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا۔ قربت حاصل کرنا) یعنی اخلاق سدھارنے کیواسطے آتے ہیں نہ ارتفاقات سکھانے کیلئے۔ یعنی معاشی مسئلہ حل کرنے کیلئے اور حکومت سکھانے کیلئے۔ اسی ایک غلطی سے ساری عرب قوم بہت پیچھے جا پڑی اور ابھی تک سدھرنے کا نام نہیں لیتی۔ ان کی یہ رائے بالکل غلط ہے۔

ہر بڑے بڑے متمدن ممالک میں انبیاء پیدا ہوتے رہے ہیں مگر ابن خلدون نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انبیاء فقط سامی قوموں میں پیدا ہوتے رہے اور صابی قوموں جیسے ایران۔ ہندوستان اور چین وغیرہ میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ یہ ابن خلدون کی غلطی ہے۔ بے شک یہ ثابت ہے کہ انکو سامی زبان میں انبیاء کا خطاب نہیں دیا گیا۔ لیکن ان کی اپنی زبان میں ان انبیاء کو بڑے بڑے اصلاح کنندہ کے خطاب دیئے گئے ہیں جیسے ہندوستان میں مہاتما وغیرہ کا خطاب۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اقترابات اور ارتفاقات دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے کسی ایک کو چھوڑنے سے انسان برباد ہو جاتا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں اقترابات پر بہت زور دیا مگر یہ سب تیاری ارتفاقات کیلئے تھی۔ شروع میں بھی ارتفاقات کو نظر انداز نہیں کیا گیا مگر بعد میں اس رولح پر ارتفاقاتی حکومتیں پیدا کیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقترابات (یعنی اخلاقی مسئلے) سے زیادہ ارتفاقات (معاشی مسئلے) کو مقدم رکھا ہے۔ اور دونوں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ کسی ایک کو چھوڑنے سے انسان برباد ہو جاتا ہے۔

ابن خلدون دنیاوی زندگی کیلئے انبیاء کی تعلیم ضروری نہیں سمجھتے۔ مگر ان کی اس غلطی سے مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا۔

ابن خلدون نے تھوڑی سی غلطی کی ہے اور مسلمانوں کو اس کا بہت زیادہ خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ابن خلدون دنیاوی زندگی کیلئے انبیاء کی تعلیم ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال ہے کہ بہت سے لوگ تمدن میں ترقی کر چکے ہیں اور وہ انبیاء کے طریقہ کے پیروکار نہ تھے۔ اسکی یہ دلیل سراسر غلط ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی متمدن قوم نہیں ملتی جس کی ترقی کا پروگرام کسی نبی کے ساتھ متعلق نہ ہو اور اس کے تنزل کی داستان انبیاء کے پروگرام کے چھوڑنے کا نتیجہ ہے

ابن خلدون کے اس نظریئے کو تسلیم کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی "جامعیت" اور بین الاقوامیت (عالمگیریت) اپنے درجہ پر قائم نہیں رہتی بلکہ وہ ابتدائی درجے پر قرار دی جائیگی جو کہ قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔

اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جو تمام دنیا کیلئے جامعیت اور بین الاقوامیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اُسے اپنے درجے سے گرا کر ابتدائی درجے پر قرار دیا ہے۔ غرض ابن خلدون سے نبوت کے مسئلے کو سمجھنے میں بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں ایک بڑی جماعت ایسی پیدا ہو گئی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے پروگرام پر چلنا صرف اخروی زندگی کیلئے ضروری سمجھتے ہیں اور دنیاوی زندگی کو اپنے تجربے پر منحصر رکھتے ہیں۔ یہ چیز چونکہ قرآن شریف کی تعلیم سے بہت دور ہے۔ اس سبب سے وہ جماعت قرآن کے سمجھنے سے عاجز اور بہت دور ہو گئی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحؒ نے ابن خلدون کے اس نظریئے کو غلط بتایا ہے

مسلمانوں میں ایسے حکیم بکثرت ہو نگے جو اس غلطی کو محسوس کرتے ہو نگے مگر ہمیں انکا علم نہیں کہ وہ کون کونسے حکیم ہیں۔ اس قسم کے ایک حکیم شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ ملتے ہیں جو ابن خلدون کے اس قاعدے کو غلط بتاتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا سارا قصہ یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو دنیاوی ترقی کیلئے مصر لے جاتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کی تعلیم اپنے ساتھ دنیاوی پروگرام بھی اعلیٰ رکھتی ہے۔

آیت نمبر ۱۱۰ حَتّٰٓی اِذَا اسْتَایْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝

معنی ۔
یہاں تک کہ جب رسول نا امید ہونے لگے اور خیال کرنے لگے کہ اُن سے جھوٹ کہا گیا تھا تب پہنچی ان کو ہماری مدد ۔ پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور ہمارا عذاب گنہگار قوم سے نہیں پھرتا (ثلثا)

مطلب: یہاں نبوت کے مسئلے کو حل کیا جاتا ہے ۔ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ نبی سوسائٹی کے مرکز سے کام شروع کرتے ہیں ۔ اسی خیال کے پیش نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بابل سے نا امید ہوئے تو مصر میں آ گئے مگر مصر شہر کے اندر فوراً جا کر کام کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا ۔ کیونکہ انکو ایکدم اپنے خیال پر لانا مشکل تھا اسواسطے وہ مصر شہر سے باہر بیٹھ کر کام کرتے رہے اور اسی تگ و دو میں وفات پا گئے پھر ان کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام بھی وہیں جماعت کو مستحکم کرتے رہے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی ان کی پیروی کی حتّٰی کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں داخل ہو گئے اور کام کو سرانجام کیا ۔

حال اور مقام کا مفہوم اور فرق

سوسائٹی کے مرکز میں اُمراء طبقہ برسر اقتدار ہوتا ہے اسواسطے اُمراء طبقہ انقلاب کی مخالفت بڑے شدومد سے کرتا ہے ۔ اور انبیاء علیہم السلام کے پروگرام کو ناکام[1] کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں مگر انبیاء علیہم السلام کی کے پروگرام کی کامیابی کا فیصلہ ملاءِ اعلیٰ میں ہو چکا ہوتا ہے مگر بعض ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ نبی اور ان کی قلیل جماعت کی کوشش کے باوجود کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوتا پھر نبی جو وقت معین کرتا ہے تو وہ بھی قریب ہو جاتا ہے تو نبی کی جماعت پر یاس اور نا امیدی جیسی حالت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے ۔ جیسے ایک عقلمند آدمی کو سب لوگ دیوانہ اور پاگل پاگل کہنے لگ جائیں تو وہ بھی کبھی غور کرنے لگ جاتا ہے کہ کیا حقیقتاً میں دیوانہ ہی تو نہیں ہو گیا ہوں ایک حال اور دوسرا مقام ہوتا ہے ۔ حال میں کبھی کبھی جھلک نظر آتی ہے ۔ مگر اس میں پختگی نہیں ہوتی مگر مقام وہ ہے جو پختہ ہو جائے اور مستقل طور سے عادت بن جائے ۔ انبیاء پر بھی کبھی کبھی ایسا حال پیدا ہو جانا ممکن ہے ۔

[1] ۱ - ناکامیاب

مگر وہ بات وقتی ہوتی ہے پختہ اور دائمی یاس نہیں ہوتی۔ جیسے بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایسی حالت ہوئی تھی کہ اپنی قلیل جماعت تین سو تیرہ[1] جماعت کو بے پشت و پناہ دیکھکر اور مقابل ایک کثیر فوج مع اعلیٰ جنگی سامان دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ اگر میری جماعت کو اس جنگ میں شکست ہوئی تو آئندہ تیرے نام کو بلند کرنے والی مخلوق انسانوں میں کوئی جماعت پیدا نہ ہوگی یہ ایک یاس کی جھلک تھی۔

انبیاء علیہم السلام کے مقابل جماعت جب تمام اسباب قابو میں لاکر تمام راستے مسدود کرلیتی ہے اور بظاہر کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آتی مگر یہ کیفیت عارضی ہوتی ہے۔

جب ایسی حالت ہوتی ہے کہ مقابل جماعت سب اسباب قابو میں لاکر تمام راستے مسدود کرلیتی ہے اور کامیابی کی کوئی امید انبیاء علیہم السلام کو بظاہر نظر نہیں آتی۔ حتیٰ کہ مشرکوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تک سننے سے بھی منع کردیا ہوا تھا۔ ایسی یاس انگیز حالت میں یثرب سے ایک آدمی ایاس بن معاذ[2] آتا ہے اور سارا مدینہ شریف بہ اسلام ہوجاتا ہے۔ یہ آیت بھی ویسے ہی ہے۔ جیسے قرآن شریف میں دوسری جگہ سورۃ بقرہ میں آتا ہے۔

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ البقرہ ۲: ۲۱۴

معنی۔ جب ان کو تکلیف اور سختی اسقدر پہنچی اور اسقدر جھنجھوڑے گئے تو رسول خدا اور اس کی جماعت کہنے لگی کہ کب اللہ کی مدد آویگی مگر سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

مصلحین جماعت کے یاس کی حالتیں پیدا ہونے کی صورت میں ایمان میں خلل نہیں آتا اور کوشش جاری رکھتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی اچانک مدد آپہنچتی ہے

اسکا مقصد یہ ہے کہ ویسی یاس انگیز حالتیں پیدا ہوجایا کرتی ہیں اور یہ کہ اس سے ایمان میں کوئی خلل نہیں آتا۔ کیونکہ ظاہری اسباب میں جو بات انکو واضح طور پر ناکامی دکھائی دیتی ہے تو سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید ہمیں کامیابی نہ ہو مگر وہ پھر اپنی کوششوں سے منہ نہیں موڑتے اور اسطرح آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ اچانک اللہ تعالیٰ کی مدد انہیں آپہنچتی ہے کہ جسکا انہیں[3] وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

گنہگار قوم پر جب عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے تو ان کی تدبیریں ٹوٹنے لگتی ہیں پھر طاقت نہ انہیں سنبھال سکتی ہے اور نہ عذاب الٰہی سے بچا سکتی ہے۔

جو قوم غالب گنہگار تھی اس پر عذاب نازل ہوگیا۔ وہ دل شکستہ ہوکر شکست پر شکست کھانے لگی۔ ان کی سب تدبیریں ٹوٹنے لگیں۔ جو انہوں نے ناقابل تسخیر تدابیر اختیار کی تھیں وہ مسمار ہونے لگیں پھر کوئی طاقت نہیں تھی کہ انکو سنبھال سکے اور عذاب کو انسے دور کرے۔ مجرم قوم پر عذاب

۱۔ تین سو تیرہ[313]
۲۔ ان کو

آتا ہے اور انپر عذاب کی چکی گھومتی ہے تو ان کو چھڑانے والا کوئی نظر نہیں آتا - انبیاء علیہم السلام کے پروگرام پر چلنے والی جماعت کو کامیابی کا راستہ دکھایا جاتا ہے - اور انہیں اس مجرم قوم سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور آئندہ راستہ صاف ہو جاتا ہے -

انبیاء کے پروگرام غلطیوں سے پاک ہوتے ہیں جبکہ حکیم لوگوں کے پروگرام میں تھوڑی سی غلطی رہ جائے تو آگے چلکر بڑی غلطی ثابت ہوتی ہے اور پروگرام ناکام ہو جاتا ہے جبکہ انبیاء کا پروگرام اعلیٰ اور خامیوں سے پاک ہوتا ہے اور کامیابی لیقینی ہوتی ہے۔

یہاں یہ سمجھایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے پروگرام میں کوئی غلطی نہیں ہوتی جو جماعت اس پروگرام پر ڈٹ کر کام کرتی ہے - آخری کامیابی ان کی لیقینی ہے -

حکیم لوگ بھی ایک پروگرام تیار کرکے اس پر اپنی قوم کو چلاتے ہیں مگر انمیں تھوڑی تھوڑی غلطیاں رہ جاتی ہیں جو آگے چلکر بہت بڑی غلطیاں ثابت ہوتی ہیں جس سے وہ پروگرام شکست کھا جاتا ہے مگر نبی کے پروگرام میں کوئی خامی نہیں ہوتی وہ بلند اور اعلیٰ پروگرام ہوتا ہے اور اسمیں ناکامی[1] بھی نہیں ہوتی - اگرچہ درمیانی حصے میں بعض اوقات) ایسی حالتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو[2] مالوسی کے قریب ہوتی ہیں -

انبیاء میں بشری قوت اعلیٰ پیمانے پر رکھی جاتی ہے تاکہ بشریت کے بہترین معلم بن سکیں۔

اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی اعلیٰ درجے پر پہنچنے کے باوجود بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور بشریت ان پر غالب رہتی ہے - نہ تو وہ خدا بن سکتے ہیں اور نہ خدا جیسی طاقت انمیں آسکتی[ع] انبیاء میں بشری قوت اعلیٰ پیمانے پر رکھی جاتی ہے تاکہ وہ بشریت کے بہترین معلم بن سکیں - اچھا (استاد) معلم ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ استاد اپنے شاگردوں میں یہ روح پیدا کردے کہ تم میری طرح بن سکتے ہو اور میرے درجے کو پہنچ سکتے ہو اور میرے ساتھ کھڑے ہو سکتے ہو - جب ایسی روح شاگرد میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ ترقی پر ترقی کرتا چلا جائیگا - مگر استاد یہ کہدے کہ تم شاگردوں میں سے کوئی بھی میری طرح نہیں بن سکتا تو ان شاگردوں میں سے کوئی بھی ترقی نہ کر سکیگا بلکہ ترقی کرنے کا خیال بھی انکے دماغ سے نکل جائیگا - شاگرد کے دل میں یہ خیال پیدا کرنا ضروری ہے کہ وہ بھی استاد جیسا بن سکتا ہے جو کہ اُن جیسا انسان ہے - یہ بات انبیاء علیہم السلام اپنی جماعت میں پیدا کرتے ہیں - ایسے معلم کے شاگرد ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کر لیتے ہیں اور ان کی ترقی نہیں رکتی - انبیاء ان کو لیقین دلاتے ہیں کہ یہ کام منجانب اللہ ہے اگر تم بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو ملحوظ خاطر رکھکر کام جاری رکھو گے تو میری طرح تم بھی کامیاب بن جاؤ گے - وہ یہ لیقین دلاتے ہیں کہ

۱ - ناکامیابی -
۲ - تو

جیسے میرے اور اللہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ ایسے ہی تمہیں بھی اپنے اور اللہ کے درمیان کوئی واسطہ نہ لانا چاہیے۔ جب یہ روح نبی کی جماعت میں بیٹھ جاتی ہے تب جاکر نبی کا یہ مشن کامیاب ہوتا ہے اور اعلیٰ ترقی کو پہنچتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام "حظیرۃ القدس" سے احکام حاصل کرتے ہیں اور وہ اپنی جماعت کے اعلیٰ استعداد والے شاگردوں کو بھی "حظیرۃ القدس" کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ان کی جماعت میں سے ہی صدیق، فاروق، اور صالحین پیدا ہوتے ہیں۔ جنکو آجکل عام زبان میں اولیاء کرام کہا جاتا ہے اگر نبی ایسے آدمی پیدا نہ کرسکے تو اس کی جماعت اعلیٰ نہیں کہی جاسکتی۔ پھر ایسے ہی آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کا مطلب "حظیرۃ القدس" سے سیدھا لے لیتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں اور نبی کی جماعت ایسی اعلیٰ استعداد والے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جنکو اولیاء کرام یا مجتہد کہا جاتا ہے۔ وہ بھی بلاواسطہ قرآن شریف کے مطالب حظیرۃ القدس سے حاصل کرتے ہیں۔ کو لیتے ہیں جو

مثال کے طور پر ہم سید العارفین حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف ایک پہنچے ہوئے مذکورہ بالا استعداد والوں میں سے تھے۔ انہیں عموماً گردے کا درد رہتا تھا۔ ایک دفعہ شدت سے گردے کا درد ہوا اور کئی دن تک رہا۔ ایک مشرکانہ خیال والا پیر بھی بیمار پرسی کیلئے آیا تو کہا کہ آپ اپنے مرشد کے مزار پر جاکر دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ رحم کردیگا۔ اسپر سید العارفین کو اسقدر غصہ اور طیش آیا کہ وہ طیش میں آکر اُٹھے اور کہا کہ میرے مرشد نے مجھے اللہ کا راستہ دکھایا ہے مجھے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ میرے پاس کوئی چیز طلب کرنے آنا۔ اور اسی طیش سے اُٹھنے میں ان کا درد بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے جاتا رہا۔ اور پھر فرمایا کہ جب والد اپنی بیٹی کا ہاتھ نکاح میں شوہر کو دیتا ہے تو اشراف بیٹی پھر اپنے باپ سے اپنی ضروریات طلب نہیں کرتی خاوند سے طلب کرتی ہے اگر باپ کچھ بھی دے تو کہتی ہے میرے خاوند کو دو میں اس سے لے لونگی۔

آیت نمبر ۱۱۱:- لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ -

معنی -

البتہ ان کے حالات سے اپنے حالات کا قیاس کرنا یا نصیحت حاصل کرنا دانشمندوں یا عقلمندوں کا کام ہے اور یہ بات بنائی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس کلام سے موافق ہے جو اس سے پہلے ہے اور بیان ہے ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں یا جماعتوں یا قوموں کو جو ایمان لاتے ہیں۔

اُولی الالباب کا مطلب :-

:- لُب کا معنی عقل ہے اور ہر چیز جو صاف کرکے اندر سے نکالی جائے میوہ جات کے مغز کو بھی لُب کہتے ہیں - اس جگہ مراد وہ بڑے عقلمند ہیں جو اپنی جماعت اور انسانی سوسائٹی کے لئے ترقی کے راستے سوچتے ہیں اور تنزل کے اسباب سے اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو نہایت عقلمندی سے بچاتے ہیں - ایسی جماعت کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی جماعت عبرت کا درس ہے -

انبیاء کے تاریخی قصے نصائح اور عقلمندی کی باتوں سے بھرے ہوئے ہیں تاکہ عقلمند لوگ ان سے عبرت حاصل کریں -

انبیاء کے جتنے تواریخی قصے ہیں - ایسی عقلمند انقلابیوں کیلئے بڑی نصیحتیں اور عقلمندی کی باتیں ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں غور کرو کہ انہوں نے بڑی تکلیفیں اٹھانے کے بعد ایک دینی حکومت قائم کی تھی - عدالت اور مساوات کا دور دورہ تھا - لوگ باسانی اپنی معاشی حالت درست رکھ سکتے تھے کسی کے ساتھ زیادتی نہ تھی - جتنی بدرسمیں تھیں انکا ملیا میٹ کرکے سب لوگوں کا رخ اللہ تعالیٰ کیطرف پھیر دیا تھا۔ بھائی - دولتمند اور امراء انکی مخالفت کرتے رہے مگر حضرت یوسف علیہ السلام استقلال سے کام کرتے رہے اور آخر کامیاب ہوئے - جتنی طاقت حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی وہ اپنی جماعت (جو ان کے نظریئے پہ قائم تھی) کے سپرد کر دی - اپنی اولاد کیلئے کوئی امتیازی وصف نہ رکھی مگر پھر دیکھو کہ اس کی جماعت نے عقلمندی سے کام نہ کیا تو وہ کیسی ذلت اور نکبت میں جاگرے - اپنے بچوں کو اپنے روبرو ذبح ہوتے دیکھ کر کچھ نہ کر سکتے تھے - اسکا سبب یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو قائم رکھا

تو انہوں نے ان کے لبد ناخلف بادشاہوں کو بھی قائم رکھ دیا اور اس تقلید کے گڑھے میں جا پڑے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک اسرائیلی جماعت جسکا لیڈر قارون تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سرشتۂ حکومت کے خلاف ہوکر فرعون کی طاقت کا بڑا بھاری جزو بن گیا۔ یہ قارون اور قارون کی جماعت حضرت یعقوب علیہ السلام کی تیسری پشت میں سے ہے۔

قارون کا شجرہ نسب تیسری پشت پر حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ[1] بتاتی ہے کہ اُس وقت وہ چھ لاکھ تھے جو مسلمان محقق دو لاکھ بتاتے ہیں مگر پھر بھی اتنی بڑی جماعت ہونے کے باوجود انقلاب کا نام تک نہ لیتے تھے۔ مذہبی رسوم کو خوب پکڑ کر بیٹھ گئے تھے اور سیاست سے بالکل منہ موڑ کر بیٹھ گئے۔ عقلمندوں کیلئے ان کے قصوں میں بڑی عبرت اور نصیحت ہے۔ مذہبی رسوم کو پورا کرنے کیلئے انمیں بڑے بڑے اولیاء اللہ تھے مگر چونکہ وہ انقلابی نظریات کو ہاتھ سے کھو چکے تھے۔ اسواسطے نہایت ذلیل ہوئے۔

بنی اسرائیل کی ذلت کیوجہ یہ تھی کہ انہوں نے صرف مذہبی رسوم کو پکڑا اور سیاست سے بالکل منہ موڑ لیا۔

سیاسی کاموں کی طرف راغب کرنے والوں کو بنی اسرائیل بے دین کہہ کر ٹال دیتے تھے۔ اور فرعون کی جماعت بھی مذہبی لوگوں کی عزت کرتی تھی کہ انمیں رہے) سیاسی عنصر غائب ہو جائے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی گھر بار۔ جائیدادیں چھوڑنی پڑیں۔ خود غلام بنے اور ان کی عورتیں باندیاں بنیں اور بچے ذبح[2] ہوئے۔ اگر سیاست کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے تو یہ ذلت کا وقت نہ دیکھنا پڑتا بلکہ اپنی حکومت کو بڑھا کر دنیا پر پھیلا دیتے۔ انمیں ایک جماعت سیاست سے بالکل بے بہرہ اور دوسری دولت کی طرف راغب ہو کر اپنی قوم کو تباہ کرنے لگے اور اپنے دین کے نظریئے بھی بدلانے لگے یہی وجہ تھی کہ ان کی قوم کو ایسی سزا ملی۔ ان کے عقلمندوں نے صحیح راستہ اختیار نہیں کیا۔ خود بھی ڈوبے اور ساری قوم کو خوار کیا۔ اس قصے میں نہایت ہی عبرت کا درس ہے۔ ایک جماعت نفس کشی پر تل گئی اور دوسری جماعت نفس کی غلام ہو گئی اور اُمراء اور حکومت سے ملکر مذہبی جذبات کو فنا کر دیا۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

سیاسی لوگ مذہبی جماعت کا احترام صرف اسلئے کرتے ہیں کہ انمیں سے سیاسی عنصر غائب ہو جائے اور یہ سیاست سے دور رہیں۔

بنی اسرائیل کی ایک جماعت سیاست سے بے بہرہ ہو کر نفس کشی پر تل گئی اور دوسری دولتمندی کی طرف راغب ہو کر نفس کی غلام بن گئی۔ عقلمندوں نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا۔ خود بھی ڈوبے اور ساری قوم کو خوار کیا۔

II انقلابی آدمی اپنی بات کو ذہن نشین کرانے کیلئے اپنی بات کے موافق قصے اور ناول بنا کر عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ عوام کا رجحان اسطرف ہو جائے۔ اس کے مقابلے میں استبدادی حکومتیں بھی عشق اور عیاشی کی داستانیں لکھواتے ہیں تاکہ عوام لہو و لعب کی طرف راغب ہوں اور انہیں

قصے او ناول بات ذہن نشین کرانے کا اچھا ذریعہ ہیں اور ان سے عوام کا ذہنی رجحان تبدیل ہوتا ہے۔

1۔ دین سیاست سے جدا ہو تو رہبانیت آجاتی ہے اور سیاست سے دین نکل جائے تو چنگیزیت آجاتی ہے اسلام دین و دنیا دونوں کو ساتھ لیکر چلتا ہے اور اعتدال کا دین ہے دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ کار جہاں کو چلانا ہے مگر خدا کے احکام کے مطابق۔ ایسا ہوگا تو مسلمان آزاد رہیں گے ورنہ دوسری قوموں کے غلام بن جائینگے۔

[1]۔ تواریخ
[2]۔ ذبح

اعتراض نہ کریں۔ پھر ایسے قصے کہانیوں میں سے نتائج نکال کر بتائے جاتے ہیں۔ اسی نقطۂ نظر سے ہر قوم میں قصے ہیں مثلاً بہادری پیدا کرنے کیلئے ھندؤوں میں رامائن مہابھارت کے قصے اور عیاشی کیلئے دوسری قسم کے عربوں میں عشقیہ ناول لیلیٰ و مجنون۔ بادشاہوں میں شاہنامہ۔ حاتم طائی۔ طلسم ہوشربا۔ امیر حمزہ یوسف زلیخا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح قصے مرچ مصالحہ لگا کر ایسے فرضی اور خیالی قصے تیار کئے جاتے ہیں۔ پھر ان سے نتائج نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کی حقیقت کو دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اسیطرح ہیر رانجھا سسی پنہوں۔ عمر ماروی (سندھی) وغیرہ فرضی واہیات قصے ہیں۔

مگر کلام اللہ نے کوئی فرضی قصہ بیان نہیں کیا۔ بلکہ نہایت سچے نمونے ہیں۔ ایسے انقلابی آدمی کی تاریخ بیان کی جاتی ہے جو کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر بھرپور صادق آتی ہے پھر اس سے نتائج نکالے ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ عقلمند ہی سمجھ سکتے ہیں اور اس پر غور کر کے نیک نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسی اونچی مثال آپ کو کسی قوم یا کسی سلطنت میں ملنی محال ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ قصہ فرضی نہیں ہے اور اس کی تصدیق تورات میں موجود ہے مگر قرآن شریف نے جس طرح ربط کے ساتھ بیان کیا ہے تورات نے ایسے بیان نہیں کیا۔ اسمیں بہت سی باتیں چھوڑ دی گئی ہیں اور کئی باتیں دوسرے نمونے سے بیان کی گئی ہیں جس سے کہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

بین الاقوامی انقلاب کرنیوالی جماعت کیلئے یہ تاریخی[1] قصہ ایک رہنما ہے۔ کام ہمیشہ ایک فرد نہیں کرتا۔ جماعت کیا کرتی ہے اور جب ایسی جماعت جن کے ذہن انقلاب کی طرف راغب ہوں پیدا ہوتی ہے تو پھر ایسی جماعت میں ایک ایسا آدمی پیدا ہوتا ہے جو کہ انکو صحیح راستہ دکھاتا ہے اور اس جماعت کے صحیح عنصر کو اپنے اردگرد جمع کر کے عملی کام شروع کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آدمی جماعت پیدا نہیں کرتا بلکہ اصل جماعت پہلے تیار ہوتی ہے جس کی ضرورت ایسے آدمی کو پیدا کرتی ہے۔ اسواسطے ایسا کام انفرادی طور اس آدمی کا نہ گنا جائیگا جو کہ اس جماعت کا معلم ہو بلکہ اجتماعی طور پر سب جماعت کا کام ہوگا۔ اگر جماعت کے بغیر ایسی استعداد والا امانت والا۔ ہمت و استقلال والا۔ جفاکش۔ درد دل رکھنے والا۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والا پیدا ہو جائے تو وہ اپنی زندگی میں کامیاب نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی زندگی جیل[2] (قید و بند) میں گزر جاتی ہے مگر اس کے مرنے کے بعد سمجھدار آدمی اسی کی باتوں پر غور کر کے جماعت تیار کر کے اسکی تعلیم کو رائج کرتے ہیں

لیڈر اور رہنما کے ذاتی خصائل:-
۱- صاحب استعداد (عقلی و ذہنی)
۲- امانت دار
۳- صاحب ہمت و استقلال
۴- جفاکش
۵- ہمدرد
۶- تعلق باللہ رکھنے والا۔

۱- تواریخی
۲- جیل و بند

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

شوق اگر زندہ ہے بے گم گشتہ ناقہ بے زمام را

(اقبال)

اسواسطے یہ کہنا درست ہوگا کہ جماعت کے بغیر انفرادی طور کامیابی ناممکن ہے جس کو مولانا عبید اللہ سندھی
خوبصورت الفاظ میں اسطرح بیان فرماتے ہیں۔

"قریش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن عراق
اور پھر فلسطین ہوا۔ لیکن قریش عربوں کے ساتھ مل جل کر عرب بن چکے تھے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم
علیہ السلام عرب میں آکر آباد ہوئے۔ اُن کی اولاد بہت پھیلی اور آگے چلکر انکے مستقل قبائل بن گئے
تورات میں ایک پیشین گوئی ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے ذریعہ عرب میں ابراہیمی دین کی اشاعت
ہوگی۔ آگے چل کر ان کے بارہ سرداروں کی وساطت سے سرزمین عرب حنفی ملت کا مرکز بنیگی۔
تورات کی اس پیشین گوئی اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کی تکمیل یوں ہوتی ہے کہ ایک
طویل زمانہ گزرنے کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے "قصی" نام کا
ایک سردار قریش کے منتشر قبیلوں کو مکہ معظمہ میں آباد کرتا ہے۔ وہ ان کی اجتماعی زندگی کو نظم
دیتا ہے۔ ان کے مختلف قبیلوں کو مختلف کام سپرد ہوتے ہیں "دارالندوۃ" بنتا ہے جسمیں
سب جمع ہوکر اپنے فیصلے کرتے ہیں۔ حج اور باہر سے آنے والے لوگوں کیلئے باقاعدہ انتظام کیا جاتا ہے
گویا کہ یہ تمہید ہے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی۔

قصی بن کلاب کی یہ جماعت اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سمجھتی تھی اور تاریخ
سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام محض اسمٰعیلی عربوں کے جداعلیٰ نہ تھے بلکہ مسیحی اور موسوی ملتیں
بھی انکو اپنا پیشوا مانتی تھیں۔ اسلئے قصی کی یہ جماعت محض عربوں کی سرداری پر اکتفا کرنا نہیں
چاہتی تھی بلکہ اُن کے حوصلے بڑے بلند تھے یہ ایک طرف تو عرب قبائل کو اپنے زیر اثر بنانے میں
کوشاں تھے اور دوسری طرف عراق و شام تک کے علاقوں میں اپنے تجارتی قافلوں کے ذریعے اثر و رسوخ
پیدا کر رہے تھے۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ وہ ان سب قوموں کو یکجا کر کے ایک مجمع الاقوام بنائیں
اور اس کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہو۔ انمیں خاندانی روایات کے طور پر یہ خیال نسلاً بعد نسل منتقل
ہوتا چلا آرہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ایک بہت بڑا نبی پیدا ہوگا جو ہمیں تمام اقوام کا
سردار بنائیگا۔ یہی جذبہ بنی اسرائیل میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر بنو اسمٰعیل اور بنو اسرائیل دونوں
خاندانوں میں باہمی رقابت بھی تھی۔ لیکن بنی اسرائیل کا یہ حال تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی

بنی اسرائیل اور بنو اسمٰعیل میں خاندانی رقابت کی اصل وجہ:

یہودیوں نے ابراھیمی دین کو فقط ایک خاندان یا زیادہ سے زیادہ قوم کا دین بنا دیا۔

اور کو ان کے برابر ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔

اسکا مطلب یہ تھا کہ جو کام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ ان کے نزدیک وہی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دُعا کا مصداق تھا۔ اسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم بنی اسرائیل تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے ابراھیمی دین کو سب قوموں کا دین بنانے کی بجائے فقط ایک خاندان یا زیادہ سے زیادہ قوم کا دین بنا دیا۔

بنی اسرائیل میں سے بیشک مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام غیر اسرائیلی لوگوں تک پہنچے اور ان کے حواریوں نے صابئیوں یعنی آرین قوموں میں بھی مسیحیت کی اشاعت کی لیکن یہ کہ خود بنی اسرائیل نے مسیح علیہ السلام کو ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ یہود ان کی تعلیم سے بہت کم مستفید ہوئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کیا لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں نے یہود کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب تورات کی سب سے زیادہ اشاعت کی۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی ان کشمکشوں کا اثر قریش کے اہل الرائے بزرگوں پر بھی پڑتا رہا انہوں نے دیکھا کہ عیسائیوں نے کس طرح بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر لی ہیں مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ عیسائی دینِ ابراھیم سے دور ہو گئے ہیں اور حنیفی ملت کی قیادت سنبھال نہیں سکے۔ یہودی تو ابراھیمی دین کی اشاعت میں ناکام ہو چکے تھے۔ اس سلسلے میں عیسائی بھی زیادہ کامیاب نہ ہوئے۔

قصی کی اسی جدید تنظیم کے بعد قریش مکہ میں یہ حوصلہ پیدا ہو رہا تھا کہ انمیں سے کوئی بڑا آدمی پیدا ہو جو ابراھیمی دین کی دعوت اور اس کے قیام کا مرکز بنے۔

قریش مکہ میں آباد ہونا اور قصی کے بعد انمیں ایک خاص نوع کی جماعتی زندگی کی ابتداء۔ اسے میں حضرت ابراھیم اور اسمٰعیل علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ اس دُعا کی تکمیل یوں ہو سکتی تھی کہ ایک امت ہو جو دنیا کی جملہ اُمتوں کی ہدایت کیلئے اُٹھے۔ پھر اس امت کو بھی ایک امام کی ضرورت تھی جو ان کو تعلیم و تزکیہ کے ذریعہ دنیا میں ابراھیمی دین کی اشاعت کے لئے تیار کرے۔

بدقسمتی سے ایک طویل زمانے سے ہمارے اہل علم تاریخ کو انفرادی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ یہ مرض دراصل ہمارے ہاں مستبد بادشاہوں کے دور کی یادگار ہے۔ بات یہ ہے کہ استبداد کا

یہ لازمی نتیجہ ہے کہ جماعت کی بجائے فرد پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور تاریخ کے اُتار چڑھاؤ اور واقعات کے تغیر و تبدل کو اجتماعی قوتوں کی بجائے چند اشخاص کی کوششوں پر محمول کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہماری تاریخ کی کتابیں قوموں کی مجموعی زندگی اور ان کے عروج و زوال پر بحث کرنے کی بجائے بادشاہوں اور ممتاز افراد کے حالات کی کہانیاں بن گئی ہیں۔ تاریخ میں انفرادیت پسندی کا یہ رجحان ہے جس نے ہمارے اہل علم کو اسطرف ڈال دیا ہے کہ وہ اسلام کی اجتماعی قوت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کا سارا زور افراد کی شخصیتوں کو اُجاگر کرنے میں لگ جاتا ہے۔ چنانچہ قوموں کی زندگی اور ان کی ترقی میں جماعت کو جو اہمیت حاصل ہے۔ ہمارے اہل علم اس پر بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

مثال کے طور پر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنے بیٹھتے ہیں تو مکے کی اجتماعی زندگی۔ قریش کا قومی نظم و نسق۔ قصی کے عہد سے انکی جماعتی تنظیم و توسیع کے حالات۔ جنکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کے مشن سے بہت گہرا تعلق ہے۔ وہ ان باتوں کو پیش نظر نہیں رکھتے اسی کے برعکس اُن کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر اسطرح غور کیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ ساری نسل انسانی میں سے ایک اکمل اور برتر انسان پیدا کرے۔ وہ فرد فرید اور بے مثال شخصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ ہر عالم کے سامنے سیرت نبوی کا بس یہ موضوع ہوتا ہے جسے وہ اپنی علمی استعداد اور مخصوص فکری رجحان کے مطابق پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اسی طرز پر ہمارے ہاں بڑی کثرت سے سیرت کی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔

ہم نے جب سے یورپ کی سیاست کا براہ راست مطالعہ شروع کیا۔ ہمیں اس انسانی اجتماع کے ساتھ ساتھ جو سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار تھا۔ اس اجتماع کو دیکھنے اور سمجھنے کا بھی پورا موقع ملا ہے جو محنت کش طبقے بنا رہے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام۔ دونوں کے لیڈر مذہب کے خلاف ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کمیونسٹ اپنے مافی الضمیر کو چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے وہ اعلانیہ اور برملا طور پر حملہ کرتے ہیں۔ لیکن سرمایہ دار معناً تو مذہب کی مخالفت میں ان کے ہم نوا ہیں وہ بظاہر اس کا اعلان نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ اپنی مصلحتوں کے لئے مذہبی لوگوں

کو استعمال کرتے ہیں ۔ اسلئے یہ لوگ اعلانیہ مذہب کی مخالفت کرکے مذہبی طبقوں کی دشمنی نہیں خرید کرتے ۔

انسانیت کے پسماندہ اور محنت کش طبقے کا ہر اجتماع لادینی اور مذہب کے خلاف نہیں ہوتا ۔

سرمایہ داروں کا مذہب کی مخالفت نہ کرنا اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ مذہب کا بھلا چاہتے ہیں اور دل سے ان اس کے مخالف نہیں ۔ اس کے برعکس محنت کش طبقوں نے جو اجتماع بنایا ہے ۔ ہم نے انکی اسی اجتماعی تحریک کا لادینیت سے کوئی قلیل رابطہ بھی محسوس نہیں کیا ۔ ہمارے نزدیک محنت کش طبقوں کی یہ تحریک اور لادینیت لازم وملزوم نہیں ۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ جب کبھی انسانیت کے پسماندہ اور محنت کش طبقے کوئی اجتماع بنائیں تو لابدی طور پر وہ اجتماع لادینی اور مذہب کے خلاف ہو ۔

مولانا کے نزدیک فرد کی بجائے انسانی اجتماع زیادہ اہم ہے ۔

غرضیکہ جب سے ہم نے یورپی سیاست کا مطالعہ شروع کیا ہے اور وہاں کے سرمایہ دارانہ نظام اور محنت کش طبقوں کے نظام کو دیکھا ہے ۔ قومی زندگی میں ہم فرد کی بجائے انسانی اجتماع کو اہم ماننے لگ گئے ہیں ۔ اور ہم نے خود شاہ صاحبؒ کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ وہ بھی انفرادیت کی بجائے اجتماعیت پر زور دیتے ہیں ۔ اب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے اسلام کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے وہ دیوبند سے پڑھا ہے اور دیوبندی سکول جیسا کہ ساری دنیا جانتی ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے اساسی فکر پر مرتکز ہے ۔ الغرض دیوبند کی تعلیم ۔ یورپ کی سیاست کا مطالعہ اور حضرت شاہ ولی اللہ کی فکر ۔ یہ چیزیں ہیں جنہوں نے ہمیں تاریخ کے واقعات و حوادث کو اجتماعی نقطہ نظر سے دیکھنے کا عادی بنا دیا ہے ۔

اسی فیصلے کا پہلا اثر میرے افکار پر یہ پڑا کہ سب سے پہلے اسلامی اصول کی اجتماعی روح کو سمجھنا اپنے لئے ضروری قرار دیا ۔ اسی سلسلے میں مجھے اس امر کا یقین ہو چکا تھا اور میں نے اس حقیقت کو بھی خوب جان لیا تھا کہ قرآن کو اسطرح سمجھے بغیر اسے دنیا کی اقوام کے سامنے پیش کرنا کسی طرح ممکن نہیں ۔ اگر قرآن شریف کی تعلیم کا لب لباب صرف یہ ہے کہ وہ اکمل ترین انسان کے ذریعے نازل ہوئی ہے ۔ اسلئے تمام دنیا کو اس کا پیغام سننا چاہیے تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہر قوم اپنے بزرگ اور مقتداء کو اکمل ثابت کرنے کی کوشش کریگی اور خاص طور پر مسیحی قومیں حضرت عیسی علیہ السلام کو برتر ثابت کریگی اسطرح قرآن کا جو مقصد ہے وہ کبھی پورا نہ ہو سکیگا ۔

اسکے برعکس میں اب فرد کے بجائے اجتماعیت پر زور دیتا ہوں اور انفرادیت کے خلاف اجتماعیت کا قائل ہوں

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کی دعا کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ مکے میں قریش کی اجتماعی حیثیت معرض وجود میں آئی۔ قریش کا یہی اجتماع دین کا پھیلانے والا اور محافظ بن سکتا تھا۔

میرے نزدیک حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا پہلا نتیجہ تو یہ تھا کہ مکے میں قریش کی اجتماعی حیثیت معرض وجود میں آئی۔ کیونکہ قریش کا یہ اجتماع ہی محافظ اور پھیلانے والا بن سکتا تھا۔ البتہ ایسے فرد کی ضرورت تھی جو انکو تعلیم دے اور قیادت کی صلاحیت پیدا کرے۔ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرانجام دیا۔ لیکن دنیا کی دوسری اقوام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیمات سے قریش کے ذریعے متعارف ہو سکیں۔ اسلئے آپ کا تعلق باقی دنیا سے قریش کے واسطے سے ہوا یعنی اسلام کو سمجھنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر زور دینے کی بجائے اس اجتماعی تحریک کو سامنے رکھنا چاہئیے جو اس ذات اقدس کے ارد گرد ظہور پذیر ہوئی تھی۔ اسلام کو اسطرح سمجھنے سے میرے بہت سے عقدے حل ہو گئے۔ ہم اس جگہ پر ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

عالمی جنگ ۱۹۱۴ء میں علماء دیوبند کا کردار۔

مثال:۔ عالمی جنگ[1] ۱۹۱۴ء میں ترکی جرمنی کا حلیف بنا اور برطانیہ کے خلاف ہو گیا۔ دیوبندی جماعت (جو حضرت شاہ ولی اللہ کی جماعت ہے) کا نظریہ پان اسلام ازم تھا اور اس کا مرکز قسطنطنیہ تھا اب ترکی کی امداد کیلئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے یہ تدبیر سوچی کہ مولانا عبید اللہ سندھی کو برطانیہ کے خلاف کام کرنے کیلئے کابل روانہ کیا۔ اور مولانا عبید اللہ سندھی کی مدد کیلئے خود انور پاشا سے مدینہ منورہ میں ملے اور ان کی توجہ دلائی کہ افغانستان کی طرف لشکر بھیجو اور مولانا عبید اللہ سندھی کو یہاں پروگرام دینے کیلئے حکم دیا گیا تھا کہ کابل جاؤ۔ اس پر مولانا عبید اللہ سندھی ذہنی انتشار میں تھے کہ وہاں جا کر کیا کیا جائے گا ملک نیا ہے اور پروگرام بھی کوئی نہیں۔ پاسپورٹ بھی نہیں لیا۔ مولانا سندھی نے محمد خیر گڑھ (عبد اللہ بن نہال لغاری) کو بھی ساتھ لیا اور مولانا شیخ الہند کا حکم سنایا۔ جب ہم کوئٹہ پہنچے اور پھر کوئٹہ سے شراوق پہنچے تو شراوق کا قاضی (جو اسوقت تھا) دیوبندی تھا۔ وہ دیوبندی علماء کا شاگرد تھا۔ اس نے نہایت عزت سے پرتپاک خیر مقدم کیا اور شراوق کے حاکم کو حکم کیا کہ ایک چھٹی لکھدے کہ یہ کابل کے معزز مہمان ہیں اور راستہ میں جن جن کے پاس رہنا تھا ان کیلئے[2] چھٹیاں دیں۔ انہیں سے ایک ملاں محمد حسن تھے۔ جو ایک بزرگ عالم تھے اور سید العارفین مولانا محمد صدیق جو پیر بھر چونڈی شریف کے صاحب تھے۔ دوسرے قاضی شہر صوفی جان محمد جو حضرت شیخ الہند کے صاحبوں میں سے تھے۔ پس ہم جب قندھار پہنچے تو ملاں محمد حسن کی خدمت میں جا پہنچے۔ اس نے

۱۔ عمومی جنگ۔
۲۔ انگیز

ان کا نام معلوم نہ ہو سکا نہیں۔

گورنر قندھار سے مولانا سندھی کی ملاقات اور افغانستان میں شہریت کا سرٹیفکیٹ۔

مولانا سندھی کو پہچانا اور بہت خاطر مدارت کی اور ہمارے رہنے کا بندوبست محمد حسن توخی کے گھر پر کیا
صوفی جان محمد گورنر کا مرشد تھا جو کسی کو ملنے خود نہ جاتا تھا۔ مگر جب مولانا سندھی کا انہوں نے سنا
تو بہت خوش ہوئے اور خود ملنے تشریف لائے اور مولوی عبدالوھاب قندھاری جو دیوبند کے بہت بڑے
عالم تھے وہ بھی حاضر ہوئے۔ خود گورنر قندھار محمد یونس کو معلوم ہوا تو وہ بھی محمد حسن توخی کے
کے مکان پر مولانا سے ملنے کیلئے تشریف لائے اور باقی بھی سب احباب وہاں حاضر ہو گئے جن
میں سے بہت سے جان پہچان والے تھے۔ مولانا محمد حسن اور صوفی جان محمد کی کوششوں سے ہجرت
منظور ہو گئی۔ ہمیں افغانستان نیشنل کا سرٹیفکیٹ مل گیا

قندھار سے کابل روانگی اور افغان سپہ سالار کے نام گورنر قندھار کا خط۔

ہجرت منظور ہونے کے بعد ہم سے سب نے التجا کی کہ ہمیں قندھار رہیں مگر مولانا
سندھی نے کابل جانے پر اصرار کیا تو سب نے باعزت روانہ کیا اور زاد خرچ بھی دیا۔ ہمیں الوداع
کہنے کیلئے گورنر قندھار اور سب علماء ملکر شہر کے باہر تک چھوڑنے آئے۔ مولانا سندھیؒ کو اپنے
ہاتھوں سے گھوڑے پر چڑھایا۔ سارے شہر کے معزز آدمی اور عوام جلوس کی شکل میں ساتھ تھے۔ ایک
روح پرور نظارہ تھا۔ گورنر صاحب نے اپنے ہاتھ سے چٹھی لکھکر اپنے بھتیجے نادر خان کے نام مولانا
سندھی کو دی۔ نادر خان کابل کا سپہ سالار تھا۔ مولانا سندھی کے دل میں اس سے بڑی ہمت پیدا

کابل میں قیام و مصروفیات۔

ہو گئی۔ ہم آسانی سے کابل پہنچے اور مسٹر محمد ابراہیم پروفیسر حبیبیہ کالج کے پاس جا کر اترے۔ یہ مولوی
محمد صادق کراچی والے کا بھائی تھا۔ مولوی محمد علی قصوری جو کہ وہیں اسی کالج میں پروفیسر تھے۔ وہ بھی
ان کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ ان کی معرفت ہم مولانا عبدالرزاق خان شیخ الاسلام کابل اور سرپرست
میزان العلماء سے ملے یہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے۔ اس کے بعد نادر خان سپہ سالار افغانستان
سے ملنے کا موقع حاصل کیا۔ یہ نادر خان اور ان کے سارے خاندان والے مولانا رشید احمد گنگوہی
کے مرید تھے۔ تمام افغانستان کے علماء اور یاغستان کے علماء سب کے سب دیوبندی تھے۔ جوش
کر کھینچے چلے آتے تھے۔ گویا دیوبند کی پچاس 50 سالہ خدمت وہاں موجود تھی اور مولانا عبیداللہ سندھی کا
فقط یہ کام تھا کہ انہیں تنظیم کریں۔ ادھر جاکر یہ عقدہ حل ہوا اور مولانا نے سبکو ایک تسبیح
میں پرو دیا اور انقلابی تحریک شروع ہو گئی۔

تحریک میں کامیابی کیلئے معاونین کی ضرورت و اہمیت۔

اسی انقلابی تحریک میں شہزادہ امان اللہ خان اور نصراللہ خان شریک ہوگئے اور شہزادہ عنایت اللہ خان ہمدرد ہوگئے۔ امیر حبیب اللہ خان نے تحریک کا راستہ بند دیا اور کہا کہ افغانستان کی سیاست میں دخل نہ دو فقط ہندوستان کے متعلق کام کرو۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر وہاں پہلے سے دیوبندی علماء نہ ہوتے اور ان کے ہمدرد نہ ہوتے تو مولانا سندھی کامیاب نہ ہو سکتے۔ یہ اسی جماعت کی برکت تھی جو پہلے سے غیر منظم طریقہ پر وہاں موجود تھی تو یہ کامیابی فقط مولانا سندھی کی نہ کہلائیگی بلکہ دیوبندی جماعت کی گنی جائیگی۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی کامیابی پر غور کرنا چاہیے۔ قرآن شریف میں مذکور ہے۔

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۴۸:۵

— اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم۔ اسحاق اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے (لمبے ہاتھوں والے یعنی بڑی طاقت والے) اور بڑی آنکھوں والے (بڑی بصیرت والے عقلمند) تھے۔

اسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام بڑی طاقت والے تھے۔ بڑے صوفی فقیر نہ تھے۔ ان کے پاس دنیاوی دولت جاہ و حشمت بھی تھی اور ان کی جماعت اور معتقد چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ گویا معاشی زندگی خواہ اخروی زندگی دونوں کے خزانے ان کے پاس تھے اور نہایت گہرے غور و خوض سے عملی قدم اٹھاتے تھے۔ جو بھی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوتے تو انہیں تدبر سے غور کر کے عمل کرتے جسکا اثر یہ ہوا کہ ان کی جماعت اطراف و جوانب میں پھیلنی شروع ہوگئی۔ گو خود کنعان میں رہتے تھے یعنی شام اور فلسطین کی سرحدوں پر تھے مگر ان کی تعلیم کا اثر دور دور پھیلتا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابل سے مصر روانگی تاکہ کامیابی کیلئے سازگار ماحول اور دوسرا مرکز تلاش کیا جائے

حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل سے روانہ ہو کر مصر میں تشریف لے گئے تو ان کی انقلابی تحریک کی دھوم چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بابل کے لوگوں پر ان کی تبلیغ کا زیادہ اثر نہیں ہوتا تو دوسرا مرکز ڈھونڈنے نکلے۔ مگر مصر میں بھی اس وقت بابل کا تمدن رائج تھا اور مصر کی حکومت بھی بابل کی حکومت سے منسوب تھی۔ اسواسطے مصری فرعون نہیں چاہتا تھا کہ بابل کی حکومت سے دشمنی مول لے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولوالعزمی کی خبریں اُسے پہنچ چکی تھیں

اسواسطے کھلم کھلا مخالفت بھی نہیں کرسکتا تھا۔

بادشاہ مصر کا حضرت ابراہیمؑ کو اپنے دربار میں بلانا اور مصر سے چلے جانے پر آمادہ کرنا۔

پہلے پہل تو بادشاہ مصر کو اسباب کی کوئی خبر نہ ہوئی[1] کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کوئی بڑی جماعت لیکر مصر میں داخل نہ ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی[بیٹی] سارہ اور سارہ کا بھائی حضرت لوط علیہ السلام کے سوا اور کوئی قابل ذکر آدمی نہ تھا۔ مگر جب انہوں نے مصر کے علاقے میں کام شروع کیا یعنی تبلیغ شروع کی تو آہستہ آہستہ اسکا اثر پھیلنا شروع ہو گیا۔ مصری لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا تذکرہ شاہی محلات تک پہنچ گیا اور اسکا اثر مصر کے بادشاہ کی لڑکی پر ہوا۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو مصر کے بادشاہ کی آنکھ کھلی اور گھبرایا کہ کہیں کوئی ملک میں انقلاب نہ ہونے پائے۔ اسواسطے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احوال دریافت کیئے اور جب معلوم ہوا کہ یہ بابل کی حکومت سے آئے ہیں اور گزشتہ زندگی کے احوال سے واقف ہوا تو ان کو اپنے دربار میں بُلوایا اور سوال و جواب ہوئے مگر جب دیکھا کہ سوال و جواب میں وہ جیت گئے ہیں اور تھوڑے سے عرصے میں ان کے کافی حواری بھی پیدا ہو چکے تھے حتیٰ کہ خود بادشاہ کی لڑکی پر بھی اُن کی تعلیم کا پورا رنگ چڑھ چکا تھا۔ اسواسطے ان کو تکلیف نہ دے سکا اور فرعون مصر نے بہت سا مال اسباب اور ہر قسم کا چوپایہ مال دیکر کہا کہ اپنے حواریوں سمیت مصر سے چلے جائیں ورنہ ان کی بابل کے ملک سے دشمنی پیدا ہو جائیگی۔ یہ محض انقلاب کو بند کرنے کا بہانہ تھا۔ جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جماعت کے ساتھ اپنی لڑکی تک کو جانے سے نہ روکا اور فرعون کی لڑکی نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی۔ جنکا نام ہاجرہ مشہور ہوا اور حضرت ابراہیمؑ کی دوسری بیوی بنیں۔ جوکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔

دوسرے مرکز کی تلاش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شام تشریف لے جانا۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوسرا مرکز تلاش کرنا پڑا اور ملک شام میں تشریف لائے۔ اسوقت مصر کا ایشیا سے خشکی کا راستہ ملا ہوا تھا۔ نہر سویز نہ تھی۔ یہ علاقہ ویران تھا یہاں قبائلی لوگ رہتے تھے جنپر کسی کی حکومت نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے متمدن حکومتوں کو خیر باد کہکر مجبوراً اسی ویران علاقے میں ڈیرے ڈال دیئے اور یہیں سے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کا کام شروع کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو

۱۔ بیٹی۔

توفیق دے کہ متمدن حکومت میں صحیح عام فہم قانون یعنی صراط مستقیم جاری کر سکیں۔ پس یہیں اپنی معاشی زندگی کو بڑھایا۔ اور صحرائی لوگوں میں تعلیم شروع کی اور یہ تو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مصر سے کافی جماعت ان کے ساتھ آئی تھی جو ان پر جان نثار کرتی تھی۔ یہ سب عقلمند لوگوں کی جماعت تھی جنکے عزیز اور رشتہ دار مصر میں بھی تھے۔ اسواسطے ان کی معرفت ان کی تعلیم برابر مصر میں پھیلتی رہی۔ مگر مصر کا حکام فرقہ ہمیشہ خالف رہتا تھا کہ کہیں یہ مصر کے ملک پر قبضہ نہ کرلیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اس سلسلے کو جاری کیا۔ جس کے اثر سے مصر کے علاقے میں جماعت مسلسل[1] بڑھتی رہی اور ان بزرگوں کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مگر ایسی جماعت میں تنظیم نہ تھی۔ پراگندہ ہوتی تھے۔ جنکو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے مدبر کی ضرورت تھی۔ جو ان کو ایک لڑی میں پرو دے۔

پروگرام کی کامیابی کیلئے جماعت کا ہونا ضروری ہے تاکہ مسلسل عمل جاری رہے اور پروگرام کامیابی سے ہمکنار ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حسب نسب کو چھپا رکھا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ بتا دیں گے تو مصری لوگ برداشت نہ کریں گے کہ دوسرے ملک کا کوئی آدمی انپر اثر انداز ہو۔ اسی واسطے وہ خود بھی مصری ہی ہو گئے اور ان کے خیالات اور افکار چونکہ حضرت ابراہیمؑ والے تھے جو کہ مصری لوگوں تک پہلے ان کے آباؤ اجداد کی معرفت پہنچ چکے تھے۔ اسی واسطے ان کی باتیں عقلمندوں کو پسند آئیں اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی تنظیم کردی۔ اجتماعیت پر نظر کرنے والے اسطرح غور کریں گے اور ایک سلسلہ قائم کریں گے۔ مگر انفرادیت کے قائل فقط یہی کہیں گے کہ حضرت یوسف علیہ السلام وہاں گئے اور جیو منتر سے کام کر دیا۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ یہ وہی ملک ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کامیابی نہ ہو سکی کیونکہ اتنی بڑی جماعت وہاں موجود نہ تھی۔ پھر اُسی ملک میں حضرت یوسف علیہ السلام کو کامیابی ہوتی ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر تھا کہ اب ملک میں جماعت پیدا ہو چکی تھی تو یوں کہنا پڑیگا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی کامیابی بھی جماعت کی کامیابی تھی۔

۱۔ برابر

۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک ہزار سال بعد تورات جس کو مشناۃ کہا جاتا ہے لکھی گئی ہے۔ اور یہ قصے پہلے زبانی یاد کئے جاتے تھے۔ فقط وہ احکام اور فرمان لکھے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیئے تھے۔ پھر جب موجودہ تورات لکھنے بیٹھے تو وہ فرمان بھی مناسب مقامات پر لکھتے گئے۔ اب تورات ایک سیرت موسیٰ اور نبیوں کی سیرت ہو گئی صاف احکام اور فرمان نہ رہے۔ جس کی وجہ سے یہود میں اختلاف مذہب رونما ہوا۔

علماء بنی اسرائیل نے تورات پیدائش کے قصے لکھنے میں بہت تساہل سے کام لیا۔ وہ بھی اس بارہ میں معذور تھے۔

ایک دفعہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھی جائیں۔ اکثر صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ اچھی بات ہے اور عمدہ کام ہے پھر ایک دن آپؓ نے صحابہ کو جمع کر کے کہا کہ میں نے سوچا تھا کہ احادیث کو لکھا جائے۔ اب مجھے سمجھ آ گئی ہے کہ یہ کام اگرچہ اچھا ہے مگر میں نے دیکھا کہ یہود نے مشناۃ لکھ کر اصل تورات کو ترک کر دیا اور سب علماء یہود مشناۃ پر گرویدہ ہو کر اسی کو یاد کرنے اور پڑھنے اور پڑھانے میں لگ گئے۔

اگر ہم احادیث کو لکھیں گے تو آنے والی نسل قرآن حکیم کو چھوڑ کر اس پر گر پڑیں گی اور قرآن حکیم میں غور و خوض کرنا چھوڑ دیں گے۔ پھر حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ نے احادیث لکھنا ترک کر دیا۔ حضرت فاروقؓ بات کو پردہ کے پیچھے معلوم کرتے تھے [1]

جب بنی امیہ کا دور آیا اور انہوں نے چاہا کہ سلطنت نیشنل (قومی) عربی ہونی چاہیے اور عرب کی سرداری اقوام اسلامیہ تسلیم کر کے عقیدۃً پختہ ہو جائے تو انہوں نے نصاب تعلیم بدلنے کیلئے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ قرآن حکیم کی تعلیم بین الاقوامی ہے اور عرب کو عجم پر تفوق کرنے نہیں دیتی۔ احادیث میں عرب کی فضیلت بہت بیان ہوئی ہے۔ اگرچہ وہ بھی اسلئے کہ وہ پہلے استاد تھے اور ان کے سبب سے اسلام بین الاقوامی مذہب ہوا۔ یہ بنی امیہ کی اصلی غرض و غایت تھی مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایام خلافت میں دیکھا کہ قرآن بین الاقوامی قانون ہے اور اس میں بین الاقوامی قانون سے ایسے بائی لاز یعنی فروعی قانون جو ہر ملک

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۷ ج ۱ ، حفاظت حدیث ، خالد علوی صفحہ ۱۶۱

اور قوم کی ذہنیت کے مطابق ہوں - کیسے پیدا کیے جائیں اور ان کو معلوم تھا کہ قرآن حکیم
کے بین الاقوامی قانون سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے لئے بائی لاز (فروعی قانون)
استنباط فرمائے یا اس بین الاقوامی قانون کو کسطرح عربی ذہنیت کے قریب کر دیا۔
تو یہ لطیف علوم احادیث میں مندرج ہیں۔ اسلئے احادیث کو لکھا جائے تاکہ ہر ملک
کے علماء مجتہدین استنباط کے قواعد سمجھ کر فقہ تیار کریں۔ یہ وہ وقت تھا جب
کہ اسلام دیوار چین سے لیکر افریقہ کے صحراؤں تک پہنچ گیا تھا۔

عرب جو کہ سامی قوموں کے سردار ہیں ان کی ذہنیت اور قسم کی ہے اور پھر
جو قومیں عرب سے ملحق ہوگئیں یعنی اپنی زبان اور معاشرت کو عرب جیسی زبان اور معاشرت بنا ڈالی
جیسے عراق عرب - شام اور مصر اور مغرب تو ان کی ذہنیت عربی ہوگی - ان کے غور و خوض
اور سمجھنے کا رنگ ڈھنگ ایک قسم کا ہے۔

صابی قوموں کی ذہنیت اور قسم کی ہے اور یہ وہ قومیں ہیں جو مشرق میں رہتی ہیں
جیسے ایران افغانستان - بخارا ترک توران - ہندوستان وغیرہ - ان کو صابی قومیں
شمار کیا جاتا ہے - یہ قومیں عرب سے ملحق نہیں ہوئیں - انہوں نے باوجود مسلمان ہونے
کے اپنی زبان اور معاشرت کو محفوظ رکھا اور اپنی ذہنیت کو محفوظ رکھا - صابی قوموں کے
سمجھنے کا رنگ ڈھنگ اور ہے۔

سورۃ جمعہ میں دونوں قوموں کا ذکر ہے -

عرب (سامی) قوموں کی خصوصیت سب سے بڑی یہ ہے کہ بادشاہ کا حکم ملا تو اس
کی حکمت کی تفتیش نہیں کرتے جیسے ایک سولجر - یا کسی نبی پر ان کا حکم عقیدہ ہو گیا کہ انہیں
معجزات دیکھے یا ان کو ان کی سچائی اور صداقت پر یقین آگیا تو پھر ان کا ہر حکم ماننے کیلئے
تیار ہو جاتے ہیں اور حکمت نہیں پوچھتے تو سورۃ جمعہ میں انکے اوصاف میں سے بڑی وصف
یتلوا علیہم آیاتہ بیان ہوئی ہے (الجمعۃ ٦٢:٢)
اور صابی قوموں میں یہ وصف ہے کہ ہر بات اور ہر حکم کی حکمت پوچھتے ہیں - جب

انکو حکمت اور فلسفہ کا حکم معلوم ہو گیا تو پھر پتھر کی طرح محکم ہو جاتے ہیں اور صحابی قوموں کی ذہنیت سورۃ جمعہ میں یوں بیان ہوئی کہ ان کے اور حکمت ہے۔ وھو العزیز الحکیم[1]

امام شافعی علیہ الرحمۃ سامی قوموں کے امام ہیں۔ حدیث یا قرآن کا حکم آیا تو حکمت نہیں پوچھتے۔ یہ ان کی فقہ کی خصوصیت ہے۔

اور صحابی قوموں کا امام حضرت ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ ہے۔ ان کی فقہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مسئلہ بیان کرنے کے بعد اس کی سند حدیث یا قرآن مجید سے لائینگے۔ اس کے بعد اس کی حکمت اور فلسفہ بیان کرنے کیلئے عقلی دلیل پیش کریں گے۔ اس لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ مشرق میں مقبول ہوئی اور مجبور ہو کر فقہا شافعیہ بھی عقلی دلیل لانے پر مجبور ہوئے۔ تب جا کر ان کی فقہ عقلمندوں کے ہاں مقبول ہوئی۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ عقلی دلیل لانا ضروری نہیں سمجھتے۔ اس لئے ان کے تابعدار ہمیشہ قلیل رہے ہیں۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

حاصل مطلب یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے علماء نے بہت مدت کے بعد یعنی تقریباً ایک ہزار سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مثناۃ لکھی۔ جسکو کتاب پیدائش اور خروج اور کتاب استثناء وغیرہ کہا جاتا ہے۔ قصے سب یاد رکھتے تھے۔ تو یادگیری میں بہت نسیان یا الٹ پلٹ یا کمی بیشی ہو جاتی ہے۔

بہت سی باتیں تورات کے قصوں میں ایسی آگئی ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور تعلیم کے خلاف ہیں۔ اسلئے قرآن مجید ایسے قصوں کو نظر انداز کر دیتا ہے اور اسی کی جگہ حقیقت حال بیان کر دیتا ہے۔ اسلئے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں تورات کتاب پیدائش (میں) بہت کمی واقع ہوئی ہے۔ جیسے بیگم عزیز کے قصہ میں کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلایا۔ جب (حضرت) یوسف علیہ السلام بھاگ گئے تو بیگم عزیز نے اس کا پیرہن اتار لیا۔ جب عزیز گھر میں آئے تو بیگم عزیز نے رو کر کہا کہ ایک عبرانی غلام نے مجھ پر ناجائز کام کیلئے حملہ کیا ہے۔ یہ اس کا پیرہن ہے۔ تو

۱ الجمعۃ ۶۲:۳

عزیز نے غصہ میں آکر حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کر دیا[1] - یہ بڑی غلط بات تھی اس کو قرآن مجید نے رد کیا اور بھی بہت کمی بیشی (اس قصہ میں) کتاب پیدائش میں واقع ہوئی -

اور دوسری جگہ کتاب پیدائش میں غلط بات یہ تھی کہ جب پیالا بنیا مین کی بوری سے نکلا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو بھائیوں کے آگے ظاہر کر دیا. قرآن مجید نے اس کو بھی رد کیا -

ا - قید میں روانہ کر دیا -

حضرت یعقوب علیہ السلام کی ازواج و اولاد ۔

1۔ آزاد بیوی حضرت لیاہ سے ۔ ۱۔ روبن ۲۔ شمعون ۳۔ لاوی ۴۔ یہوداہ ۵۔ آشکار ۶۔ زبلون
2۔ بلہا جو کنیز تھی سے ۱۔ دان ۲۔ نفتالی
3۔ زلفہ لونڈی تھی۔ ۱۔ جد ۲۔ آشر ۔
4۔ راحیل آزاد تھی ۔

جب لیاہ فوت ہو گئی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسکی ہمشیرہ راحیل سے نکاح کر لیا اسکے بطن سے ۱۔ یوسف ۲۔ بنیامین پیدا ہوئے ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں آزاد تھیں اور دو کنیزیں ۔ لیاہ اور راحیل آزاد تھیں بلہا اور زلفہ کنیزیں تھیں

جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملے تو ان کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور سترہ ۱۷ سال مصر میں زندہ رہے کل عمر ۱۴۷ سال بنتی ہے ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے مرتے وقت وصیت فرمائی (حضرت یوسف سے) پیدائش باب ۴۹ ۔
کہ میں اپنے لوگوں میں شامل ہونے پر ہوں ۔ مجھے میرے باپ دادا کے پاس اس مغارہ میں جو عفرون حتی کے کھیت میں ہے دفن کرنا ۔ یعنی اس غارہ میں جو ملک کنعان میں ممرے کے سامنے مکفیلہ کے کھیت میں ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھیت سمیت عفرون حتی سے مول لیا تھا تاکہ گورستان کیلئے وہ اس کی ملکیت بن جائے ۔ وہاں انہوں نے ابرہام کو اور ان کی بیوی سارہ کو دفن کیا ۔ وہیں انہوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی بیوی رلبقہ کو دفن کیا اور وہیں میں نے بھی لیاہ کو دفن کیا ۔ یعنی اسی کھیت کے مغارہ میں جو بنی حت سے خرید اتھا

انتھی کلام پیدائش ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بڑی بیوی لیاہ کنعان میں فوت ہو گئی تھی ۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان میں تھے اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں آئے تو ان کے ساتھ دوسری بیوی راحیل (جو حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ ہے) تھیں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کو تخت پر جگہ دی ۔ قرآن حکیم کا قول صحیح اور سچا ہے ۔ تورات لکھنے والوں نے جو یہ لکھا ہے کہ وہ مر گئی تھی غلط ہے ۔

- حیات انسانی پر نبوت کا اثر یہ ہے کہ "نبوت حیاتِ انسانی میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیتی ہے - 1

- انسان فطری طور پر قصے کہانیوں اور شعروں کو زیادہ پسند کرتا ہے - اسلئے قدیم حکماء اور دانا لوگ اپنی باتیں قصے کہانیوں میں بیان کرتے تھے تاکہ روزمرہ زندگی میں پیش آنے والی کارآمد باتیں انسان سیکھ جائیں 3

- "الہام" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ آئیندہ واقعات کی جھلک دکھانا اور اسکی صحیح تعبیر کرنا - الہام علاماتِ نبوت میں سے پہلی علامت ہے - الہامی واقعات پر صدقِ دل سے یقین کرنے والے کو نبی کہتے ہیں - 3

- انسان کے ساتھ قوت حیوانیہ اور قوت عقلیہ دو قوتیں ہیں - قرآن مجید میں عقل کیلئے ملائکہ اور قوت حیوانیہ کے لئے شیطان کے الفاظ اصطلاحاً بیان کیے گئے ہیں - برائی کا خارجی سبب شیطان اور اچھائی کا ملائکہ کو سمجھا جاتا ہے - 4

- "تدبیر" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ مخالف قوتوں کو دبا دیا جائے اور امر الٰہی کو کامیاب بنا دیا جائے

- "نعمت" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ سوسائٹی میں حاکم ہو کر رہے - 5

- "امامت" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اُسے صحیح علم ہو اور سوسائٹی میں اُس کی برتری اور حکومت ہو 5

- تاویل الاحادیث کا ایک مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسانی میں پیدا ہونے والے واقعات کے اسباب و علل و اثرات کا علم دیا جاتا ہے تاکہ سوسائٹی کے مخالف پیدا ہونے والے واقعات کا رُخ پھیر سکے - 6

- تاویل الاحادیث کے بعد جس علم کی ضرورت ہے وہ بذریعہ الہام بتایا جاتا ہے اور تمام مخالفین ناکام بنا دیئے جاتے ہیں - اسی کا نام "نبوت" ہے - 6

- نبی اور حکیم کے کام میں فرق یہ ہے کہ حکیم پہلے سے موجود وسائل کو بروئے کار لاکر اپنی سمجھ اور کوشش سے سوسائٹی کی بہتری کیلئے کام کرتا ہے جبکہ نبی غیر موجود وسائل کو بذریعہ روحانی تدبیر (جیسے دعا وغیرہ) سے وجود میں لاکر انسانوں کی فلاح کا سامان کرتا ہے - 6

- عطاء الٰہی کا اعتراف کرنا اُسکی نعمتوں کا شکرانہ ہے۔ عظیم الشان کام کرنے والے عظیم انسان لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ 43

- گردو پیش کے حالات و واقعات سے مثالیں دے کر سمجھانا تعلیم کا کامیاب ترین طریقہ ہے۔ 44

- ستاروں کی تاثیر کے بارے حکماء کی ایک جماعت کا خیال۔ 44

- ستارہ پرستی (ملائکہ پرستی) آجتک اپنی تبدیل شدہ شکل میں موجود ہے۔ 45

- ستارہ پرستی اور اسکی تبدیل شدہ شکلوں کے فلسفے سے ہمیشہ بادشاہ فائدہ اُٹھاتے ہیں سوسائٹی کی تمام قوت اپنے ہاتھ میں لیکر خود کو سوسائٹی میں بلند درجے پر رکھتے ہیں۔ 45

- بادشاہوں کے بعد سوسائٹی کی طاقت کا غلط استعمال کرنے والے مذہبی گروہ کے لوگ ہیں۔ 46

- حضرت ابراھیمؑ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ عوام کی طاقت نہ تو بادشاہوں اور نہ ہی مذہبی گروہ کے ہاتھ میں ہو بلکہ عوام کی طاقت عوام کے ہاتھ میں ہو۔ 46

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراھیمؑ کے طریقہ کو اُنکے نظریے کے مطابق مکمل کر دیا۔ 46

- انبیاء اپنی بات سمجھائے بغیر کسی سے منوانے کے روادار نہیں ہوتے۔ 47

- قانونی حکومت میں قانون کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ قانون کا احترام باقی نہ رہے تو انتظامِ حکومت قائم نہیں رہ سکتا۔ 47

- "حکیم" اور "نبی" میں فرق 47

- نبی سوسائٹی کے ہر طبقہ سے مل سکتا ہے اور ہر قسم کی ذہنیت کے لوگوں کو مطمئن کر سکتا ہے نبی عمومی فائدہ کیلئے کام کرتا ہے جبکہ حکیم صرف ایک طبقے کے فائدے کا خیال رکھتا ہے اور صرف اعلیٰ دماغ لوگوں کو ساتھ لیکر چلتا ہے۔ 48

- مخالف طاقتوں کے خاتمے پر شکر ادا کرنا چاہیے کہ موافق طاقتوں کو ترقی کا موقع مل جاتا ہے 48

- حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجنے کی حکمت۔ 49

- ثمامہ کے اناج بند کر دینے پر قریش کی استدعا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثمامہ کے نام خط اور اناج کی بحالی۔ 90
- شرک کے نقصانات ۔ 91
- تمام قوم کو کمزور کر کے برباد کرنا عذاب قیامت کے مترادف ہے 92
- ابن خلدون دنیاوی زندگی کیلئے انبیاء کی تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتے ۔ یہی اُن کو بڑی غلطی ہے 94
- انبیاء کی تعلیم دینی و دنیاوی ترقی کا پروگرام رکھتی ہے ۔ 94
- کسی پروگرام میں ناکامی کے بعد اگر قوم سابقہ غلطیوں کی تلافی کرے اور اصلاح شدہ پروگرام پر عمل کرتی رہے تو کامیاب ہو جاتی ہے 96
- انبیاء کے پروگرام یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں ۔ اگرچہ حالات مایوسی کی حد تک پہنچ جائیں مگر تائید ربی سے حالات تبدیل ہو جاتے ہیں ۔ 96
- انبیاءؑ میں بشری قوت اعلیٰ پیمانہ پر اس لئے رکھی جاتی ہے کہ وہ بشریت کے بہترین معلم بن سکیں ۔ 97
- لفظ "حال" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ " جو چیز یا کیفیت عارضی طور پر پیدا ہو جائے اُسے حال کہتے ہیں ۔ 97
- لفظ "مقام" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جو کیفیت مستقل عادت کے طور پر طبیعت میں بیٹھ جائے ۔ 97
- حضرت یوسف علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کے پروگرام میں مماثلت ۔ 98

سورہ یوسف

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم کو حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رائج کیا - ان کے درمیان حضرت یوسف علیہ السلام ایک قسم کی کڑی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعلیم کو فطرت انسانی جلد اخذ کر لیتی ہے اور متوسط درجہ کی فطرت اسے سمجھ کر اطمینان حاصل کر سکتی ہے - قریش کی حالت بھی متوسط درجہ کی فطرت والے لوگوں سے تھی - اسلئے ان کو بھی اس درجہ پر بنوت کا مسئلہ سمجھایا جاتا ہے - علت اور معلول کے سلسلے کو پہلی سورتوں میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اب بتلایا کہ بنوت کیا چیز ہے - رات کی تاریکی ہوتی ہے پھر سورج نکلکر اپنی شعاعیں چاروں طرف پھیلا دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی حالت میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوتا ہے اور رات کی تاریکی کے بجائے دن کی روشنی نمودار ہوتی ہے - اسیطرح بنوت بھی انسانی حیات میں ایک قسم کا انقلاب عظیم برپا کر دیتی ہے - جسطرح پہلا انقلاب علت اور معلول کے سلسلہ سے وابستہ ہے اسیطرح بنوت کی بھی یہی حالت ہے - پہلے نظریات سمجھائے پھر اسکا مجسمہ دکھا دیا - یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے اور یہ صرف خاص لوگوں کے لئیے ہے - ان کے پاس چونکہ پہلے سے نظریات موجود ہوتے ہیں - اسواسطے وہ جلدی سمجھ جاتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مجسمہ دکھلایا پھر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک ایک چیز علیحدہ علیحدہ طور سے سمجھا دے۔ متوسط درجہ کے لوگوں کو سمجھانے کا یہی طریقہ ہے اور یہی طریقہ قریش کو سمجھانے کیلئے اختیار کیا گیا -

حیاتِ انسانی پر بنوت کا اثر یہ ہے کہ بنوت حیاتِ انسانی میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیتی ہے -

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ قف تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝۱

ترجمہ:- یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی -

مسئلہ کو الم تشرح کرنے والی کتاب ہے - اس میں نبوت سے نازک مسئلہ پر بھی بالوضاحت بحث کی گئی ہے جو دوسری کتابوں میں اسقدر بحث نہیں کی گئی اس کتاب کا طرز بیان بہت واضح ہے

آیت نمبر۲ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ ہم نے اس کو اُتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو -

جب تک اس قرآن کو عربی ذھنیت میں نہ ڈھالا جائے تم اس کو سمجھ نہیں سکتے جو قصہ اس سورت میں بیان کیا جا رہا ہے وہ بنی اسرائیل کا ہے جنکی تہذیب و تمدن عربوں سے بالکل مختلف ہے مگر اس واقعہ کا جسقدر حصہ تمہاری ذھنیت سمجھ سکتی ہے صرف اسی قدر ہم تمہیں بتلاتے ہیں -

لعلکم تعقلون - جب تم اس واقعہ کو پڑھ لوگے تو عقل کی باتیں سمجھنے کی تم میں استعداد پیدا ہو جائے گی

آیت نمبر۳ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ قلے وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ

ترجمہ - ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان - اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا البتہ اس سے پہلے بے خبروں میں -

نحن نقص علیک احسن القصص - ہم اس مسئلہ نبوت کو ایک عمدہ مثال سے واضح کرتے ہیں بما اوحینا الیک ھذا القرآن - ہم نے تم کو یہ قرآن دیا ہے اور اس کا مقصد

یہ ہے کہ یہ ان پڑھ قوم، کام کرنے والی قوم بن جائے۔ اسواسطے ان کی موجودہ ذھنیت
کو ملحوظ رکھکر یہ واقعہ تبلایا جاتا ہے اور اسمیں اس پر مفصل بحث کی جائے گی۔

وان کنت من قبلہ لمن الغافلین ۔ تجھے اپنا انجام معلوم نہیں تھا یعنی تیرے پاس صرف
نظریات ہی تھے جیسے توحید کو مانو اور جنہم۔ جنت وغیرہ۔ آگے کسطرح ترقی کرو یہ
تمہارے پاس پروگرام نہیں ہے بلکہ صرف نظریات ہی ہیں۔ اب تجھے ترقی کا ایک پروگرام
تبلایا جاتا ہے اور یہ پروگرام تیری زندگی کے ساتھ پوری طرح تطبیق کھا جائیگا۔ اسطرح
تم عام حالات سے واقف ہو جاؤ گے اور اپنے پروگرام پر عمل کرنے لگ جاؤ گے
غرض انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ قصے کہانیاں اور شعر وغیرہ کو پسند کیا
جاتا ہے۔ پرانے حکیم اور دانا لوگ اکثر نصیحت کی باتیں قصے کہانیوں میں بیان کرتے
تھے۔ کیونکہ انسان اسکی طرف جلدی راغب ہو جاتا ہے اور اسطرح ان سے جلدی
متاثر ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے انسان کو بہت سی کارآمد باتیں جو روزمرہ زندگی میں درپیش
آتی ہیں سمجھا دی جاتی ہیں۔ نبوت جیسے نازک مسئلہ کے متعلق انسان کو سمجھانا کسقدر
مشکل کام ہے۔ کسی خاص تعلیم یافتہ یا اعلیٰ طبقہ کو ہی نہیں سمجھانا بلکہ سوسائٹی کے ہر ایک
فرد کو سمجھانا مقصود ہے۔ اسلئے اسے کسی ایسی ترکیب سے بیان کیا جاتا ہے کہ انسان
اس کو توجہ سے سُنے اور اس سے متاثر ہو۔ اسواسطے حکم ہوتا ہے کہ نبوت جیسے نازک
مسئلے کی تشریح قصہ کے پیرائے میں بیان کی جاتی ہے تاکہ ہر ایک انسان اس کو سمجھ
لے اور اس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ نبوت سے مردہ اقوام زندہ ہو جاتی ہیں۔

انسان فطری طور پر قصے کہانیوں اور شعروں کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ اسلئے قدیم حکماء اور دانا لوگ اپنی باتیں قصے کہانیوں میں بیان کرتے تھے تاکہ روزمرہ زندگی میں پیش آنے والی کارآمد باتیں انسان سیکھ جائیں۔

نبوت کی جو پہلی چیز ہے وہ الہام ہے۔ اب اس کے متعلق اس جگہ یہ ذھن نشین
کرایا جاتا ہے - آیندہ واقعات کی جھلک دکھانا اور اس کی صحیح تعبیر بیان کرنا اسے
الہام کہا جاتا ہے - ان واقعات پر صدق دل سے یقین کرنے والے کو (خواہ وہ
کسقدر تدریج در تدریج ہو کر انجام تک پہنچے) نبی کہتے ہیں - نبی کے معنی ہیں آیندہ کے
متعلق خبر دینا - نبی آیندہ واقعات اور انسانی بہتری کے مستقبل) کے متعلق خبر دیتا ہے

الہام کا ایک مفہوم یہ ہے کہ آئیندہ واقعات کی جھلک دکھانا اور اسکی صحیح تعبیر کرنا - الہام علامات نبوت میں سے پہلی علامت ہے الہامی واقعات پر صدق دل سے یقین کرنے والے کو نبی کہتے ہیں

آیت نمبر ۴ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ○

ترجمہ۔ جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے۔ اے باپ میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج کو اور چاند کو دیکھا میں نے انکو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے

آیت نمبر ۵ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○

ترجمہ:۔ کہا اے بیٹے مت بیان کرنا خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے پھر وہ بنائیں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے انسان کا صریح دشمن۔

علٰی اخوتک ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام صاحب العلم تھے۔ سمجھ گئے کہ گیارہ ستاروں سے مراد گیارہ بھائی اور چاند سورج سے مراد والدین ہیں اور یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہمارے بعد اس علم کے وارث ہونگے۔ اسواسطے کہا کہ اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے مت کرنا۔

فیکیدوا لک کیداً ۔ خفیہ مجلس قائم کرکے تیرے خلاف سازشیں کریں گے۔

ان الشیطٰن للانسان عدو مبین ۔ انسان کے ساتھ دو قوتیں ہیں ایک قوت حیوانیہ اور دوسری قوت عقلیہ ۔ قوت حیوانیہ ہمیشہ ہمیشہ قوت عقلیہ کے ساتھ نہیں چلتی۔ قرآن مجید میں ان دونوں قوتوں کے متعلق اصطلاحی الفاظ بیان کئے گئے ہیں جیسے جہاں عقل کا ذکر مقصود ہوتا ہے وہاں ملائکہ کا نام لیا جاتا ہے اور جہاں قوت حیوانیہ کا ذکر مقصود ہوتا ہے وہاں شیطان کا نام لیا جاتا ہے۔ غرض جہاں انسان اپنی بے عقلی سے کوئی بُرا کام کرتا ہے۔ اُسکا خارجی سبب شیطان اور جہاں اچھے اعمال کرتا ہے۔ ان کا خارجی سبب فرشتوں کو سمجھا جاتا ہے۔

انسان کے ساتھ قوت عقلیہ اور قوت حیوانیہ دو قوتیں ہیں۔ قرآن مجید میں عقل کیلئے ملائکہ اور قوت حیوانیہ کیلئے شیطان کے الفاظ اصطلاحاً بیان کئے گئے ہیں۔ اور برائی کا خارجی سبب شیطان اور اچھائی کا ملائکہ کو سمجھا جاتا ہے

آیت ہذا ۔ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ : اور اسی طرح برگزیدہ کرے گا تجھ کو تیرا رب اور سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا اور پورا کریگا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحٰق پر ۔ البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمت والا ۔

- ہمارے خاندان میں ایک باخدا امام سلسلہ وار پیدا ہوتا چلا آتا ہے ۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے ۔ ان کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام ہوئے ۔ ان کے گیارہ لڑکے تھے اور ابھی تک معین نہیں ہوا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا وارث کون ہوگا ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب سے حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ میرے بعد حضرت یوسف علیہ السلام وارث ہونگے اور خدا شناسی کا سلسلہ حضرت یوسف علیہ السلام میں منتقل ہوگا مگر ان کے بھائی اسے برداشت نہ کر سکے اور مخالفت پر آمادہ ہوگئے ۔ مگر چونکہ یہ امر من جانب اللہ تھا ۔ اسواسطے یہی بات غالب رھیگی اور کامیاب ہوگی ۔ یہی نبوت کی تدبیر ہے ۔ مخالف قوتوں کو دبا کر اس بات کو کامیاب بنا دینے کا نام تدبیر ہے ۔

"تدبیر" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ مخالف قوتوں کو دبا دیا جائے اور کسی بات کو کامیاب بنا دیا جائے ۔ امر الٰہی

و یعلمک من تاویل الاحادیث ۔ اس کی تفسیر آیت کے آخر پر ہے ۔

وعلی ال یعقوب ۔ یہ نعمت یعقوبؑ کی نسل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد بھی قائم رھیگی ۔ کما اتمھا علی ابویک من قبل ابراھیم و اسحٰق ۔ جسطرح تیرے باپ دادوں پر نعمت پوری کی ۔ اسیطرح یہ سلسلہ قائم رھیگا ۔ یعنی جس سوسائٹی میں وہ رہتے ہیں اس سوسائٹی میں وہ حاکم ہوکر رہیں گے اس کا نام نعمت ہے اور اسی کا نام امام ہے کہ اعلیٰ اور صحیح علم ہو اور سوسائٹی میں اسی کی برتری اور حکومت ہو ۔ اسی کا نام امامت ہے ۔ چاہئے ۔

"نعمت" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ سوسائٹی میں حاکم ہوکر رہے

"امامت" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اسے صحیح علم ہو اور سوسائٹی میں اس کی برتری اور حکومت ہو

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام امام تھے پھر حضرت اسحٰق علیہ السلام ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام۔
وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ - دنیا میں جو باتیں ہو رہی ہیں ان کا مطلب سمجھا دیا جائیگا۔ احادیث سے مراد وہ واقعات ہیں جو دنیا میں نوع انسانی میں پیدا ہوتے ہیں واقعات گزر جاتے ہیں مگر بات اور اثر رہ جاتا ہے - واقعات کی ابتداء کس بات سے ہوئی ہے اور ان کی تاویل یہ ہے کہ ان واقعات کا مقصد کیا ہے اور یہ کیوں پیدا ہوئے ان کے اسباب کیا تھے - نئے نئے واقعات اگر سوسائٹی کے مخالف ہوں تو ان کا رُخ پھیر دینا غرض جکو - یہ تاویل الاحادیث سمجھا دی جائیگی وہ علت اور معلول کے سلسلہ کو سمجھ جائیگا - تاویل الاحادیث کے علم کے بعد اُسے جس علم کی ضرورت ہے وہ اُسے بذریعہ الہام بتلایا جاتا ہے - اور اس کا مطلب پورا کر دیا جاتا ہے - تمام مخالفین ناکام بنا دیئے جاتے ہیں۔ اسی کا نام نبوت ہے۔

"تاویل الاحادیث" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسانی میں پیدا ہونے والے واقعات کے اسباب و علل و اثرات کا علم دیا جاتا ہے تاکہ سوسائٹی کے مخالف پیدا ہونے والے واقعات کا رُخ پھیر سکے۔

تاویل الاحادیث کے بعد جس علم کی ضرورت ہے وہ بذریعہ الہام بتایا جاتا ہے اور تمام مخالفین ناکام بنا دیئے جاتے ہیں۔ اسی کا نام نبوت ہے۔

ایک شخص نے بہت غور و خوض کے بعد ایک پروگرام سوچا اور پھر اس پر کاربند ہوا مگر اتفاق کی بات ہے کہ وہ اس میں ناکام[1] ہو گیا۔ یہ تو ایک بشری پروگرام تھا بلکہ اس کے بالمقابل ایک اور ہستی ہے - اُسے اللہ تعالیٰ نے ایک تعمیری پروگرام خواب میں دکھلایا اگرچہ اس کا پورا ہونا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے مگر اُس نے چونکہ اُسے پورا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور اُسے بتدریج پورا ہوتا دیکھتا ہے - خواہ وہ کسی قدر صد مشکلات - پیچیدگیوں اور عرصے کے بعد مکمل ہو - یہ من جانب اللہ ہے اسی کا نام تعبیر رویا ہے - ایک حکیم بھی یہی کام کرتا ہے - وہ سوچ سمجھکر نہایت کوشش سے سوسائٹی میں کام کرتا ہے - اسمیں اور نبی میں فرق یہ ہے۔ جیسے دریا بہہ رہا ہے اس سے زمین کو سیراب کرنے کیلئے نہریں نکالی جاتی ہیں یہ حکیم آدمی کام کرتا ہے - ایک یہ ہے کہ پانی نہیں ہے اور روحانی تدابیر سے یعنی دعا وغیرہ سے آسمان سے بارش لا سکے - یہ نبی ہے اور جب پانی زمین پر آ گیا تو پھر دونوں کے کام یکساں ہو جاتے ہیں۔

نبی اور حکیم کے کام میں فرق یہ ہے کہ حکیم پہلے سے موجود وسائل کو بروئے کار لا کر اپنی سمجھ اور کوشش سے سوسائٹی کی بہتری کیلئے کام کرتا ہے جبکہ نبی غیر موجود وسائل کو بذریعہ روحانی تدابیر جیسے دعا وغیرہ سے وجود میں لا کر انسانوں کی فلاح کا سامان کرتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند سجدہ کر رہے ہیں اس سے مراد بھائی اور ماں باپ تھے - صاف طور پر نہیں دکھلایا گیا بلکہ کے پس پردہ رکھا گیا ہے

1- ناکامیاب

اور اس سے سمجھ لیا کہ اس سے بھائی اور والدین مراد ہیں تو جیسے اُن بارے میں سعی کرنی چاہیے تاکہ یہ رتبہ آسانی سے مل جائے۔

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ ۔ سو بھائی کو جسقدر علم کی ضرورت ہوگی وہ نعمت تجھے عطا کی جائیگی۔

آیت نمبر ۷۔ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝

ترجمہ البتہ ہیں یوسف کے قصہ اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں پوچھنے والوں کیلئے۔

آیٰت للسائلین ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لئے بہت سے جوابات ہیں ۔ اگر اس قصے میں وہ غور کریں ۔ تو ان کو تمام سوالات کے جواب مل جائیں گے۔ من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پروگرام مکہ میں مکمل نہیں ہوگا بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ان کو بھی اپنا وطن چھوڑنا پڑے گا ۔ یہ مکی سورت ہے اور اس کی اطلاع مکہ میں دی جارہی ہے اور دوسری بات یہ بتلائی گئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بعد میں جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام کے روبرو گرے۔ اسیطرح قریش بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پروگرام میں مماثلت کی طرف اشارہ۔

آیت نمبر ۸ - إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ط إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

ترجمہ- جب کہنے لگے البتہ یوسف ؑ اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم اُن سے قوت والے لوگ ہیں ۔ البتہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے۔

- اذ قالوا لیوسف واخیہ ـــ عُصبۃ- کمیٹی کرنا جس میں نفع نقصان آپس میں اشتراکی ہو ۔ اب وہ مشورہ کرتے ہیں کہ ہم ایک تو طاقت ور ہیں اور ہمارا باپ ہمارے دو کمزور بھائیوں سے محبت کرتا ہے ۔ شاید ان کو وارث بنا دے ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب نہیں بتایا بلکہ بھائیوں کے دل میں شک پیدا ہوگیا۔

انّ ابانا لفی ضلال مبین ـــ ہمارا باپ غلطی کرتا ہے کہ وہ ہمارے کمزور بھائیوں سے محبت کرتا ہے حالانکہ دستور کے مطابق اُسے بڑے لڑکوں کے ساتھ محبت کرنی چاہیے ۔ انہیں جانشین بنانا چاہیے ۔ مرید لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں ۔ ہم ان کے وسیلہ ملک کو فتح

کریں گے - باپ کو چاہیئے کہ حکم دیں پھر اگر ملک فتح نہ ہو تو ہمارا قصور ہے۔ اب باپ

کہ وہ مصلحت سے بے خبر ہے -

مسئلہ تدبیر کی وضاحت

اب مسئلہ تدبیر کو واضح کیا جا رہا ہے - حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ درجہ حاصل ہو کہ ان کے بھائی اُسے سجدہ کریں اور اُن کے ظل میں آجائیں بظاہر ناممکن دکھائی دیتا ہے اسلئے کہ بنی اسرائیل کے قانون کے موجب بڑا بھائی وارث ہو سکتا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹے تھے - اسواسطے اب دو متعارض چیزیں پیدا ہوتی ہیں - اب ضروری ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام باہر چلے جائیں، جہاں ملکی معاملات کو سمجھنے کا انہیں موقع مل جائے - مگر حالات یہ ہیں کہ وہ بذات خود باہر نہیں جا سکتے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام ان سے محبت کرتے ہیں - اسواسطے اب تدبیر کام کرتی ہے - بھائیوں نے ان کا خواب سُنا یا نہ سُنا - انہیں قدرتی طور حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد ہونا ہی تھا اور ادھر حضرت یوسف علیہ السلام کو ملکی معاملات کی تربیت کیلئے گھر سے نکلنا بھی ضروری تھا اور یہ طے شدہ امر تھا اور اس کے واسطے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہونا چاہیئے جس سے وہ باہر چلے جائیں - ان میں سب سے زیادہ قریب سبب بھائیوں کا حسد کرنا تھا - اسواسطے تدبیر الٰہی اسی پر عمل کرتی ہے اگر بڑا بیٹا قابل ہوتا تو ضروری تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا وارث وہی قرار پاتا - مگر چونکہ وہ قابل نہیں ہے - اسواسطے اسے محروم کر کے چھوٹے بیٹے کو قابل ہے - اسے حق دیا جا رہا ہے - اسطرح جب نبی آتا ہے تو جو طاقت قابل ہوتی ہے اور نبی کے ساتھ مل جاتی ہے - نبی انہیں ہر قسم کی تربیت دیکر اپنا وارث قرار دیتا ہے اور جو اس کے خلاف چلتے ہیں انہیں راستہ سے ہٹا دیتا ہے -

آیت نمبر ۹ - اِقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِاطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ -

ترجمہ: مار ڈالو یوسف ؑ کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی - اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ -

اقتلوا یوسف - بھائی مشورہ[1] کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کانٹا راستہ سے نکال دو

[1] کمیٹی

اور یہ جسقدر غلطی ہے ۔ اس پر کفارہ دیدو ۔ نیک آدمیوں سے بھی اسیطرح غلطیاں سرزد ہوتی ہیں اور وہ اسے غلطی سمجھتے ہیں ۔ اسواسطے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر الزام نہیں آتا ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بڑی حکمت کے تحت کام کر رہے ہیں ۔ ان پر گناہ اس صورت میں تھا کہ اگر یہ بڑے کام کا ذریعہ نہ بنتے ۔ جیسے گورنمنٹ آف انڈیا اپنے کسی قانون کے تحت کسی آدمی کو سزا دے مگر برٹش گورنمنٹ اسے اپنے قانون کے تحت رد کردے ۔ اس صورت میں اس شخص پر کوئی الزام نہیں ہوگا ۔

مسلمانوں کو دو چیزوں کیضرورت ہے ۔
۱ ۔ اسلامی تربیت
۲ ۔ اسلامی حکومت

مسلمانوں کو دو چیزوں کی ضرورت ہے ۔ ایک اسلامی تربیت اور دوسری اسلامی حکومت اسلام کی سوشل (اخلاقی) تربیت دینا اگرچہ بہت اہم کام ہے مگر یہ ہر دور میں انجام پاتا رہیگا اور حکومت ایک عارضی شے ہے جو اگر اجتماع قائم رہا تو بنی رھیگی اور جب اجتماع (سوسائٹی) نہ رھیگا تو حکومت بھی برباد ہو جائیگی ۔

بنوھاشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزوں میں سے تھے اور بنوھاشم چاہتے تھے کہ وہ حاکم بن جائیں مگر اگر دیکھا جائے تو ان کا حاکم بننا اسلام کے اصل مقاصد کے خلاف تھا ۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ دشمنان اسلام کو اعتراض کرنے کا موقع مل جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کیلئے بادشاہی پیدا کرلی ہے اور یہ ایک بہت سخت الزام تھا جو اسلام کے مقصد کو برباد کرنے والا تھا ۔ بنو ہاشم نے کوششیں کیں مگر ناکام رہے اور بنی اُمیہ انہیں شکست دینے میں کامیاب ہوئے ۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم آپؐ کے خاندان کے بجائے آپ کی قوم میں محفوظ رہی ۔ اسمیں شک نہیں کہ بنی اُمیہ نے بنو ہاشم کے قتل کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا ۔ بنوھاشم کا آگے چل کر دو شاخیں ہو گئیں ۔ ایک فاطمیین اور دوسرے عباسی ۔ عباسیوں نے برسر اقتدار آ کر فاطمیین کو بھی اسیطرح قتل کیا جیسے بنو اُمیہ نے ۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں حکومت آہی نہ سکی ۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے پھر بھی حکومت آپ کے خاندان میں نہ آسکتی ۔ تو یہ غلط بات ہے ۔ ہاں اگر چاہتے تو آپ کے خاندان میں آجاتی مگر آپؐ نے ایسا نہیں چاہا ۔ اس کے متعلق قرآن میں صاف احکام ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد اُن کی جماعت وارث ہوگی ۔ بنو فاطمہ نے لاکھوں سر مارا مگر ان کی کوششیں ہر دفعہ ناکام رہیں
اب اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ حکومت سے مایوس ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں کی تربیت کی ذمہ داری
لی اور مسلمانوں کو بہترین راستہ پر ڈال دیا اور ان کو عارف باللہ بنا دیا ۔ اس صورت میں
بنو امیہ یا بنو عباس کو ملزم گردانا کہ انہوں نے فاطمیوں کو قتل کیا ۔ غلطی ہے ۔ اعلیٰ مقصد حاصل
کرنے میں یہ جرم نہیں ہے ۔ اسلئے وہ اس حکومت کے خیال سے کٹ کر مسلمانوں کی تربیت
کے خیال پر اُتر آئے ۔ مگر اب انفرادی ذہنیت غالب آ چکی ہے اور اسلامی تاریخ پڑھانے
یا حدیث کا درس دینے میں ہمارے علماء اب تنگ نظری دکھاتے ہیں ۔ جو شخص چھوٹے
جرموں کو بڑی مصلحت کیلئے معاف کر سکتا ہے ۔ وہ حکیم کہلانے کا مستحق ہے اور یہی
شخص تاویل الاحادیث جانتا ہے ۔

بڑی مصلحت کی خاطر چھوٹے جرائم کو معاف کرنیوالا حکیم کہلانے کا مستحق ہے " اور یہی تاویل الاحادیث جانتا ہے ۔

قانون کی ظاہری خلاف ورزی میں اگر کسی کی نیت خلاف ورزی کی نہ ہو تو اس کا جرم بہت
خفیف ہوتا ہے ۔ اس مسئلہ کا اثر اسلامی فقہ میں کافی موجود ہے ۔ اسکے بعد جب یہ ثابت
ہو جائے کہ ایک انسان کوئی کام کرنے کیلئے دوسری طاقت سے دھکیلا جا رہا ہے تو قانون کی
نظر میں اسکا جرم کم رہ جاتا ہے ۔ چونکہ ہمارے علماء سے اجتماعی طور پر جرم کا تعیین کرنا
مفقود ہو گیا ہے اسواسطے وہ اس کے شخصی جرم کو انفرادی حیثیت سے لیتے ہیں اور اس
کے عذر پر صحیح فیصلہ نہیں کر سکتے ۔ انسان جس قدر کام اپنے ارادہ سے کرتا ہے وہ بھی تقسیم شدہ
ہے جیسے ایک کام تو اُس کے اپنے ارادے سے ہوتا ہے اور ایک کام وہ سوسائٹی کے بندھن
سے مجبور ہو کر کرتا ہے جس میں وہ رہتا ہے ۔ باریک بین قانون دان ان دونوں کاموں میں
فرق کریگا ۔

مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں حکیم:
"ایسا صاحب بصیرت عالم و فقیہ جو قومی و بین الاقوامی پہلوؤں کو مدنظر رکھکر فیصلہ کرے اسے حکیم کہا جاتا ہے "

سوسائٹی کا جو اثر عام طور پر انسان محسوس کرتا ہے ۔ اس کے ہر درجہ میں ایک قومی اور
ایک بین الاقوامی سوسائٹی ہے ۔ انسان اجتماعی حیثیت سے سوسائٹی کے دونوں پہلوؤں
(یعنی قومی اور بین الاقوامی) سے متاثر ہوتا ہے ۔ جب اس درجہ کا بالبصیرت فقیہ عالم پیدا ہو جائے
جو ان تمام واقعات پر نظر کرنے کے بعد فیصلہ کرے ۔ اس کا نام ہماری اصطلاح میں حکیم ہے ۔
ایسے حکیم ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں ۔ دیکھو مسلمان مشرک کو کافر نہیں کہتے باوجودیکہ وہ قبر کو سجدہ کر رہا ہے

منظم حکومت میں قانون کی مرکزی طاقت اسی قسم کے حکیموں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اسکا بہترین نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور) سے شروع ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک ہے۔ اور جب یہ مرکزی طاقت ایک تیسرے درجہ کے فقیہ کے ہاتھ آجائے تو اس وقت ایک قسم کا مارشل لاء ہوتا ہے۔ یہ نہایت ابتدائی حالت کے بدوی درجہ کی شورائی حکومت ہوتی ہے اسلام کی تاریخ کے مختلف دوروں میں انکا امتیاز کرنا تاریخی فلسفہ میں اپنے آپ کو بے بہرہ ثابت کرنا ہے۔ اس کے بعد اسی روح کے تحت عجمی سلطنتوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو اسلام نہایت شاندار منظر پیش کرتا ہے۔ عربوں کے بعد اسلام نے دو عجمی قوموں کو سامنے رکھا روم۔ ایران۔ یہ دونوں شہنشاہیتیں تھیں۔ حکمت الٰہی کی تدبیر یہ ہوئی کہ پہلے اسلامی دارالخلافہ ان دونوں عجمی ملکوں میں منتقل کر دیئے جائیں۔ روم کیلئے دمشق میں اور ایران کیلئے بغداد میں۔ اب جو لوگ مدینہ میں دارالخلافہ رکھے جانے پر زور دیتے تھے وہ مقتضائی وقت کو نہ جانتے تھے اور نہ پہچانتے تھے۔ اب آپسمیں لڑائیاں شروع ہوئیں۔ جسکا یہ نتیجہ نکلا کہ اسلامی دارالخلافہ پہلے مدینہ سے دمشق اور بعد میں دمشق سے بغداد تبدیل ہو گیا۔ ان لڑائیوں کو جرم کہا جاتا ہے۔ مگر یہ ابتدائی جرم ہے اور اعلیٰ مقاصد کے حاصل کرنے میں یہ جرم نہیں۔ اسلامی دارالخلافے ان عجمی ملکوں میں منتقل ہو جانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان علاقوں کے لوگوں کی اسلامی تربیت ہو گئی اور بنو فاطمہ نے صوفی وغیرہ لوگوں کو تربیت دی تاکہ یہ عام لوگوں کی تربیت کر سکیں۔ آگے چلکر بنو فاطمہ تو کامیاب نہ ہوئے۔ مگر وہ قومیں خلافت کیلئے خود بخود تیار ہو گئیں اور خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ دمشق کی خلافت کی شاخیں ہیں۔ مصر۔ بروصہ۔ استنبول۔ ان علاقوں میں عرب اور رومی دونوں مل کر کام کرتے رہے۔ بغداد کی خلافت کی شاخیں یہ ہیں۔ پہلے نیشاپور میں ایک حکومت بنی۔ پھر وہاں سے بخارا پھر غزنی اور بعد ازاں دھلی۔ یہ دوسری شاخ ہے جسمیں ایرانیوں میں خلافت آ گئی۔ اسمیں مختلف قومیں برسراقتدار آ گئیں اور انہیں آپسمیں لڑنا ضروری تھا کہ ایکدوسرے پر غالب آ سکیں۔ اسواسطے کہ جب ایک نظام بگڑا تو جھٹ اس کی جگہ اس سے اعلیٰ نظام برسراقتدار آ گیا۔

م حکومت میں قانون کی مرکزی
ت اسی کے حکیموں کے ہاتھ میں
تی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
دور سے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت
کا دور اس کا بہترین نمونہ ہے

رکزی طاقت جب تیسرے درجہ کے
قیہ کے ہاتھ آجائے تو اس وقت
یک قسم کا مارشل لاء ہوتا ہے

اسواسطے اعلیٰ مقصد میں یہ جرم قرار نہیں پاتا۔

ایک یوروپین مؤرخ کا قول ہے کہ مسلمانوں کی اسلامی تاریخ ایک قصاب کی دکان ہے۔ یہ فقط بے سمجھی سے تاریخ لکھنے کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت میں اسلامی تاریخ اتنی بری نہیں۔ اس سے ہم اندازہ لگاتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی ایک اعلیٰ مقصد کے تحت کام کر رہے تھے۔ نبیوں کی غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں مگر بہت کم اور وہ بھی کسی اعلیٰ مقصد کے تحت ہوتی ہیں۔

اگر اس روح کے ماتحت ہم اپنی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم اسقدر غلطی نہ کرتے۔ اسلامی دنیا میں ہر دور میں ایسے حکیم پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اسطرف توجہ کی۔ آج اگرچہ حکومت ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ مگر مسلمانوں میں اسقدر اجتماعی طاقت موجود ہے جو دوسری قوموں میں نہیں پائی جاتی۔ مسلمان قوم ایسی تباہ نہیں ہوئی کہ دوبارہ اُٹھ ہی نہ سکے۔ یورپ کی چند سائنسی ایجادات سے جنہیں چند سکوں[1] سے خریدا جا سکتا ہے۔ ہم مرعوب نہیں ہو سکتے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ مسلمانوں میں ۷۲ فرقے ہونگے اور ان میں کا ایک فرقہ ٹھیک ہوگا۔ اسکی صحیح تفسیر یہ ہے کہ وہ ایک فرقہ صرف حکماء کا ہے اور یہ ۷۲ فرقے دوسرے درجہ کے لیڈروں کے مقلدین کی جماعتیں ہیں اور ۷۲ کا عدد مخصوص نہیں۔ اسکا مطلب ہے کہ بہت سے فرقے۔ عربی لغت میں ۷۰ یا ۷۲ کثرت کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۔ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝

ترجمہ۔ بولا ایک بولنے والا ان میں۔ مت مار ڈالو یوسف کو اور ڈال دو اس کو گمنام کنوئیں میں کہ اٹھا لے جائے اس کو کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کی خفیہ سازش۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اب خفیہ انجمن کر رہے ہیں کہ یوسفؑ کو قتل نہ کرو اور انہیں دور لے جانے کی کوشش نہ کرو۔ انہیں یہیں کہیں کنوئیں میں ڈال دو تاکہ ہماری ذمہ داری یہیں پر ختم ہو جائے۔ اب جو خفیہ انجمن میں بہ صورت بیٹھ کر رہے ہیں۔ یہی تدبیر کے سلسلہ

[1] ۔ پیسوں

کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ (اور وہ کنواں تجار کے راستہ پر تھا اور تاجر بچوں کو فروخت کرڈالتے تھے) یلتقطہ بعض السیارہ ان کنتم فاعلین ۔ کوئی حکومت کسی اجنبی آدمی کو (غیر آدمی) اپنے اندر نہیں لیتی ۔ اسکی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اجنبی لوگوں کو غلام کے طور پر خرید لیتے ہیں اور پھر ان کو تربیت دیتے ہیں ۔ اسواسطے تدبیر نے بھی یہی کرایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلام بن کر فروخت ہوں اور پھر وہ بتدریج ترقی کرکے حکومت کے رازوں سے آگاہ ہو جائیں ۔

آیت نمبر ۱۱ ۔ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪

برادران یوسف کا اپنے باپ کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرنا

ترجمہ ۔ بولے اے باپ کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اسکے خیر خواہ ہیں

یوسفؑ علیہ السلام کے معاملہ میں آپ ہم پر کیوں اعتماد نہیں کرتے ۔ ہم یوسف علیہ السلام کے بدخواہ نہیں ہیں بلکہ خیر خواہ ہیں ۔ اسے آپ ہمارے ساتھ رکھئے تاکہ وہ ہماری سوسائٹی میں رہ کر سمجھے سیکھے اور سوسائٹی سے باہر رہنے والا انسان برباد ہو جاتا ہے

آیت نمبر ۱۲ ۔ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫

ترجمہ :۔ بھیج اُس کو ہمارے ساتھ کل کو خوب کھائے اور کھیلے اور ہم تو اُس کے نگہبان ہیں ۔

تشریح ۔ ارسلہ معنا الآیہ ۔ ہم باہر جاکر کھیلیں گے تاکہ طبیعت میں فراخی پیدا ہو اور ہم یوسفؑ کی نگرانی کریں گے

آیت نمبر ۱۳ ۔ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬

حضرت یعقوب علیہ السلام کا خدشے کا اظہار فرمانا ۔

ترجمہ : بولا مجھ کو غم ہوتا ہے ۔ اس سے کہ تم اُس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کھا جائے اُس کو بھیڑیا اور تم اُس سے بے خبر رہو ۔

قال انی لیحزننی ۔ محبت کی وجہ سے جدائی ناقابل برداشت ہے ۔

واخاف ان یاکلہ الذئب ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں آیندہ واقعات کا نقش آچکا ہے اور انہیں یقین ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ضرور مجھ سے جُدا ہونگے اور تب جاکر کہیں ان کے خواب کی تعبیر پوری ہوگی ۔ مگر وہ جدائی کے خیال سے گھبراتے ہیں

۔ اسواسطے اس پریشانی اور کشمکش میں دماغ کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرسکتا وہ سمجھتے ہیں
کہ میرے بعد حضرت یوسف علیہ السلام اس علم کے وارث ہونگے اور حالت یہ ہے کہ اب
یہ مجھ سے جُدا ہو رہے ہیں ۔

آیت نمبر ۱۴ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ۔ بولے اگر کھا گیا اُس کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں قوت ور تو تو ہم نے سب کچھ
گنوا دیا ۔

تشریح ہم اسقدر طاقت ور جماعت ہیں ۔ ہم سے بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو چھین کر
کیسے لیجا سکتا ہے ۔

آیت نمبر ۱۵ ۔ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَاَوْحَيْنَآ
اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ۔ پھر جب لیکر چلے اُس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اس کو گمنام کنوئیں میں اور ہم نے
اشارہ کر دیا اُس کو کہ تو جتائیگا اُن کو اُن کا یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے

تشریح ۔واوحینا الیہ ۔ تو اسقدر ترقی کر لیگا کہ تو اپنے بھائیوں کو بتلائے گا کہ دیکھو تم نے
میرے ساتھ یہ جرم کیا اور تیرے بھائی اس جرم کو فراموش کر چکے ہوں گے ۔ اسمیں یہ روح
بتلائی جارہی ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اُس کے
روبرو پیش ہوں [illegible] وہ اپنے بھائیوں کو ان کے جرم سے مطلع کرینگے اور یہ اس
صورت میں ممکن [illegible] جب وہ حاکم ہوں ۔ غرض یوسف علیہ السلام کو بتلایا کہ بھائیوں کے
عمل سے تم مت گھبراؤ تم بہت ترقی کرو گے

آیت نمبر ۱۶ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ۔ اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے

آیت نمبر ۱۷ ۔ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا
فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: اور کہنے لگے اے باپ ہم دوڑنے لگے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف ؑ کو اپنے

اسباب کے پاس پھر اُس کو کھا گیا بھیڑیا۔ اور تو باور نہ کریگا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم سچے ہوں۔

نسبتق — دوڑ میں آگے بڑھنا۔

برادرانِ یوسفؑ کا مکر و فریب

آیت نمبر ۱۸ — وَجَاءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ط قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ط وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۞

ترجمہ: اور لائے اُس کے کُرتے پر لہو لگا کر جھوٹ۔ بولا یہ ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات۔ اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اُسی بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو۔

تشریح: وجاءو علی قمیصہ بدم کذب۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ اُتار لیا اور ایک جانور ذبح کر کے اُسے اس کے خون سے رنگ دیا غرض اسطرح ان کو بات بنانی نہ آئی اگر بھیڑیے نے کھایا ہوتا تو کرتے کا کسی نہ کسی جگہ سے پھٹنا ضروری تھا۔ اسواسطے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ تم جھوٹا خون لگا کر لائے ہو[1]

مصیبتوں اور تکالیف میں صبر اور استعانت الی اللہ انبیاء کی سنت ہے۔

قال بل سولت لکم انفسکم امرًا فصبر جمیل — تمہارے دل نے ایک جھوٹی بات بنائی ہے۔ لیکن میں اب کیا کر سکتا ہوں۔ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا اور صبر کرتا ہوں۔

واللہ المستعان علی ما تصفون — خبر نہیں یوسفؑ کو اس وقت کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑیگا میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجھے ڈھارس دے اور یوسفؑ کی مدد کرے۔ وہ بیچارا گھر سے بے گھر ہوا ہے اور خبر نہیں پردیس میں اس کی کیا حالت ہوگی۔

انسان ایک سوسائٹی کے اندر رہتا ہے اور اس سوسائٹی میں تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ نمایاں ہوتا ہے وہ شاعرانہ نازک خیالی اور فلسفیانہ رنگ دماغ کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ وہ سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا اندازہ بھی کرتا ہے کیونکہ سوسائٹی کی عام حالت اس شاعرانہ نازک خیالی اور فلسفیانہ دماغ سے زیادہ مانوس نہیں ہوتی اُسے چاہیے تھا کہ غریب آدمی سے لیکر متوسط اور پھر اعلیٰ درجہ کے طبقہ کے خیالات کو پرکھتا ہے اور پھر ان کے درمیان ایک راستہ تجویز کرتا ہے جس پر عام خاص لوگ اجتماعی حالت میں

---

[1] حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے نے بہت سے تماشے دکھلائے۔ ایک بار باپ کو رُلاتا ہے اور دوسری بار ان کو خوش کرتا ہے اور

چل سکتے ہیں۔ غرض انسانی سوسائٹی میں ہر کام کو اجتماعی فائدے کی نگاہ سے کرنا چاہیے
اس صورت میں وہ تمام سوسائٹی کیلئے فائدہ مند ہے اور جب اسے صرف ایک صنف یعنی
کسی خاص حصے یا جماعت کیلئے کیا جائے وہ بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔ انسان جسقدر
کام کرتا ہے وہ اسکی قوتوں کی حرکت سے ہوتی ہے۔ انسان کی ذات میں کوئی خوبی
باہر سے آئی ہو یہ نہیں۔ اسی کی فطرت نہایت سلیم ہے۔ جیسے عدد ہیں کہ تمام ایک
درجے پر ہیں۔ اسی طرح انسان کے کام کی حالت ہے۔ عدد اگرچہ ایک ہی درجہ
کے ہیں مگر جب انکے ساتھ گھوڑی یا روپیہ لگائیں گے تو زمین و آسمان کا فرق
پڑ جائیگا جیسے دس گھوڑے اور گیارہ روپے۔

انسانی سوسائٹی میں ہر کام اجتماعی فائدے کیلئے کیا جانا چاہیے۔ اگر کسی خاص طبقے یا جماعت کیلئے کیا جائیگا تو وہ بربادی کا باعث ہوگا۔

اسیطرح جب انسان اپنے ارادے سے کسی کام کو کرتا ہے تو وہ کام اپنی ذات
کے اعتبار سے نیک و بد میں برابر ہے۔ اگر اس کام نے اچھا نتیجہ پیدا کر دیا تو یہ
کام اچھا ہوگا اگر اُس نے بُرا نتیجہ پیدا کر دیا تو بُرا کام ہے۔

کوئی کام اپنی ذات کے اعتبار سے نیک و بد نہیں۔ بلکہ نتیجہ کے اعتبار سے اچھا یا بُرا ہوتا ہے۔
اچھے نتیجے والا کام اچھا اور بُرے نتیجے والا کام بُرا شمار ہوتا ہے۔

اب بحث طلب بات یہ ہے کہ اچھے اور بُرے نتیجے کا کیسے علم ہو کہ یہ اچھا ہے
یا بُرا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کام کے موافق نتیجہ نکلا وہ اُسکے واسطے اچھا
کام ہے اور جس کا نتیجہ موافق نہ نکلا اُسے بُرا سمجھا جاتا ہے۔ جیسے سرمایہ دار کہتا ہے
کہ سود لینا اچھا کام ہے کہ اس سے میں ترقی کرتا ہوں اور مزدور کہتا ہے کہ یہ
بُرا کام ہے کیونکہ میں اس سے ترقی نہیں کر سکتا۔ غرض اچھے اور بُرے ہونے کا یہ مطلب ہے
اب شریعت میں اچھا اُسے کہا جائیگا جو ایک بڑی جماعت کی رائے میں اچھا
ہو۔ مثلاً سوسائٹی کا فیصلہ ہے کہ ایک زبان بولنے والے لوگ ایک قوم ہیں اور
اس طرح سے بڑی جماعت بین الاقوامی ہے (تمام قومیں)۔ ایک چیز ایک بڑی جماعت کے
واسطے مضر ہے مگر ایک خاص آدمی کے واسطے یا کسی خاص گروپ کیلئے مفید ہے تو وہ اسے
اچھا سمجھے گی۔ اگرچہ اُسے قانوناً بُرا کہیں۔ اسیطرح ہر مجرم ہر کام کو اچھا سمجھ کر کرتا
ہے ورنہ اُسے نہ کرے۔ اگر کسی کام کو کیا جائے اور اس کا نتیجہ پیدا نہ ہو اور دیکھنا یہ ہو کہ
اس کا نتیجہ کب نکلے گا۔ (اچھا یا بُرا)۔

عام طور پر طریقہ یہ ہے کہ جو ارادہ کیا جاتا ہے جیسے دشمن پر فتح ہو وہی ہمارا نتیجہ بن جاتا ہے - ہاں اگر کچھ موانع پیدا ہو جائیں یعنی ہم ارادہ کریں اور نتیجہ نہ نکلے تو یہ مستثنیٰ چیز ہے - اگر نتیجہ نکلنے سے پہلے ہم اسے دیکھنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی خاص فائدے کیلئے ہو اور عام فائدے سے ٹکرا جائے وہ بُرا ہے اور جب عوام کے فائدے کیلئے ہو وہ اچھا ہے - حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات[1] یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے - من کانت ہجرتہ الی اللہ ورسولہ یعنی رسول اللہ کیطرف ہجرت کرنے سے مطلب ہے عربی قوم کا فائدہ - اور اللہ کی طرف ہجرت کرنے کا مطلب ہے عام فائدہ - اور اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرنے کا مطلب ہے بین الاقوامی فائدہ یعنی پہلے قومی اور بعد میں بین الاقوامی فائدہ - اللہ اور رسول کو ہمارے کاموں سے نفع مطلوب ہو یہ نہیں ہے - من کانت ہجرتہ الی دنیا لیصیبہا او امراۃ ینکحھا فہجرتہ الی ما ھاجر الیہ - یہ شخصی اور انفرادی فائدہ ہے - جس وقت یہ جملہ ہجرت کی تعریف کے طور پر استعمال ہوتا ہے - اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی بین الاقوامی فائدہ کیلئے اپنا گھر اور ملک چھوڑ کر آگیا مگر ایک شخص نے اپنا گھر اور ملک فقط اپنے ذاتی فائدہ - انفرادی شخصی فائدہ کے لئیے ہجرت کرتا ہے - یہ ہجرت قابل تعریف نہیں کیونکہ یہ شخصی طور پر کی گئی اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں نے جو اُن سے سلوک کیا ہے یہ جرم ہے اسلئے کہ انہوں نے صرف اپنے خاص فائدہ کو پیش نظر رکھا - اگر اسی سلوک یا کام کو وہ قومی یا بین الاقوامی فائدے کیلئے کرتے تو پھر یہ جرم نہیں تھا -

ان چیزوں کی اب ہم تمیز نہیں کرتے کہ یہ کام شخصی قومی یا بین الاقوامی فائدہ کے لئیے ہے - کوئی قانون کبھی مفید اور مکمل نہیں بن سکتا جب تک کہ کسی کام کرنے والے کے تمام مدارج شروع سے لیکر آخیر تک مقرر نہ کر دئیے جائیں - ہمارے دماغ میں جو بھدا پن آگیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جرم کے درجے مقرر کرنے چھوڑ دیئے ہیں اور اسیطرح شریعت کو برباد کر دیا ہے -

1- عام منہ مشکوٰۃ صفحہ 11 مجتبائی دہلی

مسلمان اب اسی غلطی میں برباد ہو رہے ہیں کہ وہ عام فائدہ کی بجائے خاص فائدہ کیلئے کوشش کر رہے ہیں

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے دُن سے کیا)۔

ف۔ ان تجار کو جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہونے کا معلوم ہوا تو انہوں نے یہ تجویز کی کہ عزیز مصر کو دیدینگے جو کچھ ملانے لیں گے تاکہ عزیز خوش ہو جائے حضرت یوسف علیہ السلام کی زیادہ تعریف کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے سامنے کوئی بڑا مقصد نہ تھا اسواسطے ان کا عمل غلطی پر مبنی تھا مگر چونکہ یہ کام تدبیر کرا رہی تھی اسواسطے ان کے بھائیوں کو معاف کیا جاسکتا ھے۔ اگر وہ بڑے مقصد کو مدنظر رکھکر یہ کام کرتے تو یہ کوئی غلطی نہیں تھی۔

آیت نمبر۱۹۔ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ط قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ط وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

قافلہ والوں کا حضرت یوسفؑ کو کنوئیں سے نکالنا۔

ترجمہ: اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھرنے والا۔ اُس نے لٹکایا اپنا ڈول۔ کہنے لگا کیا خوشی کی بات ھے یہ ہے ایک لڑکا اور چھپالیا اُس کو تجارت کا مال سمجھ کر۔ اور اللہ خوب جانتا ھے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تشریح۔ وجاءت سیارۃ۔ ایک قافلہ آیا۔ یہ قافلہ عرب سے مصر سامان تجارت لے جارہا تھا اسی شاہراہ سے گزر رہا تھا ہو چکا ہے۔ اہل عرب ہمیشہ مشرق و مغرب کے تجارتی تعلقات میں بیچ کی کڑی رہے ہیں۔ افریقہ اور ہندوستان سے سامان تجارت بحری راستوں سے آکر یمن اور حضرموت کے سواحل پر اترتا تھا اور یہاں سے خشکی کے راستے بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز و مدین اور وادی القریٰ کو عبور[1] کر کے شام پہنچتا اور شام کی سرحد سے مصر پہنچتا۔ توریت میں اس کے متعلق ذکر آتا ہے "انہوں نے (حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں) نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد (شام) سے ایک پہاڑ کی طرف آیا جو اونٹوں پر بخورات۔ ملیسان اور مسالا لادکر مصر لے جارہا تھا۔ غرض یہ قافلہ اسماعیلی تھا اور اس کا وطن مدیانی (اشہر مدین تحقیقی طور پر اور یقینی طور سے حجاز میں ساحل بحر احمر و عقبہ کے ساحل[2] پر واقع تھا اور اب تک اسی نام سے وہیں موجود ہے۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسے مدین کہتے تھے اور عرب اُسے ایک مدت سے حجاز کہتے ہیں یعنی حجازی سمجھ

۱۔ قطع
۲۔ سریر

غرض یہ کاروان اسماعیلی تھا اور آجکل کی اصطلاح میں حجازی تھا۔

انسانیت کی ناقدری کا بیان

واسروہ بضاعۃ۔ اسکی انسانیت کی قدر نہ کی بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سامان کے طور پر رکھا کہ اس کو فروخت کرینگے۔

وسعت علم الہی کا بیان۔

واللہ علیم بما یعملون۔ جو کچھ یہ کررہے ہیں اللہ سے جانتا ہے۔ ان کو علم نہیں ہے کہ یہ تمام کام حکمت کے ماتحت ہورہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیسی جلیل القدر ہستی ایسی تکلیف دہ زندگی بسر کرتے ہیں اور انہیں اسی سے اپنا راستہ نکالنے کیلئے راضی کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے کمال معراج تک پہنچیں۔

آیت نمبر۲۰۔ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ۔ اور بیچ آئے اسکو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں۔ اور ہورہے تھے اُس سے بیزار۔

قدر زر زرگر بداند یا بداند جوہری۔

وشروہ ۔۔ اس قافلہ نے مصر میں جاکر حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک حقیر قیمت پر فروخت کردیا وکانوا فیہ من الزاھدین۔ اہل قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے التفاتی ظاہر کررہے تھے یعنی انہیں معمولی ہستی سمجھکر نہایت حقیر قیمت پر فروخت کردیا اور یہ نہ سمجھے کہ یہ نہایت عظیم الشان ہستی ہے۔ کسی ملک یا شہر میں باہر سے قافلہ آتا ہے تو پہلے اُمراء کے ہاں جاتا ہے اور اپنا مال فروخت کرتا ہے۔ اسی طرح تدبیر حضرت یوسف علیہ السلام کو امیر کے ہاں پہنچاتی ہے۔ تاجر سب سے پہلے امیر کے ہاں گئے اور اس کے ہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو معمولی قیمت پر فروخت کردیا۔ اور بلاشبہ وہ (یوسف[1]) حیوان وسامان کی مانند فروخت ہوئے۔ اسمیں راز یہ ہے کہ جب ترقی کا راستہ بند ہوجاتا ہے تو انسان حقیر زندگی قبول کرکے اس سے آئندہ زندگی کا راستہ نکال لیتا ہے۔ اور جب انسان سمجھ لیتا ہے کہ میرا مقصد عظیم الشان ہے تو وہ اس زندگی کو اختیار کرلیتا ہے تاکہ وہ اپنے بڑے مقصد تک پہنچ جائے اسواسطے اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کو ساتھ ساتھ مطمئن رکھتا ہے جس کا ذکر آیت نمبر۱۵ میں آچکا ہے۔

اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے ادنیٰ سے ادنیٰ تدابیر اختیار کرنا لازمی ہے۔

ترقی کے حصول کی خاطر ادنیٰ زندگی اختیار کرکے اسی سے ترقی کا راستہ نکالا جاتا ہے

[1] ذات

تاجروں کا قاعدہ ہے کہ جب بڑے شہر میں آتے ہیں تو کچھ نہ کچھ اس کے امیر کو دیتے ہیں تاکہ خوش رہے اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز کے پاس لے گئے جو کچھ مل گیا وہ لے لیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ پہلے جبر و تحمل کے ساتھ دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کی قوت حاصل کر لو پھر دشمن پر فتح حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم ہے کہ تجھے ایک تھپڑ مارے تو تم دوسرا رخسار بھی اُس کے آگے کردو درحقیقت یہ نہایت حقیر اور غلامانہ زندگی ہے کی تعلیم اور مثال ہے مگر مسیح علیہ السلام یہ تعلیم اسلئے دے رہے ہیں کہ اس پر عمل کرنے سے سلطنت روماء میں اپنے آگے بڑھنے کا موقع تلاش کریں اس کے ساتھ ہی مسیح علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں صلح کرانے کیلئے نہیں آیا بلکہ جنگ لڑانے کیلئے آیا ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کا مطالعہ اگر قرآن کی تعلیم کے ساتھ کریں تو یہ مسئلہ نہایت واضح ہوجاتا ہے مگر بدقسمتی سے عیسائیوں نے اُسے غلط تعبیر کرلیا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ تم پہلے یہ درجہ حاصل کرلو کہ تم میں تحمل اور بُردباری آجائے اور جب یہ درجہ حاصل ہو جائے اس کے بعد جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ۔ کیونکہ فتح پانے کے بعد یہ لازمی نہیں ہے کہ ہر ایک کو قتل ہی کردیا جائے بلکہ اسوقت نہایت تحمل اور بردباری کے ساتھ واقعات کا فیصلہ کرکے سزائیں دی جائینگی۔ مہربانی کی جگہ مہربانی اور سختی کی جگہ سختی۔ اسواسطے مسیح علیہ السلام نے یہ تعلیم دی۔

آیت نمبر۲۱۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝۔

ترجمہ:۔ اور کہا جس شخص نے خریدا اُس مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھو اُس کو شاید ہمارے کام آئے یا کرلیں ہم اُس کو بیٹا اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسفؑ کو اُس ملک میں اور اسواسطے کہ اُسکو کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کا اور اللہ ور رہتا ہے آپ کام میں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اشتراہ من مصر۔ جس مصری نے خریدا۔ اللہ تعالٰی نے کئی جگہ فرمایا کہ دنیا عالم اسباب پیدا کی گئی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رات کو ایک فقیر گودڑی میں سویا اور صبح اُٹھا تو بادشاہ تھا۔ اور

پھر نہایت اعلیٰ طریقہ پر اس نے بادشاہی کی ہو بلکہ اسکے لئے حقیقۃً ظاہری اسباب ہونے چاہییں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک بہت ذی اقتدار عہدہ دینا منظور تھا اس لئے امیر مصر کے ہاں اُس کے فروخت ہونے کے اسباب پیدا کر دیئے تاکہ امیر کے گھر رہ کر اس معزز عہدہ کیلئے تعلیم و تربیت ہو سکے۔ غرض یہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی جسمیں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا کام کرنا تھا۔ امیر کے گھر میں سلطنت کے امور و راز سیکھنے کا کافی موقع اُنہیں میسر ہو سکتا تھا

اکرمی مثواہ۔ ہم نے اگرچہ یوسف علیہ السلام کو غلام خریدا ہے مگر اسے نوکروں کی طرح نہیں بلکہ اسے عزت سے رکھنا

عسیٰ ان ینفعنا۔ چونکہ یہ ہونہار معلوم ہوتا ہے اسواسطے اسے عزت سے رکھو ممکن ہے اس سے ہمیں فائدہ ہو۔ او نتخذہٗ ولداً اور ممکن ہے کہ ہم اسے اپنا لڑکا بنائیں اور اسطرح اسے اپنے خاندان میں ملالیں اسواسطے اسے اپنے لڑکے سی شفقت اور محبت سے رکھو و کذالک مکنا لیوسف فی الارض۔ ایک اجنبی آدمی کی دوسرے ملک میں عزت نہیں ہوتی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس طرح باشندہ بنا دیا تاکہ اس ملک کا باشندہ بن کر وہاں کی ملکی حکومت میں حصہ لے سکیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک حکمران گھرانے میں رکھکر اُنہیں حکمرانی کی تعلیم کا موقع دیا۔ اور انسان کیلئے یہ فطری طریقہ ہے کہ اگر انسان فطری طریقہ پر تربیت پا کر ترقی کرے تو وہ نہایت اعلیٰ درجہ تک ترقی کر سکتا ہے اسیطرح جب منتظم لوگ اپنے سکول یا یونیورسٹی کے طلباء کو اپنی اولاد کی طرح تربیت دیں تو یہ فطری طریقہ ہے اگر طلباء کو صرف دماغی تعلیم دی جائے اور اس کے ساتھ تربیت کچھ نہ ہو۔ اس طرف اعلیٰ دماغ تیار ہو سکتے ہیں۔ عملی کام کیلئے بالکل نکمے ہونگے اور یہ غیر فطری طریقہ ہے۔

انسان فطری طریقہ پر تربیت پاکر ترقی کرے تو اعلیٰ مقام تک ترقی کر سکتا ہے۔ دماغی تعلیم کے ساتھ عملی تربیت نہ ہو تو اعلیٰ دماغ پیدا ہو سکتے ہیں جو عملاً بالکل نکمے ہونگے۔

انسان کی تعلیم و تربیت کا فطری طریقہ یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ عملی تربیت بھی دی جائے

ولنعلمہٗ من تاویل الاحادیث۔ اللہ اسے واقعات کا مطلب سمجھائیں۔ یعنی سوسائٹی میں جو حکومت کا مادہ پیدا شدہ ہوتا ہے۔ اسکی ساری حکمت ان کے سامنے آ جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے اور اپنے آپ کو معزز سمجھتے ہیں۔ انہیں حکومت کے حصے کی تربیت دینے کیلئے امیر مصر کے ہاں موقع دے دیا۔

واللہ غالب علیٰ امرہٖ۔ حضرت یوسف علیہ السلام گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور آخر میں غلام بنکر

فروخت ہوتے ہیں اور پھر امیر مصر (بلکہ اللہ تعالےٰ) نے ان کو اس کام پر لگا دیا جسکا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

انسان جو عمل کرتا ہے اُسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اسے اپنی ذات کے حوالے سے کرتا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے وہ جس سوسائٹی کے ماحول میں رہتا ہے اس کے دباؤ اور زور سے کرتا ہے۔ جسطرح انسانی عمل کی تقسیم ہے اسیطرح اللہ تعالیٰ کی حکمت نوع انسانی کو چلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو اللہ کے ارادہ فیصلہ۔ قدرت سے تعبیر کر سکتے ہیں اور وہی انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف لے جاتی ہے غرض انسان اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت کام کو کرتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے ایک کام کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اگر چہ کسقدر موانع اسباب پیدا ہو جائیں یا رکاوٹیں پیش آئیں۔ خواہ یہ اسباب خود بخود پیدا ہو جائیں یا دوسرے انسان اپنی طرف سے اس کام میں رکاوٹیں ڈالیں مگر اللہ کی حکمت اُن اسباب پر غالب رہتی ہے اور وہ کام سرانجام پذیر ہوتا ہے ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔ اکثر آدمی اللہ کی حکمتوں کو نہیں سمجھتے۔ اگر کسی آدمی کے کام کو تحلیل کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ حکمت ربّی کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اسطرح اس کام کو دیکھنے سے انسان غلطی نہیں کر سکتا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس کے کام کو اسکی ذات پر ختم کر دیا جاتا ہے یعنی اس کے کام کو انفرادی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے اور یہ جہالت کی بات ہے بلکہ سب کاموں کو اجتماعی طور سے دیکھنا چاہیے۔

> اعمال انسانی کو دو حصوں پر منقسم کیا جاتا ہے۔
> ۱۔ ذاتی
> ۲۔ ماحول اور سوسائٹی کے دباؤ کے تحت۔

> حکمت الہی جیسے ارادہ۔ قدرت فیصلہ سے تعبیر کر سکتے ہیں وہی انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف لے جاتی ہے گو یا انسان حکمت الہی کے تحت کام کرتا ہے

> اللہ کی حکمت تمام موانع اسباب اور رکاوٹوں پر غالب رہتی ہے

آیت نمبر ۲۲۔ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ ۔ اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اس کو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو۔

ولما بلغ اشدہ حکماً ۔ حضرت یوسف علیہ السلام ایک حکمران گھرانے میں پرورش پاکر جوان ہوئے وہ بچپن سے اسی گھر میں پلے اور انہوں نے اسی گھر سے حکومت کرنے کے طریقے سیکھے۔ غرض اسیطرح اللہ تعالیٰ نے انہیں حکومت کرنے کا مادہ عطا کیا اور کاروبار حکومت چلانے لگے۔

وعلماً - ایک حکومت جہالت کی ہے اور ایک حکومت حکمت کی ہے - حکمت کی حکومت میں ہر قانون کو حکمت سے ڈھالا جاتا ہے - حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ حکمت عطا کی جو حکومت کرنے کیلئے درکار تھی - اس کی تربیت امیر کے گھر میں کر دی گئی -

اعمال صالح کا بدلہ -
اہل اور صالح اولاد -

وکذالک نجزی المحسنین - اور ہم نیکوکار بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں یعنی ان کے کاموں کے ایسے نتائج پیدا کرتے ہیں - اس جگہ محسنین سے مراد حضرت ابراہیم - حضرت اسحٰق - حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں کہ انہوں نے جس نیک کام کا بیج بویا تھا - ہم نے اس کا اچھا ثمرہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کی تشکیل کی شکل میں دیا - ان بزرگوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ اعلیٰ درجہ کی انصاف کرنے والی حکومت اور خدا کے نام سے حکومت والی حکومت پیدا کریں - تاکہ دنیا سے ظلم دور ہو اور انصاف کا دور دورہ ہو ان نیکوکاروں کی کوشش کا صلہ اللہ تعالیٰ یہ دیتا ہے کہ ان اولاد سے کسی کو حکومت کے ڈھنگ سیکھنے کا موقع ملتا ہے - اب حضرت یوسف علیہ السلام کو موقع دیا گیا کہ وہ امیر حاکم کے گھر رہ کر حکومت کے طریقوں کو سیکھیں - غرض یہ موقع جو حضرت یوسف علیہ السلام کیلئے پیدا کیا گیا ہے - ان کے آباؤ اجداد کے واسطے رحمت کا باعث ہے - جس راستہ سے یوسف علیہ السلام مصر پہنچے ہیں وہ رحمت ہے - اگرچہ اسمیں مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں مگر اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ماں کے پیٹ میں نو ماہ تک بچہ رہتا ہے وہ ہر قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرتی ہے پھر زچگی کی تکلیف برداشت کرتی ہے - اس کے بعد کس مصیبت سے اُسے پالتی ہے مگر اس کے باوجود اس بچے کو رحمت ہی سمجھتی ہے - اسیطرح اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے تکلیفوں اور مصیبتوں کو بھول جانا چاہیئے - اور صرف اعلیٰ مقاصد کی طرف خیال رکھنا چاہیئے -

آیت نمبر ۲۳ میں حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں ایک اعلیٰ خاندان کا لڑکا ہوں جس کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے وارث حضرت اسحٰق علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں - غرض یہ اعلیٰ تخیل حضرت یوسف علیہ السلام کے دماغ میں محفوظ ہے اور اعلیٰ مقاصد کے پیش نظر ہے -

آیت نمبر ۲۳ - وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ -

ترجمہ: اور پھسلایا اُس کو عورت نے جس کے گھر تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیئے دروازے اور بولی شتابی کر۔ کہا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھکو بیشک بھلائی نہیں پاتے وہ لوگ جو بے انصاف ہوں۔

وَرَاوَدَتۡهُ الَّتِیۡ هُوَ فِیۡ بَیۡتِهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ ۔ انسان اپنے اخلاق کا خود محافظ ہے۔ اور وہ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ اُسے فلاں کام کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اب گھر کی مالکہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلایا وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ ۔ اور اندر کے دروازے بند کر لئے قَالَتۡ هَیۡتَ لَكَ اور کہا اے یوسف تیرے لئے سب کچھ موجود ہے یعنی میں حاضر ہوں۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ یا اللہ اب میں عاجز ہوں تو مجھے پناہ دے۔ اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ ۔ یہ میرا (عزیز) مُربّی ہے۔ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ ۔ اُس نے نہایت اعلیٰ طریقہ سے پرورش کی۔ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ۔ اب میں ایسی ناجائز حرکت کروں اور اللہ کبھی ظالموں کو ترقی نہیں دیتا۔ غرض یوسف علیہ السلام کو جو بداخلاقی کی تعلیم دی جا رہی تھی۔ اس سے یوسف علیہ السلام بچتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ بداخلاقی ظلم ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ انسان کا دماغ اسقدر خراب ہو جائے کہ ظلم کو اچھا سمجھے۔ انسان میں جب تک انسانیت موجود ہے وہ ظلم کو کبھی اچھا نہیں سمجھے گا۔ اگر کسی انسان کو بداخلاقی سے روکا جائے اور وہ باز نہ آئے بلکہ اسے بدستور کرتا رہے۔ اسکا صحیح علاج یہی ہے کہ اس برائی کو ظلم سے ملحق کر دیا جائے۔ اس کے بعد انسانی دماغ خود سمجھ لیتا ہے کہ یہ ظلم ہے اور اسے اس کے نزدیک نہیں جانا چاہیئے۔ جن لوگوں نے اخلاق کے سوا اس کے اور قوانین قرار دیئے ہیں وہ درحقیقت اپنی بات لوگوں کو سمجھا نہیں سکتے۔ اور لطف یہ ہے کہ وہ توقع رکھتے ہیں کہ لوگ ان کے قانون کے پابند ہو جائیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے ان قوانین نے انسانی سوسائٹی کو برباد کر دیا ہے۔ ان کے یہ قانون جن پر انسان عمل نہیں کر سکتا حقیقت میں انسانیت پر ناجائز دباؤ اور بوجھ ہیں۔ جب انسان کو کوئی بات سمجھا ہی نہیں سکتے تو پھر اس بات پر عمل کرنے کا زور دینا درحقیقت اس پر بوجھ ڈالنا ہے انسان کی عقل خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ یہ کام غلط ہے یا صحیح ہے۔

ظلم تباہی و بربادی کا بنیادی زینہ ہے۔

فطرت انسانی کے خلاف قوانین انسانیت پر ناجائز دباؤ اور بوجھ ہیں۔ جن سے انسانی سوسائٹی تباہ و برباد ہو جاتی ہے

آیت نمبر۲۴ - وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾ -

ترجمہ۔ اور البتہ عورت نے فکر کیا اُس کا اور اُس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی - یوں ہی ہوا تاکہ ہٹائیں ہم اُس سے بُرائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں

— بعض اوقات عقل کا فیصلہ انسانی جذبات کو روکنے کیلئے کافی نہیں ہوتا - بعض اوقات ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے جذبات کو روک نہیں سکتا - حالانکہ عقل اُسے مشورہ دیتی ہے مگر اس کے باوجود جذبات کا ہیجان نہیں رُکتا - اس کے جذبات کے ہیجان کا آخری درجہ یہ ہے کہ کام کا ہونا شروع ہو جائے - جیسے ایک بندوق ہے اسمیں گولی بھر دی گئی - مگر گولی چلانے سے قبل ایک آدمی نے اپنے ہاتھ کو روک لیا اور گولی نہ چلائی تو اُس کا یہ مطلب ہے کہ اس سے فعل سرزد نہ ہوا - اسیطرح جب جذبات کا ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور تمام بدن میں اسکا اثر ہو جائے اور پھر وہ اثر آخری درجہ تک آ جائے اور آدمی عین اسوقت سنبھل جائے تو وہ گناہ سرزد نہیں سمجھا جائیگا - فرشتے اس بات کو سمجھانے سے قاصر ہیں کیونکہ ان کے اندر جذبات کا ہیجان ہی نہیں - اسواسطے وہ خاک سمجھائیں گے -

جب حالت یہ ہے کہ انسان میں جذبات کا ہیجان پیدا ہو گیا اور تمام بدن میں اس کا اثر ہو کر ہیجان آخر تک آ گیا تو اس وقت عقل تو رہ گئی - کیونکہ وہ جذبات کو دبانے سے قاصر رہ گئی ہے - اس وقت انسان کے اندر سے ایک طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کا تصوف کی اصطلاح میں لطیفہ سِرّ یہ نام رکھا گیا ہے - اس وقت یہ سِرّ کی قوت بڑھتی ہے اور جس بداخلاقی کے جرم کا وہ مرتکب ہونے لگا تھا وہ اس ظلم کو انتہائی شکل میں اس کے روبرو پیش کر دیتی ہے - پہلے انسان کو عقل نے سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا اس واسطے اب لطیفہ سِرّ کی قوت نے اُسکی آنکھوں کے سامنے نہایت بھیانک منظر پیش کر دیا - اسی واسطے انسان اب اپنی آنکھوں سے

مشاہدہ کرلیتا ہے اور اس ظلم سے ہٹ جاتا ہے۔

لطیفہ سرّیہ کے ذریعہ سمجھانے کے دو طریقے ہیں۔
١۔ ادنی درجہ
٢۔ اعلی درجہ

لطیفہ سرّیہ کے ذریعہ سمجھانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک اعلی اور دوسرا ادنی۔ ادنی درجہ میں لطیفہ سرّیہ کی قوت انسان کے سامنے اس کے استاد یا مرشد یا باپ کی شکل کو لے آتی ہے۔ اور وہ شکل اس فعل شنیع سے منع کرتی ہے۔ جس وقت انسان کی آنکھوں کے روبرو باپ یا مرشد یا استاد کی شکل آجاتی ہے تو اس انسان میں قوت آجاتی ہے کہ وہ جذبات پر قابو پالیتا ہے جیسے ایک آدمی ہے وہ کسی عورت کے ناجائز عشق میں اندھا ہو کر رات دن وصال کیلئے مرتا ہے اور عین برباد ہونے کی حالت میں اسکی والدہ یا کسی اور عزیز کی شکل سامنے آجاتی ہے اور وہ اپنی مظلومی کی تصویر اس کی آنکھوں میں پھیر دیتی ہے تو وہ اسکی عقل کو مدد دیتی ہے کہ وہ اپنے جذبات پر قابو پالے اور اسطرح وہ چونک اٹھتا ہے یہ لطیفہ سرّیہ کا ادنی درجے کا عمل ہوتا ہے۔

اعلی درجہ یہ ہے کہ اپنے جذبات پر قابو پالے۔ خواہ لطیفہ سرّیہ کے اعلی درجہ کے ذریعہ یا ادنی درجہ کے ذریعہ اور اسطرح جذبات پر قابو پانے والا انسان کامل ہوتا ہے۔ انسان سے کسی قسم کی غلطی سرزد نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے انسان ضرور غلطی کریگا مگر اس کے ساتھ ہی وہ اگر جذبات پر غالب آجائے تو اُسی کا نام انسانیت ہے۔

انسان اگر غلطی میں مبتلا ہونے لگا تھا مگر اس سے بچ گیا یا غلطی کرلی مگر بعد میں سنبھل گیا تو اُسے تائب کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اس سے سنبھل گیا ہے۔ اب ایک حاکم کیلئے صحیح[1] طور پر حکم کرنا جب ہی ممکن ہے کہ وہ اپنے محکوم لوگوں کو اپنی اصل اولاد کی مانند سمجھے اور کسی جرم کے پیدا ہونے اور اس کے انجام پذیر ہونے تک تمام حالات کا مطالعہ کرچکا ہو اور اس جرم کے سرزد ہونے میں شروع سے لیکر آخر تک جتنی کیفیتیں انسان پر گزرتی ہیں تمام سے وہ آشنا ہو اس کے بعد وہ حاکم مجرم کو صحیح سزا دے سکتا ہے۔ جس درجہ کا جُرم ہوگا اُسی درجہ کی صحیح سزا اُسے دیگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو پورا اور ٹھیک ٹھاک (مکمل) حاکم بنانے کیلئے اب ایک تجربہ میں ڈالا جاتا ہے۔

١۔ صحیح

ولقد همت بہ ۔ اس عورت نے یقیناً یوسفؑ کا ارادہ کر لیا ۔ وھمّ بھا لولا ان رای برھان ربہ
اور یوسفؑ بھی اس عورت کا ارادہ کر لیتا اگر وہ دیکھ نہ پاتا اپنے رب کی محبت ۔
عورت نے تو یقیناً یوسف علیہ السلام کا ارادہ کر لیا تھا اور اگر حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کی محبت
دیکھ نہ پاتے تو یہ بھی اسی عورت کا ارادہ کر چکے تھے ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو چونکہ حاکم بنانا تھا
اسواسطے ضروری تھا کہ ان کو اس کیفیت سے آشنا کریں ۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری
تھا کہ ان کو اس سے ملوث ہونے نہ دیا جائے ۔ کذالک لنصرف عنہ السوء والفحشاء ۔
ہم نے جو اسے محبت دکھلائی اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اسی بدکام میں شامل نہ ہو جائے
اسی حد تک اسی کیفیت سے آشنا کرانا ضروری تھا ۔ سوء بداخلاقی اور بری چیز کا
مادہ لینا ۔ فحشاء ۔ سوسائٹی میں بے حیا بن جانا کہ سوسائٹی میں اپنی عزت کا خیال نہ کریں
کہ سوسائٹی اس کے متعلق کیا کہے گی ۔

تربیت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے یہ سکھلایا جائے کہ جس سوسائٹی میں تم رہتے ہو
اسمیں ایسا جرم نہ کرو جس سے تم سوسائٹی میں بدنام ہو جاؤ ۔ پہلے اس بات کی تلقین کرنی چاہیے
کہ سوسائٹی کے قوانین کی خلاف ورزی نہ کرو ۔ اس کے بعد دوسرے درجہ پر سکھلاؤ کہ
چوری نہ کرو کیونکہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے یا ظلم نہ کرو وغیرہ ۔

تربیت دینے کیلئے یہ احساس دلانا ضروری ہے کہ وہ سوسائٹی کے قوانین کی خلاف ورزی نہ کرے اور پھر چوری و ظلم جیسے جرائم سے بچنے کی تلقین کرنی چاہیے ۔

یہ خیال غلط ہے کہ بنی نوع انسان میں اب جرائم بڑھ رہے ہیں ۔ یہ صریحاً غلط ہے ۔
حدیث میں آتا ہے تمام انسان فطرت پر پیدا ہوتے ہیں " اگر ان کی صحیح تربیت
کیجائے تو وہ بہترین انسان بن سکتا ہے ۔ اسلام کا پہلا دور نہایت شاندار ہے یعنی
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک ۔ اس کے بعد جنگ ہوئی اور لوگ اس جنگ کے زمانہ
کو روتے ہیں اور لوگوں نے اس زمانہ کو غلطی سے اپنے لئے مستقل مثال کے طور پر لیا ہے اور اسی
زمانہ کو غلطی سے قانون بنا لیا ہے ۔ یہ غلط ہے ۔ اگر بچے کو تعلیم و تربیت فطرت
کے مطابق دی جائے تو وہ آج بھی بہترین بن سکتے ہیں ۔

وانہ من عبادنا المخلصین ۔ حضرت یوسف علیہ السلام ہمارے ان غلاموں میں سے ہیں جو ہمارے
کام کیلئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں ۔ ہمارے کام کیلئے مخصوص کی گئی جماعت میں سے وہ ہیں ۔

غرض اسمیں بتلایا کہ یہ واقعہ جو پیدا کیا گیا - اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جرم کریں بلکہ مطلب یہ تھا کہ جرم میں ابتداء سے انتہا تک جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اُسے اُس کا صحیح علم ہو جائے -

یہ خیال غلط ہے کہ انسان کو ان باتوں سے جاہل رکھنا چاہیے اسطرح وہ بہترین آدمی بن جائیگا انسان کو جاہل رکھکر کبھی بہترین انسان نہیں بنا سکتے - اسکی ہزاروں مثالیں ہمارے سامنے ہیں انسان کو جاہل رکھکر جس قدر تربیت دی جائیگی وہ سب ملمع ہوتی ہے - وہ تنکے کے برابر بھی اثر نہیں رکھتی - انسان میں جب ہیجان پیدا ہوتا ہے وہ سب تربیت برباد ہو جاتی ہے - نالائق لوگوں نے ان چیزوں سے جاہل رکھنے کو "تقویٰ" کا نام دیا ہے جو شخص کسی بری بات سے ملوث نہ ہو اور خود ہی سیکھ جائے وہ بہترین آدمی ہے حدیث میں آتا ہے کہ سعادتمند آدمی وہ ہے کہ دوسروں کی غلطی دیکھکر نصیحت حاصل کرے - دوسرے درجے کا آدمی وہ ہے جو غلطی کا ارتکاب کرکے پھر سنبھل جائے اور یہ بھی بہترین آدمی ہے مگر جس نے کچھ دیکھا ہی نہیں وہ کیا سمجھیگا

عربی گرامر میں بعض حروف شرط ایسے مقرر کئے گئے ہیں کہ ان کا جملہ جزائیہ پہلے نہیں آتا - ان میں سے یہ "لولا" ہے - یہ بعض نحویوں کا مذہب ہے اور اسی کو ہماری عربی گرامر میں درسگاہوں میں رات دن رٹایا جاتا ہے اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اسمیں جملہ جزائیہ کو اہم سمجھ کر کبھی پہلے بھی بیان کردیتے ہیں اور کبھی بعد اور تمام حروف شرط اسمیں مساوی ہیں تو اس قاعدہ کے موافق وَهَمَّ بِهَا - جملہ جزاء ہے اور لولا ان راہ برہان ربہ جملہ شرطیہ اور تمام کلام کا معنی یوں ہے کہ لولا ان راہ برہان ربہ ھمّ بھا - مگر آجکل کے ہمارے نحوی اسکو ایک جملہ نہیں بننے دیتے - اسلئے آیت کا معنی بڑا مشکل بن جاتا ہے - مگر صحیح بات وہ ہے جو ہم نے بیان کردی ہے -

غرض اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا برہان یعنی حجت نہ دیکھ پاتے تو وہ بھی ارادہ کر چکے تھے - مگر ایک معمولی سے نحوی پیچ نے قرآن کی اس آیت کے عجیب وغریب افکار بنا دئیے -

مستقل فن والے اخلاق کے معلم ہمارے ہاں صوفی ہیں جنہوں نے اخلاق کا ذمہ لیا ہے - وہ
اخلاق کی بحث حکمت یا شعروشاعری کے ذریعہ کرتے ہیں - ایران افغانستان اور ہندوستان
میں سب صوفیانہ خیالات ہیں - ہمارے ہاں جو اخلاقی درجہ قائم ہے اسکی وجہ صرف یہ ہے جو
صوفیاء کرام نے اپنے لٹریچر سے قائم کی ہے - اب تصوف کا ہمارے ساتھ چولی دامن کا
ساتھ ہے اور علیحدہ نہیں ہو سکتا - صوفیاء کرام کی ایک مشق ہے جسکا اس جگہ ذکر
کیا جاتا ہے - وہ اپنے خیال میں جب علیحدہ بیٹھتے ہیں - ایک فکر پر اپنی تمام دماغی
قوت کو جمع کرتے ہیں تو آنکھ - کان - منہ وغیرہ کو بند کر کے فکر کو ایک جگہ جمع
کر لیتے ہیں اس کا نام مراقبہ ہے - مولانا رومی فرماتے ہیں .

ے چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی نور حق بر من بخند -

غرض اصلاح فکری کیلئے یہ بڑی چیز ہے - جب تک مسلمانوں میں قرآن کے ساتھ زیادہ
تعلق رہا اور ان کی زبان بھی عربی تھی - اسی زمانہ میں مراقبہ کا کچھ اور دستور تھا - اس
زمانہ میں قرآن کی ایک آیت دل میں پڑھتے تھے اور پھر اس کے مطالب و معانی کو
سامنے ~~رکھکو~~ حاضر کر لیتے اسطرح اپنی تمام دماغی قوت کو اس پر جمع کر لیتے -
مثلاً اِنَّ اللّٰہَ علیٰ کل شیءٍ قدیر یا ان اللہ معنا وغیرہ - اسطرح کا جملہ پڑھکر
ان کا تصور کرتے - یہ صوفیاء کرام کا پہلا دور ہے - اسمیں کسی جماعت کی طرف سے
کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور علماء وغیرہ اس میں شریک رہے -

اس کے بعد دوسرا دور آیا اس دور میں قرآن کی زبان سے نا آشنا عجمی لوگ ہیں.
ان لوگوں کو مراقبہ سکھانے کیلئے مرشد نے اپنی شکل بتائی کہ میری شکل کا تصور کرلو
اور میری فکر کرلو - یہ اُن کے لئے آسان تھا اسواسطے کہ ان کی مادری زبان عجمی تھی
اس کا نام ہے "رابطہ" - یعنی شیخ سے رابطہ کرنا اور اسطرح اللہ سے رابطہ کرنا
اب مراقبہ کے دور سے رابطہ کا دور آگیا - اب انسان جو شیخ کی خیالی صورت
دماغ میں رکھتا ہے وہ صرف شیخ کی ظاہری صورت ہے یعنی اسکی فقط یاد ہے - یہ
چیز جرم ہو یہ بات نہیں - اس دوسرے دور کے بعد ایک طبقہ پیدا ہوتا ہے وہ اس

خیالی صورت کو اصل شیخ سمجھنے لگ جاتا ہے - اور پھر اس میں مبالغہ کرتا ہے - شیخ کو خدا بنا لیتا ہے اور دوسری قسم کی خرافات کہنا اپنا وطیرہ بنا لیتا ہے - اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء نے ان خرافات سے بیزار ہو کر شیخ کے تصور سے انکار کرنے لگے -
اسواسطے صوفیاء نے اسکی اصلاح کرنے کے اور طریقے سوچے -

تصورِ شیخ کے طریقہ میں حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندی کی اصلاح -

سیدنا شیخ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح کا یہ طریقہ نکالا کہ اللہ کا نام لکھکر اُسے اپنے روبرو رکھکر اس پر مشق کراتے اور فقہاء میں یہ طریقہ زیادہ مقبول ہو گیا - اس اصلاح کے طریقہ میں خود بخود شیخ کی صحبت میں اسکی صورت سامنے آجاتی ہے تو یہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے نہ کسی عالم اور نہ کسی فقیہ نے اُسے بُرا کہا -

علماء کی ایک بڑی جماعت تصورِ شیخ کی آجتک قائل ہے بشرطیکہ عجمی دور (دوسرے دور) کی خرافات کو اس سے نکال دیا جائے -

اب بحث طلب بات یہ ہے کہ عجمی دور کے شروع میں یعنی دوسرے دور میں جب رابطہ کا شغل ہو شروع ہوا تھا اس کے بعد اسمیں کچھ خرافات شامل ہو گئیں اگر دوسرے دور کی ان خرافات کو سرے سے نکال دیا جائے تو کیا آج بھی اس پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ علماء کی بڑی جماعت آجتک اس کے جواز کی قائل ہے بشرطیکہ اس میں خرابی پیدا نہ ہو جائے علماء کی جماعت آیت نمبر ۲۴ کو بطور شہادت پیش کرتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا برہان یعنی حجت کیا دیکھی - وہ یہی تھا کہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل دیکھی اور اس کے بعد ان کی طبیعت کا ہیجان فنا ہو گیا - اسی کا اثر تھا کہ علماء نے کہا کہ اگر اسے ٹھیک طور پر استعمال کیا جائے (یعنی اس میں خرافات کی آمیزش نہ ہو) تو جائز ہے - اگر علماء کی ایک جماعت اس خیال سے منع کرے کہ اس سے عام طبقہ کو روکا نہیں جا سکتا تو یہ جائز ہے - مگر اس کی بنا پر پہلے صوفیاء کرام پر طعن وتشنیع کرنا اور انکو مشرک قرار دینا جہالت کی نشانی ہے حدیث میں آتا ہے - ایک صحابی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حلۃ حمراء میں چاندنی رات کو نکلے اور آج بھی میں سفید پنڈلی کو دیکھ لیں پھر اسکے بعد رو دیتے ہیں اگر یہ گریہ کرتے ہیں تو یہ ہے رابطہ کی مثال - اسوقت اثر دلبر آجاتا ہے - تصور شیخ سے اسکی صحبت کا اثر یاد رکھنا مراد ہے -
ابن تیمیہ ابن عربی کی ٹھیک باتوں کا انکار نہیں کرتے بلکہ جو غلط باتیں بعد میں رائج ہو گئیں ان کا انکار کرتے ہیں -

آیت نمبر ۲۵ ۔ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

ترجمہ :۔ اور دونوں دوڑے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا کرتہ اس کا پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازہ کے پاس بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کی جماعت ایک عظیم الشان انقلاب کرنے والی جماعت ہے ۔ ان کے آنے سے پہلے دنیا ایک خاص طریقہ پر جا رہی تھی اور یہ اس نظام کو بدلنا چاہتے ہیں ۔ انقلابی امام کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ انقلاب کا جو آخری نکتہ مقرر ہو اس پر سختی سے قائم رہے ۔ اور کوئی طاقت اُسے اس نکتہ سے ہٹا نہ سکے ۔ اگر اس میں ذراسی کمی ہو گئی تو سارا انقلاب فیل ہو جائیگا ۔ اسلئے ایک انقلابی امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ اخلاقی حالت میں ایک خاص درجے کی استقامت رکھتا ہو ۔ جس چیز کو وہ اپنے لئے لازم قرار دیدے پھر وہ اس سے ہٹ نہیں سکتا ۔ انبیاء کی تعلیم میں جو اخلاق کی درستگی پر زیادہ زور دیتے ہیں ۔ اسکی روح یہ ہے ۔

انقلابی امام کیلئے "استقامت" حد درجہ لازمی ہے ۔

سوسائٹی یا نوع انسانی میں اخلاق کے بغیر انقلاب لانا ناممکن ہے ۔

اخلاق کو کمزور کرنے والی صرف طبعی خواہشیں ہیں ۔ انسان پر اگر بیرونی دشمن حملہ وہ صرف اس کے قوت شہویہ کے ذریعہ اسی پر حملہ کریگا اور اسطرح اس کی اندرونی حرکت کو جنبش دے گا اسی کا نام ابلیس ہے ۔ باہر سے جو حملہ کرے اور اخلاق برباد کرے وہ انسان ہے ۔ اور جو قوتیں اندر سے حملہ کریں اور اخلاق کو برباد کریں وہ چھپی ہوئی دشمن ہیں مثلاً کسی عورت سے ناجائز عشق ہو گیا ۔ اب اس عورت کا تصور اس آدمی کو برباد کر دے گا اور یہ انکی اس آدمی کا چھپا ہوا دشمن ہے ۔ ابلیس کا سارا مفہوم اس میں نہیں آتا مگر اُسے سمجھنے کیلئے ایک ٹکڑے کے طور پر اُس کی مثال دیگئی ہے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب اخلاقی امتحان میں کامیاب ہو گئے تو یہ امام بن سکتے ہیں۔ اپنے جذبات پر قابو پانے کی اس سے بہتر بن مثال کیا ملیگی کہ وہ عورت گھر کی مالکہ اور امیر کی بیوی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام صرف اس کے آگے ایک خادم کی حیثیت رکھتا ہے وہ عورت تمام سامان مہیا کر دیتی ہے۔ غرض قوت شہوت کو بھڑکانے کے تمام سامان موجود ہیں مگر اس صورت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کامیاب ہو جاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں۔ کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ خدا کے ڈر سے وہ اپنے اخلاق کو محفوظ رکھ لیتے ہیں تو کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جب امتحان سے کامیاب نکلے تو وہ اب اس انقلاب کے امام ہو نگے۔ اسواسطے یہ ضروری ہے کہ ان کی یہ خوبی سوسائٹی میں مشتہر کر دی جائے۔ وہ خود تو اپنی مشہوری نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی وہ عورت ان کی پاکدامنی کی مشہوری کر سکتی ہے۔ اسلئے کہ اسے اپنی بدنامی کا خطرہ ہے۔ اب قدرت خود ایسے سامان پیدا کرتی ہے کہ ان کی پاک دامنی کی شہرت ہو۔

اب واقعہ یوں پیش آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھاگتے ہیں اور وہ عورت بھی ان کے پیچھے بھاگتی ہے۔ اب ان دونوں کے سامنے سے امیر سے مٹ بھیڑ ہو جاتی ہے۔ غرض قدرت نے خود ہی سامان پیدا کر دیئے تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نیک نامی کا شہرہ ہو اور لوگ اندازہ کر سکیں کہ یوسف علیہ السلام بڑے بااخلاق ہیں۔ اور سوسائٹی میں بڑا کام کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے آتا ہے الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک ورفعنا لک ذکرک[1]۔ یعنی اے رسول ہم نے تیرا نام بلند کیا۔ اب جس کام کو سرمایہ دار طاقتیں اپنے روپیہ سے کرتی ہیں اور اس سے اپنے مقاصد کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں مگر انقلابی امام کے پاس اسقدر سرمایہ نہیں ہوتا کہ وہ اسقدر پروپیگنڈہ کر سکے وہاں تدبیر الٰہی کام کرتی ہے اور ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ تمام دنیا میں اس امام کا شہرہ ہو جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعلیم کو سوسائٹی سے خاص تعلق ہے۔ ورنہ سوسائٹی میں ان کا پروپیگنڈہ اور مشہوری نہ کی جاتی۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے سوسائٹی میں رہنا ہے

[1] الانشراح ۲-۴

اور سوسائٹی کی ترقی کرنا ہے اسواسطے ان کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ خدا کے سچے اور خالص بندے انسانی جماعت میں موجود رہتے ہیں اور ان کو کوئی بھی نہیں جانتا اگرچہ ان کی موجودگی سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں مگر چونکہ ان سوسائٹی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اسلئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو سوسائٹی سے علیحدہ کر لیا ہے اسواسطے اللہ تعالیٰ بھی ان کی مشہوری نہیں کرتا۔

آیت نمبر ۲۶ - قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: یوسف بولا اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنے جی کو اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر ہے کرتہ اس کا پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا۔

قال ھی راودتنی عن نفسی — یوسف نے کہا کہ اس عورت نے مجھے پھسلایا۔

وشھد شاھدٌ من اھلھا — بنی اسرائیل کی روایت میں ہے کہ شاید ایک بچہ تھا۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اس وقت بچہ ہی بول اٹھا ہو مگر چونکہ یہ ایک غیر طبعی واقعہ ہے۔ اسواسطے مسلمانوں کی ایک جماعت اس سے انکار کر دیتی ہے (مسلمانوں نے بھی تفسیر کرنے میں بنی اسرائیل کی روایت پر عمل کیا۔ مگر اسمیں انکار کی گنجائش نہیں کیونکہ تمام غیر طبعی چیزیں اللہ کی قدرت میں ہیں۔ اسی واسطے یہ غیر طبعی واقعہ بھی ممکن العمل ہو سکتا ہے۔ آج بھی اللہ کے بندے اپنی روحانی قوت میں ہیجان پیدا کر کے پتھر سے آواز نکلوا سکتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام تو اللہ کے نہایت پاک بندے تھے۔ ان کی قوت روحانیہ سے بچہ تو کیا زمین و آسمان بھی شہادت دے سکتے تھے۔ مگر قرآن کی تفسیر میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہیے اور صرف اصل مقصد کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ غرض امیر کے ساتھ جو آدمی آیا تھا اس نے کہا کہ اسطرح فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ فیصلہ کی صورت یہ ہے جو اگلی آیت میں بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۲۷ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: اور اگر ہے کرتا اس کا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔

آیت نمبر ۲۸ - فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ - پھر جب دیکھا عزیز نے کرتا اُس کا پھٹا ہوا پیچھے سے - کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا - البتہ تمہارا فریب بڑا ہے -

- انہ من کیدکن - یہ تو عورتوں کا ایک مکر ہے (یعنی خفیہ تدبیر جس کا مطلب ہے کہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اس منصب سے ہٹا لوں اور نالائقوں کو یہ منصب دیدوں)

آیت نمبر ۲۹ - يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سكتة وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ - یوسف جانے دو اس ذکر کو اور عورت تو بخشوا اپنا گناہ بیشک تو ہی گنہگار تھی -

اعرض عن ھذا - اس سے درگزر کرو یعنی اس واقعہ کو جانے دو - اسواسطے کہ اس واقعہ سے اس عورت کی بدنامی ہوگی - غرض اب امیر کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بزرگی قائم ہوگئی

آیت نمبر ۳۰ - وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

ترجمہ - اور کہنے لگیں عورتیں اُس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اُس کے جی کو - فریفتہ ہوگیا اس کا دل اُس کی محبت میں - ہم تو دیکھتے ہیں اُس کو صریحاً خطا پر -

- عشق اور مشک کبھی چھپ نہیں سکتے - اسلئے اب یہ بات سوسائٹی میں پھیلی اور لوگوں کے گھروں میں اس کا چرچا شروع ہوا -

تراود فتٰھا عن نفسہ - عزیز کی بیوی اپنے غلام لڑکے کو پھسلاتی ہے - فتٰھا اگر ایک زرخرید غلام سے ادنی معاملہ کیا جائے اُسے عبد کہتے ہیں اور جب اس غلام کو اپنی سوسائٹی میں ملا لیتے ہیں تو اس وقت اُسے غلام نہیں کہتے - اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی تمام خدمات کو

رفیق کے طور پر پیش کرتا ہے۔ وہ اب اسقدر دوست بن جاتا ہے کہ حکم کے ذریعہ نہیں بلکہ دوستانہ طور پر خدمات انجام دے دیتا ہے اسلیئے یہاں فتیٰ کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔
انالنراہ فی ضلٰل مبین - ایک معزز گھرانے کی شریف زادی ہوکر اپنے غلام سے محبت کرتی ہے اسلیئے یہ غلطی میں مبتلا ہے۔

بڑے گھروں کے خادم گھروں کے اندر چلے جاتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ گھر کی خادمہ عورتیں باہر کے تمام کام نہیں کر سکیتں۔ اسواسطے باہر کے کام خادم لوگوں کے سپرد کئے جاتے ہیں اور وہ سردار بیوی اور خاندان والوں کے روبرو بے دھڑک آتے جاتے ہیں اور شریف زادیوں کا شرف اسقدر ہوتا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ خادم لوگ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں اسمیں شک نہیں کہ اس کے خلاف واقعات ہوتے رہتے ہیں مگر ان چند استثناؤں کی بنا پر سوسائٹی کے فطرتی قاعدہ کو تبدیل نہیں کیا جاتا اور نہ سوسائٹی اس فطری طریقہ کے بغیر رہ سکتی ہے۔ اور یہی طریقہ احسن ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضور کے ازواج مطہرات کیلیئے پردہ کا حکم تھا۔ مسلمانوں میں اختلاف ہے کہ آیا یہ پردہ تمام امت کیلئے ہے یا نہیں۔ مگر اسمیں کسی کو شک وشبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کیلئے لازمی تھا مگر اس حالت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں غلام آتے جاتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسکی اجازت دیتے ہیں گو حنفی اسکی اجازت نہیں دیتے اور وہ اسے ایک خاص مصلحت کیلئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عربوں نے ممالک کو فتح کیا تو انہوں نے کسی کو غلام نہیں بنایا بلکہ ہر ایک قوم اور آدمی کو مساوی درجہ دیا۔ اسواسطے انہوں نے غلاموں کو گھروں میں آنے جانے کی اجازت قائم رہنے دی اگرچہ چند ایسے واقعات بھی ہیں کہ عربوں میں چند ایسے عالم گزرے ہیں کہ انہوں نے اس کے متعلق اجازت نہیں دی۔ مگر ان کو ہم دلیل کے طور پر نہیں پکڑ سکتے۔

جب عجمیوں کا دور دورہ آیا تو انہوں نے پہلی روح کو فنا کر دیا اور اس کے بجائے لوگوں کو غلام بنالیا۔ اسواسطے فقہ حنفی میں غلاموں کے گھروں کے اندر آنے جانے کی

اجازت نہیں دی - مطلب یہ تھا کہ جب انہوں نے لوگوں کو غلام بنالیا تو یہ اب دروازے سے لیکر گھر کے اندر تک مردوں کا کام خود کریں تاکہ ان کو غلاموں کی سچی قدر آئے - غرض اس مصلحت کے تحت فقہ حنفی میں اسکی بندش کردی گئی -

حقیقت یہ ہے کہ اُمراء طبقہ کیلئے یہ بہت مشکل تھا کہ وہ گھروں کے اندر مرد خادموں کا کام سرانجام دیں - اسواسطے انہوں نے انسانیت کے ایک طبقہ کو مخنث بنانا شروع کردیا کیونکہ اُمراء کیلئے گھر کے اندر بذات خود کام کرنا نہایت مشکل تھا - ایرانی مخنث بننے کی ذلت کو برداشت نہیں کرسکتے تھے اسواسطے ایک ادنی درجہ کے طبقہ کو حبش سے پکڑ کر مخنث بنانا شروع کردیا -

امیر امان اللہ خان کی والدہ (علیا حضرت) کی جو سب سے بڑی خادمہ عورت تھی وہ مردانہ لباس پہن کر بازار جاتی تھی اور اُسے کوئی پہچان نہ سکتا تھا - اسیطرح ایک دفعہ امیر امان اللہ خان نے اپنے سرکاری اخبار میں اشتہار دیا کہ جو آدمی اپنی رضا و رغبت سے مخنث بننا چاہیگا اُسے انعام واکرام دیا جائیگا - اسکی وجہ یہ تھی کہ اُسے گھر کیلئے خادم (مرد) کی ضرورت تھی - یہ امیر امان اللہ خان کے ۱۹۲۹ء والے انقلاب سے چھ ماہ قبل کا واقعہ ہے - اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گھر میں بیٹھ کر کوئی قانون بنا دینا معمولی بات نہیں - اسکے لئے پہلے سوسائٹی میں کافی تجربہ کرنا چاہیے - مسلمانوں کے چند علماء نے گھر بیٹھ کر مذہب کے نام پر جو قانون بنا دیئے اور قانون بناتے وقت سوسائٹی کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں - اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اس قانون نے مسلمانوں کو بہت سی مشکلات میں ڈال دیا -

سوسائٹی کے حالات کو مدنظر رکھے بغیر قانون بنا دینے سے سوسائٹی کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں -

حقیقت یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی مرد اور عورت کے اختلاط سے بچ نہیں سکتی اور یہ قطعاً ناممکن ہے - اب اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے کہ مرد اور عورت اپنی اپنی ذمہ داری کو اپنی اپنی جگہ خود محسوس کریں - قرآن کا بھی یہی حکم ہے - وہ بھی اسی کی دعوت دیتا ہے سورت نور کی آیت نمبر ۳۰ - ۳۱ میں آتا ہے کہ مرد اپنی نگاہ کو نیچا رکھیں اسیطرح عورتیں بھی اپنی نگاہ نیچی رکھیں - اسکا مطلب یہ ہے کہ چونکہ سوسائٹی مرد اور عورت کے اختلاط کے بغیر رہ نہیں سکتی اسواسطے دونوں کو ہدایت کردی کہ دونوں اپنی اپنی جگہ رازداری سے رہیں

تاکہ سوسائٹی میں کسی قسم کی بدنامی کا موقع پیدا نہ ہو اس کے ساتھ ہی حکم دیا گیا کہ اگر سوسائٹی
میں کسی کی بدچلنی کا علم ہو جائے تو اُسے سخت سزا مثل رجم وغیرہ دی جائے گی اسکی وجہ یہ ہے
کہ اس کا اثر اب سوسائٹی پر آئے گا - اور جب وہ کوئی کام چوری چھپے کرلیں تو اس کے
متعلق اسلامی قانون کسی قسم کی گرفت نہیں کرسکتا - اس اسلامی شرعی قانون کے خلاف
مسلمان علماء نے جسقدر طریقے مذہب کے نام پر جاری کئے وہ سب ریاکاری پر مبنی
ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے - انہیں ریاکاری پر اسلئے محمول کیا گیا ہے کہ مسلمانوں
کے گھروں میں دیوروں سے بالکل پردہ نہیں ہوتا - حالانکہ اسلامی شریعت اس کے
متعلق سخت حکم دیتی ہے اور مسلمان اس پر مطلقاً عمل نہیں کرتے -

اب چونکہ امیر زادیوں کو خادموں سے ملنا پڑتا ہے اور اگر ایک امیر زادی ایسا
کام کرتی ہے جس سے تمام سوسائٹی بدنام ہوتی ہے - اسواسطے مصر کی عورتیں کہتی ہیں کہ
امیر مصر کی بیوی گمراہ ہے جو اپنے درجہ کی تمام عورتوں کی عزت برباد کر رہی ہے - اس واقعہ
کا شہر میں پھیل جانا طبعی بات تھی کیونکہ ہر ایک شریف زادی اپنے گھر میں اس پر نکتہ چینی
کرتی ہے کہ امیر مصر کی بیوی نے یہ نہایت گمراہ حرکت کی جس سے شریف زادیوں کی عزت
پر بدنما دھبہ لگ جانے کا احتمال ہے -

آیت نمبر ۳۱ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ
مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ج فَلَمَّا
رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا
إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾ -

ترجمہ - پھر جب سُنا اُس نے اُن کا فریب بُلوا بھیجا اُن کو اور تیار کی ان کے واسطے ایک
مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھُری اور بولی یوسف نکل آ اُن کے سامنے پھر
جب دیکھا اُس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ. اور کہنے لگیں حاشا للہ
نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ -

فلما سمعت بمکرھن - اس نے ان تمام اعتراضوں کو سُنا جو اسکی عزت پر حملہ کر رہے تھے اور

سوسائٹی میں اسکی عزت کو گرا رہے تھے ارسلت الیھن ۔ ان تمام عورتوں کو اس نے بلایا
یعنی ان کی دعوت کی تاکہ وہ تمام عورتیں اس کے گھر میں جمع ہو جائیں ۔
واعتدت لھن متکا ۔ متکا بیٹھنے کی جگہ جہاں پر تکیے رکھے گئے ہوں یعنی ان کی
نشستوں کے ساتھ تکیئے لگا دیئے ۔ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ یہ اونچے گھرانوں
کی معزز عورتیں تھیں ۔ جو اس نے بلائیں اور وہ اعلیٰ درجہ کی شریف زادیاں تھیں
پہلے زمانہ میں حکومت کے واسطے مسند یعنی تکیہ کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا ۔ مطلب
یہ ہے کہ امراء کی عورتوں کو اس نے دعوت دی ۔
قلن حاشا للّٰہ ۔ یہ بہت خوبصورت جوان ہے ۔ بنی نوع انسان میں ہم نے ایسا
خوبصورت کبھی نہیں دیکھا یہ فرشتہ ہے غرض کہ اُن کے حسن و جمال کی تعریف کر رہی تھیں
تمام عورتوں نے یوسف علیہ السلام کا معاملہ فوق الفطرت سمجھا اسواسطے انہوں نے امیر کی
بیوی کو اس بارے میں معذور سمجھا کہ یہ لڑکا ہے واقعی نہایت حسین ہے جسپر امیر
کی بیوی پھسل پڑی اور یہ ایسا نہیں ہے کہ عام لڑکوں میں سے ہے جس سے سوسائٹی
میں بدنامی کا باعث ہو ۔

آیت نمبر ۳۲ ۔ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ :۔ بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھ کو اُسکے واسطے اور میں نے
لینا چاہا تھا اُس سے اُس کا جی پھر اُس نے تھام رکھا اور بیشک اگر نہ کریگا جو
میں اُس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑیگا اور ہوگا بے عزت ۔

قالت فذالکن الذی لمتننی فیہ ۔ امیر کی بیوی نے جب دیکھا کہ تمام عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام
کے حسن و جمال سے مرعوب ہو چکی ہیں اور اسی کو قوی لعادت انسان سمجھتی ہیں اسواسطے اپنے دل کے
اسرار اُن کے سامنے بیان کر دیئے ۔

لقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم ۔ اب وہ مصری عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ

کہ میں نے بیشک یوسفؑ کو پھسلایا مگر یہ ثابت قدم رہا اور پاک بنا رہا۔
لئن لم یفعل ما آمرہ لیسجنن۔ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو اُسے جیل خانہ بھیج دیا جائیگا
ولیکونا من الصاغرین۔ اور جیل سے آنے کے بعد ہم اُسے ذلیل خدمت پر لگا دیں گے اور اُسے
پہلی عزت کی جگہ نہ دیں گے۔ اس سے اسکی غرض یہ ہے کہ یوسفؑ اب اپنی پاکدامنی چھوڑ دے
ورنہ ذلیل ہوگا

آیت نمبر ۳۳ - قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ۔ یوسف بولا اے رب مجھ کو قید پسند ہے اُس بات سے جسکی طرف مجھ کو
بلاتی ہیں۔ اور اگر تو نہ دفع کریگا مجھ سے اُن کا فریب تو مائل ہوجاؤں گا
اُنکی طرف اور ہوجاؤں گا بے عقل۔

- قال رب السجن احب الی - اس مجلس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور اُنکی مالکہ اور
مصر کی عورتیں ہیں۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام دُعا کرتے ہیں کہ یا اللہ جس بات کی یہ عورتیں
مجھے دعوت دیتی ہیں اس سے مجھے بچاؤ۔ میں اس موجودہ حالت پر قید کو ترجیح دیتا ہوں
وان لا تصرف عنی کیدھن - یا اللہ اگر تونے ان عورتوں کے مکر و فریب سے مجھ کو نہ بچایا
تو ممکن ہے کہ میں ان کے داؤ میں آجاؤں پھر میں اس عظیم الشان کام کو نہیں کر سکونگا
جسکے واسطے تونے مجھے مبعوث کیا ہے اور میں عام آدمیوں کی مانند ہو جاؤنگا

آیت نمبر ۳۴ - فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾

ترجمہ - سو قبول کرلی اُسکی دُعا اُسکے رب نے پھر دفع کیا اُس سے اُن کا فریب
البتہ وہی ہے سُننے والا خبردار۔

اب حالات ایسے پیدا کردیئے گئے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود جیل جانے
کیلئے تیار اور آرزو کرتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یوسف علیہ السلام کو جیل روانہ
کرنا تھا مگر ان کے ارد گرد ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ وہ اب اپنی رضا و رغبت

سے جیل جانے کیلئے اللہ سے استدعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی۔
غرض اب حضرت یوسف علیہ السلام کی بزرگی شرافت اور پاکبازی کا شہرہ امیر کے گھر سے نکلکر تمام شہر میں پھیل گیا اور کسی کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کے متعلق شک و شبہ نہ رہا۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے چونکہ آگے چل کر خود حاکم بننا ہے اسواسطے پہلے سوسائٹی کو ان کے اخلاق کے متعلق آگاہ کردیا جاتا ہے کہ وہ بااخلاق آدمی ہیں اور سوسائٹی کو اس کے متعلق پوری طرح سے علم ہو گیا

آیت نمبر ۳۵۔ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ
ترجمہ: پھر یوں سمجھ میں آیا لوگوں کی ان نشانیوں کو دیکھنے پر کہ قید رکھیں اس کو ایک مدت۔

ڈکٹیٹر کیلئے لازمی ہے کہ سوسائٹی میں اسکی امانت کی شہرت ہو جسے مخالف وموافق دونوں تسلیم کرتے ہوں۔

انقلاب کرنے کیلئے امین ہونا ضروری ہے۔ اور انقلاب میں جو ڈکٹیٹر بننا چاہیے اسکے لئے ضروری ہے کہ اسی کی امانت کا شہرہ ہو۔ اسکی شہرت موافق و مخالف گروہ میں ہو۔ اسیطرح حضرت یوسف علیہ السلام کی شہرت شہر کی سوسائٹی میں کافی ہو گئی۔ سوسائٹی جب ترقی کرتی ہے تو حکومت پیدا ہوتی ہے۔ غرض حکومت صرف سوسائٹی سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اسیطرح سوسائٹی میں حضرت یوسف علیہ السلام کی امانت کی شہرت ہو چکی ہے اسلیئے اب سوسائٹی سے حکومت تک ان کی رسائی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ مطلق العنان مستبد جس آدمی کو چاہتے ہیں صرف اسی کو حکومت میں لیتے ہیں۔ اسواسطے تدبیر راستہ نکالتی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی بادشاہ تک رسائی میں مدد دے سکے۔ بادشاہ تک رسائی کا راستہ جیل سے ہو کر جاتا تھا اور اسوقت اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ غرض جیل سے رہا ہونے کے بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام دربار میں پہنچیں گے تو وہ جرم سے بری ہو جائیں گے۔ اور اسطرح دربار میں ان کی امانت محقق ہو جائیگی۔

حکومت تک رسائی کیلئے تدبیر الہیٰ راستہ نکالتی ہے۔

ثم بدا لھم من بعد ما راوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی امانت بھی دیکھ لی کہ وہ بے گناہ تھے۔ مگر اس کے باوجود انہیں جیل بھیج دیا۔ چونکہ اس عورت کی سوسائٹی میں بدنامی ہو رہی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجنے سے اس عورت کا داغ دھویا جاسکے۔ اور سوسائٹی کو

یقین ہو جائے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا قصور نہ ہوتا تو اُنہیں جیل میں کیوں بھیجا جاتا۔ چونکہ ان کا بھی کچھ نہ کچھ جرم ہوگا اسواسطے انہیں جیل بھیجا گیا۔

سوسائٹی کے اخلاق میں حکومت کا قوی اثر ہوتا ہے۔ اسلئے جو طبقہ انسانی سوسائٹی میں عزت سے رہنے کا خواہاں ہے مگر حکومت میں سوسائٹی کی تاثیر ضروری نہیں سمجھتا وہ طبقہ غلطی پر ہے۔

ایک طبقہ ایسا ہے جو چاہتا ہے کہ انسان سوسائٹی میں عزت سے رہے اور اس کے اخلاق درست ہو جائیں۔ مگر اس کے ساتھ حکومت میں سوسائٹی کی تاثیر ضروری نہیں سمجھتا۔ مگر یہ طبقہ غلطی کر رہا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سوسائٹی کے اخلاق میں حکومت کا بہت قوی اثر ہے۔ حکومت اگر غلط فیصلہ کرے تو بھی اسے مانا جاتا ہے۔ جیسے یوسف علیہ السلام کا واقعہ لے لیجئے کہ ان کے متعلق ہر ایک کو یقین تھا کہ وہ بے گناہ تھے مگر اس کے باوجود انہیں جیل بھیج دیا تاکہ اس عورت کے ماتھے سے کلنک کا ٹیکہ دور ہو جائے۔ غرض حکومت میں انقلاب کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے سوسائٹی میں اخلاقی انقلاب کیا جائے۔

حکومت میں انقلاب لانے کیلئے پہلے سوسائٹی میں اخلاقی انقلاب لانا ضروری ہے۔

آیت نمبر ۳۶۔ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ۚ وَقَالَ الۡاٰخَرُ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡهُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۳۶۔

ترجمہ۔ اور داخل ہوئے اس کے ساتھ دو نوجوان قید خانے میں۔ کہنے لگا اُن میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اُس میں سے۔ بتلا ہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا۔

دونوجوانوں کا حضرت یوسفؑ سے اپنے خواب کی تعبیر معلوم کرنا۔

ودخل معه السجن فتيان۔ حضرت یوسف علیہ السلام کیلئے اب راستہ کھلتا ہے جیسے حضرت یوسفؑ جیل میں بھیج گئے۔ اسیطرح دو نوجوان بھی جیل میں آئے۔ قال احدهما۔ دونوں نوجوان اپنے خواب بیان کرتے ہیں۔ انا نراك من المحسنين۔ تو ہمیں بھلا آدمی دکھائی دیتا ہے ہمارے خوابوں کی تعبیر بتلا۔ غرض یہ خوابوں کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام کا حکومت سے اتصال کرنے کیلئے تدبیر الٰہی کام کر رہی ہے۔

حکومت سے اتصال کیلئے تدبیر الٰہی خوابوں کی تعبیر کو ایک واسطہ بنا رہی ہے۔

آیت نمبر ۳۷- قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ = بولا نہ آنے پائیگا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکونگا تم کو اس کی تعبیر اُس کے آنے سے پہلے یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے۔ میں نے چھوڑا دین اُس قوم کا کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں۔

قال لا یاتیکما طعامٌ - حضرت یوسف علیہ السلام ان کے خواب کا مطلب سمجھ جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ چاہتے ہیں کہ چونکہ یہ بادشاہ کے مصاحب ہیں اسواسطے ان کو اپنا پروگرام بتلاتے ہیں۔ انھیں کہتے ہیں کہ تمہارے خواب کی تعبیر میں تمہارا کھانا آنے تک بتلا دونگا۔ غرض اسطرح وہ اپنا مقصد سمجھانے کیلئے انکے کھانا کھانے کے وقت تک کی فرصت کو غنیمت شمار کرتے ہیں - اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں تاکہ اس دوران انکو اپنا پروگرام سمجھا سکیں۔

انبیاء کی سنت رہی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ وقت کی قدر کی اور کسی فرصت کے لمحے کو بغیر تبلیغ کے ضائع نہیں ہونے دیا اور اپنا پروگرام قوم کو سمجھاتے رہے۔

ذالکما مما علمنی ربی - اللہ نے خواب کی تعبیر بتلانے کا فن مجھے سکھلایا ہے

انی ترکت ملة - حضرت یوسف علیہ السلام اپنا پروپیگنڈہ جو بادشاہ تک پہنچانا چاہتے ہیں وہ اب شروع کرتے ہیں قوم کی عام حالت یہ ہے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر رکھتا ہو تو وہ استثنائی بات ہے مگر عمومی حالت میں ایمان نہیں رکھتے - حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی دعوت کو لیکر آئے تھے کہ ہر ایک آدمی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھے تاکہ کسی کو دوسرے پر خدا بن کر رہنے کا موقع نہ رہے اسی واسطے حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

دعوت ابراہیمی کا مقصد یہ تھا کہ ہر آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھے تاکہ کسی آدمی کو دوسرے پر خدا بن کر رہنے کا موقع نہ رہے

آیت نمبر ۳۸ - وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ط مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ط ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ (۳۸)

شرک سے برأت کا اعلان

ترجمہ - اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراھیم اور اسحٰق اور یعقوب کا - ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو - یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ احسان نہیں مانتے -

واتبعت ملۃ اٰبائی ابراھیم واسحق ویعقوب - میں اپنے باپ دادے کے طریقہ کا پابند ہوں - اپنا اعلیٰ نسب بھی بیان کرتے ہیں کیونکہ ان کے باپ دادوں کی مصری لوگوں سے رشتہ داری تھی - ماکان لنا ان نشرک باللہ من شیٔ - وہ طریقہ یہ ہے کہ ہم خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتے ہم میں یہ استعداد ہی باقی نہیں رہی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں -

حکمرانی کی آخری طاقت فقط اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں -

سمجھانا یہ منظور ہے کہ حکمرانی کی آخری طاقت سوائی اللہ کے کسی کے پاس نہیں - حضرت یوسف علیہ السلام عام الفاظ میں یہ بات سمجھاتے ہیں تاکہ کسی پر بوجھ معلوم نہ ہو جیسے ایک نہایت سنجیدہ آدمی وہ کہتا ہے کہ اللہ اور مرشد نے یہ کام کیا - اگرچہ اس جگہ مرشد کا نام لینا غلطی ہے مگر اُسے[1] اسطرح پر سمجھا دیا جاتا ہے کہ دیکھو صرف اللہ کی ذات تمام کام کرنے والی ہے - غرض اس آدمی کو اس طرح عام الفاظ میں سمجھایا جاتا ہے اگر خاص الفاظ کہے جاتے تو ممکن تھا کہ ان کی طبیعت اسے قبول نہ کرتی - اسواسطے اس آدمی کو خود ہی سمجھنے کا موقع دیا جاتا ہے اسطرح یوسف علیہ السلام لوگوں کو سمجھاتے ہیں

تبلیغ اور پروگرام کی اشاعت میں حکمت سے کام لینا چاہیے اور لوگوں کو انکی استعداد کے مطابق سمجھانا چاہیے -

ذالک من فضل اللہ - علم کی وراثت جو ہمارے خاندان میں چلی آتی ہے یہ اللہ کا ہم پر بڑا فضل ہے اسواسطے تمام لوگوں کو ہماری بات سمجھنی چاہیے مگر اکثر ایسے آدمی ہیں جو ہماری بات سے فائدہ نہیں اُٹھاتے - غرض اسطرح یوسف علیہ السلام ان کو سمجھاتے ہیں کہ میں ایک عظیم الشان کام کرنے کے واسطے روانہ کیا گیا ہوں اور لوگوں کو میری طرف متوجہ ہو کر میری بات سُننی چاہیے -

عطاء الٰہی کا اعتراف کرنا اُسکی نعمتوں کا شکرانہ ہے - عظیم الشان کام کرنے والے عظیم انسان لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں -

---

[1] مرشد اچھا ہے مگر کام فقط اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو اس کے دل پر بوجھ نہیں آتا -

آیت نمبر ۳۹ - یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

ترجمہ - اے رفیقو قید خانہ کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا (خدا) اللہ اکیلا زبردست

گردو پیش کے حالات و واقعات سے مثالیں دے کر سمجھانا تعلیم کا کامیاب ترین طریقہ ہے -

دوستو! بتلاؤ کہ بہت سے متفرق خدا اچھے یا ایک زبردست اللہ اچھا - جیل میں عجیب زندگی ہے کہ وہاں کا چھوٹا بڑا ملازم خدا ہی بنا ہوتا ہے - اسی واسطے جیل کی زندگی نہایت بدترین زندگی کا نظارہ ہے - اسواسطے حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں کہ دیکھو ہم جیل میں ہیں اور جیل میں ہر چھوٹا بڑا ملازم خدا بنا ہوا ہے - اس سے بہتر یہ ہے کہ ہم پر صرف ایک حاکم ہو جسکے ماتحت ہم کام کریں وہ اللہ تعالیٰ ہے -

آیت نمبر ۴۰ - مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ - کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اُس کے مگر نام ہیں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اُتاری اللہ نے اُن کی کوئی سند - حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے - اُس نے فرمایا کہ نہ پوجو مگر اُسی کو - یہی راستہ ہے سیدھا پر بہت لوگ نہیں جانتے -

ستاروں کی تاثیر کے بارے حکماء کی ایک جماعت کا خیال -

ما تعبدون من دونہ تم نے اللہ کے سوا جو اور معبود قرار دیئے ہیں ان کی کچھ حقیقت نہیں ہے - ما انزل اللہ بہا من سلطٰن - اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو کچھ بھی غلبہ یا اختیار نہیں دیا - اس کی مثال موجود ہے کہ حکماء کی ایک جماعت نے ستاروں میں یہ تاثیر قائم کی ہے کہ فلاں ستارے سے نحوست اور فلاں سے نیک بختی حاصل ہوتی ہے - کسی انسان کی پیدائش کے وقت جو ستارہ طلوع میں ہوتا ہے اسی پیدا ہونے والے انسان کو اس ستارے کا نمائندہ یا ممثل مانا جاتا ہے - اس نو زائیدہ بچے کو بھی وہی اختیارات دیئے جاتے ہیں جن کی صفتیں اس طلوع ہونے والے ستارے میں ہوتی ہیں - اب فرض کیجئے کہ انہوں نے ایک آدمی ایسا مانا اور اتفاق سے اسمیں وہ سب نشانیاں ٹھیک نکلی تو وہ اُسے اس ستارے

کا نمائندہ قرار دیں گے۔ اب اس کی وفات کے بعد اس جیسا آدمی دوبارہ پیدا نہ ہو تو اسکی ایک طرح سے پرستش کی جائے گی۔ اور اس کا بت بنا کر اسے یاد کرینگے۔ یہ عقیدہ آج تک بڑے زور شور سے موجود ہے۔ گو اس نے شکلیں بدل لی ہیں۔

ستارہ پرستی (یعنی ملائکہ پرستی) آجتک اپنی تبدیل شدہ شکل میں موجود ہے۔

اب ستاروں کی جگہ فرشتوں کو مانتے ہیں اور پھر فرشتوں کے نمائندہ ان انسانوں کو قرار دیتے ہیں جنکو ان فرشتوں سے روحانی تناسب ہوتا ہے یعنی اولیاء اللہ۔ ان انسانوں کے مرنے کے بعد اسیطرح ان کی بھی پرستش شروع ہوتی ہے۔ غرض ستارہ پرستی کا طریقہ آجتک نمایاں ہے اگرچہ اس نے شکل بدل لی ہے۔ یہ طریقہ ہندوؤں اور عیسائیوں میں اب بھی موجود ہے جس میں یہ روح آجتک پائی جاتی ہے۔ رومن کیتھولک عیسائی اور سناتن دھرمی ہندو اپنی مرضوں میں آج تک مبتلا ہیں۔ اور تھوڑے اختلاف کے ساتھ بدھ مذہب والے اور پروٹسٹنٹ عیسائی بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں اگرچہ یہ اُن سے قدرے کم ہیں۔ انہوں سناتن دھرمی اور رومن کیتھولک کی نسبت کسی قدر اصلاح کرلی ہے مگر ان میں وہی پرانی ذھنیت موجود ہے۔

رومن کیتھولک سے پہلے یہودیوں کا یہی حال تھا اور اگر سناتن دھرمی ہندوؤں کے ساتھ ایرانی مجوسیوں کو ملا لیں تو پھر دیکھیں کہ انسانی سوسائٹی میں کیا چیز کام کر رہی ہے۔ اگرچہ یہ سم قاتل ہے مگر اس مرض کے ہر درجہ کا حکم مختلف ہے اور وہ اسی تناسب سے سوسائٹی کو برباد کرتا ہے۔ غرض اس میں ہلاکت تدریجی پیدا ہوتی ہے جیسے کسی میں ایک درجہ۔ کسی میں دو اور کسی میں تین درجہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ خیال بالکل زہر ہے مگر سوسائٹی میں اس کے مختلف درجے ہیں جہاں پچاس فیصد سے زیادہ زہر پیدا ہوتا ہے وہاں انسانی سوسائٹی پر فرض ہے کہ اس کی اصلاح کرے۔ اس سے پہلے یعنی پچاس فیصدی کے درجہ سے پہلے لازمی نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خود بخود اصلاح ہو جانے کا احتمال ہے

ستارہ پرستی اور اس کی تبدیل شدہ شکلوں کے فلسفے سے ہمیشہ بادشاہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سوسائٹی کی تمام قوت اپنے ہاتھ میں لیکر خود کو سوسائٹی میں بلند درجے پر رکھتے ہیں

اس قسم کے فلسفے سے بادشاہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ سوسائٹی کی تمام قوت کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور سوسائٹی میں کام کرنے والی طاقت کو گدھے اور گھوڑے کی مانند استعمال کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو یا اپنے ہم مرتبہ مصاحبوں کو سوسائٹی کے عام درجے سے بہت بلند کر دیتے ہیں۔

یہ چیز انسانیت کیلئے نہایت مہلک ہے۔ اسواسطے اس قسم کے خدائی دعویداروں کو سوسائٹی کے ذریعہ سے برباد کر دینا چاہیے اور جسقدر صحیح فلسفہ میں غلطیاں اور آمیزش شامل ہوگئی ہے اُسے بالکل بالکل علیحدہ کر کے صحیح فلسفے کو بالکل پاک اور صاف کر دیا جائے۔

بادشاہوں کے بعد سوسائٹی کی طاقت کا غلط استعمال کرنے والے مذہبی گروہ کے لوگ ہیں

بادشاہوں کے بعد سوسائٹی کی طاقت کو اسطرح غلط استعمال کرنے والے مذہبی طاقتوں کے مالک ہیں اور یہ عموماً ابراھیمی طریقے میں پیدا ہوتے ہیں۔ ابراھیمی طریقہ تو یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو برباد کر دیا جائے مگر اس طبقہ میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو مذہب کے نام پر سوسائٹی کی طاقت کو حاصل کر لیتے ہیں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس میں یہ دونوں مرض نہ ہوں یعنی عوام کی طاقت نہ تو بادشاہوں کے ہاتھ میں ہو اور نہ مذہبی جماعت کے ہاتھ میں۔ بلکہ عوام کی طاقت عوام کے ہاتھ میں ہو۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ عوام کی طاقت نہ تو بادشاہوں اور نہ ہی مذہبی گروہ کے ہاتھ میں ہو بلکہ عوام کی طاقت عوام کے ہاتھ میں ہو

حضرت یوسف علیہ السلام اس کا وہ درجہ بتلاتے ہیں۔ جس میں بادشاہوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ یوسف علیہ السلام اسی طریقۂ تعلیم کے درمیان کی کڑی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے مکمل کر دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کی مانند ہے جو بادشاہوں کو برباد کرتی ہے اور اسی کے ساتھ وہ اس مذہبی گروہ کو بھی برباد کرتے ہیں۔ جو مذہب کے نام سے عوام کی طاقت ہاتھ میں لیکر اُسے بے ڈھنگ خرچ کرتا ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی مانند درمیانی کڑی کی مانند ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں دونوں انتہائی درجے موجود ہیں۔ اور وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے طریقہ پر انکے نظریئے کو مکمل کر دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے طریقہ کو انکے نظریئے کے مطابق مکمل کر دیا

حضرت ابراھیم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اسی سلسلہ کی درمیانی کڑی ہیں اور اس طریقہ کو مکمل کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام ایک نظریہ کے بانی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عملی نمونہ ہیں۔ جنہوں نے اسے تکمیل کے درجہ تک پہنچا دیا۔

ان الحکم الا للّٰہ ۔ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ ۔ حکم صرف اللہ کا ہے ۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی غلامی نہ کرو ۔ ذالک الدین القیّم ۔ یہ ہے ایک دین جو کبھی بدل نہیں سکتا یہ فطری اصول ہیں کہ انسان اپنے اوپر کسی کو اختیار دے ہی نہیں سکتا ۔

ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔ لوگوں کو اسی کے متعلق سمجھایا جاتا ہے کیونکہ اکثر آدمی اس کو نہیں سمجھتے ۔ غرض حضرت یوسف علیہ السلام اپنا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور ان کو سمجھا رہے ہیں کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں ۔ ان کے روبرو اسواسطے پروپیگنڈہ کیا کیونکہ وہ بادشاہ کے مصاحب تھے اور اسطرح بادشاہ کے کان تک ان کی بات پہنچ جائیگی ۔

غرض بادشاہ کے مصاحبوں نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کی ۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان کو سمجھاتے ہیں کہ دیکھو میں کس اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہوں (آیت ۳۸) مگر میں جیل میں پڑا ہوں حالانکہ بے گناہ ہوں ۔ تم میری زندگی کو بھی ایک خواب سمجھو ۔ آؤ میں تمہیں پہلے اپنی زندگی کے موجودہ خواب کی تعبیر بتلاؤں اور اس کے بعد تمہارے خواب کی تعبیر بھی بتلا دونگا تاکہ تم اندازہ لگا سکو کہ میں خواب کی تعبیر کے علم کو اچھی طرح جانتا ہوں ۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ انبیاء اپنی بات سمجھائے بغیر اسے کسی سے ذرہ برابر منوانے کے روادار نہیں ہوتے اور جب سوسائٹی حکومت پیدا کر کے قانونی شکل اختیار کر لیتی ہے تو وہ دوسری صورت ہے ۔ اسمیں قانون کی پابندی لازمی ہے ورنہ انتظام قائم نہیں رہ سکتا ۔ اسطرح جب نبی حکومت قائم کرتا ہے تو اس کے تمام کام قانون کے تحت تسلیم کرنے چاہییں ۔ جب تک وہ حکومت قائم نہیں کرتا اسوقت تک اس کی کوئی بات بھی ایسی نہیں ہوتی کہ وہ اس بات کو سمجھائے بغیر کسی سے توقع رکھے کہ یہ مان لیگا ۔ غرض وہ اسی کمال سے انسانیت کے کمالوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا ہے اور جس سوسائٹی میں وہ پیدا ہوا ہے ۔ اسکے تمام اعلیٰ دماغ اسکے گرد جمع ہو جاتے ہیں ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی کو تکلیف دینا جانتا ہی نہیں ۔

انبیاء اپنی بات سمجھائے بغیر کسی سے منوانے کے روادار نہیں ہوتے ۔

قانونی حکومت میں قانون کی پابندی لازمی ہوتی ہے ۔ قانون کا احترام باقی نہ رہے تو انتظام حکومت قائم نہیں رہ سکتا ۔

حکیم اور نبی میں فرق ۔

حکیم اور نبی میں فرق یہ ہے کہ حکیم اعلیٰ طبقہ کے دماغوں یعنی فقط بلند دماغ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر سکتا ہے اور عام طبقہ کے لوگوں کو نظر انداز کر دیتا ہے ۔ مثلاً فلسفہ اور ریاضی دان حکیم صرف

صرف ان علوم کے ماہر وں سے محبت رکھتا ہے - اس کے خلاف نبی سوسائٹی کے ہر طبقہ سے مل سکتا ہے اور ہر قسم کی ذہنیت کے لوگوں کو مطمئن کر سکتا ہے - نبی ہر ایک بات عموی فائدہ کیلئے کرتا ہے اور حکیم صرف ایک طبقہ کا خیال رکھتا ہے - نبی سوسائٹی کے ہر ایک طبقہ کا خیال رکھتا ہے - اور ہر ایک طبقے کو عموی حالت پر مطمئن کرتا ہے - مثلاً علم حساب میں جمع تفریق - ضرب تقسیم ہے اور نبی سوسائٹی کے عام فائدے کی خاطر بلند نظری سے اتر کر اسکی طرف آجاتا ہے تاکہ عموی فائدہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں آپ کو اس صورت میں نبی برحق مانوں گا جب آپ مجھ سے کشتی لڑیں - اور مجھے شکست دیں - آپ نے ایسا ہی کیا اور وہ مسلمان ہو گیا - غرض اسطرح نبی سوسائٹی کے ہر ایک طبقے کا عموی فائدہ مدنظر رکھتا ہے اور اس کے برخلاف حکیم صرف ایک خاص طبقے کا خیال رکھتا ہے اور نبی سوسائٹی کے تمام طبقوں کو کسی بات کے سمجھانے بغیر تکلیف نہیں دیتا - اور انھیں اسطرح اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

نبی سوسائٹی کے ہر طبقہ سے مل سکتا ہے اور ہر قسم کی ذہنیت کے لوگوں کو مطمئن کر سکتا ہے - نبی عموی فائدہ کیلئے کام کرتا ہے - جبکہ حکیم صرف ایک طبقے کے فائدے کا خیال رکھتا ہے اور صرف اعلیٰ دماغ لوگوں کو ساتھ لیکر چلتا ہے۔

غرض نبی کا یہ دور اس کے اس دور سے نہیں ملانا چاہیے جب وہ سوسائٹی میں حکومت قائم کر لیتا

آیت نمبر ۴۱* یاصاحبی السجن - جیل سے رہا ہو کر بادشاہ کے پاس اپنی پہلی خدمت پر بحال ہو گا -

واما الاخر --- دوسرا پھانسی پر لٹکایا جائیگا -

قضی الامر الذی فیہ تستفتیان - اب جسے پھانسی کی تعبیر بتلائی - لازمی تھا کہ وہ گھبرا جاتا اور کہتا کہ میرے لئے کچھ ایسی ترکیب تجویز کر کہ میں رہائی پاؤں - اسواسطے حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی تعبیر بتلانے کے ساتھ ہی کہہ دیتے ہیں کہ میں جو کچھ تعبیر بیان کر رہا ہوں یہ درحقیقت اللہ کی طرف سے ایک فیصلہ شدہ امر ہے - اب یہ نہیں ہے کہ میں اس فیصلہ کو بدل سکوں -

اسیطرح جب نبی آتا ہے تو وہ بھی سوسائٹی کی اسطرح اصلاح کرتا ہے کہ مخالف طاقتوں کو آہستہ آہستہ راستے سے ہٹاتا جاتا ہے اور موافق طاقتوں کو ساتھ ملاتا جاتا ہے - اسطرح اگر مخالف طاقت راستے سے ہٹادی جائے تو اس پر افسوس نہ کرنا چاہیے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ مخالف طاقت کے ہٹنے سے موافق طاقتیں جلدی ترقی کرینگی جیسے کوئی ڈاکٹر کسی مہلک مرض کے باعث کسی انسان کا کوئی عضو کاٹ دے تو اس بریدہ عضو پر افسوس نہیں کیا جاتا بلکہ شکر ادا کیا جا

مخالف طاقتوں کے خاتمے پر شکر ادا کرنا چاہیے کہ موافق طاقتوں کو ترقی کا موقع مل جاتا ہے۔

*- یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّہٗ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِہٖ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْہِ تَسْتَفْتِیٰنِ ۔

کہ مریض نے شفا پائی اور جسم کے دوسرے عضو اسکے مہلک اثر سے بچ گئے - اسطرح سوسائٹی
مخالف طاقتوں کے مہلک اثر سے پاک ہو کر جلد ترقی کرتی ہے -

آیت نمبر ۴۲ - وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ = سو بھلا دیا اُس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے مالک سے پھر رہا قید میں کئی برس
وقال للذی ظن انہ ناج - اپنے مالک سے ذکر کیجیو کہ ایک شریف آدمی اسطرح جیل میں
سڑ رہا ہے - اسکی خبر لو - حضرت یوسف علیہ السلام یہ سمجھے کہ میرا جیل میں آنا صرف اسی مطلب
کے واسطے تھا کہ میری بادشاہ تک رسائی ہو جائے - اور اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں ہے
اسواسطے انہوں نے مصاحب سے فرمائش کی کہ رہائی کے بعد بادشاہ سے میرا بھی ذکر کرنا -
فانسٰہ الشیطان ذکر ربہ - نبوت کا یہ اہم فرض ہے کہ انسان اپنی نجات کی کوشش کرے
یہ کہنا کہ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہا ہونے میں جلدی چاہی اسواسطے انہیں
ایک عرصہ تک جیل میں رکھا گیا - یہ غلط خیال ہے اور غالباً کسی ایسے صوفی منش کا ہے جو سوسائٹی
سے علیحدہ زندگی بسر کر رہا ہو - یہ ضروری تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مظلوم آبادی کا صحیح علم
ہو تاکہ وہ سوسائٹی کی اس خرابی کو دور کر سکیں اور اس کی تکمیل کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کا
جیل میں رہنا ضروری ہے اور لابدی تھا - اسواسطے حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش پوری نہیں
کی گئی کہ انہیں جیل سے جلدی رہائی ہو -

حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجنے کی حکمت

چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک جلیل القدر عہدے پر پہنچانا منظور تھا اسلئے انہیں جیل کی
تکلیفوں اور مصیبتوں سے آگاہ کرنا مقصود تھا تاکہ اعلیٰ رتبہ پر پہنچکر بے گناہ مظلوموں کی تکلیفوں
کو رفع کرنے کی کوشش کریں - کانگریس کے موجودہ دور میں جب بہت سے کانگریسی جیلوں میں
گئے تو انہیں جیل کی تکلیفوں کا احساس ہوا - اور رہائی کے بعد انہوں نے ملک میں شور مچایا
اسلئے گورنمنٹ نے تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی اور جیل کی بہت سی تکلیفیں رفع ہو گئیں -

ایک بادشاہ کا مشہور واقعہ ہے جس نے اپنے بچے کی تعلیم کیلئے ایک عالم حکیم مقرر کیا اور
جب اسکی تعلیم اختتام تک پہنچی تو اُسے باہر لے گیا خود سوار تھا اور شہزادہ پیدل تھا - اسی حالت

میں گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اس کے بعد اُسے بید سے پیٹ کر ایک تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا اور بادشاہ کو اطلاع دیکر خود گم ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کا امتحان لیا بڑا ماہر نکلا مگر اس طرح مارنے کی وجہ معلوم نہ ہوئی۔ معانی کا اعلان دیکر استاد سے پوچھا تو استاد نے فرمایا کہ یہ بادشاہ ہوگا سیاہ وسفید کا مالک ہوگا۔ اسمیں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ خادموں۔ غریبوں اور قیدیوں کی تکالیف کا اسے احساس ہو۔

فلبث فی السجن بضع سنین۔ بضع کا لفظ دس سے کم زمانہ کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ ایک آدمی پر ظلم وستم ہوں اور وہ برداشت کرتا چلا جائے اور ان کو خوشگوار سمجھ لے اس صورت میں وہ آدمی سوسائٹی کی بہتری نہیں کر سکتا۔ مگر جب درجہ سے گزر کر اس مظلومی کی زندگی کو تلخ سمجھے اس صورت میں وہ سوسائٹی کی اصلاح کر سکتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل جانے کا فلسفہ۔

جیسے بنی اسرائیل کا واقعہ ہے کہ فرعون کے زمانہ میں اُن پر ظلم وستم ہوتے رہے اور وہ ان کو برداشت کرتے جاتے ہیں۔ اس مظلومی کی حالت کو انہوں نے اپنے واسطے خوشگوار سمجھ لیا تھا۔ اسواسطے وہ نہ تو ظلم وستم سے رہائی حاصل کر سکے اور نہ ہی کسی قسم کی ترقی حاصل کر سکے مگر حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اس مظلومی کی زندگی کو تلخ بنا کر پیش کیا تب کہیں جا کر بنی اسرائیل کی ذہنیت بدلی۔ اور ان کے دماغ ترقی کرنے کے درپے ہوئے۔ پہلے ان کے نوجوان اُٹھے۔ غرض حضرت یوسف علیہ السلام نے سمجھا کہ جیل بادشاہ کے پاس پہنچنے کا راستہ ہے۔ اگرچہ ان کا یہ خیال بھی کسی حد تک درست تھا مگر مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اس مظلومی کی تلخ زندگی کا بھی تجربہ کریں تاکہ حاکم بننے کے بعد وہ اسکی اصلاح کر سکیں۔

آیت نمبر ۴۳۔ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾

ترجمہ۔ اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی۔ ان کو کھاتی ہیں سات گائیں دُبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی۔ اے دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے والے۔

جیل قائم کرنیکی ضرورت !!!

حضرت یوسف علیہ السلام نے اب وہ دورہ ختم کرلیا جسمیں انہیں مظلومیت کا پورا علم حاصل کرنا تھا۔

> انسانیت یعنی سوسائٹی کے قانون شکنوں کو سوسائٹی سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے اسلئے انسان نے جیل قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

انسان نے جیل کی ضرورت اسلئے سمجھی کہ یہ جگہ انصاف کرنے کا ایک تتمہ ہے۔ جو لوگ انسانیت یعنی سوسائٹی کے قانون کو توڑتے ہیں انکو سوسائٹی سے علیحدہ کر دینا ضروری ہے۔ اسواسطے جیل قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ سوسائٹی کے قانون توڑنے والوں جو لوگ سوسائٹی سے علیحدہ کرتے ہیں وہ قانون نہیں توڑتے بلکہ سوسائٹی سے علیحدہ کرکے انہیں قانون پسندی کی تربیت دی جاتی ہے۔ اسواسطے جیل کے منتظم قانون کا مجسمہ اور قانون کے بہترین قائم کرنے والے ہیں کہ وہ قانون شکن لوگوں کو قانون سکھلاتے ہیں۔

> موجودہ دور میں جیل کے حالات جیل قائم کرنے کے مقاصد کے خلاف ہیں

اب یہ حالت ہے کہ دنیا بھر کی لاقانونیت[1] جیل میں کام کرتی ہے وہاں کسی قسم کا قانون نہیں ہے۔ جسکے ہاتھ میں ذرا سا اختیار ہے وہ خدا بن بیٹھا ہے۔ غرض جیل کی زندگی قانون شکن لوگوں کو قانون پسند بناتی ہے۔ مگر اب معاملہ اس کے برعکس تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیسا شخص جو قانونی طور پر مجرم نہیں تھا اُسے غلطی سے جیل میں رکھا جاتا ہے۔ وہ جیل میں اس نظام کا گہرا مطالعہ کرتا ہے کہ ظاہری صورت تو جیل میں قانون کی ہے مگر اندر سب اندھیر کھاتہ ہے جب اس مطالعہ کے بعد وہ جیل سے باہر آتے ہیں تو انکی حکومت کے تمام شعبوں میں اسی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ جیسے انصاف کا محکمہ کہ وہاں ظاہری صورت قانون اور انصاف کی ہے مگر در پردہ لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح فوج اور پولیس جو رعایا کی حفاظت کیلئے ہیں وہ رعایا کیلئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ غرض اس سے متاثر ہوکر حضرت یوسف علیہ السلام اصلاح کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔ تمام سوسائٹی کو ان امراض میں مبتلا دیکھکر (جسکی جھلک انہوں نے جیل میں دیکھی تھی) جہاد کیلئے کھڑے ہوتے ہیں کہ سوسائٹی اس مصیبت سے بچ جائے۔

غرض سوسائٹی کی حالت کا صحیح مطالعہ کرنے کی کنجی جیل ہے۔ یوسف علیہ السلام زندگی کے اس دور کو پورا کر چکے ہیں۔ ان میں امانت موجود ہے۔ اسکے ساتھ حکومت کے تمام شعبوں کی غلطی بھی سمجھتے ہیں اور نیا نظام پیدا کرنے کی انمیں خاص استعداد بھی موجود ہے۔ انہوں نے اپنا پروگرام جیل کی زندگی کے آغاز میں بتلا دیا تھا (آیت نمبر ۳۱) کہ میں ابراہیمی طریقے کا پیرو ہوں اور انکے

---

[1] بے قانونی طاقت۔

اصول اور نظریات یوسف علیہ السلام نے شروع میں ہی بتلا دئیے تھے۔ اور اس کے بعد اب تک جیل میں یعنی دس برس کے قریب صرف سوسائٹی کی حالت کا مطالعہ کرتے رہے اور سوسائٹی کی غلطیوں کی اصلاح کا پروگرام بناتے رہے۔ یوسف علیہ السلام کو جو جیل میں زیادہ عرصہ تک رہنا پڑا اسکی بھی حکمت یہی تھی کہ وہ ہر بات کو سوچ سمجھ کر جیل سے باہر آئیں۔
اسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ہے۔

قال الملک انی اری۔ اس درجہ کے پورا ہونے کے بعد یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکلنا چاہئیے۔ اور ان کو بادشاہ تک رسائی ہونی چاہیے جہاں اختیارات تقسیم ہوتے ہیں۔ اب تدبیر الٰہی یہ کام کرتی ہے کہ بادشاہ رات کو خواب دیکھتا ہے۔

تمام انسانیت میں یہ چیز طبعی طور پر مانی جاتی ہے کہ جب انسانی دماغ میں کوئی غیر طبعی چیز پائی جائے۔ اسکا کچھ نہ کچھ مطلب ضرور ہوتا ہے۔ جس چیز کو انسان خود بخود سوچ سکتا ہے اسکی تعبیر کی ضرورت نہیں وہ اسے خود سمجھ سکتا ہے مگر جب اس کے روبرو ایک عجوبہ چیز آتی ہے تو وہ جھٹ چونک اٹھتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے۔ مثلاً ایک آدمی جا رہا ہے اور ایک جگہ پر اسکا پاؤں پھسل جاتا ہے واپسی پر جب وہ دوبارہ ادھر سے گزرتا ہے تو پھر بدستور اسکا پاؤں اسجگہ پھسل جاتا ہے۔ اب وہ سوچتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے اور اسکی تعبیر کیا ہے۔

غیر طبعی اور غیر معمولی چیز کی تحقیق کرنا انسانی فطرت ہے۔

اسیطرح خواب کا واقعہ جو بادشاہ کو پیش آیا۔ وہ حیران ہوتا ہے کہ موٹی گائیوں کو دبلی گائیں کیسے کھا گئیں۔ یہ ایک غیر طبعی واقعہ ہے۔ غیر معمولی چیز کی تحقیق کرنا انسانی فطرت کا کام ہے۔ اسی طرح جب انسان سوچنے میں ٹھوکر کھاتا ہے تو وہ اسکی تحقیق کے درپے ہوتا ہے

یا ایھا الملاء۔ جو طاقتیں قوم کی عمومی حالت کی نمائندہ ہوتی ہیں انکے خواب آئندہ کے واقعات کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح بادشاہ کے دماغ کی اجتماعی فکر (کیونکہ وہ) رات دن قوم کی آئندہ بہتری کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ اسواسطے اسی کے خواب میں آئندہ کے واقعات کی جھلک ہوتی ہے۔ اس واسطے بادشاہ اپنے مصاحبوں سے کہتا ہے کہ تم لوگ علمی نکتہ حل کرنے والے ہو بتلاؤ کہ اس خواب کا کیا مطلب ہوتا ہے۔

قوم کی عمومی حالت کی نمائندہ طاقتوں کے خواب آئندہ کے واقعات کا پیش خیمہ ہوتے ہیں

آیت نمبر ۴۴ - قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ
ترجمہ = بولے یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں۔
- وہ جواب دیتے ہیں کہ تعبیر تو ان چیزوں کی ہوتی ہے جو طبعی چیزیں ہوں اور تمہارا خواب تو ایک غیر طبعی چیز پیش کرتا ہے - ہم ایک پریشان خواب کی تعبیر کیسے بیان کریں تمہارا خواب تو دماغ کی پریشان کیفیت کا نتیجہ ہے۔

آیت نمبر ۴۵ - وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾
ترجمہ = اور وہ بولا جو بچا تھا اُن دونوں میں سے اور یاد آگیا اُس کو مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اُس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو۔
- مصاحبوں کے جواب دینے پر یوسف علیہ السلام کا ایک جیل کا رفیق جسکے خواب کی حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر بیان کی تھی اسے یوسف علیہ السلام یاد آگئے - اس نے مصاحبوں سے کہا کہ میں جیل میں جاکر اس خواب کی تعبیر دریافت کرتا ہوں - غرض اسطرح یوسف علیہ السلام کا تفوق اہل دربار پر ثابت کیا جارہا ہے۔

آیت نمبر ۴۶ = یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾
ترجمہ = جاکر کہا اے یوسف اے سچے حکم دے ہم کو اس خواب میں۔ سات گائیں موٹی ان کو کھائیں سات دُبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی تاکہ لیجاؤں میں لوگوں کے پاس شاید ان کو معلوم ہو
یوسف ایھا الصدیق - بادشاہ کے خواب کی تعبیر تبلاؤ -
لعلی ارجع الی الناس لعلھم یعلمون - اسکے بعد میں درباروں کے پاس جاکر حقیقت حال سے انہیں آگاہ کرونگا تاکہ ان کو بھی خواب کی تعبیر کا علم ہو۔

آیت نمبر۴۷۔ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ج فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ ۔ کہا تم کھیتی کرو گے سات برس جم کر سو جو کاٹو اس کو چھوڑ دو اس کی بال میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ ۔

— سات سبز خوشوں کا مطلب زراعت ہے فما حصدتم فذروہ ۔ اپنے ذخیرہ میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز بھی کرتے جاؤ

آیت نمبر۴۸۔ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ ۔ پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس سختی کے ۔ کھا جائیں گے جو رکھا تم نے انکے واسطے مگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے ۔ بیج کیواسطے ۔

ثم یاتی من بعد ذالک ۔ انکے بعد کے سات سال تمہارے پہلے سات سالوں کے اندوختہ کو ختم کر دینگے کیونکہ ان سات برسوں میں کچھ پیداوار نہیں ہوگی الا قلیلا مما تحصنون ۔ اسواسطے تم پہلے سات برسوں میں ضرور پس انداز کرتے جاؤ ۔

آیت نمبر۴۹۔ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ ۔ پھر آئیگا اس کے پیچھے ایک برس اس میں مینہ برسے گا لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے ۔

— اسکے بعد یعنی چودہ سال کے بعد تمہاری حالت اچھی ہو جائیگی بادشاہ کے خواب میں آٹھویں سال کے متعلق ذکر نہیں ہے مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے فطری طور پر نتیجہ نکالا کہ اس مصیبت کے دور کے بعد آرام کا زمانہ بھی شروع ہو جائیگا اسواسطے انہوں نے آٹھویں برس کا بھی ذکر کر دیا ۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کے علم اور فضیلت کا تمام دربار پر سکہ بیٹھ گیا ۔ ملک پر ایک عام مصیبت آنے والی ہے اور تمام لوگ اس کے علاج سے قاصر ہیں ۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کو میدان میں لانے کیلئے تدبیر کام کرتی ہے

اور وہ برسرِ اقتدار) حکومت ہو کر اس کا سدِّ باب کرتے ہیں - غرض نبوت سراپا رحمت ہی رحمت ہے - جو ہر مصیبت میں باعث رحمت ہوتی ہے - اب سوال یہ ہے کہ یہ مصیبت کیوں آتی ہے - اسکا جواب یہ ہے کہ یہ مصیبت انسان کی خود خریدکردہ ہے - اسکے اعمال ایسے ہیں کہ اعمال کے بعد مصیبت کا آنا لازمی ہے (لازم و ملزوم ہے) .

ع شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

آیت نمبر ۵۰ - وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾

ترجمہ - اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس پھر جب پہنچا اُس کے پاس بھیجا ہوا آدمی. کہا لوٹ جا اپنے مالک کے پاس اور پوچھ اُس سے کیا حقیقت ہے اُن عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے - میرا رب تو اُن کا فریب سب جانتا ہے -

قال ارجع الی ربک فسئلہ - واپس جاؤ اور اپنے بادشاہ سے دریافت کرو -

مابال النسوۃ التی قطعن ایدیھن - کہ شہر میں جو واقعہ ہوا تھا کہ عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے - اس واقعہ کے متعلق دریافت کرے - یہ واقعہ بھی ایک قسم کا جواب ہے - اس کے متعلق بھی تو علم حاصل کرو اور تمام شہر والے اسی واقعہ سے خبردار تھے شاید بادشاہ کو معلوم نہ ہو-

آیت نمبر ۵۱ - قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾

ترجمہ - کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف کو اُس کے نفس کی حفاظت سے - بولیں حاشا للہ ہم کو معلوم نہیں اُس پر کچھ برائی

بولی عورت عزیز کی اب کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تھا اُس کو اُس کے جی سے اور وہ سچا ہے۔

قال ماخطبکن اذ راودتن۔ بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو طلب کیا اور اس واقعہ کی حقیقت حال اُن سے دریافت کی۔

قلن حاش للّٰہ ما علمنا علیہ من سوء۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں دیکھی

قالت امرأۃ العزیز الئن حصحص الحق۔ امیر کی بیوی نے کہا کہ اب بھانڈا پھوٹ گیا۔

انا راودتہ عن نفسہ۔ میں نے یوسف کو پھسلایا تھا اور وہ سچا تھا۔

آیت نمبر ۵۲۔ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ۔ یوسفؑ نے کہا یہ اس واسطے کہ عزیز معلوم کرلیویں کہ میں نے اُس کی چوری نہیں کی چھپکر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا۔

ذالک لیعلم ---- ۱ یوسف نے کہا کہ میرے مالک کو یقین آجائے کہ میں اُس کے گھر میں بطور امین رہا ہوں۔ وان اللہ لا یھدی کید الخائنین۔ اسمیں شک نہیں کہ اللہ ان لوگوں کو کبھی ترقی نہیں دیتا جو امانت نہیں رکھتے۔ ان کی تدبیروں کو اللہ اس طرح کبھی کامیاب نہیں کرتا۔ جسطرح میرے معاملہ میں تدبیر الہی کامیاب ہورہی ہے۔

آیت نمبر ۵۳۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

ترجمہ۔ اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو بیشک جی تو سکھلاتا ہے بُرائی مگر جو رحم کردیا میرے رب نے بیشک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان۔

۔اور ویسے میں انسان ہوں فروگذاشتوں سے انکار نہیں کرتا۔ یہ اللہ کی مہربانی تھی کہ اُس نے مجھے بچالیا۔ غرض حضرت یوسف علیہ السلام بتلاتے ہیں کہ ان کو امین ہونا چاہیے۔ تدبیر الٰہی خود اسکی مدد کریگی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا پروگرام معلوم ہے کہ وہ کس طرح اپنا کام کرینگے اور کس بلند درجہ پر پہنچکر وہ اپنا کام کریں گے۔ اسواسطے

وہ اپنی امانت کو ظاہر کرتے ہیں (آیت ۵۲) حضرت یوسف علیہ السلام کے پیشِ نظر اگر یہ بات نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ بادشاہ کے بُلانے پر جھٹ جیل سے نکل آتے اور عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کے واقعہ کی تحقیق نہ کراتے (آیت ۵۰)۔ [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کا حوصلہ تھا کہ اسقدر طویل عرصہ جیل میں رہنے کے باوجود وہ پہلے اپنی امانت کی تحقیق کراتے ہیں اور اگر ہم یوسف علیہ السلام کی بجائے ہوتے تو جلدی چلے آتے یعنی اس واقعہ کی تحقیق کرانے کے بغیر نکل آتے اور اسقدر صبر نہ کر سکتے۔

انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے انسان حقیقتِ حال سے دور جا پڑتا ہے اور اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلند پایہ ہے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے انبیاء میں بھی خاص اوصاف اور مختلف خوبیاں پائی جاتی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اس فضیلت کا بیان کرتے ہیں۔ اسی واسطے قرآن مجید میں حکم آتا ہے کہ لا نفرق بین احد من رسلہ [2] ایک دوسرے میں فرق نہ کرو۔ اگرچہ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے مگر حدیث میں آتا ہے کہ ان کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو کیونکہ ہر ایک کے وصف کا یقین کرنا اور پھر اس کا دوسرے نبی سے مقابلہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس بحث میں پڑنے سے انسان حقیقتِ حال سے بہت دور چلا جاتا ہے اور اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا سارا کام ایک طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہے اور جو کچھ کام انہوں نے آئندہ کرنا ہے اُنھیں اس کا علم ہے۔

آیت نمبر ۵۴۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٥٤﴾

ترجمہ۔ اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اُسکو اپنے کام میں۔ پھر جب بات چیت کی اُس سے کہا واقعی تو نے آج سے جگہ پائی ہمارے پاس معتبر ہو کر۔

---

[1] اب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ ہونے والے ہیں۔ یہ تحقیق اسلئے کرائی تاکہ لوگوں کے دلوں سے وسوسہ دور ہو جائے۔ اور یہ بات جو مشہور ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اسی عورت سے نکاح کیا یہ

وَقَالَ الْمَلِكُ - بادشاہ نے کہا کہ یوسف بہت بزرگ آدمی ہیں - اسے تم نے غلطی سے
جیل میں بند کردیا - اب اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ میں اسے اپنا ندیم خاص بناتا ہو
فلما کلمہٗ - جب بادشاہ یوسف علیہ السلام سے باتیں کرچکا تو اُس نے یوسف علیہ ال
کو آزمالیا -

قال انک الیوم لدینا مکین امین - بادشاہ نے کہا اب ہم تجھے رتبہ میں بلند کرتے ہیں
تیری امانت پر ہمیں پورا بھروسہ ہے - یوسف علیہ السلام کنعان میں جتنی گھر میں پیدا
ہوتے ہیں - اب مصر میں اسی بلند رتبے پر پہنچنے کیلئے فقط یہی ایک آسان راستہ
جس سے یوسف علیہ السلام گزر رہے ہیں - اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ممکن نہیں
اسمیں جو تکلیفیں پیش آئیں یہ نظام عالم کو قائم رکھنے کیلئے ضروری تھیں -

شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی اصطلاح میں اسطرح کے کام کو تدبیر الٰہی کہا جا
یوسف علیہ السلام جب کنعان میں اپنے گھر پر تھے تو اُس وقت یہ طے شدہ با
تھی کہ یوسف علیہ السلام اسی درجہ پر پہنچیں اور اسکے واسطے ایسا راستہ معین کر
تھا جو سب سے آسان ہو اسی کا نام تدبیر الٰہی ہے - دنیا میں جو نبوت آتی
وہ تدبیر الٰہی کا ایک حصہ ہوتی ہے - انسان کو انسانی سوسائٹی کی مصیبتوں سے
بچانے کیلئے جو طے شدہ تدبیر الٰہی ہوتی ہے اسی کا ایک ٹکڑا نبوت ہوتی ہے
اس واسطے تدبیر الٰہی اسے (نبوت) کو اختیار کرتی ہے اور نبی دنیا میں روانہ
کیا جاتا ہے -

آیت نمبر ۵۵ - قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ
ترجمہ: یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر میں نگہبان ہوں
خوب جاننے والا -

- بادشاہ کے دل میں جب یوسف علیہ السلام کی امانت کا یقین ہوگیا تو یوسف علیہ ال
نے کہا کہ معاشیات (اقتصادیات و مالیات وغیرہ) کے محکمے کا سب سے اعلیٰ افسر مجھے
بنادو تاکہ میں بادشاہ کی نیابت میں اس کام کو کروں -

إِنِّيْ حَفِيظٌ عَلِيمٌ - حضرت ابراھیم علیہ السلام سے لیکر اسوقت (حضرت یوسفؑ) تک اس خاندان کی ثروت کا دارومدار ریوڑ پر تھا - اور اسمیں ہر قسم کی تعلیم موجود ہے مثلاً ریوڑ کی بہتری کی تجویز اور تدبیر اختیار کرنا جس سے اسکی پیداوار بہت ہو اور اسکی افزائش کے ذرائع سوچنا - حضرت یوسفؑ اسطرح کا انتظام گھر سے سیکھ کر آئے تھے اور اسکی بنا پر اب مالیات وغیرہ کے شعبہ کے متعلق ذرائع سوچ سکتے تھے اسواسطے انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ میں اس معاشیات کے کام کو اچھی طرح جانتا ہوں -

> انسان کو اپنی تعلیم و استعداد کے مطابق کام کا انتخاب کرنا چاہیے

آیت نمبر ۵۶ - وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ - اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا - پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلا بھلائی والوں کا -

وکذالک ---- اسطرح ہم نے مصر میں یوسفؑ کو ایک بہت بڑا مرتبہ دے دیا -
یتبوا منھا حیث یشاء - یوسف علیہ السلام اب ملک میں حکمران ہے وہ جہاں چاہتا ہے تمام ملک میں دورہ پر جاتا ہے تاکہ ملک کی بہتری کے سامان کر سکے - نصیب برحمتنا من نشاء - جس شخص میں اس کی استعداد ہوتی ہے ہم اس کو وہی کام دیتے ہیں - حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ خزانہ کا کام سمجھتے تھے اسواسطے ہم نے اسے یہ کام دلوادیا -
ولا نضیع اجر المحسنین - جو شخص اپنے کام کی استعداد پیدا کر لیگا ہم اس کی محنت اور اس کی استعداد کو کبھی ضائع نہیں کرتے - ہم اسے ضرور اسی درجہ پر پہنچا دیتے ہیں جس درجہ پر پہنچ کر وہ اپنی قوم کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور یہ تو دنیاوی زندگی کا اجر ہے -

> سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ وہ کسی صاحب استعداد کی محنت کو کبھی ضائع نہیں کرتا -

آیت نمبر ۵۷ - وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ - اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کو جو ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری پر - اور دوسری زندگی کا اجر تو بہت زیادہ ہے جو لوگ سمجھکر قانون کی پابندی کرتے ہیں انکے لیے بہت بڑے اجر ہیں -

آیت نمبر ۵۸ - وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ
مُنْكِرُونَ ۞

ترجمہ = اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اُس کے پاس تو اُس نے پہچان لیا
ان کو اور وہ نہیں پہچانتے ۔

- پچھلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام میں سب سے بڑا جوہر یہ تھا کہ وہ
خزانہ یعنی اقتصادیات اور مالیات بہت اچھی طرح سے جانتے تھے ۔ اور اسی سے انہوں نے
بادشاہ کے دل میں گھر کرلیا ۔ حکومت کا دارومدار مالی ذرائع پر ہے اور مالی ذرائع
تمام حکومتوں کے مشترک ہوتے ہیں ۔ اسطرح دنیا کی تمام حکومتیں مالی ذرائع کی بنا
ہر ایک دوسرے سے وابستہ ہیں ۔ اور اسی سے ان کی ترقی وابستہ ہے ۔ اب اگر کوئی حکومت
حماقت سے اپنے آپ کو علیحدہ کر رکھے تو وہ دنیا کی دوسری حکومتوں کی رفتار سے
کٹ جائیگی اور جلد ہلاکت کی طرف آجائیگی ۔ جیسے سمندر ہے کہ اسمیں لوہے کی
چادریں ڈال کر الگ الگ حصے کریں ۔ اسطرح چھوٹی چھوٹی قومی حکومتیں بنا کر الگ الگ
بیٹھنا حماقت ہے ۔ ان کا تعلق ہر وقت بین الاقوامی حکومت کے ساتھ رہنا چاہیے ۔

بین الاقوامی سطح پر اپنے آپ کو علیحدہ کرنا حماقت ہے ۔ اس سے ترقی کی رفتار میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے جو حکومت / مملکت کیلئے تباہی کا پیش خیمہ ہے

قوموں کی زبانوں اور معاشرت کو ایک نہیں کیا جاسکتا ۔ مگر ایک نظام کے تحت رہ کر
ہر قوم اپنی زبان و معاشرت پر زندگی بسر کرسکتی ہے اور یہ دنیا میں سب سے بہتر بین نظام
ہے ۔ معاشرت کے نظام میں ہر ایک اپنے اپنے حق پر ہے یعنی ہر ایک اپنی زبان بولے اور
(اپنی) معاشرت کی زندگی بسر کرے مگر حکومت کے نظام میں سب ایک ہوں اور سب مل
جس جگہ ظلم پیدا ہو اُسے برباد کرنے کے درپے ہوں ۔

قوموں کی زبان و معاشرت کو ایک نہیں کیا جاسکتا مگر مختلف زبان و معاشرت کی حامل قومیں ایک نظام کے تحت زندگی بسر کر سکتی ہیں ۔

ایک جگہ قحط پڑتا ہے وہاں ضروریات زندگی کی قیمت بڑھ جاتی ہے اسکی وجہ یہ ہے
کہ تجارتی نظام میں تاجر ہمیشہ اپنے مال کو اسجگہ لے جائیگا جہاں اسکی قیمت زیادہ ہو
جہاں تک انسانی ذرائع کام کرسکتے ہیں وہ تمام چیزیں اس قحط زدہ ملک میں اکٹھی
ہو جائیں گی کیونکہ ان کی قیمت قحط زدہ ملک میں زیادہ ملیگی ۔ اس کا لازمی اثر یہ
ہوتا ہے کہ جن ملکوں میں وہ چیزیں زیادہ ہوتی ہیں وہاں کم ہو جائیں گی کیونکہ تاجر منافع کی

کی لالچ پر اُسے قحط زدہ علاقوں میں فروخت کریگا۔

ملکی تجارت پر کنٹرول لازمی ہے۔ درآمد و برآمد پر مناسب کنٹرول ملکی معیشت کو مستحکم رکھنے کیلئے ضروری ہے

جب تجارت پر نگرانی کرنے والا کوئی حاکم نہ ہو تو تاجر اپنی ذاتی طمع کی لالچ میں اپنے ملک
وہ مال بھی نکال کرلے جاتا ہے جسکے لئے اسے اپنے ملک میں ضرورت ہوتی ہے۔ اسکا مقصد صرف
ہوتا ہے کہ قحط زدہ ملکوں میں جاکر کثیر منافع پر فروخت کرے۔ اسکا لازمی نتیجہ ہے اس کے ا
وطن میں بھی قحط کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس نے اپنے ملک سے اشیاء لے جاکر قحط زدہ علا
میں فروخت کردیں۔ اب اس ملک سے متصل ملکوں سے یہاں چیزیں آنا شروع ہوتی ہیں اور اسط
دوسرے ملکوں میں قحط کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور جب یہ قحط سات سال تک طویل ہو جائے ت
اس کا اثر دنیا میں پھیل جانا قدرتی چیز ہے۔ اسواسطے ہم مصر کے قحط کے اثر تاریخی طور پر کنع
اور یمن وغیرہ علاقوں میں پاتے ہیں۔ کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ خریدنے آ
ہیں اور یمن کے متعلق آئندہ میں ایک واقعہ تحریر کیا جائیگا۔

ملکی تجارت ... کے انتظام کیلئے ملکی تجارت اور درآمد و برآمد پر مناسب کنٹرول ضروری ہے

اب اس کا حل یہ ہے کہ ہر ملک میں ایک وزیر تجارت مستقل طور پر ہو اور دو اُس کے مستقل نائب
ایک معدنیات اور دوسرا تجارت کا انچارج۔ موخر الذکر کا بجٹ اسطرح تیار ہو کہ وہ اپنے ملک کی
تمام پیداوار کا نقشہ بنائے کہ اس کے ملک میں کون کونسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور کن چیزوں
کی کمی ہے جو باہر سے لاکر کمی پوری کی جائیگی اور جس چیز کی پیداوار ملک میں زیادہ ہے اُسے باہر
بھیجا جائے اور جس چیز کی کمی ہے اور باہر سے لانا ضروری ہے اُسے باہر سے لایا جائے۔ غرض اسطرح
درآمد و برآمد کا نقشہ مکمل ہے اور اس کے متعلق زراعت کا شعبہ اُسے تمام ضروری تدابیر سے آگاہ
کریگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اقتصادیات منتظم ہوگی۔ اسکی روح یہ ہونی چاہیے کہ ملک
کی پیداوار کبھی باہر نہیں بھیجنی چاہیے یہ خلاصہ دنیا کی بین الاقوامی مشکلات کو سمجھنے کے بعد رکھا جاتا
ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا طرز عمل اس علم کا بہترین راہنما ہے۔

ایک نبی دنیا میں آتا ہے۔ اس کی نبوت کے سلسلے میں انسانی ضرورتوں کے متعلق جو دقتیں
سوسائٹی کو پیش آتی ہیں۔ اس کے حل کرنے کے مفصل پروگرام موجود ہوتے ہیں۔ انکے انبیاء نے
مختلف دوروں میں انکے پروگرام مکمل کر دئیے ہوئے ہیں۔ مثلاً آرین قوموں یعنی ہندوستان اور ایران
عراق وغیرہ میں جو نبی آئے ان کے سلسلہ کے ہم منکر نہیں ہیں۔ انہوں نے دنیا میں اعلیٰ تعلیم و تربیت

دی - اور کسی صاحب بصیرت آدمی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا - مگر اس کے ساتھ ہی اسکی نسبت ابراھیمی یعنی حنیفی طریقہ زیادہ فیض رسان ہے - اس قسم کے سلسلہ نبوت کے ساتھ انکی تاریخ کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے تاکہ اُنسے فائدہ اُٹھایا جاسکے - اگر کسی قوم نے اپنے کمال کی تاریخ محفوظ نہیں رکھی تو وہ اُسکی خود مجرم ہے - دنیا بھر میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا سلسلہ نبوت انبیاء کے سلسلہ میں ایک نہایت شاندار تاریخی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی تاریخ محفوظ رکھتا ہے - دوسرے سلسلوں پر سلسلہ حنیفی کی ترجیح اور تفوق ہر منصف مزاج آدمی تسلیم کرتا ہے -

اہل ہنود اور یہود کے خیال اور نظریات یکساں ملتے جلتے ہیں - یہود نے اپنی تاریخ کو محفوظ رکھا ہے جبکہ ہنود نے ایسا نہیں کیا

ہندوؤں کی مثال لیجئے - وہ اپنے بزرگوں کا ایک سلسلہ رکھتے ہیں اور اس پر ان کو ناز ہے - ان کے نہایت سمجھدار اور سنجیدہ آدمی کہتے ہیں کہ اہل ہنود کے خیال اور نظریات اہل یہود سے ملتے ہیں - اور جسطرح یہود نے اپنی تاریخ کو محفوظ رکھا ہے ہم (ہنود) نہیں رکھ سکے - اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ اہل یہود کی تاریخ میں غلطیاں موجود ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کسی دوسری قوم نے اہل یہود کی مانند تاریخ بھی تو نہیں پیش کی جسمیں غلطیاں ہی ہیں - مگر بہر حال یہود اپنی تاریخ تو رکھتے ہیں -

ہمارے دل میں جو ہندوستان کے متعلق امید افزا حالات ہیں - اسکی وجہ یہ ہے کہ تورات کے متعلق قرآن اسطرح کراتا ہے کہ طبیعت حیران ہو جاتی ہے - مشکل یہ ہے کہ ہم نے ہندوستان میں قرآن کا تعارف اسطرح نہیں کرایا جسطرح تعارف کرانے کا حق تھا - اور اب تو یہ حالت ہے کہ ہم نے خود بھی قرآن کو سمجھنا چھوڑ دیا - یہ کام اگرچہ اسقدر مشکل نہیں ہے کہ ہندوستانی مسلمان اسے حل نہیں کر سکتے - ہماری سمجھ کے مطابق اگر قرآن کی صحیح فلاسفی جسمیں قوم کی تمام سیاسی ترقی پہلے رکھی جائے اور پھر اسے ہندو ترقی کن جماعت کے روبرو پیش کیا جائے تو ہمارا مسئلہ جلدی حل ہو جاتا ہے - اسکے برخلاف اگر ہم قرآن سے سیاست کو علیحدہ رکھیں اور ہندوؤں کی ری ایکشنری مخالف جماعتوں کو مخاطب بنائیں تو ہمارا کام ساری دنیا سے پیچیدہ ہو جاتا ہے اور ہمیں کہیں روشنی دکھلائی نہیں دیتی کہ ہمارا کام ہوتا دکھائی دے - قرآن فہمی کا جتنا مادہ آج ہندوستانی مسلمانوں میں محفوظ ہے دوسری مسلمان قوموں میں نہیں

ہندی مسلمان اور قرآن فہمی

دوسری مسلمان قوموں سے اسلئے تو ملنا چاہیے کہ ان میں یہ روح پیدا کردی جائے مگر ا
ایسے ڈھنگ سے ملنا کہ ہندی مسلمان کی قرآن فہمی کی پہلی قوت بھی جاتی رہے اور یہ
بھی جاتی رہے - یہ ایک نازیبا اور فضول حرکت ہے - جسطرح ایک ہندو ترقی یافتہ جماعت
کو ہمیں مخاطب کرنا چاہیے - اسیطرح ہر مسلمان قوم میں اہل علم کا طبقہ موجود ہے ہم صرف اس
کے اہل علم مسلمان طبقہ سے ملینگے اور ہمارے اور اُن کے ملنے کا ذریعہ فقط قرآن مجید ہوگا اور اسی
اتحاد اسلام کا خواب ممکن ہے مگر اس کے خلاف مسلمانوں کی مخالف طاقتوں (ری ایکشنری) سے ملن
شروع کیا (یعنی وہ مسلمان جو صرف برائے نام مسلمان ہیں وہ مخالف مسلمان یعنی ری ایکشنری ہیں)
تو ہمارے پاس صرف اسلام کا نام ہی رہ جائیگا اور بات سب ختم ہو جائیگی -

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو اگر ہم غور سے پڑھیں تو تمام دنیا کے معاشرتی نظا
کو ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں - اسطرح قرآن کو سمجھنے کی استعداد ہندی مسلمانوں میں زیادہ ہے ا
انہیں اللہ کا شکر کرنا چاہیے - حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو لوگوں نے عشق و محبت
کا ایک افسانہ بنا دیا ہے - ہم نے سورۃ یوسف کے قصے کی تفسیر میں ہندوستانی علماء سے
علیحدہ علیحدہ طور پر دریافت کی ہیں - سید سلیمان ٹھٹاوی ——— - مولوی عبیداللہ سندھی
ان تینوں نے شیخ عبدالرحیم سندھی کی تفسیر پڑھی اور ان تینوں کا مضمون یکساں تھا اور لطف
یہ ہے کہ اس زمانہ میں تینوں علماء ہند ایک دوسرے سے نا آشنا تھے - ان تینوں علماء کے
اگرچہ مختلف رنگ ہیں مگر ان تینوں کا مدعا اور مقصد ایک ہی ہے کہ سورہ یوسف اسواسط
بیان کی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں جو واقعات پیش آئیں گے - ان کیلئے
یہ پیش خیمہ ثابت ہو -

وجاء اخوۃ یوسف - حضرت یوسف علیہ السلام کا اب دوسرا دور شروع ہوتا ہے - قحط سالی
کو شروع ہوئے چند سال گزرتے ہیں کہ اس کا دور دراز ممالک میں اثر پہنچا اور اسکی وجوہات
فقرہ نمبر ۳ اور نمبر ۶ میں بتلائی گئی ہیں - یمن میں بھی اس کا اثر پایا جاتا ہے -
ارض القرآن کے صفحہ ۲۴۳ - ج ۱ میں ذکر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں جب مصر
اور اس کے آس پاس کے ملکوں میں قحط پڑا تو یمن سے جو عام روایت کی رو سے عاد

وعمالیق کا وطن تھا - یہاں کی شہزادی نے مصر سے غلہ طلب کیا تھا - یہ واقعہ اس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے جسکو مسلمان علماء آثار نے ابتدائی صدی میں یمن میں پایا تھا -

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب آیا اور سیلاب سے ایک قبر کھل گئی تو ایک عورت کی لاش نکلی جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصع انگوٹھیاں تھیں - اس کے سرہانے ایک لوح تھی - جس پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا " تیرے نام پر جو حمیر کا خدا ہے میں ذوشیعر کی بیٹی تاجہ ہوں میں نے اپنے قاصد کو یوسف کے پاس بھیجا تھا - اس نے جب دیر لگائی تو میں نے چاندی بھر سونا بھیجا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا - پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جواہرات پیس کر آٹا بنایا جائے لیکن وہ بیکار تھا - جو شخص میرا حال سنے اس کو میرے حال پر رحم کرنا چاہیے جو عورت میرے زیورات پہنے گی میری موت مرےگی " یہ کتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا ہے -

فدخلوا علیہ فعرفہم وہم لہ منکرون - بھائی عرصہ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو ملے یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے اپنا پورا پتہ نشان وغیرہ بتلایا اور جب انہوں نے یہ کہا ہوگا کہ ہم کنعان سے آئے ہیں تو یوسف علیہ السلام خود ہی انکی طرف متوجہ ہوئے ہونگے - مگر بھائیوں نے نہ پہچانا - اسلئے کہ انکو خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ یوسف علیہ السلام اس بلند مرتبہ پر پہنچیں گے -

آیت نمبر ۵۹ - وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ - اور جب تیار کر دیا ان کو ان کا اسباب کہا لے آئیو میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ماپ اور خوب طرح اتارتا ہوں مہمانوں کو -

ولما جہزھم - حضرت یوسف علیہ السلام سمجھ گئے کہ ان کے خواب کی تعبیر اس ملک میں پوری ہوگی اس واسطے وہ اپنے خاندان والوں کو مصر میں دعوت دیتے ہیں -

اب یہ طے شدہ امر ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا خاندان مصر میں آکر ترقی کریگا۔ اس واسطے ا
متعلق تدبیر کام کرتی ہے* اور یوسف علیہ السلام ہر ممکن العمل تدبیر سے فائدہ اٹھاتے ہیں
یہاں ایسا کام کرنا پڑیگا کہ معمولی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا مگر اجتماعی زندگ
اسکی اجازت ہو سکتی ہے۔ یوسف علیہ السلام چاہتے ہیں کہ انکا سارا خاندان مصر
آجائے۔ اس کے واسطے جو تدبیر آسان سمجھی جائیگی وہ اسپر عمل کرتا ہے۔ اجتماعی ک
کو سلسلہ وار کرنے کیلئے تدبیر کی جاتی ہے۔ اگر یہ کام ایسا آدمی کرے جس کے سا
کوئی پروگرام نہ ہو تو اس پر اُس کے بجائے مختلف حکم ہوگا اور اس آدمی کے کام
قیاس حضرت یوسف علیہ السلام کے اجتماعی کام پر نہیں کرنا چاہیے۔ اسکی وجہ یہ
کہ حضرت یوسف علیہ السلام اجتماعی فائدہ کیلئے کام کر رہے ہیں۔ غرض یوسف علیہ السلا
اپنے خاندان کو کنعان سے مصر میں لانے کی تدبیر کر رہے ہیں

الا ترون انی اوف الکیل وانا خیر المنزلین۔ قوموں میں دستور ہے کہ اپنی قوم کے لوگوں
تجارتی معاملات میں رعایت کرتے ہیں اور دوسری قوموں کے لوگوں کو زیادہ قیمت
دیتے ہیں۔ اس سے اگرچہ تھوڑا سا عارضی فائدہ حاصل ہوتا ہے مگر یہ آخر میں تبا
ثابت ہوتا ہے۔ تجارتی نقطہ نگاہ سے کہ ہر ایک آدمی کو خواہ وہ کسی قوم سے ہو یکسا
قیمت پر فروخت کرنی چاہیے اور اس اصول کا ہر وقت لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ آ
چل کر اسکا انصاف پر بھی اثر پڑیگا کہ اپنی قوم میں انصاف کا قانون کچھ ہوگا او
دوسری قوم میں مختلف رکھا جائیگا۔ اسواسطے ہر قومی قانون پر بین الاقوامی
قانون کو حاکم ماننا چاہیے۔ اسواسطے یوسف علیہ السلام کہتے ہیں کہ دیکھو میں اپنی
اور دوسری غیر ملکی قوموں سے یکساں سلوک روا رکھتا ہوں

آیت نمبر ۶۰۔ فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾
ترجمہ = پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو تمہارے لئے بھرتی نہیں میرے نزدیک
اور میرے پاس نہ آئیو۔

آیت نمبر ۶۱ - قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ - بولے ہم خواہش کریں گے اُس کے باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے
— انہوں نے کوشش کرنے کا وعدہ کیا -

آیت نمبر ۶۲ - وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ
اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ - اور کہہ دیا اپنے خدمت گاروں کو رکھ دو ان کی پونجی ان کے اسباب میں شاید
اُس کو پہچانیں جب پھر کر پہنچیں اپنے گھر شاید وہ پھر آجائیں -

— وقال لفتینه اجعلوا بضاعتهم - اب حضرت یوسف علیہ السلام نے دوسری تدبیر اختیار کی کہ بھائیوں
سے جو روپیہ لیا تھا وہ انہی کو واپس کر دیا اور ان کا سرمایہ غلہ کی بوریوں میں ڈال دیا تا
گھر جا کر جب بوریوں کو کھولیں تو اپنے سرمایہ کو پہچان لیں -

اذا انقلبوا الی اهلهم لعلهم یرجعون - یوسف علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ان کا خاندان کنعان سے
پھر آجائے - اسواسطے وہ تدابیر اختیار کرتے ہیں جنکا اثر ان پر پڑے

آیت نمبر ۶۳ - فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ
مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ - پھر جب پہنچے اپنے باپ کے پاس بولے اے باپ روک دی گئی ہم سے بھرتی سو
بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ بھرتی لے آئیں اور ہم اُس کے نگہبان ہیں -

آیت نمبر ۶۴ - قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ
فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ - کہا میں کیا اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اُس کے
بھائی پر اس سے پہلے سو اللہ بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان -

قل هل امنکم — حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ امانت کے متعلق تم نے خوب کہا تم نے آگے

بھی یوسف علیہ السلام کے بارے میں مجھے اسی قسم کی امانت کا یقین دلایا تھا۔

فاللہ خیرٌ حافظاً ۔۔۔ اللہ ہی بہترین محافظ ہے۔

آیت نمبر ۶۵ ۔ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِم
قَالُوْا يٰاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ
نَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

ترجمہ ۔ اور جب کھولی اپنی چیز بست پائی اپنی پونجی کہ پھیر دی گئی اُن کی طرف بو
اے باپ ہم کو اور کیا چاہیے یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اب جائیں تو رسد
ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی
وہ بھرتی آسان ہے ۔

۔ قالوا یابانا ما نبغی ۔ اس سے زیادہ ہم کیا چاہتے ہیں کہ غلہ بھی ہمیں مل گیا اور ہمارا سرمایہ
بھی ہمیں واپس مل گیا ۔

ذالک کیل یسیر ۔ ہمیں سامان جو ضروریات زندگی کیلئے درکار ہے بہت سہل طریقے سے مل رہا ہے
کہ ہمارا سرمایہ بھی واپس مل گیا ہے اور غلہ بھی مل گیا

آیت نمبر ۶۶ ۔ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ
بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ
وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾

ترجمہ ۔ کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ
پہنچا دو گے اُس کو میرے پاس مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب پھر دیا جب اُس کو سب نے
عہد بولا اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے

۔ خدا کی قسم کھا کر مجھے یقین دلاؤ کہ تم اُسے ضرور واپس لاؤ گے الا ان یحاط بکم
ہاں اگر تم مجبور ہو جاؤ تو یہ دوسری بات ہے یعنی اسی صورت میں تم مجبور سمجھے جاؤ گے

آیت نمبر ۶۷ ۔ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ ۔ اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جُدا جُدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اُسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اُسی پر بھروسہ چاہیے بھروسہ کرنے والوں کو

۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں خیال گزرتا ہے کہ لڑکوں کو نظر بد نہ لگ جائے اسواسطے تم الگ الگ راستہ سے شہر میں داخل ہونا تاکہ کسی کو یہ علم نہ ہو کہ یہ تمام بھائی ہیں اور اسطرح تم نظر بد سے محفوظ رہو گے

وما اغنی عنکم من اللہ من شیء ۔ اور میں جانتا ہوں کہ اللہ کی تدبیر ہی سب پر غالب رہیگی

آیت نمبر ۶۸ ۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

تدبیر الٰہی تمام تدابیر پر ہمیشہ غالب رہتی ہے

ترجمہ ۔ اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا اُن کے باپ نے ۔ کچھ نہ بچا سکتا تھا اُن کو اللہ کی کسی بات سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو پوری کر چکا اور وہ تو خبردار تھا جو کچھ ہم نے اس کو سکھایا لیکن بہت لوگوں کو خبر نہیں ۔

۔ اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام (کی تدبیر) کچھ حقیقت نہیں رکھتی ۔ اسواسطے کہ یعقوب علیہ السلام تو چاہتے ہیں کہ تمام بھائی خیریت سے واپس آجائیں اور تدبیر الٰہی ان بھائیوں میں سے ایک بھائی کو یوسف علیہ السلام کے پاس روک لیتی ہے ۔

تمام ممکنہ تدابیر سے کام لینا ہی انسانیت ہے تاکہ متوقع خدشات سے بچا جا سکے اور کامیابی کا حصول ممکن ہو

الاحاجۃ فی نفس یعقوب ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں خیال تھا ۔ انہوں نے اس کے واسطے یہ تدبیر کی کہ تمام بھائی الگ الگ دروازے سے جائیں تاکہ نظر بد سے محفوظ رہیں ۔ غرض سمجھایا جا رہا ہے کہ ہتھیار ڈال کر بیٹھ جانا یہ انسانیت نہیں ہے بلکہ انسان سے جسقدر کوشش

حصول مقصد کیلئے کمزور سے کمزور تدبیر کو بھی آزما لینا چاہیے اور نظر انداز نہ کرنا چاہیے

ہو سکے کرے۔ اور پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔ وانہ لذو علم لما علمنٰہ۔ حضرت یعقوب علیہ
صاحب علم تھے وہ جانتے تھے کہ یہ تمام کام ایک تدبیر کے تحت ہو رہے ہیں وہ جانتے
کہ میں اگرچہ لڑکوں سے کہہ رہا ہوں کہ نظر بد سے بچنے کیلئے الگ الگ دروازہ سے شہر
میں داخل ہوجیئو۔ مگر میری یہ تدبیر اس بڑی تدبیر الٰہی کو روکنے والی نہیں ہے مگر
اس کے باوجود وہ لڑکوں کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ علیحدہ علیحدہ دروازے
سے شہر میں داخل ہو جیئو۔ غرض وہ ہر ضعیف سے ضعیف تدبیر کو بھی اختیار کرتے
کہ جس سے ترقی کا راستہ معلوم ہو جائے۔

ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ اکثر آدمی ایسے ہیں کہ وہ نہیں سمجھتے کہ تدبیر کیلئے ہر ممکن
کوشش کرنی چاہیے اور انھیں کمزور سے کمزور حیلے سے بھی مدد لینی چاہیے۔ غرض انسان
جسقدر بڑھ سکتا ہے بڑھے اللہ اس کی مدد کریگا۔

سیاست کا انتہائی ترقی یافتہ اصول یہ ہے کہ۔ اجتماعی فائدے کیلئے انسان کو خداداد صلاحیتوں اور استعداد کو استعمال کرنا چاہیے۔ ناامید ہو کر بیٹھنے والا نکما آدمی ہے

انسان کو ایک خاص طاقت دی گئی ہے اور اس پر فرض ہے کہ اسے ہر ممکن طریقے سے
حنیفی راستے یعنی اجتماعی فائدے کیلئے استعمال کرے اور جو آدمی ہاتھ پاؤں توڑ
کر بیٹھ جائے وہ نکما آدمی ہے۔ یہ سیاست کا انتہائی ترقی یافتہ اصول ہے۔
مثلاً ایک جہاز ہے اس کا کوئلہ ختم ہو گیا اور راستہ بھول گیا کوئی ظاہری تدبیر نہیں
اب کپتان ہر اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جو کوئلہ کی جگہ کام دے سکے۔ ہر ایک لکڑی
کو لیتا ہے اور اسے انجن میں جلاتا ہے تاکہ انجن چلتا رہے۔ کپتان جانتا ہے کہ
اس ترکیب سے وہ کنارے پر پہنچ سکیگا مگر اس کے ساتھ ہی یہ احتمال بھی ہے
کہ ممکن ہے کوئی جہاز مل جائے اور وہ اس جہاز سے ایندھن[1] حاصل کر سکے۔
اسیطرح سپہ سالار کے پاس جب تک چلانے کیلئے ایک بھی گولی ہے اُسے
ہتھیار نہیں ڈالنے چاہییں۔
کیرنسکی نے، زار روس سے حکومت لی اور اس کے بعد حکومت کو سوشلسٹ پارٹی
کی مدد سے چلایا مگر جب اکثریت والے (بولشویک) غالب آگئے تو کیرنسکی

[1] کوئلہ

نے بولشویک پارٹی کا مقابلہ کیا مگر ناکام[1] رہا۔ اسکی فوج نے جب ماسکو کو خالی کیا تو
ڈکرنسکی حالانکہ فوج کا افسر تھا) ماسکو سے جو آخری آدمی نکلا ہے وہ کرنسکی ہے۔ اُس
نے جان بچانے کی کوشش نہیں بلکہ آپ سب سے آخر میں خطرے کی جگہ سے گیا۔
آیت نمبر ۶۹ - وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْ
اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾
ترجمہ = اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو کہا تحقی
میں ہوں بھائی تیرا سو غمگین مت ہو اُن کاموں سے جو انہوں نے کئے ہیں۔
انی انا اخوک ---- - حضرت یوسف علیہ السلام نے چپکے سے اپنے بھائی کو بتلا دیا کہ
میں یوسف ہوں تم گھبراؤ نہیں - تدبیر اب یہ کام کر رہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام
کے تمام خاندان کو مصر میں بلایا جائے اسواسطے یوسف علیہ السلام کے بھائی کو لایا جاتا ہے جو
اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے - یوسف علیہ السلام اس کو بتلاتے ہیں کہ اب تم یہیں رہو گے
اسواسطے اطمینان سے رہو۔
آیت نمبر ۷۰ - فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ
اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾
ترجمہ - پھر جب تیار کر دیا اُن کے واسطے اسباب ان کا رکھ دیا پینے کا پیالہ اسباب
میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو
فلما جہزھم --- الآیہ - اب چونکہ رخصت کا وقت آ گیا اور یوسف علیہ السلام کا بھائی بھی
جانے والا تھا اسواسطے اسے مصر میں روکنے کی یہ تدبیر کی ثم اذن موذن - پہلے بتلایا
جا چکا ہے کہ ایک بڑے موقع کے واسطے یہ تدبیر کی جا رہی تھی دیکھو آیت نمبر ۹ و آیت نمبر ۵۵۔
آیت نمبر ۷۱ - قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ
ترجمہ = کہنے لگے منہ کر کے اُن کی طرف تمہاری کیا چیز گم ہو گئی

[1] - ناکامیاب

آیت نمبر ۷۲ - قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ -

ترجمہ ۔ بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیمانہ اور جو کوئی اُس کو لائے اُسکو ملے ایک بوجھ اُونٹ کا اور میں ہوں اُس کا ضامن -

- بادشاہ کے پینے کا پیالہ یوسفؑ کے بھائی کے سامان رکھوا دیا - اس جگہ لوگوں کو بہت غلط فہمی ہو گئی ہے - اسکی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے سیاست کو مذہب سے الگ سمجھ رکھا ہے - انسان کا کام ایک طرف تو انفرادی طور پر ہوتا ہے اور دوسرا اجتماعی طور پر موخرالذکر ملک اور قوم کے فائدے کیلئے کیا جاتا ہے -

یورپ کو دیکھئے کہ تجارتی معاملات میں وہ حد سے زیادہ ایماندار ہے مگر سیاسی مسائل میں وہ آنکھیں بند کر کے جھوٹ بولتا ہے - اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ درحقیقت جھوٹ نہیں بولتے بلکہ اپنے سیاسی پروگرام پر عمل کام کرتے ہیں جسے عام لوگ نہیں سمجھتے -

جہاندار شاہ کے قاضی القضاۃ کا مشہور واقعہ -

جہاندار شاہ کے قاضی القضاۃ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بہت بڑا عالم اور زاہد تھا چونکہ دربار میں خرافات تھے جب یہ جاتا تو مسخرے لوگ اُس کی بے عزتی کرتے - ایک دفعہ ایک آدمی نے کہا کہ یا حضرت ایسی نوکری پر لعنت بھیجئے - قاضی صاحب نے فرمایا کہ میری دربار میں حد سے زیادہ بے عزتی ہوتی ہے - اگر میں کام چھوڑ دوں تو اس مسند پر ایک مسخرے کو لیکر بٹھلا کر سارے شرعی معاملات کو برباد کر دیں گے - اسلئے خدمت خلق اللہ کیلئے یہ کام کرتا ہوں

آیت نمبر ۷۳ - قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ - بولے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے -

- ہم ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اسواسطے ہم پر چوری کا الزام مت لگاؤ

آیت نمبر ۷۴ - قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ - بولے پھر کیا سزا ہے اُسکی اگر تم نکلے جھوٹے -

آیت نمبر ۷۵ - قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَاؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ - کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے وہی اُس کے بدلے میں جائے - ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو -

- چوری کے متعلق پہلا قانون یہ تھا کہ چور کو مالک کا غلام بنا دیا جاتا مگر اب اس کے بجائے ہاتھ کاٹا جاتا ہے - پہلے زمانے میں دنیا کی یہ حالت تھی کہ کوئی چیز بغیر محنت اور مشقت کے ہاتھ نہ آتی - اسواسطے لوگ محنت کر کے سرمایہ جمع کرتے وہ اپنے دل میں اس سرمایہ کو نہایت عزت سے دیکھتے اسواسطے جو آدمی اس ذخیرہ کو چرانے کی کوشش کرتا اُسے وہ سزا بھی اس نسبت سے دیتے -

آج جبکہ ضروریات زندگی صرف سرمایہ دار طبقہ کو کثرت اور آسانی سے ملتی ہیں وہ اسواسطے اسطرح کی کمائی سے جمع کئے ہوئے اندوختہ کی زیادہ قیمت نہیں لگاتا - اسواسطے اب پہلی سزا جس میں چور کو غلام بنایا جاتا تھا، پریشان کن معلوم ہوتی ہے - سزا جب رائے عامہ سے معین کردی جائے اور پھر اسے سب پر بلا استثناء جاری کر دیا جائے - اس کے بعد اس پر تنقید کا کسی کو حق نہیں رہتا - رائے عامہ سے سزا مقرر کرانے کا یہ مطلب ہے کہ سزا کی تبدیلی کا رائے عامہ کو ہر وقت اختیار ہے - قرآن مجید میں جس جگہ سزا کا ذکر آتا ہے وہ انتہائی سزا ہوتی ہے - سزا دو قسم کی ہوتی ہے

رائے عامہ سے معین کردہ سزا پر کسی کو تنقید کا حق نہیں رہتا - اور اس کی تبدیلی کا رائے عامہ کو ہر وقت اختیار رہتا ہے

۱- بنیادی ۲- انتہائی - انتہائی سزا صرف اس صورت میں دی جاتی ہے جب جرم انتہائی شکل میں سرزد ہو - انتہائی سزا کی شکل میں جلدی جلدی تبدیل کرنا درحقیقت سزا کی روح کو بے معنی کرنا ہے - اس میں بہت سی چیزوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے جیسے عام ذہنیت کیا ہے -

انتہائی سزا کے حکم میں جلد تبدیلی درحقیقت سزا کی روح کو بے معنی کرنا ہے

پرانی تاریخی چیزوں کا بزرگوں سے حاصل کرنا مقدس چیز ہے - اس واسطے جب اس تبدیلی کی ضرورت پیش آئے تو اس صورت میں پروپیگنڈہ کی بہت ضرورت ہوتی ہے تاکہ رائے عامہ کو حقیقت حال سے آگاہی ہوسکے - اساسی قانون کو اشد ضرورت کے بغیر تبدیل کرنا یہ قانونی ضرورت کے خلاف ہے اس سزا کے دینے میں غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے کہ اس کی بنا پر جس شخص کو انتہائی سزا دیگئی کیا وہ درحقیقت اس انتہائی سزا کا مستحق تھا ؟ اگر اس انتہائی سزا دینے میں غلطی بھی سرزد ہو جائے تو

تو اُسے معمولی غلطی سمجھنا چاہیے اور اس کی بنا پر انتہائی سزا میں تبدیلی کا خواہاں ہونا ضروری نہیں
انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ چور نے جسکی چوری کی ہے اُسکا اُسے غلام بنا دیا جائے اور چور کو
اس کی خدمت پر لگا دیا جائے تاکہ جو مال اُس نے چُرا کر برباد کیا ہے اُسے پیدا کر کے مال کے مالک کے حوالے کرے
اور اگر مال برباد نہیں کیا تو کچھ عرصہ تک اسی کا غلام رہ کر خدمت کرے۔

دوسری صورت عادی جرم کی ہے ۔ وہ چوری کو کبھی نہیں چھوڑیگا اس واسطے اس صورت میں
سزا کو انتہائی درجہ پر پہنچایا جائیگا۔ بعض اوقات ایک دفعہ کے جرم کرنے میں اس جرم کے
ساتھ ایسے اسباب مل جاتے ہیں کہ حاکم کی رائے میں جرم عادی جرموں میں شمار ہوتا ہے
اسواسطے حاکم پہلی دفعہ جرم ثابت ہونے پر انتہائی سزا دینا جائز سمجھتا ہے ۔ یہ ممکن ہے کہ
اسی فیصلہ میں غلطی ہو مگر اس کی وجہ سے انتہائی سزا میں تبدیلی کا ہر وقت خواہاں ہونا حماقت
ہے۔ اسکا علاج یہ ہے کہ قاضی سمجھ دار ۔ سنجیدہ جماعت کے ساتھ تعلق رکھتا ہو تاکہ
سوسائٹی کے حالات سے وہ ہر وقت باخبر رہے ۔

ملتِ ابراھیمی میں چوری کی دو سزائیں ۔
چور کو غلام بنانا
چور کا ہاتھ کاٹنا

ابراھیمی سلسلے میں دو ہی سزائیں ہیں ۔ پہلی یہ کہ چور کو غلام بنا دیا جاتا ہے اور دوسری
سزا موسٰی علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوئی جسمیں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے ۔ یہ دونوں سزائیں
قریب قریب ہیں ۔ بعض حیثیتوں میں پہلی سزا (یعنی چور کو غلام بنانا) اور بعض حیثیتوں میں
دوسری سزا (یعنی چور کا ہاتھ کاٹنا) میں فائدہ ہوتا ہے ۔ غرض جرم کی انتہائی شکل میں یہ انتہائی
سزا ہے۔ اسی واسطے اسلام میں ایسی سزاؤں کیلئے جن میں انتہائی درجہ کی سزا ہو "حد" کا
لفظ بولا جاتا ہے "حد" کے معنی ہیں "انتہائی سزا دینا"۔

اب موجودہ صورت میں بادشاہ کا پانی پینے کا برتن چوری ہوتا ہے ۔ اس صورت میں چور کی سزا
دیکھنی چاہیے ۔ اگر کوئی معمولی چیز چوری ہوتی تو کہا جا سکتا تھا چونکہ اسے ضرورت لاحق تھی اسواسطے
اسنے مجبوری سے چوری کرلی ۔ اس صورت میں صرف ابتدائی سزا دی جائیگی ۔ مگر اس جگہ معاملہ برعکس ہے
کیونکہ بادشاہ کا پیالہ چوری کیا گیا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز ضرورت کیلئے مجبور ہو کر نہیں
چرائی گئی بلکہ اس کا چُرانے والا عادی مجرم ہے ۔ اس واسطے اُسے انتہائی سزا دی جاتی ہے ۔

آیت نمبر ۷۶ - فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاءِ اَخِيْهِ ط - كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ط مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ط وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (۷۶)

ترجمہ - پھر شروع کیں یوسف نے ان کی خرجیاں دیکھنی اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے آخر کو وہ برتن نکالا اپنے بھائی کی خرجی سے یوں داؤ بتا دیا ہمنے یوسف کو . وہ ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اُسی بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ - ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا -

کذالک کدنا لیوسف - حضرت یوسف علیہ السلام کی تدبیر کی کامیابی کیلئے ہم نے اُسے موقع دیا - موقع یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام اسرائیل کا قانون جانتے تھے کہ چوری کی سزا اُسے غلام بنانا ہے غرض اسطرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو موقع دیا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ سکے - اسطرح انسان کو ہر موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے	بھائی کو مصر میں روکنے کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام کی تدبیر -

ماکان لیاخذ فی دین الملک - مصر کے عام قانون کے موجب اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں روک سکتے تھے - الا ان یشاء اللہ - اگر یہ بھی نہ ہوتا یعنی اسرائیل کے طریقہ پر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک نہ سکتے تو اللہ کچھ اور تدبیر کرتا جس سے یوسف علیہ السلام مصر میں اپنے بھائی کو روک سکتے - نرفع درجات من نشا - اللہ نے علماء کے درجے قائم کئے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھکر عالم ہے - اسطرح یوسف علیہ السلام کے بھائی نہایت اعلیٰ درجے کی تدبیر کرنے والے تھے اور انہوں نے اپنی تدبیر سے یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کر دیا - مگر اللہ کی تدبیر جو حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں کام کر رہی تھی وہ سب سے بڑھکر تھی کہ اس تدبیر کے ذریعہ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہ پڑا اور ان کی تدبیریں خاک میں مل گئیں -

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو مصر میں روک رکھا اور ان کی اس تدبیر کی

قرآن مجید تعریف کرتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نہایت دانشمند تھے ۔ فقہاء کی اصطلاح میں ایسے قانون کو "حیلہ" کہا جاتا ہے کیونکہ اسمیں صاف ایمانداری کی بات نہیں یوسف ع نے خود حیلہ کیا ۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ حیلہ جائز ہے ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اسطرح سوسائٹی میں جو امانت و صداقت رکھنی چاہیے وہ نہیں رہتی اور یہ سوسائٹی کے تنزل کی نشانی ہے کہ سوسائٹی صرف مطلب پر رہ جاتی ہے ۔ ظاہر میں با قانون اور اندر سے برباد ہو رہی ہے ۔

"حیلہ" حنفیوں کے نزدیک جائز اور غیر حنفیوں کے نزدیک جائز نہیں ہے ۔ مگر اس سے سوسائٹی میں امانت و صداقت نہیں رہتی اور معاشرے کو تنزل کی طرف لے جاتا ہے ۔

حنفیوں کے نزدیک ان آیات کی بنا پر حیلہ جائز ہے اور غیر حنفی جائز قرار نہیں دیتے اس میں صحیح رائے یہ ہے کہ اس قسم کی جو صورتیں ہیں ان سے مقصد دیکھنا چاہیے اگر وہ کام اجتماعی طور پر کیا جاتا ہے تو جائز ہے اگر وہ سوسائٹی کی ترقی کو روکنے والا ہے تو ناجائز ہے ۔ اس قسم کے معاملات میں تنہا معاملے کی صورت ۔ کسی معاملہ میں حکم کرنے یا فیصلہ کرنے کیلئے کافی نہیں ہے ۔ اس معاملہ کے مقصد کو بھی سامنے رکھا جائے تب صحیح حکم دیا جا سکتا ہے ۔ اسمیں فقط ایک انتہائی شکل آتی ہے جسکی وجہ سے فقہاء کو مشکل پیش آتی ہے ۔ مثلاً نبی ایک حکم دیتا ہے اسکی فوراً تعمیل ہو جانی چاہیے یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اسکا مقصد کیا ہے ۔ نبی کے حکم کی تعمیل کرنے میں اسکے حکم کی صورت پر فوراً عمل کرنا چاہیے اس وقت مقصد کو مد نظر رکھنا غلطی ہے ۔ نبی کا حکم بغیر کسی غور و فکر کے جس شکل میں حکم دیا گیا ہے اسی شکل میں اس حکم کی اطاعت کرنی چاہیے ۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس صورت میں مقصد سے قطع نظر کرنا چاہیے بلکہ مقصد کو سامنے رکھکر حکم کی تعمیل کی جائیگی ۔ جیسے نبی حکم دیتا ہے کہ "ج" سے "د" کو جاؤ اور "د" کے دو راستے ہیں ایک "ھ" اور دوسرا "ز" ۔ اب ہمیں "د" تک پہنچنا ہے تو ان دونوں راستوں میں سے جو آسان راستہ ہوگا ہم اختیار کریں گے اور "د" تک پہنچ جائیں گے تاکہ نبی کے حکم کی تعمیل ہو جائے ۔ غرض نبی کے حکم ماننے میں یہ پہلو غالب رہیگا کہ جس مقصد کیلئے یہ حکم دیا گیا ہے اسے ملحوظ رکھتے ہوئے اسکی فوری تعمیل ہونی چاہیے ۔

اس ایک استثناء کے بعد سوسائٹی کے آپس میں مطلب و مقصد پر غور کیا جائیگا اور اس کام کی صورت پر غور نہیں ہوگا ۔ اگر وہ سوسائٹی کی اجتماعی قوت کو بڑھانے والا ہو تو جائز ہے او

اگر تنزل کیطرف لے جانے والی ہو تو ناجائز ہے۔ قانون کی آخری فیصلہ کی طاقت جب کسی قسم کا فیصلہ دیگی اسمیں الفاظ کی رعایت رکھی جائیگی۔ یعنی اس کی ظاہری شکل پر تعمیل کر دی جائیگی اور اس کے سوا مقصد پر نظر رکھی جائیگی یعنی جس فارم میں وہ حکم دیا ہے اسکا بھی لحاظ رکھا جائیگا۔

آیت نمبر ۷۷۔ قَالُوْا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ج فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ج قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ج وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ۔ کہنے لگے اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے۔ تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنے جی میں اور ان کو نہ جتایا کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

قالوا ان یسرق ۔۔ الآیہ ۔ جب ثابت ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی نے چوری کی تو بھائیوں نے کہا کہ اس کے بھائی یوسف علیہ السلام نے بھی ایک دفعہ چوری کی تھی یعنی یہ عادی مجرم ہیں۔ غرض اسوقت وہ یوسف علیہ السلام کے خلاف جو مخالفانہ روح رکھتے تھے ۔ اس کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ اور اس کا بھائی یوسف دونوں اچھے آدمی نہ تھے۔ قال انتم شر مکانا ۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ تم غلط الزام لگا رہے ہو

آیت نمبر ۷۸۔ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ج اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ۔ کہنے لگے اے عزیز اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک کو ہم میں سے اس کی جگہ ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا۔
۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو احسان کرنے والا ہے ہم پر یہ احسان کر کہ اسے چھوڑ دے اور اس کے بجائے ہم میں سے کسی کو روک لے اور غلام بنا۔

آیت نمبر ۷۹ - قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ - ۷۹

ترجمہ - بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس کے پاس پائی ہم نے اپنی چیز تو تو ہم ضرور بے انصاف ہوئے -

- قال معاذ اللہ - یہ قانونی بات ہے کہ جس نے ہماری چوری کی ہم صرف اسی کو پکڑیں گے

ان اذا لظلمون - اگر ہم اس کے بجائے یعنی مجرم کے بجائے کسی اور آدمی کو گرفتار کر لیں تو ہم منصف مزاج نہیں ہونگے بلکہ ظالم قرار پائیں گے

آیت نمبر ۸۰ - فَلَمَّا اسْتَايْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۸۰

ترجمہ = پھر جب نا اُمید ہوئے اُس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو بولا اُن میں کا بڑا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے عہد اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں سو میں تو ہرگز نہ سرکونگا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو باپ میرا یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا

فلما استیئسو - الایہ جب مایوس ہو گئے کہ عزیز نہیں مانتا تو اب کمیٹی بنا کر خفیہ مشورہ کرنے لگے

او یحکم اللہ لی - اللہ کوئی اور فیصلہ کر دے کہ یہ رہا ہو جائے -

آیت نمبر ۸۱ - اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۸۱

ترجمہ - پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے باپ تیرے بیٹے نے تو چوری کی اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا دھیان نہ تھا -

وما کنا للغیب حافظین - ہم اندر کے حالات کا علم نہیں رکھتے کہ بادشاہ کا پیالہ اس کے سامان کیسے اندر

کیسے آگیا جب کہ یہ ایسا کام کرنے والا نہیں۔

آیت نمبر ۸۲ - وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٨٢﴾

ترجمہ۔ اور پوچھ لے اُس بستی سے جس میں ہم تھے اور اُس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں اور بیشک ہم سچ کہتے ہیں۔

قریۃ۔ سوسائٹی کے معنی میں آتا ہے اور آجکل عرب مجتمع کو سوسائٹی کے معنوں میں لیتے ہیں۔ اسجگہ قریہ سے مراد وہ سوسائٹی یا جماعت ہے جو غلہ لینے کیلئے کنعان سے گئی تھی۔ عیر - اس سے مراد پورا قافلہ جو اب مصر سے غلہ لا رہا تھا اور کنعان سے گزر رہا تھا اس کے اندر وہ چھوٹی جماعت یعنی سوسائٹی تھی جو بنی اسرائیل (حضرت یوسف کے بھائی) پر مبنی تھی۔

آیت نمبر ۸۳ - قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾

ترجمہ۔ بولا کوئی نہیں بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات اب صبر ہی بہتر ہے شاید اللہ لے آئے میرے پاس اُن سب کو وہی ہے خبردار حکمتوں والا۔

قال بل سولت لکم انفسکم امرا - حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے وقت بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی جملہ کہا تھا اور اب بھی اسی کی تکرار کی ہے - فصبر جمیل - میں تمکو ملامت نہیں کرتا بلکہ میں اس معاملہ پر صبر کرتا ہوں - عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا - ممکن ہے اللہ سب کو اکٹھا کر کے ملا دے - انہ ھو العلیم الحکیم - حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے ہیں کہ یہ کام تدبیر الہی کے ماتحت ہو رہے ہیں اور آگے چل کر سب ایک جگہ اکٹھے ہونگے - مگر اس وقت وہ ان تمام کڑیوں کو ملا نہیں سکتے - واقعات عالم کو اس رفتار سے دیکھنا یہ حکمت ہے اور اس معاملہ میں ہمیں انبیاء سے بہتر کوئی آدمی نظر نہیں آتا جو غور سے دیکھتا ہو -

واقعات عالم کی رفتار کو ایک تدبیر میں جکڑ دینا اور مالک حقیقی سے اپنا عاجزی کا تعلق پیدا کرنا یہ انبیاء کا ابتدائی سبق ہے - اور انسان اسے بہت محنت و مشقت کے بعد حاصل کرتا ہے

واقعات عالم کی رفتار کو ایک تدبیر میں جکڑ دینا اور مالک حقیقی سے اپنا تعلق پیدا کرنا انبیاء کا پہلا سبق ہے -

انبیاء علیہم السلام حکمت کے بہترین معلم ہیں

ہم انبیاء کی تعریف میں یہی جملہ استعمال کر سکتے ہیں کہ وہ حکمت کے بہترین معلم ہیں۔ ان کے مشن سے دماغ میں اسوقت بوجھ پیدا ہوتا ہے جب واقعات عالم کو ایک سلسلے میں سوچنے کی عادت نہ ہو۔ اس استادی کے ساتھ ہی ان میں یہ کمال بھی ہے کہ سوسائٹی کی اجتماعی قوت سے اپنی ذات کیلئے کم سے کم فائدہ پر راضی رہتے ہیں جسقدر وہ سوسائٹی کی خدمت کرتے ہیں اسقدر وہ اس کا معاوضہ نہیں لیتے۔ حکیم اور ان کی جماعت میں سے اور لوگ بھی ان کا ساتھ دے سکتے ہیں کہ وہ بھی خدمت کا معاوضہ نہ لیں وہ فطری طور پر حکمت کے اعلیٰ معلم ہیں۔

قانون بنانے والے حکیموں کے دو درجے ہیں۔
۱۔ وہ حکماء جو تمام واقعات کو ایک رفتار سے دیکھنے کے عادی ہوں۔
۲۔ وہ حکماء جو صرف اپنے اپنے کام (شعبہ) میں ماہر ہوں۔

قانون بنانے والے حکیموں کی سوسائٹی کا فرض ہے کہ تمام واقعات کو ایک رفتار سے دیکھنے کے عادی ہوں۔ ان میں دوسرے درجہ پر وہ آدمی ہیں جو اپنے اپنے کام میں ماہر ہیں وہ مل کر سوسائٹی کیلئے بہترین قانون بنا سکتے ہیں اور یہ قانون بہترین شکل میں ہوگا جب اسی درجہ کے عالم سوسائٹی کو مل سکیں تو سوسائٹی مجبور ہے کہ جو کچھ سوسائٹی میں بھلی یا بری عالمانہ طاقت ہے اس سے قانون بنوالیں اور اس قانون پر چلیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں درجوں میں امتیاز رکھنا چاہیے اور ان کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکنا چاہیے۔

حکماء کے دونوں طبقوں کی مشترکہ سعی سے بننے والا قانون بہترین شکل میں ہوگا۔

موخرالذکر جماعت کا قانون اول الذکر جماعت کے قانون سا موافق اور مفید نہیں ہوسکتا۔ اگر دونوں حکیموں کے قانون ایک وقت میں مل جائیں تو اول الذکر جماعت کا قانون ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہوگا۔

آیت نمبر ۸۴ وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۸۴﴾

ترجمہ۔ اور الٹا پھرا ان کے پاس سے اور بولا اے افسوس یوسف پر اور سفید ہوگئیں آنکھیں اس کی غم سے سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا۔

یاسفٰی علی یوسف۔ افسوس ہے کہ اتنی مدت کے بعد بھی یوسف نہ ملا۔

وابیضت عینٰہ من الحزن فھو کظیم۔ روتے روتے آنکھوں کی سیاہی بھی کمزور پڑ گئی یہ مجازی طور پر کہا جا رہا ہے جیسے کسی آدمی کو کہیں کہ وہ شیر کی مانند ہے۔

یعنی وہ دلیر اور بہادر ہے۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس میں شیر کے پنجے بھی آ گئے۔
غرض حضرت یعقوب علیہ السلام کی دلی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ وہ یوسف علیہ السلام کی جدائی سے بے تاب تھے۔

آیت نمبر ۸۵ - قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ - کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا یوسف کی یاد کو جب تک کہ گھل جائے یا ہو جائے مردہ۔

— ان کی کوشش یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھول کر اُن سے محبت کرنے لگیں مگر حضرت یعقوب علیہ السلام بدستور حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کرتے ہیں۔
حتیٰ تکون حرضاً او تکون من الھالکین - بھائیوں کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر چھوڑ دیں۔

آیت نمبر ۸۶ - قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ - بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔

واعلم من اللہ ما لا تعلمون - تم اللہ کی حکمت کو نہیں سمجھتے میں اُسے سمجھتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام کے بعد یہ دوسرا لڑکا بھی مجھ سے کیوں چھینا گیا - یہ تدبیر الٰہی کام کر رہی ہے اور میں تو صرف اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میری یہ مصیبت دور کرے۔

آیت نمبر ۸۷ - يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ - اے بیٹو جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اُس کے بھائی کی اور نا امید مت ہو اللہ کے فیض سے بیشک نا امید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

یابنیّ اذھبوا فتحسسوا - اے بیٹو جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو
اسمیں اشارہ ہے کہ جہاں تم یوسف کے بھائی کو چھوڑ آئے ہو وہیں جاکر تم یوسف
کو بھی تلاش کرو - ولا تایئسوا من روح اللّٰہ - مایوس مت ہو - اسلئے کہ مایوس ہو
کے بعد انسان کام نہیں کر سکتا اور کافر ہو جاتا ہے - اجتماعی کام میں مایوسی نزدیک
نہیں آتی - اسکی وجہ یہ ہے کہ اس آدمی کو زیادہ سے زیادہ یہی یقین ہوتا ہے کہ
اگر میری زندگی میں یہ کام نہ ہوا تو میرے بعد یہ جماعت اس کام کو پورا کرلیگی
انبیاء کے کام چونکہ اجتماعی طور پر ہوتے ہیں اسواسطے ان کے کام میں
مایوسی نام کو بھی نہیں ہوتی -

اجتماعی کاموں میں مایوسی نہیں ہوتی کیونکہ ایک آدمی کے مرنے کے بعد اسکی جماعت اس کام کو پورا کرنے میں کوشاں رہتی ہے

آیت نمبر ۸۸ - فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ - پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے عزیز پڑی ہم پر اور ہمارے گھر
پر سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر
اللّٰہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنیوالوں کو -

- فلما دخلوا - اب یہ آنکھیں کھول کر گئے کہ ممکن ہے دونوں بھائیوں میں سے
کوئی مل جائے - قحط کے باعث پریشان ہیں اور سرمایہ کم ہے اور حاجتیں زیادہ
اسواسطے بادشاہ سے کہتے ہیں کہ ہم تکالیف میں ہیں اور سرمایہ بھی کم لائے ہیں اور
ہماری ضروریتیں بڑھ رہی ہیں - وتصدق علینا - قیمت کا لحاظ نہ رہے ہمیں صدقہ
دو تاکہ ہم اپنی ضرورتوں کو پورا کریں - ان اللّٰہ یجزی المتصدقین - اللّٰہ تم کو اس
کا بہترین معاوضہ دیگا -

آیت نمبر ۸۹ - قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَ اَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ
ترجمہ - کہا کچھ تم کو خبر ہے کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور اس کے بھائی سے جب تم کو
سمجھ نہ تھی -

حضرت یوسف علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ان کے بھائی انہیں پہچان لیں - یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو گزشتہ واقعات بتلائے اور ان کو پچھلی بات یاد دلوائی تاکہ ان میں جستجو پیدا ہو اور یہ اسے پہچان لیں -

آیت نمبر ۹۰ - قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ - بولے کیا سچ تو ہی ہے یوسف - کہا میں یوسف ہوں اور یہ ہے میرا بھائی اللہ نے احسان کیا ہم پر البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ضائع نہیں کرتا حق نیکی والوں کا -

قالوء انك لانت یوسف - انہوں نے جب غور کیا تو پہچان لیا کہ یہ یوسف ہے

قدمن اللہ علینا - اللہ نے احسان کیا کہ مجھے اس درجہ پر پہنچا دیا -

انہ من یتق ویصبر - قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص قانون اور انصاف کے موافق مسلسل کام کرتا رہے اور جو تکلیف آئے اُسے برداشت کرتا رہے - اللہ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا - انکی محنت کا بدلہ انہیں آنکھوں سے دکھلا دیتا ہے -

آیت نمبر ۹۱ - قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ

ترجمہ - بولے قسم اللہ کی البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے

قالو تاللہ لقد اثرك اللہ علینا - جب بھائیوں نے غلطی تسلیم کر لی تو یوسف علیہ السلام نے کہا کہ تم پر آج ملامت کرنا منظور نہیں - ان کنا لخطئین - اللہ تمیں بخشے تم سے جو غلطی ہوئی یہ ایک بڑے مقصد کے ماتحت ہوئی اسواسطے میں آج تمکو ملامت نہیں کرتا -

آیت نمبر ۹۲ - قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ -

ترجمہ - کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان -

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص روانہ کرنے کی حکمت۔

بھائی مل گئے۔ اب والدین کو بلانا باقی رہ گیا۔ اسواسطے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا مستعمل کپڑا دیا جسمیں پسینے کی بُو ہوتی ہے اور والدین اسے خوب پہچان لیتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے اسواسطے اپنا کپڑا روانہ کیا تاکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین ہوجائے کہ یہ یوسف علیہ السلام کی قمیص ہے اور میں اب حکومت کے ایک بلند مرتبے پر پہنچ گیا ہوں اور انہیں علم ہوجائے کہ اللہ کا وعدہ اسطرح پورا ہو رہا ہے اور اس وعدہ کے پورے ہونے کی خوشی سے اسکی بصارت دوبارہ واپس آجائے۔

ممتا کی محبت اور قمیص کا واقعہ۔

میرے ایک بزرگ اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ جب وہ گھر سے تشریف لے گئے تو ان کی غم زدہ والدہ ان کی قمیص (پسینہ) کو سونگھ کر اپنی آنکھوں کو لگاتی اور انہیں ٹھنڈک پہنچتی۔

آیت نمبر۹۴ میں لفظ ریح ہے آیت کا ترجمہ یوں ہوا جب قافلہ جدا ہوا ان کے باپ نے کہا کہ تحقیق میں یوسف کی بُو (ہوا) پاتا ہوں پسینہ کا ریح ہی سے تعلق ہے اور اسلئے وہ سمجھ گئے کہ یہ یوسف علیہ السلام کی قمیص کی بُو ہے۔

آج ہم بے تار برقی کے ذریعہ دیکھتے ہیں کہ ہزاروں میل دور کی خبریں آن واحد میں ہوا کے ذریعہ پہنچا دی جاتی ہیں اسطرح حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

آیت نمبر۹۳۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ج وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ۔ لے جاؤ یہ کرتا میرا اور ڈالو اُس کو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا۔

آیت نمبر۹۴۔ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

ترجمہ۔ اور جب جدا ہوا قافلہ کہا اُن کے باپ نے میں پاتا ہوں بُو یوسف کی۔ اگر نہ کہو مجھکو کہ بوڑھا بہک گیا۔

آیت نمبر۹۵۔ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

ترجمہ۔ لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے۔

آیت نمبر ۹۶۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًاۚ
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْۚۙ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ۔ پھر جب پہنچا خوشخبری والا ڈالا اُس نے وہ کرتا اُس کے منہ پر پھر لوٹ کر ہو گیا دیکھنے والا بولا میں نے نہ کہا تھا تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ۔

فارتد بصیرا ۔ آنکھوں کی بصارت اپنی اصلی حالت پر آجائے

قال الم اقل لکم ۔ کیا میں نے تمکو نہ کہا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جدا ہونے میں ایک راز تھا اور دیکھو وہ راز اب ظاہر ہو رہا ہے ۔

آیت نمبر ۹۷۔ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ = بولے اے باپ ہمارے بخشوا ہمارے گناہوں کو بیشک ہم تھے چوکنے والے

۔ انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ۔

آیت نمبر ۹۸ ۔ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾

ترجمہ ۔ کہا دم لو بخشواؤں گا تم کو اپنے رب سے وہی ہے بخشنے والا مہربان

۱ ۔ تمہارے جرم کی نوعیت اسقدر سخت نہیں ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارا جرم ایک تدبیر الہی کے ماتحت ہوا ہے اسواسطے اللہ سے دعا کرونگا کہ وہ تمہارے جرم بخش دے

آیت نمبر ۹۹ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا
مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ = پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس جگہ دی اپنے پاس اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے ۔

۔ دعائیہ فقرے ہیں کہ تم مصر میں امن سے آؤ تمہیں اس جگہ کوئی خطرہ نہیں ہے ۔

آیت نمبر ۱۰۰۔ وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًاۚ وَ قَالَ
یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ٘ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّاؕ وَ قَدْ
اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ
اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُؕ

إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿١٠٠﴾

ترجمہ - اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اُس کے آگے سجدہ میں اور کہا اے باپ یہ بیان ہے میرے اُس پہلے خواب کا اُس کو میرے رب نے سچ کر دیا اور اُس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا قید خانہ سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے بعد اُس کے کہ جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے بیشک وہی ہے خبردار حکمت والا۔

- ورفع ابویہ علی العرش - والدین کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھلایا۔

وخرو لہ سجداً - اس زمانہ میں قدم لوگوں کی رسم تھی اسواسطے تمام لیعنی ماں باپ اور بھائی سجدہ میں گر پڑے - رُؤیای - میرے خواب کی یہ تعبیر تھی کہ مجھے اللہ بہت بلند مرتبہ دے گا اور اسنے اس کی تعبیر سچی کر دکھلائی - غرض یہ نبوت کا خاصہ تھا کہ یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا - اللہ نے انہیں علم دیا اور پھر یوسف علیہ السلام کے خواب کو سچا کر کے دکھلایا اور یہ کام عام فائدے کی خاطر کیا گیا - اب ضرورت یہ تھی کہ جب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک گاؤں میں رہتے تھے - اسواسطے وسیع پیمانے پر سوسائٹی کی حالت کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے - اسواسطے انہیں ایک متمدن ملک (مصر) میں لایا گیا جہاں آکر وہ وسیع پیمانہ میں سوسائٹی کی اصلاح کر سکیں۔

اس میں زیادہ خوبی یہ ہے کہ اگر حکیم محنت کر کے ایک پروگرام بنائے اور پھر اس پر نہایت جانفشانی سے عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس بہترین پروگرام پر عمل کرائے مگر ہم اُسے نبی نہیں کہہ سکتے - وہ نبی سے ایک چھوٹے درجہ پر ہے جس میں غلطیوں کی زیادہ آمیزش ہوتی ہے مگر نبی کے طریقہ میں بہت کم غلطی کا احتمال ہوتا ہے اسلئے نبی کا طریقہ انسانیت کیلئے ایک بہترین نمونہ بن سکتا ہے -

وقد احسن بی اذ اخرجنی من السجن - خدا نے مجھے قید سے بھی عزت و آبرو سے نکالا

وجاء بکم من البدو - اور تمہیں بدوی زندگی سے باہر لایا - بدوی زندگی وہ ہے جسمیں سوسائ

بہت کم ہو - حضرت یوسف علیہ السلام سمجھاتے ہیں کہ اللہ نے مجھے قید سے بھی باعزت رہا کرایا اور ہمیں بدوی زندگی سے سوسائٹی میں لایا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اے باپ نہ میں یہ کام کر سکتا تھا (کہ باعزت جیل سے رہا ہوں) اور نہ ہی تم یہ کام کر سکتے تھے کہ کنعان سے مصر بمعہ خاندان کے آتے۔ یہ کام صرف اللہ ہی نے کرایا ہے۔

من بعد ان نزغ الشیطٰن بینی وبین اخوتی - شیطان نے ہمارے درمیان ایک نزاع کی صورت پیدا کر دی۔ جھگڑے کی صورت میں کوئی اچھا کام نہیں نکل سکتا جس سے انسان ترقی کر سکے مگر اللہ نے اس جھگڑے میں بھی ہمکو مدد دی کہ میں وطن سے بے وطن ہوا اور پھر مصر میں آکر ایک باعزت جگہ حاصل کر سکا۔ غرض ان تمام کاموں کو کوئی شخص اپنے طرف منسوب نہیں کر سکتا کہ اس نے یہ کام کئے ہیں۔ یہ تمام کام صرف اللہ کی طرف سے ہو رہے تھے۔

ان ربی لطیف لما یشاء - اللہ نے یہ تمام کام کسقدر نزاکت سے کرایا کہ اس کام میں اگرچہ جھگڑے بھی پیدا ہوئے مگر اس کے باوجود ہمارے کام میں نہایت احسن طریقہ سے ترقی ہوتی رہی حالانکہ ہونا یہی تھا کہ ہم جھگڑے کی صورت میں ترقی نہ کر سکتے بلکہ پہلے سے بھی تنزل کی طرف چلے جاتے) اور ہمارے راستہ میں جھگڑوں کے باعث رکاوٹیں ہوتیں مگر اللہ نے اس جھگڑے میں بھی ہمیں فائدہ پہنچایا اور ہمارے کام میں ترقی ہوتی رہی۔

آیت نمبر ۱۰۱ - رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (۱۰۱)

ترجمہ - اے رب تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیرنا باتوں کا اے پیدا کرنیوالے آسمان اور زمین کے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں۔

رب قد اتیتنی من الملک - اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ جو تم یہ دیکھ رہے ہو کہ میں بادشاہ ہو گیا ہوں اور اسطرح ہمارے خاندان میں بادشاہی آگئی۔ وعلمتنی من تاویل الاحادیث اللہ نے مجھے واقعات کا راز معلوم کرنے کی طاقت دی۔ اب میں جو کام بھی کرتا ہوں

اسکی فقط صورت ہی کام کرنے کی ظاہری نہیں بلکہ اس کام کرنے کی جو روح ہے اسکو
مدنظر رکھکر میں کام کرتا ہوں -

فاطر السموات والارض ۔ وہ راز ایسے ہیں کہ زمین وآسمان کی مختلف قوتوں سے
تعلق رکھتے ہیں اور انسانی زندگی اس بڑے جہان کے ایک جزو کے طور پر ہے
کوئی شخص انسانی انقلاب کے رازوں کو معلوم نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ زمین
وآسمان کے راز کو بقدر ضرورت نہ جانتا ہو - واقعات عالم کا راز معلوم کرنا
سب سے بڑا علم ہے -

انت ولی فی الدنیا والاخرۃ - موجودہ اور آیندہ زندگی میں تو ہی مددگار ہے -
توفنی مسلماً - میری موجودہ زندگی اس حال میں پوری کر کہ میں تیرا حکم جانتا رہوں
اور اس پر عمل کرتا رہوں والحقنی بالصلحین - اور آیندہ زندگی میں مجھے نیکوں میں شامل کر
حضرت یوسف علیہ السلام سمجھاتے ہیں کہ نبوت کا ایک حصہ یہ تھا کہ خدا نے ہمیں علم دیا
جس سے واقعات عالم کو سمجھ سکیں اور اسطرح میرے خواب کا واقعہ پورا کر دیا - نبی کی
جو زندگی ہے اُسکا اسمیں خلاصہ ہے - وہ زندگی بھر اللہ کا بندہ بن کر رہنا چاہتا ہے
اور لوگوں پر حاکم بن کر رہنا نہیں چاہتا آیندہ زندگی میں وہ نیک جماعت کا جزو بن کر
رہنا چاہتا ہے - اپنے لئے ضروری کمال اس کے سامنے نہیں ہوتے - غرض اب نبوت
کی صورت بھی معین ہو گئی - عرب کی سوسائٹی کو یہ سمجھانا کہ نبوت کیا چیز ہے آسان
کام نہیں ہے اور جو طریقہ اس صورت میں اختیار کیا گیا ہے یہ بہترین طریقہ ہے - عربوں نے
اسی سورت سے مسئلہ نبوت سمجھ لیا - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اس واقعہ
میں ایک دھندلا سا عکس سمجھایا جا رہا ہے کہ آپ کا آپکی زندگی میں کیا پروگرام ہو گا

ذالک من انباء الغیب - مستقبل میں پیش آنیوالے واقعات کی یہ ایک خبر ہے
نوحیہ الیک - وحی اصل میں کسی بات کو پردہ میں یا رازداری سے بتلانے کو کہتے ہیں
آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے رسول ہم اسے (یعنی مستقبل کے واقعات کو) تجھے رازداری سے بتلا
رہے ہیں - تیرے مستقبل کا پروگرام اگر عام اور کھلے الفاظ میں بیان کیا جاتا تو اسمیں

مخالفین رکاوٹ ڈال سکتے تھے - اسطرح تیرے پروگرام کے پورے ہونے میں ایک عرصہ
صرف ہوتا - اس واسطے تیرے پروگرام (مستقبل) پر تھوڑا سا پردہ ڈال کر اسے یوسف علیہ
کے واقعات کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں تاکہ تو اپنی زندگی کا پروگرام سمجھ لے
وماکنت لدیھم اذ اجمعوا امرھم وھم یمکرون - یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہم نے تجھے
بتلایا ہے اور تیری اپنی قوت اسقدر محدود ہے کہ تو یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ
واقعہ کہاں سے شروع ہوا - اس معاملہ میں بائیبل (التوریت) مدد دے سکتی تھی
مگر اگر انسان بائیبل (توریت) سے یہی واقعہ پڑھ لے تو وہ یہ مطلب نہیں نکال
سکتا جو مطالب اب قرآن نکال رہا ہے -

معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اس سورت کا یہی
مطلب سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ کے واقعات کی اس سورت میں
جھلک دکھلا دی گئی ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کے ساتھ
بجنسہٖ ایسا معاملہ کیا جیسا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا - فتح مکہ کے بعد
قریش نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں اور بعد ازاں مدینہ میں بھی
اسقدر تکالیف دیں کہ اب ان کے پاس جانے میں شرم معلوم ہوتی ہے - حضرت علی رض
نے فرمایا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کہو آیت نمبر ۹۱ تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا
غرض قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اسطرح کہا آپ اسوقت کوہ صفا
پر کھڑے تھے آپؐ نے فرمایا آیت نمبر ۹۲ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرحمین
غرض اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے فقیہ اصحاب اس
سورت یوسف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پروگرام سمجھتے تھے -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے بعد قریش کو اسطرح معاف کر دیا جسطرح حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو معاف کر دیا تھا -

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر فرمایا کہ اے قریش - اے بنی ہاشم
قبیلے قبیلے کو بلایا جب حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں تمکو کہوں کہ اس پہاڑی
کے اسطرف ایک بڑا لشکر آ رہا ہے جو تم کو پیس ڈالیگا تو کیا یہ میرا کہنا سچ مانو گے
تو سب قریش نے کہا جواب دیا ما جربناک الا صدقاً تو آپ نے فرمایا کہ نجات کا

وقت اب ہے - اللہ کا عذاب تم پر آ گیا

تو فقط ابولہب نے گستاخانہ الفاظ کہے اس پر سورت تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی

مگر سارے عرب میں یہ ایک آواز اثر کر گئی -

ے یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی۔حالی

سبحان اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کوہ صفا پر قیام فرما رہے ہیں اور تمام

قریش دست بستہ حاضر ہیں اور وہی لشکر جرار ان پر آن پڑا وہ لشکر صحابہ کا تھا

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی حرف بحرف پوری ہوئی - ایسے خواب

انبیاء کے ہوتے ہیں وہ انکی تاویل جانتے ہیں اور اسطرح جماعت کو چلاتے ہیں

جس سے وہ تاویل پوری ہو اور واقعات کا اندازہ لگا لیتے ہیں -

غرض اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ اس واقعہ کا تجھے صحیح

طور پر کوئی علم نہیں ہے - اگر تو اس واقعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھ چکا ہوتا تو یہ ممکن

تھا کہ تو اپنے خیال کے مطابق اس قصے کو ڈھال لیتا اور یہ شبہ ہو سکتا تھا -

یہ واقعہ جس اسلوب میں توریت میں مذکور ہے - اس سے یہ نتیجہ پیدا نہیں ہو

سکتا جو قرآن مجید کی تعلیم (سورۃ یوسف) میں مقصود نظر ہے - ان واقعات پر (جو

یوسف علیہ السلام کو زندگی میں پیش آئے) غور کرنے کے بعد جب آدمی قرآن کی تعلیم پر

غور کرتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ یہ تعلیمی چیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دریردہ

پروگرام ہے جو خدا کی طرف سے آپؐ کو دیا گیا ہے - اسکے سوا وہ اور کوئی فیصلہ ہی

نہیں کر سکتا -

تاریخی واقعات کا اسلوب بدل کر انسے مختلف نتائج نکالے جا سکتے ہیں یا یوں کہنا

چاہیے کہ اس تاریخی واقعہ کے اندر جو مختلف نتائج اور فوائد ہیں ان کو قرآن مجید مناسب

موقع اور محل میں ذکر کر دیتا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فائدہ اٹھائیں

جیسے ھود کا واقعہ ہے - اب جہاں قرآن مناسب سمجھتا ہے اس واقعہ کا ذکر کر دیتا

اسطرح مختلف سورتوں میں جہاں موقع دیکھتا ہے ھود کا واقعہ ذکر کرتا ہے -

مدعا یہ ہے کہ اس سے جسقدر فوائد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کر سکیں کرلیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قریش نے جو دارالندوہ میں تدبیریں کیں
اور ان کے درمیان جو باتیں ہوئیں وہ ساری اس قصہ میں آگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو بھی کامیابی مکہ سے باہر ہوئی اور جب ثمامہ مسلمان ہوئے تو یمن سے قریش کی
تجارت بند کر دی تو قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر نہایت عاجزی سے
یہ استدعا کی کہ ہمارے بچے بوڑھے بھوک کے عذاب سے مر رہے ہیں آپ حکم فرمائیں
کہ ثمامہ ہم کو غلہ دے۔ آپ نے ثمامہ کو لکھا۔ غرض اکثر احوال میں قصہ متشابہ ہے
جسطرح اس سورت میں یوسف علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ اسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے اختیار میں نہیں کہ اپنی زندگی کو اسطرح ڈھال لیں۔ اسواسطے اندازہ
کیا جاسکتا ہے کہ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ وہ ہر نبی کی زندگی کے واقعات پر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو ڈھالے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ
یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ نے ڈالا تھا۔
اس کے بعد آیت نمبر ۱۰۲ کا مطالعہ کریں۔

ثمامہ کے اناج بند کر دینے پر قریش کی استدعا پر حضور کا ثمامہ کے نام خط اور قریش کو اناج کی بحالی۔

آیت نمبر ۱۰۲ - ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ۔ یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس اور تو نہیں تھا اُن کے پاس
جب وہ ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے لگے۔

آیت نمبر ۱۰۳ - وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ۔ اور اکثر لوگ نہیں ہیں یقین کرنیوالے اگرچہ تو کتنا ہی چاہے
۔ تو لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہے مگر اکثر لوگ اسے سمجھ نہیں سکتے اگرچہ تو حرص ہی کرے انمیں
ابھی علمی استعداد پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اس نازک مسئلہ کو گرفت کرسکیں۔

آیت نمبر۱۰۴ - وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۴)
ترجمہ - اور تو نہیں مانگتا ان سے اس پر کچھ بدلا یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو -
— ان کو صحیح طور پر سمجھنے کیلئے اس نکتہ پر غور کرنا چاہیے کہ اگر تو ان سے کسی قسم کا معاوضہ مانگتا ہے تو اس صورت میں انکو شک کرنے کی گنجائش ہو سکتی تھی -
ان ھو الا ذکر للعلمین - یہ صرف بین الاقوامی قوموں کا تذکرہ ہے جسکی دنیا محتاج ہے اگر اس نکتہ پر یہ غور کریں گے تو پھر جلدی سمجھ لیں گے کہ اس سورت کے نازل کرنے کا کیا مطلب ہے
آیت نمبر۱۰۵ - وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (۱۰۵)
ترجمہ - اور بہتیری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر گزر ہوتا رہتا ہے ان کا اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے -
- مگر ان لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ یہ کسی معاملہ میں تفکر ہی نہیں کرتے - زمین و آسمان میں اسقدر واقعات گزر چکے ہیں اور روزمرہ حادثوں کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر ان سے متنبہ نہیں ہوتے اور اس پر غور نہیں کرتے -
آیت نمبر۱۰۶ - وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (۱۰۶)
ترجمہ - اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں -
- اس غور نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ جب خدا کا تصور کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کسی نہ کسی کو شریک بنا لیتے ہیں اس سے ان کے دماغ میں استقلال پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایک قسم کی ذہنی غلامی بھی ساتھ ہی پائی جاتی ہے - ان پر فرض ہے کہ جب اپنی ہستی پر غور کریں تو اللہ کی ہستی کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کریں - یہ ان کے ذہن میں استقلال پیدا کردے گا -

شرک کے نقصانات -

شرک کا تصور ایک تو خدا کی شان میں کمی لاتا ہے اور دوسرے انسان کی اپنی ہستی بھی کمزور ہو جاتی ہے - صوفیاء کرام نے کوشش کی ہے کہ انسان کے خیال سے

شرک کا خیال بالکل نکال دیا جائے تاکہ انسان میں یہ خیال ہی نہ رہے - انہوں نے اس کے متعلق تو
سا تخیل بھی بنالیا ہے کہ تمام جہان کو ایک انسان کی شکل میں ڈھال لیتے ہیں اور اس بڑے انسان
(شخص اکبر) کیلئے ایک بڑی روح (روح اعظم) مانتے ہیں وہ روح اس تمام عالم کو اسطرح
رہی ہے جیسے انسان اپنے بدن میں تصرف کرتا ہے - وہ اس تخیل کو بڑے تخیل سے صاف کر
لیتے ہیں اس کے ساتھ ایک جملہ بڑھا دیتے ہیں کہ اللہ اس بڑی روح کیلئے روح کا کام کرتا
اب اس تخیل کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جسے خدا خود نہ کر رہا ہو
اب بدبختی یہ ہو رہی ہے کہ ہم انہیں لوگوں کا نام لیکر شرک کرتے ہیں -
مطلب یہ ہے کہ جسقدر انسانی دماغ میں سوچنے کی قوت ترقی کریگی - اور اس میں فلسفہ
کسی رنگ میں ظاہر ہو جائیگا تو وہ کبھی شرک نہیں کریگا اور جب دیکھے گا کہ یہ شرک کر رہا
تو سمجھو کہ اس کا دماغ کمزور ہو گیا ہے کہ اس نازک مسئلہ کو سمجھ نہیں سکتے -

آیت نمبر ۱۰۷ - اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ - کیا نڈر ہو گئے اس سے کہ آ ڈھانکے ان کو ایک آفت اللہ کے عذاب کی
یا آپہنچے قیامت اچانک اور ان کو خبر نہ ہو

تمام قوم کو کمزور کر کے برباد کرنا عذاب قیامت کے مترادف ہے

- اگر دماغ کو اسطرح کمزور کر دیا جائے اور اسطرح قوم کو کمزوری پر ڈال کر تنزل کی
طرف لایا جائے تو انسانی طاقت کا یہ طبعی نتیجہ ہے کہ ری ایکشنری مخالف طاقت پیدا ہو کر
اسے برباد کر دیگی - انسانیت کے معیار سے اگر کوئی حصہ گر جائیگا تو بتائیے تمام قوم کو برباد
کر دیا جاتا ہے اور تمام قوم کا برباد کیا جانا قیامت کے عذاب کے مترادف ہے -

آیت نمبر ۱۰۸ - قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ
وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ - کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ
ہے اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والوں میں -
قل ھذہ سبیلی - اے رسول ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے جو یہ پروگرام دیا گیا ہے وہ صرف

* تو اسے کاٹ کر پھینک دیا جائیگا - اسی کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

اسوجہ سے ہے کہ یہ لوگ اس پر عمل کریں تاکہ ان سے عذاب ٹل جائے ۔

ادعوا علی بصیرۃ انا و من اتبعنی ۔ مستقبل میں جو کچھ پیش آنے والا ہے اسکی میں اور میرے رفیق
سوچ سمجھکر دعوت دے رہے ہیں انہیں بصیرت سے علم ہے کہ آیندہ کیا واقعات پیش
آنے والے ہیں ۔ یہ کام او علم اللہ نے ہمیں عطا کیا ہے ہمیں اس سے اسقدر سمجھ آ گئی ہے
کہ زمین و آسمان کے آئندہ آنے والے واقعات کا علم ہو جاتا ھے کہ ہم سوچ سمجھکر ترقی کر
سبحان اللہ وما انا من المشرکین ۔ میں اور میرے ساتھی اس شرک میں مبتلا نہیں ہوتے ہم تو
صرف اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ تم کو شرک سے نکال لیں ۔

آیت نمبر ۱۰۹ ۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ
اَهْلِ الْقُرٰی ط اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ط
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۰۹)

ترجمہ ۔ اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے
تھے ہم اُن کو بستیوں کے رہنے والے سو کیا اُن لوگوں نے نہیں سیر کی ملک
کی دیکھ لیتے کیسا ہوا انجام اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے اور آخرت کا گھر
تو بہتر ہے پرہیزوالوں کو کیا اب بھی نہیں سمجھتے ۔

وما ارسلنا ۔ الآیہ جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اسطرح
ہم پہلے بھی نبی بھیجتے چلے آئے ہیں ۔ غرض نبوت کا مسئلہ صاف ہو گیا کہ انسانی فطرت
میں نبی اسطرح روانہ کیئے جاتے ہیں ۔ افلم یسیروا فی الارض انبیاء کی مخالفت کرنے والے
لوگ کیسے تباہ کر دیئے گئے ۔ دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرنا فقط صحیح پروگرام کے مطابق
کام کرنے پر ہو سکتا ہے ۔

ولدار الاخرۃ خیر للذین اتقوا ۔ سیدھے راستے پر چلنے والے لوگوں کیلئے آخرت کا گھر سب سے بہتر ہے
افلا تعقلون ۔ اگر دنیا میں غلط راستے پر چلنے سے کامیابی حاصل ہوتی تو تم اپنے پروگرام
پر بیشک عمل کرتے مگر دنیا میں یہ حالت ھے کہ اگر صحیح پروگرام سے ذرا سے بھی سرکے تو بس

وہیں تباہی اور بربادی ہوئی۔ اسواسطے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ دنیا میں کامیاب رہنے کیلئے صرف یہی ایک راستہ ہے اور آخرت کی زندگی تو ایک زائد چیز ہے جو اس دنیا کی زندگی سے پیدا ہوتی ہے۔ دنیاوی زندگی بھی ابنیاء کے صحیح طریقے پر چلنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

ابن خلدون دنیاوی زندگی کیلئے انبیاء کی تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتا۔ یہی ان کی غلطی ہے

ابن خلدون نے تھوڑی سی غلطی کی اور مسلمانوں کو اس کا بہت زیادہ خمیازہ بھگتنا پڑا۔ وہ دنیاوی زندگی کیلئے انبیاء کی تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اُس کا خیال ہے کہ بہت سے لوگ تمدن میں ترقی کر چکے ہیں اور وہ انبیاء کے طریقے کے پیرو کار نہیں۔ اسکی یہ دلیل غلط ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی متمدن قوم نہیں ملتی جسکی کا پروگرام کسی نبی کے ساتھ محفوظ نہ ہو اور اسکے تنزل کی داستان اُن انبیاء کے پروگرام کے چھوڑنے کا نتیجہ ہے۔

اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جو تمام دنیا کیلئے جامعیت اور بین الاقوامیت کا درجہ رکھتی ہے اُسے نبوت کا ابتدائی اصول قرار دیا ہے اور جہاں انبیاء کو اس درجہ پر نہیں پاتا وہاں انکار کر دیتے ہیں۔

غرض ابن خلدون سے نبوت کے مسئلے کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں ایک بڑی جماعت ایسی پیدا ہوگئی جو انبیاء کے پروگرام پر چلنا صرف اخروی زندگی کے واسطے لازمی سمجھتے ہیں اور دنیاوی زندگی کو اپنے تجربے پر منحصر رکھتے ہیں۔ یہ چیز چونکہ قرآن کی تعلیم سے بہت دور ہے اسواسطے وہ قرآن سمجھنے سے بہت دور ہوگئے۔ مسلمانوں میں ایسے حکیم بکثرت ہونگے جو اس غلطی کو محسوس کرتے ہونگے مگر اس قسم کے ایک حکیم ہمیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ملتے ہیں

انبیاء کی تعلیم دینی و دنیاوی ترقی کا پروگرام رکھتی ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا سارا واقعہ یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی دنیاوی ترقی کیلئے مصر جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ انبیاء کی تعلیم اپنے ساتھ دنیاوی پروگرام بھی رکھتی ہے۔

آیت نمبر ۱۱۰۔ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا
جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ

ترجمہ۔ یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے
جھوٹ کہا گیا تھا پہنچی ان کو ہماری مدد پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور پھرتا
عذاب ہمارا قوم گنہگار سے۔

۔ یہانتک کہ مایوس ہو گئے رسول۔ انبیاء کے پروگرام کا کامیاب ہونا قطعی ہے
ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ یہ پروگرام دنیا میں کامیاب نہ ہوا ہو بعض اوقات ایسی حالت
یہ شک پیدا ہو جاتی ہے کہ نبی اور اس کے ساتھی تمام کوشش ختم کر دیتے ہیں اور
نتیجہ کچھ ظاہر نہیں ہوتا اور ان پر ایک یاس کی سی حالت طاری ہونے لگتی ہے حقیقی
مایوسی تو اگرچہ نہیں ہوتی مگر اس سے ملتی جلتی ایک حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

وظنوا انہم قد کذبو۔ انہوں نے خیال کرنا شروع کیا کہ جو کچھ کہا گیا ہے جھوٹ کہا گیا ہے
جب اوپر بیان ہوا کہ یاس کی حالت پیدا ہو جاتی ہے تو اس حالت میں بھی انکو
یہ خیال آنے لگتا ہے کہ ہمکو جو یقین دلایا گیا تھا کہ تم یقیناً کامیاب رہوگے
شاید یہ وعدہ یا یقین غلط تھا۔ غرض اس خیال کی ابتداء تو شروع ہو جاتی ہے مگر
یہ خیال دل میں جگہ پکڑ لے یا یہ خیال مستقل طور پر دماغ میں راسخ ہو جائے ایسی
تک نوبت نہیں پہنچتی یعنی یہ خیال مستقل طور پر جگہ نہیں پکڑتا۔

جاءھم نصرنا۔ آگئی ان کو ہماری مدد یعنی ہماری مدد آ پہنچتی ہے اور مخالف
طاقت کو برباد کر دیتی ہے اور یہ چیز ایک نبی کو ایک عام حکیم سے علیحدہ کرتی ہے
اور ممتاز کر دیتی ہے۔

ایک حکیم سوچ سمجھ کر پروگرام بناتا ہے اور پوری کوشش کرتا ہے مگر اس
پروگرام میں ناکام[1] رہتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان کی جسقدر طاقت تھی
اس نے حتی المقدور کوشش کی اگرچہ وہ ناکام[2] رہا مگر درحقیقت یہ شکست بھی فتح
کے برابر ہے اس سے قوم میں دوسرے دفعہ اسقدر استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اس

[1] ناکامیاب
[2] ناکامیاب

کسی پروگرام میں ناکامی کے بعد اگر قوم سابقہ غلطیوں کی تلافی کرتے اور اصلاح شدہ پروگرام پر عمل کرتی رہے تو کامیاب ہو جاتی ہے

پروگرام سے پہلے غلطی نکال دیتے ہیں اور دوبارہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ جیسے سپہ سالار کسی جنگی غلطی سے کسی محاذ پر شکست کھا گیا اگر اس نے حوصلہ نہیں ہارا تو وہ جنگی قوت کو دوبارہ جمع کر کے کوشش کرتا ہے اور فتح پاتا ہے۔ اسی طرح اس حکیم کی شکست بھی قوم میں ایک ہمت پیدا کر دیتی ہے۔ قوم غلطی کو نکال کر اصلاح شدہ پروگرام پر عمل کرتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے۔ مگر نبی کا پروگرام اس سے بہت بلند اور اعلیٰ ہوتا ہے اگر نبی کو وعدہ دیا گیا ہے

انبیاء کے پروگرام یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اگرچہ حالات مایوسی کی حد تک پہنچ جائیں مگر تائید الٰہی سے حالات تبدیل ہو جاتے ہیں۔

تم کامیاب رہو گے تو وہ کبھی ناکام نہیں رہیگا اگرچہ درمیان میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ مایوسی کے قریب پہنچ جائے اور مایوسی کا آخری نقطہ ان کے دماغ پر قابو پا جائے یہ نہیں ہونے پاتا کہ اس کی کامیابی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور مخالف طاقتور قوم جو اپنی طاقت کے گھمنڈ میں ہوتی ہے برباد ہو جاتی ہے۔

غرض انسانیت کیلئے اب بنیادی قانون قائم کرنا یہ صرف انبیاء کو زیب دیتا ہے جو اپنے پروگرام کے ساتھ فتح یقینی لاتے ہیں۔

فنجّی من نشاء نجات پا گئے وہ لوگ جنکو ہم چاہتے تھے جو انبیاء علیہم السلام کے پروگرام پر ڈٹ کر کام کرتے رہے وہ یقیناً نجات پا گئے ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین۔ اللہ کا عذاب مجرم قوم سے نہیں ٹل سکتا۔ دنیا کی کسی قوم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس مجرم قوم کو مدد دیکر اللہ کا عذاب ان سے ٹال دے۔ عقائد پر بحث کرنیوالوں اور مناظرہ کرنے والوں کیلئے یہاں ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ انبیاء کی شان یہ قائم کرتے ہیں کہ ایک عقلمند یعنی حکیم اپنے پروگرام پر یقین رکھتا ہے مگر اس میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی مناظر کہتے ہیں کہ انبیاء کے پروگرام میں غلطی ناممکن ہے۔ غرض مناظر اس نظریہ اور قاعدہ کو قائم رکھکر اس آیت کی تاویل کرتے ہیں۔ اسمیں صوفی ایک لطیفہ (نکتہ) اور مناظر ایک اصول قائم کرتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی اپنی بزرگی پر کسی درجہ پر پہنچ جائے یہ تو تسلیم شدہ بات ہے مگر وہ اس کے ساتھ بشریت اور انسانیت میں رہتے ہیں یعنی وہ کسی اعلیٰ مرتبہ پر پہنچنے کے باوجود انسان ہی رہتے ہیں۔ بشری کمزوری کیوجہ سے ان پر کسی وقت مایوسی کا اثر پیدا ہوتا ہے مگر وہ مستقل طور پر قائم نہیں رہتا

اور فوراً اس مایوسی کے اثر کو رد کرنے والی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ انکو یہ سمجھنا چاہیے
عقلمندوں سے غلطی ہو سکتی ہے اور اسطرح انبیاء بھی بشری تقاضا پر یہ خیال کر سکتے
کہ ممکن ہے کہ ہم سے غلطی سرزد ہو جائے کہ فوراً اس خیال کو رد کرنے والی طاقت پیدا
جاتی ہے۔ انبیاء میں اگر یہ بشری قوت اعلیٰ پیمانہ پر نہ رکھی جائے تو وہ بشریت
بہترین معلم نہیں ہو سکتے۔ اچھا معلم ہونے کیلئے شرط ہے کہ شاگرد اپنے استاد کو اپنے
سمجھے اور استاد شاگردوں میں یہ روح پیدا کردے کہ تم میری طرح بن سکتے ہو۔ غرض
استاد جب شاگردوں میں یہ روح پیدا کر دیتا ہے تو اس کے شاگرد ترقی پر ترقی کرتے
ہیں۔ بعض بزرگوں نے یہ جملہ کہا ہے کہ انبیاء میں بشریت کی کمزوری کیوجہ سے مایوسی
اثر آجاتا ہے ان کی بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ان کی اصطلاح
دو لفظ حال اور مقام ہیں۔ حال جو چیز یا کیفیت عارضی طور پر پیدا ہو جائے جیسے
روشنی نظر آجائے۔ مقام جو مستقل عادت کے طور پر طبیعت میں بیٹھ جائے۔ شک
مایوسی کی حالت انبیاء پر فقط بطور حال کے آجاتی ہے اور ابھی "مقام" بننے نہیں
پاتی کہ رد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انبیاء کی بشریت رکھنی ضروری ہے۔ اسلئے یہ کمزوری
(مایوسی کی حالت) پیدا ہونی جائز ہے۔ اس حالت کے گزرنے کے بعد انمیں جو قوت ایما
پیدا ہوتی ہے وہ بے نظیر ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس نبی نے جو کچھ کہا تھا وہ من
جانب اللہ تھا اور اللہ نے اس کی بات کو پورا کر دکھلایا۔ نبوت کا مقصد ہی ہوتا ہے کہ
کہ وہ درمیانی واسطے اڑا کر انسان کو خدا سے ملادے۔ اسطرح نبی اپنے مشن کو اعلیٰ طریق
پر پورا کر دیتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام میں بشری قوت اعلیٰ پیمانہ پر اسلئے رکھی جاتی ہے تاکہ وہ بشریت کے بہترین معلم بن سکیں

لفظ "حال" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ "جو چیز یا کیفیت عارضی طور پر پیدا ہو جائے اسے حال کہتے ہیں۔

لفظ "مقام" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جو کیفیت مستقل عادت کے طور پر طبیعت میں بیٹھ جائے

آیت نمبر ۱۱۱ - لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَر
وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

ترجمہ۔ البتہ ان کے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل والوں کو کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق
ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے اور بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں۔

لقد کان فی قصصہم ۔ الآیہ ۔ انبیاء کے تاریخی قصے عقلمندوں کیلئے درس عبرت ہیں وہ ان قصوں سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اولی الالباب ترقی کن جماعت جو سوچ سمجھ کر ترقی کا راستہ اختیار کرتی ہے اور تنزل سے بچتی ہے ۔

ما کان حدیثاً یفتریٰ ۔ دل سے گھڑی ہوئی بات نہیں ہے ۔ یہ اثر ہر نبی کے قصوں میں آتا ہے کہ یہ نبی اپنے من سے گھڑ کر ہمیں اپنا پروگرام نہیں دیتا بلکہ من جانب اللہ جو اسکو ملا ہے ہم میں تقسیم کرتا ہے ہر ایک کو بطور استعداد نصیب حاصل ہوتا ہے ۔ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ ۔ یہ قصہ (یوسف علیہ السلام) جو قرآن میں نازل ہوا ہے درحقیقت قرآن سے پہلے جو کتاب گزر چکی ہے (التوریت) اسکی تصدیق ہے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کے پروگرام میں مماثلت

وتفصیل کل شیء ۔ اور آئندہ کیلئے جو پیش آنے والے واقعات ہیں اس قصے میں ان کی پوری تفصیل ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اب تک جو کچھ بتلایا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کامیاب ہونگے ۔ مگر اب تفصیلی طور بتلایا جا رہا ہے کہ آپ کو اپنا وطن (مکہ) چھوڑنا پڑیگا اور بھائیوں اور عزیز و اقارب سے الگ ہونگے اور آخر فتح پائیں گے ۔ غرض اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پروگرام نہایت تفصیل سے دیا گیا ہے ۔ وھدی ۔ اور یہ قصہ رہنمائی ہے جب تک امام یا رھنما ذاتی طور پر امین نہیں ہوگا اور اسکی امانت پر قوم کو یقین نہیں ہوگا کامیابی نہیں ہوگی ۔ یہ رھنمائی ہے ۔ ورحمۃ اور بڑی رحمت یعنی مہربانی ہے قریش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں ۔ اگر قریش کو انکے بزرگوں کے واقعات بتلائے جائیں تو ان پر جلدی اثر آتا ہے اور اگر انہیں دوسرے انبیاء مثلاً ھند اور ایران وغیرہ کے انبیاء کے حالات بتلائے جائیں تو وہ انکے واسطے اسقدر موثر نہیں ہونگے ۔ قرآن سے پہلی زبردست کتاب فقط تورات ہے اور قرآن میں جابجا توریت کی تصدیق ملتی ہے اور اس میں (قرآن) آئندہ کے واقعات کی تکمیل کی ذمہ داری ہے ۔ قرآن میں یقین دلایا گیا ہے کہ اگر مایوسی کی حالت پیدا ہو جائے تو مایوس نہیں ہونا چاہیے ۔ یہ پروگرام (قرآن) جو دیا جا رہا ہے یہ پورے یقین کا ذمہ دار ہے ۔

اس سورت سے جو مسلمانوں کو فوائد (تاریخی) حاصل ہوتے ہیں ۔ ہمارے مورخین نے انکا لحاظ نہیں رکھا

اجتماعی کام کیلئے چھوٹی چھوٹی غلطیاں معاف کردینی چاہییں

اسواسطے مسلمانوں کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا ہے - حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ سے لڑ گئے اسواسطے وہ ایک کام کرنے کا ذریعہ بن گئے - اس بنا پر ان کی خطائیں معاف کردی گئیں اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اجتماعی کام کے واسطے چھوٹی چھوٹی غلطیاں معاف کردینی چاہییں - یہ روح ہمارے مورخین سے غائب ہے - خلافت کا مرکز پہلے مدینہ تھا بعد میں دمشق اور آخر میں بغداد میں آگیا کہ خلافت راشدہ کے بعد بنی اُمیّہ مرکز کو دمشق میں لے آئے اور بنی عباس اُسے دمشق سے بغداد میں لے آئے - یہ تمام باتیں اسلام کی اجتماعی قوت کیلئے ضروری تھیں - اب اس میں برادری کے ناخوشگوار واقعات ہوئے انکو ہم نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اسلامی تاریخ پڑھنے والوں کے دماغ میں اجتماعی خیال ہی نہیں آسکتا - حضرت علی و حضرت معاویہ دونوں لڑتے ہیں - دونوں آپس میں بھائی ہیں مگر دونوں مقابلہ پر آجاتے ہیں - حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسنؓ معاویہ سے صلح کرلیتے ہیں اور خلافت کا مرکز مدینہ سے دمشق منتقل ہوجاتا ہے - اگر اسلام کی ترقی کیلئے اسلامی مرکز کا مدینہ سے دمشق کیطرف منتقل ہونا ضروری اور مفید بات تھی تو اس قتال اور برادرانہ جھگڑے کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے جو اس مرکزی دارالخلافہ کی تبدیلی سے رونما ہوا - اسیطرح اگر دمشق سے بغداد میں اسلامی مرکز کا منتقل ہونا مفید تھا - عباسیوں اور بنی اُمیہ آپس کے جھگڑوں کو اسلامی نقطہ نظر سے نظر انداز کردینا چاہیے - اسیطرح اگر بغداد سے قاہرہ اور بخارا میں طاقت منقسم ہونا اسلام کیلئے مفید تھا تو فاطمیوں اور عباسیوں کے جھگڑے اور ایرانی مسلمانوں اور عربوں کے جھگڑے ایک معمولی چیز بن جانے چاہییں - اگر اس زمانہ تک کی تاریخ کو ہم اجتماعی نقطہ نظر سے پاک کرلیں تو اس زمانہ کے بعد کی تاریخ ہم آسانی سے لکھ سکتے ہیں

عباسیہ و بنو عباس میں برادری کے ناخوشگوار واقعات کو اتنی اہمیت دی گئی کہ اسلامی تاریخ کے قارئین کے دماغ میں اجتماعی خیال آہی نہیں سکتا -

آیت نمبر ۱۱۱ کے پہلے حصہ لقد کان فی قصصھم - سے اصحابؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کی تفصیل بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے اور اسلامی

اسلامی تاریخ کے سمجھنے میں یہی آیت ایک ہدایت ہے ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا خواب میں حضرت علی رضہ سے مکالمہ ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ خواب میں
حضرت علی رضہ کو دیکھا تو ان سے چند باتیں دریافت کیں ۔ انمیں سے ایک
بات یہ دریافت کی کہ آپ کی قریش یعنی اپنے بھائیوں سے لڑائیاں ہوئیں
اس کا کیا سبب تھا ۔ حضرت علی رضہ نے جواب دیا کہ ہمیں اپنے بھائیوں سے
برادرانہ رنجشیں تھیں اس واسطے ہماری آپس میں لڑائیاں ہوئیں مگر یہ بات
نااہل آدمیوں کے ہاتھ آگئی اور انہوں نے اُسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ۔ حضرت
شاہ عبدالعزیز کو جو خواب میں یہ ہدایت ملی اُسے ہم سورت یوسف میں لکھا ہوا
پاتے ہیں ۔

الروضۃ الانف فی تفسیر سورۃ یوسف از افادات مولانا عبداللہ لغاری رح

فہرست آیات قرآنی

آیت نمبر	صفحہ نمبر	آیت نمبر	صفحہ نمبر	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	89-81	29	411	59	565
2	96	30	416	60	567
3	107	31	427	61	568
4	112	32	440	62	569
5	124	33	457	63	571
6	166	34	476	64	573
7	191	35	481	65	574
8	198	36	486	66	576
9	209	37	488	67	578
10	222	38	491	68	582
11	236	39	495	69	587
12	240	40	496	70	591
13	243	41	508	71	595
14	248	42	509	72	595
15	250	43	515	73	597
16	256	44	520	74	599
17	258	45	521	75	601
18	261	46	522	76	604
19	275	47	523	77	612
20	279	48	524	78	616
21	288	49	525	79	616
22	311	50	526	80	619
23	340	51	529		
24	355	52	532		
25	375	53	532		
26	392	54	536		
27	392	55	539		
28	401	56	544		
		57	557		
		58	563		

تفسیر سورہ یوسف از مولانا عبید اللہ سندھیؒ

فہرست آیات قرآنی

آیت نمبر	صفحہ نمبر	آیت نمبر	صفحہ نمبر	آیت نمبر	صفحہ نمبر
63	66	82	78	101	86
64	66	83	78	102	90
65	67	84	79	103	90
66	67	85	80	104	91
67	68	86	80	105	91
68	68	87	80	106	91
69	70	88	81	107	92
70	70	89	81	108	92
71	70	90	82	109	93
72	71	91	82	110	95
73	71	92	82	111	97
74	71	93	83		
75	72	94	83		
76	74	95	83		
77	76	96	84		
78	76	97	84		
79	77	98	84		
80	778	99	84		
81	77	100	84		

مقامات/ادارے۔

شخصیات -

لوطؑ - 52

موسیٰؑ 1 - 18، 31، 46

مسیحؑ 20

ملائکہ 4

یوسفؑ - 1 - 4، 7، 8، 9، 12، 14، 18، 20، 21، 22، 23، 24، 26
27، 28، 31، 32، 39، 40، 42، 43، 46، 47، 49، 50، 51، 52، 53
54، 55، 56، 57، 58، 59، 60، 61، 77، 79

سورہ یوسف - 1 - 77 - 79

یعقوبؑ 1 - 5، 8، 13، 42، 43، 55، 56، 59

مقامات

ادارے

کتابیات

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مکتبہ	سنہ
1	ابن خلدون	المقدمہ	بیروت	۱۹۶۱ء
2	ابن عربی ابوبکر	احکام القرآن	قاہرہ	۱۳۳۱ھ
3 -	ابن عربی شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی	فصوص الحکم اردو ترجمہ	لاہور	۱۹۶۹ء
۴	ابن قیّم الامام الحافظ شمس الدین محمد بن ابی بکر ایوب بن سعد الجوزیہ الدمشقی الحنبلی			
۴	"	اعلام الموقعین عن رب العالمین	دہلی	۱۳۴۴ھ
5 -	"	حادی الارواح	مصر	س ن م
6 -	"	کتاب الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان	لاہور	۱۳۹۴ھ
7	ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ذرع القیسی البصری الدمشقی الامام الحافظ	البدایۃ والنہایۃ	مصر	۱۳۵۱ھ
8 .		تفسیر القرآن الکریم	مصر	۳۷۶ھ
9 .		رسالہ فی فضائل القرآن	مصر	س۔ن۔م .
10 -	ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ الربیع القزوینی	سنن	مطبع فاروقی دہلی	س۔ن۔م
11 -	ابوبکر بن السنّی الحافظ	الاعجاز وجوامع الکلم من سنن الماثورہ	-	-
12 -	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	سنن	قاہرہ	۱۹۵۲ء
13	ابوعمر بن الصلاح الامام	الاحادیث الکلیہ		
14	ابویوسف الامام	کتاب الخراج		
15 -	احسان الحق اختر	شاہ ولی اللہ رح	لاہور	س۔ن۔م
16 -	احمد امین	ضحی الاسلام	قاہرہ	۱۹۵۲ء
17	"	ظہور الاسلام	قاہرہ	۱۹۵۳ء

18 - احمد بن حنبلؒ الامام — مفتاح الدین القیم لمذہب احمد بن حنبلؒ

مصنف	کتاب	مقام	سن
19 - احمد رضا خان بریلویؒ مولانا حضرت	کنز الایمان	لاہور	۱۹۷۹ء
20 احمد علی لاہوریؒ حضرت مولانا -	تفسیر القرآن	لاہور	س-ن-م
21 - احمد یار - حافظ	دستور حیات	لاہور	۱۹۶۲ء
22 - احمد یار خان بدایونیؒ مفتی	تفسیر نعیمی ج ۱۲-۷	گجرات	س-ن-م
23 - ابو کلام آزادؒ	ترجمان القرآن	لاہور	س-ن-م
24 - اشرف علی تھانویؒ مولانا	بیان القرآن	کراچی	۱۹۵۹ء
25 ابو مسلم اصفہانی	منتخبات تفسیر ابو مسلم اصفہانی عربی	دار المصنفین	س-ن-م
26 - امیر علی سید	تفسیر مواہب الرحمٰن	لکھنؤ	۱۹۴۷ء
27 - امین احسن اصلاحی	تدبر القرآن	لاہور	۱۹۶۷ء
28 - امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	الادب المفرد	-	
29 - "	الجامع الصحیح	کراچی	۱۳۶۱ھ
30 الآلوسی شہاب الدین سید البغدادی	روح المعانی	قاہرہ	۱۳۵۳ھ
31 - احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری	فتوح البلدان	لیڈن	۱۲۸۴ھ
31 - ابو ریحان البیرونی	کتاب الہند		
32 - احمد بن حسن البیہقی	السنن الکبریٰ	حیدر آباد دکن	۱۹۵۳ء
33 ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	الجامع	کراچی	س-ن-م
34 - ابو بکر حصاص	احکام القرآن	استنبول	۱۳۲۵ھ
35 - الخطابی	غریب الحدیث		

36 - ابو بکر بن علی الخطیب البغدادی حافظ — تاریخ بغداد -

37 ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی -	السنن	قاہرہ	۱۹۶۶ء

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مکتبہ	سن
38 -	ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام الدارمی	سنن	دمشق	۱۳۴۹ھ
39 -	ابو عبداللہ شمس الدین الذہبی	تذکرۃ الحفاظ	حیدرآباد دکن	۱۳۳۳ھ
۴۰ -	الامام فخرالدین محمد بن عمر الرازی	مفاتیح الغیب	قاہرہ	۱۳۰۷ھ
۴۱	الامام حسین بن محمد الراغب الاصفہانی	المفردات فی غریب القرآن	کراچی	۱۹۶۱ء
42 -	ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی	الجامع لاحکام القرآن	قاہرہ	۱۹۴۰ء
43	المسعودی	مروج الذہب	حیدرآباد دکن	
44 -	ابوالاعلیٰ مودودی سید	الجہاد فی الاسلام	لاہور	
45	ابو عبداللہ نسائی	لشہاب فی الحکم والادب		
46 -	ابو زکریا محی الدین النووی	الاربعین		
		المنہاج فی شرح مسلم بن الحجاج	دہلی	۱۳۷۶ھ
47 -	آسٹن - آر - ڈبلیو جے	صوفیز آف اندلسیہ	لندن	۱۹۷۱ء
48 -	جیمز ہیسٹنگز	انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس	ایڈنبرا	۱۹۲۵ء
49 -	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی	الاتقان	کراچی	س-ن م
50 -		تاریخ الخلفاء	لاہور	۱۳۳۱ھ
51		الدر المنثور فی التفسیر بالماثور	قاہرہ	۱۳۱۴ھ
52 -	جوہری طنطاوی شیخ	جواہر القرآن	مصر	
53 -	مولانا حبیب احمد کیرانوی	تفسیر حل القرآن	دیوبند یوپی - انڈیا	س-ن-م
54 -	حافظ ابن حجر عسقلانی	تہذیب التہذیب		
55	حامد حسن بلگرامی سید	فیوض القرآن	لاہور	۱۹۶۸ء

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مکتبہ	سن
56	حسنین نصار۔ ڈاکٹر	معجم آیات القرآن	مصر	۱۹۶۵ء
57	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ	قصص القرآن	کراچی	۱۹۶۵ء
58	ڈاکٹر حمید اللہ	دی مسلم کنڈکٹ آف سٹیٹ	لاہور	۱۹۷۳ء
59	خواجہ خان	دی فلاسفی آف اسلام	لاہور	۱۹۷۳ء
60	رضا محمد رشید مصری	تفسیر المنار	قاہرہ	۱۹۵۲ء
61	ایس۔ایم۔اکرام ڈاکٹر	رود کوثر	لاہور	۱۹۷۰ء
62	"	موج کوثر	لاہور	۱۹۷۹ء
63	سبحان رائے بٹالوی	خلاصۃ التواریخ		
64	سعید احمد اکبر آبادی	مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور ان کے ناقد	لاہور	۱۹۷۰ء
65	سید سلیمان ندوی	ارض القرآن	اعظم گڑھ	۱۹۵۵ء
66	" "	عرب وہند کے تعلقات	الہ آباد	۱۹۷۳ء
67	سید محمد ابو الحسنات قادری	تفسیر الحسنات	لاہور	۱۹۷۶ء
68	سید مغفور القادری	عباد الرحمٰن	لاہور	۱۹۷۵ء
69	سید دربار علی شاہ	ہجرت افغانستان	کراچی	۱۹۷۷ء
70	سید محمد شاہ	مطالب الفرقان فی ترجمۃ القرآن	لاہور	
71	شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	الاعلان بالتوبیخ	لاہور	۱۹۶۸ء
72	شاہ رفیع الدین دہلویؒ	اردو ترجمہ قرآن مجید	لاہور	س۔ن۔م
73	" " "	تکمیل الاذہان	حیدرآباد سندھ	س۔ن۔م
74	شاہ عبد العزیزؒ الامام محدث دہلوی	بستان المحدثین	کراچی	۱۹۷۶ء
75	شاہ عبد القادرؒ	موضح القرآن	کراچی	س۔ن۔م

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مکتبہ	سن
76	شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ	تقویۃ الایمان	لاہور	۱۹۷۲ء
77	" " "	عبقات	لاہور	۱۳۸۰ھ
78	" " "	منصب امامت	لاہور	۱۹۶۹ء
79	شاہ ولی اللہ دہلویؒ	اربعون حدیثاً مسلسلۃ بالاشراف فی غالب سندھا		
80		الطاف القدس	لاہور	س۔ن۔م
81		الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	—	—
82		انصاف فی سبب الاختلاف	—	—
83		البدور البازغۃ	حیدرآباد سندھ	۱۹۷۰ء
84		البلاغ المبین	کراچی	س ۱۹۶۵ء
85		تاویل الاحادیث	حیدرآباد سندھ	س۔ن۔م
86		التفہیمات الٰہیّہ	" "	۱۹۶۷ء
87		الجزء اللطیف	کراچی	س۔ن۔م
88		حجۃ اللہ البالغہ	مصر	۱۳۳۲ھ
89		چہل حدیث	—	—
90		الخیر الکثیر	کراچی	س۔ن۔م
91		الدر الثمین فی مبشرات النبی الامینؐ	—	—
92		عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید	—	—
93		فتح الرحمٰن فارسی ترجمہ قرآن مجید	—	—
94		الفوز الکبیر فی اصول التفسیر	لاہور	۱۹۷۰ء
95		فیوض الحرمین	—	—

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مکتبہ	سن
97	شاہ ولی اللہ دہلوی رح	القول الجمیل فی بیان سواء السبیل		
98		لمحات فارسی		
99		المصفیٰ (شرح موطا فارسی)		
100		مقدمہ در فوائد ترجمہ قرآن (فارسی)		
101		النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر ؐ		
102		ہمعات	حیدرآباد سندھ	
103	شبلی نعمانی	سیرت النبی ؐ		
104		سیرت النعمان		
105		الفاروق		
106		علم الکلام		
107	مولانا شبیر احمد عثمانی	تفسیر القرآن	کراچی	
108	شیخ عبدالوہاب شعرانی	المیزان		
109	سید شمس الحق افغانی	علوم القرآن	بہاول پور	
110	شیخ عبدالقادر جیلانی	غنیۃ الطالبین	کراچی	
111	شیخ ابن البزازی الحنفی الکردری	مناقب		
112	شیخ محمد طاہر سندھی	مجمع البحار		
113	شیخ محمد عبدہ	تفسیر المنار	مصر	1961ء
114	شیخ الہند مولانا محمود الحسن	مقدمہ اردو ترجمہ القرآن مجید	(بجنور یو پی)	س-ن-م
115	شیخ محمد حاجی ڈاکٹر پرویز	لائف اینڈ ورک آف عبیداللہ سندھی	سندھ یونیورسٹی	1975ء

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مکتبہ	سن
117	فتح محمد خان جالندھری	اردو ترجمہ وتفسیر القرآن المجید	کراچی	
118	فرڈیننڈ ٹوٹل	المنجد فی الادب والعلوم	—	
119	قمرالدین	پولیٹیکل کانسپٹس ان دی قرآن	کراچی	۱۹۷۳ء
120	گب ایچ اے آر وجے ایچ کریم	شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	لیڈن	۱۹۵۳ء
121	مالک بن انس بن مالک	الموطا	قاہرہ	۱۹۵۱ء
122	مجاہد	تفسیر القرآن	قاہرہ	۱۹۳۷ء
123	محمد اسد	دی پرنسپلز آف سٹیٹ اینڈ گورنمنٹ ان اسلام		
124	محمد اشرف شیخ	سپاٹ لائٹ آن سپاٹ لیس اسلام	لاہور	۱۹۶۹ء
125	محمد ذکاءاللہ	تاریخ ہندوستان	علیگڑھ	۱۹۱۵ء
126	پروفیسر محمد سرور	افادات وملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی رح	لاہور	۱۹۷۲ء
127		خطبات مولانا عبیداللہ سندھی رح	لاہور	
128		کابل میں سات سال	لاہور	
129		مولانا عبیداللہ سندھی رح حالات زندگی تعلیمات اور سیاسی افکار	لاہور	۱۹۷۵ء
130	مفتی محمد شفیع رح	معارف القرآن	کراچی	۱۹۷۱ء
131	محمد رفیق احمد اویسی	احسن البیان فی تفسیر القرآن		
132	مولانا محمد قاسم نانوتوی رح	شرح حدیث ابی رزین رض		
133	مولانا محمد مالک کاندھلوی	اصول تفسیر	کراچی	
134	محمد مقبول عالم	اجتماعی دور کے مسائل اور ان کا حل فلسفہ ولی اللہ کی روشنی میں	لاہور	
135	محمد عبدالباقی فواد	المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم	مصر	۱۳۷۸ھ
136	[illegible]	[illegible]		

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مکتبہ	سن
137	عبدالواحد جے حالیپوتہ	پی ایچ ڈی تھیسس۔ ایتھیکل فلاسفی آف شاہ ولی اللہ	لاہور	۱۹۷۹ء
138	مولانا عبدالماجد دریا بادی	تفسیر القرآن اردو انگریزی ترجمہ قرآن	کراچی	س۔ن۔م
139	عبید اللہ پنڈت	تحفۃ الہند	دہلی	۱۲۹۱ھ
140	عبید اللہ سندھی	الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن	کراچی	
141		عنوان عرب (تفسیر سورۃ سبا۔ افادات)		
142		خلاصۃ القرآن	پنو عاقل سندھ	
143		شاہ ولی اللہ اور انکا فلسفہ	لاہور	۱۹۴۴ء
144		شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک	لاہور	۱۹۵۲ء
145		شرح حجۃ اللہ البالغۃ	لاہور	۱۹۵۰ء
146		قرآنی اساس انقلاب	"	۱۹۴۷ء
147		قرآنی اصول انقلاب	"	
148		قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے	" پیسہ اخبار	۱۹۶۱ء
149		قرآنی جنگ انقلاب	لاہور	۱۹۴۷ء
150		قرآنی دستور انقلاب	"	۱۹۴۷ء
151		قرآنی عنوان انقلاب	"	۱۹۴۶ء
152		قرآنی فکر انقلاب	"	
153		محمودیہ	"	۱۹۶۸ء
154		المسوّی تصنیف شاہ ولی اللہ تعلیق مولانا سندھی	مکہ مکرمہ	۱۹۳۲ء
155		المقام المحمود (تفسیر جزء عم)	حیدرآباد سندھ	۱۹۵۹ء
156	عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	مدارک التنزیل وحقائق التاویل	مصر	

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	مکتبہ	سن
157	مظہر الدین صدیقی	دی قرآنک کونسپٹ آف ہسٹری	کراچی	۱۹۶۵ء
158	ملاجیون احمد بن ابی سعید	التفسیرات احمدیہ فی بیان آیات الشرعیۃ	لاہور	۱۹۷۹ء
159	مولانا مناظر احسن گیلانی	تذکرہ شاہ ولی اللہ رح		
160	محمد سلیمان سلمان منصورپوری	رحمۃ للعالمین	لاہور	۱۹۷۲ء
161	موسیٰ جار اللہ	حروف اوائل السور الکریمۃ وتناسبہا فی النزول وفی المصاحف		
162	ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی	مشکوٰۃ المصابیح	کراچی	
163	ونسنک	المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی	مصر	

P. 850

Following certificates must be given by the Superrisor in case of candidate who wishes to appear for the degree of ~~M.Phil~~/Ph.D.

CERTIFICATE.

Certified that Mr.~~Miss/Mrs.~~ AHMED KHAN AWAN S/o/~~D/o~~ JEHAN KHAN has carried out research on the Topic" "مولانا عبد اللہ غفاری اور مولانا عبید اللہ سندھی کی غیر مطبوعہ تفسیر سورہ یوسف کا تقابلی جائزہ" under my supervision and that his/~~her~~ work is original and distinct and his/~~her~~ dissertation is worthy of presentation to the University of Sind for award of the degree of ~~Master of Philosophy~~/Doctor of Philospphy.

Ahmed Iqbal (Dr. Ahmed Iqbal)
Signature of the Supervisor Associate Professor.
DEPARTMENT OF COMPARATIVE &
has worked. AND
ISLAMIC CULTURE, SIND UNIVERSITY SIND.
No.AC-I/

Dated:-

F.W.Cs to the Controller of Examinations, University of Sind, Jamshoro together with 4 copies of thesis for necessary action, The applicant has cleared all the dues etc, and nothing is out-standing against him.

Deputy Registrar (G&A),
University of Sind,
Jamshoro.

Please insert here title of thesis.

Please Sation approximate date of submission of thesis

Please insert here the field of research.

ABSTRACT

World today is facing many modern problems in social, political and economic fields. Men are trying their level best to solve them by use of their knowledge both scientific and other than scientific.

Since his creation man is the same, his nature is the same, his natural prohlems are the same, except that the forms and volume of solution do change by change of time and environments. Man is combination of body and soul. He is born on the earth, lives on the earth and dies on the earth, his body gets sustenance and constitution from earthly substances. There are certain fixed laws within and without man that have impact on his body and soul. Human behaviour when conforms with them it develops and enjoys bodily and spiritual health and gets success.

Allah the Almighty(Jalla Shanuhu) is the Creater of man and the universe and has not left man without maintenance and sustenance. He is his Rabb (the Sustainer).. He provides food for his body as well as thought for his mind. The prophets and the Revealed Books have been sent for guidance of mankind. By the lapse of time man became perverted and the Divine Messages came and again brought him on the straight line. Imbalanced involvement in wealth, woman, property and carnal indulgences made man powoer-hungry and even haughty and proud. He exploited the poor, the needy,

Contd.......P/2

the ignorant, the weak in all spheres by all means. This results in sufference, destruction and doom.

The Holy Quran is the last panacea of all human ills and evils. It has 30 Parts and 114 Surahs. Each surah has its own eternal value and significance. Surah "Yusuf" is the surah which gives basic guide-lines for righteous good political conduct, removing ignorance and leading to descipline and training that gets appropriate relationship with the ruler and the ruled, eradicating social evils both in common man and amongst the high-ups in social, political and economics spheres. Criteria for honour in the eye of Allah is piety. The most honoured amongst human being is the one who is the most pious.

Woman without required descipline and youth if not properly controlled bring havoc and create jealousy resulting into destruction of peaceful homely relation due to disrespect of elders. It could be cured by patience and tolerance, Economic dearth can be made good by seven - yearly economic planning ----- by way of controlling the expenditure and making saving before hand at all levels. Freedom from natural and beneficial laws and rules of conduct should not be such that morality may vanish. Moral fibre must remain strictly guarded and kept intact.

Those who have means of production must assist those who are in need of them_______________ this would result in good relations amongst members, of the same nations and also neighbourly nations, and countries

Contd......P/3

streched for and wide. Feelings of discontentment and frustration should be avoided by observing patience perseverance and efforts to get rid of evil and by adopting virtue uncessantly.

The truth in words and action is infact justice and justice must be done by those who are in authority by keeping the balance even between the high and the low, the rich and the poor, without any fear or favour, Law and morality must be promulgated side by side to make the society the best among the amity of nations of the world.

While applying law, bonafide device will be appreciated while malafide disguise rejected.

Success here in this life and in the life hereafter, is the lot of those who are true believers in the guidance of Allah(J.Sh.) and who have moulded their lives according to it, keeping in view the Best-Example of Hadrat Muhammad Mustafa, the last Messenger of Allah(Peace and blessings of Allah be upon him).

Tafsir surah Yousif is the compilation of Maulana Abdullah Nihal Laghari and is in link with the basic thought of Maulana Ubaidullah Sindhi. It includes the vast knowledge, observation and Experience of Maulana Sindhi which he had gained by studying the world politics during his Exile. Maulana Laghari added into it the historical references in the light of the philosophy of Shah Waliullah, of whome Maulana Sindhi was the greatest Exponent.

Contd.......P/4

Keeping intact the original text and contents of the exegesis and maintaining the import, the sense, the signification, the meaning and the tenour, it has been divided into headings and sub headings according to the modern needs. The tafsir of Maulana Sindhi has also been annexed as an independant part in its origina form giving various headings and sub heading which serv as a gist of the whole, with a view to enabling the readers to have an easy access to the original source This thesis has been divided into four chapters.

Chapter 1 consists of a long foreward written by Maulana Laghari and is based on the historical and geogriaphical conditions of Egypt and the circumstances prevailing there in political, social and economic spheres. It also consists of important world events of the time. Chapter 11 consists of translation and tafsir of verses 1 to 35 (Raku' 1 to 4). Chapter III consists of translation and tafsir of verses 36 to 68 (Raku 5 to 8). Chapter IV consists of translation and tafsir of verses 69 to 111 (Raku 9 to 12).
At the end index and biblography have been added.

I am greatly indebted to my reverened and most effectionate teacher and guide Alhaj Prof. Dr. Abdulwahi J. Halepota and Dr. Ahmed Iqbal under whose able and worthy guidance and supervision I could accomplish this huge task. I am also thankful to Prof. S.M. Saeed

Contd.........P/5

Head of the Department of Comparative Study of Religions and Islamic Culture, Sind University, Jamshoro, for his kind co-operation. My thanks are also due to the Controller of Examinations and Academics Department for their prompt assistance to complete the formalities needed in the matter.

(AHMED KHAN AWAN)

LIAQAT